فیوضات صفدر

تالیف:

مولانا محمد محمود عالم صفدر اوکاڑوی

اجمالی فہرست مضامین

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کلمۃ المؤلف

بندہ نے جب رسالہ "وحدۃ الوجود" لکھا تو پاکستان کی ایک بہت بڑی شخصیت جو کہ کسی مقابلہ میں عالمی ایوارڈ یافتہ بھی ہیں۔ان کو دیا، رسالہ پڑھ کر فرمانے لگے بہت مشکل ہے۔بندہ نے عرض کیا کہ دس منٹ میری طرف توجہ کریں۔

مسئلہ کو بیان کیا اور عرض کیا کہ اب رسالہ کو دوبارہ پڑھیں فرمانے لگے بہت آسان ہے۔ایک دفعہ ایک محقق ومناظر سے دوران گفتگو بندہ نے حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے رسالہ "تحذیر الناس" پر کچھ گفتگو کی تو بہت متاثر ہوئے۔

پھر جب ان سے ملاقات کے لیے ان کے پاس گیا تو لوگوں کو تعارف کے دوران فرمانے لگے یہ میرے استاد ہیں۔ایک اور ہمارے محقق جو کہ اب اللہ کو پیارے ہو چکے،ایک دفعہ ایک کتاب کی تصنیف کے دوران بلاتکلف بندہ کے پاس آ گئے اور حضرت نانوتویؒ کی کسی عبارت پر اشکال کا جواب چاہا۔

بندہ نے عرض کر دیا تو بہت مطمئن ہوئے۔یہ سب فیض حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑویؒ کا ہے۔

جمال ہمنشیں در من اثر کرد   ورنہ من ہما خاکم کہ ہستم

دوران تدریس کچھ اکابر کے افادات، کچھ مضامین، کچھ رسائل کا گلدستہ آپ حضرات کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔اس میں جو علم یا خیر کی بات ہوگی فیض ہوگا میرے اساتذہ کرام،مشائخ عظام کا جو کوتاہی ہوگی، مجھ ناچیز کی بد اعمالیوں کی نحوست ہوگی۔

فقیر کو یہ سعادت ذات حق جل شانہ کے فضل وکرم سے حاصل رہی کہ قائد اہلسنت وکیل صحابہؓ مظہر شریعت وطریقت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب (خلیفہ اجل شیخ العرب والعجم امیر المؤمنین فی الحدیث حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ) امین العلماء قطب العصر حضرت مولانا سید محمد امین شاہ صاحب، برکۃ العصر شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد صدیق صاحب (صدر المدرسین

جامعہ خیر المدارس ملتان) فقیہ العصر حضرت اقدس مفتی عبدالستار صاحب (رئیس الافتاء جامعہ خیر المدارس) حضرت مولانا پیر عبدالکریم نقشبندی مجددی (راولپنڈی) نور اللہ مرقدھم وبرد اللہ مضاجعھم کی توجہات ودعائیں حاصل رہیں۔

اسی طرح بندہ کے شیخ رئیس الاولیاء شیخ الحدیث حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب سومرو (خلیفہ مجاز حضرت قاضی صاحبؒ) حضرت مولانا نعیم احمد صاحب حضرت مولانا شمشاد احمد صاحب، مولانا محمد عابد صاحب، شیخ الحدیث محدث العصر حضرت مولانا شبیر الحق صاحب زبدۃ الفقہاء حضرت اقدس مفتی محمد عبداللہ صاحب (اساتذہ خیر المدارس ملتان)، سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے عظیم سرخیل عارف باللہ مفتی سعید الرحمٰن مہاجر مدنی (کراچی) کی دعاؤں وتوجہات کا محتاج ہوں۔ذات حق جل شانہ ان تمام نفوس قدسیہ کا سایہ تادیر ہم طالبان علم پر قائم ودائم رکھے۔(آمین)

حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:

لیکن اس کے بعد جو مجھے کشف ہوا تو میں نے اپنی طبیعت اسباب کی طرف مائل پائی اور میں نے محسوس کیا کہ میری طبیعت کو اسباب سے لذت ملتی ہے۔اور وہ اسباب کی تلاش میں سرگرداں رہتی ہے۔لیکن میری طبیعت کے خلاف میری روح کا رجحان توکل کی طرف ہے۔اور میری روح اسباب کی بجائے توکل سے لذت حاصل کرتی ہے۔(فیوض الحرمین:ص ۲۲۱)

نیز لکھتے ہیں:

(کیونکہ حضرت شاہ صاحب کی طبیعت تقلید سے انکاری تھی) فرمایا مجھے کہا گیا تمہارے لئے ضروری ہے کہ فروعات میں اپنی قوم کی ہرگز مخالفت نہ کرو۔کیونکہ ایسا کرنا ارادہ الٰہی کے خلاف ہے۔(ایضا)

بندہ کی روحانی تسکین بھی اس میں ہے کہ بندہ کی کوئی تعریف نہ کرے اور نہ میرے حالات پر مضمون لکھے۔مگر حالات کے تقاضے کے اختیار سے احباب کی خواہش تھی کہ لکھے جائیں۔مولانا

محمد عثمان اتراصاحب (جوہرآباد سابقہ مماتی) نے لکھ بھی دیے۔

بندہ نے مزید اختصار کے ساتھ اس کو شامل کر دیا ہے۔ فقیر تحدیث نعمت کے ساتھ ساتھ پھر عرض کرتا ہے کہ مجھ ناچیز میں جو بھی خوبی ہے وہ میرے مشائخ اور اساتذہ کی برکت سے ہے۔ ذات حق جل شانہ "فیوضات صفدر" کی دونوں جلدوں کو نافع بنائے اور ان مذکورہ اکابرین کے وسیلہ سے اس کو قبولیت عامہ نصیب کرے۔ پھر فقیر کے لیے ذریعہ نجات بنائے۔ آمین بجاہ النبی الکریم علیہ الف الف تحیۃ و سلام.

نوٹ:

آخر میں بندہ اپنے عزیز دوست مولانا نیاز احمد صاحب اوکاڑوی زید مجدہ العالی کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے اس کتاب کی کمپوزنگ، تصحیح میں بندہ کا تعاون کیا، اسی طرح حضرت مولانا خالد محمود صاحب (ٹیکسلا)، مفتی ندیم حیدر صاحب (سرگودھا) کا بھی شکر گزار ہوں جنہوں نے پروف کی تصحیح میں تعاون فرمایا۔ فجزاھم اللہ جزاء خیرا کثیرا عن جمیع اھل العلم.

نیز حضرت مولانا قاضی عبدالرشید صاحب مدظلہم العالی (ناظم وفاق المدارس پنجاب و مہتمم جامعہ فاروقیہ راولپنڈی) کا بھی انتہائی مشکور ہوں جن کے زیر سایہ راولپنڈی کے علماء دینی خدمات میں مصروف ہیں۔ فجزاہ اللہ خیر الجزاء.

محمد محمود عالم صفدر اوکاڑوی

۱۴ ذوالحجہ ۱۴۳۳ھ

جامعہ امینیہ و خانقاہ چشتیہ مدنیہ چکری روڈ راولپنڈی

مؤلف کے حالات

از قلم......حضرت مولانا محمد عثمان اترا

استاذ مکرم حضرت مولانا محمد محمود عالم صفدر کی پیدائش بروز یکشنبہ ۴ رجب ۱۳۹۸ھ مطابق ۱۱ جون ۱۹۷۸ء ۲۹ جیٹھ ۲۰۳۵ بکرمی کو رئیس المناظرین حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی کے برادر صغیر قاری محمد اشرف صاحب زید مجدہ العالی کے گھر لیہ میں ہوئی۔

حضرت قاری صاحب حضرت اوکاڑوی جو سات بھائی تھے۔آپ پانچویں نمبر پر ہیں،آپ قرآن پاک کے جید قاری صاحب تقویٰ وطہارت تبلیغی مزاج رکھنے والے بزرگ ہیں۔تبلیغی جماعت کے سابقہ امیر حاجی عبدالوہاب کے گہرے دوست انکی مسجد ٹوپیاں والا بورے والا میں امام بھی رہے ہیں۔

سترکی دھائی کے بعد لیہ شفٹ ہو گئے وہاں تبلیغی مرکز میں تقریباً بارہ سال امام بھی رہے۔ان کا تبلیغی فیض لیہ اور اس کے گردونواح میں خوب پھیلا ہے۔اب گزشتہ تین سال سے صاحب فراش ہیں،ذات حق جل شانہ شفائے کاملہ عاجلہ مستمرہ نصیب فرمائے۔(آمین)

استاذ مکرم نے حفظ قرآن مقامی مدارس مدرسہ اشرف المدارس لیہ،جامع مسجد کرنال والی لیہ،مدرسہ فاروق اعظم لیہ میں کرنے کے بعد درجہ کتب کی تعلیم حاصل کرنے کیلئے ۱۹۹۳ء میں جامعہ خیر المدارس میں داخلہ لیا،یوں حضرت اوکاڑوی کی خدمت اور رفاقت کی سعادت میسر ہوئی جو تقریباً حضرت کی وفات تک قائم رہی۔

اگرچہ اس دوران دو سال کا عرصہ آپ نے عارضہ صحت کی وجہ سے لیہ میں بھی گزارا۔حضرت کی فراغت جامعہ خیر المدارس سے ۱۴۲۲ھ مطابق ۲۰۰۱ء ہوئی۔پھر مختلف مساجد ومدارس میں امامت،خطابت وتدریس کے فرائض انجام دیتے رہے۔جن میں جامعہ حیدریہ خیر پور میرس سندھ،مرکز اہلسنت سرگودھا خاص کر قابل ذکر ہیں۔

دوران تدریس زیادہ تر اسباق تخصص فی الدعوۃ والتحقیق کے متعلق تھے،کتب حدیث میں سنن ابی

داود، طحاوی، موطئین، ابن ماجہ، مشکوۃ جلد اول، شرح نخبۃ الفکر، نورالانوار بھی زیر تدریس رہیں۔ شرح نخبۃ الفکر اور نورالانوار کی آپ نے گرانقدر شروحات بھی لکھی ہیں ۲۰۱۱ء میں آپ نے اپنے ادارہ جامعہ امینیہ کی بنیاد رکھی۔ تقریباً ایک سال لیکام کیا پھر راولپنڈی منتقل ہو گئے۔
اس جامعہ کی بنیاد ہی تخصص کے اسباق سے ہوئی اور دیگر درجہ کتب کے اسباق بھی جاری رہے۔ چونکہ استاذ مکرم کی تصوف و تصنیف و تالیف کی مصروفیات کافی ہیں اس لئے اب تخصص ختم کر کے صرف حفظ و کتب کے اسباق رہ گئے ہیں۔ سترہ سالہ تدریسی مصروفیات سے ہزاروں علماء نے آپ سے علمی و تحقیقی استفادہ کیا۔

اقوال المحمود فی توثیق المحمود:

ا۔ قطب العصر، امین العلماء حضرت مولانا سید محمد امین شاہ صاحبؒ جو آپ کے پیر و مرشد تھے، انھوں نے جہاں آپ کو اجازت و خلافت سے نوازا وہاں تقریباً ایک درجن کے قریب دفعہ فرمایا کہ بیعت کیا کرو۔ اور فرمایا کہ آپ میرے سردار ہو۔
بوقت ملاقات اکثر آپ کو بوسے دیتے آپ کے ہاتھوں کو چومتے۔ ایک بار مفتی مظہر اقبال جو کہ سرگودھا چک نمبر ۸۴ جنوبی سے کچھ افراد کو بغرض بیعت حضرت اقدس کی خدمت میں لے گئے تو فرمایا وہاں محمود بیٹھا ہے، میں نے اس کو سب کچھ دے دیا ہے، آپ اس سے بیعت ہو جاؤ۔
قطرات العطر کی تقریظ میں حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں:
حضرت اوکاڑویؒ اپنی نظر مسیحائی سے چند رجال کار ایسے تیار کر گئے جو حضرت ممدوح کے صحیح اور روحانی علمی جانشین ثابت ہوئے جن میں آپ کے حقیقی برادرزادہ الفاضل الصالح مولانا محمد محمود عالم اوکاڑوی زید فضلہ و مجدہ بھی شامل ہیں۔
۲۔ علامہ علی شیر حیدریؒ نے ایک بار فرمایا: پگڑی میری بڑی ہے اور علم مولوی محمود کا۔ فرمایا جب قطرات العطر کا مطالعہ فرمایا کہ مولوی محمود کے علوم بہت اونچے ہیں۔ فرمایا مولوی محمود چلنے میں بھی تیز ہے اور ہر کام میں تیز ہے۔ آپ کے تعارف کروانے پر بعض حضرات نے آپ کا نام رکھا

تھا”نایاب استاذ“۔

ایک بار اجلاس میں جبکہ حضرت پنجاب آئے ہوئے تھے مدرسہ کے اساتذہ نے غیر موجودگی سے فائدہ اٹھا کر کوئی شکایت لگائی تو فرمایا: تم استاذ محمود سے جلتے کیوں ہو۔

۳۔استاذ المحدثین مفتی غلام قادر صاحب آف سندھ نے جو کہ علامہ حیدریؒ کے کتب حدیث کے استاد تھے اور بقول حیدریؒ جنت کے مقام پر فائز تھے فرمایا کہ عموما پکے لوگ باصلاحیت ہوتے ہیں مولانا محمود کتنے پکے ہیں مگر علم کتنا پختہ ہے۔ایک بار مجلس میں حضرت کو فرمایا آپ پر جان بھی قربان ہے۔

۴۔حضرت مولانا نور محمد تونسویؒ کو آپ دبانے لگے تو انکار کر دیا اور فرمایا کہ بزرگی عمر کے بڑا ہونے سے نہیں ہوتی،علم سے ہوتی ہے(آپ علم میں بڑے ہیں)۔

۵۔حضرت مولانا حسیر احمد منور نے فرمایا: آپ اکابر کی روحانیت کا عکس ہیں۔

۶۔رئیس الاولیاء حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب سومرو جو کہ آپ کے چہیتے شیخ ہیں نے فرمایا:”میانیوں کا خاندان ہے۔“فرمایا:”پہلے علم کے پہاڑ تھے اب معرفت کا سمندر ہیں۔“

۷۔حضرت مولانا نواز بلوچ نے آپ کی کتاب قطرات العطر پڑھ کر فون کیا اور فرمایا: دل چاہتا ہے کہ سب علماء کو اکٹھا کر کے کہا جائے کہ اس کتاب کا مطالعہ کرو۔

۸۔شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد صدیق صاحب نے آپ کو بارہا فرمایا: بخاری کی شرح ”الخیر الساری“ کی تصنیف میں میرے شریک ہوجاؤ۔“پھر فرمایا: اس کا تنقیدی مطالعہ کر کے مجھے اغلاط سے مطلع کرو۔

دورہ حدیث کی سند پر حضرت الشیخ نے یہ الفاظ لکھ کر اپنے شاگرد رشید کی صلاحیت کو اجاگر کیا:”ممتاز فهيم ذو استعداد اهل للدرس و التدريس۔“

۹۔ڈاکٹر سعید احمد عنایت اللہ (شیخ الحدیث جامعہ صولتیہ مکہ مکرمہ) نے فرمایا:”پاکستان کے علماء سے مایوس تھا آپ سے ملاقات کر کے خوش واپس جا رہا ہوں۔فرمایا: دنیا کے نادر علماء میں سے

ہیں۔

۱۰۔امام المحدثین مولانا عبدالحلیم چشتی سے جب آپ کی علمی گفتگو ہوئی تو فرمایا: آپ نے کتنے سال مطالعہ کیا۔حضرت نے فرمایا: چھ سال۔فرمایا: اگر اللہ تمہیں پچیس سال اور عمر دے دے تو کہاں پہنچ جاؤ گے؟ فرمایا: لکھتے رہا کرو لوگوں کو فائدہ ہوگا۔یہ بات حضرت چشتی صاحب نے تیرہ سال قبل فرمائی تھی۔

۱۱۔مولانا اسامہ رضوان نے فرمایا: علم کے سمندر ہیں۔

۱۲۔مفتی مدثر صاحب جو کہ آپ کے ہم عصر وہم درس عالم دین ہیں نے آپ کو حضرت مولانا عبدالعزیز پرہاروی سے تشبیہ دی۔

۱۳۔جب استاذ مکرم نے سندھ کے بعد سرگودھا تدریس شروع کی تو آپ کے استاذ مکرم شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب جامی مدظلہ (مہتمم جامعہ اشرف المدارس لیہ) نے فرمایا: لیہ نے دو آدمی تیار کئے، ایک مفتی عبدالقادر صاحب جو کبیروالا چلے گئے۔دوسرا محمود یہ بھی شہر سے باہر چلا گیا۔

جب حضرت استاذ نے لیہ کام شروع کیا تو حضرت شیخ الحدیث نے فرمایا: لیہ میں ایسی شخصیت کی ضرورت تھی جس کے پاس پاکستان بھر سے لوگ آتے ہوں۔

۱۴۔ایک مجلس میں حضرت استاد کے ایک استاد جو کہ بہت بڑے جامعہ کے شیخ الحدیث ہیں انہوں نے فرمایا: یہ جب ہمارے پاس پڑھتا تھا سبق میں ڈرتے ڈرتے پڑھاتا تھا کہ یہ میری غلطیاں نکالے گا۔اساتذہ کرام کا یہ بھروسا استاد جی کے طالب علمی کے زمانہ میں تھا۔

۱۵۔شیخ الحدیث حضرت مولانا فیض احمد صاحب نے آپ کو ترمذی کے پرچے ۱۰۵ نمبر عطا فرمائے پھر بہت محبت فرمانے لگے حتی کہ مرض الوفات میں آپ کے منہ میں اپنا لعاب دہن بھی دیا فخر المحدثین کے لعاب دہن کی برکت ہے کہ استاذ مکرم اتنا علمی وتصنیفی کام کر رہے ہیں۔

۱۶۔عظیم محقق ومصنف نابغۃ العصر حضرت مولانا محمد نافع صاحب آپ کی کتاب "قطرات

العطر“ کے بارے میں فرمایا: ”آپ کی کتاب قطرات بڑی محنت سے تیار ہوئی ہے۔“ .....اگر پسند خاطر ہو بندہ کی یہ رائے ہے فن حدیث میں حنفی اصولوں کو واضح کرنے کیلئے ایک مستقل رسالہ الگ مرتب کیا جائے جو شرح نخبہ کے ساتھ ضم نہ ہو بلکہ اس کی اپنی انفرادی حیثیت ہو..... یہ عظیم کام ہے جو محنت طلب ہے معمولی نہیں۔..... یہ فن حدیث کی خدمت ہوگی اور اس دور کے علماء وطلباء پر احسان عظیم ہوگا۔ تسکین الاذکیاء پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا: مسئلہ ہذا پر آنجناب نے بڑا عمدہ مواد فراہم کیا ہے۔

۱۷۔شیخ الحدیث ڈاکٹر عبدالستار مروت پشاور تسکین پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

مولانا موصوف نے جس ژرف نگاری اور بیدار مغزی کا ثبوت دیا ہے وہ یقیناً واللہ درہ کے تعریفی کلمات کا صحیح محمل ہے۔

۱۸۔ماہر علوم حدیث سابق استاذ تخصص فی الحدیث جامعہ فاروقیہ کراچی لکھتے ہیں: ”ہمارے مخدوم مکرم گرامی قدر مولانا محمد محمود عالم صفدر زید مجدہ نے قطرات العطر تالیف کی جس میں جا بجا اصول فقہ اول حدیث اور دیگر موضوعات کی متداول غیر متداول کتابوں سے اقتباسات لے کر شرح کو چار چاند لگا دیئے ہیں اردو زبان میں لکھی ہوئی نزہۃ النظر کی شروحات میں سے موصوف کی تالیف کردہ یہ شرح فوائد اور تنبیہات کے حوالہ سے ممتاز مقام رکھتی ہے اس کو پڑھ کر مبتدی کی آنکھیں کھل جاتی ہیں اور منتہی بیش بہا موتیوں کو یکجا دیکھ کر محظوظ ہونے لگتا ہے۔

۱۹۔محدث مردان حضرت مولانا سجاد الحجابی لکھتے ہیں: ”ان ہی شروح میں سے ایک بہترین اور اچھی شرح کا اضافہ ہمارے محترم دوست نوجوان عالم دین حضرت مولانا محمد محمود عالم صفدر اوکاڑوی دامت برکاتہم العالیہ نے ”قطرات العطر“ لکھ کر کیا ہے۔ان کی شرح بہت سی خصوصیات کی حامل ہے۔ان شاء اللہ مدرسین اور طلباء کرام کیلئے اس کی مباحث روح افزاء ہوں گی۔“

۲۰۔شیخ العلماء مفتی سعید الرحمٰن نقشبندی مجددی مدظلہ مہاجر مدنی نے فرمایا: ”ان کا دماغ سمندر

ہے۔"

۲۱۔حضرت مولانا ابوبکر غازیپوری ہندوستان کے مایہ ناز محقق ومصنف گزرے ہیں جن کی تصانیف ومضامین سینکڑوں سے متجاوز ہیں، جب پاکستان ۱۴۲۶ھ تشریف لائے اور سرگودھا مرکز اہلسنت میں بھی ایک دن رات قیام فرمایا اور اس وقت مدرسہ میں دو اساتذہ کرام پڑھاتے تھے، ایک استاذ محترم اور دوسرے علامہ عبدالغفار ذہبی۔

زیادہ تر ان کی مجلس استاذ محترم کے ساتھ رہی اور پھر سرگودھا سے فیصل آباد کبیر والا، مخدوم پور، ملتان کا سفر اکٹھے کیا۔آگے جو تاثرات ان کے آرہے ہیں وہ استاذ مکرم کے بارے میں ہیں اس لئے کہ علامہ ذہبی صاحب کی ایک تو ان سے گفتگو کم ہوئی، دوسرا ان کی عمر اس وقت بھی چالیس کے قریب تھی جب کہ استاذ مکرم ہی نوجوان تھے اور کم عمر نیز اس سفر کے دوران بھی جامعہ قادریہ حنفیہ میں فرمایا: "دنیا میں ایسے علماء بہت کم ملتے ہیں۔"

اور اسی قسم کا تاثر جامعہ عمر بن الخطاب ملتان میں دیا، حضرت غازیپوری صاحب لکھتے ہیں:

"یہیں مولانا محمود اوکاڑوی کا تعارف ذرا خاص مقدار میں ہوا۔"

نیز لکھتے ہیں:

"مدرسین عام طور پر اپنے فن کے ماہر ہیں بعضوں کے حافظہ اور ان کی معلومات دیکھ کر مجھے بڑی حیرت ہوئی۔حالانکہ ان کی عمریں ابھی جوانی بلکہ نوجوانی کی حدوں والی ہیں مگر ان کا علم اتنا گہرا اور پختہ ہے کہ انہیں دیکھ کر رشک آتا ہے اور اپنی صلاحیت وقابلیت کی بے حیثیتی کا اندازہ ہوتا ہے۔"

"ان کی خدمات مجھے رہ رہ کر یاد آتی ہیں اور احساس پختہ ہوا کہ دین کا کام اللہ جن سے چاہیں لے لیں اس کے لئے عمر اور ظاہری ٹیپ ٹاپ کی کوئی قید نہیں۔"

نیز غازیپوری صاحب لکھتے ہیں:

مولانا محمود اوکاڑوی مرکز اہلسنت کے ایک نوجوان نہایت فاضل استاد ہیں۔کم عمری میں کئی

کتابوں کے مصنف ہیں۔ بعض کتابیں چار سو، پانچ سو صفحات کی ہیں۔ مولانا امین صفدر کے سگے بھتیجے ہیں، ان کے علوم اور ان کے ذوق کے بڑی حد تک امین ہیں۔ ذہانت، ظرافت، تواضع اخلاص طلاقت لسانی جذبہ خدمت گزاری اور اکابر دیوبند سے عشق و محبت کے معانی کو اکٹھا کر کے ایک انسانی مجموعہ تیار کیا جائے تو مولانا محمود اوکاڑوی کی تصویر بنے گی۔

مولانا محسن کے ساتھ پنجاب کے بیشتر حصوں میں یہ بھی میرے رفیق سفر رہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ ازراہ محبت اور پیار گاڑی میں بیٹھ کر بالکل کان سے لگ کر مجھ سے بات کرتے تھے ان کی یہ ادا مجھے بہت بھائی تھی۔ اور میں اپنے دل میں کہتا تھا کہ محبت کے انداز بھی نرالے ہوتے ہیں۔ کبھی کبھار اس پر کچھ تفریح بھی ہو جاتی۔ مولانا محسن اور مولانا محمود جیسے فضلاء کو دیکھ کر محسوس ہوتا ہے کہ پاکستان میں عربی مدارس میں تعلیم کا معیار ہندوستان سے بہت بلند ہے۔

اور وہاں کے مدارس نے درس نظامی کو آج بھی بڑی حد تک مضبوطی سے تھامے رکھا ہے۔ اور نصاب کی تجدید کی ہوا نے ان کو متاثر نہیں کیا ہے۔ طلباء اور فضلاء میں استعداد کی پختگی اسی کا اثر ہے۔ (دوماہی زمزم ش ۲ ج ۱۰)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رسالہ بشریت رسول ﷺ

اہل سنت والجماعت کے نزدیک حضرات انبیاء علیہم السلام کی تخلیق مٹی سے ہوئی، اس لئے بحکم "منها خلقناكم وفيها نعيدكم "اس زمین پر قبریں بنیں۔ اگر چہ ان کی قبور جنت کا حکم رکھتی ہیں جیسا کہ حدیث "روضة من رياض الجنة" سے واضح ہے۔

نورانی کی صفت تھی جیسے آقا علیہ السلام کی دعا "اللهم اجعل لي نورا" سے ظاہر ہے۔ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو نور ہدایت دیا گیا۔ امام الانبیاء ﷺ کو سب سے اول اور ذاتی طور پر نور نبوت عطا کیا گیا، باقی انبیاء علیہم السلام کا نور نور محمدی سے مستفاد ہے۔

چونکہ بریلوی علماء حضرات انبیاء علیہم السلام کی ذوات قدسیہ کے بشر ہونے کے منکر ہیں اس لئے کچھ دلائل پیش خدمت ہیں۔

بشریت رسول ﷺ قرآن کریم کی روشنی میں:

آیت: وما منع الناس ان يؤمنوا اذ جاء هم الهدىٰ الا ان قالوا ابعث الله بشرا رسولا. قل لو كان في الارض ملائكة يمشون مطمئنين لنزلنا عليهم من السماء ملكا رسولا.

(پارہ نمبر ۱۵ سورۃ بنی اسرائیل آیت نمبر ۹۴، ۹۵)

ترجمہ: جب لوگوں کے پاس ہدایت آئی تو ان کو ایمان لانے سے اور کسی چیز نے نہ روکا مگر انہوں نے کہا کہ کیا اللہ نے بشر کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔ کہہ دے اگر زمین پر فرشتے رہنے والے ہوتے تو

ہم ان پر فرشتے رسول بنا کر بھیجتے۔

یہاں بلاشبہ یہ بات ثابت ہے کہ چونکہ زمین پر رہنے والے بشر ہیں اس واسطے ان کی طرف رسول بھی بشر آیا۔ تمام مفسرین اس بات پر متفق ہیں کہ یہاں سے بشریت نبی کریم ﷺ ثابت ہے۔

آیت: وما جعلنا لبشر من قبلک الخلد افائن مت فهم الخالدون.

(پارہ ۱۷ سورۃ انبیاء آیت نمبر ۳۴)

ترجمہ: اللہ نے فیصلہ فرمایا ہے کہ کسی بشر کو دنیا میں ہمیشہ نہ رکھے نہ تجھ کو اور نہ ان کو پس اگر تو فوت ہو جائے تو کیا وہ بچ جائیں گے۔

ان اللہ تعالیٰ قضیٰ ان لا یخلد فی الدنیا بشر لا انت ولا هم فان مت انت البقی هؤلاء. (خازن ص۲۷۶ ج۳)

اس آیت کریمہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ تیرے فوت ہو جانے سے جو تیری نبوۃ و رسالت کی نفی پر استدلال لانا چاہتے ہیں یہ سراسر غلط ہے۔ اس واسطے کہ موت بشری عوارضات میں سے ہے۔ اس سے کوئی فرد مستثنیٰ نہیں خواہ نبی ہو یا غیر نبی۔ جیسا کہ کل نفس ذائقة الموت سے ظاہر ہے اور انک میت و انهم میتون میں خاص کر جناب ﷺ کی وفات بتائی گئی ہے۔ غرض کہ اس آیت میں نبی کریم ﷺ کی فوت گی کے استبعاد کو اس طرح دور کیا گیا ہے کہ کوئی بشر ہمیشہ رہنے والا نہیں جس سے صاف معلوم ہوا کہ آپ بشر ہیں۔

آیت: اکان للناس عجبا ان او حینا الی رجل منهم (پارہ ۱۱ سورۃ یونس آیت نمبر ۲)

ترجمہ: کیا لوگوں کو اس بات سے تعجب ہے کہ ہم نے ان میں سے ایک شخص کی طرف وحی نازل کی خازن نے اس کے ماتحت جو کچھ لکھا اس کا حاصل یہ ہے کہ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اس آیت کے نازل ہونے کا سبب یہ ہے کہ جب نبی کریم ﷺ رسول ہو کر آئے۔ تو کفار نے کہا۔ خداوند تعالیٰ اس سے پاک ہے کہ بشر کو رسول بنا کر بھیجے۔ پس آیت اتری کہ ان کو اس بات پر تعجب نہ ہونا چاہیے کہ ان میں سے ایک شخص رسول ہو کر آیا یعنی بشر کو ہم نے رسول بنا کر بھیجا۔

(خازن: ج ۲ ص ۳۰۰)

افسوس اہل مکہ حضور پاک ﷺ کو رجل اور بشر مانتے ہیں مگر رسول نہیں مانتے۔ ہمارے مذ ماننے کے بدعتی آپ کو رسول مانتے ہیں۔ پر بشر نہیں مانتے پس نتیجہ دونوں کا ایک ہے خدا ہدایت دے۔

آیت: وما ارسلنا قبلک الا رجالا نوحی الیهم فاسئلو اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون.

(پارہ ۱۷ سورۃ انبیاء آیت نمبر ۷)

ترجمہ: نہیں بھیجا ہم نے تجھ سے پہلے مگر مردوں ہی کو کہ وحی بھیجتے تھے ہم ان کی طرف پس معلوم کر لو جاننے والوں سے اگر تم نہ جانتے ہو۔

آیت: وما جعلنا هم جسدا لا یاکلون الطعام وما کانوا خالدین. (پارہ ۱۷ سورۃ انبیاء آیت نمبر ۸)

ترجمہ: اور نہیں بنایا انکو ایسا جسم والا جو نہ کھائے طعام اور ہمیشہ رہنے والے نہیں۔ علامہ خازن اسی کے تحت فرماتے ہیں۔ کافروں نے بشر کی رسالت کا انکار کیا اور یہ مطالبہ کیا کہ فرشتوں کو رسول ہونا چاہیے۔ مگر اولیٰ بشر کا رسول ہونا ہے کیونکہ بھیجا بشر کی طرف جا رہا ہے اور ہم جنس ہم جنس کو زیادہ قبول کرتی ہے۔

دوسرے مقام پر اسی آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

هذا رد لقولهم ما لهذا الرسول یا کل الطعام والمعنی لم نجعلهم ملائکة بل جعلنا هم بشرا وما کانوا خلدین یعنی فی الدنیا بل یموتون کغیرهم (خازن ص ۲۷۶ ج ۳)

یہی آیت سورۃ نحل میں بھی آئی ہے۔ جس کے تحت علامہ خازن نے لکھا۔

والمعنی ان عادة الله جاریة من اول مبدا الخلق انه لم یبعث الا رسولا من البشر فهذه عادة مستمرة و سنة جاریة قدیمة (خازن ص ۱۲۳ ج ۳)

ترجمہ: حاصل یہ ہے کہ ابتداء خلق سے اللہ کی یہ عادۃ ہے کہ اس نے بغیر بشر کے کوئی رسول نہیں بھیجا۔ بشر کا بشر کی طرف رسول ہونا خدا کی مستمرہ عادۃ قدیمہ ہے۔

آیت: قل انما انا بشر مثلکم (سورۃ کهف آیت نمبر ۱۱۰)

علامہ آلوسیؒ اس آیت کے تحت لکھتے ہیں:

والمقصود البشریة مثل المخاطبین (روح المعانی ص ۱۴/۵۳)

مقصود بشریت ہے جو مخاطبین کی مثل ہو۔

امام رازیؒ لکھتے ہیں:

الا لا امتیاز بینی و بینکم فی شیء من الصفات الا ان اللہ تعالیٰ اوحی الی انہ لا الہ الا اللہ الواحد الاحد الصمد (تفسیر کبیر ص ۱۷۶ ج ۲۱)

یعنی میرے اور تمھارے درمیان صفات میں سے کسی صفت میں امتیاز نہیں ہے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی فرمائی ہے کہ اللہ ایک ہے، اکیلا ہے، ہر کوئی اس کی طرف محتاج ہے اور وہ کسی طرف محتاج نہیں ہے۔

آیت: ماکان لبشر ان یؤتیہ اللہ الکتٰب و الحکمۃ (پارہ ۳ سورۃ ال عمران آیت نمبر ۷۹)

علامہ بغویؒ اس آیت کے تحت لکھتے ہیں:

ماکان لبشر یعنی محمداً (تفسیر بغوی ص ۳۲۰ ج ۱)

امام ابن کثیرؒ اس آیت کے تحت لکھتے ہیں:

مایعنی لبشر آتاہ اللہ الکتاب والحکمۃ والنبوۃ ان یقول للناس اعبدونی من دون اللہ ای مع اللہ فاذا کان ھذا لا یصلح لنبی ولا لمرسل فلان لا یصلح لا حد من الناس غیرھم بطریق الاولیٰ۔

(ابن کثیر تحت آیت ھذا ص ۳۷۹)

کسی بشر کے لیے جس کو اللہ نے کتاب وحکمت اور نبوۃ عطا کی ہو اس کے لیے یہ جائز نہیں کہ لوگوں کو کہے کہ اللہ جل شانہ کے علاوہ میری یعنی اللہ کی عبادت کے ساتھ ساتھ میری بھی عبادت کرو۔ پس جب یہ کسی نبی اور رسول کے لیے جائز نہیں ہے تو دوسرے لوگوں کے لیے تو بطریق اولیٰ جائز نہ ہوگا۔

علامہ آلوسیؒ اس آیت کے تحت فرماتے ہیں:

فان البشریۃ منافیۃ للامر الذی اسندہ الکفرۃ الی اولئک الکرام علیھم الصلوۃ والسلام۔

(روح المعانی ص ۲۰۷ ج ۳)

اس لیے کہ بشریت اس چیز کے منافی ہے جس کی ان کفار نے انبیاء علیہم السلام کی طرف نسبت کی ہے۔

معلوم ہوا کہ تمام انبیاء بشر ہیں۔ حق تعالیٰ الوہیت کی نفی اور عبادت انبیاء کی نفی کی دلیل انبیاء کا بشر ہونا ہی بیان فرمارہے ہیں۔

آیت: لقد من اللہ علی المومنین اذ بعث فیھم رسولا من انفسھم یتلو علیھم اخر الآیۃ.

(سورۃ ال عمران آیت نمبر ۱۶۴)

اس آیت کے تحت مولانا غلام رسول سعیدی لکھتے ہیں: مـن انـفـسـھـم کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نوع انسان اور بشر سے سیدنا محمد کو مبعوث کیا۔ یہ اللہ کا بہت بڑا احسان ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ آپ کو نور نار یا ملائکہ سے مبعوث کرتے تو انسان کے لیے آپ سے استفادہ کرنا ممکن نہ ہوتا۔ آپ کی زندگی انسانوں کے لیے نمونہ نہ ہوتی اور حجت نہ ہوتی۔ اس لیے اللہ نے یہ اپنا رسول فرشتوں میں نہ نار نہ نور میں سے بلکہ انسانوں سے مبعوث فرمایا اور مومنوں کی جنس میں سے رسول کو مبعوث کیا دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ علامہ آلوسی حنفیؒ نے لکھا ہے کہ آپ ان کے نسب سے مبعوث کئے گئے۔ یا ان کی جنس قوم عرب میں سے مبعوث کئے گئے۔ یا بنو آدم سے مبعوث کئے گئے۔ فرشتوں اور جنات سے مبعوث نہیں کئے گئے۔ یہ بھی اس وجہ سے احسان ہے کہ کسی دوسری جنس سے مبعوث نہیں کئے گئے۔

(حوالہ روح المعانی ص ۱۱۳ ج ۴)

تیسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ:

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی نے مـن انـفـسـھـم کا معنی ہے کہ آپ ان کی مثل بشر ہیں اور حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا کہ یہ آیت عرب کے لیے ہے اور دیگر مفسرین نے فرمایا من انفسھم کا معنی ہے آپ ان میں سے ایک فرد ہیں اور ان کی مثل بشر ہیں اور صرف وحی میں ان سے ممتاز ہیں۔

(الجامع لاحکام القرآن ص ۲۶۴ ج ۴)

چوتھے مقام پر لکھتے ہیں: قاضی عبداللہ بن عمر بیضاوی شافعیؒ من انفسھم کا معنی کہ آپ ان کے نسب اور ان کی جنس سے اور ان کی مثل عربی ہیں تاکہ وہ آسانی کے ساتھ آپ کا کلام سمجھیں۔

(انوار التنزیل ص ۹۵)

پانچویں مقام پر لکھتے ہیں کہ:

علامہ ابو الحیان محمد بن یوسف غرناطی اندلسی اس آیت کا معنی ہے کہ آپ بنو آدم کی جنس سے ہیں۔

(ص ۴۱۲ ج ۳)

چھٹے مقام پر لکھتے ہیں:

مولانا غلام رسول سعیدی خود لکھتے ہیں۔ بعض علماء آپ کو انسان اور بشر نہیں مانتے وہ کہتے ہیں کہ آپ کی حقیقت نور ہے اور بشریت آپ کی صفت یا آپ کا لباس ہے لیکن قرآن مجید اور احادیث صحیح سے یہی واضح ہوتا ہے کہ آپ نوع انسان اور بشر سے مبعوث کیے گئے اور یہی آپ کی حقیقت لیکن استعداد وحی کے لحاظ سے آپ عام انسانوں سے افضل ہیں۔

آگے لکھتے ہیں کہ یہ بات ضرور ملحوظ خاطر رہنی چاہیے کہ ہماری تمام عقائد کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ نبی انسان اور بشر ہوتا ہے۔ جس پر وحی نازل کی جاتی ہے اور اس کو تبلیغ احکام کے لیے مبعوث کیا جاتا ہے۔

صدر الافاضل سید نعیم الدین مرادآبادی متوفی ۱۳۶۷ لکھتے ہیں۔ انبیاء وہ بشر ہیں جن کے پاس اللہ جل شانہ کی طرف سے وحی آتی ہے۔ (حوالہ کتاب العقائد ص ۷)

ساتویں مقام پر لکھتے ہیں:

صدر الشریعہ علامہ محمد امجد علی اعظمی متوفی ۱۳۷۲ھ عقیدہ نبی اس بشر کو کہتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے ہدایت کے لیے وحی بھیجی ہو اور رسول بشر کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ملائکہ بھی رسول ہیں۔ عقیدہ کہ انبیاء سب بشر تھے اور مرد کوئی جن نبی نہ ہوا نہ عورت (حوالہ بہار شریعت ص ۹ ج ۱) (تبیان القرآن ص ۴۵۰ تا ۴۵۱ ج ۲)

آیت: قالت لهم رسلهم ان نحن الا بشر مثلكم .. الخ (پارہ ۱۳ سورۃ ابراھیم آیت نمبر ۱۱)

علامہ قرطبی اس کے تحت فرماتے ہیں:

ای فی الصورة و الهیئة کما قلتم ولکن الله یمن علی من یشاء من عباده ای یتفضل علیه بالنبوة و قیل بالتوفیق والحکمة والمعرفة و الهدایة (تفسیر قرطبی ۵-۱۷۵)

یعنی ہم صورت اور ہیئت میں تمہاری طرح بشر ہیں جیسا کہ تم کہتے ہو لیکن اللہ نے ہم پر نبوۃ کے ساتھ فضل فرمایا ہے اور کہا گیا ہے کہ توفیق حکمت و معرفت اور ہدایت کے ساتھ فضل فرمایا ہے دیکھئے انبیاء بشریت کی نفی نہیں فرما رہے البتہ بشریت کے ساتھ ساتھ اپنے امتیازی اوصاف کو بیان فرما رہے

ہیں۔

حافظ ابن کثیر اسی آیت کے تحت فرماتے ہیں:

ای صحیح انا بشر مثلکم فی البشریۃ. (تفسیر ابن کثیر ص ۱۰۲۳)

یعنی صحیح یہ ہے کہ میں بشریت میں تمہاری طرح بشر ہوں۔

علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

ان نحن الا بشر مثلکم کما تقولون و ھذا کالقول بالموجب لان فیہ اطماعا فی الموافقۃ ثم کرالی جانبھم بالابطال بقولھم علیھم السلام و لکن اللہ یمن علی من یشاء من عبادہ الی انما اختصنا اللہ تعالیٰ بالرسالۃ بفضل منہ سبحانہ و امتنان و البشریۃ غیر مانعۃ لمشیتہ جل و علی (روح المعانی ص ۱۹۸ ص ۱۳)

نہیں ہیں ہم مگر بشر جیسے کہ تم کہتے ہو یہ قول بالموجب کیطرح ہے اس لیے کہ اس میں کفار کو موافقت کا لالچ دیتا ہے۔ پھر ان کے ابطال کی طرف متوجہ ہوئے اپنے قول کے ساتھ لیکن اللہ جل شانہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے احسان کرتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے رسالت کے ساتھ خاص کیا ہے اور بشریت اللہ جل شانہ کی مشیت کے لیے مانع نہیں ہے۔

دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

المعنی ما نحن من الملائکۃ بل نحن بشر مثلکم فی الصورۃ او فی الدخول تحت الجنس (ایضاً)

معنی یہ ہے کہ ہم فرشتے نہیں ہیں بلکہ ہم تمہاری طرح بشر ہیں اور صورۃ میں یا جنس بشریت کے تحت داخل ہوتے ہیں۔

امام رازیؒ لکھتے ہیں:

ان الانبیاء سلموا ان الامر کذالک لکنھم بینو ان التماثل فی البشریۃ و الانسانیۃ لا یمنع من اختصاص بعض البشریۃ بمنصب النبوۃ لان ھذا المنصب یمن اللہ علی من یشاء من عبادہ. (تفسیر کبیر ص ۹۹ ج ۱۹)

انبیاء علیہم السلام نے تسلیم کر لیا کہ ہم بشیر ہیں لیکن انہوں نے یہ بات واضح فرما دی کہ بشریت اور انسانیت میں ہم مثل ہونا بعض بشروں کے نبوۃ کے ساتھ خاص ہونے کے منافی نہیں ہے۔ اس

لیے کہ اس منصب کے ساتھ اللہ جل شانہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے احسان فرماتا ہے۔

علامہ بغوی اس آیت کے تحت فرماتے ہیں:

الا بشر مثلنا فی الصورۃ و الجسم و لاقسم من ملائکۃ ۔

نہیں ہو تم مگر ہماری طرح بشر صورۃ اور جسم میں اور تم فرشتے نہیں ہو (تفسیر بغوی ص ۲۸ ج ۲)

آیت: قالت لهم رسلهم ان نحن الا بشر مثلکم. (پارہ ۱۳ سورۃ ابراہیم آیت نمبر ۱۱)

اس آیت کے تحت مولانا غلام رسول سعیدی لکھتے ہیں کہ:

کافروں نے انبیاء کی نبوت میں شبہات کیے تو اللہ نے ان کے جواب دیے ان کا پہلا شبہ یہ تھا کہ تم ہماری ہی مثل ہو پھر تم کو رسول کیسے بنا دیا گیا۔ تو رسولوں نے اس کا جواب دیا کہ انسانیت اور بشریت میں مساوی ہونا اور مماثل ہونا اس بات کے منافی نہیں کہ بعض انسانوں کو منصب نبوۃ کے ساتھ خاص کر لیا جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ جس پر چاہتا ہے اپنا فضل اور احسان فرماتا ہے اور اس کو منصب نبوت عطا فرماتا ہے اور امام فخر الدین رازی لکھتے ہیں کہ جب تک انسان کی روح اور بدن میں علوی اور قدسی صفات نہ ہوں اس میں نبوت کا حصول ممتنع ہے۔ (تبیان القرآن ص ۱۵۷ ج ۲)

اس آیت کے تحت سید احمد قادری لکھتے ہیں کہ:

قالو ان انتم الا بشر مثلنا. بولے تم نہیں مگر ہمارے مثل ہی بشر تم چاہتے ہو کہ تم اس سے روک اور جو ہمارے اجداد پوجتے تھے یعنی مشرکین نے انبیاء علیہم السلام کو ظاہری دیکھ کر کہا کہ آپ لوگ ہمارے جیسے ہی بشر ہیں۔ جب تم اور ہم ایک جیسے ہیں تو آپ کیسے نبی ہو گئے اور ہم کیوں نبی نہ بنائے گئے۔ ہمارے پاس کوئی روشن دلیل لے کر آؤ۔ ان کا یہ کہنا محض عناد تھا ورنہ انبیاء کرام علیہ السلام بے شمار معجزات و بینات لا چکے تھے۔ اس آیت کریمہ سے یہ واضح ہو گیا کہ انبیاء کرام علیہم السلام اگرچہ صورت بشری میں مبعوث ہوتے ہیں۔ ان کی حقیقت صفت بشری سے بالاتر ہوتی ہے۔ (تفسیر الحسنات ص ۳۸۸ ج ۳)

آیت: اکان للناس عجبا ان او حینا الی رجل منھم (پارہ ۱۱ سورۃ یونس آیت نمبر ۲)

ترجمہ: کیا لوگوں کو تعجب ہے کہ ہم نے ان میں سے ایک آدمی کی طرف وحی کی ہے۔ علامہ بغویؒ لکھتے ہیں:

و سبب نزول الایۃ ان اللہ عزوجل لما بعث محمدا ﷺ رسولا قال المشرکون اللہ اعظم من ان یکون رسولہ بشرا (معالم التنزیل ص۳۴۲ ج۲)

اور آیت کا سبب نزول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب محمد ﷺ کو رسول بنا کر مبعوث فرمایا تو مشرکین نے کہا کہ اللہ اس سے بلند ہے کہ اس کا رسول بشر ہو۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

و سبب النزول فیما روی ابن عباس ان الکفار قالوا لما بعث محمدا ان اللہ اعظم من ان یکون رسولہ بشرا (تفسیر قرطبی ص۱۵۱۲)

اور آیت کا سبب نزول ابن عباس سے منقول روایت میں یہ ہے کہ جب محمدؐ مبعوث ہوئے تو کفار نے کہا اللہ اس سے بلند ہے کہ اس کا رسول بشر ہو۔

یعنی رسول کو تمھاری جنس سے بھیجا تا کہ تمہارے اور اس کے درمیان الفت قائم ہو۔ اس لیے کہ جنس جنس کی طرف مائل ہوتی ہے۔ پس تمہارے لیے آپ ﷺ کے انوارات کو لینا آسان ہو جائے گا۔

امام رازیؒ لکھتے ہیں:

یرید انہ بشر مثلکم (تفسیر کبیر ص۲۳۴ ج۱۵)

مراد حق تعالیٰ کی یہ ہے کہ وہ تمہاری مثل بشر ہے۔

آیت: لقد جاء کم رسول من انفسکم (پارہ ۱۰ سورۃ توبہ آیت نمبر ۱۲۸)

اس کے تحت مولانا غلام رسول سعیدی لکھتے ہیں کہ:

من انفسکم کا معنی امام فخر الدین رازی م۶۰۶ یہ لکھتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ انبیاء تمہاری مثل بشر ہیں۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اکان للناس عجبا ان او حینا الیٰ رجل منھم

(الکھف آیت نمبر ۱۱۰)اس سے مقصود یہ ہے کہ اگر نبی اقدس فرشتوں کی جنس سے ہوتے تو لوگوں پر آپ کی اتباع بہت مشکل ہو جاتی۔ جیسے کہ سورۃ الانعام میں فرمایا ولو جعلناہ ملکا لجعلناہ رجلا و للبسنا علیھم ما یلبسون (پارہ ۷ سورۃ الانعام آیت نمبر ۹)(تبیان القرآن ص ۳۰۳ ج ۵ سورۃ توبہ آیت نمبر ۱۲۸)

آیت: فقالوا انومن لبشرین مثلنا و قومھما لنا عٰبدون (سورۃ المومنون آیت نمبر ۴۷)

پس (فرعون اور فرعونیوں نے) کہا کیا ہم ان دو انسانوں پر ایمان لائیں۔ جو ہماری طرح کے انسان ہیں اور اس کی قوم ہماری غلام ہے۔

علامہ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:

یخبر تعالیٰ انہ بعث رسولہ موسیٰ علیہ السلام و اخاہ ھارون الیٰ فرعون و ملائکتہ بالآیات و الحجج الدامغات و البراھین القاطعات ان فرعون و قومہ استکبروا عن اتباعھما و الانقیاد لا مرھما لکونھا بشرین کما انکرت الامم الماضیہ بعثۃ الرسل من البشر (تفسیر ابن کثیر ص ۱۲۹۶)

حق تعالیٰ خبر دے رہے ہیں کہ آپ نے اپنے رسول موسیٰ اور ان کے بھائی ھارون علیہ السلام کو فرعون اور اس کے قبیلہ کی طرف آیات اور فارق باطل دلائل اور براھین قاطعہ کے ساتھ مبعوث فرمایا لیکن فرعون اور اس کی قوم نے ان کی اتباع کرنے اور ان کا حکم ماننے سے تکبر کیا۔ ان کے بشر ہونے کی وجہ سے جیسا کہ پہلی امتوں نے بشروں میں سے رسول کی بعثت کا انکار کیا۔

علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

وھذہ القصص کما تری تدل علی ان مدار شبہ المنکرین للنبوۃ قیاس حال الانبیاء علیھم السلام علی احوالھم بناء علی جھلھم بتفاصیل شؤون الحقیقۃ البشریۃ و تباین طبقات افرادھا (روح المعانی ص ۳۶ ج ۱۸)

جیسا کہ تو دیکھ چکا ہے کہ یہ قصے اس پر دلالت کر رہے ہیں کہ منکرین نبوۃ کے شبہ کا مدار یہ تھا کہ انہوں نے انبیاء کے حال کو اپنے احوال پر قیاس کیا تھا۔ حقیقت بشریت کی مختلف اقسام اور اس کے افراد کے طبقات کے تباین سے جہالت کی وجہ سے۔

امام رازی لکھتے ہیں:

والشبهة مبنية على امرين (احدهما) كونهما البشر (تفسیر کبیر ص۱۰۱ ج۲۳)

اور شبہ دو چیزوں پر مبنی تھا۔ ان میں سے ایک موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کا بشر ہونا تھا۔

آیت: وقالوا انؤمن لبشرين مثلنا و قومهما لنا عابدون (سورۃ المؤمنون)

غلام رسول سعیدی صاحب لکھتے ہیں:

ان کافر سرداروں نے اپنے متبعین سے کہا اگر تم اپنے جیسے انسان کے دعویٰ نبوۃ کو تسلیم کر لیا اور اس کی فضیلت و برتری کو مان لیا تو تم زبردست نقصان اٹھاؤ گے کیونکہ ایک بشر دوسرے بشر سے کیونکر افضل ہو سکتا ہے۔ یہی وہ مغالطہ تھا جسکی وجہ سے ان کافر سرداروں نے اپنے رسول کی رسالت کو نہیں مانا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ جس بشر کو اپنا پیغام پہنچانے کے لیے چن لیتا ہے تو وہ اس وحی اور رسالت کی وجہ سے تمام غیر نبی اور غیر رسول انسانوں سے افضل ہو جاتا ہے۔ (تبیان القرآن ص ۸۷۰ ج ۷)

اس آیت کے تحت علامہ سید احمد قادری لکھتے ہیں:

ان قوم کے یہ کہنے لگے یہ تو ہمارے جیسے بشر ہیں۔ جس طرح ہم کھاتے پیتے ہیں ویسے ہی کھاتے پیتے ہیں۔ لہذا ایسے شخص کی پیروی کرنا اور اس کے حکم پر چلنا جو ہر پہلو سے بظاہر ہمارے جیسے ہیں یقینا نقصان و خسران میں پڑتا ہے۔ ان سفہاء و حمقاء کے زعم باطل میں رسول نوع انسان سے علیحدہ کچھ ہونا ضروری ہے۔ (تفسیر الحسنات ص ۴۳۶ ج ۴)

آیت: لقد جاء كم رسول من انفسكم (سورۃ التوبه ۱۲۸)

البتہ تحقیق تمہارے پاس رسول آیا تم میں سے

علامہ ابن کثیر اس آیت کے تحت لکھتے ہیں:

يقول تعالىٰ ممتنا على المومنين بما ارسل اليهم رسولا من انفسهم اى من جنسهم (تفسیر ابن کثیر ص ۹۲۰)

اللہ تعالیٰ نے مومنین پر احسان جتلاتے ہوئے فرمایا ہے۔ ان کی طرف ان کی جنس سے رسول بھیجے

کی وجہ ہے۔

علامہ قرطبی اس آیت کے تحت لکھتے ہیں:

قال الزجاج هذا مخاطبة لجميع العالم و المعنى لقد جاء كم رسول من البشر (تفسیر قرطبی ص ۱۵۱۰)

زجاج نے فرمایا ہے کہ یہ خطاب تمام عالم کو ہے اور معنی یہ ہے کہ تمہاری طرف رسول آیا ہے بشر

دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

اى هو بشر مثلكم لتفهموا عنه (ایضا)

یعنی تمہاری مثل بشر ہے تاکہ تم اس کی بات سمجھ سکو۔

علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

اى جنسكم لتقع الالفة بينكم و بينه فان الجنس الى الجنس يميل و حينئذ يسهل عليكم الاقتباس من انوار ه ﷺ (روح المعانی ص ۵۷ ج ۱۱)

علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

اى الى بشر من جنسهم (روح المعانی ص ۶۰ ج ۱۱)

یعنی ان کی جنس سے بشر (رسول بھیجا)

امام رازی لکھتے ہیں:

السادس . ان هذا التعجب اما ان يكون من ارسال الله تعالى رسولا من البشر (تفسیر کبیر ص ۶)

نمبر ۲ کہ یہ تعجب ان کو اس وجہ سے تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف بشر رسول بنا کر بھیجا۔

آگے فرماتے ہیں:

و اذا ثبت هذا الاولى ان يبعث اليهم من كان من جنسهم ليكون سكونهم اليه اكمل و الفهم به اقوى. (ایضا)

اور جب یہ بات ثابت ہوگئی تو اولیٰ یہ ہے کہ رسول ان کی جنس سے ہی مبعوث کیا جائے تاکہ اس کی طرف ان کا سکون اکمل ہو اور اس کی بات کو سمجھنا اقوی ہو۔

ابن جریر طبری لکھتے ہیں:

اکان للناس عجبا ایحاؤنا القرآن علی رجل لھم بالانذارھم عقاب اللہ علی معاصیہ کانھم لم یعلموا ان اللہ قد اوحی من قبلہ الی مثلہ من البشر فعجبوا من وحینا الیہ(تفسیر قرطبی ص۹۷ ج۱۱)

کیا لوگوں کے لیے ہمارا انہی میں سے ایک آدمی کی طرف قرآن کو وحی کرنا اس کے معاصی پر اللہ کے عذاب سے ان کو ڈرانے کے ساتھ باعث تعجب ہے۔ گویا ان کو اس کا علم نہیں ہے کہ اللہ جل شانہ نے اس سے پہلے بھی تو اس کی مثل بشر پر وحی کی۔ پس ان لوگوں نے بھی ہمارے اس کی طرف وحی کرنے کی وجہ سے تعجب کیا تھا۔

آگے لکھتے ہیں:

عن ابن عباس قال لما بعث اللہ محمداً رسولاً انکرت العرب ذالک او من انکر لھم وقالوا اللہ اعظم من ان یکون رسولہ بشرا مثل محمد(ایضاً)

ابن عباس سے منقول ہے کہ جب اللہ جل شانہ نے محمد ﷺ کو رسول بنا کر بھیجا تو عرب نے اس کا انکار کیا اور کہا اللہ تعالیٰ اس سے بلند ہے کہ اس کا رسول محمد جیسا بشر ہو۔

آیت: اکان للناس عجبا ان اوحینا الی رجل منھم ان انذر الناس (سورۃ یونس آیت نمبر ۲)

اس آیت کے تحت غلام رسول سعیدی لکھتے ہیں کہ مشرکین مکہ حسب ذیل وجوہ کی بنا پر محمد کے رسول ہونے پر اعتراض کرتے تھے۔ حضرت ابن عباس بیان کرتے ہیں کہ مشرکین مکہ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی شان اس سے بلند ہے کہ وہ ایک بشر کو رسول بنائے (قالوا ابعث اللہ بشرا رسولا (بنی اسرائیل آیت ۹۴)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جس قوم کی طرف رسول بنا کر بھیجا جائے وہ اسی قوم کی جنس سے ہوتا ہے اس رسول کا عمل اس قوم کے لیے نمونہ اور حجت ہو۔ نیز اگر رسول کسی اور جنس سے ہو تو قوم اس سے استفادہ نہیں کرسکتی۔ جیسا کہ عام انسان فرشتوں کو دیکھ سکتے ہیں نہ ان کا کلام سن سکتے ہیں۔ نہ ان کو مس کرسکتے ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضہ یہ تھا کہ انسان اور بشر کی طرف انسان اور بشر ہی کو رسول بنا کر بھیجا جائے اور اللہ کی ہمیشہ سے یہی سنت رہی ہے۔ اس لیے قرآن میں فرمایا وما ارسلنا من قبلک الا رجالا نوحی الیھم (یوسف آیت ۹ (تفسیر تبیان القرآن ص۳۲۳ ج

(۵

آیت: ذالک بانه کانت تاتیھم رسلھم بالبینات (سورۃ التغابن آیت ۲)

اس آیت کے تحت غلام رسول سعیدی لکھتے ہیں کہ:

کافروں کے کفر کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے بشریت کو رسالت کے منافی سمجھا اور پتھر کے بتوں کو الوہیت کے منافی نہیں سمجھا۔ انہوں نے رسول کی رسالت کا انکار کیا اور اللہ کی عبادت سے منہ پھیرا۔ انہوں نے رسول کی تحقیر کرتے ہوئے کہا کہ بشر ہمیں ھدایت دیں گے اور یہ نہیں جانا کہ اللہ جل شانہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہیں رسالت کے لیے منتخب فرما لیتے ہیں۔

فرماتے ہیں۔ کہ رسولوں کی بشریت کا انکار کفر ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی فرماتے ہیں۔ جو مطلقا حضور کی بشریت کی نفی کرے وہ کافر ہے قال تعالیٰ سبحان ربی ھل کنت الا بشرا رسولا۔

ترجمہ: آپ کہیے میرا رب ہر عیب سے پاک ہے۔ میں صرف بشر رسول ہوں لیکن رسول کو صرف بشر نہیں کہنا چاہیے۔ بلکہ افضل البشر کہنا چاہیے۔ (حوالہ تبیان القرآن ص ۹۱۵ ج ۱۱ التغابن)

اس کے تحت علامہ ابوالحسنات سید احمد قادری لکھتے ہیں۔:

یعنی ان تمام اقوام میں سے جنہوں نے کفر کیا ہر ایک نے اپنے رسول کے بارے میں جو ان کے پاس روشن معجزات لے کر آئے انکار کرتے ہوئے کہا کہ بشر کیونکر اللہ کا رسول ہو سکتا ہے۔ یا اس بات پر متعجب ہوئے کہ بشر ہمیں ھدایت کرتا ہے۔ جس طرح قوم ثمود نے صالح کے بارے میں کہا کہ کیا ہم اپنے میں سے ایک آدمی کی تابعداری کریں۔ یعنی انہوں نے بشر کے رسول ہونے کا تو انکار کیا اور جمادات پتھر کو خدا مان لیا اور یہ ان کی حد درجہ کی بے وقوفی اور بے عقلی اور کج روی پر دلیل ہے۔ (تفسیر الحسنات ص ۵۸۴ ج ۲ سورۃ التغابن)

آیت: کما ارسلنا فیکم رسولا منکم یتلو علیکم۔

اس ایت کے تحت مولانا غلام رسول سیدی صاحب لکھتے ہیں کہ

صدر الشریعہ مولانا امجد علی لکھتے ہیں۔ عقیدہ نبی اس بشر کو کہتے ہیں جسے اللہ نے ھدایت کے لیے

وحی بھیجی ہو اور رسول بشر کے ساتھ ہی خاص نہیں بلکہ ملائکہ بھی رسول ہوتے ہیں۔ جیسے حضرت جبرائیل و میکائیل وغیرہ۔ عقیدہ یہ ہے۔ انبیاء سب بشر تھے اور مرد کوئی جن نہ عورت نبی ہوئی۔ (بہار شریعت ص۹ ج۱)(تبیان القرآن ص۵۸۸ ج۱)

آیت: وما منع الناس ان یؤمنوا اذجاء ھم الھدی الا ان قالوا ابعث اللہ بشرا رسولا (سورۃ بنی اسرائیل آیت نمبر ۹۴)

علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

وما منع الناس ان یؤمنوا اذجاء ھم الھدی یعنی الرسل والکتب من عنداللہ بالدعاء الیہ الا ان قالوا جھلا منھم ابعث اللہ بشرا تبین اللہ فرط عنادھم لانھم قالوا انت مثلنا فلا یلزمنا الانقیاد و غفلوا عن المعجزۃ (تفسیر قرطبی ص۱۸۷)

اور نہیں روکا لوگوں کو ایمان لانے سے کسی چیز نے جبکہ ان کے پاس حدایت یعنی رسول کتابیں اللہ کی طرف سے آگئیں اور اللہ کی طرف ان کو بلایا گیا۔ سوائے اس کے انہوں نے جہالت کی وجہ سے یہ کہا کہ کیا اللہ نے بشر کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔ یعنی اللہ جل شانہ کی ذات اس سے بلند ہے کہ اس کا رسول بشر ہو۔ پس اللہ نے ان کے عناد کے افراط کو واضح فرمایا۔ اس لیے کہ وہ کہتے تھے۔ تم تو ہمارے جیسے ہو پس ہم پر تمہاری اطاعت فرض نہیں ہے اور وہ معجزہ سے غافل تھے۔

علامہ قرطبی صاف طور پر فرما رہے ہیں کہ کفار بشر کے رسول ہونے کو مستبعد سمجھتے تھے۔ حق تعالیٰ نے ان کے عناد کے افراط کو واضح فرمایا کہ بشر ہی رسول ہوتا ہے۔ فرق عام بشر اور بشر رسول میں معجزہ سے معلوم ہو جاتا ہے۔

آگے علامہ قرطبی فرشتوں کے نبی ہونے کی نفی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

لانہ لو ارسل ملکا الی الآدمیین لم یقدروا ان یروہ علی الھیئۃ التی خلق علیھا (ایضاً)

اس لیے کہ اگر اللہ جل شانہ فرشتے کو رسول بنا کر انسانوں کی طرف بھیجتے تو انسان اس کو اس کی اصل حثیت پر نہ دیکھ سکتے۔

علامہ آلوسی اس کے تحت لکھتے ہیں:

منکرین ان یکون رسول اللہ علیہ الصلوۃ والسلام من جنس البشر (روح المعانی ص ۱۷۱ ج ۱۵)

وہ رسول علیہ الصلوۃ والسلام کے جنس بشر سے ہونے کے منکر تھے۔

دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

فیدل علی ان البشریت منافیۃ لھذا الثابت المعنی الرسالۃ (ایضاً)

مشرکین کا یہ قول اس پر دلالت کرتا ہے کہ ان کے نزدیک بشریت رسالت کے منافی تھی۔

امام رازی اس آیت کے تحت لکھتے ہیں:

والاول باطل لانی بشر والبشر لا قدرۃ لہ علی ھذہ الاشیاء (تفسیر کبیر ص ۵۹ ج ۲۱)

اور تمہارا ان اشیاء کو طلب کرنا باطل اس لیے کہ میں بشر ہوں اور بشر کو ان اشیاء پر قدرت نہیں ہوتی۔ آگے لکھتے ہیں:

ان القوم استبعدوا ان یبعث اللہ الی الخلق رسولا من البشر بل اعتقدوا ان اللہ تعالیٰ لو ارسل رسولا الی الخلق لوجب ان یکون ذالک الرسول من الملائکۃ (ایضاً)

قوم نے یہ بات بعید سمجھی کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کی طرف انسانوں میں رسول بھیجے گا۔ بلکہ ان کا نظریہ یہ تھا کہ اگر اللہ نے انسانوں کی طرف رسول بھیجا تو فرشتے کو بھیجے گا۔

علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں:

یقول تعالیٰ و ما منع الناس الی اکثرھم ان یؤمنو و یتابعو الرسل الا استعجابھم من بعثہ البشریۃ رسلا کما قال تعالیٰ اکان للناس عجبا ان اوحینا الی رجل منھم ان انذر الناس وبشر الذین امنو (یونس آیت نمبر ۲) وقال تعالیٰ ذالک بانھم کانت تاتیھم رسلھم بالبینت فقالوا ابشر یھدوننا فکفروا وتولوا واستغنی اللہ واللہ غنی حمید (التغابن) وقال فرعون وملئوہ وقالوا انومن لبشرین مثلنا وقومھما لنا عبدون (المومنون) وکذالک قالت الامم لرسلھم ان انتم الا بشر مثلنا تریدونا ان تصدونا عما کان یعبد اباءنا فاتونا بسلطان مبین (ابراھیم آیت ۱۰) والایات فی ھذا کثیر ثم قال تعالیٰ منبھاً علی لطفہ ورحمۃ بعبادہ انھم یبعث الیھم الرسول من جنسھم لیفقھوا عنہ و یفھموا منہ من مخاطبہ وبعث الی البشر رسولا من الملائکۃ لما استطاعون مواجھۃ ولا الاخذ عنہ کما قال تعالیٰ لقد من اللہ علی المومنین اذبعث فیھم رسولا

من انفسهم وقال تعالیٰ لقد جاءکم رسول من انفسکم و قالا تعالیٰ کما ارسلنا فیکم رسولا منکم یتلوا علیکم ایتنا و یزکیکم ویعلم الکتاب والحکمۃ و یعلمکم مالم تکونوا تعلمون. فاذکرونی اذکرکم واشکروالی ولاتکفرون (بقرہ آیت ۱۵۲) ولھذا قال ھھنا لو کان فی الارض ملائکۃ یمشون مطمئنین ای کما فیھما نزلنا علیھم فی السماء ملکا رسولا ای من جنسھم ولما کنتم انتم بشرا بعثنا فیکم رسولنا منکم لطفا و رحمۃ.

اور حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اکثر لوگوں کو کسی چیز نے ایمان لانے اور رسولوں کی اتباع سے نہیں روکا مگر ان کے اس تعجب نے کہ بشر کیسے رسول بن کر آ گیا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ کیا لوگوں کو تعجب ہے کہ ہم نے انہیں میں سے ایک آدمی کی طرف وحی کی ہے کہ لوگوں کو ڈرا اور ایمان والوں کو خوشخبری سنا (یونس ۲) اور فرمایا اور یہ اس وجہ سے کہ ان کے پاس رسول دلائل کے ساتھ آئے۔ تو پس انہوں نے کہا۔ کیا بشر ہمیں ہدایت کرتا ہے۔ پس انہوں نے کفر کیا اور اعراض کیا۔ تو حق تعالیٰ نے بھی ان سے اعراض کر لیا۔ اور اللہ تعالیٰ تو غنی اور قابل تعریف ہیں (التغابن ۶) اور فرعون اور اس کی جماعت نے کہا کہ کیا ہم دونوں انسانوں پر ایمان لائیں جو ہماری شکل ہیں۔ حالانکہ ان کی قوم ہماری غلام ہے (المومنون ۴۷) اور اسی امتوں نے اپنے رسولوں کو کہا۔ نہیں ہو تم مگر ہماری طرح بشر اور تم ارادہ کرتے ہو کہ ہمیں ان معبودوں کی عبادت سے روک دو۔ جن کی ہمارے آباؤ اجداد عبادت کرتے رہے۔ پس ہمارے پاس واضح دلیل لاؤ (ابراہیم ۱۰) والایات فی ھذہ کثیرۃ. پھر حق تعالیٰ نے بندوں پر اپنے لطف اور رحمت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ ان کی طرف ان کی جنس ہی سے رسول کو بھیجے گا تا کہ وہ اس سے مسائل کو سیکھ سکیں اور اس کی بات سمجھ سکیں اور اس کے ساتھ خطاب وکلام ان کے لیے ممکن ہو اور اگر انسانوں کی طرف فرشتوں سے رسول بنا کر بھیجا جاتا تو وہ اس کی ملاقات اور اس سے احکام کو لینے کی طاقت نہ رکھتے۔ جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اللہ نے مومنین پر احسان فرمایا ہے کہ انہیں میں سے ان میں رسول بھیجا (ال عمران ۱۶۴) اور فرمایا تحقیق تمہارے پاس رسول تمہیں میں سے آیا (التوبہ ۱۲۸) اور فرمایا حق تعالیٰ نے جیسا کہ ہم نے تم میں رسول بھیجا تمہیں میں سے جو تم پر ہماری آیات کی تلاوت کرتا ہے اور

تمھارا تزکیہ کرتا ہے اور تمھیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے اور تمھیں وہ کچھ سکھلاتا ہے جو تم نہیں جانتے۔ پس تم مجھے یاد کرو میں تمھیں یاد کروں گا اور میرا شکر کرو میری ناشکری نہ کرو (البقرة ۱۵۱، ۱۵۲) اور اس وجہ سے یہاں فرمایا اور اگر زمین میں فرشتے ہوتے جو مطمئن ہو کر چلتے پھرتے یعنی جس طرح تم زمین میں رہ رہے ہو۔ اس طرح فرشتے رہ رہے ہوتے تو ہم آسمان سے فرشتے کو رسول بنا کر بھیج دیتے ان کی جنس سے اور اب چونکہ تم بشر ہو اس لیے ہم نے احسان اور رحمت کرتے ہوئے تم میں بشر کو رسول بنا کر بھیجا۔

آیت: وما منع الناس ان یؤمنوا اذ جاء هم الهدی الا ان قالوا ابعث الله بشر رسولا (بنی اسرائیل ۹۴)

اس آیت کے تحت علامہ غلام رسول سعیدی صاحب لکھتے ہیں کہ:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور لوگوں کو صرف ایمان لانے سے یہ چیز مانع ہوئی کہ جب بھی ان کے پاس ھدایت آئی تو انہوں نے کہا کیا اللہ نے بشر کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔

دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ:

اس پہلی آیتوں میں یہ شبہ تھا۔ اگر آپ کے ساتھ کوئی فرشتہ آتا تو ہم اس کو نبی مان لیتے تو اس کا جواب یہ دیا کہ اگر زمین پر رہنے والے فرشتے ہوتے تو اللہ تعالیٰ ان کی طرف فرشتہ کو رسول بنا کر بھیجتا۔ کیونکہ ہر چیز اپنی جنس کی طرف مائل ہوتی ہے۔ تو جب زمین پر رہنے والے انسان اور بشر ہیں۔ تو پھر ان کی طرف انسان ہی کو رسول بنا کر بھیجنا مناسب تھا۔ (حوالہ تبیان القرآن ص ۸۰۲ ج۶)

اس آیت کے تحت سید احمد قادری لکھتے ہیں کہ:

نہیں روکا لوگوں نے ایمان لانے سے جب آئی ان کے پاس ھدایت مگر یہی کہنے لگے۔ کیا اللہ نے آدمی کو بھیجا رسول بنا کر یعنی وہ رسولوں علیہم السلام کو بشر ہی جانتے تھے۔ اور ان کے منصب کو نہیں جانا اور عطیات الٰہی عزوجل اور کمالات کے مقر اور معترف نہ ہوئے اور یہی ان کی کفر کی وجہ تھی اس لیے وہ کہتے تھے کہ ہم پر کوئی فرشتہ کیوں نہ بھیجا۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب عطا

ہوا۔ جو اپنے حبیب کے ذریعہ دیا گیا۔ قل لو کان فی الارض ملائکۃ یمشون مطمئنین لنزلنا علیھم من السماء ملکا رسولا۔ اس لیے کہ زمین میں جو قوم چلتی پھرتی ہے اس کی مجانست کے لحاظ سے ہی ہم نے رسول بھیجا۔ حضرت موسیٰ حضرت عیسیٰ اور حضرت نوحؑ بھی تو انسان ہی تھے۔ کیونکہ انسانوں میں مبعوث ہوئے۔ معلوم ہوا کہ رسول کا قوم کی جنس سے ہونا ضروری ہے۔ جب زمین میں آدمی بستے ہیں تو ان میں رسول ملائکہ کی جنس سے طلب کرنا ان کی بے عقلی ہے۔ (حوالہ تفسیر الحسنات ص۱۹۷، ج۳)

بشریت رسول ﷺ احادیث کی روشنی میں:

حدیث۱: عن ام سلمه ان رسول الله قال انما انا بشر (بخاری ص ۱۰۶۲)

حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ نبی اقدس ﷺ نے فرمایا میں صرف بشر ہوں۔

حدیث۲: عن ابن عمر قال اکتب کل شئی اسمعه من رسول الله ﷺ ارید حفظه فنهتنی قریش و قالوا انکتب کل شئی تسمعه ورسول الله ﷺ بشر یتکلم فی الغضب و الرضاء (ابو داؤد ص ۱۵۸ ج ۲ باب کتابة العلم)

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں جو کچھ بھی نبی اقدس ﷺ سے سنتا تھا لکھ لیتا تھا۔ تا کہ مجھے یاد ہو جائے۔ تو قریش نے مجھے منع کیا اور کہا کہ تم جو کچھ سنتے ہو لکھ لیتے ہو حالانکہ نبی اقدس ﷺ بشر ہیں کبھی غصہ میں کلام فرماتے ہیں کبھی رضا میں۔

حدیث۳: سمعت رسول الله ﷺ یقول اللهم انما محمد بشر یغضب کما یغضب البشر (مسلم ص ۳۲۳ ج ۲)

میں نے نبی اقدس ﷺ سے سنا آپ فرما رہے تھے۔ اے اللہ میں بشر ہوں مجھے غصہ آتا ہے جیسے بشر کو غصہ آتا ہے۔

حدیث۴: عن عکرمة عن عائشةؓ ذکر انه سمعه منها انها رات النبی ﷺ یدعو رافعا یدیه یقول اللهم انما انا بشر فلا تعاقبنی ایما رجل من المسلمین اذیته او شتمته فلا تعاقبنی (مسند ابی یعلی ص ۸۵۰ رقم ۴۲۰۵)

حضرت عکرمہ حضرت عائشہؓ سے نقل فرماتے ہیں کہ انہوں نے نبی اقدس ﷺ کو دیکھا کہ آپ ہاتھ بلند کر کے دعا فرمارہے تھے کہ اے اللہ میں بشر ہوں۔ پس مجھ کو عذاب نہ دینا۔ مسلمانوں میں سے جس کو بھی میں نے تکلیف پہنچائی ہو یا گالی دی ہو تو مجھ کو عذاب نہ دینا۔

حدیث۵: نبی اقدس ﷺ نے فرمایا انا سید ولد آدم یوم القیمة و اول من ینشق عنه القبر و اول شافع و اول مشفع (مسلم. مشکوة باب فضائل سید المرسلین)

قیامت کے دن میں تمام اولاد آدم کا سردار ہوں گا۔ سب سے پہلے میری قبر ہی کھلے گی اور سب سے پہلے میں ہی شفاعت کروں گا اور سب سے پہلے میری ہی شفاعت قبول کی جائیگی۔

حدیث۶: عن عائشةؓ قالت امداد العرب کثرت علی رسول الله ﷺ فاضطروه الیٰ بیت عائشة فقال اللهم القهم فقالت عائشة یا رسول هلک القوم فقال کلا و الله یا بنت الصدیق لقد اشترطت الی ربی شرطا لا خلف له قلت اللهم انی بشرا ضیق بما یضیق به البشر و اعجل بما یعجل به البشر ایما امریء بدرت منی بادرة فجعلها له کفارة (مسند ابی یعلی ص ۸۳۲ رقم ۴۵۰۷)

حدیث۷: نبی اقدس ﷺ نے فرمایا: انا سید ولد آدم ولا فخر (ترمذی مشکوة باب الحوض والشفاعة)

میں اولاد آدم کا سردار ہوں اور اس پر کوئی فخر نہیں کرتا۔

حدیث۸: رافع بن خدیج قال قدم النبی ﷺ المدینة وهم یأبرون النخل لقول یلقحون النخل فقال ما تصنعون قالوا کنا قال لعلکم لو لم تفعلوا کان خیرا قال فترکوه فنفضت او قال فنقصت قال فذکروا ذالک له فقال انما انا بشر اذا امرتکم بشیء من دینکم فخذوا به و اذا امرتکم بشیء من رائی فانما انا بشر (مسلم ص ۲۶۴ باب وجوب امتثال ماقاله شرع دون ماذکره ﷺ من معایش الدنیا علی سبیل الرای)

رافع بن خدیج فرماتے ہیں کہ جب نبی اقدس ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ تشریف لائے تو اہل مدینہ کھجوروں کو تابیر کیا کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ کیا کرتے ہو۔ لوگوں نے عرض کیا ہم (تابیر) کیا کرتے ہیں۔ فرمایا اگر تم نہ کرو تو بہتر ہوگا۔ لوگوں نے چھوڑ دیا تو پھل کم ہوا تو لوگوں

نے اس کا نبی اقدس ﷺ کو تذکرہ کیا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا میں صرف ایک انسان ہوں۔ اگر میں تم کو شریعت کے کسی مسئلہ کے بارے میں حکم دوں تو تم اس پر عمل کیا کرو اور اگر میں اپنی رائے سے تمہارے دنیاوی امور میں مشورہ دوں تو میں ایک انسان ہوں (یعنی تمہاری مرضی کہ عمل کرو یا نہ کرو)

حدیث۹: عن مسروق عن عائشةؓ قالت دخل علی رسول اللہ ﷺ رجلان فکلماہ بشئی لا ادری ماھو؟ فاغضباہ فلعنھما وسبھما فلما خرجا قلت یا رسول لمن اصاب من الخیر شیئاً ما اصابہ ھذان قال وما اک قالت قلت لعنتھما و سببتھما قال او ماعلمت ما شارطت علیہ ربی قلت اللھم انما بشر فای المسلمین لعنتہ او سببتہ فاجعلہ زکوۃ واجر (مسلم ص ۳۲۳ ج ۲ باب من لعنہ النبیؐ و دعاعلیہ ولیس ھوا ھلا لذالک کان لہ زکوۃ واجر و رحمۃ).

حضرت مسروق حضرت عائشہؓ سے نقل فرماتے ہیں کہ نبی اقدس ﷺ کے پاس دو آدمی آئے اور انہوں نے آپؐ سے کسی چیز کے بارے میں گفتگو کی جس کا مجھے علم نہیں۔ پس آپؐ ان پر ناراض ہو گئے اور آپؐ نے ان پر لعنت کی اور ان کو سب کیا۔ پس جب وہ دونوں چلے گئے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ نے ان پر لعنت کی اور ان کو گالی دی فرمایا کیا تجھے علم نہیں ہے کہ میں نے اس پر اپنے رب سے کیا شرط لگائی ہے۔ میں نے کہا ہے اے اللہ میں بشر ہوں پس جس مسلمان کو بھی میں لعنت کروں یا گالی دوں تو اس کو اس کے لیے گناہوں کی معافی اور اجر کا ذریعہ بنا دے۔

حدیث۱۰: قال انما انا بشر مثلکم انسی کم تنسون فاذا نسیت فذکرونی (متفق علیہ مشکوۃ باب السھو)

میں بشر ہوں تمہاری طرح جیسے تم بھولتے ہو میں بھی بھول جاتا ہوں تو تم یاد دلا دیا کرو۔

حدیث۱۱: حضرت سمرہ بن جندبؓ سے ایک طویل حدیث منقول ہے جس میں نبی اقدس ﷺ کے ایک خطبہ کا ذکر ہے۔ اس میں آپ ﷺ نے فرمایا: یا ایھا الناس انما انا بشر رسول (موارد الظمان ص ۱۵۷ باب صلوۃ الکسوف رقم ۵۹۷ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان)

حدیث۱۲: یزید بن حیان قال انطلقت انا وحصین بن سبرۃ و عمر بن مسلم الی زید بن ارقم فلما جلسنا الیہ قال لہ حصین لقد لقیت یا زید خیرا کثیرا رأیت رسول اللہ ﷺ و سمعتہ

حدیثه و غزوت معه و صلیت خلفه لقد لقیت یا زید خیرا کثیرا حدثنا یا زید ما سمعت رسول الله ﷺ قال یا ابن اخیه والله لقد کبرت سنی و قدم عهدی و نسیت بعض الذی کنت اعی من رسول الله ﷺ فما حدثتکم فاقبلوه وما لا فلا تکلفونیه ثم قال قام رسول الله ﷺ یوماً فینا خطیبا بماء یدعی خما بین مکة و المدینة فحمد الله و اثنی علیه و وعظ و ذکر ثم قال اما بعد الا یا ایها الناس فانما انا بشر یوشک ان یأتی رسول ربی فاجیب و انا تارک فیکم ثقلین اولهما کتاب الله فیه الهدی والنور فخذوا بکتاب الله و استمسکوا به فحث علی کتاب الله ورغب فیه ثم قال واهل بیتی اذکرکم الله فی اهل بیتی (مسلم ص ۲۷۹ ج ۲ باب من فضائل علی بن ابی طالب)

زید بن حیان فرماتے ہیں کہ میں اور حصین بن سبرۃ اور عمر بن مسلم زید بن ارقم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ پس جب ہم ان کے پاس بیٹھے تو حصین نے عرض کی۔ اے زید آپ نے تو بہت بھلائی کو پایا۔ آپ نے رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی۔ آپ ﷺ سے حدیث کو سنا اور آپ ﷺ کے پیچھے نمازیں ادا کیں۔ اے زید آپ نے تو بہت بھلائی کو پایا۔ ہمیں بھی اے زید حدیث بیان فرمائیں جو آپ نے رسول اللہ ﷺ سے سنی ہو۔ فرمایا اے میرے بھتیجے میری عمر بہت ہو گئی ہے اور زمانہ قدیم ہو گیا ہے۔ جو کچھ آپ ﷺ سے یاد کیا تھا۔ ان میں سے بعض کو بھول گیا ہوں پس جو میں تم کو بیان کروں اس کو قبول کرو اور جو نہ بیان کروں اس کا مجھے مکلف نہ بنانا۔ پھر فرمایا کہ نبی اقدس ﷺ ایک دن خم کے چشمہ پر خطبہ ارشاد فرمانے کے لیے کھڑے ہوئے اور آپ ﷺ نے اللہ کی حمد وثناء بیان کی پھر وعظ فرمایا۔ اور ذکر کیا۔ پھر فرمایا اے لوگو! میں صرف ایک بشر ہوں۔ میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ ان میں سے پہلی کتاب اللہ ہے۔ اس میں ہدایت ہے اور نور ہے۔ اللہ کی کتاب کو پکڑو اور اس سے دلیل پکڑو۔ پس آپ ﷺ نے کتاب اللہ کے بارے میں لوگوں کو برانگیختہ کیا اور رغبت دلائی۔ پھر فرمایا اور میرے اہل بیت میں تمہیں اپنے اہل بیت کے بارے میں اللہ سے ڈراتا ہوں۔ میں تم کو اپنے اہل بیت کے بارے میں اللہ سے ڈراتا ہوں۔

حدیث۱۳: عن عائشۃؓ ..... کان بشرا من البشر (شمائل ترمذی ص ۲۳)

نبی اقدس ﷺ انسانوں میں سے ایک انسان تھے۔

حدیث۱۴: عن عائشةؓ انها سئلت ما کان عمل رسول اللہ ﷺ فی بیته قالت ما کان الا بشرا من البشر کان یفلی ثوبه و یحلب شاته و یخدم نفسه.(موارد الظمآن ص ۵۲۵ رقم ۲۲۳۱ باب حسن خلق النبی ﷺ)

حضرت عائشہؓ سے نبی اقدس ﷺ کے بارے میں سوال کیا گیا کہ آپ ﷺ گھر میں کیا کرتے تھے۔ فرمایا انسانوں میں سے ایک انسان تھے۔ کپڑوں کو سی لیتے تھے۔ بکری کا دودھ دوہ لیتے تھے اور اپنی خدمت خود کر لیتے تھے۔

حدیث۱۵: حضرت ابن عباس نے خطبہ ارشاد فرمایا اور فرمایا: ان رسول اللہ قد مات و انه بشر.

(دارمی ص ۲۳)

بے شک رسول ﷺ وفات پا گئے ہیں۔ آپ ﷺ بے شک بشر تھے۔

نفی بشریت از علمائے بریلوی:

نعیم الدین مراد آبادی لکھتے ہیں:

انبیاء کرام کو بشر کہنے والوں کو کافر فرمایا گیا ہے۔ (رفیع الشان از کنز الایمان ص ۳۹۷)

مفتی احمد یار گجراتی صاحب لکھتے:

حضور عین نور ہیں۔ (رسائل نعیمیہ بحوالہ اسرار الاحکام ص ۲۷۲)

نیز لکھتے ہیں:

نبی پاک نہ کسی کے والد ہیں نہ کسی کی اولاد اور نہ کوئی فرشتہ بشریت کے رشتے ہوتے ہیں۔ روح کا رشتہ نہیں ہوتا۔ (رسالہ نور ص ۴۳)

وہی اول وہی آخر وہی باطن وہی ظاہر اسی کے جلوے اس سے ملنے اس کی طرف گئے تھے۔ (تفسیر نعیمی ص ۲۷۰ ج ۹)

عبد الحکیم شرف قادری لکھتا ہے:

وہی مستوی عرش تھا خدا ہو کر

مدینہ میں اتر پڑا مصطفےٰ ہو کر (عقائد و نظریات ص ۲۸۸)

نیز لکھتا ہے:

جیسے فرشتوں کا سایہ نہیں ویسے آپ کا بھی۔(ایضاً)

حضور بھی اللہ کا نور ہیں۔مگر بشری لباس میں آئے۔(نور العرفان ص ۴۴)

ذاتی نور

اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے اپنے ذاتی نور پاک سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نور کو پیدا کیا۔ پھر اس نور سے تمام کائنات کا ظہور فرمایا۔حضور ﷺ جامہ بشریت میں اللہ تعالیٰ کے بے مثل نور ہیں۔(بحوالہ ماہنامہ رسالہ حنفی لاہور بابت ماہ اپریل 1964ء)

احد احمد میں فرق نہیں اے محمد

عشاق یار رکھتے ہیں ایمان تیتے نئے

(دیوان محمدی ص ۱۰۴)

محمد دی صورت ہے صورت خدا دی

میرے دل توں نقشہ مٹا کوئی نہیں سکدا

(دیوان محمدی ص ۱۲۳)

احد نال احمد رلا کیوں نہ ڈیکھاں

حبیب خدا کوں خدا کیوں نہ ڈیکھاں

(دیوان محمدی ص ۱۲۶)

محمد محمد بکیندیں گزر گئی احد نال احمد ملیندیں گزر گئی

میں اپنی حیاتی توں قرباں تھیواں خدا کوں محمد سڈیندیں گزر گئی

(دیوان محمدی ص ۱۴۵)

احمد احد کوں ڈوں نہ کر من گھن چرا و چوں نہ کر

(دیوان محمدی ص ۱۷۰)

خدا آکھاں تاں جگ ڈردے جدا آکھاں تاں دل مردے
مختار کہاں حق تردے کرساں لک لکا کیتی

(دیوان محمدی ص ۱۲۳)

پیر کرم شاہ بھیروی لکھتے ہیں:

خـلـقـت مـن نـور الله آنحضرت ﷺ باوجود عنصری پیدائش کے حق تعالیٰ کے نور سے پیدا ہوئے ہیں۔(ضیاء القرآن ص ۵۹ ج ۳)

مولوی عبدالغفور ہزاروی لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی تخلیق اپنے ذاتی نور سے فرمائی اور اس نور پاک کو بشریت و مطہرہ جسمانیت کا لباس پہنا کر انسانوں کی رہبری اور رہنمائی کے لیے عالم شہادت میں مبعوث فرمایا۔(سراج منیر ص ۲۶)

علامہ فیض احمد اویسی بہاولپوری لکھتے ہیں:

تمام مخلوقات سے پہلے تیرے نبی پاک ﷺ کا نور اپنے نور سے پیدا فرمایا۔(رسالہ نور و بشر ص ۷)

شیخ الحدیث سید غلام حسین مصطفٰی رضوی قادری لکھتا ہے:

فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کا وہ قرب حاصل ہوا کہ میں اللہ کا خالص نور ہوں۔ مجھے اللہ نے سراج منیر فرمایا ہے۔(بحوالہ سراج منیر ص ۲۷ ناشر چوہدری وقار احمد پلاٹ نمبر ۱۲۰۸ نزد ریلوے پھاٹک ککڑ منڈی مکتبہ شرکت حنفیہ شرکت بخش روڈ لاہور)

نیز لکھتا ہے:

اللہ تعالیٰ نے لفظ بعث ارشاد فرمایا بیان ہو چکا کہ بھیجی وہ چیز جاتی ہے جو پہلے موجود ہو۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے حضور کے لیے لفظ بعث یا ارسل ارشاد فرمایا ہے۔ لفظ خلق نہیں فرمایا۔(حوالہ مذکور ص ۴۱ سراج منیر)

عمر اچھروی لکھتا ہے:

حضرت آمنہ بشر سے حاملہ نہ تھیں بلکہ نور سے تھیں۔ وہ خداوند کریم جو نحل سے یعنی شہد کی مکھی سے شہد تیار کرنے کا کاریگر ہے۔ حالانکہ باقی مکھیاں بھی ہیں۔ جن کے اندر سے گند نکلتا ہے۔ جن سے بچنے کے لیے لوگ جالیاں اور پردے لگاتے ہیں کہ کہیں ہمارے گھروں میں داخل نہ ہو جائیں برتنوں پر نہ بیٹھے۔ کیونکہ ان کے پیٹ سے جو غلاظت نکلتی ہے۔ اس سے بیماری لاحق ہو جائے گی۔ اور شہد اگانے والی مکھیوں کو لوگ اپنے گھروں میں قیمتا خرید کر لاتے ہیں اور جگہ دیتے ہیں تا کہ ہمیں اپنا گوہ اکٹھا کر کے دے اور اچھے اچھے برتنوں میں رکس کر کھاتے ہیں۔ اور شفاء للناس سے اپنے اندر کی بیماریوں سے شفا پاتے ہیں حالانکہ یہاں مشیت سیحہ ہے۔ مکھی ہونے میں دونوں یکساں ہیں۔ حقیقت میں رب العزت نے دونوں کو علیحدہ علیحدہ تیار فرمایا ہے لیکن ایک کا ہگا ہوا شفا ہے۔ اور ایک کا ہگا ہوا بیماری ہے۔ یہاں مسلک کا لفظ کبھی نہیں اٹھا۔ شہد کی مکھی کی حقیقت کے علیحدہ ہونے کا کسی منکر کو انکار کا موقعہ نہیں ملا۔ تو ایسے ہی رب العزت نے حضرت آمنہ کی صورت تو دوسری عورتوں سی عنایت فرمائی۔ لیکن حقیقت علیحدہ تیار فرمائی۔ دوسری عورتیں اگر حقیقتاً صرف انسان و بشر کو ہی پیدا کرتی ہیں۔ تو حضرت آمنہ نور اللہ کی حاملہ ہیں۔ (مقیاس نور ص ۱۹)

حضور علیہ السلام کا نور اول مخلوقات ہے۔ (بحوالہ تفسیر نعیمی ص ۲۴۰ ج ۴)

اطلاق بشریت سے بشریت لازم نہیں آتی۔ (سراج منیر ص ۲۶)

ظہیر الدین قادری لکھتا ہے:

جو آدم کی آدمیت سے پہلے ہو وہ بشر کیسے کہلائے گا۔ (تحفظ عقائد اہلسنت ص ۲۷۵)

انبیاء کا صورت بشری میں ظہور فرمانا نبوۃ کے منافی نہیں ہمیشہ ایسا ہی ہوتا رہا۔ (خزائن العرفان ص ۴۸۵)

اہلسنت کا اس بارے مین عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی تخلیق اپنے ذاتی نور سے کی ہے۔ پھر اس نور پاک کو پاکیزہ بشریت اور مطہرہ جسمانیت کا لباس پہنا کر انسانوں کی راہنمائی

کے لیے مبعوث فرمایا۔ (سراج منیر ص ۳۹)

جمیع اہل اسلام کا عقیدہ ہے کہ خلقت ذات اور حقیقت کے اعتبار سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ کی پہلی مخلوق خدا کا پیدا کیا ہوا ذاتی نور۔۔۔۔۔ ہیں۔ (نورانیت النبی ﷺ ص ۴)

حضور علیہ السلام کا لباس بشری تھا۔ (ایضاً)

مصنفہ از پیر طریقت رہبر شریعت حضرت علامہ اللہ بخش نیر سرپرست اعلیٰ انجمن سپاہ مصطفےٰ پاکستان عمرا چھروی لکھتا ہے۔ ابو جہل اور اس کے ہمنواؤں نے مصطفےٰ ﷺ کو بشر کہا۔ (بحوالہ مقیاس نور ص ۲۰۶)

نیز لکھتا ہے:

قول امی عائشہ حجت نہیں۔ کان بشرا من البشر قرآن کی آیت صریحہ کے مقابلہ میں حدیث حجت نہیں بن سکتی پھر جس مسئلہ میں گیارہ آیتیں صریحی موجود ہوں ان کے مقابلے میں ایک خبر احاد کو پیش کرنا یہ اصول حدیث کے خلاف ہے۔ (مقیاس نور ص ۲۱۲)

اچھروی صاحب مزید گوہر افشانی کرتے ہیں۔

سوال: کہ مصطفےٰ ﷺ جب جبرائیل علیہ السلام کو سدرۃ المنتہیٰ پر چھوڑ گئے اور خود اوپر تشریف لے گئے تو ثابت ہوا کہ ہم نور سے بشر کو زیادہ مرتبہ دیتے ہیں۔ جیسا کہ خداوند قدوس نے کہا اور تم بشر کے درجے کو گھٹاتے ہو۔

الجواب: لیکن یہ نہ سوچا کہ آپ اوپر تشریف لے گئے۔ تو گھٹا تو اوپر نور تھا جس کی طرف تشریف لے گئے یا بشر۔ اگر بشر کہو تو کفر کیونکہ خداوند کریم بشریت سے مبرا ہے۔ تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ خدا نور ہے اور مصطفےٰ ﷺ نور کی طرف تشریف لے گئے۔ نور بالا ہوا یا بشر تو ماننا پڑے گا کہ حضور ﷺ نور اور نور خدا کی طرف ہی تشریف لے گئے۔ نور نور سے ملاقات کے لیے گیا تو نور کا درجہ بالاتر ہی رہے گا۔ (مقیاس النور ص ۲۲۰)

انکار بشریت لباس بشریت:

آپ لباس انسانی بھی محض نور اور سب سے اعلیٰ اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا۔ (مقیاس حنفیت ص ۲۳۳)

حضور علیہ السلام جسمانی نور: جس کے لباس میں اتنی قوت ہے اس کے جسمانی نور کے کیا کہنے۔ (مقیاس حنفیت ص ۲۴۹)

ذات نبی علیہ السلام قرب ذات الٰہی سے ہونا یہ عین نور کا ہی خاصہ ہے۔ (مقیاس حنفیت ص ۲۵۰)

انکار بشریت آیات قرآنی سے:

ما کان لبشر ان یکلمه الله نے ثابت کر دیا کہ بشر کی طاقت نہیں کہ اللہ سے کلام کرے۔ تو نبی ﷺ کے متکلم ہونے سے آپ کے نور ہونے کی واضح دلیل ہوگئی۔ (مقیاس حنفیت ص ۲۵۰)

اطلاق بشریت سے بشریت لازم نہیں آتی۔ (بحوالہ سراج منیر ص ۳۶)

جو آدم علیہ السلام کی آدمیت سے پہلے ہو وہ بشر کیسے کہلائے گا۔ (تحفظ عقائد اہلسنت ص ۶۷۵)

از علامہ ظہیر الدین قادری ناشر فرید بک سٹال اردو بازار لاہور۔

نعیم الدین مراد آبادی کا انکار:

انبیاء کا صورت بشری میں ظہور فرمانا نبوت کے منافی نہیں ہمیشہ ایسا ہی ہوتا رہا۔ (خزائن العرفان تفسیر کنز الایمان ص ۴۸۵)

بشر کہنے والوں کو دھوکہ ہوا ہے۔ مجسم وہ نور خدا بن کے آیا۔

ہر رنگ میں اپنی رنگت دکھا کر زمانے میں بہروپیا بن کے آیا۔

(امداد المشتاق ص ۲۹ دربار گولڑہ شریف)

اللہ کی ذات نور نہیں: اللہ کی ذات نور نہیں۔ اللہ کا نور ہونا غیر ممکن ہے کیونکہ نور جسم ہے۔ وہ خالق نور ہے۔ (بحوالہ تفسیر نعیمی ص ۱۷۸ اور ص ۱۷۹)

انکار بشریت اور تفسیر نعیمی کا حوالہ:

جیسا انسان کو گدھا، کتا کہنا درست نہیں ایسے ہی اپنی مثل انما انا بشر مثلکم. (بحوالہ تفسیر نعیمی ص ۴۰۴ ج ۹)

ذات بشریت کا انکار:

حضور علیہ السلام کی بشریت صفت ہے نا کہ ذات۔ (تفسیر نعیمی ص ۱۰۱ ج ۱۲)

رب نے انہیں عین نور فرمایا قد جاءکم من اللہ نور (بحوالہ تفسیر نعیمی ص ۲۰ ج ۳)

لباس بشری کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ حضور علیہ السلام کے لباس بشری کا مقصد خلق کا انس حاصل کرنا ہے۔ (فتاویٰ رضویہ ص ۶۶ ج ۱۶)

کہوں کیا عشق میں یارو کیا معلوم ہوتا ہے

بہر صورت بہر مورت خدا معلوم ہوتا ہے۔

خدا کہتے ہیں جس کو مصطفیٰ معلوم ہوتا ہے

جسے کہتے ہیں بندہ خود خدا معلوم ہوتا ہے۔

(دیوان محمدی ص ۱۴۵)

بشری ولیس وٹا کر آیا احد او یا احمد سڈوایا (دیوان محمدی ص ۲۰۳)

اتھاں خود عبد سڈویندے اتھاں حق نال رل ویندے

دمانیں کوں چکر دیندے ہے الٹی چال کیا سمجھ دیں

(دیوان محمدی ص ۲۰۵)

تیڈے میم دے برقعے یا وخوتوں صدقے

احد ہو کے احمد سڈا وخوتوں صدقے

(دیوان محمدی ص ۲۱۹)

بشرا کیو تاں شر تھیسی تکوں دوزخ کوں ور تھیسی

اتوں نازل قہر تھیسی نہ ڈرسی منکر اکیتیں

(دیوان محمدی ص ۲۰۲)

محمد مصطفیٰ محشر میں طٰہٰ بن کے نکلیں گے

اٹھا کر میم کا پردہ ہویدا بن کے نکلیں گے

حقیقت جو حسن کی مشکل تھی تماشا بن کے نکلیں گے

جسے کہتے ہیں بندہ قل ہو اللہ بن کے نکلیں گے

بجاتے تھے جوانی عبدہ کی بنسری ہر دم

خدا کے عرش پر انی انا اللہ بن کے نکلیں گے

(دیوان محمدی ص ۱۶۹)

انکارِ خلوق:

ہم سے تو نے چھپایا راز کو اپنے تمام

آئے احد احمد کی صورت میں نہاں تو ہی تو تھا۔

لوگ کہتے ہیں رخ پر تھی پڑی ان کے نقاب

شکل احمد میں مگر دیکھا عیاں تو ہی تو تھا۔

(بحوالہ میلاد گوہر ص ۳،۲)

احد احمد ہے لیکن میم کے پردے میں آیا ہے۔ (دیوان محمدی ص ۲۰۲)

فرید با صفا ہستی محمد مصطفیٰ ہستی

جا گو میم چپا ہستی خدا ہستی

(دیوان محمدی ص ۹۱)

اللہ و محمد میں جو ہے فرق تو انا واں پردہ نشینی ہے یہاں پردہ دری ہے۔ (نعت انتخاب ص ۱۵۱)

شکل بشر میں نور الٰہی اگر نہ ہو۔ کیا اس قدر خمیرہ پاؤ مدد کی ہے۔ (حدائق بخشش حصہ اول ص ۴۳)

ترجمہ: یہ خدا کا اپنا نور ہے۔ جو بشر کی شکل میں ظاہر ہوا ورنہ اس خمیر کی کیا قدر تھی جو پانی اور مٹی سے تیار ہوا۔

احمد احد میں فرق نہیں آئے محمد (دیوان محمدی ص ۱۵۲)

اگر محمد نے محمد کو خدا مان لیا پھر تو سمجھ مسلمان ہے دغا باز نہیں۔ (دیوان محمدی ص ۱۹)

رب نے انہیں عین نور فرمایا۔ (بحوالہ تفسیر نعیمی ص ۲۰ ج ۳)

تیری نسل پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا

تو ہے عین نور تیرا سب گھرانہ نور کا (حدائق بخشش حصہ دوم ص ۴)

ھو الاول ھو الآخر ھو الظاھر ھو الباطن

بکل شئی علیم لوح محفوظ خدا تم ہو

نہ ہو سکتے ہیں دو اول نہ ہو سکتے ہیں دو آخر

تم اول اور آخر ابتدا تم انتہا تم ہو

خدا کہتے نہیں بنتی جدا کہتے نہیں بنتی

خدا پر چھوڑا ہے وہی جانے کیا تم ہو

(حدائق بخشش حصہ دوم ص ۹۴)

آدم علیہ السلام حضور علیہ السلام کے بیٹے ہیں اور حضرت حوا حضور علیہ السلام کی بہو ہیں۔ آدم علیہ السلام اگر چہ صورت میں حضور کے باپ ہیں مگر حقیقت میں وہ بھی حضور کے بیٹے ہیں۔ تو ام البشر یعنی حضرت حوا حضور ہی کے پسر آدم کی عروس ہیں علیہم الصلوۃ والسلام۔ (حدائق بخشش حصہ دوم ص ۸۵)

انکار مخلوق اور پیر کرم شاہ بھیرہ کا عقیدہ

خلقت من نور الله. آنحضرت ﷺ باوجود عنصری پیدائش کے حق تعالیٰ کے نور سے پیدا ہوئے

ہیں۔(ضیاء القرآن ص ۵۹ ج ۳)

لباس وشکل انسانی حقیقت نور:

حضرت جبرائیل علیہ السلام شکل انسانی میں آئے تھے۔ کہ ان کی حقیقت نور تھی۔ لباس وشکل انسانی۔(بحوالہ تفسیر نعیمی ص ۶۰۹ ج ۷)

ثابت ہو جو انسان نہ ہو وہ شکل انسانی اور لباس انسانی میں آتا ہے اور جو خود ہی انسان ہو اس کو شکل ولباس کی کیا ضرورت ہوگی فافہم۔

انبیاء کرام کی حقیقت:

انبیاء کرام علیہم السلام اگر چہ صورت بشری میں مبعوث ہوئے مگر ان کی حقیقت صفت بشری سے بالا ہوتی ہے۔ دوسرے کسی نبی کی شان میں بشر مثلنا کہہ دینا اتباع کفار ہے۔ مومن انہیں صورتا بشر مانتا ہے مگر ان کی حقیقت کو بشریت سے بالا مانتا ہے۔

تم ذات خدا سے جدا نہ خدا ہو۔
اللہ ہی کو معلوم ہے تم کون کیا ہو۔
محمد سر وحدت ہے کوئی رمز اس کی کیا جانے
شریعت میں تو بندہ ہے حقیقت میں خدا جانے

(تفسیر الحسنات ص ۳۴۸ ج ۳)

تو آپ کے اس عروج کی انتہا تنزل ذات کی ابتدا تھی۔ معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کے عروج اور ذات باری تعالیٰ کے نزول کا نقطہ اتصال حقیقت محمدیہ ہے۔ جس کا مظہر اتم خود حضور ﷺ کا جسم پاک تھا۔ گویا جسم پاک حقیقت محمدیہ نہیں بلکہ وہ تو حقیقت محمدیہ کا مظہر ہے۔(بحوالہ راہ ورسم منزل ہا ص ۶۴)

پیر مہر علی شاہ کا نظریہ:

ذات باری تعالیٰ جو صورت جسمیہ سے پاک ہے۔ انسان کی صورت میں اس نے اپنا ظہور فرمایا اور وحدت میں کثرت میلان کے آثار پھوٹے تو اس ظہور کا مظہر اتم واکمل جناب رسالت مآب ﷺ کی ذات جلیلہ بنی گویا اس طرح وہ بے صورت صورت ظاہر ہوا۔ مٹی کی ایک مورت میں اس کی بے رنگی رنگ دکھانے لگی۔

کھلونا سمجھ کر بگاڑو نہ تم
یہ تو مٹی کی مورت بڑی چیز ہے

(راہ ورسم منزل ہا ص ۷۷)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رسالہ مسئلہ توسل

وسیلہ کی اقسام:

وسیلہ کی آٹھ اقسام ہیں۔

۱: اعمال کا وسیلہ لینا۔ ۲: زندہ بزرگ سے دعا کروانا۔ ۳: ذات کا وسیلہ لینا قبل از پیدائش۔ ۴: ذات کا وسیلہ دنیوی حالت حیات میں ۵: بعد از وفات ذات کا توسل۔ ۶: غیر نبی کی ذات کا توسل ۷: بعد از وفات آپ سے دعا کروانا۔ ۸: اہل قبور سے دعا کی درخواست کرنا

وسیلہ کی قسم اول کے دلائل:

قرآن مجید کی نصوص سے بھی یہ حقیقت واضح ہے کہ ایمان باللہ ایمان بالرسول اور اتباع رسول قرب خداوندی کا وسیلہ ہے ارشاد ہے:

(۱) ربنا اننا سمعنا منادیا ینادی للایمان ......تا..... فاغفر لنا ذنوبنا و کفر عنا سیئاتنا ..... الآیۃ . (آل عمران ۵)

دوسری جگہ ارشاد ہے:

(۲) انہ کان فریق من عبادی یقولون ربنا آمنا فاغفر لنا وارحمنا و انت خیر الراحمین (مومنون ع ۶).

ان دونوں آیتوں میں ایمان والوں کی دعا کا ذکر ہے جس میں وہ ایمان باللہ کو وسیلہ قرار دے کر اللہ

تعالیٰ سے بخشش کی دعا مانگ رہے ہیں۔

(۳) ربنا آمنا بما انزلت واتبعنا الرسول فاکتبنا مع الشٰھدین. (آل عمران ع ۵)

اس آیت میں حواریان عیسیٰ علیہ السلام نے ایمان بالکتاب اور اتباع رسول کے وسیلہ سے دعا مانگی۔

حدیث میں آتا ہے گذشتہ زمانے میں تین آدمی سفر کر رہے تھے بارش شروع ہوگئی تو بچاؤ کے لئے ایک غار میں داخل ہو گئے۔ ایک بھاری چٹان نے لڑھک کر غار کا منہ بند کر دیا تو تینوں نے اعمال صالحہ کے وسیلہ سے دعا مانگی تو اللہ تعالیٰ نے چٹان کو نیچے لڑھکا کر غار کا منہ کھول دیا۔ (بخاری)

وسیلہ کی دوسری قسم کے دلائل:

آپ ﷺ سے دعا کروا کر بھی وسیلہ لیا گیا۔

امام تقی الدین سبکی فرماتے ہیں:

وروی البیھقی (فی دلائلہ) عن ابی وجزۃ یزید بن عبد السلمی قال لما قفل رسول اللہ ﷺ من غزوۃ تبوک اتاہ وفد بنی فزارۃ الی ان قال فقالوا یا رسول اللہ اسنتت بلادنا واجدبت جنابنا، وعریت عیالنا، و ھلکت مواشینا، فادع ربک ان یغیثنا، واشفع لنا الی ربک و یشفع ربک الیک، فقال رسول اللہ ﷺ سبحان اللہ ویلک انا شفعت الی ربی فمن ذا الذی یشفع ربنا الیہ، لا الہ الا ھو العظیم، وسع کرسیہ السموٰت والارض وھو یئط من عظمتہ و جلالہ، و ذکر بقیۃ الحدیث، الی ان قال فقام رسول اللہ ﷺ فصعد المنبر وفیہ کان مما حفظ من دعائہ. اللھم اسق بلدک و بھیمتک وانشر رحمتک، واحی بلدک المیت، و ذکر دعاءہ حدیثا طویلا. (شفاء السقام ص ۱۶۹)

"اور روایت کیا بیہقی نے اپنے دلائل میں ابو وجزۃ یزید بن عبد السلمی سے کہ انہوں نے فرمایا جب لوٹے رسول اللہ ﷺ غزوہ تبوک سے بنو فزارہ کا وفد رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا پس انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہمارے شہر قحط زدہ ہو گئے اور خشک ہو گئے ہمارے باغات، اور نادار ہو گئے ہمارے عیال اور ہلاک ہو گئے ہمارے مویشی پس آپ اپنے رب سے دعا فرمائیں کہ ہمیں

بارش عطا فرمائے اور ہماری سفارش کریں اپنے رب کی طرف اور سفارش کرتے ہیں آپ کے رب کی آپ کی طرف۔ پس فرمایا رسول اللہ ﷺ نے سبحان اللہ افسوس ہے تجھ پر بے شک میں شفاعت کرتا ہوں اپنے رب کی طرف لیکن کون ہے وہ کہ جس کی طرف ہمارا رب اللہ شفاعت کرے۔ ایسا رب کہ نہیں معبود مگر وہ عظیم ہے اور وسیع ہے اس کی کرسی آسمان اور زمینوں کو۔ اور وہ چرچراتی ہے اس کی عظمت کی وجہ سے۔ اور ذکر کیا باقی حدیث کو یہاں تک کہ فرمایا پس کھڑے ہوئے رسول اللہ ﷺ پس آپ چڑھے منبر پر اور اس میں ہے اس سے جو یاد کیا (راوی نے) آپ ﷺ کی دعا سے۔ (اے اللہ سیراب کر اپنے شہر کو اور اپنی چوپاؤں کو اور پھیلا اپنے رحمت کو اور زندہ کر اپنے مردہ شہر کو) اور ذکر کیا آپ کی دعا کو اور حدیث طویل کو۔"

آگے فرماتے ہیں:

وفی سنن ابی داؤد فی کتاب السنۃ عن جبیر بن مطعم، قال، اتی رسول اللہ ﷺ اعرابی، فقال یا رسول اللہ جھدت الانفس، و ضاعت العیال، و نھکت الاموال، و ھلکت الانعام، فاستسق اللہ لنا، فانا نستشفع بک علی اللہ، و نستشفع باللہ علیک، قال رسول اللہ ﷺ ویحک اتدری ما تقول انہ لا یستشفع باللہ علی احد من خلقہ، شان اللہ اعظم من ذلک.

(شفاء السقام ص ۱۶۹۔ ۱۷۰)

"حضرت جبیر بن مطعمؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کے پاس ایک اعرابی آیا پس عرض کیا اس نے اے رسول اللہ ﷺ مشقت میں پڑ گئے ہیں نفوس اور ضائع ہو گئے ہیں عیال اور ہلاک ہو گئے ہیں اموال اور ہلاک ہو گئے چوپائے پس طلب کریں اللہ تعالیٰ سے ہمارے لئے بارش پس ہم شفاعت طلب کرتے ہیں آپ کے واسطہ سے اللہ تعالیٰ پر اور شفاعت طلب کرتے ہیں اللہ کے واسطے آپ پر۔ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے افسوس ہے تجھ پر کیا تو جانتا ہے کہ تو کیا کہہ رہا ہے۔ نہیں شفاعت طلب کی جاتی ہے اللہ کے واسطے سے اس کی مخلوق میں سے کسی ایک پر اللہ کی شان اس سے بہت بڑی ہے۔"

علامہ سبکی مزید لکھتے ہیں:

"جیسا کہ صحیحین میں ہے کہ ایک آدمی جمعہ کے دن مسجد میں داخل ہوا اس حال میں کہ رسول اللہ ﷺ کھڑے خطبہ ارشاد فرما رہے تھے پس وہ آپ ﷺ کی طرف متوجہ ہوا کھڑے ہوتے ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اموال ہلاک ہوگئے ہیں اور پانی خشک ہوگئے ہیں پس اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں کہ ہمیں بارش عطا فرمائے پس رسول اللہ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے پھر فرمایا اے اللہ ہمیں بارش دے، اے اللہ ہمیں بارش دے، پس طلوع ہوا بادل آپ علیہ السلام کے پیچھے سے ڈھال کی مثل، پس جب آسمان کے وسط میں آگیا تو پھیل گیا پھر بارش ہوئی فرمایا پس اللہ کی قسم ہم نے ایک ہفتہ تک سورج نہیں دیکھا۔" (شفاء السقام ص ۱۶۹)

جو وسیلہ طلب دعا کی صورت میں ہوتا ہے یہ تو آپ سے اس قدر زیادہ ثابت ہے کہ اس کی احادیث تواتر کے درجہ تک پہنچی ہوئی ہیں چنانچہ علامہ تقی الدین سبکیؒ شفاء السقام ص ۱۶۹ پر فرماتے ہیں و ھذا متواتر یہ متواتر ہیں۔ علامہ عبدالعزیز بن محمد بن صدیق الغماری نے نظم المتناثر علی الازھار المتناثر ص ۸ ۲ پر علامہ سبکی کا یہی قول نقل فرماتے ہیں:

احادیث التوسل بہ ﷺ فی حال حیاتہ الدنیویہ قال السبکی فی شفاء السقام ھذا متواتر والاخبار طافحۃ بہ ولا یمکن حصرھا۔ الخ۔

"نبی ﷺ کے ساتھ آپ کی حیات دنیوی میں توسل کی احادیث کے بارے میں امام سبکیؒ شفاء السقام میں فرماتے ہیں یہ متواتر ہیں اور اخبار اس کی پھیلی ہوئی ہیں اور ان کا حصر ممکن نہیں۔"

وسیلہ کی تیسری قسم کے دلائل:

آپ ﷺ کی پیدائش سے قبل آپ ﷺ کا وسیلہ لیا گیا:

وکانوا من قبل یستفتحون علی الذین کفروا فلما جاء ھم ما عرفوا کفروا بہ فلعنۃ اللہ علی الکٰفرین۔ (بقرہ آیت ۸۹)

"حالانکہ اس سے پیشتر (اس کی برکت سے) کافروں پر فتح یابی بھی چاہا کرتے تھے، جب آیا ان کے پاس جس کو پہچان رکھا تھا۔ سو اس کے منکر ہو گئے پس اللہ کی منکروں پر لعنت ہو۔"

(۱) علامہ آلوسیؒ لکھتے ہیں:

نزلت فی قریظة والنضیر کانو یستفتحون علی الاوس والخزرج برسول اللہ ﷺ قبل مبعثه قاله ابن عباسؓ و قتادةؒ۔

"یہ آیت بنو قریظہ اور بنو نضیر کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ وہ اوس اور خزرج کے خلاف آنحضرت ﷺ کی بعثت سے پہلے آپ ﷺ کے وسیلے سے فتح طلب کیا کرتے تھے۔ جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ اور قتادہؒ نے فرمایا ہے۔"

(۲) علامہ علاء الدین البغدادیؒ فرماتے ہیں:

و ذالک انهم کانو اذا حزنهم امر و دهمهم عدو یقولون اللهم انصرنا بالنبی المبعوث فی آخر الزمان الذی نجد صفته فی التوراة فکانوا ینصرون۔ (تفسیر خازن ج ۱ ص ۷۰)

مراد اس سے یہ ہے کہ جب ان کو کوئی غمگین کرنے والا امر پہنچتا یا دشمن حملہ کر دیتا تو کہتے کہ اے اللہ ہماری مدد فرما اس آخر الزمان نبی کے وسیلے سے جس کی صفت کو ہم تورات میں پاتے ہیں پس ان کی مدد کی جاتی۔

(۳) علامہ داؤد بن سلیمان البغدادیؒ لکھتے ہیں:

اتفق المفسرون و اهل الحدیث علی انها نزلت فی یهود خیبر کانوا قبل وجوده ﷺ یحاربون اسداً و غطفان من مشرکی العرب و کانوا یقولون اللهم بحق النبی الذی تبعثه آخر الزمان الا نصرتنا علیهم فینصرون فلما جاء هم الرسول و رآوه کفروا به عناداً و حسداً۔ (المنحة الوهبیة ص ۳۱)

"مفسرینؒ اور محدثینؒ اس پر متفق ہیں کہ یہ آیت کریمہ یہود خیبر کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ جو آنحضرت ﷺ کی آمد سے پہلے مشرکین عرب کے قبیلوں اسد اور غطفان سے لڑتے تھے اور یوں کہتے تھے کہ اے اللہ اس نبی کے حق سے ہمیں ان پر نصرت اور غلبہ عطا فرما جس کو تو آخری زمانے میں بھیجے گا۔ سو ان کی مدد کی جاتی پس جب آپ ﷺ ان کے پاس آئے اور انہوں نے آپ ﷺ کو دیکھا تو عناداً اور حسداً آپ کا انکار کر گئے۔"

(۴) علامہ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:

ان الیهود کانوا یحاربون جیرانهم من العرب فی الجاهلیة و یستنصرون علیهم بالنبی ﷺ

قبل ظهوره فيفتح لهم و ينصرون عليهم فلما ظهر النبی ﷺ كفروا و جحدوا نبوته. (بدائع الفوائد ج ۴ ص ۱۴۵)

"بے شک یہود جاہلیت میں اپنے عربی پڑوسیوں سے لڑتے تھے اور آنحضرت ﷺ کی آمد سے پہلے وہ آپ ﷺ کے طفیل سے دشمن کے خلاف مدد طلب کرتے تھے تو ان کو فتح و نصرت حاصل ہوتی تھی۔ پھر جب آنحضرت ﷺ تشریف لائے تو انہوں نے کفر اختیار کیا اور آپ ﷺ کی نبوت کا انکار کردیا۔"

(۵) علامہ ابومحمد الحسین الفراء البغوی لکھتے ہیں:

و ذالک انهم كانوا يقولون اذا حزنهم امر و دهمهم عدو اللهم انصرنا عليهم بالنبی المبعوث فی آخر الزمان الذی نجد صفته فی التوراة فكانوا ينصرون و كانوا يقولون لاعدائهم من المشركين قد اظل زمان نبی يخرج بتصديق ما قلنا فنقتلكم معه قتل عاد و ثمود و ارم.

"مراد اس سے یہ ہے کہ یہود کو جب کوئی امر غمگین کرتا تو کہتے اے اللہ مدد فرما ہماری مشرکین کے خلاف اس نبی مبعوث فی آخر الزمان کے واسطے سے جسکی صفت کو ہم پاتے ہیں، پس وہ مدد کئے جاتے اور وہ مشرکین میں سے اپنے دشمنوں سے کہتے قریب ہے اس نبی کا زمانہ جو اس کی تصدیق کے ساتھ ظاہر ہوگا جو ہم کہتے ہیں۔ ہم تمہیں اس کے ساتھ مل کر قتل کریں گے جس طرح عاد و ثمود اور ارم قتل کئے گئے۔"

(۶) صاحب تفسیر حقانی لکھتے ہیں:

مدینہ کے یہودی بنی اسد اور بنی غطفان وغیرہ قبائل عرب سے جب شکست کھا کر عاجز ہوتے تو اپنے علماء کی تعلیم سے دعا کیا کرتے تھے۔ اللهم ربنا انا نسئلک بحق احمد ن النبی الامی الذی وعدتنا ان تخرجه لنا فی آخر الزمان و بكتابک الذی تنزل عليه آخر ما ينزل ان تنصرنا على اعدائنا. "اے اللہ ہم آپ سے سوال کرتے ہیں احمد ﷺ نبی امی کے توسل سے کہ جن کے بارے میں آپ نے ہم سے وعدہ کیا کہ آپ آخری زمانے میں انہیں ہماری طرف مبعوث فرمائیں گے اور آپ کی اس کتاب کے توسل سے کہ جو آپ ان پر

اتاریں گے اور وہ سب سے آخری اترنے والی ہوگی کہ آپ ہمارے دشمنوں پر ہماری مدد فرمائیں۔ "(تفسیر حقانی ج۱ص۲۲۶)

(۷) علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:

وقد كانوا من قبل مجيء هذا الرسول بهذا الكتاب يستنصرون بمجيئه على اعدائهم من المشركين اذا قاتلوهم يقولون انه سيبعث نبي في آخر الزمان نقتلكم معه قتل عاد و ارم.

"یہود آنحضرت ﷺ کے اس کتاب کے ساتھ تشریف لانے سے قبل آپ کے آنے کے واسطے سے مشرکین میں سے اپنے دشمنوں پر مدد طلب کرتے تھے اور جب ان سے قتال کرتے تو کہتے کہ عنقریب نبی آخر الزمان مبعوث ہوں گے اور ہم ان کے ساتھ مل کر تمہیں قتل کریں گے جس طرح عاد اور ارم کو۔"

آدمؑ نے بھی آنحضرت ﷺ کا وسیلہ لیا:

عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله ﷺ لما اقترف آدم عليه السلام الخطيئة قال يا رب اسئلك بحق محمد ﷺ لما غفرت لي فقال الله يا آدم، و كيف عرفت محمداً و لم اخلقه قال يا رب لانك لما خلقتني بيدك و نفخت في من روحك، رفعت رأسي فرأيت على قوائم العرش مكتوبا لا اله الا الله محمد رسول الله، فعرفت انك لم تضف الى اسمك الا احب الخلق اليك فقال الله. صدقت يا آدم انه لأحب الخلق الي اذا سألتني بحقه فقد غفرت لك، ولو لا محمد ما خلقتك.

"حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب آدم علیہ السلام سے خطا سرزد ہوگئی تو انہوں نے فرمایا اے رب میں تجھ سے محمد ﷺ کے وسیلے سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے بخش دے پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے آدم تو محمد کو کیسے پہچانتا ہے حالانکہ میں نے اسے ابھی پیدا نہیں کیا؟ فرمایا اے رب اس لئے کہ جب آپ نے مجھے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور مجھ میں اپنی روح پھونکی تو میں نے اپنا سر بلند کیا تو دیکھا کہ عرش کے پایوں پر لکھا ہوا تھا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ پس میں جان گیا کہ آپ نہیں کسی کا اضافہ کرتے اپنے نام کے ساتھ مگر مخلوق میں

سے جو سب سے زیادہ آپ کو محبوب ہوگا۔ پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا تو نے سچ کہا ہے اے آدم، بے شک وہ مخلوق میں سے سب سے زیادہ مجھے محبوب ہے۔ جب تو نے اس کے وسیلے سے مجھ سے سوال کیا ہے تو پس میں نے تیری مغفرت کردی اور اگر محمد ﷺ نہ ہوتے تو میں تجھے پیدا نہ کرتا۔"

اعتراض:

سیدنا حضرت آدم علیہ السلام کا امام الانبیاء ﷺ کے وسیلے سے دعا کرنا کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں اور مستدرک حاکم کی یہ جو حدیث ہے اس کی سند میں ایک راوی عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم ہے جو نہایت ہی ضعیف اور مجروح ہے لہذا اس حدیث کو وسیلے کے جواز پر پیش کرنا درست نہیں۔ نیز حضرت آدمؑ کی توبہ کے کلمات سورۃ الاعراف میں بیان کئے گئے ہیں اس میں کسی وسیلے اور واسطے کا تذکرہ نہیں ہے۔

جواب:

حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں یہ جو روایت ہے اس کو ضعیف کہنا درست نہیں اس لئے کہ محدثین کی ایک جماعت نے اس کو صحیح قرار دیا ہے اور یہ حدیث مرفوع بھی ہے۔

(۸) علامہ قسطلانیؒ تحریر فرماتے ہیں:

وقد صح ان رسول الله ﷺ قال لما اقترف الادم الخطيئة قال. يا رب اسئلک بحق محمد لما غفرت لي. الخ. (المواهب اللدنية ج ۲ ص ۵۱۵)

"حدیث سے ثابت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے جب خطا ہوئی تو انہوں نے حضور ﷺ کے حق اور واسطہ سے دعا کی کہ اے اللہ میری خطاء کو معاف فرمادے۔"

(۲) امام بیہقیؒ نے بھی دلائل النبوۃ میں سند صحیح کے ساتھ اس حدیث کو نقل کیا ہے۔

(۳) شیخ تقی الدین سبکیؒ نے فرمایا کہ اس حدیث کو امام حاکم نے نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ یہ حدیث حسن اور صحیح الاسناد ہے۔ یعنی اس کی سند صحیح ہے۔

(۴) امداد الاحکام میں لکھا ہے:

وقال الشیخ تقی الدین السبکی بعد روایۃ ھذا الحدیث اخرجہ الحاکم وقال ھذا حدیث حسن صحیح الاسناد ولم یخرجاہ۔

''یعنی امام تقی الدین سبکیؒ اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ حاکم نے اس حدیث کو لیا ہے۔ اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے صحیح الاسناد ہے۔ اگرچہ بخاری مسلم نے اس کو نقل نہیں کیا۔''

(۵) علامہ سمہودیؒ لکھتے ہیں:

رواہ جماعۃ منہم الحاکم و صحح اسنادہ عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ۔ (وفا الوفاء ص ۱۹۳ / ۴)

''توسل کی روایت کو ایک جماعت نے نقل کیا ہے ان میں سے حاکم بھی ہیں انہوں نے عمر بن خطابؓ سے نقل کر کے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔''

(۶) حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کی تائید:

والطبرانی در معجم صغیر وحاکم وابونعیم وبیہقی از حضرت امیر المؤمنین عمر بن الخطابؓ روایت آوردہ اند کہ آنحضرت ﷺ فرمودند کہ چون حضرت آدم علیہ السلام ارتکاب گناہ کردند ومعاتب شدند در قبول توبہ خود حیران بودند ایشاں را یاد آمد چہ مرا ہرگاہ حق تعالیٰ پیدا کردہ بود بروح خاص در من دمیدہ من در آن وقت سر خود را بسوئے عرش برداشتم دیدم کہ در انجا نوشتہ اند لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ از ینجا معلوم میشود کہ قدر ہیچ کس نزد خدا برابر ایں شخص نیست کہ نام او را با نام خود برابر کردہ است۔ تدبیر ایں است کہ بحق ہمیں شخص سوال مغفرت نمایم پس در دعائے خود گفتند اسئلک بحق محمد الا غفرت لی حق تعالیٰ ایشاں را آمرزش کرد۔ (تفسیر فتح العزیز ج ۱ ص ۱۸۴)

''طبرانی نے معجم صغیر میں اور حاکم نے اور ابونعیم نے اور بیہقی نے امیر المؤمنین حضرت عمرؓ سے روایت نقل کی ہے کہ جناب رسالت مآب ﷺ نے فرمایا کہ جب آدم علیہ السلام سے خطا سرزد ہوئی اور عتاب کئے گئے تو اپنی توبہ کی مقبولیت کے بارے میں متفکر تھے کہ انہیں یاد آیا کہ جب اللہ تعالیٰ نے مجھے پیدا کیا تھا اور روح خاص مجھ میں ڈالی تھی اس وقت میں نے اپنا سر عرش کی طرف

بلند کیا تو میں وہاں لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا دیکھا پس اس وقت مجھے معلوم ہو گیا کہ اللہ کے ہاں ان کے زیادہ کسی کا مرتبہ نہیں ہے کہ اپنے نام کے ساتھ ان کا نام لکھا ہے۔ پس تدبیر یہ ہے کہ اس شخص کے وسیلے سے مغفرت کا سوال کروں پس انہوں نے اپنی دُعا میں کہا کہ اے اللہ! محمد کے وسیلے سے تجھ سے سوال کرتا ہوں کیا تو مجھے نہیں بخشے گا پس حق تعالیٰ نے بخش دیا۔"

(۷) حافظ ابن حجر المکی الہیتمیؒ لکھتے ہیں:

ممایدل لطلب التوسل به صلی الله علیه وسلم ان ذلک هو سیرة السلف الصالحین الانبیاء والاولیاء و غیرهم ما اخرجه الحاکم و صححه (حاشیه ابن حجر علی الایضاح ص ۴۹۰)

"آپ ﷺ کی ذات کے توسل پر جو دلالت کرتی ہے اور وہ سلف صالحین انبیاء و اولیا کی سیرت مبارکہ بھی ہے وہ حدیث ہے جس کو حاکم نے نقل کیا ہے اور اسی کو صحیح قرار دیا ہے۔"

وسیلہ کی چوتھی قسم کے دلائل:

آپ ﷺ کی حیات دنیوی میں آپ ﷺ کی ذات بابرکات کا وسیلہ لینا۔

آنحضرت ﷺ کے پاس نابینا صحابی تشریف لائے اور دعا کی درخواست کی چنانچہ حدیث میں ہے:

حدثنا عبدالله حدثنی ابی ثنا مؤمل قال ثنا حماد یعنی ابن سلمة قال ثنا ابو جعفر الخطمی عن عمارة بن خزیمة بن ثابت عن عثمان بن حنیف ان رجلا اتی النبی ﷺ قد ذهب بصره فقال یا نبی الله ادع الله ان یعافینی فقال ان شئت اخرت ذالک فهو افضل لاخرتک وان شئت دعوت لک قال لا بل ادع الله فامره ان یتوضا و ان یصلی رکعتین وان یدعو بهذا الدعاء اللهم انی اسئلک و اتوجه الیک بنبیک محمد ﷺ نبی الرحمت یا محمد انی اتوجه بک الی ربی فی حاجتی هذه فتقضی و تشفعنی فیه و تشفعه فیّ قال فکان یقول هذا مرارا ثم قال احسب ان فیها ان تشفعنی فیه قال ففعل الرجل فبریء. (مسند احمد ص ۱۳۸ ج ۴)

"بیان کیا ہمیں عبداللہ نے کہ بیان کیا مجھ سے میرے والد نے کہ مؤمل نے فرمایا بیان کیا ہم سے

حماد یعنی ابن سلمۃ نے فرمایا بیان کیا ہم سے ابوجعفر نے عمارہ بن خزیمۃ بن ثابت سے انہوں نے عثمان بن حنیف سے کہ ایک آدمی نبی ﷺ کے پاس آیا جس کی بینائی چلی گئی تھی پس عرض کیا اے اللہ کے نبی ﷺ اللہ سے دعا فرمائیں کہ مجھے عافیت دے دیں پس فرمایا اگر تو چاہے تو اس کو موخر کر دے تو یہ تیری آخرت کے اعتبار سے افضل ہوگا اور اگر تو چاہے تو میں تیرے لئے دعا کروں صحابیؓ نے عرض کیا نہیں یا رسول اللہ ﷺ آپ میرے لئے دعا فرمائیں، پس آپ ﷺ نے اس کو حکم دیا یہ کہ وضو کرے اور دو رکعت نماز پڑھے اور اس دعا کے ساتھ دعا کرے۔ اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور متوجہ ہوتا ہوں آپ کی طرف آپ کے نبی محمد ﷺ کے وسیلہ کے ساتھ جو نبی رحمت ہیں۔ اے محمد ﷺ میں متوجہ ہوتا ہوں آپ کے ساتھ اپنے رب کی طرف اپنی اس حاجت کے بارے میں کہ وہ حاجت پوری کر دی جائے اور مجھے شفا دے دی جائے اس میں اور آپ شفاعت کریں اللہ سے میرے بارے میں۔ فرمایا پس وہ بار بار اس کو کہتا تھا۔ پھر اس نے کہا کہ مجھے گمان ہے کہ مجھے اس میں شفاء دے دی جائے گی۔ عثمان فرماتے ہیں کہ پس اس نے ایسے کیا اور شفایاب ہو گیا۔"

امام حاکم مستدرک حاکم میں اس حدیث کو تین مرتبہ لائے ہیں:

(۱) صفحہ نمبر ۵۱۹ پر لکھتے ہیں: ھذا حدیث صحیح الاسناد.

(۲) صفحہ ۳۱۳ پر: ھذا حدیث صحیح علی شرط الشیخین یہ حدیث صحیح ہے امام بخاری مسلم کی شرط پر۔

(۳) علامہ خفاجیؒ فرماتے ہیں:

ھذا حدیث سندہ صحیح نسیم الریاض ص ۱۰۶ ج ۳

(۴) صححہ البیھقی وفا الوفاء ص ۴۲۰ ج ۳

(۵) صححہ الترمذی امام ترمذی نے اس کو صحیح کہا ہے۔

(۶) فتاوی ابن تیمیہ ص ۳۷۱ ج ۴

(۷) قال الالبانی صحیح فی صحیح جامع الصغیر رقم ۲۹۰

(۸) امام ابن ماجہ نے ابن ماجہ میں صفحہ ۹۹ پر اس حدیث کو نقل کیا ہے اور فرمایا ہے:

قال ابو اسحق هذا حديث صحيح.

ابو اسحٰق نے فرمایا یہ حدیث صحیح ہے۔

(۹) قال ابو اسحق هذا حديث صحيح. (السنن لابن ماجہ ص ۱۰۰)

(۱۰) هذا الحديث اخرج النسائي والترمذي في الدعوات مع اختلاف يسير وقال الترمذي حسن صحيح وصححه البيهقي و زاد، " وقام وقد ابصر ". وفي رواية ففعل الرجل فبرأ. و ذكر شيخنا عابد السندي في رسالته والحديث يدل على جواز التوسل والاستشفاع بذاته المكرم في حياته. (انجاح الحاجة ص ۱۰۱)

''یہ حدیث امام ترمذیؒ اور امام نسائیؒ نے بھی الفاظ میں تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ کتاب الدعوات میں نقل فرمائی ہے۔ اور امام ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے بیہقی نے بھی اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ البتہ اتنا اضافہ کیا ہے کہ وہ کھڑا ہوا اور اس کی بصارت درست لوٹ آئی تھی۔ اور ایک روایت میں اس آدمی نے یونہی کیا اور دیکھنے لگا۔ ہمارے شیخ عابد سندھی نے اپنے رسالہ میں ذکر کیا ہے اور حدیث نبی کریم ﷺ کی زندگی میں آپ کی ذات کے ساتھ توسل اور استشفاع کے جواز پر دلالت کرتی ہے۔''

(۱۱) شیخ عابد السندھیؒ (ایضاً)

حکیم الامت حضرت تھانویؒ کا فرمان:

''اس سے توسل صراحتاً ثابت ہوا۔ اور چونکہ آپ کا اس کے لئے دعا فرمانا کہیں منقول نہیں اس سے ثابت ہوا کہ جس طرح توسل کسی کی دعا کا جائز ہے اسی طرح توسل دعا میں کسی کی ذات کا بھی جائز ہے۔'' (نشر الطیب ص ۳۰۰)

اعتراض:

اس روایت کے ہر طریق میں ابوجعفر مدائنی واقع ہے اس لئے امام ترمذی نے لکھا ہے:

ھذا الحدیث لا نعرفہ الا من ھذا الوجہ من حدیث ابی جعفر وھو غیر الخطمی. (ترمذی ص ۲۰۱ ج ۲)

اس حدیث کی سند ابوجعفر کی سند کے علاوہ میں اور کوئی نہیں جانتا اور یہ ابوجعفر خطمی کے علاوہ ہے ۔ یہ ابوجعفر المدائنی ہے اور یہ مجروح ہے۔

امام مسلم بن حجاج لکھتے ہیں:

کعبداللہ بن مسور ابی جعفر المدائنی و غیرہ ممن اتھم بوضع الاحادیث و تولید الاخبار .
(خطبہ صحیح مسلم ص ۵)

نیز فرماتے ہیں:

ان ابا جعفر الھاشمی المدنی کان یضع احادیث کلام حق ولیست من احادیث النبی وکان یرویھا عن النبی ﷺ. (ایضا ص ۱۶)

امام نووی فرماتے ہیں:

اما ابو جعفر ھذا ھو عبداللہ بن مسور المدائنی ابو جعفر المدنی تقدم فی اول الکتاب فی الضعفاء الواضعین (شرح صحیح مسلم ص ۱۷ ج ۲)

جواب:

اس کی سند میں مدائنی نہیں ہے۔ الخطمی ہے۔ اس پر کئی دلائل ہیں:

(۱) ”علامہ قسطلانیؒ اور علامہ زرقانیؒ جیسے عظیم محدثین نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔ اور محدثین موضوع سے استدلال نہیں کرتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو راوی یہ بتا رہے ہیں محدثین کے نزدیک اس حدیث کے راوی وہ نہیں ہیں۔“

(۲) مسند احمد میں یہ حدیث اس سند سے موجود ہے:

حدثنا عبداللہ حدثنی ابی ثنا مؤمل قال حدثنا حماد یعنی ابن سلمۃ قال ثنا ابو جعفر الخطمی عن عمارۃ بن خزیمۃ بن ثابت بن عثمان عن عثمان بن حنیف ان رجلاً ...... الخ. (مسند احمد ص ۱۳۸ ج ۴)

(۳) مستدرک حاکم میں اس سند سے مروی ہے:

حدثنا حمزة بن العباس العقبی ببغداد ثنا العباس بن محمد الدوری ثنا عون بن عمارة البصری ثنا روح بن القاسم عن ابی جعفر الخطمی عن ابی امامة بن سهل بن حنیف عن عمه عثمان بن حنیف ان رجلاً..... الخ. (مستدرک ص ۵۲۶ ج ۱)

ان دونوں سندوں میں الخطمی کی تصریح موجود ہے۔ اور خطمی ثقہ راوی ہے۔

(۴) علامہ سمہودیؒ لکھتے ہیں:

التوسل به صلی الله علیه وسلم بعد خلقه فی مدة حیاته منه ما رواه جماعة منهم النسائی والترمذی فی الدعوات من جامعه . قال الترمذی حسن صحیح غریب لانعرفه الا من هذا الوجه و صححه البیهقی. (وفاء الوفا ص ۱۹۳ ج ۴)

''آپ ﷺ کی پیدائش کے بعد آپ ﷺ کی دنیاوی زندگی میں آپ ﷺ کی ذات کا توسل لینا ان مسائل سے ہے جن کو ایک جماعت نے نقل کیا ہے ان میں سے نسائی اور ترمذی اپنی جامع کتاب الدعوات میں نقل کیا ہے۔ ترمذی فرماتے ہیں حدیث حسن صحیح اور غریب ہے اس سند کے سوا اور سند اس کی مجھے معلوم نہیں ہے اور بیہقی نے بھی اس کو صحیح قرار دیا ہے۔''

معلوم ہوا علامہ سمہودیؒ کے نزدیک بھی الخطمی ہے جبھی تو صحت تسلیم کر رہے ہیں۔

(۵) علامہ سخاویؒ فرماتے ہیں:

اخرجه البیهقی فی الدلائل وهو من روایة ابی امامة عن عمه عثمان بن حنیف کما صرح به البیهقی ایضاً وکذا النمیری والنسائی فی الیوم واللیلة و فی روایتهم ایضاً النسائی وابن ماجه و الترمذی وقال حسن صحیح غریب و احمد و ابن خزیمة والحاکم وقال صحیح علی شرطهما. (القول البدیع فی الصلاة علی الحبیب الشفیع ص ۲۳۱)

''بیہقی نے دلائل النبوۃ میں اس کو نقل کیا ہے۔ اور وہ روایت ابو امامہ کی اپنے چچا عثمان بن حنیف سے ہے۔ جیسا کہ بیہقی نے اس کی تصریح فرمائی ہے اور اسی طرح النمیری نے اور نسائی نے کتاب الیوم واللیل میں نقل کیا ہے اور ان کی روایت میں بھی نسائی موجود ہے اور ابن ماجہ اور ترمذی نے نقل کی ہے اور ترمذی نے فرمایا ہے یہ حدیث حسن ہے صحیح ہے غریب ہے اور احمد اور ابن خزیمہ نے

بھی نقل کی ہے اور حاکم نے بھی نقل کی ہے اور فرمایا یہ حدیث بخاری مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔"

(۶) حافظ ابن حجر المکی الہیتمی لکھتے ہیں:

واخرج النسائی والترمذی وصححہ (حاشیہ علی الایضاح ص ۴۹۰)

"نسائی اور ترمذی نے اس کو نقل کیا ہے اور اس کو درست قرار دیا ہے۔"

پس یہ حدیث مندرجہ ذیل اکیس (۲۱) محققین کے نزدیک صحیح ہے:

ابو عبداللہ الحاکم نیشاپوری، امام بیہقی، علامہ سمہودی، علامہ ابن حجر المکی، امام ترمذی، علامہ سخاوی، ابن ماجہ، ابو اسحاق، شیخ عابد السندھی، امام نسائی، ابو علی نیشاپوری، ابو احمد بن عدی، ابو الحسن دارقطنی، ابن مندہ، عبدالغنی بن سعید، ابو یعلی الخلیلی، ابو علی بن السکن، ابو بکر الخطیب البغدادی، علامہ خفاجی۔

معلوم ہوا حضور ﷺ کی حیات میں آپ ﷺ کی ذات کا وسیلہ لیا جاتا تھا۔ حضور ﷺ کے چچا ابو طالب نے بھی حضور کا وسیلہ لیا تھا۔ امام بخاری نقل فرماتے ہیں۔ کہ ابو طالب نے جو اشعار پڑھے ان میں یہ شعر بھی تھا:

وابیض یستسقی الغمام بوجھہ
ثمال الیتامی عصمۃ للارامل

(بخاری ص ۱۳۷)

علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں:

معنی قول ابی طالب ھذا فی الحقیقۃ توسل الی اللہ عزوجل بنبیہ لانہ حضر استسقاء عبدالمطلب والنبی معہ فیکون استسقاء الناس الغمام فی ذلک الوقت ببرکۃ وجھہ الکریم وان لم یکن ظاھرا ان احداً سالہ وکانو مستشفعین بہ (عمدۃ القاری ص ۴۵۱ ج ۵)

"ابو طالب کے اس قول کا معنی یہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف اپنے نبی کا توسل لیا اس لئے کہ وہ عبدالمطلب کے استسقاء کے موقع پر حاضر تھے اور نبی اقدس ﷺ انکے ساتھ تھے اور لوگ اس وقت نبی اقدس کے باعزت چہرے کی برکت سے بارش طلب کر رہے تھے اگر چہ ظاہر میں کسی نے بھی آپ سے سوال نہیں کیا مگر سب آپ ہی کا وسیلہ لینے والے تھے۔"

دوسرے مقام پر علامہ عینیؒ لکھتے ہیں:

بیانہ انہم کانو اذا یستسقون کانوا یستسقون بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم فی حیاتہ.(ایضاً ص ۲۵۵/۵)

''اس کا بیان یہ ہے کہ وہ آپ کی زندگی میں جب بارش کیلئے دعا مانگتے تو آپ ﷺ کے وسیلے سے مانگتے تھے۔''

توسل بعد الوفات:

وروی الامام الحافظ المحدث ابو القاسم الطبرانیؒ ۳۶۰ھ قال حدثنا طاہر بن عیسیٰ بن قیرس المقری المصری التمیمی حدثنا اصبغ بن الفرج حدثنا عبداللہ بن وھب عن شبیب بن سعید المکی عن روح بن القاسم عن ابی جعفر الخطمی المدنی عن ابی امامۃ بن سہل بن حنیفؓ عن عمہ عثمان بن حنیفؓ ان رجلا کان یختلف الی عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ فی حاجتہ لہ فکان عثمانؓ لایلتفت الیہ ولاینظر فی حاجتہ فلقی عثمان حنیفؓ فشکاذالک الیہ فقال لہ عثمان بن حنیفؓ ائت المیضاۃ فتوضا ثم ائت المسجد فصل فیہ رکعتین ثم قل اللھم انی اسالک و اتوجہ الیک بنبینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی الرحمۃ یا محمد انی اتوجہ بک الی ربک وربی عزوجل فیقضی لی حاجتی و تذکر حاجتک وروح الی حتی اروح معک فانطلق الرجل فصنع ما قال لہ عثمانؓ ثم اتی باب عثمانؓ فجاء البواب حتی اخذ بیدہ فادخلہ علی عثمان ابن عفانؓ فاجلسہ معہ علی الطنفسہ وقال ما حاجتک فذکر حاجتہ فقضاھالہ' ثم قال لہ ماذکرت حاجتک حتی کانت ھذہ الساعۃ وقال ما کانت لک من حاجۃ فاتناثم ان الرجل خرج من عندہ فلقی عثمان بن حنیفؓ فقال لہ جزاک اللہ خیراً ما کان ینظر فی حاجتی ولا یلتفت الی حتی کلمتہ فی الحدیث(قال الطبرانیؒ) لم یروعن روح بن القاسم الاشبیب بن سعید ابو سعید المکی وھوثقۃ وھوالذی یحدث عنہ احمد بن احمد بن شبیب عن ابیہ عن یونس بن یزید الایلی وقدروی ھذا الحدیث شعبۃ عن ابی جعفر الخطمی واسمہ عمیر بن یزید وھوثقۃ تفردبہ عثمان بن عمر بن فارس عن شعبۃ والحدیث صحیح .(المعجم الصغیر للطبرانی ج ۱ ص ۱۸۳ ص ۱۸۴ ومعجم الکبیر للطبرانی ج ۹ ص ۳۰ ص ۳۱ رقم الحدیث ۸۳۱۱)

''عثمان بن حنیفؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص حضرت عثمان بن عفانؓ کے پاس ایک ضرورت کے

سلسلہ میں آیا جایا کرتا تھا اور حضرت عثمانؓ (غالباً بوجہ مصروفیت) نہ تو اس کی طرف توجہ فرماتے اور نہ اس کی حاجت براری کرتے وہ شخص حضرت عثمان بن حنیفؓ سے ملا اور اس کی شکایت کی تو انہوں نے فرمایا کہ وضو کی جگہ جا اور وضو کر کے پھر مسجد میں جا کر دو رکعت نماز پڑھ۔ پھر کہہ اللھم انی اسالک واتوجہ الیک بنبینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی الرحمۃ الیٰ آخرہ۔ خلاصہ یہ کہ اس شخص نے ایسا ہی کیا اور اس کی دعا کی برکت سے حضرت عثمان بن عفانؓ نے ان کی تعظیم و تکریم کی اور کام بھی پورا کر دیا۔" امام طبرانیؒ اور امام منذریؒ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا۔ فالحمد للہ۔

اعتراض:

اس کی سند میں روح بن القاسم ہے جو کہ ضعیف ہے۔

جواب:

حافظ ابن حجر اس کے بارے میں فرماتے ہیں ثقۃ حافظ من السادسۃ (تقریب ص ۱۰۵)

یہ بخاری مسلم ابوداؤد نسائی ابن ماجہ کا راوی ہے۔ ابوحاتم ابونعیم ابوزرعہ نے اس کو ثقہ کہا ہے امام احمد نے بھی اس کو ثقہ کہا ہے امام نسائی فرماتے ہیں لا باس بہ ابن عیینہ فرماتے ہیں میں نے بڑی عمر میں علم کو حاصل کرنے والوں میں سے اس سے زیادہ حافظے والا نہیں دیکھا۔ ابن حبان نے بھی اس کو ثقہ کہا ہے۔ (تہذیب ص ۲۹۸ ج ۳، خلاصہ تذہیب ص ۱۱۸)

امام مسلم نے صحیح مسلم میں روح بن القاسم کی احادیث کثرت سے لی ہے:

دیکھئے: ص ۳۷۔ ۵۴۔ ۱۳۲۔ ۱۵۰۔ ۲۵۱ ج ۱، ص ۱۵۔ ۲۳۔ ۳۴۔ ۳۶۔ ۷۷۔ ۱۱۹۔ ۱۵۸۔ ۱۹۰۔ ۱۹۷۔ ۲۰۷۔ ۲۱۲۔ ۲۲۳۔ ۲۳۹۔ ۲۵۱۔ ج ۲۔

چنانچہ روح مندرجہ ذیل حضرات کے نزدیک ثقہ ہے: امام بخاری، امام مسلم، امام ابوداؤد، امام نسائی، ابوعلی نیشاپوری، ابواحمد بن عدی، ابوالحسن دارقطنی، ابوعبداللہ الحاکم نیشاپوری، ابن مندہ، عبدالغنی بن سعید، ابویعلی الخلیلی، ابوعلی بن سعید، ابوعلی بن السکن، ابوبکر الخطیب البغدادی، ابن

معین، ابو حاتم، ابو زرعہ، احمد بن حنبل، ابن عیینہ، ابن حبان، حافظ ابن حجر۔

نیز شفاء السقام ص ۱۷۸ پر اس کا متابع شعبہ موجود ہے جو ابو جعفر الخطمی سے روایت کر رہا ہے ابن تیمیہؒ نے آپ ﷺ کی زندگی اور انتقال کا فرق کیا ہے، علامہ کوثریؒ فرماتے ہیں:

"هذا رای باطل یدل علی بطلانه حدیث عثمان بن حنیف عند الترمذی وغیره."

"یہ باطل ہے اس کے بطلان پر حضرت عثمان بن حنیفؓ کی حدیث جو کہ ترمذی وغیرہ میں ہے وہ دلالت کرتی ہے۔"

یہ فرق کرنا یہود و منافقین کا کام ہے۔

شیخ الاسلام امام کوثریؒ لکھتے ہیں:

قال التقی الحصنی فی دفع الشبة ص ۶۳ ان هذا الفرق بین الحیاة والممات احدثه غلاة المنافقین من الیهود. (مقدمه براهین الکتاب والسنة الناطقة ص ۳)

علامہ ابن حجر المکیؒ لکھتے ہیں: آپ ﷺ نے جو دعا سکھلائی ہے اس میں یہ الفاظ بھی طبرانی کی روایت میں ہیں: بحق نبیک والانبیاء الذین من قبلی تیرے نبی اور مجھ سے پہلے جو انبیاء گزر رے ہیں ان کے وسیلہ سے دعا کرتا ہوں ابن حجر فرماتے ہیں روی الطبرانی بسند جید طبرانی نے جید سند کے ساتھ نقل کیا ہے۔ (حاشیہ علی الایضاح ص ۴۹۰)

اب جو انبیاء پہلے گزر چکے ہیں ان کا توسل ثابت ہوا معلوم ہوا بعد از وفات توسل لینا جائز ہے۔

مفتی اعظم مصر علامہ شرنبلالیؒ لکھتے ہیں:

نسئلک اللهم بک متوسلین الیک بحبیبک (تکملہ الثانیہ ص ۲)

نوٹ: یہ رسالہ علامہ شرنبلالیؒ کی کتاب "تحقیقات القدسیہ ونفحات الرحمانیہ الحسنیہ فی مذہب السادات الحنفیہ" میں موجود ہے اس کتاب کا قلمی نسخہ قاسمیہ لائبریری کنڈیارو سندھ پاکستان میں ہے۔

امام شعرانیؒ فرماتے ہیں:

قد سمعت سیدی علیاً الخواص رحمه الله یقول اذا سألتم الله حاجة فاسئلوه بمحمد ﷺ

وقولوا اللهم انا نسئلک بحق محمد ﷺ ان تفعل لنا کذا فان لله ملکاً یبلغ ذلک لرسول الله ﷺ ویقول له ان فلاناً سال الله تعالیٰ بحقک فی حاجة کذا و کذا فیسئل النبی ﷺ ربه فی قضاء تلک الحاجة فیجابوا لان دعائه ﷺ لا یرد قال و کذلک القول فی سوالکم الله تعالی باولیائه فان الملک یبلغهم فیشفعون فی قضا تلک الحاجة والله علیم حکیم (مشارق الانوار القدسیہ ص ۱۸۱ طبع ۱۳۰۳ سیلا محرری کتنیار مصر)

''میں نے سنا اپنے سردار حضرت علی خواصؒ سے وہ فرماتے تھے جب تم اللہ تعالیٰ سے حاجات کو طلب کرو تو محمد ﷺ کے وسیلے سے طلب کرو اور کہو اے اللہ ہم آپ سے سوال کرتے ہیں محمد ﷺ کے وسیلہ سے کہ آپ ہمارا کام ایسے کر دیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے فرشتوں کی ایک جماعت ہے جو نبی اقدس ﷺ کو یہ پہنچا دیتے ہیں اور عرض کرتے ہیں کہ فلاں نے آپ کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ سے ان ان حاجات کے بارے میں دعا کی ہے۔ پس نبی اقدس ﷺ ان حاجات کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں، پس آپ ﷺ کی دعا قبول ہوتی ہے اس لئے کہ آپ ﷺ کی دعا رد نہیں کی جاتی اور فرمایا اسی طرح معاملہ ہے تمہارا اللہ تعالیٰ سے اولیاء کے واسطہ سے سوال کرنے کے بارہ میں اس لئے کہ فرشتے اولیاء کو یہ بات پہنچا دیتے ہیں اور وہ اولیاء اللہ سے دعا کرتے ہیں، اور اللہ علیم اور حکمت والا ہے۔''

حضرت شاہ ولی اللہ کا ارشاد ہے:

ومن ادب الدعاء تقدیم الثناء علی الله والتوسل بنبی الله لیستجاب. (حجۃ اللہ البالغہ ج۲ ص۲۰۲)

''اور دعا کے آداب میں یہ ہے کہ دعا مانگنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرے اور پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ توسل کرے تاکہ دعا قبول ہو۔''

حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ سے توسل کا ثبوت:

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع سابق صدر مفتی دارالعلوم دیوبند فرماتے ہیں:

''اسی طرح غیر مادی اسباب کے ذریعے کسی نبی یا ولی سے دعا کرنے کی مدد مانگنا یا ان کا وسیلہ دے کر براہ راست اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنا، روایات حدیث اور ارشادات قرآن سے بھی اس کا جواز

ثابت ہے اور وہ بھی اس استعانت میں داخل نہیں جو صرف اللہ تعالیٰ کیلئے مخصوص اور غیر اللہ کیلئے حرام اور شرک ہے۔" (معارف القرآن ج ۱ ص ۹۹ تا ۱۰۰)

دوسری جگہ فرماتے ہیں:

"اور حقیقی طور پر اللہ کے سوا کسی کو حاجت روا نہ سمجھا اور کسی کے سامنے دست سوال دراز نہ کرے۔ کسی نبی یا ولی وغیرہ کو وسیلہ قرار دے کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنا اس کے منافی نہیں ہے۔ (معارف القرآن ج ۱ ص ۲۹)"

مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی سے توسل کا ثبوت:

شیخ الحدیث مولانا زکریا کے والد گرامی حضرت مولانا محمد یحییٰ کاندھلویؒ مدرس مدرسہ عربیہ مظاہر العلوم سہارنپور نے المہند کی تصدیق فرماتے ہوئے خطبہ تحریر فرمایا:

والصلوٰة والسلام علی اشرف من یتوسل به فی الدعا من المرسلین والصدیقین والشهداء والصلحاء واکمل من یحی من الاحیاء بعد الوصاء واللقاء.

"درود وسلام ان میں سے بہترین ذات پر جن کو دعا میں وسیلہ پکڑا جاتا ہے یعنی پیغمبران صدیقین اور شہدا وصلحا اور کامل ترین جن کے لئے وصال وانتقال کے بعد حیات ثابت ہے۔" (المہند علی المفند ص ۸۴، ۸۵ دارالاشاعت کراچی)

شیخ الحدیث مولانا زکریا کاندھلویؒ سے توسل کا ثبوت:

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ فضائل اعمال میں ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ شانہ اپنے لطف اور اپنے محبوب کے صدقے اور محبوب کی پاک کلام کی برکت سے مجھ سیاہ کار کو بھی اخلاص کی توفیق نصیب فرمائے۔ (فضائل اعمال ص ۶۲۳)

اکابر علماء دیوبند کے متفقہ فتویٰ "المہند علی المفند" سے توسل کا ثبوت:

یہ ایک ایسا فتویٰ ہے جو عرب وعجم کا مصدقہ ہے جس پر تقریباً ۲۵ علماء کی تصدیقات ہیں:

السوال الثالث والرابع...... هل للرجل ان یتوسل فی دعواته بالنبی صلی الله علیه وسلم

بعد الوفات ام لا؟ ایجوز التوسل بالسلف الصالحین من الانبیاء والصدیقین والشهداء واولیاء رب العالمین ام لا ؟ الجواب: عندنا وعند مشائخنا یجوز التوسل فی الدعوات بالانبیاء والصالحین من الاولیاء والشهداء والصدیقین فی حیاتھم وبعد وفاتھم بان یقول فی دعائه اللھم انی اتوسل الیک بفلان ان یجیب دعوتی وتقضیٰ حاجتی الی غیر ذالک ، کماصرح به شیخنا و مولانا محمد اسحاق الدھلوی ثم المھاجر المکی ثم بینه فی فتاوہ شیخنا و مولانا رشید احمد الگنگوھی رحمه الله علیھما ۔ وفی ھذ الزمان شائعة مستفیضة بایدی الناس و ھذا المسئلة مذکورة علی صفحة ۹۳ من الجلد الاول منھا فلیر اجع الیھامن شاءالمھند علی المفند ص ۱۲، ۱۳)

ترجمہ:۔۔۔۔۔تیسرا اور چوتھا سوال:''کیا وفات کے بعد رسول اللہ ﷺ کا توسل لینا دعاؤں میں جائز ہے یا نہیں ۔تمہارے نزدیک سلف صالحین یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء واولیاء اللہ کا توسل بھی جائز ہے۔یا نا جائز؟ جواب: علماء دیوبند کے نزدیک دعاؤں میں انبیاء علیہم السلام، صلحاء، اولیاء، شہداء اور صدیقین کا توسل جائز ہے۔ان کی حیات میں یا بعد وفات بایں طور پر کہ کہے یا اللہ میں بوسیلہ فلاں بزرگ کے تجھ سے دعا کی قبولیت اور حاجت برآری چاہتا ہوں۔یا اس جیسے اور کلمات کہے چنانچہ اس کی تصریح فرمائی ہے۔ ہمارے شیخ مولانا محمد اسحاق دہلوی ثم المکی نے ، پھر مولانا رشید احمد گنگوہی نے بھی اپنے فتاویٰ میں اس کو بیان فرمایا ہے۔ جو چھپا ہوا ہے آج کل لوگوں کے ہاتھوں میں موجود ہے اور یہ مسئلہ اس کی پہلی جلد کے ص ۹۳ پر مذکور ہے۔ جس کا جی چاہے دیکھ لے۔''(المہند جواب سوال نمبر۳،۴)

علامہ آلوسی بغدادی حنفی فرماتے ہیں:

''اس ساری بحث کے بعد میں اللہ تعالی کے ہاں آنحضرت ﷺ کی جاہ سے آپ ﷺ کی زندگی میں اور بعد از وفات توسل میں کوئی حرج نہیں سمجھتا اور آپ کے جاہ وتوسل سے مراد کوئی ایسا معنی لیا جائے گا جو آپ کی صفات میں سے کسی صفت کی طرف راجع ہو مثلاً آپ ﷺ کی محبت تامہ جو عدم رد اور قبول شفاعت کو چاہتی ہے لہذا قائل کے اس طرح کہے گا کہ اے اللہ میں تیرے نبی کی

جاہ سے توسل کرتا ہوں۔ کہ تو میری حاجت پوری کردے معنی یہ ہوگا کہ اے میرے الٰہی تیری جو محبت آنحضرت ﷺ کے ساتھ ہے اس کو میری حاجت پوری کرنے کا وسیلہ بنادے۔ اور اس میں اور تیرے اس قول میں کوئی فرق نہیں کہ اے میرے اللہ میں تیری رحمت سے توسل کرتا ہوں کہ تو ایسا کردے۔ کیونکہ اس کا بھی یہی معنی ہے کہ اے الہ تو اپنی رحمت کو اس میں وسیلہ بنا دے۔" (روح المعانی ص ۱۲۸ ج ۶)

علامہ شامیؒ رقم طراز ہیں:

انی اسأل اللہ تعالی متوسلا الیہ بنبیہ المکرم ﷺ وباھل طاعتہ من کل ذی مقام علی معظم وبقدوۃ الامام الاعظم ان یسھل ذالک من الغایۃ. (مقدمہ شامی ص ۱۸ ج ۱)

"اور میں اللہ سے اس کے مکرم نبی ﷺ آپ کے متبعین اور اپنے پیشوا امام اعظمؒ کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں کہ (اے اللہ) میرے لیے یہ کام آسان فرمادے۔"

علامہ شرنبلالیؒ لکھتے ہیں:

ذکر بعض العارفین ان الادب فی التوسل ان یتوسل بالصالحین الی امر رسول الاکرم ﷺ ثم بہ الی حضرت الحق جل جلالہ وتعاظمت اسمائہ. (مراقی الفلاح باب الاستسقاء ص ۳۰۱)

"بعض عارفین نے کہا ہے کہ توسل میں ادب یہ ہے کہ صلحاء کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کو پھر آپ ﷺ کے ساتھ اللہ جل جلالہ کو توسل کیا جائے۔"

صاحب شرح الوقایہ:

فیقول العبد المتوسل باقوی الذریعۃ (بندہ مضبوط ذریعہ کے ساتھ توسل کر کے کہتا ہے) محشی نے اگرچہ ذریعہ کے مصداق مختلف ذکر کیے ہیں۔ لیکن انہوں نے نبی ﷺ کو بھی اس کا مصداق ٹھہرایا ہے۔ لکھتے ہیں والمراد بہ اما الرسول ﷺ ۔۔۔۔۔ الخ اور اس کی تائید صاحب ہدایہ اور علامہ شامی وغیرہ کے اقوال سے بھی ہوتی ہے۔ (شرح الوقایہ ص ۴۸)

حضرت مجدد الف ثانیؒ: ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

اے میرے عزیز بھائی مولانا یار محمد کا مکتوب مرغوب پہنچ کر فرحت کا موجب ہوا۔ حضرت حق تعالی بحرمت النبی ﷺ کمال اور تکمیل کی بلندی تک پہنچائے۔ (مکتوبات امام ربانی ص ۴۵۹ ج ا۔)

توسل کی چھٹی قسم:

غیر نبی کا توسل بھی جائز ہے۔ امام بخاری لکھتے ہیں:

عن انس بن مالک ان عمر ابن الخطاب رضی الله عنه کان اذا قحطو استسقیٰ بالعباس بن عبدالمطلب رضی الله عنه فقال اللهم انا کنا نتوسل الیک بنبینا صلی الله علیه وسلم فتسقینا وانا نتوسل الیک بعم نبینا فاسقنا فیسقون (بخاری ص ۱۳۷/ ۱)

"انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ عمر بن خطابؓ جب قحط آتا تو ابن عباسؓ کے وسیلہ سے بارش کی دعا مانگا کرتے تھے اور فرماتے اے اللہ ہم تیرے نبی ﷺ کے وسیلہ سے تجھ سے دعا مانگا کرتے تھے آپ ہمیں بارش عطا فرما دیتے تھے اب ہم آپ کے پاس اپنے نبی کے چچا کا وسیلہ لے کر آئے ہیں ہمیں بارش عطا فرما دیں پس بارش عطا کر دی جاتی۔"

بخاری کی مذکورہ حدیث سے معلوم ہوا کہ غیر نبی کی ذات کا توسل بھی جائز ہے اس لئے حضرت فاروق اعظمؓ نے حضرت ابن عباس کا توسل لیا۔ علامہ عینیؒ لکھتے ہیں:

وعن کعب احبار ان بنی اسرائیل کانوا اذا قحطوا استسقوا باهل بیت نبیهم. (عمدة القاری ص ۲۵۵ ج ۵)

"اور کعب احبار سے منقول ہے کہ بنی اسرائیل پر جب قحط آتا تو وہ اپنے نبی کے اہل بیت کا وسیلہ سے بارش طلب کرتے۔"

علامہ ابن حجر المکی الہیتمیؒ لکھتے ہیں:

ولا فرق بین ذکر التوسل والاستغاثة والتشفع والتوجه به صلی الله علیه وسلم او بغیره من الانبیاء و کذا الاولیاء وفاقا للسبکی وان منعه ابن عبدالسلام لانه ورد جواز التوسل بالاعمال مع کونها اعراضاً فالذوات الفاضلة اولی ولان عمر توسل بالعباس رضی الله عنه فی الاستسقاء ولم ینکر علیه. (حاشیه علی الایضاح ص ۴۹۰)

"آپ ﷺ اور آپ کے علاوہ دوسرے انبیاء اولیا کی ذات کا توسل ان سے استغاثہ اور شفاعت کو طلب کرنا ان میں کوئی فرق نہیں سبکی کی موافقت کرتے ہوئے اگرچہ ابن عبدالسلام نے اس سے منع کیا ہے۔ اس لئے کہ اعمال کا توسل باوجود ان کے اعراض ہونے کے جائز ہے پس مقدس شخصیتیں تو اس کے زیادہ لائق ہیں کہ ان کا توسل لیا جائے۔ اور اس وجہ سے بھی جائز ہے۔ کہ حضرت عمرؓ نے استسقاء میں حضرت عباسؓ کا توسل لیا اور ان پر اعتراض نہیں ہوا۔"

صحابہ میں سے کسی نے سیدنا فاروق اعظمؓ پر اعتراض نہیں کیا معلوم ہوا ذوات قدسیہ کا توسل لینا سب صحابہ کے نزدیک جائز تھا۔ یہ سنت خلفاء الرشدینؓ میں بھی داخل ہوا اور اجماع میں بھی۔

سلطان المحدثین ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں:

جئنا یا صاحبی رسول اللہ ﷺ زائرین لنبینا و صدیقنا وفاروقنا ونحن نتوسل بکما الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (المسلک المتقسط فی المنسک المتوسط ص ۵۱۱)

"زیارت کرنے والا شیخینؓ کو عرض کرے۔ اے رسول اللہ ﷺ کے دو ساتھیو! ہم اپنے نبی اپنے صدیقؓ و فاروقؓ کی زیارت کیلئے حاضر ہوئے ہیں۔ ہم رسول اللہ ﷺ کی طرف آپ کا وسیلہ پکڑتے ہیں۔"

فقیہ حسن بن عمار الشرنبلالیؒ فرماتے ہیں:

زائر شیخینؓ پر سلام عرض کرنے کے بعد یہ کہے: کنا نتوسل بکما الی رسول اللہ ﷺ یشفع لنا ویسأل اللہ ربنا ان یتقبل سعینا و یحیینا علی ملتہ و یمیتنا علیھا ویحشرنا فی زمرتہ (مراقی الفلاح ص ۴۰۹)

"ہم آپ کا رسول ﷺ کی طرف وسیلہ لیتے ہیں۔ کہ رسول ﷺ ہمارے لئے شفاعت فرمائیں۔ اور ہمارے رب سے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ہماری سعی کو قبول فرمائے اور ہمیں آپ ﷺ کی ملت پر زندہ رکھے۔ اور اسی پر موت عطا فرمائے۔ اور آپ کی جماعت میں ہمارا حشر فرمائے۔"

علامہ سمہودیؒ فرماتے ہیں:

بل یجوز التوسل بسائر الصالحین کما قالہ السبکی (الوفاء ص ۱۹۶ / ۴)

تمام نیک لوگوں کا توسل جائز ہے۔ جیسا کہ علامہ تقی الدین السکی تحریر فرماتے ہیں۔
اپنے زمانہ کے سب سے بڑے عالم علامہ تقی الدین السکیؒ نے یہ بات اپنی شہرہ آفاق کتاب "شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام" میں لکھی ہے۔ علامہ آلوسیؒ لکھتے ہیں:

ان التوسل بجاہ غیر النبی ﷺ لا باس بہ ایضاً ان کان المتوسل بجاھہ لما علم ان لہ جاھا عند اللہ تعالیٰ کا لمقطوع بصلاحہ و ولایتہ. (روح المعانی ص ۱۶۸/ ۶)

"نبی اقدس ﷺ کے علاوہ دوسروں کی ذوات سے توسل لینا بھی جائز ہے۔ جبکہ متوسل کے علم میں ہو کہ اللہ کے ہاں اس کا مقام و مرتبہ ہے جیسے وہ شخصیت جس کی ولایت و اصلاح یقینی طور پر معلوم ہو۔"

علامہ سبکی لکھتے ہیں:

و استسقی حمزۃ بن القاسم الھاشمی ببغداد فقال اللھم انا من ولد ذالک الرجل الذی استسقی بشیبۃ عمر بن الخطاب فسقوا فما زال یتوسل بھذا الوسیلۃ حتی سقوا (شفاء السقام ص ۱۸۲)

"اور حمزہ بن قاسم الھاشمی نے بغداد میں بارش طلب کی اور یہ دعا کی اے اللہ میں اس شخص کی اولاد میں سے ہوں جس کے بڑھاپے کے توسل سے عمر بن خطابؓ نے بارش مانگی تھی اور ان کو بارش عطا کی گئی تھی۔ پس وہ انہی کلمات کے ساتھ توسل لیتے رہے حتیٰ کہ ان کو بھی بارش دی گئی۔"

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ:

فتاویٰ عزیزیہ میں تحریر فرماتے ہیں۔ اے خداوند تعالیٰ اس بندہ کی برکت سے کہ تو نے رحمت اس پر فرمائی ہے۔ اور اس کو بزرگی مرحمت فرمائی ہے میری حاجت پوری فرما۔ (فتاویٰ عزیزیہ)

حضرت شاہ اسحاقؒ:

دعا بایں طور کہ الٰہی بحرمت نبی و ولی حاجت مرا روا کن، جائز است (مائۃ مسائل)

"دعا اس طور کہ اے اللہ بحرمت نبی یا ولی میری حاجت پوری فرما جائز ہے۔"

توسل کی ساتویں قسم پر دلائل:

بعد از وفات نبی اقدس ﷺ کی ذات مبارکہ سے دعا کی درخواست کرنا۔

دلیل نمبر ۱: عن مالک الدار قال و کان خازن عمر علی الطعام قال واصاب الناس قحط فی زمن عمر فجاء رجل الی قبر النبی ﷺ فقال یارسول الله استسق لا متک فانهم قد هلکوا فاتی الرجل فی المنام فقیل له ایت عمر فاقرء السلام واخبره انکم مستسقون وقل له و علیک الکیس علیک الکیس فاتی عمر فاخبره فبکی عمر ثم قال یارب لا آلو الاعجزت عنه. (ابن ابی شیبه ص ۳۸۲ ج۷)

''مالک الدار جو کہ حضرت عمرؓ کے مطبخ کے ناظم تھے وہ فرماتے کہ عمرؓ کے زمانہ میں قحط آ گیا تو ایک آدمی نبی اقدس ﷺ کی قبر مبارک پر حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اپنی امت کیلئے بارش کی دعا فرمائیں وہ ہلاک ہو رہی ہے تو نبی اقدس ﷺ کی خواب میں زیارت ہوئی آپ ﷺ نے فرمایا عمرؓ کے پاس جاؤ اور ان کو میرا اسلام کہو اور خوشخبری دو کہ بارش ہوگی اور یہ بھی کہنا کہ دانائی پر قائم رہے دانائی پر قائم رہے وہ آدمی عمرؓ کے پاس آیا اور آپکو خبر دی تو فاروق اعظمؓ رو پڑے اور عرض کیا اے میرے رب میں نے تو کوتاہی نہیں کی الا یہ کہ جس کام سے میں عاجز آ گیا۔''

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

روی ابن ابی شیبه باسناد صحیح. (فتح الباری ص ۶۳۹ ج ۲)

اس کو ابن ابی شیبہ نے صحیح سند کے ساتھ نقل کیا ہے۔

علامہ ابن حجر المکی الہیتمی لکھتے ہیں:

ولقد صح فی حدیث طویل ان الناس اصابهم قحط فی زمن عمر فجاء رجل الی قبر النبی ﷺ فقال یا رسول الله استسق لا متک فاتاه فی النوم واخبره انهم یسقون فکان کذالک.

(حاشیه ابن حجر علی شرح الایضاح ص ۴۹۰)

''اور ایک طویل حدیث میں صحیح طور پر ثابت ہے کہ لوگوں کو حضرت عمرؓ کے زمانے میں قحط نے مبتلا کیا تو ایک آدمی نبی اقدس ﷺ کی قبر مبارک پر آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ اپنی امت کے لئے

بارش کی دعا فرمائیں۔ پس آپ ﷺ خواب میں تشریف لائے اور فرمایا کہ بارش ہوگی۔ پس اسی طرح ہوا۔"

علامہ سمہودیؒ لکھتے ہیں:

وقد يكون التوسل به ﷺ بعد الوفاة بمعنى طلب ان يدعو كما كان في حياته وذلك فيما رواه البيهقي من طريق الاعمش عن ابي صالح عن مالك الدار ورواه ابن ابي شيبة بسند صحيح عن مالك الدار. (وفاء الوفاء ص ١٩٥ ج ٣)

"اور کبھی آپ ﷺ کا توسل آپ کی وفات کے بعد اس طرح ہوتا ہے کہ آپ ﷺ سے دعا کی درخواست کی جائے جیسا کہ (دنیوی) حیات مبارکہ میں کی جاتی تھی۔ اور یہ اس حدیث میں مذکور ہے جس کو بیہقی نے اعمش عن ابی صالح عن مالک الدار کی سند سے روایت کیا ہے اور ابن ابی شیبہ نے مالک الدار سے سند صحیح سے نقل کیا ہے۔"

اس واقعہ کو علامہ ابن اثیر نے بھی نقل کیا ہے لکھتے ہیں:

فقال اهل بيت من مزينة لصاحبهم وهو بلال بن الحارث قد هلكنا فاذبح لنا شاة قال ليس فيهن شئ فلم يزالوا به حتى ذبح فسلخ عن عظم احمر فنادى يا محمداه فارئ في المنام ان رسول الله ﷺ اتاه فقال ابشر بالحياة ائت عمر فاقرئه مني السلام وقل له اني عهدتك وانت وفي في العهد شديد العقد فالكيس الكيس يا عمر فجاء حتى اتى على باب عمر فقال لغلامه استاذن لرسول رسول الله ﷺ فاتى عمر فاخبره ففزع وقال رايت به مساً ؟ قال لا فادخله واخبره الخبر فخرج فنادى في الناس وصعد المنبر فقال انشدكم الله الذي هداكم هل رأيتم مني شيا تكرهون ؟ قالوا اللهم لا ولم ذالك ؟ فاخبرهم ففطنوا ولم يفطن عمر فقالوا انما استبطاك في الاستسقاء فاستسق بنا فنادى في الناس وخرج معه العباس ما شيا فخطب واوجز وصلى ثم جثا لركبتيه وقال اللهم عجزت عنا انصارنا وعجز عنا حولنا وقوتنا وعجزت عنا انفسنا ولا حول ولا قوة الا بك اللهم فاسقنا واحي العباد والبلاد. واخذ بيد العباس بن عبد المطلب عم رسول الله ﷺ وان دموع العباس لتتحادر على لحيته فقال اللهم انا نتقرب اليك بعم نبيك ﷺ وبقية آبائه وكبر رجاله فانك تقول وقولك الحق (واما الجدار فكان لغلامين يتيمين في المدينة) فحفظتهما بصلاح آبائهما فاحفظ اللهم نبيك

ﷺ فی عمه فقه دلونا به الیک مستشفعین مستغفرین ثم اقبل علی الناس فقال استغفروا ربکم انه کان غفارا وکان العباس فقد طال عمره وعیناه تذرفان ولحیته تجول علی صدره وهو یقول اللهم انت الراعی فلا تهمل الضالة ولا تدع الکسیر بدار مضیعة فقد صرخ الصغیر ورق الکبیر وارتفعت الشکوی وانت تعلم السر واخفی اللهم فاغثهم بغیاثک قبل ان یقنطوا فیهلکوا فانه لاییاس الاالقوم الکافرون فنشأت طریرة من سحاب فقال الناس ترون ترون ثم التأمت ومشت فیها ریح ثم هدأت ودرت فوالله ما تروحوا حتی اعتقوا الجدار وقلصوا المآزر فطفق الناس بالعباس یمسحون ارکانه ویقولون .هنیألک ساقی الحرمین فقال الفضل بن العباس بن عتبه بن ابی لهب بعمی سقی الله الحجاز واهله عشیة یستسق بشیبته عمر توجه بالعباس فی الجدب راغبا الیه فمّا ان رام حتی اتی المطر ومعا رسول الله فینا تراثه فهل فوق هذا للمفاخر مفتخر(الکامل فی التاریخ ۲/۵۵۶)

''پس کہا قبیلہ مزینہ کے ایک گھر والوں نے اپنے صاحب خانہ سے اور وہ بلال بن حارث ہیں کہ ہم ہلاک ہو رہے ہیں آپ ہمارے لئے بکری ذبح کر دیں۔ انہوں نے فرمایا اس میں کچھ نہیں ہے۔ جب گھر والوں نے مسلسل اصرار کیا تو انہوں نے بکری کو ذبح کیا تو سرخ ہڈیوں کے علاوہ کچھ نہ نکلا۔ پس وہ پکار اٹھے یا محمداہ پس خواب میں نبی اقدس ﷺ تشریف لائے۔ اور فرمایا بارش کی خوشخبری لو اور عمر کے پاس جاؤ۔ اسے میرا اسلام کہو۔ اور کہو میں نے تجھ سے جو عہد لیا تھا تو نے وہ پورا کیا ہے پس داناتی پر قائم رہ داناتی پر قائم رہ اے عمر۔ پس بلال بن حارث عمر کے دروازہ پر آئے اور غلام کو کہا اللہ کے رسول کے قاصد کے لئے اجازت طلب کرو۔ پس وہ غلام عمر کے پاس آیا اور ان کو اس کی خبر دی عمر رو پڑے اور فرمایا تو نے اسے مجنون تو نہیں پایا۔ اس نے کہا نہیں۔ پس عمر نے اس کو اپنے پاس بلالیا۔ تو انہوں نے خبر پہنچادی پس عمر باہر تشریف لائے اور لوگوں کو پکارا اور منبر پر تشریف لے گئے اور فرمایا میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں کیا تم نے مجھ میں کوئی ایسی چیز دیکھی ہے جسے تم ناپسند کرو لوگوں نے کہا اللہ کی قسم نہیں اور ایسے کیسے ہوسکتا ہے۔ پس عمرؓ نے اس واقعہ کی انکو خبر دی پس لوگ سمجھ گئے۔ مگر اصل بات تک نہ پہنچ سکے۔ تو انہوں نے کہا آپ نے استسقاء میں تاخیر کی ہے۔ پس آپ ہمیں استسقاء پڑھائیے۔ پس عمرؓ نے لوگوں میں اعلان کیا اور

آپ ؓ کے ساتھ حضرت عباس ؓ بھی پیدل نکلے۔ پس آپ نے مختصر خطبہ ارشاد فرمایا اور نماز پڑھائی پھر آپ گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے اور عرض کیا۔ اے اللہ ہمارے مددگار ہم سے عاجز آ گئے۔ اور ہماری تدبیر و قوت ہم سے عاجز آ گئی اور ہمارے نفس بھی ہم سے عاجز آ گئے اور برائی سے بچنے کی قوت اور نیکی کرنے کی قوت تیری ہی طرف سے ہے۔ اے اللہ ہم کو بارش عطا فرما اور اپنے بندوں اور شہروں کو زندہ فرما۔ اور آپ نے نبی اقدس ﷺ کے چچا عباس بن عبد المطلب کا ہاتھ پکڑا اور عباس کے آنسو انکی داڑھی مبارک پر بہہ رہے تھے۔ اور فرمایا اے اللہ ہم تیرے نبی کے چچا کا وسیلہ لیتے ہیں۔ اور آپ کے رہے ہوئے آباءو اجداد کا اور ان کے بوڑھے لوگوں کا اس لئے کہ آپ نے فرمایا ہے اور آپ کا فرمانا حق ہے۔ اور دیوار شہر میں دو یتیموں کی تھی۔ پس آپ نے ان یتیموں کی دیوار کی حفاظت ان کے آباء کی نیکی کی وجہ سے فرمائی۔ اے اللہ اپنے نبی کی انکے چچا میں حفاظت فرما۔ ہم ان کو ساتھ لیکر وسیلہ پکڑتے ہوئے استغفار کرتے ہوئے حاضر ہوئے ہیں۔ پھر حضرت عمر ؓ لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور فرمایا اپنے رب سے استغفار کرو اس لئے کہ وہ بخشنے والا ہے۔ حضرت عباس ؓ کی عمر بڑی تھی۔ آپ کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز تھیں اور آپ کی داڑھی آپ کے سینہ مبارک پر جھول رہی تھی اور آپ فرما رہے تھے اے اللہ آپ پانی پلانے والے ہیں۔ پس بچے چیخ رہے ہیں۔ اور بڑے رقت آمیز ہیں اور شکوی بلند ہو رہا ہے۔ اور آپ رازوں اور مخفی باتوں کو جانتے ہیں۔ اے اللہ ان کو اپنے غنا سے اس سے پہلے کہ وہ آپ کی رحمت سے مایوس ہوں اور ہلاک ہوں غنی فرما۔ اس لئے کہ کافر لوگ ہی مایوس ہوتے ہیں۔ پس بادل کا ایک ٹکڑا آ گیا۔ لوگ ایک دوسرے کو کہہ رہے تھے کہ کیا تو دیکھ رہا ہے کیا تو دیکھ رہا ہے۔ پھر وہ آپس میں ملا اور ہوا چلی پھر وہ خوب برسا۔ پس اللہ کی قسم لوگ واپس جا رہے تھے تو کوئی دیوار کی اوٹ تلاش کر رہا تھا اور کوئی برآمدوں میں پناہ گزین تھا اور لوگ عباس ؓ کے اعضاء کو چھو رہے تھے اور کہہ رہے تھے اے حرمین کے ساقی تجھے مبارک ہو پس فضل بن عباس بن عتیبہ بن ابی لہب نے یہ اشعار کہے:

بعمی سقی اللہ الحجاز واھلہ

عشیۃ یستسقی بشیبۃ عمر

توجہ بالعباس فی الجدب راغبا

الیہ فما ان رام حتی اتی المطر

ومنا رسول اللہ فینا تراثہ

فھل فوق ھذا للمفاخر مفتخر

علامہ حافظ ابن کثیر نے بھی اس واقعہ کو نقل کیا ہے اور فرمایا ہے:

اسنادہ صحیح. (البدایہ والنہایہ ص ۹۸ ج ۴)

ابن جریر طبریؒ لکھتے ہیں:

فان بلال بن الحارث یزعم ذیۃ ذیۃ فقالو اصدق بلال (تاریخ طبری)

''حضرت فاروق اعظمؓ نے لوگوں کو اکٹھا کر کے فرمایا کہ بلال بن حارث یوں یوں کہتا ہے لوگوں نے کہا بلال نے سچ کہا۔''

علامہ تقی الدین السبکیؒ نے بھی اس سے استدلال کیا ہے۔ (شفاء السقام ص ۱۸۵)

اعتراض:

قبر پر جانے والا مجہول آدمی ہے۔ اس کے فعل سے بعد از وفات توسل کا جواز کیسے ثابت ہوگا۔

جواب:

یہ مجہول ہونے سے فرق نہیں پڑتا۔ اس لئے کہ اکابر علماء نے اس کے فعل سے استدلال کیا ہے۔ سیدنا فاروق اعظمؓ کا انکار نہ فرمانا اسکے مشروع ہونے کی دلیل ہے اور فاروق اعظمؓ خلفائے راشدین میں سے ہیں۔ نیز فاروق اعظمؓ نے دوسرے صحابہ کو بھی اس واقعہ کی اطلاع دی معلوم ہوا اس کے جواز پر سب کا اتفاق تھا۔ نیز جانے والے مجہول نہیں ہیں۔ وہ بلال بن الحارث المزنی ہیں۔

(۱) ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

وقد روی سیف فی الفتوح ان الذی رأی المنام المذکور ھو بلال بن الحارث المزنی احد الصحابۃ .(فتح الباری ص ۴۹۴ ج ۲)

"سیف نے فتوح میں نقل کیا ہے کہ خواب مذکور دیکھنے والے بلال بن الحارث المزنی ہیں جو کہ صحابی رسول ﷺ ہیں۔" (۲) علامہ ابن اثیر کے حوالہ سے بھی یہی معلوم ہوا جو کہ گزر چکا ہے۔

(۳) طبریؒ فرماتے ہیں:

اقبل بلال بن الحارث المزنی فاستاذن (طبری ص ۲۲۳ ج ۴)

(۴) حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:

حتی اقبل بلال بن الحارث المزنی فاستاذن علی عمر۔(البدایہ والنہایہ ص ۹۷ ج ۴)

حتی کہ بلال بن الحارث المزنی تشریف لائے اور عمرؓ سے اجازت طلب کی۔

(۵) علامہ سمہودیؒ لکھتے ہیں:

روی سیف فی الفتوح ان الذی رای المنام المذکور بلال بن الحارث المزنی احد الصحابۃ رضی اللہ عنھم (وفاء الوفاء ص ۱۹۵ ج ۴)

"سیف نے فتوح میں نقل فرمایا ہے کہ مذکورہ خواب دیکھنے والے بلال بن الحارث المزنی ہیں جو کہ صحابی رسول ﷺ ہیں۔"[1]

ن واقعہ سے معلوم ہوا کہ بعد از وفات بھی نبی اقدس ﷺ سے دعا کروانا جائز ہے۔

علامہ ابن حجر المکیؒ لکھتے ہیں:

وقد یکون معنی التوسل بہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طلب الدعاء منہ اذھو حی یعلم سوال من سالہ . (حاشیہ علی الایضاح ص ۴۹۰)

"اور کبھی آپ ﷺ سے توسل اس طرح ہوتا ہے کہ آپ ﷺ سے دعا کی درخواست کی جائے۔اس لئے کہ آپ ﷺ حیات ہیں۔ اور جو آپ ﷺ سے سوال کرتا ہے اس کے سوال کا آپ ﷺ کو علم ہوتا ہے۔"

علامہ تقی الدین سبکیؒ فرماتے ہیں:

ومحل الاستشھاد من ھذا طلبہ الاستسقاء من النبی ﷺ بعد موتہ فی مدۃ البرزخ. ولا مانع

من ذالک فان دعاء النبی ﷺ لربه تعالیٰ فی هذه الحالة غیر ممتنع .وقد وردت الاخبار علی ما ذکرنا. ونذکر طرفا منه .وعلمه ﷺ بسوال من یساله ورد ایضا. ومع هذا الامرین فلا مانع من ان یسال الله ﷺ الاستسقاء کما کان یسال فی الدنیا.(شفاء السقام ص ۱۸۵)

''اس اثر سے محل استشہاد یہ ہے کہ انہوں نے آپ ﷺ سے بارش کے لئے دعا کی درخواست کی ۔آپ کی وفات کے بعد برزخی زندگی میں۔ اور اس سے کوئی مانع بھی نہیں ہے۔ اس لئے کہ آپ ﷺ کا اس حالت میں حق تعالیٰ سے دعا کرنا ممنوع نہیں ہے۔اور جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں۔اخبار اس پر وارد ہیں۔اور آپ ﷺ کا سائل کے سوال پر عمل کرنا بھی ثابت ہے۔ان دونوں امور کے ثبوت کے بعد آپ ﷺ سے سوال کرنے سے کوئی چیز مانع نہیں ہے۔جیسا کہ آپ ﷺ سے دنیا میں سوال کیا جاتا تھا۔''

علامہ سمہودیؒ لکھتے ہیں:

ومحل الاستشهاد الاستسقاء منه ﷺ وهو فی البرزخ ودعاءه لربه فی هذه الحالة غیر ممتنع وعلمه من یساله قد ورد فلا مانع من سوال الاستسقاء وغیره منه کما کان فی الدنیا.(وفاء الوفاء ۱۹۵ ر ۴)

''اور محل استشہاد جبکہ آپ ﷺ برزخ میں ہیں آپ ﷺ سے استسقاء کا طلب کرنا ہے اور آپ ﷺ کا اس حالت میں حق تعالیٰ سے دعا کرنا ممنوع نہیں ہے۔اور جو آپ ﷺ سے سوال کرتا ہے۔اس کا آپ ﷺ کو علم ہونا وارد ہو چکا ہے۔پس جیسے دنیا میں آپ ﷺ سے استسقاء وغیرہ کا سوال کرنا منع نہیں تھا۔حالت برزخ میں بھی منع نہیں ہوگا۔''

عن علی بن ابی طالبؓ قال قدم علینا اعرابی بعد ما دفنا رسول الله ﷺ بثلاثة ایام فرمی بنفسه الی قبر النبی ﷺ وحثی علی رأسه من ترابه وقال یا رسول الله قلت وسمعنا قولک ووعینا عن الله عزوجل فما وعینا عنک وکان فیما انزل الله عزوجل علیک ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جاؤک فاستغفروا الله واستغفر لهم الرسول لوجدوا الله توابا رحیما (النساء :۶۴) وقد ظلمت نفسی وجئتک تستغفر لی فنودی من القبر انه قد غفر لک (تحریرات حدیث)

''حضرت علی بن ابی طالب سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں ہم جب نبی اقدس ﷺ کو دفن

کر کے فارغ ہوئے۔تو تیسرے دن ایک آدمی آیا۔اور وہ قبر مبارک پر گر پڑا اور روضہ پاک کی مٹی اس نے اپنے سر میں ڈالی۔اور عرض کیا اے اللہ کے رسول آپ نے جو ہم سے فرمایا ہم نے آپ کی بات کو سنا اور اللہ کے احکام کو بھی ہم نے محفوظ کرلیا۔جو ہم نے آپ سے محفوظ کیا حق تعالی نے جو آپ کی طرف اتارا ہے۔اس میں یہ بھی ہے کہ اگر لوگ اپنے نفوس پر ظلم کرنے کے بعد آپ کے پاس آجائیں اور اللہ سے استغفار طلب کریں اور اللہ کا رسول بھی ان کے لئے استغفار کرے تو وہ اللہ کو توبہ قبول کرنے والا بخشنے والا پائیں گے (النساء ۶۴) میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا ہے۔اور میں آپ کی خدمت میں اس لئے حاضر ہوا ہوں کہ آپ میرے لئے استغفار کریں پس قبر مبارک سے آواز آئی تیری مغفرت کردی گئی ہے۔''

اعتراض:

اس میں راوی ہے ہیثم بن عدی الطائی ہے اور وہ کذاب راوی ہے۔

جواب:

ابن عبدالھادی حنبلی باوجود متشددانہ طبیعت کے لکھتے ہیں۔لعلہ ھیثم کہ اس کی سند میں ہیثم ہے آگے فرماتے ہیں:

الفه ابن عدی الطائی ان کان ھو کذاب وان کان غیرہ فمجھول (الصارم المنکی ص ۳۲۱)

میرا گمان یہ کہ ہے ابن عدی الطائی ہے۔اگر یہ ابن عدی ہے تو کذاب ہے۔اور اگر اس کے علاوہ ہے تو مجہول ہے۔

اس عبارت کا حاصل دو باتیں نکلتی ہیں:

(۱) یہ ابن عدی ہے۔یہ ابن عبدالھادی کا بھی گمان ہے ان کو بھی یقین نہیں ہے۔اگر بالفرض یہ ابن عدی الطائی ہی ہو تب اس پر جروحات تو واقعی ہیں۔مگر وہ سب جروحات مبہم ہیں اور مبہم جروحات کے بارے میں ہم تفصیل سے حوالہ جات ذکر کرآئے ہیں کہ عندالجمہور مقبول نہیں ہیں۔ نیز ذہبی نے جو خود فیصلہ فرمایا ہے شاید اس کی طرف ابن عبدالھادی کی نظر نہیں گئی۔ذہبی فرماتے

ہیں ملت کان اخباریا علامۃ. (میزان ۳/۲۹۷)

میں کہتا ہوں اخباری تھا۔علامہ تھا۔حدیث ہیثم کا فن ہی نہیں محدثین عموماً مورخین کو کذاب وغیرہ کہتے رہتے ہیں۔اس لئے کہ تاریخ میں حدیث کی بنسبت نرم گوشہ رکھنا پڑتا ہے۔اس لئے محدثین ان کو غیر محتاط سمجھتے ہیں۔اور تھوڑی بہت غلطی پر کذاب وغیرہ کی جرح کر دیتے ہیں۔جن حضرات کی بھی ابن عبدالھادی نے جروحات ذکر کی ہیں ابن معین، عجلی، ابوحاتم، نسائی، ازدی، بخاری یہ سب جرح میں متشددین میں سے ہیں پھر یہ جروحات مبہم ہیں۔پھر یہ حدیث کے متعلق ہیں۔اور ہیثم مورخ تھا۔اور تاریخ میں اس کا مقام بلند تھا۔علی بن مدینی جیسا امام جو حدیث و علل حدیث میں معرفت کے پہاڑ تھے۔بخاری فرماتے ہیں جتنا میں نے اپنے آپ کو علی بن مدینی کے سامنے چھوٹا پایا۔کسی استاذ کے سامنے نہیں پایا امام ابوداؤد فرماتے ہیں علی بن مدینی خدمت حدیث کے لئے ہی پیدا کیے گئے۔ذہبی فرماتے ہیں حافظ زمانہ محدثین کے پیشوا۔(تذکرہ الحفاظ ۴۲۱/۲)

علی بن مدینی فرماتے ہیں ھو اوثق من الواقدی .(میزان ص۲۹۷ ج۴)

یہ واقدی سے زیادہ ثقہ ہے واقدی کے اقوال سیر اور مغازی میں حجت ہیں: حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

وروی الطحاوی عن الواقدی انھا کانت سبحا تجری ثم الحال فی ذلک وقد خالفہ البلاذری فی تاریخہ فروی عن ابراھیم بن حماث عن الواقدی قال تکون بئر بضاعۃ سبحا فی سبح رعونھا کثیرۃ فھی لا تنزح.(تلخیص الحبیر ص ۱۳)

اس عبارت سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ امام طحاوی اور ابن حجر جیسے دو جلیل القدر امام حدیث تاریخ میں واقدی پر اعتماد کر رہے ہیں۔حافظ ابن حجرؒ نے تلخیص الحبیر میں متعدد جگہ لکھا ہے کہ:

الفقوا ان قول الواقدی حجۃ فی السیر والمغازی کلھا.

محدثین کا اتفاق ہے کہ واقدی کا قول سیر اور مغازی میں حجت ہے،

مولانا مناظر احسن گیلانیؒ لکھتے ہیں:

لیکن تاریخی روایات میں بھی اگر لوگ واقدی بیچارے پر اعتماد نہ کریں گے تو پھر تاریخ کا کتنا حصہ

قابلِ اعتماد باقی رہ جاتا ہے۔ (امام ابوحنیفہؒ کی سیاسی زندگی: ص ۲۲۳)

جب واقدی حجت ہے سیر و مغازی میں تو ھیثم بطریق اولی حجت ہوگا۔ دوسری بات ابن عبد الھادی نے یہ فرمائی ہے کہ اگر یہ ابن عدی کے علاوہ ہے تو مجہول ہے۔ جہالت کی دو قسمیں ہیں جہالت عینی، جہالت وصفی۔ یہاں کون سی جہالت مراد ہے۔ ابوحاتم کے نزدیک مجہول کہنے سے جہالت عینی مراد ہوتی ہے۔ جیسا کہ علامہ سخاویؒ نے فتح المغیث میں اس کی تصریح کی ہے۔ اور دوسرے محدثین کی مراد جہالت سے جہالت وصفی ہوتی ہے۔ جیسا کہ علامہ سبکی نے نقل کیا ہے۔ جہالت عینی تو جرح ہی نہیں ہے جیسا کہ حوالہ جات سابق میں گزر چکے ہیں۔ جہالت وصفی بھی خیر القرون کی عند الاحناف جرح نہیں ہے۔ نیز اس روایت کو علماء نے قبول کیا ہے اور اس کی تائید معنوی علامہ عتبیؒ کی روایت سے بھی ہوتی ہے۔

روایت عتبیؒ:

(۱) علامہ عتبیؒ فرماتے ہیں:

دخلت المدینة فاتیت قبر النبی ﷺ فزرته وجلست بحذائه فجاء اعرابی فزاره ثم قال یا خیر الرسول ان الله انزل علیک کتابا صادقا قال فیه ولو انهم اذ ظلموا انفسهم الی قوله رحیما .وانی جئتک مستغفرا ربک من ذنوبی مستشفعا بک وفی روایة وقد جئتک مستغفرا من ذنوبی مستشفعا الی ربی ثم بکی وانشأ یقول یا خیر من دفنت بالقاع اعظمه فطاب من طیبهن القاع والاکم نفسی الفداء لقبر انت ساکنه فیه العفاف وفیه الجود والکرم ثم استغفر وانصرف قال فرقدت فرأیت النبی ﷺ فی نومی وهو یقول الحق الرجل وبشر بان الله تعالی غفر له بشفاعتی فاستیقظت فخرجت علیه فلم اجده (وفاء ص ۱۸۵ ج ۴)

”میں مدینہ طیبہ میں داخل ہوا اور میں نبی اقدس ﷺ کی قبر پر حاضر ہوا میں نے اس کی زیارت کی اور اس کے قریب بیٹھ گیا۔ تو ایک اعرابی آیا اور اس نے بھی قبر مبارک کی زیارت کی اور اس نے عرض کیا اے اللہ کے رسول اللہ نے آپ پر سچی کتاب نازل فرمائی ہے اور اس میں فرمایا ”ولو انهم اذ ظلموا انفسهم“ سے ”رحیما“ تک آیت پڑھی۔ اور عرض کیا کہ آپ کی خدمت میں آپ کے

رب سے اپنے معاصی کی معافی مانگنے آیا ہوں۔ آپ کا وسیلہ لیتے ہوئے۔ اور میں آپ کے پاس اپنے گناہوں کی اپنے رب سے معافی مانگنے آیا ہوں آپ کے وسیلہ سے۔ پھر وہ رویا اور اس نے یہ اشعار پڑھے: اے وہ ذات جس کی ہڈیاں ٹیلے میں مدفون ہیں جس کی پاکیزگی سے یہ ٹیلے اور صحرا بھی پاکیزہ ہو گئے میرا نفس اس قبر پر فدا ہو جس میں آپ رہائش پذیر ہیں اس لئے کہ اس میں عفت سخاوت اور کرم ہے پھر اس نے استغفار کیا اور چلا گیا علامہ عتبیؒ فرماتے ہیں کہ مجھے نیند آ گئی تو خواب میں نبی اقدس ﷺ کی زیارت ہوئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا اعرابی کے پاس جا اور اسے خوشخبری دے دو کہ اللہ نے میری شفاعت کی بدولت اس کی بخشش فرما دی۔ فرماتے ہیں میں بیدار ہوا اور اس کی تلاش میں نکلا مگر وہ نہ ملا۔"

(۲) علامہ سمہودیؒ:

وحکایۃ الاعرابی فی ذالک نقلھا جماعۃ من الائمۃ عن العتبی واسمہ محمد بن عبید اللہ بن عمرو ادرک ابن عیینۃ وروی عنہ وھی مشھورۃ حکاھا المصنفون فی المناسک من جمیع المذاھب واستحسنوھا ورأوھا من آدب الزائر وذکرھا ابن عساکر فی تاریخہ وابن الجوزی فی مثیر الغرام الساکن وغیرھما باسنادھم الی محمد بن حرب الھلالی. (وفاء ۱۸۵ ج۴)

"اور اس بارے میں اعرابی کی حکایت کو ائمہ کی ایک جماعت نے عتبی سے نقل کیا ہے۔ عتبیؒ کا نام محمد بن عبید اللہ بن عمرو ہے۔ انہوں نے ابن عیینہ کو پایا ہے اور ان سے روایت بھی لی ہے۔ اور یہ حکایت مشہور ہے۔ تمام مذاہب کے مصنفین نے اپنی مناسک کی کتب میں اس کو نقل کیا ہے۔ اس کو اچھا سمجھا ہے۔ اور زائر کے آداب میں سے اسے شمار کیا ہے ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں۔ ابن جوزی نے مثیر الغرام الساکن میں اپنی اپنی اسناد کے ساتھ اس کو نقل کیا ہے۔"

(۳) علامہ سبکیؒ بھی لکھتے ہیں:

وحکایۃ العتبی مشھورۃ وقد حکاھا المصنفون فی المناسک من جمیع المذاھب. (شفاء السقام ص۸۷)

اور عتبی کی حکایت مشہور ہے اور تمام مذاہب کے مصنفین نے اس کو مناسک میں نقل کیا ہے۔

(۴) ابن عبدالهادی حنبلی کا اقرار:

خود ابن عبدالهادی حنبلی کو بھی یہ تسلیم ہے لکھتے ہیں:

فانها حكاية ذكرها بعض الفقهاء والمحدثين. (الصارم ص ۳۲۱)

یہ ایسی حکایت ہے جسے بعض فقہاء اور محدثین نے نقل کیا ہے۔

(۵) سلطان المحدثین ملا علی قاری لکھتے ہیں:

كما قال الاعرابي مقبول. (المسلک المتقسط فی المنسک المتوسط ص ۱۲۵)

اسی طرح کہ جس طرح اعرابی نے قول مقبول کہا اور پھر آپ نے اعرابی کے اشعار کو بھی ذکر کیا۔

(۶) علامہ نووی لکھتے ہیں:

ثم يرجع الى موقفه الاول قبال وجه رسول الله ﷺ ويتوسل به في حق نفسه ويستشفع به الى ربه سبحانه وتعالى ومن احسن ما يقول ما حكاه اصحابنا عن العتبي مستحسنين له قال كنت جالسا عند قبر النبي ﷺ فجاء اعرابي فقال السلام عليك يا رسول الله سمعت الله يقول (ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جاء وک فاستغفروا الله واستغفرلهم الرسول لوجدوا الله توابا رحيما وقد جئتک مستغفرا من ذنبي مستشفعا بک الى ربي ثم انشأ يقول يا خير من دفنت بالقاع اعظمه فطاب من طيبهن القاع والاكم نفسي الفداء لقبر انت ساكنه فيه العفاف وفيه الجود والكرم انت الشفيع الذي ترجى شفاعته على الصراط اذا ما زلت القدم وصاحباک فلا انساهما ابدا مني السلام عليكم ما جرى القلم قال ثم انصرف فغلبتني عيناى فرأيت رسول الله في النوم فقال يا عتبي الحق الاعرابي وبشره بان الله تعالى قد غفر له (الايضاح ص ۴۵۴)

" اور پھر پہلی جگہ پر لوٹ آئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرے کے سامنے۔ اور اپنی ذات کے بارے میں آپ ﷺ کا وسیلہ لے۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف آپ کی ذات کی شفاعت لے جائے۔ اور کہنے کے اعتبار سے وہ سب سے بہتر ہے جسے ہمارے حضرات نے علامہ عتبیؒ سے نقل کیا ہے اور اس کی تحسین کی ہے علامہ عتبیؒ فرماتے ہیں میں نبی اقدس ﷺ کی قبر مبارک کے

قریب بیٹھا تھا تو ایک اعرابی آیا اور اس نے عرض کیا اے اللہ کے رسول آپ پر سلام ہو میں نے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جاء وک فاستغفروا اللہ واستغفر لھم الرسول لوجدوا اللہ توابا رحیما اور میں آپ کی خدمت میں اپنے گناہوں کی معافی طلب کرتے ہوئے اپنے رب کی بارگاہ میں آپ کی شفاعت کے لئے حاضر ہوا ہوں پھر اس نے کہا۔"

یا خیر من دفنت بالقاع اعظمه

فطاب من طیبھن القاع والاکم

نفسی الفداء لقبر انت ساکنه

فیه العفاف وفیه الجود والکرم

انت الشفیع الذی ترجی شفاعته

علی الصراط اذا ما زلت القدم

وصاحباک فلا انساھما ابدا

منی السلام علیکم ما جری القلم

اس نے یہ اشعار کہے اور چلا گیا۔ میری آنکھ لگ گئی۔ میں نے نیند میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا عتبیؒ اعرابی کے پاس جا اور اس کو خوشخبری سنا کہ اللہ نے اس کی بخشش فرمادی ہے۔"

(۷) علامہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

وقد ذکر جماعة منھم الشیخ ابو منصور الصباغ فی کتابه الشامل الحکایة المشھورة عن العتبی قال کنت جالسا عند قبر النبی ﷺ فجاء اعرابی فقال السلام علیک یا رسول اللہ ﷺ سمعت اللہ یقول ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جاء وک فاستغفروا اللہ واستغفر لھم الرسول لوجدوا اللہ توابا رحیما وقد جئتک مستغفرا لذنبی مستشفعا بک الی ربی الخ. (تفسیر ابن کثیر ص ۵۲ ج ۱)

"شیخ ابو منصور اپنی کتاب میں عتبیؒ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دن میں نبی کریم ﷺ کے روضہ اقدس کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک دیہاتی (اعرابی) نے آ کر عرض کیا۔ السلام علیک یا رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نے اللہ جل جلالہ کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جاء وک فاستغفروا اللہ واستغفرلھم الرسول لو جدوا اللہ توابا رحیما (اور اگر وہ لوگ جس وقت انہوں نے اپنا برا کیا تھا آتے تیرے پاس پھر اللہ سے معافی مانگتے اور رسول اللہ ﷺ بھی ان کو بخشواتا تو البتہ اللہ کو پاتے معاف کرنے والا مہربان) اور البتہ تحقیق میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں اس حال میں کہ آپ ﷺ کو اپنے رب کے ہاں شفیع بنا کر اپنے گناہوں سے توبہ کرتا ہوں۔"

اعرابی اور علامہ عتبیؒ کی حکایات کو علماء اور فقہاء ومحدثین نے بطور استدلال نقل کیا ہے علماء کا استدلال کرنا بھی دلیل صحت ہوتا ہے۔ اس پر حوالہ جات ہم نے اپنی کتاب "تسکین الاتقیاء" اور "تسکین الاولیاء" کے اندر تفصیل سے نقل کر دیئے ہیں۔

محقق ابن ہمام، حافظ ابن حجر، ابن الجوزی، ابوالحسن بن القصار، علامہ ابن عبدالبر، علامہ سیوطی، امام ترمذی، امام بخاری، ابن قیم، شاہ ولی اللہ، علامہ سخاوی، علامہ کوثری، ابن ابی العزان وغیرہ (۱۳) محققین ومحدثین کے حوالہ سے نقل کر آئے ہیں کہ مجتہد محدث محقق کا کسی حدیث سے استدلال کرنا دلیل صحت ہے یہاں جسقدر حضرات اس سے استدلال فرما رہے ہیں تو ان کے حوالہ جات آپکی آنکھوں کو ٹھنڈا کر چکے ہیں۔ نیز علماء نے آیت مبارکہ سے عموم پر استدلال کیا ہے کہ یہ حکم دونوں حالتوں میں باقی ہے۔

(۱) علامہ سمہودیؒ لکھتے ہیں:

والعلماء فھموا من الآیۃ العموم لحالتی الموت والحیاۃ واستحبوا لمن اتی القبر ان یتلوھا ویستغفر اللہ تعالی. (وفاء ص ۱۸۵ ج ۴)

"علماء نے آیت سے موت وحیات دونوں حالتوں کا عموم سمجھا ہے اور اس کو مستحب کہا کہ قبر پر آنے والا اس آیت کی تلاوت کرے اور اللہ تعالی سے استغفار طلب کرے۔"

(۲) علامہ تقی الدین السبکیؒ فرماتے ہیں:

دلت الآیۃ علی الحث علی المجیء الی الرسول ﷺ والاستغفار عندہ واستغفارہ لھم

وذلک ان کان ورد فی حال الحیاۃ فھی رتبۃ له ﷺ لا تنقطع بموته تعظیما له (شفاء السقام ص ۸٦)

"رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آنے کی ترغیب اور آپ ﷺ کے پاس استغفار پر اور آپ ﷺ کا استغفار کرنا۔ ان امور پر آیت دلالت کر رہی ہے اگرچہ یہ آپ کی حالت حیات میں وارد ہوئی ہے لیکن آپ کا یہ مرتبہ آپ کی تعظیم کی خاطر آپ کی موت کے بعد ختم نہیں ہوا۔"

(۳) دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

ولذالک فھم العلماء من الآیۃ العموم فی الحالتین واستحبوا لمن اتی الی قبرہ ﷺ ان یتلو ا ھذہ الآیۃ ویستغفر اللہ تعالی۔ (ایضاً ۸۷)

"اسی لئے علماء نے اس آیت سے دونوں حالتوں کا عموم سمجھا ہے اور آپ ﷺ کی قبر پر آنے والے کیلئے اس آیت کی تلاوت اور اللہ تعالی سے استغفار کو مستحب قرار دیا ہے۔"

(۴) علامہ سمہودیؒ لکھتے ہیں:

وقال عیاض فی الشفاء بسند جید عن ابن حمید احدالرواۃ عن مالک فیما یظھر قال ناظر ابو جعفر امیر المؤمنین مالکا فی مسجد رسول اللہ ﷺ فقال مالک یا امیر المؤمنین لا ترفع صوتک فی ھذا المسجد فان اللہ تعالی ادب قوما لاترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ﷺ (الحجرات : ۲) الایۃ ومدح قوما فقال ان الذین یغضون اصواتھم عند رسول اللہ (الحجرات: ۳) وذم قوما فقال ان الذین ینادونک من وراء الحجرات الایۃ وان حرمته میتا کحرمته حیا فاستکان لھا ابو جعفر فقال یا ابا عبد اللہ واستقبل القبلۃ وادعوأم استقبل رسول اللہ ﷺ فقال لم تصرف وجھک عنه وھو وسیلتک و وسیلۃ ابیک آدمؑ الی اللہ یوم القیامۃ بل استقبله استشفع به فیشفعک اللہ تعالی قال اللہ تعالی ولوانھم اذ ظلموا انفسھم (النساء : ٦۴) (وفاء الوفاء ص ۱۹٦)

"اور قاضی عیاض الشفاء میں سند جید کے ساتھ ابن حمید جو کہ امام مالک کے رواۃ میں سے ہیں ان سے نقل فرماتے ہیں کہ امیر المومنین ابو جعفر نے امام مالک سے مسجد نبوی میں بحث کی تو امام مالک نے فرمایا اے امیر المومنین اس مسجد میں اپنی آواز بلند نہ کر اس لئے کہ اللہ تعالی نے ایک قوم کو ادب

سکھایا اور فرمایا: ''اپنی آوازوں کو نبی کی آواز پر بلند نہ کرو'' (الحجرات ۲) اور ایک قوم کی مدح کی تو فرمایا ''بے شک وہ لوگ جو اللہ کے رسول کے پاس اپنی آوازوں کو پست کرتے ہیں (الحجرات:۳) اور ایک قوم کی مذمت کی تو فرمایا'' بے شک وہ لوگ جو آپ کو حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں'' الایۃ اور بے شک آپ ﷺ کا احترام حالت وفات کے بعد بھی حالت حیات کی طرح ہے پس ابو جعفر نے اس کو پسند کیا اور عرض کیا اے ابو عبداللہ میں قبلہ کی طرف منہ کر کے دعا کروں یا نبی اقدس ﷺ کی طرف منہ کر کے تو فرمایا تو اپنا چہرہ آپ ﷺ سے کیوں پھیرتا ہے حالانکہ آپ ﷺ تیرا بھی وسیلہ ہیں اور تیرے والد آدم علیہ السلام کا بھی وسیلہ ہیں قیامت کے دن۔ بلکہ تو آپ ﷺ کی طرف منہ کر اور آپ ﷺ سے شفاعت طلب کر آپ ﷺ اللہ تعالیٰ سے تیری شفاعت کریں گے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ ولو انھم اذ ظلموا انفسھم۔ (النساء ۶۴)''

(۵) شیخ رحمت اللہ السندھی المحدثؒ لکھتے ہیں:

اجدران یقول اللھم الک قلت وانت اصدق القائلین ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جاء وک فاستغفرو االلہ واستغفر لھم الرسول لوجدوا اللہ توابا رحیما جئناک ظالمین لا نفسنا مستغفرین من ذنوبنا واسألہ ان یمن علینا بسائر طلباتنا ویحشرنا فی زمرۃ عبادہ الصالحین (المناسک للسندی ص ۵۱۲).

''اور بہتر یہ ہے کہ زیارت کرنے والا (بعد صلوۃ وسلام کے) یہ کہے اے اللہ آپ نے فرمایا ہے اور قائلین میں سے سب سے زیادہ سچے ہیں تو لو انھم اذ ظلموا انفسھم جاء وک فاستغفروا اللہ واستغفر لھم الرسول لو جدوا اللہ توابا رحیما ہم آپ کی خدمت میں اپنے نفسوں پر ظلم کرنے والے اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہوئے حاضر ہوئے ہیں۔ پس آپ اللہ تعالیٰ سے سوال کیجئے کہ وہ ہماری تمام مرادوں کو پورا فرمادے اور اپنے نیک بندوں میں ہمارا حشر فرمادے۔''

(۶) شیخ حسن بن عمار الشرنبلالی لکھتے ہیں:

لعقف بمقدار اربعۃ اذرع بعیدا عن المقصورۃ الشریفۃ بغایۃ الأدب مستدبر القبلۃ محاذیا

لراس النبی ﷺ ووجه الاکرم ملاحظا نظره السعید الیک وسماعه کلامک ورده علیک سلامک وتأمینه علی دعائک وتقول : السلام علیک یا سیدی رسول الله السلام علیک یا نبی الله السلام علیک یا حبیب الله السلام علیک یا نبی الرحمة السلام علیک یا شفیع الامة السلام علیک یا سید المرسلین السلام علیک یا خاتم النبیین السلام علیک یا مزمل السلام علیک یا مدثر السلام علیک وعلی اصولک الطیبین واهل بیتک الطاهرین الذین اذهب الله عنهم الرجس وطهرهم تطهیرا جزاک الله عنا افضل ما جزی نبیا عن قومه ورسولا عن امته اشهد انت رسول الله قد بلغت الرسالة وادیت الامانة ونصحت الامة واوضحت الحجة وجاهدت فی سبیل الله حق جهاده واقمت الدین حتی اتاک الیقین ﷺ وعلی اشرف مکان تشرف بحلول جسمک الکریم فیه صلاة وسلاما دائمین من رب العالمین عدد ما کان وعدد ما یکون بعلم الله صلاة لا انقضاء لامدها یا رسول الله نحن وفدک وزوار حرمک تشرفنا بالحلول بین یدیک وقد جئناک من بلاد شاسعة وامکنة بعیدة نقطع السهل والوعر بقصد زیارتک لنفوز بشفاعتک والنظر الی مآثرک ومعاهدک والقیام بقضاء بعض حقک والاستشفاع بک الی ربنا فان الخطایا قد قصمت ظهورنا والاوزار قد اثقلت کواهلنا وانت الشافع المشفع الموعود بالشفاعة العظمی والمقام المحمود والوسیلة وقد قال الله تعالی ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جاؤک فاستغفروا الله واستغفر لهم الرسول لوجدوا الله توابا رحیما وقد جئناک ظالمین لانفسنا مستغفرین لذنوبنا فاشفع لنا الی ربک واساله ان یمیتنا علی سنتک وان یحشرنا فی زمرتک وان یوردنا حوضک وان یسقینا بکاسک غیر خزایا ولا نادمی الشفاعة الشفاعة یا رسول الله یقولها ثلاثا ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین آمنوا انک رؤف رحیم . (الطحطاوی ص ۴۳۷)

”پھر زیارت کے لئے حاضر ہونے والا غایۃ ادب کی وجہ سے روضہ اقدس سے چار ذراع دور ہی کھڑا ہو آپ ﷺ کے سر مبارک کے محاذات میں قبلہ کی طرف پشت کر کے۔ اس بات کو مد نظر رکھتے ہوئے کہ آپ ﷺ اپنی سعید نظروں سے دیکھ رہے ہیں اور تیرے کلام کو سن رہے ہیں اور تیرے سلام کا جواب دے رہے ہیں اور تیری دعا پر آمین کہہ رہے ہیں اور تو یہ کہہ ”اے اللہ کے نبی آپ پر سلام ہو اے اللہ کے حبیب آپ پر سلام ہو اے نبی الرحمۃ آپ پر سلام ہو اے امت کی

شفاعت کرنے والے آپ پر سلام ہو۔ سلام ہو آپ پر اے رسولوں کے سردار۔ سلام ہو آپ پر اے خاتم النبیین ۔ سلام ہو آپ پر اے چادر اوڑھنے والے ۔ سلام ہو آپ پر اے کمبل اوڑھنے والے ۔ سلام ہو آپ پر اور آپ کے پاکیزہ آباء واجداد پر اور آپ کے پاکیزہ اہل بیت پر جن سے اللہ نے گندگیوں کو دور کر دیا ہے اور ان کو خوب پاک وصاف فرما دیا ہے اور اللہ تعالی ہماری طرف سے سب ان جزاؤں سے بہتر جزادے جو نبیوں کو ان کی قوموں کی طرف اور رسولوں کو ان کی امتوں کی طرف سے دی گئی ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور آپ نے پیغام پہنچادیا اور امانت ادا فرمادی اور امت کو نصیحت کر دی اور حجت واضح کر دی اور آپ نے اللہ کے راستہ میں ایسے جہاد کیا جیسے حق تھا۔ اور آپ نے دین کو پختہ بنیادوں پر کھڑا کر دیا حتی کہ آپ کا وقت وصال آ گیا۔ اور سلام ہو اس اشرف مکان پر جو آپ کے جسد کریم سے ملا ہوا ہے۔ اس میں صلاۃ وسلام دائما ہوں رب العلمین کی طرف سے ان اعداد کے بعدد جو اللہ تعالی کے علم میں تھے اور ہونگے ۔ ایسا صلوۃ وسلام ہو جسکا اختتام نہ ہو۔ اے اللہ کے رسول ہم آپ کے مہمان ہیں اور آپ کے حرم پاک کی زیارت کے لئے حاضر ہوئے ہیں آپ ہمیں اپنے سامنے طول سے مشرف فرمائیں ۔ اور ہم دور کے شہروں سے اور دور کی جگہوں سے نرم وسخت زمینوں کو قطع کرتے ہوئے آپ کی شفاعت حاصل کرنے کے لئے آپ کی زیارت کی غرض سے حاضر ہوئے تا کہ ہم آپ کی شفاعت سے کامیاب ہو جائیں۔ مآثر اور معاہد کی طرف نظر ہے۔ اور آپ کے حق کے کچھ حصے کی ادائیگی کیلئے کھڑے ہوئے ہیں۔ اور آپ کے ساتھ اپنے رب کی طرف شفاعت طلب کرتے ہیں اس لئے کہ خطاؤں نے ہماری پشتوں کو توڑ ڈالا ہے اور گناہوں کے بوجھ نے ہماری کمروں کو بوجھل کر دیا ہے آپ شفاعت کرنے والے شفاعت قبول کئے ہوئے اور شفاعت عظمی اور مقام محمود کا وعدہ کئے گئے ہیں اور ہم وسیلہ پکڑتے ہیں اس لئے کہ حق تعالی نے فرمایا ہے ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جاء وک فاستغفروا اللہ واستغفر لھم الرسول لوجدوا اللہ توابا رحیما اور ہم اپنے نفسوں پر ظلم کرنے والے اپنے گناہوں کا استغفار کرتے ہوئے آپ کی

خدمت میں حاضر ہوئے ہیں پس اپنے رب کی طرف ہماری سفارش فرما دیجئے اور سوال کیجئے کہ وہ ہمیں آپ کی سنت پر موت دے اور ہمیں آپ کی جماعت میں اٹھائے اور ہمیں آپ کے حوض پر لائے اور ہمیں آپ کے پیالے سے پلائے۔ اس حال میں کہ ہم نہ رسوا ہوں نہ ہی ہم کو ندامت ہو اے اللہ کے نبی شفاعت شفاعت شفاعت اے اللہ ہمیں بخش دے اور ہمارے ان مسلمان بھائیوں کو جو ہم سے پہلے گزر گئے ہیں اور ہمارے دلوں میں اہل ایمان کے لئے نفرت پیدا نہ فرما اے ہمارے رب بے شک آپ بخشنے والے رحم کرنے والے ہیں۔

(۷) فتاویٰ عالمگیری میں لکھتے ہیں:

ویقول اللھم انک قلت الحق ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جاؤک (النساء : ۶۴) وقد جئناک سامعین قولک طائعین امرک مستشفعین بنبیک الیک . (عالمگیری ص ۲۹۳ ج ۱)

"اور کہے اے اللہ آپ نے فرمایا اور آپ کا فرمان برحق ہے ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جاء وک فاستغفروا اللہ واستغفر لھم الرسول لو جدوا اللہ توابا رحیما اور ہم آپ کے فرمان کو سنتے ہوئے آپ کے حکم کی اطاعت کرتے ہوئے اور آپ کے نبی کا وسیلہ پکڑتے ہوئے آپ کی طرف آئے ہیں۔"

(۸) نیز فرمایا:

فیقول السلام علیک یا رسول اللہ من فلان ابن فلان یستشفع بک الی ربک فاشفع لہ ولجمیع المسلمین . (ایضاص ۲۹۲)

"اور پھر کہے اے اللہ کے رسول فلاں ابن فلاں کی طرف سے آپ پر سلام اور وہ آپ کی شفاعت آپ کے رب کی طرف چاہتا ہے پس آپ اس کے لئے اور تمام مسلمانوں کے لئے شفاعت فرما دیں۔"

(۹) شیخ ابن ہمامؒ لکھتے ہیں:

ثم یسال النبی ﷺ الشفاعة فیقول یا رسول اللہ اسالک الشفاعة یا رسول اللہ اسالک الشفاعة والتوسل بک الی اللہ فی ان اموت مسلما علی ملتک وسنتک.

''پھر نبی اقدس ﷺ سے شفاعت کا سوال کرے اور کہے یا رسول اللہ میں آپ سے شفاعت کا سوال کرتا ہوں یا رسول اللہ میں آپ سے شفاعت کا سوال کرتا ہوں اور اس بارے میں بھی آپ کا وسیلہ لیتا ہوں کہ میں آپ کی ملت اور سنت پر وفات پاؤں۔'' (فتح القدیر ص ۹۵ ج ۳)

(۱۰) شیخ رحمت اللہ المحدث السندھیؒ لکھتے ہیں:

ثم یطلب الشفاعۃ فیقول یا رسول اللہ اسالک الشفاعۃ ثلاثا. (لباب المناسک ص ۵۱۰)

''پھر شفاعت طلب کرے اور تین دفعہ کہے یا رسول اللہ میں آپ سے شفاعت کا سوال کرتا ہوں۔''

(۱۱) علامہ عبدالرحمٰن الجزیری فرماتے ہیں:

ولیبلغ سلام من اوصاہ فیقول السلام علیک یا رسول اللہ من فلان ابن فلان یستشفع بک الی ربک فاشفع لہ ولجمیع المسلمین (الفقہ علی مذاہب الاربعۃ ص ۶۴۱)

''اور چاہیے کہ جس نے اس کو وصیت کی ہو اس کا سلام بھی پہنچا دے اور یوں کہے اے اللہ کے رسول فلان ابن فلاں کی طرف سے آپ پر سلام اور وہ آپ کی اپنے رب کی طرف شفاعت کا طلب گار تھا پس آپ اس کی اور تمام مسلمانوں کی شفاعت فرما دیں۔''

(۱۲) علامہ داؤد بن سلیمان البغدادی الحنفی فرماتے ہیں:

وقد اطبق الائمۃ الحنفیۃ علی زیارۃ النبی ﷺ وزیارۃ صاحبیہ وطلب الشفاعۃ منہم (المنحۃ الوھبیۃ ص ۱۲ طبع استنبول بحوالہ سماع موتی امام اھلسنۃ ص ۱۲۵)

(۱۳) مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیعؒ لکھتے ہیں:

'اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضری جیسے آپ ﷺ کی دنیوی حیات کے زمانے میں ہو سکتی تھی اسی طرح آج بھی روضہ اقدس کی حاضری اسی حکم میں ہے۔'' (معارف القرآن ص ۴۵۸ ج ۲۔)

(۱۴) فخر المحدثین مولانا ظفر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں:

فثبت ان حکم الآیۃ باق بعد وفاتہ (اعلاء السنن ص ۳۳۰ ج ۱۰)

پس ثابت ہو گیا کہ آیت کا حکم آپ ﷺ کی وفات کے بعد بھی باقی ہے۔

(۱۵) فخر الفقہاء ابو حنیفہ ثانی قطب الارشاد امام ربانی مولانا رشید احمد گنگوہیؒ لکھتے ہیں:

"تیسرے یہ کہ قبر کے پاس جا کر کہے کہ اے فلاں تم میرے واسطے دعا کرو کہ حق تعالیٰ میرا کام کر دیوے۔ اس میں اختلاف علماء کا ہے۔ مجوز سماع موتی اس کے جواز کے مقر ہیں اور مانعین سماع اس کو منع کرتے ہیں سو اس کا فیصلہ اب کرنا محال ہے۔ مگر انبیاء علیہم السلام کے سماع میں کسی کو اختلاف نہیں اسی وجہ سے ان کو مستثنیٰ کیا ہے اور دلیل جواز یہ ہے کہ حضرات فقہاء نے بعد سلام کے وقت زیارت قبر مبارک کے شفاعت مغفرت کا عرض کرنا لکھا ہے پس یہ جواز کے واسطے کافی ہے۔" (فتاویٰ رشیدیہ ص ۹۹)

حضرت گنگوہیؒ غیر مقلدین کی نظر میں:

غیر مقلدین کی فتاویٰ کی مشہور کتاب میں حضرت گنگوہی کے متعلق مندرجہ ذیل القابات لکھے گئے ہیں:

طلع الحق حق الطلوع وسطع الصدق حق السطوع فما قال ملک العلماء سلطان الاتقیاء زین المفسرین رئیس المحدثین نعمان اواننا مجدد زماننا نائب رسول الله الصمد علیه الصلوات من الله الاحد مولانا العالم العامل الحافظ الحاج رشید احمد مد الله ظلال فیوضه علی رء وس العلمین اللهم امین. (فتاوی علمائے حدیث ص ۳/۶۱)

توسل کی آٹھویں قسم

توسل کی آٹھویں صورت یہ ہے کہ عام صاحب قبر کی قبر پر جا کر دعا کی درخواست کرنا۔ جو حضرات سماع اموات کے قائل ہیں وہ اس کے بھی قائل ہیں اموات کا سماع بمعرفت یہ احادیث سے ثابت ہے۔ جیسا کہ گذشتہ باب میں تفصیل سے ذکر کر دیا گیا ہے۔ اس لیے دوبارہ ذکر نہیں کیا جاتا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

رسالہ مصائب و آلام

الحمد للہ وکفی والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا محمد ن المصطفیٰ وعلی اصحابہ الاتقیاء لاسیما علی خلفاء الراشدین المہدیین وعلی الہ واہلہ واتباعہم اجمعین الی یوم الدین الفۃ الفۃ تحیۃ وسلام فی کل لمحۃ و نفس بعدد کل معلوم اللّٰہ عزوجل اما بعد .

یہ دنیا نہ خود ہمیشہ رہے گی نہ ہی اس کے باسی اس میں ہمیشہ رہیں گے یہ دنیا دار الفنا ہے ہر ایک نے ایک نہ ایک دن یہاں سے دار البقاء آخرت کی طرف رخت سفر باندھنا ہے اور کوچ کرنا ہے حق تعالیٰ نے اس دنیا میں سچے اور جھوٹے کھرے اور کھوٹے کی پہچان کیلئے اس دار فانی کو آزمائشوں کا گھر بنایا ہے اور مصیبتوں کا دریا بہایا تا کہ اس کے برگزیدہ بندے ان مصائب کو جھیل کر اس کے ہاں ہمیشہ کیلئے بلند مقامات کے مستحق اور لازوال نعمتوں کے قابل بن سکیں ہر دور میں خدا تعالیٰ اپنے بندوں کو مصائب میں مبتلا فرماتے ہیں اور اس کے مقبول بندے ان آزمائش کی گھاٹیوں سے گزر کر کامیاب و کامران ہوتے ہیں آنے والے چند صفحات میں مصائب کے اور ان پر صبر کے فضائل کو اجاگر کیا گیا ہے تا کہ حق تعالیٰ ہمیں مصیبتوں کے وقت صبر جمیل کی توفیق عطاء فرما کر اس پر اجر عظیم عطا فرمائیں۔

حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد گرامی ہے!

الم احسب الناس ان یترکوا ان یقولوا امنا وھم لا یفتنون ولقد فتنا الذین من قبلھم فلیعلمن اللہ الذین صدقوا ولیعلمن الکذبین ام حسب الذین یعملون السیات ان یسبقونا ساء ما یحکمون من کان یرجوا لقاء اللہ فان اجل اللہ لات وھو السمیع العلیم .ومن جاھد فانما یجاھد لنفسہ ان اللہ لغنی عن العلمین.

ترجمہ :الم کیا لوگوں کو صرف اتنا کہنے پر کہ ہم ایمان لائے ہیں چھوڑ دیا جائیگا اور انکو آزمایا نہیں

جائیگا اور تحقیق ہم نے ان سے پہلے لوگوں کو بھی آزمایا تا کہ ہم جان لیں ان میں سچے کون ہیں اور جھوٹے کون ہیں اور کیا برے کام کرنے والوں نے یہ گمان کیا ہے کہ وہ ہم سے بچ جائیں گے الٹا (یہ فیصلہ) برا ہے جو شخص بھی اللہ کی ملاقات کی امید رکھتا ہے پس اللہ کا مقرر کیا ہوا وقت ضرور آنے والا ہے اور اللہ تعالیٰ سننے والے جاننے والے ہیں جو بھی مشقت برداشت کرتا ہے وہ اپنے نفس (کے فائدہ) کیلئے ہی مشقت اٹھاتا ہے بے شک اللہ تعالیٰ تمام جہانوں سے غنی ہے۔

تشریح و تفسیر:

ان آیات میں حق تعالیٰ شانہ نے فرمایا کہ ایمان کے ساتھ آزمائش ضروری ہے اور آزمائش کا مقصد سچے اور جھوٹے کی تمیز ہے اگرچہ حق تعالیٰ تو دلوں کو جانتے ہیں مگر آزمائش اس لئے کرتے ہیں کہ لوگوں کے سامنے بھی سچے اور جھوٹے کی حقیقت واضح ہو جائے اور بڑے بڑے دعویدار جن کا دل ایمان سے خالی ہوتا ہے اور زبانی جمع خرچ پر ہی ان کا گزر بسر ہوتا ہے وہ ایسے موقع پر پھسل جاتے ہیں بسا اوقات تو حق تعالیٰ کی قدرت پر اعتراض شروع کر دیتے ہیں اور ایمان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں اور برے کام کرنے والے سمجھتے ہیں کہ حق تعالیٰ کی گرفت میں نہیں آ سکتے حالانکہ ان کا یہ گمان برا ہے اس میں اشارہ فرما دیا کہ بے صبری بھی برا کام ہے۔

اور یہ بھی اشارہ ہے کہ جو آدمی اللہ کی ملاقات اور میدان حشر میں حاضری کا یقین رکھتا ہے وہ جزع و فزع کی بجائے مصائب پر صبر کرتا ہے تا کہ عند الملاقات اپنے پروردگار اور خالق حقیقی کے سامنے سرخرو ہو سکے اور اللہ تعالیٰ سننے اور جاننے والے ہیں اگر آدمی مصائب کے وقت کلمہ صبر کہے گا اس کو بھی سنیں گے اگر کلمہ کفر کہے گا اسکو بھی سنیں گے جانتے والے ہیں کہ بندہ ایسے موقع پر کیا کرتا ہے صبر و شکر سے کام لیتا ہے یا بے صبری اور ناشکری کا مرتکب ہوتا ہے ایسے موقعوں پر صبر کرنا انتہائی مجاہدہ کا کام ہے اگر انسان نفس سے مجاہدہ نہیں کر سکتا تو وہ صبر کا دامن ہاتھ سے چھوڑ بیٹھتا ہے اور اپنے پیارے مولا کی ناشکری کا مرتکب ہو جاتا ہے اس لئے فرمایا کہ جو بھی مجاہدہ کرے گا اس کا

فائدہ اسی کی اپنی ذات کو ہے حق تعالیٰ کو تو نہ ہماری شکر گزاری فائدہ دیتی ہے اور نہ ہی ہماری ناشکری نقصان دیتی ہے تمام دنیا اس مالک حقیقی کی شکر گزار بن جائے تو اس کی حکومت میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا اور اگر تمام مخلوق اس کی ناشکری کر کے اپنا نامہ اعمال سیاہ کر لے تو اس کی حکومت کو کوئی نقصان نہیں ہوتا وہ ذات تو ان تمام چیزوں سے وراء الوراء اور غنی ہے ہاں جو نیک اعمال کریگا تو ان کے گناہ بخش دیئے جائیں گے اور انکو انکے اعمال کا اچھا بدلہ ملے گا چونکہ شکر گزاری نیک عمل ہے اشارہ فرمادیا کہ مصائب پر صبر وشکر بجالانے سے انسان گناہوں سے پاک وصاف ہو جاتا ہے اور صرف گناہوں سے پاک صاف ہی نہیں بلکہ مولائے کریم اپنے کرم سے اسے مزید عنایتیں فرماتے ہوئے اجر وثواب کا مستحق بھی بنادیتے ہیں۔

علامہ قرطبیؒ لکھتے ہیں!

کہ مقاتل فرماتے ہیں یہ آیت حضرت عمرؓ کے غلام مہجعؓ کے بارے میں نازل ہوئی یہ بدر کے میدان میں سب سے پہلے شہید ہوئے ہیں جب یہ شہید ہوئے تو نبی اقدس ﷺ نے فرمایا مہجع شہداء کے سردار ہیں اور اس امت میں سے جنت کے دروازوں پر سب سے پہلے ان کو آواز دی جائے گی جب ان کے والدین اور گھر والوں نے ان پر جزع وفزع کی تو حق جل شانہ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔

بخاری شریف کے اندر روایت ہے کہ حضرت خباب بن ارتؓ فرماتے ہیں کہ نبی اقدس ﷺ کعبہ کے سائے میں ٹیک لگا کر بیٹھے تھے ہم نے آپؐ سے شکوہ وشکایت کی اور عرض کیا اے اللہ کے رسول کیا آپ ہمارے لئے اللہ سے مدد طلب نہیں کرتے کیا آپ ہمارے لئے اللہ سے دعا نہیں مانگتے تو آپؐ نے فرمایا تم سے پہلے جو لوگ تھے ان پر بھی اسطرح کی آزمائشیں آئیں کہ ایک آدمی کو پکڑا جاتا اور زمین کھود کر اس میں کھڑا کر دیا جاتا اور اس کے سر پر آرا رکھ کر اس کے دو ٹکڑے کر دیئے جاتے اور اسی طرح لوہے کی کنگھیوں سے ان کی کھال گوشت سے نوچ لی جاتی تھی لیکن اس قدر آزمائشیں بھی ان کو ان کے دین سے نہ پھیرتی تھیں اللہ کی قسم اسلام غالب ہوگا اور ایک

سوار صنعاء سے حضر موت تک جائے گا اور اللہ کے علاوہ کسی سے نہیں ڈرتا ہوگا صرف بکریوں کے بارے میں بھیڑیے کا خوف ہوگا لیکن تم جلدی کرتے ہو۔ (تفسیر قرطبی ص ۲۳۷۸ تحت آیت ھذا)

امام رازیؒ فرماتے ہیں!

مخلوق سے اولیٰ مقصد عبادت ہے اور اعلیٰ مقصد اللہ کی عبادت سے اللہ تعالیٰ کی محبت ہے جیسا کہ حدیث پاک میں ہے کہ بندہ عبادت کی وجہ سے میرا قرب حاصل کرتا ہے حتی کہ میرا محبوب بن جاتا ہے اور جس شخص کے دل میں حق تعالیٰ شانہ کی جتنی محبت ہوگی وہ اللہ کے ہاں انتہائی درجات کے اعتبار سے بڑا ہوگا لیکن دل کی ترجمان زبان ہے اور زبان کی تصدیق کرنے والے اعضاء ہیں اور ان صدقات کیلئے تزکیہ کرنے والے بھی ہیں جب انسان امنت کہتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی محبت کا دل میں ہونے کا دعویٰ کرتا ہے پس اس کیلئے گواہوں کی ضرورت ہے پس جب اسلام کے ارکان پر عمل کرتا ہے تو اس دعوے پر گواہ قائم ہو جاتے ہیں اور جب اللہ تعالیٰ کے راستے میں اپنے مال و جان کو خرچ کرتا ہے اور اپنے اعمال کو دوسری چیزوں سے پاکیزہ بنالیتا ہے تو وہ اپنے ان گواہوں کا تزکیہ کر دیتا ہے جن گواہوں نے اس کی تصدیق کی ہے تو اس کا نام اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والوں میں لکھ دیا جاتا ہے اور مقربین میں اس کو داخل کر لیا جاتا ہے اس طرف اس آیت الم احسب الناس الخ میں اشارہ فرمایا کہ کیا لوگوں نے گمان کیا ہے کہ ہم ان کے دعوے کو بغیر گواہوں کے اور گواہوں کو بغیر مزکین کے قبول کر لیں گے (تفسیر کبیر ص ۳۰ ج ۲۵)

دوسرے مقام پر حق تعالیٰ فرماتے ہیں!

ولنبلونکم بشیءٍ من الخوف والجوع ونقص من الاموال والانفس والثمرات وبشر الصابرین الذین اذا اصابتھم مصیبۃ قالوا انا للہ وانا الیہ راجعون اولئک علیھم صلوۃ من ربھم ورحمۃ واولئک ھم المھتدون (البقرہ ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷)

ترجمہ: اور ہم تم کو خوف بھوک دے کر اور مال جانوں پھلوں میں کمی دے کر آزمائیں گے اور خوشخبری دے دیجئے صبر کرنے والوں کیلئے وہ لوگ جن کو جب کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ کہتے ہیں

بے شک ہم اللہ کیلئے ہیں اور ہم نے اس کی طرف لوٹ کر جانا ہے یہی لوگ ہیں کہ جن پر انکے رب کی طرف سے صلوٰۃ ورحمت ہے اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔

تفسیر وتشریح وفوائد:

ان آیات میں حق تعالیٰ نے پانچ چیزوں کے ساتھ آزمائش کا ذکر کیا ہے (۱) خوف (۲) بھوک (۳) مالوں میں نقصان (۴) جانوں میں نقصان (۵) پھلوں میں نقصان اور فرمایا جو ان آزمائشوں میں صبر کریگا اس کیلئے خوشخبری ہے امام رازیؒ فرماتے ہیں ان امور پر صبر کرنا واجب ہے اس لئے کہ یہ آزمائشیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو بھی آئے وہ عدل وحکمت پرمبنی ہوتا ہے امام غزالیؒ فرماتے ہیں صبر انسان کے خواص میں سے ہے یہ جانوروں اور فرشتوں سے متصور نہیں جانوروں سے تو ان کے نقص کی وجہ سے اور فرشتوں سے انکے کمال کی وجہ سے اس لئے کہ فرشتے شہوات سے پاک ہیں اس لئے ان کو تکلیف ہی نہیں ہوتی کہ صبر کرنا پڑے۔

صبر کی دو قسمیں ہیں!

(۱) بدنی۔ بدنی یہ ہے کہ بدن یہ مشقتیں جھیلے یا تو یہ کہ مشقت والے اعمال کرے یا مصیبت کو جسم پر جیسے مار وغیرہ اس کو برداشت کرے (۲) صبر نفسانی یہ ہے کہ شہوت والے کاموں سے اپنے آپ کو روک رکھے اگر یہ صبر بطن اور فرج کے اعتبار سے ہو تو اسے عفت کہتے ہیں اگر مصیبت میں ہو تو اس کو صبر کہتے ہیں اس کا مقابل جزع وفزع ہے اگر غناء میں صبر ہو تو اس کو ضبط نفس کہتے ہیں اور اس کے مقابل کو بطر کہتے اور جنگ میں ہو تو اس کو شجاعت کہتے ہیں اس کے مقابل کو جبن کہتے ہیں اگر غصہ میں ہو تو اس کو حلم کہتے ہیں اس کا مقابل نزق ہے اگر فضول عیش وعشرت سے ہو تو اس کو زہد کہتے ہیں اس کا مقابل حرص ہے اگر کم مال پر صبر کرے اس کو قناعت کہتے ہیں اس کے مقابل کو الشرہ خواہ جس قسم کا صبر بھی کرے گا وہ اس بشارت میں داخل ہوگا حق تعالیٰ نے صبر کے بہت

سارے فضائل بیان فرمائے ہیں قرآن پاک میں 70 سے زائد مقامات پر صبر کا ذکر فرمایا ہے۔
نبی اقدس ﷺ نے فرمایا صبر نصف ایمان ہے اس لئے کہ ایمان بے ہودہ اقوال وافعال وعقائد کو چھوڑے بغیر اور عمدہ اقوال وافعال وعقائد کو اختیار کئے بغیر مکمل نہیں ہوتا اور وہ بے ہودہ اقوال وافعال وعقائد کا ترک کرنا ہی صبر ہے معلوم ہوا یہ نصف ایمان ہے دوسری حدیث پاک میں فرمایا سب سے افضل چیز جو تم کو عطاء کی گئی ہے وہ یقین اور صبر ہے جس کو ان دونوں سے حصہ نصیب ہو گیا تو اگر چہ اس کی تہجد کی نماز یا دن کا روزہ فوت ہو جائے تو پروانہ کرے معلوم ہوا صبر کا اجر تہجد اور دن کے روزوں سے بڑھ کر ہے۔
ایک تیسری حدیث میں فرمایا ایمان صبر کا نام ہے۔
اس میں اختلاف ہوا ہے کہ شکر افضل ہے یا صبر امام غزالی فرماتے ہیں صبر شکر سے افضل ہے اس لئے کہ احادیث صبر کے فضائل کے بارے میں بڑھی ہوئی ہیں نبی اقدس نے فرمایا کہ تمام روئے زمین کے سب سے بڑے شاکر کو اللہ تعالیٰ شاکرین کی جزاء عطاء فرمائیں گے پھر تمام روئے زمین کے بڑے صابر کو بلایا جائیگا تو حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے اسے کہا جائیگا اگر ہم تمہیں اس شاکر کی جزاء عطاء کریں تو کیا تو راضی ہے تو وہ کہے گا اے میرے رب ہاں میں راضی ہوں تو حق تعالیٰ فرمائیں گے میں نے تجھ پر انعام کیا تو نے شکر کیا اور جب میں نے تجھے مصیبت میں ڈالا تو تو نے صبر کیا اس لئے میں تجھے دوگنا اجر دوں گا پس اس کو شاکرین کے اجر کا دوگنا دیا جائیگا۔
معلوم ہوا کہ صبر شکر سے افضل ہے اسی طرح ایک حدیث پاک میں کہ نبی اقدس نے فرمایا کھانے والا اور شکر کرنے اور روزہ رکھنے والا صبر کرنے والے کی مثل ہے مشبہ بہ درجہ میں مشبہ سے بلند ہوتا ہے اس سے بھی معلوم ہوا ہے کہ صبر شکر سے افضل ہے اس لئے روایت میں ہے کہ انبیاء میں سے سب سے آخر میں چالیس سال بعد حضرت سلیمانؑ جنت میں داخل ہوں گے انکی بادشاہت کی وجہ

سے اور صحابہ کرامؓ میں سے سب سے آخر میں حضرت عبدالرحمان بن عوفؓ جنت میں داخل ہوں گے اس لئے کہ صحابہ میں سے وہ سب سے زیادہ مالدار تھے اور ایک حدیث میں ہے کہ جنت کے تمام دروازوں کے دو دو کواڑ ہیں سوائے صبر کے دروازہ کے کہ اس کا ایک ہی کواڑ ہے سب سے پہلے اس دروازے سے اہل مصائب داخل ہونگے اور انکے امام سیدنا ایوب ہونگے (تفسیر کبیر ص ۱۷۱ تا ۱۷۲ ج ۲ ملخصا)

صابرین کی نشانی یہ بھی ہے کہ جب کوئی مصیبت انکو پہنچتی ہے تو وہ انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھتے ہیں نبی اقدس ﷺ نے فرمایا جو شخص مصیبت کے وقت انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھتا ہے تو اللہ تعالی اس کے نقصان کو بھی پورا فرما دیتے ہیں اور اس کا انجام بھی اچھا کرتے ہیں اور اسے اس مصیبت کا ایسا نعم البدل عطا فرماتے ہیں کہ جس سے وہ خوش ہو جاتا ہے ایک روایت میں ہے کہ نبی اقدس کا چراغ بجھ گیا تو آپؐ نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا تو آپؐ سے گزارش کی گئی یا رسول اللہ کیا یہ بھی مصیبت ہے فرمایا ہر وہ چیز جس سے مسلمان کو تکلیف ہو وہ مصیبت ہے (ایضا)۔

حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ مجھے ابو سلمہؓ نے یہ حدیث بیان کی کہ آپؐ نے فرمایا جو آدمی بھی مصیبت کے وقت انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ اے اللہ یہ مصیبت آپ کی طرف سے ہے آپ مجھے اس پر اجر عطا فرمائیں اور اس سے بہتر چیز بدلہ میں عطا فرمائیں تو اللہ تعالی اس کو اس سے بھی بہتر چیز عطا فرماتے ہیں جب ابو سلمہ کا انتقال ہو گیا تو میں نے یہی کہا اللہ تعالی نے اس کے بدلے میں مجھے محمد ﷺ عطا فرمائے (ابن کثیر ص ۲۲۳)

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب بندہ مصیبت کے وقت انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھتا ہے حق تعالی اس کے لئے تین خصلتیں لکھ دیتے ہیں (۱) اللہ کی طرف سے سلامتی (۲) اللہ کی طرف سے رحمت (۳) سید ھا راستہ کا حاصل ہونا (تفسیر کبیر ص ۱۷۴ ج ۲)

حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں کسی امت کو وہ چیز نہیں دی گئی جو اس امت کو دی گئی یعنی انا للہ

وانا الیہ راجعون اگر کسی کو یہ دی جاتی تو یعقوب کو دی جاتی وہ یوسف پر فرماتے رہے یا اسفیٰ علی یوسف۔ (تفسیر ابن جریر ص ۵۴ ج ۲)

حماد بن سلمہ ابو سنانؒ سے نقل کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں میں نے اپنے بیٹے کو قبر میں دفن کیا ابھی میں قبر میں ہی کھڑا تھا کہ ابو طلحہ خولانیؒ نے میرا ہاتھ پکڑا اور کہا کیا میں تجھے خوشخبری نہ سناؤں میں نے عرض کیا سنا فرمایا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب کسی بندے کا چھوٹا بچہ فوت ہو جاتا تو حق تعالیٰ فرشتے سے فرماتے ہیں اے ملک الموت تو نے میرے بندے کے بیٹے کی روح قبض کی ہے اے ملک الموت تو نے میرے بندے کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کے پھل کو چھینا ہے تو وہ فرماتے ہیں جی ہاں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں تو میرے بندے نے کیا کہا ملک الموت عرض کرتے ہیں اس نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور آپ کی تعریف کی ہے تو حق تعالیٰ فرماتے ہیں میرے بندے کا گھر جنت میں بنا دو اور اس گھر کا نام بیت الحمد رکھ دو۔ (ابن کثیر ص ۲۲۳)

علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں صبر کی اصل ہے نفس کو روکنا خواہ گناہ سے ہو خواہ نیکی پر۔ اور اس کا ثواب بے انتہا ہے اور صبر پہلے صدمہ کے وقت ہی ہوتا ہے امام بخاریؒ حدیث نقل فرماتے ہیں کہ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ نبی اقدس ﷺ نے فرمایا صبر پہلے صدمے کے وقت ہی ہوتا ہے۔ اس لئے کہ صبر نفس پر مصیبت کی ابتداء میں شاق ہوتا ہے۔ اس وقت نفس ثواب کی طمع میں صبر کرتا ہے اس وقت صبر دل کی قوت اور اس کے مقام صبر میں ہونے پر دلالت کرتا ہے جب وقت گزر جاتا ہے تو مصیبت کی حرارت کم ہو جاتی ہے اس وقت تو ہر آدمی صبر کر لیتا ہے۔

صبر کی دو قسمیں ہیں:

(۱) اللہ کی معصیت سے رکنا ایسے آدمی کو مجاہد کہتے ہیں۔ (۲) اللہ کی عبادت پر صبر کرنا ایسے کو عابد کہتے ہیں جب آدمی صبر کی ان دو قسموں کو بجالاتا ہے تو حق تعالیٰ شانہ اس کے بدلے میں اسے رضا بالقضاء کی نعمت سے مالا مال فرما دیتے ہیں اس کی علامت یہ ہوتی ہے کہ نفس خواہ اس کو پسندیدہ حالات پیش آئیں یا ناپسندیدہ نفس کو سکون قلب نصیب ہوتا ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں

کتاب وسنت کے احکام پر ثابت قدم رہنا صبر ہے رویم فرماتے ہیں شکوہ نہ کرنا صبر ہے ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں اللہ سے مدد طلب کرنا صبر ہے استاذ ابوعلیؒ فرماتے ہیں تقدیر پر اعتراض نہ کرنا صبر ہے البتہ بغیر شکوہ وشکایت کے مصیبت کا اظہار کرنا یہ صبر کے مخالف نہیں ہے جیسا کہ سیدنا ایوبؑ نے فرمایا رب انی مسنی الضر اے میرے رب مجھے تکلیف پہنچی ہے اس کے باوجود ارشاد فرماتے ہیں انا وجدناہ صابرا نعم العبد ہم نے اس کو صبر کرنے والا پایا اور وہ ہمارا اچھا بندہ تھا۔

حق تعالیٰ شانہ ارشاد فرماتے ہیں!

ما اصاب من مصیبة الا باذن الله ومن یؤمن بالله یهد قلبه والله بکل شئ علیم.

اور تم کو جو مصیبت بھی پہنچتی ہے وہ اللہ کے حکم سے ہی پہنچتی ہے اور اللہ اس کے دل کی راہنمائی کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر شے کو جاننے والے ہیں۔

تفسیر وتشریح وفوائد:

جو تکلیف بھی انسان کو پہنچتی ہے وہ اللہ کے حکم سے ہی پہنچتی ہے لوگ آنے والی مصیبت کو دور کرنے کیلئے غلط کاروائیاں کرتے ہیں جن سے حق تعالیٰ نے خبردار کیا ہے حقیقت یہ ہے کہ مصیبت آتی بھی اللہ کی طرف سے ہے اور اسے دور کرنے پر بھی وہی قادر ہے اس کی مشیت وارادے کے بغیر نہ مصیبت آتی ہے نہ ہی جاتی ہے جو لوگ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر مکمل یقین نہیں رکھتے وہ مصیبت کے وقت طرح طرح کے شرکیہ کام کرنے لگ جاتے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے ایمان کی قدر و قیمت سے آگاہ فرمایا کہ ایک ایمان دار آدمی کی شان بھی ہے کہ تکلیف کے آنے اور جانے کو اللہ تعالیٰ شانہ کی مشیت کے تابع سمجھتا ہے پس وہ اس پر نہ ہی بے صبری اور ناشکری کا اظہار کرتا ہے نہ ہی غیر اللہ کے سامنے دست سوال دراز کرتا ہے نہ جادو کرتا ہے نہ کسی رمل والے کے پاس جاتا ہے اور نہ ہی کوئی شرکیہ عمل کرتا ہے۔ ایسے شخص پر اللہ تعالیٰ انعام فرماتے ہیں اور اس کے دل کی راہنمائی فرماتے ہیں اور اس کے دل کو تسلیم ورضا کی دولت لازوال اور عظیم عظمت نصیب ہوتی

ہے اور پھر وہ ہر چیز کو حق تعالیٰ شانہ کے مشیت اور ارادے کی طرف منسوب کرنے لگتا ہے اور ہمیشہ اس کریم ذات بابرکات کی طرف رجوع کرتا ہے بوقت مصیبت انا للہ وانا الیہ راجعون کہتا ہے حق تعالیٰ تکلیف دے کر آزماتے ہیں کہ کون ثابت قدم رہتا ہے تسلیم و رضا کے راستے پر چلتا ہے اور کون صبر کا دامن چھوڑ بیٹھتا ہے اور دلوں کے احوال حق تعالیٰ کے سامنے ہیں۔

نبی اقدس ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ مصیبت دو قسم کی ہوتی ہے دینی اور دنیاوی دنیاوی مصیبت آسان ہوتی ہے اور موت کے ساتھ ہی ختم ہو جاتی ہے البتہ دینی مصیبت مشکل ہو جاتی ہے جو شخص دینی مصیبت میں پڑ گیا وہ ہمیشہ کے خسارے میں پڑ گیا کیونکہ دینی مصیبت مرنے کے بعد بھی انسان کا پیچھا نہیں چھوڑتی اس لئے نبی اقدس ﷺ نے دعا سکھلائی ہے اللھم لا تجعل الدنیا اکبر ھمنا ولا مبلغ علمنا ولا تجعل مصیبتنا فی دیننا اے اللہ صرف دنیا کو ہی ہمارا منتہائے مقصود نہ بنانا اور نہ ہی ہمارا مبلغ علم دنیا ہی ہو اور ہماری مصیبت دین کے معاملہ میں نہ بنانا ایسا نہ ہو کہ اس دنیا سے جاتے وقت ایمان اور توحید کی بجائے کفر و شرک لے کر جائے پاکیزگی کی بجائے نجاست اس کے حصہ میں آئے (معالم العرفان ص ۳۷۴ ج ۱۸)

علامہ عثمانی لکھتے ہیں!

دنیا میں کوئی مصیبت اور سختی اللہ کی مشیت و ارادہ کے بدوں نہیں پہنچتی مومن کو جب اس بات کا یقین ہے تو اس پر غمگین اور بددل ہونے کی ضرورت نہیں بلکہ بہر صورت مالک حقیقی کے فیصلہ پر راضی رہنا چاہیئے اور یوں کہنا چاہیئے۔

نہ شود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

اس طرح اللہ تعالیٰ مومن کے دل کو صبر و تسلیم کی راہ بتلا دیتا ہے جس کے بعد عرفان و ایقان کی عجیب و غریب راہیں کھلتی ہیں اور باطنی ترقیات اور قلبی کیفیات کا دروازہ مفتوح ہوتا ہے۔

یعنی جو تکلیف و مصیبت اس نے بھیجی عین علم و حکمت سے بھیجی اور وہی جانتا ہے کہ کون تم میں سے واقعی صبر و استقامت اور تسلیم و رضاء کی راہ پر چلتا ہے اور کس کا دل کن احوال و کیفیات کا مورد بننے

کے قائل ہے۔

یعنی نرمی و سختی اور تکلیف وراحت غرض ہر حالت میں اللہ ورسول کا حکم مانو اگر ایسا نہ کرو گے تو خود تمہارا نقصان ہے رسول سب نیک و بد سمجھا کر اپنا فرض ادا کر چکا اللہ کو تمہاری طاعت و معصیت سے کوئی نفع یا نقصان نہیں پہنچ سکتا۔

ام حسبتم ان تدخلوا الجنة ولما یاتکم مثل الذین خلوا من قبلکم مسّتھم البأساء والضراء وزلزلوا حتی یقول الرسول والذین امنوا معه متی نصر الله الا ان نصر الله قریب (البقرة:۲۱۴)

کیا تم نے گمان کر لیا ہے کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ تم پر تم سے پہلے لوگوں کے حالات جیسے تم پر حالات نہیں آئے کہ ان کو سختی اور تکلیف پہنچی اور وہ جھڑ جھڑائے گئے۔ یہاں تک کہ رسول اور اس کے ساتھ جو ایمان والے تھے پکار اٹھے اے اللہ آپ کی مدد کب آئے گی سن لو اللہ کی مدد قریب ہے۔

علامہ عثمانی لکھتے ہیں!

پہلے مذکور ہوا کہ دشمنوں کے ہاتھ سے انبیاء اور ان کی امتوں کو ہمیشہ ایذائیں ہوئیں تو اب اہل اسلام کو ارشاد ہے کہ کیا تم کو اس بات کی طمع ہے کہ جنت میں داخل ہو جاؤ حالانکہ اگلی امتوں کو جو ایذائیں پیش آئیں وہ تم کو پیش نہیں آئیں کہ ان کو فقروفاقہ اور مرض اور خوف کفار اس درجہ کو پیش آئے کہ مجبور اور عاجز ہو کر نبی اور اس کی امت بول اٹھی کہ دیکھئے اللہ نے جس مدد واعانت کا وعدہ فرمایا تھا وہ کب آئے گی یعنی بمقتضائے بشریت پریشانی کی حالت میں مایوسانہ کلمات صادر ہونے لگے انبیاء اور مومنین کا یہ کہنا کچھ شک کی وجہ سے نہیں تھا حضرت مولانا روم اس کی بات مثنوی میں فرماتے ہیں۔

در گماں افتاد جان انبیاء زاتفاق منکری اشقیاء

بلکہ بحالت اضطرار بمقتضائے بشریت اس کی نوبت آئی جس میں کوئی ان پر الزام نہیں اور ارشاد ہوا کہ ہوشیار ہو جاؤ اللہ کی مدد آئے گی گھبراؤ نہیں سوائے مسلمانوں تکالیف دنیوی سے اور دشمنوں کے غلبہ سے گھبراؤ نہیں تحمل کرو اور ثابت قدم رہو۔ (فوائد عثمانی ص 41)

علامہ قرطبیؒ اس آیت کے تحت لکھتے ہیں!

وھب فرماتے ہیں مکہ اور طائف کے درمیان ستر انبیاء کی قبریں ہیں جو بھوک اور چچڑی سے ہلاک ہوئے۔(تفسیر قرطبی ج 1 ص 446)

آیت نمبر 4:

واذ قلتم یموسی لن نصبر علی طعام واحد فادع لنا ربک یخرج لنا مما تنبت الارض من بقلھا وقثائھا وفومھا وعدسھا وبصلھا قال اتستبدلون الذی ھو ادنی بالذی ھو خیر اھبطوا مصرا فان لکم ما سالتم وضربت علیھم الذلة والمسکنة وباءو بغضب من اللہ.(البقرہ 61)

اور جب تم نے کہا اے موسیٰ ہم ہرگز ایک قسم کے کھانے پر صبر نہ کریں گے پس اپنے رب سے دعا مانگ کہ ہمارے لیے نکال دے جو اگتا ہے زمین سے ترکاری اور ککڑی اور گیہوں اور مسور اور پیاز لہسن موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ تم اعلیٰ چیز کے بدلہ میں ادنیٰ چیز لینا چاہتے ہو۔پس کسی شہر میں اتر دنا کہ تمہیں وہ ملے جو تم چاہتے ہو اور ان پر ذلت اور محتاجی آ گئی اور وہ اللہ کے غضب کو لے کر واپس لوٹے۔

اس آیت کے تحت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ لکھتے ہیں!

عارف کو اس قصہ سے یہ سبق لینا چاہیے کہ ان لوگوں کے حال سے عبرت پکڑے جو قضا پر راضی نہیں ہوئے اور جنہوں نے نعمت پر شکر اور بلا پر صبر نہیں کیا دیکھئے کس طرح ان پر ذلت طغیان لگا دی گئی اور ان کے قلوب میں حب دنیا جما دی گئی اور ان کو درجہ علیا سے گرا دیا گیا۔قـــــــال اتستبدلون الخ اس میں دلیل ہے اس پر کہ حق تعالیٰ کے ساتھ جو بندہ کا معاملہ ہے اس کو بدلنا مثلا متوکل کا کسب کو تلاش کرنا اور صاحب کسب کا بلا ضرورت ترک کسب کرنا حق تعالیٰ کی ناخوشی کا سبب ہوتا ہے جیسا ان لوگوں کو بلا کسب رزق ملتا تھا مگر انہوں نے اسباب کسب طلب کیا۔(مسائل تصوف ص 107)

آیت نمبر 5:

مثل ما ینفقون فی هذہ الحیوۃ الدنیا کمثل ریح فیھا صر اصابت حرث قوم ظلموا انفسھم فاھلکتہ. (آل عمران ۱۱۷)

ترجمہ: اور جو کچھ اس دنیاوی زندگی میں خرچ کرتے ہیں اس کی مثال اس سرد ہوا کی ہے جو ان لوگوں کی کھیتی کو لگ جائے جنھوں نے اپنے نفسوں کا نقصان کررکھا ہو پس وہ اس کو برباد کردے۔

اس کے تحت حضرت حکیم الامتؒ لکھتے ہیں!

اس آیت میں ظلموا انفسھم کی قید بتلا رہی ہے کہ مقبولین کی مصیبت صرف ظاہری ہوتی ہے حقیقی نہیں ہوتی اس لیے کہ ان کو مال کے ہلاک ہونے پر بھی اجر ملتا ہے۔ (ایضاً ۱۰۷)

آیت نمبر 6:

وان تصبروا وتتقوا لا یضرکم کیدھم شیئاً. (آل عمران ۱۰۶)

اگر تم صبر اور تقویٰ کے ساتھ رہو تو ان کی تدبیر تمھیں نقصان نہیں پہنچا سکے گی۔

اس کے تحت لکھتے ہیں۔

چونکہ بسا اوقات صبر و تقویٰ کے باوجود ضرر پہنچنا دکھائی دیتا ہے تو اس آیت سے مراد یہ ہے کہ متقی کو ضرر حقیقی کوئی نہیں پہنچا سکتا ہے۔ (ایضاً ۱۰۷)

آیت نمبر 7:

ولیبتلی اللہ ما فی صدورکم ولیمحص ما فی قلوبکم. (آل عمران ۱۵۴)

اور جو کچھ ہوا اس لیے تاکہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کو آزمائے اور تمہارے دلوں کو صاف کردے۔

اس کے تحت فرماتے ہیں۔

مصیبت میں یہ خاصیت ہے کہ اس سے قلب سے وساوس وخواطر نفس کا میل کچیل صاف کردیا جاتا ہے۔ (ایضاً ص ۱۱۱)

آیت نمبر 8:

ولو انهم رضوا ما اتٰهم الله ورسوله وقالوا حسبنا الله سیوتینا الله من فضله ورسوله. (التوبة ۵۹)

اگر وہ اس پر جو اللہ اور اس کے رسول نے ان کو دیا تھا اس پر راضی رہتے اور کہتے کہ ہم کو اللہ کافی ہے آئندہ اپنے فضل سے ہم کو اور دے گا اور اس کا رسول اور دے گا تو یہ ان کے لیے بہتر تھا۔

فرماتے ہیں: اس میں صادقین وعارفین ومریدین کے آداب کی تعلیم ہے اور اہل رضا کی علامت بیان فرمائی ہے کہ جو کچھ حق تعالیٰ کی طرف سے پیش آئے اس پر شاداں وفرحاں رہے۔ (ایضاً ۲۳۳)

یعنی جو کچھ یار کی طرف سے آئے وہ مال اچھا ہے۔

خوشا حوادث پیہم	خوشا یہ اشک رواں
جو غم کے ساتھ ہو تم	اس غم کا کیا غم ہے

آیت نمبر 9:

اولا یرون انهم یفتنون فی کل عام مرة او مرتین ثم لا یتوبون. (التوبة ۱۲۶)

کیا ان کو نظر نہیں آتا کہ وہ ہر سال ایک یا دو مرتبہ مصیبت میں پھنستے ہیں مگر پھر بھی توبہ نہیں کرتے۔

اس کے تحت فرماتے ہیں: اس سے معلوم ہوا کہ مصیبت کی حکمت یہ ہے کہ توبہ الی اللہ حاصل ہو۔ (ایضاً ۲۳۵)

آیت نمبر 10:

وفی ذلکم بلاء من ربکم عظیم. (ابراهیم ۶)

اس میں تمہارے رب کی طرف سے بڑا امتحان ہے۔

اگر ذلکم کا مشار الیہ سوء علذاب ہو اور بلا کی تفسیر انعام سے کی جائے تو اس آیت سے معلوم ہوگا کہ مومن کیلئے مصیبت بھی نفع اور تربیت ہے۔ (ایضا ۲۸۴)

آیت نمبر 11:

لکیلا تاسوا علی مافاتکم ولاتفرحوا بما اٰتکم.(الحدید ۲۳)

تاکہ جو چیز تم سے جاتی رہے اس پر غم نہ کرو اور جو آئے اس پر اتراؤ نہیں۔

اس کے تحت فرماتے ہیں۔

اس آیت میں غم وحزن کا علاج ذکر فرمایا کہ تقدیر کو یاد کر لینے سے غم وحزن کم ہو جاتا ہے۔

واصبر وماصبرک الا باللہ صبر کر تیرا صبر اللہ کے بغیر کسی کے ساتھ نہیں ہوسکتا۔

فصبر جمیل واللہ المستعان علی ماتصفون.

پس صبر اچھی چیز ہے اور تمہارے کہے پر اللہ سے مدد طلب کی جاتی ہے۔

واصبر علی ما اصابک اور تجھے جو مصیبت پہنچے اس پر صبر کرو۔

انما یوفی الصابرون اجرھم بغیر حساب صابرین کو ان کا اجر بغیر حساب کے دیا جائیگا۔

آیت نمبر 12:

فالذین ھاجروا واخرجوا من دیارھم واوذوا فی سبیلی وقاتلوا وقتلوا لاکفرن عنھم سیاٰتھم

.(ال عمران آیت نمبر ۱۹۵)

ترجمہ: پس وہ لوگ جنھوں نے ہجرت کی یا ان کو ان کے گھروں سے نکالا گیا اور ان کو میرے راستے میں تکلیف دی گئی اور انہوں نے قتال کیا اور شہید ہو گئے میں البتہ ضرور بضرور ان کی خطائیں معاف کردوں گا۔

آیت نمبر 13:

وکاین من نبی قاتل معہ ربیون کثیر فما وھنوا لما اصابھم فی سبیل اللہ وماضعفوا وما استکانوا واللہ یحب الصابرین.(ال عمران ۱۴۶)

ترجمہ: اور کتنے نبی ہیں جن کے ساتھ طالبین خدا نے مل کر قتال فی سبیل اللہ کیا اور جو ان کو تکالیف اللہ کے راستہ میں پہنچی وہ نہ تو ہارے نہ ہی سست ہوئے اور نہ مرعوب ہوئے اور اللہ صبر کرنے والوں سے محبت فرماتے ہیں۔

احادیث مبارکہ

حدیث نمبر 1: نبی اقدس ﷺ نے فرمایا ایک بندے کا ایک مقام اللہ کے ہاں متعین ہوتا ہے مگر وہ اعمال کے ذریعے وہاں تک نہیں پہنچ سکتا تو حق تعالیٰ شانہ اس کو اس کے جسم میں یا مال یا اولاد میں تکلیف دیتے ہیں پھر اس کو صبر کی توفیق دیتے ہیں یہاں تک کہ اس کو اس کے اس مقام پر جو حق تعالیٰ شانہ کے ہاں اس کا ہوتا ہے پہنچا دیا جاتا ہے (مسند احمد ابوداؤد)

حدیث نمبر 2: حضرت سعدؓ فرماتے ہیں کہ نبی اقدس ﷺ سے سوال کیا گیا لوگوں میں سب سے زیادہ مصیبت کن لوگوں کو پہنچتی ہے فرمایا انبیاء کو پھر جو ان کے قریب ہوں پھر جو ان کے قریب ہوں فرمایا آدمی کو اس کے دین کی بقدر آزمایا جاتا ہے اگر وہ دین میں پختہ ہوتا ہے تو مصیبت بھی سخت آتی ہے اور اگر دین میں کمزور ہو تو اس پر نرمی کر دی جاتی ہے پس وہ (دین دار) اسی طرح آزمائشوں میں رہتا ہے حتیٰ کہ وہ اس طرح ہو جاتا ہے کہ زمین پر چلتا ہے مگر اس کا کوئی گناہ نہیں ہوتا۔ (ترمذی۔ دارمی)

حدیث نمبر 3: حضرت ابوہریرہ اور ابوسعید خدریؓ سے منقول ہے کہ نبی اقدس ﷺ نے فرمایا کہ مومن کو جب بھی کوئی مصیبت یا تھکاوٹ یا بیماری یا غم یا پریشانی پہنچتی ہے تو وہ اس کے گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے (مسلم)

حدیث نمبر 4: حضرت حسینؓ فرماتے ہیں کہ نبی اقدس ﷺ نے فرمایا جب بھی کسی مسلمان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے اور وہ اس کو یاد کر کے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھتا ہے۔

تو اسے اتنا ہی اجر ملتا ہے جتنا وقت مصیبت اس کو عطاء ہوا تھا اگرچہ مصیبت کو ایک زمانہ گزر چکا ہو۔ (سنن ابن ماجہ)

حدیث نمبر 5: حضرت ابو ہریرہؓ نبی اقدس ﷺ سے نقل کرتے فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مسلمانوں کو بھی تھکاوٹ مصیبت پریشانی اور غم اور تکلیف وحزن حتی کہ کانٹا بھی نہیں چبھتا مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں اس کے گناہوں کو معاف فرمادیتے ہیں۔ (تفسیر بغوی ۱۳۱ج ۱)

حدیث نمبر 6: حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک عورت نبی اقدس ﷺ کے پاس حاضر خدمت ہوئی اس کو جنون کی بیماری تھی اس نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ دعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے شفا عطاء فرمادے آپ ﷺ نے فرمایا اگر تو چاہتی ہے تو میں تیرے لئے دعا کرتا ہوں اور تجھے شفا مل جائیگی اگر تو چاہتی ہے تو صبر کر تجھ پر کوئی حساب وکتاب نہ ہوگا اس نے عرض کیا یا رسول اللہ میں صبر کرتی ہوں اور مجھ پر کوئی حساب نہ ہو۔ (تفسیر بغوی ص 131ج ۱)

حدیث نمبر 7: انس بن مالکؓ نبی اقدس ﷺ سے نقل فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا لوگوں میں سے سب سے زیادہ اللہ کے ہاں اجر میں وہ آدمی بڑھا ہوا ہوگا جو مصائب میں پڑا ہوا ہوگا پس جب اللہ تعالیٰ کسی قوم سے محبت فرماتے ہیں تو اسے مصیبت میں ڈالتے ہیں جو راضی ہوتا ہے حق تعالیٰ شانہ بھی اس سے راضی ہوتے ہیں اور جو ناراض ہوتا ہے حق تعالیٰ شانہ بھی اس سے ناراض ہوتے ہیں (ایضاً)

حدیث نمبر 8: حضرت ابو ہریرہؓ نقل کرتے ہیں کہ نبی اقدس ﷺ نے فرمایا مومن مرد وعورت کو اس کی جان مال اولاد میں مصیبت زدہ رکھا جاتا ہے حتی کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملتا ہے کہ اس پر کوئی گناہ نہیں ہوتا۔ (ایضاً)

حدیث نمبر 9: حضرت ابو ہریرہؓ نقل فرماتے ہیں کہ نبی اقدس ﷺ نے فرمایا کہ مومن کی مثال کمل (کمزور پودے) کی سی ہے کہ جسے ہمیشہ ہوا حرکت دیتی رہتی ہے مومن بھی ہمیشہ مصائب میں مبتلا رہتا ہے اور منافق کی مثال سنبل کے درخت کی ہے کہ اسے ہوا ایک ہی دفعہ اکھاڑ کر پھینکتی ہے (ایضاً ۱۳۲)

حدیث نمبر 10: حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نقل فرماتے ہیں کہ نبی اقدس ﷺ نے فرمایا کہ تعجب

ہے کہ مومن پر جب اسے خیر پہنچتی ہے تو اللہ کی حمد کرتا ہے اور شکر کرتا ہے اور اگر اسے مصیبت پہنچتی ہے تو اللہ کی حمد کرتا ہے اور صبر کرتا ہے اور مومن کو اس کے ہر کام (صبر ہو یا شکر) اجر ملتا ہے حتیٰ کہ اس لقمہ پر بھی اس کو اجر ملتا ہے جو وہ اپنی بیوی کے منہ میں ڈالتا ہے۔ (ایضاً)

حدیث نمبر 11: حضرت عبادہ بن صامتؓ فرماتے ہیں کہ نبی اقدس ﷺ کے پاس ایک آدمی آیا اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ کون سا عمل افضل ہے فرمایا اللہ پر ایمان لانا اور اس کی تصدیق کرنا اس کے راستے میں جہاد کرنا اور اس نے عرض کیا یا رسول اس سے آسان کام پوچھتا ہوں فرمایا حسن اخلاق اور صبر اس نے کہا اس سے جو آسان ہو یا رسول اللہ آپ نے فرمایا حق تعالیٰ تیرے لئے جو فیصلہ تقدیر میں فرمادیں اس پر اللہ پر ناراض نہ ہو۔ (تفسیر ابن کثیر ۱۸۸)

حدیث نمبر 12: عبدالرحمٰن بن زید بن اسلمؒ فرماتے ہیں کہ عیسیٰؑ کا ایک وزیر تھا وہ ایک دن سفر پر جا رہا تھا اس پر درندے نے حملہ کیا اور اس کو کھالیا عیسیٰؑ نے عرض کیا اے اللہ وہ تیرے دین میں میرا وزیر تھا اور بنی اسرائیل کے خلاف مددگار تھا اور ان میرا خلیفہ تھا آپ نے اس پر کتے کو مسلط کر دیا کہ اس نے اس کو کھالیا تو حق تعالیٰ شانہ نے ارشاد فرمایا کہ ہاں میرے ہاں اس کا ایک مقام و مرتبہ تھا اور میں نے اس کے کسی عمل کو نہ پایا جو اس کو وہاں پہنچا سکے تو میں نے اس کو اس مصیبت میں مبتلا کیا تا کہ وہ اس مقام تک پہنچ سکے۔

حدیث نمبر 13: حضرت وھبؒ فرماتے ہیں میں نے حواریوں کی ایک کتاب میں پڑھا اگر اللہ تجھے کوئی مصیبت دے تو اس میں اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر اس لئے کہ وہ تجھے انبیاء اور صالحین کے راستہ پر اس مصیبت کی وجہ سے چلائے گا اور اگر اللہ تعالیٰ تجھے آسانی کے راستے پر چلاتے ہے تو اپنے آپ پر رو اس لئے کہ تجھے ان کے راستے سے ہٹا دیا گیا۔ (الجامع لاحکام القرطبی ص ۲۷۹ ج ۲)

حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے ابن آدم اگر تو صدمہ اولیٰ کے وقت صبر کرے اور ثواب کی امید باندھے تو میں تیرے لئے

جنت کے علاوہ کسی دوسرے ثواب سے راضی نہ ہوں گا۔ (یعنی تیرے صبر اور احتساب کا بدلہ جنت ہی ہے) (رواہ ابن ماجہ)

حضرت انسؓ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ کا ایک عورت پر گزر ہوا وہ ایک قبر کے پاس رو رہی تھی آپ نے اسے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈر اور صبر کر۔ اس عورت نے آپ کو پہچانا نہیں کہنے لگی کہ تو مجھے چھوڑ دو کیونکہ تمہیں وہ مصیبت نہیں پہنچی جو مجھے پہنچی ہے (اگر تمہیں ایسی مصیبت پہنچی تو پتہ چلتا کیسی مصیبت ہے اس کے بعد آپ تشریف لے گئے) اس عورت سے کسی نے کہا (تجھے معلوم ہے کس کو تو نے بے ڈھنگا جواب دیا ہے) آپ نبی کریم ﷺ تھے یہ سن کر وہ عورت بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئی دروازہ پر پہنچی تو وہاں دربان (چوکیدار) نہ پایا (حالانکہ اس کو خیال تھا کہ آپ بہت ٹھاٹھ باٹھ سے رہتے ہوں گے اور آپ کے دروازہ پر بادشاہوں کی طرح دربان ہوں گے یہ دیکھ کر حیرت میں رہ گئی کہ سید الخلائق کی کیسی سادہ زندگی ہے) کہنے لگی یا رسول اللہ ﷺ میں نے آپ کو پہچانا نہیں (اس لئے ایسا جواب دیا) آپ نے فرمایا اصلی صبر وہی ہے جو تازہ تازہ مصیبت کے موقعہ پر ہو (کیونکہ وقت گزر جانے پر خود ہی صبر آجاتا ہے) (بخاری، مسلم)

نبی اقدس ﷺ نے فرمایا افضل عبادت کشادگی کا انتظار ہے۔ (ترمذی)

نبی اقدس ﷺ نے فرمایا مومن پر تعجب ہے کہ اس کا سارا کام خیر ہی خیر ہے اور یہ بات سوائے مومن کے کسی کو حاصل نہیں اگر اس کو نعمت پہنچتی ہے تو شکر کرتا ہے تو یہ بھی اس کیلئے بہتر ہوتا ہے اور اگر اس کو برائی پہنچتی ہے تو صبر کرتا ہے یہ بھی اس کیلئے بہتر ہے۔

نبی اقدس ﷺ نے فرمایا:

ان اللہ اذا احب قوماً ابتلاھم فمن رضی فلہ الرضا ومن سخط فلہ السخط۔

اللہ تعالیٰ جب کسی قوم سے محبت فرماتے ہیں تو اس کو آزمائش میں مبتلا کرتے ہیں پس جو راضی رہتا ہے اللہ بھی اس سے راضی رہتے ہیں اور جو ناراض ہوتا ہے اللہ بھی اس سے ناراض ہو جاتے ہیں۔

ایمان کے لوازم میں سے ہے کہ ہم تقدیر پر راضی رہیں اور ضروری نہیں کہ ہر وقت تقدیر ہماری خواہش کے مطابق ہو اور نہ ہی ہمارا اختیار ہے تقدیر کو تبدیل کرنے پر ہمیں عبودیت اور تسلیم کے مقام پر رہنا چاہیئے۔

نبی اقدس ﷺ نے فرمایا:

ان نفساً لن تموت حتی تستکمل رزقها واجلها.

انسان اس وقت تک ہرگز ہرگز نہیں مرے گا جب تک اپنا رزق اور اجل کو پورا نہیں کر لیتا پس پھر پریشانی کیوں ہے اور جزع فزع کیوں ہیا اور حرص کیوں ہے۔(الرعد ۸)

وکل شی عنده بمقدار

اللہ کے ہاں ہر چیز اندازے سے ہے۔

وکان امر الله قدراً مقدوراً.

اللہ کا امر مقدر شدہ ہے۔

نبی اقدس ﷺ نے فرمایا حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔

من قابضت صفیه من اهل الدنیا ثم احتسبه عوضته منه الجنة(بخاری)

جس آدمی کی کوئی دنیاوی نعمت میں چھین لیتا ہوں پھر وہ اس پر اجر کی امید کرتا ہے تو میں اس کے بدلے میں اسے جنت عطا کرتا ہوں۔

دوسری حدیث قدسی میں ہے!

من ابتلیته بحبیبته(ای عینیه) عوضته من الجنة (بخاری).

جس آدمی کو میں نے نابینا کر دیا میں اس کے بدلے میں اسے جنت عطا کروں گا۔

ایک حدیث پاک میں ہے۔

یتمنی الناس یوم القیامة انهم قرضوا بالمقاریض لمایرون من حسن عقبی و ثواب المصابین.

جب قیامت کے دن لوگ مصیبت زدوں کے اجر و ثواب اور حسن انجام کا مشاہدہ کریں گے تو تمنا کریں گے کہ کاش دنیا میں انکے جسموں کو قینچیوں سے کاٹ دیا جاتا۔

من اصبح والآخرة همه جمع الله شمله وجعل غناه في قلبه واتته الدنيا وهي راغمة ومن اصبح والدنيا همه فرق الله عليه شمله وجعل فقره بين عينيه ولم ياته من الدنيا الا ما كتب له.

جو آدمی صبح کرتا ہے اس حال میں کہ اس کا غم آخرت کا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی ہمت کو مضبوط کر دیتے ہیں اور اس کے غنا کو اس کے دل میں ڈال دیتے ہیں اور دنیا اس کے پاس ذلیل ہو کر آتی ہے اور جو اس حال میں صبح کرتا ہے کہ اس کا غم دنیا کا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی جمعیت قلب کو منتشر کر دیتے ہیں اور اس کا فقر اس کے سامنے کر دیتے ہیں اور دنیا اس کو وہی ملتی ہے جو اس کے مقدر میں ہوتی ہے۔

اہل محشر کے مختلف گروہ!

حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ قیامت کے دن کچھ پارٹیاں بنادی جائیں گی مختلف اوصاف کے لحاظ سے ان میں کچھ وہ ہوں گے جن کے پاس اعمال سیئہ ہیں ان میں جو عمل غالب ہوگا اسی اعتبار سے وہ گروہ بنائے جائیں گے مثلاً معاذ اللہ زانیوں کا ایک گروہ ہوگا چوروں کا ایک گروہ ہوگا اسی لحاظ سے اور دوسری پارٹیاں ہوں گی اور کچھ لوگ وہ ہوں گے جو اللہ کے پسندیدہ اور محبوب ہیں ان میں جو عمل سب اعمال میں غالب ہوگا اس کے اعتبار سے جماعت بندی کر دی جائے گی مثلاً جس شخص کو اپنے اعمال میں نماز سے زیادہ شغف رہا ہے اس کو نمازیوں کی جماعت میں شامل کر دیا جائے گا اور جس کو روزہ سے زیادہ شغف رہا ہے اس کو روزے داروں کی جماعت میں شامل کر دیا جائے گا جس میں صدقات کا غلبہ تھا اس کی ویسی ہی جماعت بنادی جائے گی اور ہر جماعت لاکھوں اور کروڑوں کی تعداد میں ہوگی جس میں بھی جو وصف اور عمل غالب رہا ہے اسی انداز سے ان کی جماعتیں بنادی جائیں گی اسی طرح سے دنیا میں جو اہل مصیبت گزرے ہیں ان کی جماعتیں بنادی جائیں گی اسی طرح سے دنیا میں جو اہل مصیبت گزرے ہیں ان کی جماعتیں الگ ہوں گی مثلاً نابینا جتنے ہیں ان کی ایک جماعت بنائی جائے گی آدمؑ کی اولاد میں جتنے نابینا گزرے ہیں وہ سب ایک جماعت میں ہوں گے اور ان کا امام بنایا جائے گا حضرت شعیبؑ کو آخری عمر میں ان کی

بینائی زائل ہو گئی تھی ان کے ہاتھ میں ایک سفید جھنڈا ہوگا وہ بجلی کی طرح چمکتا ہوگا حق تعالیٰ ان اندھوں سے خطاب کر کے فرمائیں گے کہ میں نے دنیا میں تمہاری آنکھیں چھین لی تھیں ایک بڑی نعمت سے تمہیں محروم کر دیا تھا مگر تم نے صبر کیا کوئی جزع وفزع نہیں کیا آج تم کھلی آنکھوں ہو اور یہ حضرت شعیبؑ نورانی جھنڈا لئے جا رہے ہیں اب تم میرے چہرے اور جمال کو دیکھتے رہو ابد الآباد تک تمہاری بینائی آج کھول دی گئی اور فرمایا جائے گا کہ یمین عرش (عرش کی دائیں جانب) میں آ کر قیام کرو تم ہمارے مہمان ہو ان کے سامنے نعمتیں رکھی جائیں گی خدا کا کتنا بڑا احسان ہوگا کہ میدان محشر بپا ہے مخلوق کا حساب کتاب ہو رہا ہے اور یہ نابینا لوگ کھلی ہوئی آنکھیں اور اللہ کے یہاں مہمان ہوں گے اور نعمتیں استعمال کر رہے ہوں گے تو جب ان نابینا حضرات کی جماعت اس شان سے آئے گی اور حق تعالیٰ ان سے کلام فرما کر مہمان بنائیں گے ٹھیک اسی وقت میں علماء کی جماعت آگے بڑھے گی اور علماء کہیں گے کہ ہماری ہی تلقین سے اور ہمارے ہی بتلانے سے انہوں نے صبر کیا ہمیں کوئی پوچھتا نہیں اور ان اندھوں کو یمین عرش میں جگہ دے دی گئی حق تعالیٰ ان نابینا حضرات سے فرمائیں گے کہ انہیں کہنے دو تم آؤ یمین عرش میں عرش کی دائیں جانب نعمتوں میں آ جاؤ علماء وہیں کھڑے رہ جائیں گے۔

اس کے بعد بلایا جائے گا ان کو جو جذام کے مرض میں مبتلا تھے کہ دنیا والوں نے ان کو اچھوت بنا دیا تھا محشر کے دن ان کے بدن چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتے ہوں گے اور ان کا امام بنایا جائے گا حضرت ایوبؑ کو اور ان کو سبز جھنڈا دیا جائے گا کیونکہ انہوں نے بہت تکلیفیں اٹھائیں اور بہت بیماریاں سہی حق تعالیٰ فرمائیں گے کہ تم بھی یمین عرش میں آ جاؤ پھر علماء ابھریں گے کہ ہمارے ہی کہنے سے تو انہوں نے صبر کیا اور دل میں تسکین پیدا ہوئی اور ہمیں کوئی پوچھتا نہیں اندھوں کو بھی بٹھلا دیا اور کوڑھیوں کو بھی بٹھلا دیا اور ہمیں کوئی پوچھتا نہیں حق تعالیٰ فرمائیں گے کہنے دو تم ان علماء کو تم آگے چلو اسی طرح سے معاملہ ہوگا اور اہل مصیبت کا جب یہ سب نمٹ جائیں گے

پھر حق تعالیٰ علماء کو خطاب فرمائیں گے کہ کیا تم صرف نعمتیں ہی حاصل کرنا چاہتے ہو؟ کیا تم اسی لئے پیدا کیے گئے تھے کہ صرف اپنی ذاتی ہی نفع ڈھونڈو؟ نہیں بلکہ تم بھیجے گئے تھے دنیا کی ہدایت کیلئے۔ یہاں لوگوں کی شفاعت کرو کھڑے ہو کر جب سب کو بخشوا لو گے تب تم آگے بڑھنا تم اپنے کام کیلئے نہیں پیدا کیے گئے تھے دنیا کے انسانوں کو نفع پہنچاؤ اس وقت ان کا رتبہ ظاہر ہوگا وہ شفاعتیں کریں گے اور لاکھوں آدمی ان کی شفاعت کے بدولت بخشے جائیں گے رب العالمین فرمائیں گے کہ اب تم نے اپنا کام پورا کیا ہے دنیا میں ہدایت کی۔ یہاں شفاعت کی۔ تم یہ چاہتے تھے کہ تمہیں کوئی عہدہ مل جائے کوئی نعمت مل جائے یہ تمہارا کام نہیں تھا تمہارا کام یہ تھا کہ دنیا کو سب کچھ ملے اور تم الگ کھڑے رہو اس کے بعد تمہیں اجر ملے تو بہرحال یہ جو عین عرش میں جائیں گے بھی ہیں وہ جسے میں نے عرض کیا تھا کہ اللہ کے پہلو میں جگہ مل جائے گی کہ دنیا میں انہوں نے اللہ کو عقیدہ کی آنکھ سے دیکھا تھا قبر میں اس کے جلوے دیکھے میدان محشر میں اس کی تجلی دیکھی اور آخر میں جا کر مل جائیں گے یعنی عرش میں حق تعالیٰ کے پہلو میں بیٹھ جائیں گے۔ (بحوالہ کتاب تحفۃ حفاظ ص ۳۱)

امام رازیؒ فرماتے ہیں!

آدمی قضاء پر راضی دو طرح سے ہوتا ہے یا تو تصرف سے یا جذب سے تصرف پھر کئی طرح سے ہوتا ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ آدمی کا دل جب کسی چیز کی طرف مائل ہوتا ہے اس چیز کو ہی آفات کا ذریعہ بنا دیا جاتا ہے اس وقت دل کا رخ عالم حادث سے حق تعالیٰ نے کی جانب پھر جاتا ہے پس آدمؑ کا دل جب جنت میں لگ گیا تو اللہ تعالیٰ جنت کو ہی آزمائش کا ذریعہ بنا دیا حتی کہ جنت زائل ہوگئی اور آدمؑ اللہ کے ذکر کے ساتھ رہ گئے اور یعقوبؑ جب یوسفؑ کے ساتھ انس پکڑنے لگے اللہ تعالیٰ نے یعقوبؑ اور یوسفؑ کے درمیان جدائی ڈال دی پس یعقوبؑ صرف اللہ تعالیٰ کی

یاد کے ساتھ باقی رہ گئے نبی اقدس ﷺ نے جب اہل مکہ سے نصرت واعانت کے بارے میں امید لگائی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے سب سے زیادہ مخالف کردیا حتیٰ کہ آپ ﷺ نے فرمایا جس قدر مجھے اذیت دی گئی ہے کسی نبی کو نہیں دی گئی دوسری صورت یہ ہے کہ اس چیز کو اذیت کا سبب نہ بنادیا جائیگا مگر اس کو راستہ سے ہٹا دیا جائے حتیٰ کہ نہ رحمت رہے نہ عذاب اب بھی بندہ اللہ کی طرف سے رجوع کرتا ہے تیسری صورت یہ بھی ہے کہ بندہ جب کسی طرف سے کسی چیز کی امید کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بغیر واسطہ کے اس کی متوقع چیز سے بہتر عطا فرماتے ہیں پس بندہ اللہ تعالیٰ سے حیا کرتا ہے اور اس کی رحمت کے دروازے کی طرف ہی رجوع کرتا ہے اور بطریق جذب یہ ہے جیسا کہ نبی اقدس ﷺ نے فرمایا حق کی جذبات میں سے ایک جذبہ بھی جن وانس کے عمل کے مساوی ہے جس کو حق تعالیٰ جذب کرتے ہیں وہ مغلوب ہوجاتا ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ غالب ہیں وہ مغلوب نہیں ہوتا تو بندہ حق تعالیٰ ہی میں مشغول ہوجاتا ہے اور غیر سے غافل ہوجاتا ہے اس وقت بندہ اپنے نفس سے فانی ہوجاتا ہے پس اس وقت وہ حق تعالیٰ کے ہر فیصلہ پر راضی رہتا ہے۔
(ملخصاً از تفسیر کبیر ص ۱۷۶ ج ۴)

سیدنا فاروق اعظمؓ نے فرمایا صبر کی وجہ سے ہم نے زندگی کا حسن پالیا۔

اہل سنت مصیبت کے وقت تین کام کرتے ہیں (۱) صبر (۲) دعا (۳) کشادگی کا انتظار۔

سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ایمان میں صبر ایسے ہے جیسے جسم میں سر جیسے سر کے کاٹے جانے کے بعد جسم باقی نہیں رہتا پھر بلند آواز کر کے فرمایا جسمیں صبر نہیں ہے اس میں ایمان نہیں۔

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں صبر بھلائی کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے یہ اللہ تعالیٰ اس آدمی کو دیتا ہے جو اللہ کے ہاں صاحب مرتبہ ہوتا ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نہیں کسی بندے کو کوئی نعمت دیتے پھر اس سے لے لیتے ہیں اور اس کی جگہ اس کو صبر عطا فرماتے ہیں مگر یہ کہ اس کو بہتر چیز عطا فرمائی۔

میمون بن مہرانؒ فرماتے ہیں صبر سے بڑھ کر کوئی چیز آدمی نہیں پاتا۔

سلیمان بن قاسمؒ فرماتے ہیں ہر عمل کا ثواب معلوم ہے سوائے صبر کے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ صابرین کو بغیر حساب کے اجر عطا فرمایا جائیگا۔

قضاوقدر!

ایک غموں و تفکرات کے مریض نے طبیب سے غموں کا علاج پوچھا تو اس مسلمان طبیب نے جواب دیا اللہ تعالیٰ عالم کو پیدا کرنے سے اور اس کی تقدیر لکھنے سے فارغ ہو چکے ہیں عالم میں کوئی حرکت اور سکون نہیں ہوتی مگر اللہ کی اجازت کے ساتھ تو حزن وملال اور خوف کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی تقدیر کو مخلوق کے پیدا کرنے سے بھی پچاس ہزار سال قبل لکھ دیا تھا۔

تکالیف ومصائب اولیاء کرام کی نظر میں:

حضرت خواجہ فریدالدین گنج شکرؒ فرماتے ہیں راہ سلوک میں سالک پر جس قدر رنج و تکلیف ومصیبت نازل ہوگی وہ اللہ تعالیٰ سے قریب تر ہوتا جائیگا کیونکہ اس کے ذریعے سے وہ اللہ کی طرف سے یاد کیا جاتا ہے چنانچہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری تکلیف میں اس کی زیادتی کی دعا کرتے تھے اور اپنے ایمان کی صحت اسی میں سمجھتے تھے۔ (راحت القلوب ص ۹۳)

خواجہ حسن سنجری لکھتے ہیں اس راہ میں صبر رضا توکل لازمی چیزیں ہیں بلا ومصیبت کے وقت شکایت نہ کرنا صبر کرنا ہے اور بلا اور مصیبت کے وقت اپنی کراہت کا اظہار نہ ہونے دینا رضا ہے جو ظاہر ناممکن عمل معلوم ہوتا ہے لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے مثلاً تیز رو مسافر کے پاؤں میں کانٹا چبھ جاتا ہے تو وہ کانٹے کا خیال کئے بغیر اپنی راہ طے کرتے چلا جاتا ہے یا ایک سپاہی جنگ میں مشغول ہوتا ہے تو پھر اس کو اپنے زخم کا خیال مطلق نہیں ہوتا (فوائد الفوائد ص ۵۳)

مولانا رومؒ مثنوی میں فرماتے ہیں صد ہزاراں کیمیا حق آفرید۔ کیمیائے ہمچو صبر آدم نہ دید لاکھوں کیمیا حق تعالیٰ نے پیدا فرمائے مگر صبر جیسی کیمیا کسی انسان نے نہ دیکھی۔

مکر شیطان است تعجیل وشتاب لطف رحمان است صبر واحتیاط عجلت اور جلد بازی مکر شیطانی ہے اور صبر اور احتیاط فیض لطف رحمانی ہے۔

رضا کی حقیقت:

حضرت علی ہجویریؒ رضا کی حقیقت آشکار فرماتے ہوئے لکھتے ہیں ان مذاہب کی تفصیل بیان کرنے سے پہلے ہم رضا کی حقیقت کو ثابت اور اس اقسام کو بیان کرینگے اور اس کے بعد حال کی حقیقت اور ان کا فرق واضح کرینگے جاننا چاہیئے کہ رضا کی حقیقت کتاب وسنت سے ثابت ہے اور امت کا اس پر اتفاق ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ۔

رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ. اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا اور وہ اس سے راضی ہوئے نیز فرمان الٰہی ہے کہ لقد رضی اللہ عن المومنین اذیبا یعونک تحت الشجرۃ تحقیق اللہ تعالیٰ مومنین سے راضی ہوا جب وہ پیغمبر ﷺ سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے۔

اور پیغمبر ﷺ کا ارشاد ہے!

ذاق طعم الایمان من رضی باللہ رباً.

اس آدمی نے ایمان کا مزہ چکھ لیا جو اللہ تعالیٰ کے رب ہونے پر راضی ہوا۔

رضا کی اقسام

رضا دو طرح کی ہوتی ہیں!

ایک اللہ تعالیٰ کا بندے سے راضی ہونا اور دوسری بندے کا اللہ تعالیٰ سے راضی ہونا۔ حق تعالیٰ کی رضا کی حقیقت یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے بندے کیلئے ثواب نعمت اور کرامت عطا کرنے کا ارادہ فرمالیں اور بندے کی رضا کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ اس کے احکام پر ثابت قدم رہے اور اس کے ہر فرمان کے سامنے اپنا سر تسلیم خم کردے پس حق تعالیٰ کی رضا بندے کی رضا پر مقدم ہوتی ہے کیونکہ

جب تک حق تعالیٰ بندے کو توفیق نہ بخشیں وہ نہ تو اس کے حکم کی تعمیل کر سکتا ہے اور نہ ہی اس کے فرمان پر ثابت قدم رہ سکتا ہے اس لئے کہ رضائے بندہ رضائے الٰہی کے ساتھ وابستہ ہے اور اس کا قیام اس کی ذات کے ساتھ ہے۔

خلاصہ کلام:

بندہ کی رضا یہ ہے کہ اس کا دل قضائے الٰہی کی دونوں طرفوں یعنی قضائے منع اور قضائے عطا پر یکساں طور پر مطمئن رہے اور اس کا باطن جمالی اور جلالی دونوں طرح کے احوال کا نظارہ کرنے پر مستقیم رہے۔ چنانچہ قضائے الٰہی اگر کسی چیز کے نہ دینے پر ٹھہر جائے یا اس کے عطا کرنے پر سبقت کرے تو رضائے بندہ کے نزدیک دونوں حالتیں برابر ہوں اور اگر ہیبت وجلال خداوندی کی آگ سے جل جائے یا اس کے جمال اور نور لطف سے روشن ہو جائے تو یہ جلنا اور روشن ہونا اس کے دل کے نزدیک برابر ہو کیونکہ وہ حق تعالیٰ کا مشاہدہ کرنے والا ہے لہٰذا اس کی ذات سے جو کچھ بھی مشاہدہ میں آئے بندہ کیلئے بہتر ہی ہے جیسا کہ امیر المومنین حضرت حسن ابن علی کرم اللہ وجہہ سے لوگوں نے حضرت ابوذر غفاریؓ کے اس قول کے متعلق پوچھا کہ: الفقر احب الی من الغناء والسقم احب الی من الصحۃ.

میرے لئے فقر دولت مندی سے اور بیماری صحت سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

تو حضرت حسنؓ نے فرمایا!

رحم اللہ اباذر اما انا فاقول من اشرف علی حسن اختیار اللہ لہ لم یتمنی غیر ما اختار اللہ لہ.

اللہ تعالیٰ حضرت ابوذرؓ پر رحم کرے تاہم میں تو یہ کہتا ہوں کہ جو آدمی اپنے بارے میں اللہ تعالیٰ کی پسند کردہ چیز کے حسن پر آگاہ ہو جائے وہ اللہ تعالیٰ کی اپنے لئے اختیار کردہ چیز کے علاوہ کسی چیز کی آرزو نہیں کرتا اور جب حق تعالیٰ کے اختیار کو دیکھ کر اپنی پسند اور اختیار سے اعراض کرتا ہے وہ ہر قسم کے غم واندوہ سے نجات پالیتا ہے اور یہ چیز حق تعالیٰ سے دوری کی حالت میں نصیب نہیں ہوتی کیونکہ اس کیلئے تو حضور حق ضروری ہے۔

لان الرضا للاحزان نافیۃ وللغفلۃ معالجۃ شافیۃ.

کیونکہ قضائے الٰہی پر رضا غموں کو دور کرنے والی اور غفلت کیلئے علاج شافی ہے۔ یعنی حق تعالیٰ کے فیصلوں پر رضا انسان کو غموں سے دور کرتی ہے یعنی غفلت سے چھڑاتی غیر خدا کا خیال دل سے دور کرتی اور مشقتوں کی قید سے آزاد کرتی ہے کیونکہ رضا کی صفت رہائی دلاتا ہے لیکن رضا کی اصل حقیقت یہ ہے کہ بندہ یہ جان لے کہ کسی چیز کا ملنا یا نہ ملنا اللہ عزوجل کے علم اور ارادہ کے مطابق ہوتا ہے اور یہ اعتقاد رکھے کہ ہر طرح کے احوال میں اللہ تعالیٰ اس کو دیکھتے ہیں۔

ارباب رضا کی قسمیں:

اور اس طرح اعتقاد رکھنے والے حضرات چار طرح کے ہیں۔

(۱) وہ گروہ جو دنیا کی نعمتوں پر راضی رہتا ہے۔

(۲) وہ گروہ جو دنیا کی آزمائشوں اور مصائب و آلام پر راضی ہوتا ہے۔

(۳) وہ گروہ جو اللہ کی ذات اور اس سے محبت پر راضی رہتا ہے۔

(۴) اور وہ گروہ جو معرفت حق تعالیٰ پر راضی رہتا ہے۔

پس جو شخص عطاء کرنے والے کو پیش نظر رکھتے ہوئے عطاء کو دیکھتا ہے اور اس عطاء کو صدق دل سے قبول کرتا ہے اور جب صدق دل سے قبول کر لیتا ہے تو ہر قسم کی کلفت اور مشقت اس سے دور ہو جاتی ہے اور جو آدمی عطاء کو پیش نظر رکھ کر عطاء کرنے والے کو دیکھتا ہے رضا کے راستے پر تکلیف کے ساتھ چلتا ہے جب تکلیف میں تمام رنج اور مشقتیں موجود ہیں اور معرفت حقیقت کی صورت اس وقت اختیار کرتی ہے جب بندہ معرفت کے حق میں مکاشف ہو جائے لیکن اگر معرفت اس کے لئے مشاہدہ حق میں حجاب اور رکاوٹ بن جائے تو وہ معرفت ناشناسائی وہ نعمت عذاب اور وہ عطاء در حقیقت پردہ ہو جاتی ہے اور باقی جو آدمی حق تعالیٰ سے دنیا پر ہی راضی ہو جائے وہ ہلاکت اور نقصان میں رہتا ہے کیونکہ وہ رضا اس کیلئے آتش دوزخ کا سبب بن جاتی ہے کیونکہ تمام کی تمام دنیا بھی اس لائق نہیں کہ اس سے دل لگایا جائے یا ذرہ برابر بھی اسکے غم کا بوجھ دل پر ڈالا جائے اور نعمت اسی وقت نعمت ہوتی ہے جب وہ انعام کرنے والے کی طرف رہنمائی کرے لیکن اگر وہ منعم

سے حجاب بن جائے تو پھر وہ نعمت مصیبت ہوتی ہے اور جو شخص آزمائش پر حق تعالیٰ سے راضی رہتا ہے وہ وہ شخص ہے جو بلا میں بھی بلا بھیجنے والے کی طرف دیکھے اور اس بلا کی مشقت کو بلا بھیجنے والے کے مشاہدہ سے برداشت کرے کیونکہ دوست کے مشاہدہ کی صورت میں بلا کی مشقت' مشقت ہی نہیں رہتی اور رہے باقی وہ لوگ جو حق تعالیٰ کی طرف سے برگزیدگی اور اس کی محبت پر راضی رہتے ہیں۔

وہ حق تعالیٰ کے ایسے عاشق ہیں کہ رضا اور ناراضگی میں ان کا وجود عارضی ہوتا ہے ان کا دل حق تعالیٰ کی محبت کے علاوہ کسی کی منزل نہیں ہوتا اور اس کے اسرار کا خیمہ محبت الٰہی کے گلستان کے بغیر کہیں نہیں ہوتا یہ بارگاہ خداوندی کے وہ حاضر ہیں جو ماسوی اللہ سے غائب ہیں وہ فرشی ہیں جن کا تصور عرش پر ہے وہ جسم ہیں جن کی روح نورانی ہے اور وہ موحد ربانی ہیں کہ جنکا دل مخلوق سے جدا ہے یہ لوگ تمام کائنات سے اپنے باطن کو روک کر مکاشفات اور احوال کی جستجو میں گرفتار ہیں اور محبت الٰہی میں کمربستہ ہوکر اس کے لطف وکرم کیلئے سراپا انتظار بنے بیٹھے ہیں۔

انہی کے متعلق حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

لا یملکون لانفسہم ضرا ولا نفعا ولا یملکون موتا ولا حیوۃ ولا نشورا.

وہ اپنے نفسوں کیلئے نہ تو نقصان اور نفع کے مالک ہیں اور نہ ہی موت زندگی اور دوبارہ اٹھائے جانے کا ان کے پاس کوئی اختیار ہے۔

پس حق تعالیٰ کے علاوہ کسی اور چیز کیلئے رضا نقصان ہے اور کسی چیز کے بغیر حق تعالیٰ سے رضا رضوان الٰہی کا ذریعہ ہے کیونکہ اس کے علاوہ کسی چیز سے راضی ہونا ہلاکت اور صرف حق تعالیٰ پر راضی ہو جانا بڑی سعادت ہے اور اسی میں عافیت ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ!

من لم یرضی باللہ وبقضاء م شغل قلبہ ونصب بدنہ.

جو شخص اللہ تعالیٰ پر اور اس کے فیصلوں پر راضی نہیں ہوتا وہ اپنے دل کو اسباب کی تلاش میں مشغول اور اپنے بدن کو مصیبتوں میں مبتلا کر دیتا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

مشائخ کے اقوال:

آثار میں آتا ہے کہ حضرت موسیٰ نے دعا کی۔

اللهم الهمني على عمل اذا عملت رضيت عني.

اے اللہ! ایسا عمل بتا جسے میں سرانجام دوں تو تو مجھ سے راضی ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ نے جواب میں ارشاد فرمایا:

انک لا تطيق ذلک يا موسى فخر موسى ساجداً متضرعاً فاوحى الله اليه يابن عمران ان رضائي في رضاک بقضائي .

اے موسیٰ تجھ میں اس چیز کی طاقت موجود نہیں۔

پس حضرت موسیٰ سجدہ میں گر کر عاجزی وزاری کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی فرمائی کہ اے عمران کے بیٹے میری رضاء میری قضا پر تیرے راضی رہنے میں ہے۔ یعنی جب کوئی بندہ اللہ تعالیٰ کے فیصلوں پر راضی رہتا ہے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہیں۔

حضرت بشر حافیؒ نے ایک مرتبہ حضرت فضیل بن عیاضؒ سے پوچھا کہ زھد کی فضیلت زیادہ ہے یا رضا کی؟

حضرت فضیلؒ نے فرمایا:

الرضا افضل من الزهد لان الراضي لايتمنى فوق منزله .

رضا زھد سے افضل ہے کیونکہ قضا پر راضی رہنے والا اپنی اس منزل سے اوپر کی آرزو نہیں رکھتا۔ یعنی زھد کی منزل سے اوپر اور بھی منزل ہے جس کیلئے زاھد کے دل میں تمنا پیدا ہوئی اور رضا کے اوپر کوئی منزل نہیں پس سب سے آخری منزل افضل ہے اس منزل سے جس کے بعد بھی منزلیں موجود ہیں اور یہ حکایت حضرت محاسبیؒ کے قول کی صحت پر دلیل ہے کہ رضا احوال میں سے ہے منازل میں سے نہیں اور یہ حق تعالیٰ کی عطا پر منحصر ہے اس کا حصول کسب ومحنت سے نہیں ہوتا۔

اور نبی ﷺ کے متعلق آتا ہے کہ اپنی دعا میں کہا کرتے تھے کہ اسئلک الرضا بعد القضاء اے

اللہ! میں قضا کے آ جانے پر تیری رضا کا تجھ سے سوال کرتا ہوں یعنی مجھے وہ صفت عطاء کر کہ جب تیری طرف سے قضا میرے مقدر ہو تو مجھ کو اس پر راضی پائے اس سے یہ بات بھی درست ہو گئی کہ قضا کے وورود سے پہلے رضا درست نہیں کیونکہ قضا کے وارد ہونے سے پہلے رضا کا ارادہ تو ہوتا ہے لیکن عزم رضا نہیں ہو سکتا۔

حضرت ابو العباس بن عطا فرماتے ہیں کہ:

الرضاء نظر القلب الی قدیم اختیار اللہ للعبد.

رضا یہ نام ہے دل کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندے کیلئے ازلی اختیار پر نگاہ رکھنے کا یعنی اسے جو بھی مصیبت پہنچے جان لے کہ میرے لئے اس مصیبت کا حق تعالیٰ کی طرف سے ازلی ارادہ اور حکم موجود تھا اور اس پر بے قرار نہ ہو بلکہ اپنے دل میں خوشی محسوس کرے۔

اس مذہب والے حضرت حارث محاسبیؒ فرماتے ہیں کہ:

الرضاء سکون القلب تحت مجاری الاحکام.

احکام الٰہی کے جاری ہونے پر دل کے مطمئن رہنے کا نام رضا ہے۔

اور اس معاملے میں آپ کا مذہب بڑا قوی ہے کیونکہ سکون اور طمانیت قلب بندہ کے کسب و محنت سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کے عطیات میں سے ایک عطیہ ہے اور یہ اس بات پر دلیل ہے کہ رضا احوال میں سے ہے مقامات میں سے نہیں کہتے ہیں کہ حضرت عتبۃ الغلامؒ ایک مرتبہ پوری رات نہ سوئے اور صبح تک یہی کہتے رہے۔

ان تعذبنی فانالک محب وان ترحمنی فانالک محب.

اگر تو مجھے عذاب دے پھر بھی میں تجھ سے محبت کرتا ہوں اور اگر مجھ پر رحم کرے پھر بھی میں تیرا محب ہی ہوں۔ یعنی عذاب کی تکلیف اور نعمت کی لذت دونوں جسم پر ہوتی ہے جب کہ دوستی کی بے قراری دل میں ہوتی ہے لہذا جسم کی تکلیفیں دل کی محبت پر اثر انداز نہیں ہو سکتیں یہ بھی حضرت محاسبیؒ کے قول کی تائید ہی ہے کہ رضا محبت کا نتیجہ ہوتی ہے کہ محبوب کے ہر فعل پر محب راضی رہے اگر محبوب اس کو عذاب میں رکھے تو بھی دوستی کی وجہ سے حجاب میں نہیں ہوتا بلکہ خوش ہوتا ہے

اور اگر محبوب اس کو نعمت میں رکھے تو بھی دوستی سے حجاب میں نہیں ہوتا اور حق تعالیٰ کے اختیار کے مقابلہ میں اپنے اختیار کو ہیچ سمجھتا ہے۔

حضرت ابو عثمان خیریؒ فرماتے ہیں کہ:

منذ اربعین سنة ما اقامنی فی حال کرهته وما نقلنی الی غیره فسخطته۔

چالیس سال کے عرصہ سے اللہ تعالیٰ نے مجھے جس حال بھی رکھا میں نے ناپسند نہیں کیا اور اگر اس حال سے دوسرے حال میں تبدیل کیا تو میں نے برا نہیں منایا یہ دوام رضا اور کمال محبت کی طرف اشارہ ہے حکایت میں سے ایک حکایت مشہور ہے کہ ایک درویش دریائے دجلہ میں گر پڑا جبکہ وہ تیرنا بھی نہیں جانتا تھا کنارے سے ایک آدمی نے کہا کہ تم چاہتے ہو کہ میں سب کو آگاہ کروں تاکہ وہ تمہیں باہر نکال لیں؟

درویش نے کہا نہیں" پھر اس نے پوچھا کیا تم یہ چاہتے ہو کہ غرق ہو جاؤ؟

درویش نے کہا" نہیں" اس نے پوچھا تم کیا چاہتے ہو؟

درویش نے کہا میں وہی چاہتا ہوں جو حق تعالیٰ میرے لئے چاہتے ہیں۔

اور رضا کے بیان میں مشائخ کے اقوال بہت ہیں گو عبارات میں اختلاف ہے تاہم اس کا قاعدہ انہی دو باتوں پر اکتفا کرتا ہوں البتہ میں چاہتا ہوں کہ یہاں حال اور مقام کے درمیان فرق بیان کروں اور ان کی حدود کو واضح کر دوں تاکہ تجھ پر اور دوسرے پڑھنے والوں پر اس معنی کو سمجھنا آسان ہو جائے۔ (کشف المحجوب ص ۲۷۶ تا ۲۷۴)

مولانا رومؒ اور تعلیم و صبر:

مولانا رومؒ نے تسلیم و رضا کا صبر کا سبق دیتے ہوئے حضرت لقمانؑ کا قصہ مثنوی شریف میں نقل فرمایا ہے یہاں عارف باللہ حضرت اقدس حکیم اختر صاحب نے عمدہ شرح فرمائی ہے اس کو نقل کیا جاتا ہے

حضرت لقمان علیہ السلام کسی رئیس کے یہاں نوکری کرتے تھے اللہ تعالیٰ کی محبت اور معیت کے

اندر ایسے پاکیزہ اور عالی اخلاق و عادات موجود تھے جو انسانیت کی رفعت و شرافت و مقبولیت عند اللہ کے صحیح مصداق تھے اور جن کی تفصیل و تشریح حق تعالیٰ شانہ نے سورہ لقمان میں بیان فرمائی ہے۔

حضرت لقمان علیہ السلام کسی رئیس کے ان اخلاق عالیہ ان کے آقا پر گہرا ہوا یہاں تک کہ اس رئیس نے ان کو اپنا مقرب و محبوب بنالیا اور خود ان کا محب اور باطناً غلام بن گیا۔

از محبت شاہ بندہ می شود

ترجمہ: یہ محبت کی کرامت ہے کہ محبت سے بادشاہ اپنے محبوب کا غلام (رومی) بن جاتا ہے پھر اس رئیس کا یہ معمول ہو گیا کہ ہر نعمت کھانے سے پہلے حضرت لقمان علیہ السلام کی خدمت میں پیش کرتا اور جب حضرت لقمان علیہ السلام آسودہ ہو کر کھا لیتے تو بچا ہوا یہ رئیس کھاتا حضرت لقمان علیہ السلام اس رئیس کی محبت و عادت کی رعایت سے کھا لینے کے بعد بقیہ اس کیلئے بھیج دیا کرتے ایک دن آقا کی خدمت میں کہیں سے خربوزہ آیا اس وقت حضرت لقمان علیہ السلام موجود نہ تھے رئیس نے ایک غلام کو بھیجا کہ حضرت لقمان علیہ السلام کو بلا لاؤ جب حضرت لقمان علیہ السلام تشریف لائے تو رئیس نے اپنے ہاتھ سے اس خربوزہ کی قاشیں بنائیں اور ایک ایک قاش محبت سے کھلاتا تھا اور دل ہی دل میں مسرور ہو رہا تھا کہ میری اس محبت کا ان پر کیا اثر ہو رہا ہوگا۔

حضرت لقمان علیہ السلام خوشی خوشی ہر قاش کھاتے اور شکر بجالاتے یہاں تک کہ ستر قاشیں کھالیں اور ایک قاش باقی رہ گئی تو اس رئیس نے کہا کہ اس کو میں کھاؤں گا کہ دیکھوں کہ یہ خربوزہ کتنا شیریں تھا یہ کہہ کر اس نے قاش کو منہ میں رکھا ہی تھا کہ اس کی تلخی سے نوک زبان سے حلق تک آبلے پڑ گئے اور ایک گھنٹہ تک بے ہوش رہا جب افاقہ ہوا تو حضرت لقمان علیہ السلام سے عرض کیا کہ اے جان جاں آپ نے کس طرح اس خربوزہ کو حلق سے فرو کیا؟ اور اس قہر کو کس طرح لطف سمجھا؟

حضرت لقمان علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ اے خواجہ! آپ کے دست نعمت سے صدہا نعمتیں کھائی

ہیں جن کے شکر نہ کرنے کے بوجھ سے میری کمر خمیدہ ہو رہی ہے پس مجھے اس بات سے شرم آئی کہ جس ہاتھ سے اس قدر نعمتیں ملی ہوں اسی ہاتھ سے آج اگر ایک تلخی عطا ہو رہی ہے تو اس سے انحراف و روگردانی کروں؟ اے خواجہ! شکریہ عطا فرمانے والے آپ کے ہاتھ کی لذت نے اس خربوزہ کی تلخی کو شیرینی سے مبدل کر دیا۔

لذت دست شکر بخش تو داشت
اندریں بطیخ تلخی کے گذاشت

فائدہ: احقر اختر عفا اللہ عنہ عرض کرتا ہے کہ میرے مرشد حضرت مولانا شاہ پھولپوری قدس سرہ العزیز اپنی مجالس رشد و ہدایت میں اس واقعہ کو اکثر بڑے اہتمام سے ارشاد فرمایا کرتے تھے اور آخری شعر مذکور کو بہت ہی لذت سے بار بار پڑھا کرتے تھے اور اس واقعہ کو بیان فرما کر حضرت والا اللہ تعالیٰ علیہ اس بات کی تعلیم و نصیحت فرمایا کرتے تھے کہ ہر لحظہ حق تعالیٰ شانہ کے بے شمار انعامات و احسانات بندوں پر ہو رہے ہیں لیکن اگر کوئی واقعہ یا حادثہ کبھی بظاہر تکلیف دہ پیش آ جاتا ہے تو انسان ناشکرا اور بے صبر ہو جاتا ہے مگر جن بندوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک اور مقبول بندوں کے فیض صحبت سے دین کی خوش فہمی عطا فرمائی ہے ان کا قلب سلیم رنج و تکلیف کی حالت میں بھی اپنے رب سے راضی رہتا ہے اس وقت وہ بندے دین کی اس سمجھ سے کام لیتے ہیں اور سوچتے ہیں کہ یہ دنیا شفاخانہ ہے اور ہم سب مریض ہیں طبیب کبھی مریض کو حلوہ بادام کھلاتا ہے اور کبھی چرائتہ گلوہ نیب جیسی تلخ دوائیں پلاتا ہے اور دونوں حالتوں میں مریض ہی کا نفع ہوتا ہے اسی طرح حق تعالیٰ حکیم بھی ہیں حاکم بھی اور رحیم بھی ہیں پس ہمارے اوپر تقدیر الٰہی سے جو حالات بھی آتے رہتے ہیں خواہ راحت کے ہوں یا تکلیف کے ہر حال میں ہمارا ہی نفع ہے حدیث شریف میں ہے کہ علم الٰہی میں بعض بندوں کیلئے جنت کا جو اعلیٰ مقام تجویز ہو چکا ہے لیکن اس مقام تک پہنچنے کیلئے ان کے پاس عمل نہیں ہوتا تو حق تعالیٰ انہیں کسی مصیبت میں مبتلا فرما دیتے ہیں جس پر صبر کر کے وہ اس مقام کو حاصل کرنے کے قابل ہو جاتا ہے ایک حدیث میں آتا ہے کہ جب بندہ مومن کو بخار آتا

ہے تو اس کے گناہ اسطرح جھڑتے ہیں جس طرح موسم خزاں میں درختوں کے پتے جھڑتے ہیں
ایک حدیث میں وارد ہے کہ مومن کو کانٹا بھی چبھتا ہے تو اس پر بھی اجر ملتا ہے ایک حدیث میں
ارشاد ہے کہ جب دنیا کے مصائب پر صبر کرنے کے عوض قیامت کے دن ثواب عطا ہونے لگیں
گے تو ہر مصیبت زدہ تمنا کرے گا کہ کاش دنیا میں میری کھال قینچی سے ٹکڑے ٹکڑے کردی جاتی ہے
تو آج کیا اچھا انعام ملتا۔

پس مومن کو چاہیئے کہ تکلیف کی حالت میں بھی راضی رہے یعنی زبان پر شکایت اور دل میں
اعتراض نہ لاوے البتہ گناہوں سے سے استغفار اور عافیت کی دعا خوب کرتا رہے کہ اے اللہ ہم
کمزور ہیں بلاؤں کے تحمل کی طاقت نہیں آپ اپنی رحمت سے اس نعمت بلا کو عافیت کی نعمت سے
تبدیل فرما دیجیئے مصیبت و بلا کو مانگنے کی ممانعت ہے اور عافیت طلب کرنے کا حکم ہے بلاؤں کا
مانگنا اپنی بہادری کا دعویٰ ہے اور عافیت مانگنا اپنے ضعف کا عاجزی کا اظہار ہے جو عند اللہ محبوب
ہے۔

اگر ہمیشہ عافیت راحت میں ہی رہے تو مزاج عبدیت سا ستقامت سے ہٹ جائے بغیر تکلیف
مصیبت کے زاری شکستگی پیدا نہیں ہوتی حدیث قدسی میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے میں ٹوٹے ہوئے
دلوں کے پاس رہتا ہوں انا عند المنکسرۃ قلوبھم میرے دل ٹوٹ جاتا ہے کیونکہ صبر صحیح
ہوتا ہے حزن وغم کی حالت میں جس توجہ عاجزی اضطرار کے ساتھ بندہ حق تعالیٰ کی بارگاہ میں
مناجاۃ وگریہ وزاری کرتا ہے یہ اضطرار راحت وعیش کی حالت میں کیسے پیدا ہوسکتا ہے؟ یہی
مصیبت اس کو اللہ تک پہنچا دیتی ہے تاور قلب میں حق تعالیٰ سے تعلق پیدا ہو جاتا ہے۔

بڑھ گیا ان سے تعلق اور بھی
دشمنی خلق رحمت ہوگئی (مجذوب)

ایک بزرگ ارشاد فرماتے ہیں کہ حالت حزن میں حق تعالیٰ کا راستہ بہت جلد اور تیزی سے طے ہوتا
ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ پریشانی اور غم سے قلب میں ایک شکستگی اور عاجزی پیدا ہوتی ہے اور اس

حالت میں حق تعالیٰ کی خصوصی معیت نصیب ہوتی ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ان اللہ مع الصابرین (اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہیں)۔

اس مضمون کو حضرت اصغر گونڈویؒ نے خوب بیان فرمایا ہے:

خوشا حوادث پیہم خوشا یہ اشک رواں
جو غم کے ساتھ ہو تم بھی تو غم کا کیا غم ہے

خلاصہ یہ ہے کہ دنیا کی چند روزہ زندگی کے ایام خواہ عیش ہوں یا تکلیف کے سب کو فنا ہے بس نہ تو عیش سے اترانے لگے نہ تکلیف سے شکایت واعتراض کرنے لگے راحت پر شکر اور تکلیف پر صبر سے کام لینا چاہیئے مقصد حیات کو اگر پیش نظر رکھا جائے تو سب مشکلوں کا حل نکل آئے اور مقصد حیات صرف رضائے حق کا حصول ہے اور حق تعالیٰ کے راضی کرنے کا طریقہ ان کے بتلائے ہوئے قانون پر اہتمام سے عمل کرنا اور کوتاہیوں پر توبہ واستغفار کرتے رہنا ہے اگر اتباع سنت نصیب ہے تو عیش ہو یا تکلیف دونوں حال اس بندے کیلئے مبارک ومفید اور ذریعہ قرب ورضا ہیں اگر اتباع سنت حاصل نہیں تو عیش کس کام کا؟

حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی قدس سرہ العزیز کا ارشاد ہے کہ گنہگار اور نافرمان پر بھی تکالیف اور بلائیں آتی ہیں اور نیکوکار اور فرماں بردار پر بھی آتی ہیں پھر دونوں میں فرق کیسے ہو کہ یہ بلا و تکلیف شامت اعمال ہے یا ذریعہ قرب الٰہی ہے تو اس کی پہچان یہ ہے کہ جس مصیبت وکلفت میں اتباع سنت نصیب رہے اور قلب میں حق تعالیٰ شانہ کے ساتھ محبت وانس ورضا کا تعلق ورابطہ محسوس ہو تو سمجھنا چاہیئے کہ یہ تکلیف ذریعہ قرب الٰہی ہے اور جس تکلیف سے دل میں ظلمت و وحشت اور حق تعالیٰ سے دوری محسوس ہو اور توفیق انابت وگریہ وزاری نہ عطا ہو تو سمجھنا چاہیئے کہ یہ شامت اعمال بد کے سبب ہے اس وقت استغفار کی کثرت کرنی چاہیئے سورہ نوح میں استغفار کی برکت مذکور ہے کہ استغفار سے حق تعالیٰ بارش عطا فرماتے ہیں اور باغات عطا فرماتے ہیں اولاد میں برکت ہوتی ہے۔

غم چو بینی زود استغفار کن
غم بامر خالق آمد کار کن

مولانا فرماتے ہیں کہ جب تم دل میں غم محسوس کرو فوراً استغفار میں مشغول ہو جاؤ غم حکم الہی سے آتا ہے اس لئے معمولات ذکر وغیرہ میں سستی مت کرو اور کام میں لگ جاؤ بلکہ پہلے سے زیادہ حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔

چوں خدا خواہد کہ مایاری کند
میل مارا جانب زاری کند

جب حق تعالیٰ شانہ ہمارے ساتھ مہربانی فرمانا چاہتے ہیں تو ہمارے اندر رو گریہ وزاری ہے کا میلان پیدا فرما دیتے ہیں۔

حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی کو ایک عرصہ اشکال رہا کہ جو مقام حق تعالیٰ شانہ بعد مجاہدات کے سالک کو عطا فرماتے ہیں وہ اس پر بھی قادر ہیں بدون مجاہدہ ہی وہ مقام عطا فرما دیں پھر ان کی رحمت مجاہدہ کی تکلیف کو اپنے بندوں کیلئے کیونکر گوارا کرتی ہے؟ حضرت رحمتہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک دن خود قلب میں اس اشکال کا حل وارد ہوا ہے وہ یہ کہ بدون مجاہدہ اگر مقامات سالک کو عطا فرما دیئے جاتے اور قدر نعمت نہ ہوتی کا بقاء اور اس کی ترقی نہ ہوتی کیوں کہ جس طرح شکر پر نعمت کی زیادتی منصوص ہے اسی طرح اس کے عکس پر سلب کا خطرہ تھا اسی کو حضرت خواجہ فرماتے ہیں۔

ے یہ ملی نہیں ہے یوں قلب و جگر ہوئے ہیں خوں
کیوں میں کسی کو مفت دوں ہے مری مفت کی نہیں

ہفت سال ایوب باصبر و رضا
در بلا خوش بود با ضیف خدا

حضرت ایوبؑ سات سال تک بلا میں خدا کے مہمانوں کے ساتھ (یعنی کیڑوں کے ساتھ جو بدن میں پیدا کر دیئے گئے تھے) خوش اور راضی برضا رہے۔

جب حضرت ایوبؑ کو اس بلا سے نجات ملی اور شفا عافیت و مرحمت کی گئی تو کسی نے دریافت کیا کہ حضرت زمانہ بلا میں آپ زیادہ خوش تھے یا اب بحالت شفا میں زیادہ خوش ہیں؟ ارشاد فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے انہوں نے نعمت عافیت سے مشرف فرمایا فرمایا لیکن زمانہ بیماری و بلا میں صبح و شام غیب سے اللہ میاں کی جو آواز آتی تھی کہ ایوب کیسا مزاج ہے؟ اس آواز میں وہ لطف ملتا تھا کہ ہماری لاکھوں جانیں اس پر قربان ہوں وہ مزاج پرسی تمام تکلیفوں کو بھلا دیتی تھی دل اس آواز کو ترستا ہے جواب آنی بند ہو گئی۔

پھر ذرا مطرب اسی انداز سے
جی اٹھے مردے تری آواز سے

رنج و تکلیف میں شکوہ و اعتراض ہرگز نہ کرنا چاہیئے کہ یہ سخت گستاخی ہے۔

چونکہ قسام اوست کفر آمد گلہ
صبر باید صبر مفتاح الصلہ

ترجمہ: چونکہ چونکہ رنج و راحت کی تقسیم حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے ہے اس لئے شکوہ و اعتراض گستاخی و کفر ہے غلام اور مملوک کی شان یہی ہے کہ مالک کی مرضیات پر راضی برضا رہے کہ مالک اپنی ملک کا مختار ہے جس طرح چاہے تصرف فرمائے۔ (مثنوی شریف ص ۲۷)

مکتوبات:

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اپنے مکتوبات میں جابجا مصائب کے فضائل پر روشنی ڈالی ہے چند مکتوبات کا ذکر کیا جاتا ہے۔

اس بیان میں کہ اس جہان کی مصیبتیں اگرچہ بظاہر جراحت و زخم ہیں مگر حقیقت میں ترقیوں کا موجب ہیں اور مرہم ہیں اور مرگ طاعون کی فضیلت میں مرزا حسام الدین احمد کی طرف صادر فرمایا ہے۔

حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد واضح ہو کہ آپ کا صحیفہ شریفہ جو مصائب کی ماتم پرسی کے بارہ میں

شیخ مصطفیٰ کے ہاتھ ارسال کیا تھا اس کے مضمون سے مشرف ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۔ یہ مصیبتیں بظاہر جراحت نظر آتی ہیں مگر حقیقت میں تریاقات اور مرہم ہیں وہ ثمرات ونتائج جن کے ملنے کی امید وتوقع آخرت میں ہے ان نتائج وثمرات کا سے (100) گنا زیادہ ہیں جو حق تعالیٰ کی عنایت سے اس جہان میں ان مصیبتوں پر مترتب ہوئی ہیں۔ فرزندوں کا وجود عین رحمت ہے۔ زندگی میں بھی ان سے فائدے اور نفعے ہیں اور مرنے پر بھی ثمرات اور نتائج مترتب ہیں۔

امام اجل محی السنہ حلیۃ الابرار میں لکھتے ہیں کہ عبداللہ بن زبیرؓ کے زمانہ میں تین دن طاعون واقع ہوئی۔ اس طاعون میں حضرت انسؓ جو ہمارے پیغمبر علیہ السلام کے خادم تھے اور حضرت علیہ السلام نے اس کے حق میں برکت کی دعا فرمائی تھی اس کے تراسی (83) بیٹے سب کے سب فوت ہو گئے اور چالیس (40) بیٹے حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکرؓ کے فوت ہو گئے جب حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرامؓ کے ساتھ ایسا معاملہ فرمائیں گے تو پھر ہم گنہگار کس حساب میں ہیں۔ حدیث میں آیا ہے کہ طاعون پہلی امتوں کے حق میں عذاب تھا اور اس امت کے لئے شہادت ہے۔ واقعی وہ لوگ جو اس وباء میں مرتے ہیں عجب حضور وتوجہ سے مرتے ہیں۔ ہوس آتی ہے کہ کوئی شخص اس دنوں میں اس بلا والے لوگوں کے ساتھ ملحق ہو جائے اور دنیا سے آخرت کی طرف کوچ کر جائے۔ یہ بلا اس امت میں بظاہر غضب ہے اور باطن میں رحمت ہے۔

میاں شیخ طاہر بیان کرتے ہیں کہ لاہور میں طاعون کے دنوں میں ایک شخص نے خواب میں دیکھا کہ فرشتے کہہ رہے ہیں کہ جو کوئی ان دنوں میں نہ مرے گا حسرت اٹھائے گا ہاں جب ان گزشتہ لوگوں کے حالات پر نظر بندی کی جاتی ہے تو احوال غریبہ اور معاملات عجیبہ مشاہدہ میں آتے ہیں۔ شاید شہداء فی سبیل اللہ ان خصوصیتوں سے ممتاز ہیں۔

میرے مخدوم فرزند عزیز قدس سرہ کی مفارقت بڑی بھاری مصیبت ہے۔ معلوم نہیں کہ کسی کو اس قسم کی مصیبت پہنچی ہو لیکن دصبر وشکر جو حق تعالیٰ نے اس مصیبت میں اس ضعیف القلب کو کرامت

فرمایا ہے۔ بڑی اعلیٰ نعمت اور اعظم انعام ہے۔ یہ فقیر حق تعالیٰ سے سوال کرتا ہے کہ اس مصیبت کی جزاء آخرت پر موقوف رکھے اور دنیا میں اس کی جزاء کچھ بھی ظاہر نہ ہو۔ حالانکہ جانتا ہے یہ سوال بھی سینہ کی تنگی کے باعث ہے ورنہ حق تعالیٰ بڑی وسیع رحمت والا ہے' فللہ الاٰخرۃ والاولیٰ (دنیا وآخرت اللہ ہی کیلئے ہے)

دوستوں سے التجا ہے کہ دعا کے ساتھ امداد و اعانت فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ خاتمہ سلامتی کے ساتھ کرے اور لغزشوں کو جو انسان کے لئے لازم ہیں معاف فرمائے اور ان تقصیروں سے جو بشریت کے باعث صادر ہوتی ہیں۔ درگزر کرے

ربنا اغفر لنا ذنوبنا أسرافنا فی امرنا وثبت اقدامنا وانصرنا علی القوم الکافرین.

یا اللہ گناہوں کو اور جو کچھ ہم سے کاموں میں اسراف ہوا ہے بخش اور ہمارے قدموں کو ثابت رکھ اور کافروں پر ہماری مدد کر)

والسلام علیکم وعلی سائر من اتبع الھدیٰ .

سلام ہو آپ پر اور ان لوگوں پر جنہوں نے ہدایت اختیار کی۔

مکتوب نمبر 29:

اس بیان میں کہ اس جہان کے بہتر اسباب حزن و اندوہ ہیں اور اس دستر خوان کی خوشگوار نعمت الم و مصیبت ہے۔

فضیلت پناہ شیخ عبدالحق دھلوی کی طرف سے صادر فرمایا ہے۔

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ.

اللہ تعالیٰ کیلئے حمد اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو میرے مخدوم و مکرم مصائب میں اگرچہ بڑی تکلیف و ایذاء برداشت کرنا پڑتی ہے لیکن ان پر بڑی کرامت اور مہربانی کی امید ہے اس جہان کا بہتر اسباب حزن و اندوہ ہے اور اس دستر خوان کی خوشگوار نعمت الم و مصیبت ہے۔ ان شکر پاروں پر

واردے رنج کا رنگ خلاف چڑھایا ہوتا ہے اور اس کے حیلے سے ابتلاء و آزمائش کا راستہ کھولا ہے۔
سعادت مند لوگ ان کی شیرینی پر نظر کر کے تلخی کو شکر کی طرح چبا جاتے ہیں اور کڑواہٹ کو صفراء کے
برعکس شیریں معلوم کرتے ہیں۔ کیوں شیریں معلوم نہ کریں جبکہ محبوب کے سب افعال شیریں
ہوتے ہیں علتی اور بیماران کو شاید کڑوا محسوس کرے تو کرے جو ماسوا میں گرفتار ہے مگر دولت مند
محبوب کے ایلام و رنج میں اس قدر لذت و حلاوت پاتے ہیں جو اس کے انعام میں ہرگز متصور
نہیں۔ اگرچہ دونوں محبوب کی طرف سے ہیں لیکن ایلام میں محب کے نفس کا دخل نہیں ہوتا اور
انعام میں اپنے نفس کی مراد پر قیام ہوتا ہے۔

هنيئاً لارباب النعيم نعيمها... وللعاشق المسكين مايتجرع

ترجمہ: مبارک منعموں کو اپنی دولت مبارک عاشقوں کو درد وکلفت

اللهم لاتحرمنا اجرهم ولاتفتنا بعدهم.

(یا اللہ تو ہم کو ان کے اجر سے محروم نہ رکھ اور ان کے بعد ہم کو فتنوں میں نہ ڈال)

اس غربت اسلام کے زمانہ میں آپ کا وجود شریف اہل اسلام کے لئے غنیمت ہے۔

سلمکم الله تعالى وابقاکم. (اللہ آپ کو سلامت و باقی رکھے۔ والسلام

مکتوب نمبر 75:

اس بیان میں کہ مصیبتیں اور تکلیفیں دوستوں کیلئے کفارہ ہیں اور عاجزی اور زاری سے عفو و عافیت
طلب کرنی چاہیے۔ مرزا مظفر کی طرف صادر فرمایا ہے۔

سلمکم الله عما لایلیق بجنابکم.

(اللہ تعالیٰ آپ کو ان باتوں سے سلامت رکھے جو آپ کی جناب کے لائق نہیں)

دنیا کے درد و رنج اور مصیبتیں اور تکلیفیں دوستوں کے قصوروں کا کفارہ ہیں۔ عاجزی اور زاری اور
التجاء و انکسار کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے عفو و عافیت طلب کرنی چاہیے۔ حتیٰ کہ قبولیت کا اثر
مفہوم ہو جائے اور فتنہ کا فرو ہونا معلوم ہو جائے۔ اگرچہ دوست اور خیر خواہ سب اس کام میں لگے

ہیں۔ مگر صاحب معاملہ اس کام کا زیادہ مستحق ہے۔ دوا کھانا اور پرہیز کرنا بیمار کا کام ہے۔ دوسرے لوگ مرض کے دور کرنے میں صرف اس کے مددگار ہیں۔ معاملہ کی حقیقت یہ ہے کہ محبوب حقیقی کی طرف سے جو کچھ آئے۔ کشادہ پیشانی اور فراخ دلی سے احسان کے ساتھ اس کو قبول کر لینا چاہیے بلکہ اس سے لذت حاصل کرنی چاہیے وہ رسوائی اور بے ناموسی جس میں محبوب کی مراد ہو۔ محبّ کے نزدیک اس ننگ و ناموس و عزت سے بہتر ہے جس میں محبّ کے اپنے نفس کی مراد ہو اگر یہ بات محبّ کو حاصل نہیں تو محبت میں ناقص بلکہ کاذب ہے۔

گر طمع خواہد زمن سلطان دیں   خاک بر فرق قناعت بعد ازیں

ترجمہ: مجھ سے اگر چاہے طمع سلطان دیں   پھر قناعت کی ہمیں حاجت نہیں

جناب شریعت مآب نے جب خدمت سے واپس آ کر سفر کے احوال اور مسافروں کے احوال کی تنگی بیان کی ان کی خیر و عافیت کی فاتحہ اور دعا کی گئی۔

ربنا لاتواخذنا ان نسینا او اخطانا ربنا ولاتحمل علینا اصراً کما حملتہ علی الذین من قبلنا ربنا ولاتحملنا مالاطاقۃ لنا بہ واعف عنا واغفرلنا وارحمنا انت مولٰنا فانصرنا علی القوم الکافرین' سبحان ربک رب العزۃ عمایصفون وسلام علی المرسلین والحمدللہ رب العالمین.

یا اللہ تو ہماری بھول چوک پر ہمارا مواخذہ نہ کر اور ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جو ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا۔ یا اللہ تو ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جس کو ہم برداشت نہ کر سکیں۔ ہمیں معاف کر اور بخش اور ہم پر رحم کر۔ تو ہمارا مولا ہے ہم کو کافروں پر مدد دے۔ پاک ہے تیرا رب لوگوں کے وصف سے برتر اور مرسلین پر سلام ہو اور اللہ رب العالمین کیلئے ہی حمد ہے۔

مکتوب نمبر 88:

قضا پر راضی ہونے اور مولا کے فعل سے لذت پانے کے بیان میں۔ ملا بدیع الدین کی طرف صادر فرمایا ہے۔ الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفٰی۔ اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو بندہ مقبول وہ ہے جو اپنے مولا کے فعل پر راضی ہو اور جو شخص اپنی رضا کا

تابع ہے وہ اپنا بندہ ہے اگر مولی بندہ کی گردن پر چھری چلا دے تو بندہ کو چاہیے کہ اس وقت شاداں وخنداں ہو اور اسی میں اپنے مولا کی رضامندی سمجھے۔ بلکہ اس فعل سے لذت حاصل کرے اور اگر نعوذ باللہ اس فعل سے اس کو کراہت آئے اور اس کا دل تنگ ہو تو دائرہ بندگی سے دور اور قرب مولی سے مہجور ہے۔ جب طاعون حق تعالی کی مراد ہے تو چاہیے کہ اس کو اپنی مراد جان کر خوش وخرم ہوں اور طاعون کے غلبہ سے بے صبر و تنگ دل نہ ہوں بلکہ اس خیال سے کہ محبوب کا فعل ہے اس سے حظ اندوز ہونا چاہیے جب ہر ایک شخص کیلئے اجل مقرر ہے جس میں کمی بیشی کا احتمال نہیں تو پھر اضطراب و بے قراری کیوں ہو۔ البتہ بلاؤں سے عافیت طلب کرنی چاہیے اور اللہ تعالی کے غضب اور ناراضگی سے پناہ مانگنی چاہیے۔ کیونکہ اللہ تعالی اپنے بندوں کی دعا وسوال سے راضی ہوتا ہے۔ اللہ تعالی فرماتا ہے "ادعونی استجب لکم" (تم مجھے پکارو میں تمہاری پکار کو سنوں گا) مولانا عبدالرشید نے آ کر وہاں کا حال بیان کیا۔ اللہ تعالی تمام ظاہری باطنی آفات و بلیات سے محفوظ رکھے۔ والسلام

ایک اور مکتوب گرامی میں ارشاد فرماتے ہیں کہ آپ نے پوچھا تھا کہ کیا باعث ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء علیہم الرضوان دنیا میں اکثر بلاد مصائب اور رنج وتکلیف میں مبتلا وگرفتار رہے ہیں جیسے کہ کہا گیا ہے "اشد الناس بلاء الانبیاء ثم الاولیاء ثم الامثل فالامثل (لوگوں میں زیادہ بلاو آزمائش میں مبتلا ہونے والے انبیاء ہیں پھر اولیاء پھر ان کے ہم مثل پھر ان کے ہم مثل) اور حق تعالی اپنی کتاب قرآن مجید میں فرماتا ہے۔ ما اصابکم من مصیبۃ فبما کسبت ایدیکم (جو مصیبت تم پر آتی ہے وہ تمہارے ہاتھوں کی کمائی کا نتیجہ ہوتی ہے) اس آیت سے مفہوم ہوتا ہے کہ جو شخص زیادہ برائیاں کرے اس پر زیادہ مصیبتیں آتی ہیں۔ تو چاہیے کہ پہلے انبیاء اور مقربین اولیاء کے سوائے اور لوگ بلا ومصیبت گرفتار ہوں اور پھر اولیاء وانبیاء اور بزرگوار اصالت وتبعیت کے طور پر حق تعالی کے محبوب اور اس کے خواص مقربین ہیں' حق تعالی اپنے محبوبوں اور خواص مقربوں کو بلیات ورنج کے حوالے کیوں رکھتا ہے۔

جواب: اللہ تعالیٰ آپ کو سعادت مند کرے اور سیدھے راستہ کی ہدایت دے۔ آپ کو واضح ہو کہ دنیا نعمت ولذت کیلئے نہیں ہے بلکہ آخرت ہی ہے جو نعمت ولذت کیلئے تیار کی گئی ہے چونکہ دنیا اور آخرت ایک دوسرے کی سوکن اور ضد اور نقیض ہیں اور ایک کی رضامندی میں دوسرے کی ناراضگی ہے۔ اس لیے ایک میں لذت پانا دوسرے میں رنج والم کا باعث ہوگا پس انسان جس قدر دنیا میں زیادہ تر رنج والم میں مبتلا ہوگا آخرت میں اس سے زیادہ ناز ونعمت میں ہوگا۔ کاش دنیا کی بقاء کو آخرت کی بقاء کے ساتھ وہی نسبت ہوتی جو قطرہ کو دریائے محیط کے ساتھ ہے۔ ہاں متناہی کو غیر متناہی کے ساتھ کیا نسبت ہوگی۔ اسی لیے دوستوں کو اپنے فضل وکرم سے اس جگہ کی چند روزہ محنت ومصیبت میں مبتلا کیا تا کہ دائمی ناز ونعمت سے محظوظ ومسرور فرمائے اور دشمنوں کو مکر واستدراج کے بموجب تھوڑی سی لذتوں کے ساتھ محظوظ کر دیا تا کہ آخرت میں بے شمار رنج والم میں گرفتار رہیں۔

سوال: کافر فقیر جو دنیا وآخرت میں محروم ہے دنیا میں اس کا درد مند ومصیبت زدہ رہنا آخرت میں لذت ونعمت پانے کا باعث نہ ہوا اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب: کافر خدا کا دشمن اور دائمی عذاب کا مستحق ہے۔ دنیا میں اس کا عذاب دور رکھنا اور اس کو اپنی وضع پر چھوڑ دینا اس کے حق میں عین ناز ونعمت ولذت ہے اسی واسطے کافر کے حق میں دنیا پر جنت کا اطلاق کیا گیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ دنیا میں بعض کفار سے عذاب بھی رفع کر دیتے ہیں اور لذت بھی دیتے ہیں اور لذت ونعمت بھی دیتے ہیں اور بعض سے صرف عذاب ہی ہٹا رکھتے ہیں اور لذت ونعمت کچھ بھی نہیں دیتے بلکہ فرصت ومہلت کی لذت اور عذاب کے دور ہونے پر کفایت کرتے ہیں۔ لکل ذالک حکم ومصالح (ہر ایک کیلئے کوئی نہ کوئی بہتری وحکمت ہے)

سوال: حق تعالیٰ سب چیزوں پر قادر ہے اور توانا ہے کہ دوستوں کو دنیا میں بھی لذت ونعمت بخشے اور آخرت میں بھی ناز ونعمت کرامت فرمائے اور ان کے حق میں ایک کا لذت پانا دوسرے میں درد مند ہونے کا باعث نہ ہو اس کے کئی جواب ہیں؟

جواب: "اول" دنیا میں جب تک چند روزہ محنت وبلیات کو برداشت نہ کرتے تو آخرت کی لذت

ونعمت کی قدر نہ جانتے اور دائمی صحت و عافیت کی نعمت کو کما حقہ معلوم نہ کر سکتے کیونکہ جب تک بھوک نہ ہو طعام کی لذت نہیں آتی اور جب تک مصیبت میں مبتلا نہ ہوں فراغت و آرام کی قدر معلوم نہ ہوتی۔ گویا ان کی چند روزہ مصیبتوں سے مقصود یہ ہے کہ ان کو دائمی ناز ونعمت کامل طور پر حاصل ہو۔ یہ ان لوگوں کے حق میں سراسر جمال ہے جو عوام کی آزمائش کیلئے جلال کی صورت میں ظاہر ہوا ہے یُضِلُّ بِهٖ كَثِيرًا وَّيَهْدِي بِهٖ كَثِيرًا۔ (اکثر کو اس سے گمراہ کرتا ہے اور اکثر کو ہدایت دیتا ہے)

جواب "دوم" بلیات و محن اگر چہ عوام کے نزدیک تکلیف کے اسباب ہیں' لیکن ان بزرگواروں کے نزدیک جو کچھ جمیل مطلق کی طرف سے آئے' ان کی لذت ونعمت کا سبب ہے یہ لوگ بلیتوں سے ویسے ہی لذت حاصل کرتے ہیں جیسے کہ نعمتوں سے' بلکہ بلایا سے زیادہ محظوظ ہوتے ہیں۔ کیونکہ ان میں محبوب کی خالص مراد ہے اور نعمتوں میں یہ خلوص نہیں ہے کیونکہ نفس نعمتوں کو چاہتا ہے اور بلا و مصیبتوں سے بھاگتا ہے۔ پس بلا ان بزرگوں کے نزدیک عین نعمت ہے اور اس میں نعمت سے بڑھ کر لذت ہے وہ حظ جو ان کو دنیا میں حاصل ہے وہ بلیات و مصائب ہی کے باعث ہے اگر دنیا میں یہ نمک بھی نہ ہوتا تو ان کے نزدیک جو کے برابر بھی قیمت نہ رکھتی اور اگر اس میں حلاوت نہ ہوتی تو ان کو عبث و بے فائدہ دکھائی دیتی۔

"بیت" غرض از عشق تو ام چاشنئے درد و غم است۔ ورنہ زیر فلک اسباب تنعم چہ کم است۔

ترجمہ: عشق سے تیرے غرض ہے چاشنی درد و غم ورنہ نیچے آسمان کے کونسی نعمت ہے کم۔

حق تعالیٰ کے دوست دنیا میں بھی متلذذ ہیں اور آخرت میں بھی محظوظ و مسرور ہیں ان کی یہ دنیاوی لذت ان کی آخرت کی لذت کے منافی نہیں۔ وہ حظ جو آخرت کے حظ کے مخالف ہے اس سے مختلف ہے جو عوام کو حاصل ہے۔ الٰہی یہ کیا ہے جو تو نے اپنے دوستوں کو عطا فرمایا ہے کہ جو کچھ دوسرے کے رنج و الم کا سبب ہے وہ ان کی لذت و سرور کا باعث ہے اور جو کچھ دوسروں کیلئے زحمت کا باعث ہے ان کے واسطے رحمت ہے۔ دوسروں کی نعمت ان کی نعمت ہے لوگ شادی میں

خوش اہیں اور غمی میں غمناک یہ لوگ شادی میں بھی اور غم میں بھی خوش وخرم ہیں۔ کیونکہ ان کی نظر افعال جمیلہ ورذیلہ کی خصوصیتوں سے اٹھ کر ان افعال کے فاعل یعنی جمیل مطلق کے جمال پر جا لگی ہے اور فاعل کی محبت کے باعث اس کے افعال بھی ان کی نظروں میں محبوب اور لذت بخش ہو گئے ہیں جو کچھ جہان میں فاعل جمیل کی مراد کے موافق صادر ہو۔ خواہ رنج وضرر کی قسم سے ہو۔ وہ ان کے محبوب کی عین مراد ہے اور ان کی لذت کا موجب ہے خداوند یہ کیسی فضل وکرامت ہے کہ ایسی پوشیدہ دولت اور خوشگوار نعمت اغیار کی نظر بد سے چھپا کر اپنے دوستوں کو تو نے عطا فرمائی ہے اور ہمیشہ ان کو اپنی مراد پر قائم رکھ کر محظوظ وحلذذ کیا ہے اور کراہت وتامل جو دوسروں کا نصیب ہے ان بزرگواروں سے دور کر دیا ہے اور ننگ ورسوائی کو جو دوسروں کا عیب ہے اس گروہ کا جمال وکمال بنایا ہے یہ نامرادی ان کی عین مراد ہے اور ان کا یہ دنیاوی تلذذ وسرور دوسروں کے برعکس آخرت کے حظوظ کی ترقیوں کا باعث ہے۔

ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم .

یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

جواب "سوم":

یہ دنیا دار ابتلاء وآزمائش ہے۔ جس میں حق باطل کے ساتھ اور جھوٹا سچے کے ساتھ ملا جلا ہے اگر دوستوں کو بلا ومحنت نہ دیتے اور صرف دشمنوں کو دیتے تو دوست دشمن کی تمیز نہ ہوتی اور اختیار وآزمائش کی حکمت باطل ہوتی۔ یہ امر ایمان غیب کے منافی ہے جس میں دنیا وآخرت کی سعادتیں شامل ہیں۔ آیت "یومنون بالغیب (غیب پر ایمان لاتے ہیں) اور آیت کریمہ۔ ولیعلم اللہ من ینصرہ ورسولہ بالغیب. ان اللہ قوی عزیز. (اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو شخص اس کی اور اس کے رسول ﷺ کی غائبانہ مدد کرتا ہے بے شک اللہ تعالیٰ طاقتور اور غالب ہے) اسی مضمون کی رمز ہے پس دشمنوں کی آنکھ میں خاک ڈال کر دوستوں کو بھی مشقت وبلا میں مبتلا کیا ہے تاکہ ابتلاء

وآزمائش کی حکمت تمام ہو اور دوست عین بلا میں لذت پائیں اور دشمن دل کے اندھے خسارہ اور گھاٹا کھائیں: "یضل به کثیرا ویهدی به کثیرا."

(اکثر کو گمراہ کرتا ہے اور اکثر کو ہدایت دیتا ہے) انبیاء کا معاملہ کفار کے ساتھ اسی طرح ہوا ہے کہ کبھی اس طرف کا غلبہ ہوا ہے اور کبھی اس طرف کا جنگ بدر میں اہل اسلام کو فتح ہوئی اور جنگ احد میں کافروں کا غلبہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "ان یمسسکم قرح فقد مس القوم قرح مثله. وتلک الایام نداولها بین الناس ولیعلم الله الذین امنوا ویتخذ منکم شهداء والله لا یحب الظلمین. ولیمحص الله الذین امنو ویمحق الکافرین.

(اگر تم کو زخم لگا ہے تو پہلے تم (کافروں) کو ایسے ہی زخم لگے ہیں ان دنوں کو اللہ تعالیٰ لوگوں میں بدلاتے رہتے ہیں تاکہ ایمان داروں کو جدا کر لے اور تم میں سے گواہ بنا لے اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو دوست نہیں رکھتا اور اس کے لئے اللہ تعالیٰ ایمان داروں کا خالص کرے اور کافروں کو مٹا دے)

جواب "چہارم":

حق تعالیٰ سب چیزوں پر قادر ہے اور طاقت رکھتا ہے کہ دوستوں کو یہاں بھی ناز و نعمت عطا فرمائے اور وہاں بھی۔ لیکن یہ حق تعالیٰ کی حکمت و عادت کے برخلاف ہے حق تعالیٰ دوست رکھتا ہے کہ اپنی قدرت کو اپنی حکمت و عادت کے نیچے پوشیدہ رکھے اور اسباب وعلل کو اپنے جناب پاک کا روپوش بنائے۔ پس دنیا و آخرت کے باہم نقیض ہونے کے باعث دوستوں کے لئے دنیا کی بلا و محنت ہونا ضروری ہے تاکہ آخرت کی نعمتیں ان کے حق میں خوشگوار ہوں۔ یہی مضمون اصل سوال کے جواب میں پہلے ذکر ہو چکا ہے اب ہم پھر اصل بات کو بیان کرتے ہیں اور اصل سوال کا جواب دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ درد و بلا و مصیبت کا سبب اگرچہ گناہوں اور برائیوں کا کرنا در حقیقت بلا و مصیبت ان برائیوں کا کفارہ اور ان گناہوں کی ظلمات کو دور کرنے والی ہیں۔ پس کرم یہی ہے کہ دوستوں کو زیادہ سے زیادہ بلا و مصیبت و مشقت دیں تاکہ ان کے گناہوں کا کفارہ و ازالہ ہو۔ دوستوں کے گناہوں اور برائیوں کو دشمنوں کے گناہوں اور برائیوں کی طرح نہ خیال کریں۔ آپ نے

حسنات الابرار سيات المقربين سنا ہوگا اور اگر ان سے گناہ وعصیان بھی صادر ہو تو اور لوگوں کے گناہ وعصیان کی طرح نہ ہوگا بلکہ وہ سہو ونسیان کی قسم سے ہوگا اور عزم وقصد سے پاک ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ولقد عهدنا الی آدم من قبل فنسی ولم نجدله عزما۔
(ہم نے اس سے پہلے آدمؑ سے عہد کیا تھا لیکن اس نے بھلا دیا اور ہم نے اس کا کوئی عزم وقصد نہیں پایا) پس درد ومصائب کا زیادہ ہونا برائیوں کے زیادہ کفارہ ہونے پر دلالت کرتا ہے نہ کہ برائیوں کے زیادہ کمانے پر دوستوں کو زیادہ بلا دیتے ہیں تا کہ ان کے گناہوں کا کفارہ کر کے ان کو پاکیزہ لے جائیں اور آخرت کی مشقت سے ان کو محفوظ رکھیں۔ منقول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سکرات موت کے وقت جب حضرت فاطمہؓ نے ان کی بے قراری و بے آرامی دیکھی تو حضرت فاطمہ الزہرا بھی جنکو آپؐ نے الفاطمہ بضعة منی (فرمایا تھا کہ فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے کمال شفقت ومہربانی سے جو آپؐ کے ساتھ رکھتی تھیں۔ نہایت بے قرار و بے آرام ہو گئیں۔ جب آپؐ نے ان کی اس بے قراری و بے آرامی کو دیکھا تو حضرت فاطمہ زہراؓ کی تسلی کیلئے فرمایا کہ تیرے باپ کے لئے بھی ایک مشقت وتکلیف ہے اس سے آگے کوئی مشقت وتکلیف نہیں۔ یہ کس قدر اعلیٰ دولت ہے کہ چند روزہ محنت کے عوض دائمی سخت عذاب دور ہو جائے۔ ایسا معاملہ دوستوں کے ساتھ کرتے ہیں دوسروں کے ساتھ اس طرح نہیں کرتے اور ان کے گناہوں کا کفارہ کما حقہ اس جگہ نہیں فرماتے بلکہ ان کی جزا آخرت پر ڈال دیتے ہیں۔
پس ثابت ہوا کہ دوست ہی دنیاوی رنج والم کے زیادہ مستحق ہیں اور دوسرے لوگ اس دولت کے لائق نہیں کیونکہ ان کے گناہ کبیرہ ہیں اور التجا اور تضرع واستغفار وانکسار سے بے بہرہ ہیں اور گناہوں کے کرنے پر دلیر ہیں اور ارادہ وقصد سے گناہ کرتے ہیں جو تمرد وسرکشی سے خالی نہیں اور عجب نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی آیات پر ہنسی اڑائیں اور انکار کریں اور جزا گناہ کے اندازہ کے موافق ہے اگر گناہ دنیاوی خفیف ہے اور گناہ کرنے والا بھی التجا وزاری کرنے والا ہے تو اس گناہ کا کفارہ دنیاوی بلا ورنج سے ہو جائے گا اور اگر گناہ غلیظ وشدید وثقیل ہے اور گناہ کرنیوالا سرکش ومتکبر بھی

ہے تو وہ جرم آخرت کی جزا کے لائق ہے جو گناہ کی طرح شدید اور دائمی ہے۔ وما ظلمهم الله ولكن كانوا انفسهم يظلمون. اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔ آپ نے لکھا تھا کہ لوگ ہنسی اور ٹھٹھا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ اپنے دوستوں کو بلاء و محنت کیوں دیتا ہے اور ہمیشہ ناز و محن مشقت میں کیوں نہیں رکھتا اور اس گفتگو سے اس گروہ کی نفی کرنا چاہتے ہیں کفار بھی آپؐ کے حق میں اس قسم کی باتیں کہا کرتے تھے کہ مالهذا الرسول ياكل الطعام ويمشى فى الاسواق لولا انزل عليه ملك فيكون معه نذيرا او يلقىٰ اليه كنز او تكون له جنة ياكل منها (یہ رسول کیسا ہے جو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے کیوں نہیں اس پر فرشتہ اترتا۔ تاکہ اس کے ساتھ لوگوں کو ڈراتا یا اس کو خزانہ دیا جاتا یا اس کا کوئی باغ ہی ہوتا جس سے کھایا کرتا) ایسی باتیں وہی شخص کرتا ہے جس کو آخرت اور اس کے دائمی عذاب و ثواب کا انکار ہو اور دنیا کی چند روزہ فانی لذتیں ان کی نظر میں بڑی عزیز اور شاندار دکھائی دیتی ہوں۔ کیونکہ جو شخص آخرت پر ایمان رکھتا ہے اور آخرت کے ثواب و عذاب کو دائمی جانتا ہے۔ دنیاوی چند روزہ فانی بلاء و مشقت اس کو ہیچ نظر آتی ہے بلکہ اس چند روزہ محنت کو جس سے ہمیشہ کی راحت حاصل ہو عین راحت تصور کرتا ہے اور لوگوں کی گفتگو پر نہیں جاتا۔ درد و بلاء مشقت کا نازل ہونا محبت کا گواہ عادل ہے۔ کور باطن اور بیوقوف لوگ اگر اس کو محبت کے منافی جانیں تو جانیں۔ جاہلوں اور ان کی گفتگو سے روگردانی کے سوا اور کوئی علاج نہیں فاصبر صبراً جميلا. (پس اچھا صبر کر) اصل سوال کا دوسرا جواب یہ ہے کہ بلا تازیانہ محبوب ہے جس کے ذریعے محب اپنے محبوب کے ماسواء کی التفات سے ہٹ کر کلی طور پر محبوب کی پاک بارگاہ کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ پس درد و بلا کے لائق دوست ہی ہیں اور یہ بلا اس برائی کا کفارہ ہے کہ ان کا التفات ماسواء کے طرف ہے اور دوسرے لوگ اس دولت کے لائق نہیں ان کو زور سے محبوب کی طرف کیوں لائیں جس کو چاہتے ہیں مار لوٹ کر بھی محبوب کی طرف لے آتے ہیں اور اس کو محبوبیت سے سرفراز فرماتے ہیں اور جس کو محبوب کی طرف نہیں لانا چاہتے اس کو اپنے حال پر چھوڑ دیتے ہیں۔ اگر سعادت ابدی اس کے

شامل حال ہوگئی تو توبہ وانابت کی راہ سے ہاتھ پاؤں مار کر فضل وعنایت کی امداد سے مقصد تک پہنچ جائے گا ورنہ وہ جانے اور اس کا کام۔ اللھم لاتکلنی الی نفسی طرفۃ عین (یااللہ تو مجھے ایک لحظہ بھی اپنے حال پر نہ چھوڑ) پس معلوم ہوا کہ مریدوں کی نسبت مرادوں پر زیادہ بلاء آتی ہیں اسی واسطے آپؐ نے جو مرادوں اور محبوبوں کے رئیس ہیں فرمایا ہے کہ ما اوذی نبی مثل ما اوذیت (کسی نبی کو اتنی ایذا نہیں پہنچی جتنی مجھے پہنچی ہے)

گویا بلا دلالہ اور رہنما ہے جو اپنے حسن دلالت سے ایک دوست کو دوسرے دوست تک پہنچا دیتی ہے اور دوست کو ماسواہ کے التفات سے پاک کر دیتی ہے عجیب معاملہ ہے کہ دوست کروڑ ہا دے کر بلا کو خریدتے ہیں اور دوسرے لوگ کروڑ ہا دے کر بلا کو دفع کرنا چاہتے ہیں۔

سوال: کبھی ایسا ہوتا ہے کہ درد و بلاء کے وقت دوستوں سے بھی اضطراب و کراہت مفہوم ہوتی ہے اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب: یہ اضطراب و کراہت متقاضائے بشریت ضروری ہے اور اس کے باقی رکھنے میں کئی طرح کی حکمتیں اور مصلحتیں ہیں کیونکہ اس کے بغیر نفس کے جہاد و مقابلہ نہیں ہو سکتا۔ آپ نے سنا ہوگا کہ دین و دنیا کے سردار علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سکرات موت کے وقت کس قسم کی بے قراری و بے آرامی ظاہر ہوئی تھی وہ گویا نفس کے جہاد کا بقیہ تھا تا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتمہ خدا کے دشمنوں کے جہاد پر ہو۔ شدت مجاہدہ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ صفات بشریت کے تمام مادے دور ہو جائیں اور نفس کو کمال فرمانبردار بنا کر اطمینان کی حقیقت تک پہنچائیں اور پاک و پاکیزہ رکھیں۔ گویا بلا بازار محبت کی دلالہ ہے اور جو کوئی محبت نہیں رکھتا اس کو دلالہ سے کیا کام اور دلالگی اس کے کس کام آئے گی اور اس کے نزدیک کیا قدر و قیمت رکھے گی۔

درد و بلا کی دوسری وجہ یہ ہے کہ محب صادق اور مدعی کاذب کے درمیان تمیز ہو جائے اگر صادق ہے تو بلا کے آنے سے متلذذ و محظوظ ہوگا اور مدعی کاذب ہے تو بلا سے کراہت رنج والم اس کو نصیب ہوگا۔ سوائے صادق کے اس تمیز کو کوئی نہیں معلوم کر سکتا۔ صادق ہی کراہت والم کی حقیقت

کو کراہت والم کی صورت سے جدا کر سکتا ہے بشریت کی حقیقت کو صفات بشریت کی صورت سے الگ کر سکتا ہے۔ واللہ سبحانہ الھادی الی سبیل الرشاد (اللہ تعالیٰ راہ راست کی طرف ہدایت کرنے والا ہے)

ایک اور مکتوب میں حضرت والا فرماتے ہیں!

الخیر فی ما صنع اللہ سبحانہ (بہتر وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کرے) اس امر سے بشریت کے باعث کچھ غم وحزن لاحق ہوا اور سینہ میں تنگی ظاہر ہوئی لیکن کچھ مدت کے بعد اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے وہ سب حزن اور سینہ کی تنگی خوشی اور شرح صدر (سینہ کی فراخی) سے بدل گئی اور خاص یقین سے معلوم ہوا کہ اگر ان لوگوں کی مراد جو آزار کے درپے ہیں حق تعالیٰ کی مراد سے موافق ہے تو پھر سینہ کی تنگی اور کدورت بے فائدہ اور دعویٰ محبت کے برخلاف ہے کیونکہ محبوب کا ایلام اس کے انعام کی طرح محب کے نزدیک محبوب ومرغوب ہوتا ہے۔ محب جس طرح محبوب کے انعام سے لذت پاتا ہے اسی طرح اس کے ایلام سے بھی حظ لیتا ہے بلکہ اس کے ایلام میں زیادہ تر لذت پاتا ہے کیونکہ یہ محب کی اپنی مراد اور حظ نفس سے پاک ہے جب حق تعالیٰ جو جمیل مطلق اس شخص کا آزار چاہتا ہے تو حق تعالیٰ کا یہ ارادہ بھی حق تعالیٰ کی عنایت سے اس شخص کی نظر میں جمیل بلکہ لذت کا سبب ہے اور جب ان لوگوں کی مراد حق تعالیٰ کی مراد کے موافق ہے اور یہ مراد اس مراد کا دریچہ ہے تو ان لوگوں کی مراد بھی نظر میں پسندیدہ ہے کیونکہ اس شخص کا فعل بھی جو محبوب کے فعل کا مظہر ہے محبوب کے فعل کی طرح دکھائی دیتا ہے اور وہ شخص فاعل بھی اس نظر کے علاقہ سے محب کی نظر میں محبوب ظاہر ہوتا ہے عجب معاملہ ہے کہ جوں جوں اس شخص سے جفا زیادہ متصور ہوتی ہے توں توں محب کی نظر میں زیادہ زیبا دکھائی دیتا ہے کیونکہ محبوب کے غضب کی صورت زیادہ تر نمائش رکھتی ہے اس راہ کے دیوانوں کا کام الٹا اور برعکس ہے پس اس شخص کی برائی چاہنا اور اس کے ساتھ بگڑنا محبوب کی محبت کے خلاف ہے کیونکہ وہ شخص درمیان میں صرف محبوب کے فعل کا آئینہ ہے اور کچھ نہیں۔ وہ لوگ جو آزار کے درپے ہیں باقی خلائق کی نسبت فقیر کی نظر میں محبوب دکھائی

دیتے ہیں۔ آپ یاروں کو کہہ دیں کہ سینہ کی تنگیوں کو دور کریں اور ان لوگوں کے ساتھ جو آزار کے در پے ہیں دشمنی اور بگاڑ نہ کریں بلکہ انہیں چاہیے کہ ان کے فعل سے لذت حاصل کریں ہاں چونکہ ہم کو دعا کا امر ہے اور حق تعالیٰ دعا و التجاء تضرع و زاری کو پسند کرتا ہے اس لیے بلیہ و مصیبت کے دفع ہونے کیلئے دعا اور عفو و عافیت کا سوال کریں اور یہ غضب کی صورت کی گئی ہے وہ اس لیے ہے کہ غضب کی حقیقت دشمنوں کے نصیب ہے دوستوں کے ساتھ صورت میں غضب ہے اور حقیقت میں عین رحمت۔ غضب کی اس صورت میں محب کے اس قدر فائدے اور منافع رکھے ہیں جو بیان سے باہر ہیں نیز غضب کی صورت میں جو دوستوں کو عطا فرماتے ہیں منکر لوگوں کی خرابی ہے اور ان کی ابتلاء و آزمائش کا باعث ہے۔ شیخ محی الدین عربی قدس اللہ سرہ کی عبارات کے معنی آپ کو معلوم ہوں گے کہ اس نے کہا ہے کہ عارف کے لئے ہمت نہیں یعنی وہ ہمت جو بلیہ کو دفع کرنے کیلئے ہو۔ عارف سے مسلوب ہے۔ کیونکہ عارف جب بلیہ کو محبوب کی طرف سے جانتا ہے اور محبوب کی مراد تصور کرتا ہے تو بلیہ کے دفع کرنے کیلئے کس طرح ہمت کرے اس کو کیوں دفع کرے۔ اگرچہ بظاہر اس بلیہ کے دفع کرنے کی دعا زبان پر لاتا ہے۔ لیکن وہ صرف دعا کا امر بجا لانے کیلئے ہے۔ در حقیقت کچھ نہیں چاہتا اور جو کچھ آتا ہے اس سے لذت پاتا ہے۔ والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ (سلام ہو اس پر جس نے ہدایت اختیار کی)

ایک اور مکتوب میں حضرت فرماتے ہیں کہ محبوب کا رنج اس کے انعام سے اور اس کا جلال اس کے جمال سے زیادہ محبوب ہوتا ہے۔ معارف آگاہی شیخ بدیع الدین کی طرف صادر فرمایا ہے آپ نے خلق کی جفا و ملامت کے بارہ میں جو لکھا تھا یہ خود اس گروہ کا جمال اور اس کے زنگار کا صیقل ہے۔ پھر قبض و کدورت کا باعث کیوں ہو۔ ابتداء حال میں جب فقیر اس قطعے میں پہنچا تو محسوس ہوتا تھا کہ خلق کی ملامت کے انوار شہروں اور گاؤں سے نورانی بادلوں کی طرح پے در پے برس رہے ہیں اور کام کو پستی سے بلندی کی طرف لے جا رہے ہیں۔ سالوں تک جمالی تربیت کے ساتھ مراحل قطع کرتے رہے۔ اب جو جلالی تربیت کے ساتھ قطع مسافت کرنے لگے ہیں تو صبر

بلکہ رضا کے مقام میں رہیں جمال وجلال کو برابر جانیں۔ آپ نے لکھا تھا کہ فتنہ کے ظاہر ہونے کے وقت نہ ذوق رہا ہے اور نہ حال چاہیے تھا کہ ذوق وحال دگنا ہوتا۔ کیونکہ محبوب کی جفا اس کی وفا سے زیادہ لذت دیتی ہے۔ آپ کو کیا ہو رہا ہے کہ عام لوگوں کی طرح باتیں کر رہے ہیں اور محبت ذاتیہ سے دور نکل گئے ہیں۔ برخلاف گزشتہ کے جلال وجمال سے زیادہ خیال کریں اور درد والم کو انعام سے زیادہ تصور کریں۔ کیونکہ جمال اور انعام محبوب کی مراد کے برخلاف ہے۔ وقت وحال سے مراد اس جگہ سابقہ وقت وحال کے ماسواہ ہے۔ شتان ما بینھما (ان دونوں میں بہت فرق ہے) آپ نے حرمین شریفین کی زیارت کے بارہ میں لکھا تھا۔ کیا مانع ہے۔ حسبنا اللہ ونعم الوکیل (کافی ہے ہم کو اللہ تعالیٰ اور وہی اچھا وکیل ہے)

ایک اور مکتوب میں حضرت ارشاد فرماتے ہیں کہ خوشی و رنج اور تنگی و فراخی اور نعمت و عذاب اور رحمت و زحمت اور دکھ و سکھ اور عطا و بلا میں اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور صلوٰۃ و اسلام ہو اس رسولؐ پر جس کے برابر کسی اور رسول کو ایذا ئیں نہیں دی گئی اور نہ کوئی اس جیسا کوئی نبی بلا میں مبتلا ہوا ہے۔ اس لیے تمام جہان کے لئے رحمت اور اولین و آخرین کے سردار بن گئے۔ اے فرزندان عزیز ا ابتلاء کا وقت اگرچہ تلخ و بے مزہ ہوتا ہے لیکن اگر فرصت دیں تو غنیمت ہے تم کو اب فرصت مل گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد بجالا کر اپنے کام میں لگے رہو اور ایک دم بھی اپنے لیے فراغت و آرام پسند نہ کرو اور تین چیزوں میں سے ایک میں ضرور مشغول رہو قرآن مجید کی تلاوت کرو یا لمبی قرات کے ساتھ نماز پڑھو۔ یا کلمہ طیبہ لاالہ الا اللہ کا تکرار کرتے رہو۔ کلمہ لا الہ کے ساتھ حق تعالیٰ کے سوا تمام جھوٹے خداؤں اور اپنے نفس کی نفی کرنی چاہیے اور اپنی تمام مرادوں اور مقصدوں کو دفع کرنا چاہیے کیونکہ اپنی مراد کو پیش نظر رکھنا اپنی الوہیت کا دعویٰ کرنا ہے بلکہ سینہ میں کسی مراد کی گنجائش نہ رہے اور مخیلہ میں کوئی ہوس باقی نہ رہے تاکہ بندگی کی حقیقت حاصل ہو۔ اپنی مراد کا طلب کرنا گویا اپنے مولا بننے کا اثبات ہے اس امر کی برائی اچھی طرح معلوم کر کے اپنی الوہیت کے دعویٰ کی نفی کرو تاکہ تمام ہوا وہوس سے کامل طور پر پاک ہو جاؤ اور طلب مولیٰ کے سوا تمہاری کوئی مراد نہ رہے

یہ مطلب اللہ تعالیٰ کی عنایت سے بلاء وابتلاء کے زمانہ میں بڑی آسانی سے میسر ہو جاتا ہے اور اس زمانہ کے ہوا و ہوس سد سکندری ہے گوشہ میں بیٹھ کر اس کام میں مشغول رہو کہ اب فرصت غنیمت ہے فتنہ کے زمانہ میں تھوڑے کام کو بہت اجر کے عوض قبول کر لیتے ہیں اور فتنہ کے زمانہ کے سوا سخت ریاضتیں اور مجاہدے درکار ہیں۔ اطلاع دینا ضروری ہے۔ چاہے ملاقات ہو یا نہ ہو۔ یہی نصیحت ہے کہ کوئی مراد و ہوس نہ رہے۔ اپنی والدہ کو بھی اس امر پر اطلاع دے دو اور ان کو اس پر عمل پیرا ہونے کی ترغیب دو۔ باقی احوال چونکہ یہ جہان فانی اور گزرنے والا ہے کیا لکھے جائیں۔ چھوٹوں پر شفقت رکھو اور ان کو پڑھنے کی ترغیب دو باقی جہاں تک ہو سکے تمام اہل حقوق کو ہماری طرف سے راضی کرو اور ایمان کی سلامتی سے محمد ودو معاون رہو بار بار بھی لکھا جاتا ہے کہ اس وقت کو بے ہودہ امور میں ضائع مت کرو اور ذکر الٰہی کے سوا کسی کام میں مشغول نہ ہو اب کتابوں کے مطالعہ اور طلباء کے تکرار کا وقت نہیں ہے اب ذکر کا وقت ہے تمام نفسانی خواہشوں کو جو جھوٹے خدا ہیں "لا" کے نیچے لا کر سب کی نفی کر دو اور کوئی مراد و مقصود سینے میں نہ رہنے دو حتیٰ کہ میری خلاصی بھی جو کہ تمہارے لیے نہایت ضروری ہے تمہاری مراد و مطلوب نہ ہو اور حق تعالیٰ کی تقدیر اور فعل اور ارادہ پر راضی رہو اور کلمہ طیبہ کے اثبات کی جانب سے غیب ہویت کے سوا جو تمام معلومات و تخیلات کے وراء الوراء ہے کچھ نہ رہے۔ حویلی و سرائے و چاہ و باغ اور کتابوں اور دوسری تمام اشیاء کا غم سہل ہے ان میں سے کوئی چیز تمہارے وقت کیلئے مانع نہ ہو اور حق تعالیٰ کی مرضیات کے سوا تمہاری کوئی مراد اور مرضی نہ رہے۔ ہم اگر مر جاتے تو یہ چیزیں بھی چلی جاتیں بہتر ہے کہ ہماری زندگی میں چلی جائیں تاکہ کوئی فکر نہ رہے۔ اولیاء نے ان امور کو اپنے اختیار سے چھوڑا ہے ہم حق تعالیٰ کے اختیار سے ان امور کو چھوڑ دیں اور شکر بجالائیں امید ہے کہ مخلصین میں سے ہو جائیں گے جہاں تم بیٹھے ہو اسی کو اپنا وطن خیال کرو چند روزہ زندگی جہاں گزرے یاد حق میں گزر جائے۔ دنیا کا معاملہ آسان ہے اس کو چھوڑ کر آخرت کی طرف متوجہ ہو اور اپنی والدہ کو تسلی اور آخرت کی ترغیب دو۔ باقی رہی ایک دوسرے کی ملاقات اگر حق تعالیٰ کو منظور ہوا تو ہو جائے گی

ورنہ اس کی تقدیر پر راضی رہو اور دعا کرو کہ دارالسلام میں سب جمع ہوں گے اور دنیاوی ملاقات کی تلافی کو اللہ تعالیٰ کے کرم سے آخرت کے حوالہ کریں۔ الحمدللہ علیٰ کل حال۔ (ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی حمد ہے)

امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کا یہ مکتوب جلیل ہے کہ کس قدر صبر کے مقام پر ہیں اور دوسروں کو بھی تلقین کر رہے ہیں۔

حضرت اقدس مولانا عاشق الٰہی میرٹھیؒ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کے حالات میں لکھتے ہیں۔

مصیبت کا راز:

دنیا عجیب گھر ہے کہ غمی اور خوشی دو جڑواں بھائی ہیں قدرت کے یہی تصرفات جو حوادث و واقعات کہلاتے ہیں ان کے ضبط و استقلال کی کسوٹی اور مسلمان کے تعلق مع اللہ اور ایمان بالغیب کا امتحان بنتے ہیں کہ انسان کی ابنائے جنس کے ساتھ محبت بھی فطرت ہے اور کوئی اس کی تبدیلی میں کوشش بھی کرے تو شریعت اس کو ممنوع اور حرام قرار دے کر مجبور کرتی ہے کہ قدرت کا مقابلہ کر کے فرعون نہ بنو۔ بایں ہمہ شریعت چاہتی ہے کہ ان تمامی تعلقات کی فنائیت و انقطاع کو ہر لحہ یاد رکھو تا کہ حیی و قیوم خدا کے ساتھ انس و محبت کا تعلق نہ چھوٹنے پائے۔ یہی حوادث اور محبوب چیزوں کا فراق قلب میں وہ شکستگی پیدا کرتا ہے جو نفس امارہ کی شرکت کو مضمحل اور عالم آخرت سے غفلت و نسیان کو زائل کرتا ہے اس لیے یوں بھی حق تعالیٰ کی ایک نعمت عظمیٰ ہے کہ جو کیفیت مستحسنہ ہزاروں برس کے مجاہدہ سے بھی حاصل نہیں ہو سکتی وہ حوادث پر صبر اور تصرفات الٰہیہ پر رضا و تسلیم کے صلہ میں ایک لحہ کے اندر نصیب ہو جاتی ہے۔

صوفی نہ شود صافی تا در نکشد جامے
بسیار سفر باید تا پختہ شود خامے

اس لیے حضرت کے لئے جس طرح اجمالاً اللہ حق تعالیٰ نے یہ مقدر فرمایا تھا کہ بی بی کے ساتھ کمال انس ومحبت ہو کہ عفت وپاک دامنی کے لئے لازمہ بشریت ہے۔ اسی طرح یہ بھی آپ کی پیدائش کے قبل طے فرمادیا تھا کہ اس کی دنیوی مفارقت وموت کا صدمہ بھی آپ کو پیش آئے اور ابتداء سلوک میں مجاہدہ عظمیٰ کے قائم مقام بن کر آپ کی لطیف کو درجہ علیا پر پہنچائے لہٰذا جو پیش آنا تھا وہ پیش آیا کہ پانچ سال کے اندر وصال وفراق اور لقاء وجدائی کے دونوں منظر آپ کی نظر کے سامنے گزرے نکاح بھی ہو گیا اور لڑکا ولڑکی بھی پیدا ہوئے اور وہ عفت مآب خاتون جس کا وجود آپ کے لئے طبعی سکون وانس کا سبب تھا ہمیشہ کیلئے زمین میں مستور بھی ہو گئی۔

حال دنیا را بہ پرسیدم من از فرزانہ
گفت یا خوابے است یا بادے است یا افسانہ
باز گفتم حال آنکس گو کہ دل درو بے بہ بست
گفت یا غولے است یا دیوے است یا دیوانہ

بی بی بچے والدین برادران اور اقارب واحباب کے تمامی تعلقات کی نوعیت جدا اور ہر ایک کی مفارقت وموت کا صدمہ ایک نرالا طریق رکھتا ہے۔ جس کی بناء پر رحمٰن رحیم خدا نے ہر ایک پر صبر کا ثمرہ بھی جدا اور اجر وثواب کی نوعیت بھی علیحدہ مرتب فرمائی ہے پس آپ کی شان عظمت جس نے بلا قصد وارادہ آپ کے کنبہ کو ظہور آثار سے بہت پہلے آپ کا نام خلیل احمد رکھنے پر مجبور کیا تھا اس کو مقتضی تھی کہ ایک وقت میں مونسہ وغمگسار بی بی اور نیز نور نظر ولخت جگر بچہ کی مفارقت پر آپ کی تسلیم ورضا کا امتحان لیا جائے۔

بچی اور بیوی کا انتقال:

اس لیے تین ہی دن میں دونوں سانحے پیش آئے اور حق تعالیٰ اپنے بندوں کا امتحان لیتا اور خود ہی ان کو سنبھالتا تعلیم دیتا رہبری فرماتا اور کامیاب بناتا ہے آپ کو بھی سنبھالا کہ رضا بر قضا میں فرق نہ آنے پایا۔

حکیم الامت حضرت تھانوی لکھتے ہیں!

ناگوار واقعات کی حکمت یہ ہے کہ آخرت کا شوق عادۃً بدوں دنیا کی نفرت کے نہیں ہوسکتا اور دنیا سے نفرت بدوں ناگوار حرارت کے نہیں ہوتی۔ یہ حق تعالیٰ کی رحمت ہے کہ ایسے اسباب پیدا فرما دیتے ہیں کہ آدمی کو خود بخود دنیا سے نفرت ہو جاتی ہے۔ اس لیے میں کہا کرتا ہوں کہ تحریک حاضر میں جو مجھ کو برا بھلا کہا گیا میرے نقصان کا سبب نہیں ہوئی بلکہ نفع کا سبب ہوئی چہار طرف سے نظر ہٹ کر ایک ہی طرف ہو گئی اس ہی لیے میں ان لوگوں کو اپنا محسن سمجھتا ہوں جنہوں نے مجھ پر سب و شتم کیا یہ دولت ان کی بدولت نصیب ہوئی یہی وجہ ہے کہ میں سب کو دل سے معاف کر چکا ہوں کنکریوں کے بدلے مجھ کو جواہرات عطا فرما گئے حق تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر و احسان ہے کہ مجھ ناکارہ پر اپنا فضل فرمایا (ملفوظات حکیم الامت ج 3 ص 102)

دوسرے مقام پر لکھتے ہیں!

حزن سے ترقی باطن ہونے کی تحقیق:

حزن سے طبیعت میں شکستگی پیدا ہوتی ہے کہ بیٹھے ہوئے رو رہے ہیں یا پگھل رہے ہیں اور یہ خود ایک مستقل مجاہدہ بھی ہے اس لیے کہ تکلیف پر اجر کا وعدہ ہے ... دس گھنٹہ کا حزن اور گریہ دس برس کے مجاہدہ سے زیادہ کام بنانے والا ہے اور فضیلت رکھنے والا ہے (ایضاً ج 2 ص 32)

تیسرے مقام پر لکھتے ہیں!

ایک تحصیلدار میرے پاس آئے کہنے لگے طاعون سے بھاگنا کیوں ناجائز ہے میں نے کہا پہلے آپ میرے ایک سوال کا جواب دیں وہ یہ کہ سپاہی کا میدان جنگ سے بھاگنا کیوں جرم ہے حالانکہ وہاں پر جان کا خوف طاعون سے بھی زیادہ ہے تو میدان میں رہنا خلاف عقل نہیں اور طاعون میں رہنا خلاف عقل ہے وہ سمجھ گئے۔ میں نے کہا کہ بادشاہ مجازی کو تیس روپیہ تنخواہ دے کے حق حاصل ہے کہ وہ جان کا مالک بن جائے اور حق تعالیٰ کو پیدا کر کے یہ بھی حق نہ ہوا اس جواب پر بہت مسرور ہوئے۔ (ملفوظات ج 2 ص 271)

معلوم ہوا کہ انسان کو مقام رضا میں رہنا چاہیے۔ مالک الملک جو چاہے ہم میں تصرف فرمائے۔
قطب الارشاد شاہ عبدالقادر رائپوری نے ایک مرتبہ فرمایا۔ چودھری افضل حق خوب آدمی تھے سنا ہے کہ ایثار کا مادہ بہت زیادہ تھا جب ممبر اسمبلی تھے تو روپیہ اوروں پر خرچ کر دیتے اور خود مکئی کی روٹی اور چٹنی وغیرہ پر گزر کرتے رہے۔ ایک عجیب بات ہے اللہ کی دین کا کیا کہیے تحریک کشمیر میں مرحوم سے کوئی اخلاص (مجاہدہ کا) کا کام ہو گیا۔ اخلاص کی برکت سے ان پر ایسے انوار طاری ہو گئے تھے کہ بڑے ذاکر شاغل لوگوں پر ہوا کرتے ہیں اور ایسی کیفیات طاری ہونے لگی تھیں جو بڑی مبارک ہوتی ہیں۔ (ملفوظات حضرت رائپوری ص 99)

ایک دوسرے مقام پر فرمایا!
حضرت شیخ الہند کو ہم نے اسارت مالٹا سے پہلے بھی دیکھا اور بعد میں بھی۔ زمین و آسمان کا فرق تھا۔ بڑے میاں قید سے وہ کما کر لائے۔ جو تصور میں بھی نہیں آ سکتا۔ (ایضاً ص 46)

تکالیف اور سختیوں پر صبر کرنا

ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی طرف دھیان رکھنا:

فقیہ ابو اللیثؒ اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اے لڑکے یا او بچے کیا میں تمہیں ایسے کلمات نہ سکھاؤں جن سے اللہ تعالیٰ تمہیں نفع بخشیں گے۔ میں نے عرض کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضرور ارشاد فرمایئے۔ ارشاد فرمایا تو اللہ کا دھیان رکھ وہ تیرا دھیان رکھے گا۔ تو اس کی طرف متوجہ رہے تو اسے اپنے سامنے پائے گا۔ خوش حالی کے ایام میں اس کے ساتھ جان پہچان پیدا کر وہ تنگ حالی میں تجھے پہچانے گا۔ جب بھی مانگنا ہو تو اللہ تعالیٰ سے مانگو۔ جب بھی مدد چاہو تو اللہ سے مدد چاہو جو کچھ ہونے والا ہے تقدیر کا قلم لکھ کر خشک ہو چکا اگر تمام مخلوق مل کر یہ چاہے کہ تجھے کوئی نفع پہنچائے جو اللہ تعالیٰ نے تیرے مقدر میں نہیں لکھا تو وہ ایسا نہیں کر سکتے اور اگر سبھی مل کر تجھے کچھ نقصان پہنچانا

چاہیں جو اللہ تعالیٰ نے تیرے لیے نہیں لکھا تو وہ ایسا نہیں کر سکتے۔ پورے یقین کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے عمل کرتے رہو اور شکر کرتے رہو اور یہ بھی جان لو کہ ناگوار بات پر صبر کرنے میں بہت ہی خیر ہے اور صبر میں اللہ تعالیٰ کی نصرت ملتی ہے اور عافیت تکالیف کے ساتھ اور آسانی تنگیوں کے ساتھ ہے۔

صبر کا درجہ تمام امور میں ایسا ہے جیسا بدن میں سر:

حضرت علیؓ سے پچاس کے قریب مشائخ یہ بات نقل کرتے ہیں کہ آپؓ نے فرمایا اے لوگو مجھ سے پانچ باتیں خوب یاد کرلو دو جوڑے ہیں ایک الگ ہے۔

۱۔ اپنے گناہ کے سوا کسی سے خوف مت رکھو۔

۲۔ اپنے رب کے سوا کسی سے کوئی امید مت رکھو۔

۳۔ کوئی شخص جب نہیں جانتا تو اسے سیکھنے سے حیا نہیں کرنی چاہیے۔

۴۔ جب تم میں سے کسی ایک سے پوچھا جائے اور وہ نہ جانتا ہو تو یہ کہنے میں کہ میں نہیں جانتا حیا نہیں کرنی چاہیے۔

۵۔ اور جان رکھو کہ صبر کا تمام امور میں وہی درجہ ہے جو بدن میں سر کا ہے جب سر بدن سے جدا ہو جاتا ہے تو جسم بیکار ہو جاتا ہے ایسے ہی جب صبر جاتا رہے تو سب امور بگڑ جاتے ہیں۔

کامل فقیہ:

پھر فرمانے لگے تمہیں کامل درجہ کا فقیہ بتاؤں۔ عرض کیا گیا بتلایئے اے امیر المومنین ارشاد فرمایا جو شخص لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہیں کرتا۔ اس کی بخشش سے ناامید نہیں کرتا جو لوگوں کو اللہ کی تدبیر سے بے خوف نہیں کرتا۔ جو لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی معصیت اچھی بنا کے نہیں دکھاتا جو موحد اور عارف لوگوں کو جنت کے وارث اور گنہگاروں کو قطعی دوزخی نہیں بناتا۔ حتیٰ کہ خود اللہ تعالیٰ ان میں فیصلہ فرما دیں۔ اس امت کے بہترین لوگ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے کبھی بے خوف نہیں

ہوتے۔ اللہ پاک کا ارشاد ہے۔

فلا یامن مکر اللہ الا القوم الخسرون۔ (الاعراف ۹۹)

ترجمہ: سو خدا کی پکڑ سے بجز ان کے جن کی شامت ہی آ گئی ہو اور کوئی بے فکر نہیں ہوتا اور اس امت کے برے لوگ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

انہ لا ییئس من روح اللہ الا القوم الکافرون۔ (یوسف ۸۷)

ترجمہ: بے شک اللہ کی رحمت سے وہی لوگ مایوس ہوتے ہیں جو کافر ہیں۔

صبر تمام اعمال سے افضل ہے:

عیسیٰ بن میسبؒ یزید رقاشیؒ سے روایت کرتے ہیں کہ جب بندہ قبر میں داخل ہوتا ہے تو نماز اس کی دائیں جانب کھڑی ہوتی ہے اور زکوٰۃ بائیں جانب اور حسن سلوک اس پر سایہ کرتا اور صبر اس کی طرف سے جھگڑتا ہے اور دوسرے اعمال کو کہتا ہے کہ اپنے اس ساتھی کا خیال رکھو۔ اگر تم اس کو بچا سکو تو خیر ورنہ میں تو اس کی پشت پر ہوں۔ یعنی اگر تم اس سے عذاب ہٹا سکو تو ٹھیک ہے ورنہ تم سب کی طرف سے کافی ہوں اور اسے عذاب سے بچاؤں گا۔ ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ صبر تمام اعمال سے افضل ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

انما یوفی الصبرون اجرھم بغیر حساب۔

ترجمہ: مستقل رہنے والوں یعنی صبر کرنے والوں کو ان کا صلہ بے شمار ہی ملے گا۔

مصائب اور پریشانیاں گناہوں کا کفارہ ہیں:

حضرت محمد بن مسلمؓ یہ روایت بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی دربار رسالت میں حاضر ہوا۔ کہنے لگا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا مال جاتا رہا اور جسم بیمار ہو گیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا اس بندے میں کوئی خیر نہیں جس کا مال کبھی نہ جائے اور وہ کبھی بیمار نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کا معاملہ کرتے ہیں۔ تو اسے آزمائش میں ڈالتے ہیں اور وہ محبوب بندہ اس پر صبر کرتا ہے۔ حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ جس شخص کو سلطان بلا وجہ قید کر دے اور وہ اسی قید کی حالت میں مر جائے تو وہ شہید

ہے اور ایسے ہی اگر اس کی مار پیٹ کی وجہ سے مر گیا تو بھی شہید ہے۔ آنحضرت کی ایک حدیث ہے کہ ایک بندے کے لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں درجہ ہوتا ہے جہاں تک وہ اپنے عمل سے نہیں پہنچ سکتا حتیٰ کہ وہ کسی جسمانی آفت میں مبتلا ہوتا ہے اور اس کی بدولت اس درجہ کو پالیتا ہے ایک روایت میں ہے کہ جب قرآن کی آیت من یعمل سوء یجز بہ. جو کوئی برا کام کرے گا اس کے عوض میں سزا دیا جائے گا۔ نازل ہوئی تو حضرت ابوبکرؓ کہنے لگے یا رسول اللہؐ اس آیت کے بعد خوشی کی کونسی صورت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اے ابوبکر اللہ تعالیٰ تیری مغفرت فرمائیں کیا تو بیمار نہیں ہوتا۔ کیا تجھے کوئی تکلیف نہیں پہنچتی۔ کیا تجھے کبھی کوفت نہیں ہوتی کیا تجھے کبھی کوئی غم نہیں ہوتا۔ یہی وہ جزا اور بدلہ ہے جو برے کام پر ملتا ہے۔ حاصل یہ کہ تمام مذکورہ مصائب اور پریشانیاں تیرے گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہیں۔

حضرت علیؓ روایت کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ مجھ پر ایک ایسی آیت نازل ہوئی ہے جو میری امت کے لئے تمام دنیا اور اس کے خزانوں سے بہتر ہے۔ آپ نے من یعمل سوء یجز بہ کی تلاوت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ جب بندہ کوئی گناہ کرتا ہے تو اسے دنیا میں کوئی آفت و مصیبت پہنچتی ہے تو اللہ کی رحمت سے بعید ہے کہ اسے دوبارہ عذاب دے۔

صبر کے بغیر اعلیٰ مراتب حاصل نہیں ہو سکتے:

فقیہ فرماتے ہیں کہ بندہ برگزیدہ لوگوں کے مرتبہ کو سختیوں اور مصیبتوں پر صبر کے بغیر نہیں پا سکتا۔ خود اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو صبر کا حکم فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

فاصبر کما صبر اولوا العزم من الرسل. (الاحقاف:35)

ترجمہ: تو آپ صبر کیجئے جیسا ہمت والے پیغمبروں نے صبر کیا۔

حضرت خبابؓ بن ارت روایت کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ بیت اللہ کے سائے میں چادر کا تکیہ بنائے آرام فرما رہے تھے۔ ہم نے کفار کے مظالم کی شکایت کی اور عرض کیا کہ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا فرمایئے اور ہمارے لئے اس کی نصرت کی درخواست کیجئے۔ آپ اٹھ بیٹھے رنگ سرخ ہو گیا اور فرمانے لگے تم سے پہلے ایسے لوگ گزرے ہیں کہ ایک آدمی لایا جاتا اس کے لئے گڑھا کھودا جاتا تھا اور اس کے سر پر آرا چلا کر دو ٹکڑے کر دیا جاتا مگر پھر بھی یہ مظالم ان کو دین سے نہ پھیر سکتے۔

حضرت انس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث روایت کرتے ہیں کہ قیامت کے دن اہل زمین کے سب سے بڑے ناز و نعمت والے آدمی کو لایا جائے گا اور دوزخ میں ایک غوطہ دیا جائے گا۔ پھر نکالا جائے گا۔ تو وہ جل کر سیاہ ہو چکا ہوگا۔ اس سے سوال ہوگا کہ دنیا میں رہتے ہوئے تجھے کوئی راحت و نعمت بھی کبھی حاصل ہوئی تو وہ جواب دے گا بالکل نہیں میں تو جب سے پیدا ہوا اسی عذاب و بلا میں مبتلا ہوں۔ پھر اہل دنیا میں سے زیادہ تنگدست اور مصیبت زدہ آدمی کو بلا کر جنت میں ایک غوطہ دیا جائے گا۔ یعنی گھڑی بھر کے لئے اسے جنت میں داخل کر کے نکال لیا جائیگا۔ تو وہ یوں ہوگا جیسے چودھویں کا چاند اس سے سوال ہوگا۔ کہ تو نے کبھی کوئی مصیبت بھی دیکھی ہے وہ کہے گا بالکل نہیں میں تو ہمیشہ سے اسی لذت اور راحت میں ہوں۔

اللہ کی حمد کرنے کا ثمرہ:

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ سب سے پہلے جنت کی طرف ان لوگوں کو لایا جائے گا۔ جو حمادون کہلائیں گے کہ وہ تنگی اور فراخی کے ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرتے تھے۔ لہٰذا بندہ کو لازم ہے کہ جو مصیبت بھی پہنچے اس پر صبر کرے اور یقین پیدا کرے کہ اللہ تعالیٰ نے جو مصیبت مجھ سے ہٹا دی ہے وہ اس پہنچنے والی آفت سے کہیں زیادہ تھی اور اس پر اللہ

تعالیٰ کا شکر اور حمد و ثناء کرے اور اس سلسلہ میں اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عظیم نمونہ پیش نظر رکھے کہ آپ نے مشرکین کی ایذاؤں پر کس قدر صبر کیا تھا۔

کفار قریش کا حضور ﷺ کو ایذاء پہنچانا:

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ راوی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ شریف کے پاس نماز پڑھ رہے تھے۔ ابوجہل اور اس کے ساتھی بیٹھے تھے۔ ابوجہل لعین کہنے لگا کہ تم میں سے کون ہے جو اونٹوں کے اوجھ اٹھالائے جو کل ذبح ہوئے تھے اور لا کر جب محمدؐ سجدہ کو جائیں تو ان کے کندھوں پر ڈال دے ایک بدبخت گیا اور اوجھ اٹھالایا اور جب نبی کریم سجدہ ریز ہوئے تو آپ کے مبارک کندھوں پر اسے ڈال دیا اور سب دیکھ کے ہنسنے لگے۔ ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ میں یہ سب ماجرا دیکھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ اگر ہمت ہوتی تو آپ کی کمر مبارک سے اسے ضرور اتار پھینکتا۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بدستور سجدہ میں پڑے رہے اور سر نہ اٹھایا حتیٰ کہ ایک آدمی نے حضرت فاطمہؓ کو خبر دی وہ ابھی بچی ہی تھیں تشریف لائیں اور وہ اوجھ آپ کی کمر مبارک سے ہٹائی اور بدبختوں کو برا بھلا کہنے لگیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو آواز بلند آپ نے بددعا کرتے ہوئے تین بار فرمایا" اے اللہ قریش کو پکڑ لے" ان کافروں نے جب آپ کی آواز بددعا سنی تو ڈر کے مارے سب ہنسی غائب ہوگئی آپ نے اس دعا میں قریش کے عمومی لفظ کے علاوہ ابوجہل، عتبہ، شیبہ، ولید بن عتبہ اور امیہ بن خلف کا خصوصیت سے نام لیا۔ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ اس ذات کی قسم جس نے محمدؐ کو برحق مبعوث فرمایا کہ جن جن کا نام آپ نے لیا تھا میں نے بدر کے دن انہیں ہلاک ہوتے دیکھا۔

مصائب پر صبر کرنے کا اجر:

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک نبی نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا کہ اے اللہ تیرا مومن بندہ تیری اطاعت کرتا ہے۔ نافرمانی سے بچتا ہے مگر تو دنیا کو اس سے ہٹا رکھتا ہے اور آفات

میں مبتلا کرتا ہے اور کافر تیری اطاعت نہیں کرتا بلکہ نافرمانیوں پر جرأت دکھاتا ہے پھر بھی تو اس سے آفات کو دور رکھتا ہے اور دنیا کی فراوانی بخشتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ بندے بھی میرے ہیں اور آفات بھی میری ہی پیدا کردہ ہیں اور ہر چیز میری حمد و ثناء کرتی ہے۔ مومن بندہ کے ذمہ کوئی گناہ ہوتا ہے تو میں اس سے دنیا کو ہٹا کر مصیبت میں مبتلا کرتا ہوں تاکہ اس کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے پھر جب میری ملاقات ہوگی تو میں اس کی نیکیوں کا بدلہ اسے عطا کروں گا اور کافر کی برائیوں کے باوجود میں اس کے لئے رزق کی فراخی کرتا ہوں اور آفتوں کو ٹالتا ہوں۔ حتیٰ کہ میرے پاس آئے گا تو اس کے گناہوں کا بدلہ چکھاؤں گا۔

حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں یا محبت کا معاملہ کرتے ہیں تو اس پر مصائب و آفات ڈالی جاتی ہیں اور جب وہ دعا کے لئے پکارتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں کہ اے اللہ یہ آواز تو جانی پہچانی معلوم ہوتی ہے وہ دوبارہ یا رب یا رب پکارتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں لبیک و سعدیک یعنی میرے بندے میں حاضر ہوں تو مجھ سے جو بھی مانگے گا عطا کروں گا۔ یا اس کی بجائے کوئی شر اور آفت دور کر دوں گا یا اپنے پاس تیرے لیے وہ چیز جمع رکھوں گا جو تیرے مطلوب سے بہتر ہوگی پھر جب قیامت کا دن ہوگا اعمال والے لائے جائیں گے اور ان کے اعمال کا بدلہ انہیں میزان کے ذریعہ پورا پورا دیا جائے گا۔ نماز والوں کو روزہ داروں کو صدقہ اور حج والوں کو گویا سب کو جزاء اور بدلہ مل جائے گا پھر مصیبت زدہ لوگوں کو لایا جائے گا نہ ان کے لیے ترازو قائم ہوگی اور نہ ان کے دفتر کھولے جائیں گے ان پر اجر و ثواب یوں بہایا جائے گا جیسا کہ ان پر دنیا میں مصیبتیں بہائی جاتی رہیں اہل مصیبت کا یہ عظیم اجر و ثواب دیکھ کر دنیا میں عافیت سے بسر اوقات کرنے والے تمنا کریں گے کہ اے کاش ان کے جسم قینچیوں سے کاٹے جاتے بھی وہ اجر ہے جس کا تذکرہ اللہ پاک کے اس ارشاد میں ہے۔

انما یوفی الصبرون اجرھم بغیر حساب۔

صبر کرنے والوں کو بے شمار اجر ملے گا۔

روایت ہے کہ پہلے زمانہ میں ایک مومن اور کافر مل کر مچھلیوں کا شکار کرنے چلے۔ کافر نے اپنے خداؤں کا نام لے کر جال ڈالا اور نکالا تو بہت سی مچھلیاں پھنس گئیں اور مومن نے اپنے اللہ کا نام لے کر جال ڈالا مگر اسے کوئی مچھلی ہاتھ نہ لگی۔ حتیٰ کہ غروب کے قریب ایک مچھلی پکڑی مگر وہ بھی ہاتھ سے نکل کر پانی میں چلی گئی اور مومن خالی ہاتھ واپس لوٹا جب کہ کافر اپنا زنبیل بھر کر لا رہا تھا اس واقعہ سے اس فرشتے کو بھی افسوس ہوا جو مومن کے ساتھ مقرر تھا مگر جب وہ آسمان کی طرف گیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے بہشت میں مومن کا ٹھکانہ دکھایا اس پر وہ فرشتہ کہنے لگا کہ خدا کی قسم یہ ٹھکانہ مل جانے کے بعد اس مومن کو جو بھی آفت اور پریشانی آئے اس کا کوئی حرج نہیں پھر اسے کافر کا ٹھکانہ دوزخ میں دکھایا گیا تو کہنے لگا خدا کی قسم اس ٹھکانے کے بعد دنیا میں اسے جو کچھ بھی مل جائے اس کا کچھ فائدہ نہیں۔

قیامت کے دن چار قسم کے لوگوں پر چار بندوں کے ذریعہ حجت قائم کی جائے گی:

کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ چار قسم کے لوگوں پر اپنے چار بندوں کے ذریعہ حجت قائم فرمائیں گے۔ اغنیاء یعنی مالداروں پر حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام کے ذریعہ جب غنی کہے گا کہ مال و دولت کی مصروفیت نے مجھے تیری عبادت سے ہٹائے رکھا تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے تو سلیمانؑ سے بڑھ کر تو غنی نہ تھا۔ اس کی دولت و ثروت نے اسے میری عبادت سے نہیں روکا۔ غلاموں پر حضرت یوسف علیہ السلام کے ذریعہ حجت قائم کریں گے۔ جب کوئی غلام کہے گا کہ میں (مملوک) غلام تھا میری غلامی تیری عبادت سے رکاوٹ بنتی رہی۔ تو اللہ پاک فرمائیں گے کہ یوسف علیہ السلام کو ان کی غلامی نے میری عبادت سے نہیں روکا تھا اور فقراء پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ حجت قائم کریں گے۔ فقیر کہے گا میری احتیاج تیری عبادت کرنے میں آڑے بنتی رہی اللہ پاک فرمائیں گے تو

عیسیٰ علیہ السلام سے زیادہ محتاج نہ تھا مگر ان کے فقر نے میری عبادت سے انہیں نہیں روکا اور بیماروں پر حضرت ایوب علیہ السلام کے ذریعہ حجت قائم فرمائیں گے کہ جب مریض کہے گا کہ میرے لیے بیماری رکاوٹ بنی رہی تو ارشاد ہوگا کہ تیرا مرض زیادہ شدید تھا یا ایوب علیہ السلام کا۔ ان کو تو بیماری نے میری عبادت سے نہ روکا۔ چنانچہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہاں کسی کا بھی کوئی عذر نہیں چل سکے گا نیک لوگ بیماری یا کسی تنگی وغیرہ کی وجہ سے خوش ہوا کرتے تھے کہ اس میں گناہوں کا کفارہ ہے۔

حضرت ابو درداءؓ سے منقول ہے فرماتے ہیں کہ لوگ فقر کو ناپسند کرتے ہیں اور میں پسند کرتا ہوں وہ موت سے نفرت کرتے ہیں میں محبت کرتا ہوں وہ بیماری کو مکروہ جانتے ہیں اور میں محبوب سمجھتا ہوں کیونکہ اس میں میرے گناہوں کا کفارہ ہے اور فقر کو اچھا جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے حضور تواضع اور عاجزی کا ذریعہ ہے اور اپنے رب کی ملاقات کے شوق میں موت سے محبت رکھتا ہوں۔

دنیا اور آخرت کی بھلائی:

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مبارک نقل کرتے ہیں کہ جس شخص کو تین چیزیں عطا ہو گئیں اسے دنیا اور آخرت کی بھلائی مل گئی۔

1۔ تقدیر الٰہی پر راضی ہونا

2۔ مصیبت پر صبر کرنا

3۔ خوشحالی میں دعائیں مانگنا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت:

حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی نبی کریمؐ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوا آپ چت لیٹے ہوئے تھے۔ آنے والے نے وجہ پوچھی تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ بھوک کی شدت کی وجہ سے لیٹا ہوں وہ شخص یہ سن کر رونے لگا۔ پھر جا کر مزدوری کی اور پانی کے چند ڈول کچھ کھجوروں کے عوض نکالے اور وہ لے کر حاضر خدمت ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرا

خیال ہے تو نے یہ کام میرے ساتھ محبت کی وجہ سے کیا ہے۔ عرض کیا واقعی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے آپ سے محبت ہے فرمایا کہ اگر تو سچا ہے تو مسلسل مصیبتوں کے لئے تیار ہو جا۔ خدا کی قسم میرے ساتھ محبت رکھنے والوں کی طرف مصیبتیں اس سیلاب سے بھی زیادہ تیزی کے ساتھ آتی ہیں جو پہاڑی کی بلندی سے نیچے گڑھے میں گر رہا ہو۔

سب سے زیادہ مصیبتیں کن لوگوں پر آتی ہیں:

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ مصیبتیں سب سے زیادہ کن لوگوں پر آتی ہیں ارشاد فرمایا انبیاء علیہم السلام پر پھر صالحین پر پھر درجہ بدرجہ ان لوگوں سے قرب رکھنے والوں پر لگتے ہیں کہ تین چیزیں بھلائی کے خوانوں میں سے ہی (۱) صدقہ کو چھپانا (۲) تکلیف کو چھپانا (۳) مصیبت کو چھپانا وھب بن منبہ سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عیسیٰ کے ایک حواری کی کتاب میں یہ بات لکھی ہوئی دیکھی کہ جب تیرے ساتھ آفات و مصائب والا معاملہ کیا جائے تو خوشی محسوس کر کہ تیرے ساتھ انبیاء اور صالحین والا برتاؤ ہو رہا ہے اور جب تیرے ساتھ خوشحالی والا معاملہ ہو تو اپنے آپ پر رو یا کر کہ ان حضرات والے برتاؤ کے خلاف تیرے ساتھ سلوک کیا گیا کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس قسم کے مضمون کی وحی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف بھیجی۔

بھوک اور حاجت:

فتح موصلیؒ کا ذکر ہے کہ انہیں اپنے گھر والوں میں بھوک پیش آئی تو کہنے لگے میرے اللہ اے کاش مجھے پتہ چل جائے کہ یہ عنایت کس عمل کی بدولت ہے تو میں اس میں اور کوشش کروں آنحضرت کا ارشاد مبارک ہے کہ جس شخص کا مال قلیل ہو کنبہ زیادہ ہو نماز اچھی اور عمدہ ہو کسی مسلمان کی غیبت نہ کرتا ہو وہ قیامت کے دن میرے ساتھ مل کر آئے گا اور آپ نے اپنی دو انگلیوں کو جمع کر کے ارشاد فرمایا۔

صبر کرنیوالوں کیلئے اللہ تعالیٰ کشادگی پیدا فرما دیتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ بھوک کی وجہ سے اپنے جگر پر بوجھ دے کر زمین پر لیٹا کرتا تھا اور کبھی بھوک کی وجہ سے پیٹ پر پتھر باندھتا۔ ایک دن میں اس راستہ پر بیٹھ گیا۔ جہاں سے صحابہ نکل کر جاتے تھے حضرت ابو بکرؓ پاس سے گزرنے لگے میں نے ان سے ایک آیت کے متعلق سوال کیا اور مقصد یہ تھا کہ اس طرح سے وہ مجھے اپنے گھر تک ساتھ لے جائیں گے مگر انہوں نے ایسا نہ کیا۔ پھر حضرت عمرؓ گزرے میں نے اسی غرض سے ان سے بھی ایک آیت پوچھی مگر وہ بھی مجھے ساتھ نہ لے گئے۔ پھر آنحضرت ؐ گزرنے لگے مجھے دیکھ کر تبسم فرمایا میری غرض کو بھانپتے ہوئے فرمایا ابو ہریرہؓ میرے ساتھ آ جاؤ میں ساتھ ہو لیا دروازہ پر جا کر داخل ہونے کی اجازت چاہی آپ نے اجازت مرحمت فرمائی میں داخل ہوا تو دیکھا کہ دودھ کا پیالہ رکھا ہے۔ ارشاد فرمایا یہ کہاں سے آیا ہے عرض کیا گیا کہ فلاں مرد یا عورت نے آپ کیلئے ہدیہ دیا ہے فرمایا ابو ہریرہؓ نے عرض کیا لبیک یا رسول اللہ فرمایا اہل صفہ کے پاس جاؤ اور انکو میرے پاس بلا لاؤ۔ ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ یہ بات مجھے بہت محسوس ہوئی کہ دودھ کا ایک پیالہ اہل صفہ کے کام آئے گا اور میرا تو حق بھی تھا کہ مجھے مل جاتا کہ پی کر کچھ قوت حاصل کرتا۔ مگر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت سے چارہ نہیں تھا میں گیا اور ان حضرات کو بلا لایا۔ وہ حاضر ہوئے اجازت لے کر مجلس عالیہ میں بیٹھ گئے۔ آپ نے ارشاد فرمایا ابو ہریرہؓ وہ پیالہ پکڑو اور ان کو دے میں نے پیالہ اٹھایا اور ایک ایک کو دینا شروع کیا اور وہ خوب پی کر اور سیر ہو کر مجھے واپس کر دیتا حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ تک باری پہنچ گئی اور لوگ سب سیر ہو گئے آپ نے پیالہ پکڑ کر ہاتھ پر رکھ لیا اور فرمانے لگے ابو ہریرہؓ عرض کیا لبیک یا رسول اللہ ارشاد فرمایا اب تو میں اور تو ہی باقی رہ گئے ہیں میں نے عرض کیا آپ نے حق فرمایا ہے یا رسول اللہ ارشاد فرمایا تو بیٹھ اور پی میں بیٹھ

گیا اور پینے لگا۔ آپ نے پھر فرمایا پی میں نے اور پیا اور آپ فرماتے رہے میں مزید پیتا رہا حتیٰ کہ میں نے عرض کیا اس ذات کی قسم جس نے آپ کو نبی برحق بنا کر بھیجا ہے۔ اب تو حلق سے نیچے اترنے کو بھی راستہ نہیں اور پیالہ آپ کو دے دیا آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد کی اور بچا ہوا دودھ پیا (صلی اللہ علیہ وسلم)

فقیہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے کفار کے ہاتھوں انتہائی سختیاں برداشت کیں اور فاقہ وغیرہ کی تکالیف بھی اٹھائیں۔ مگر ان حضرات نے صبر اختیار کیا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے کشادگی پیدا فرمادی اور جو بھی صبر کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے کشادگی پیدا فرماتے ہیں جیسا کہ عام معروف ہے کہ صبر کے ساتھ کشادگی ہے اور تنگی کے ساتھ آسانی ہے۔ حضرات صلحاء حضرات کوئی شدت اور تکلیف دیکھتے تو اس کے اجر و ثواب کی امید میں خوشی محسوس کرتے تھے۔

مال واسباب کی فراوانی سے ڈرنا اور تنگی سے خوش ہونا:

مسلم بن یسارؒ فرماتے ہیں کہ میں بحرین کے علاقہ میں گیا۔ ایک عورت نے میری مہمان نوازی کی۔ جس کے ہاں مال و دولت بیٹے غلام سب کچھ موجود تھا۔ مگر میں اسے غمگین محسوس کرتا تھا۔ اس کے پاس سے رخصت ہونے لگا تو میں نے کہا کہ کوئی ضرورت یا کام وغیرہ ہو تو بتاؤ کہنے لگی کہ کبھی دوبارہ ہمارے شہر میں آنا ہو تو میرے پاس ہی قیام کرنا ہوگا میں یہ سن کر رخصت ہو گیا اور کئی سال تک غائب رہا پھر ایک دفعہ وہاں گیا تو اس کے دروازے پر کوئی دربان نہ تھا اجازت لے کر اندر گیا تو عورت خوشی سے ہنس رہی تھی میں نے ہنسی کی وجہ پوچھی تو کہنے لگی کہ تیرے بعد ہم نے سمندر کے راستہ جو مال بھی کہیں بھیجا وہ غرق ہو گیا اور خشکی کے راستہ جو بھیجا وہ بھی ہلاک ہوتا رہا بیٹے فوت ہو گئے۔ غلام سب جاتے رہے۔ میں نے کہا اللہ تم پر رحم کرے ان دنوں میں نے تجھے غمگین دیکھا

تھا اور آج تو مسرور نظر آ رہی ہے کہنے لگی ہاں میں جن دنوں دنیاوی خوشحالی میں تھی تو ڈرتی رہتی تھی کہ کہیں اللہ تعالیٰ نے میری نیکیوں کا بدلہ دنیا میں نہ چکا دیا ہو۔ اب جب کہ میرا مال ختم ہو گیا بیٹے فوت ہو گئے اور غلام جاتے رہے تو مجھے امید ہونے لگی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاں میرے لئے خیر کو جمع کر رکھا ہے اس لیے میں خوش ہوں۔

اللہ تعالیٰ جس سے بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں اس کی سزا دنیا میں چکا دیتے ہیں!:

حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ ایک صحابی نے کسی عورت کو دیکھا جسے وہ اسلام سے پہلے جانتے تھے اس سے کچھ بات کی اور آگے چل دیئے مگر پھر پیچھے مڑ کر دیکھنے لگے اور وہ چلی جا رہی تھی یہ ایک دیوار سے ٹکرائے جس پر چہرہ پریشان پڑ گیا حضور کی خدمت عالیہ میں حاضر ہو کر اپنا قصہ بیان کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس کی سزا کو دنیا ہی میں چکا دیتے ہیں

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں تمہیں سب سے زیادہ امید افزاء آیت نہ بتاؤں۔ عرض کیا گیا کہ بتایئے تو آپ نے یہ آیت پڑھ کر سنائی۔

وما اصابکم من مصیبۃ فبما کسبت ایدیکم ویعفوا عن کثیر۔

اور تم کو جو کچھ مصیبت پہنچتی ہے تو وہ تمہارے ہاتھوں کے کئے ہوئے کاموں سے ہے اور بہت سی باتوں سے تو وہ درگزر کر دیتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ دنیا میں مصیبتیں گناہوں کی وجہ سے آتی ہیں تو جب اللہ تعالیٰ کسی کو دنیا میں سزا دے دیتا ہے تو اس کی شان سے بعید ہے کہ اسے دوبارہ سزا دے اور جب دنیا میں کسی کو معاف فرما دے تو اس کی شان سے بعید ہے کہ پھر قیامت میں سزا دینے لگے۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مومن پر جو مصیبت بھی آتی ہے حتیٰ کہ کانٹا لگنے کی تکلیف محسوس ہو یا اس سے بھی ہلکی تکلیف پہنچے تو اللہ تعالیٰ اس کے عوض میں اس بندے کے گناہ معاف فرما دیتے ہیں۔

مصیبت پر صبر کرنا

حضورؐ کی طرف سے حضرت معاذ بن جبلؓ کی طرف تعزیت نامہ

فقیہ ابواللیثؒ اپنی سند کے ساتھ یہ روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت معاذ بن جبلؓ نے بیان فرمایا کہ میرا بیٹا فوت ہو گیا۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میری طرف والا نامہ تحریر فرمایا۔ یہ خط محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے معاذ بن جبل کی طرف ہے۔ السلام علیکم میں اس اللہ کی حمد کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور اس کے بعد یہ کہ اللہ تعالیٰ تیرے اجر کو بہت ہی زیادہ بڑھائے اور تجھے صبر نصیب فرمائے ہمیں اور تجھے شکر کی توفیق بخشے بعد ازیں یہ کہ ہمارے نفس ہمارے مال ہمارے اہل خانہ بڑھائے اور اولاد اور ان کے مال وغیرہ سب اللہ پاک کے خوشگوار عطیے ہیں اور ہمارے پاس اس کی امانت ہیں جن سے ہم ایک محدود مدت تک نفع اٹھاتے ہیں اور اپنے مقررہ وقت پر وہ اس امانت کو واپس لے لیتے ہیں۔ پھر وہ کچھ عطاء فرمائے تو اس عطاء کے باعث ہم پر شکر لازم فرمایا اور کوئی ابتلاء مصیبت آئے تو صبر کرنا فرض قرار دیا اور تیرا بیٹا بھی اللہ پاک کے انہی خوشگوار عطیوں میں سے تھا۔ اس سے نفع اٹھانے کا موقع بخشا اور پھر بہت بڑے اجر کے عوض اسے واپس لیا ہے بشرطیکہ تو صبر کرے اور ثواب کی امید لگائے۔ لہٰذا تجھ پر اے معاذ! یہ نوبت کبھی نہ آنی چاہیے کہ تیری جزع فزع واویلا اور ماتم وغیرہ تیرے اجر کو ختم کر دے اور اپنی اس کوتاہی پر ندامت ہی کرتا رہ جائے۔ اگر تو اپنی مصیبت کے ثواب کو دیکھ پائے تو یقین کرنے لگے کہ میری مصیبت اس اجر سے بہت ہی کم ہے اور یقین جانو کہ جزع فزع میت کو واپس نہیں کرا تی اور نہ ہی غم کو دور کرتی ہے پس تیرا غم ان حالات کے تصور سے دور ہو جانا چاہیے جو خود تجھ پر آنے والے ہیں گویا کہ تجھ پر آ ہی گئے ہیں۔ والسلام

فقیہ فرماتے ہیں کہ اس آخری فقرے کا مطلب یہ ہے کہ اپنی موت کی فکر میں لگو جو خود تجھ پر آنے والی ہے بلکہ یوں سمجھو کہ گویا آ ہی گئی کہ تیرا غم ہلکا ہو کیونکہ جب آدمی اپنے بارے میں سوچنے لگتا ہے کہ وہ عنقریب موت کی آغوش میں جانے والا ہے تو وہ اس سے جزع وفزع نہیں کرے گا اس

لیے کہ یہ میت کو تو لوٹا نہیں سکتی۔ البتہ مصیبت کا اجر وثواب ختم کر دیتی ہے کیونکہ جزع وفزع کرنے والا اپنے رب کا شکوہ کرتا ہے اور اس کی قضا کو پلٹنا چاہتا ہے۔

بے صبری کا نتیجہ اور قرآن پر عمل نہ کرنا:

حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص دنیا کی وجہ سے بحالت غم صبح کرتا ہے وہ اللہ پر ناراض ہونے کی حالت میں صبح کرتا ہے اور جو شخص کسی پیش آمدہ کا شکوہ کرتا ہے گویا وہ اللہ پاک کا شکوہ کرتا ہے اور جو شخص کسی غنی کے آگے تواضع دکھاتا ہے کہ وہ اس کے مال سے کچھ حاصل کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے عمل کے دو تہائی اجر کو ضائع کر دیتا ہے اور جسے قرآن عطا ہوا اور پھر بھی دوزخ میں چلا گیا تو اللہ تعالیٰ اسے اپنی رحمت سے دور کر دیتا ہے یعنی جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن دیا اور اس نے اس پر عمل نہ کیا بلکہ سستی دکھائی حتیٰ کہ دوزخی بن گیا تو اللہ تعالیٰ اسے اپنی رحمت سے دور کر دیتا ہے کہ اس نے خود اپنے ساتھ یہ کیا ہے کہ قرآن پاک کی حرمت وعظمت کا خیال نہیں کیا۔

تورات کی چار سطریں:

حضرت وہبؓ بن منبہ فرماتے ہیں کہ میں نے تورات میں چار سطریں مسلسل دیکھیں۔ پہلی سطر کا مضمون یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی کتاب پڑھتا ہے اور پھر بھی یہ گمان رکھے کہ اس کی بخشش نہیں ہوئی تو وہ شخص اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ مذاق کرنے والوں میں سے ہے دوسری سطر کا ترجمہ یہ ہے کہ جو شخص اپنے اوپر آنے والی مصیبت کی شکایت کرتا ہے وہ اپنے رب کا شکوہ کرتا ہے تیسری سطر کا حاصل یہ ہے جو شخص کسی شے کے فوت ہونے پر غم کھاتا ہے وہ اپنے رب کی تقدیر پر خفا ہوتا ہے چوتھی سطر میں ہے کہ جو شخص کسی غنی کے سامنے تواضع دکھاتا ہے تو اس کے دین کے دو تہائی حصے جاتے رہتے ہیں یعنی اس کا یقین ناقص ہو جاتا ہے۔

اولاد کے مرنے پر صبر کرنا:

حضرت ابوہریرہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد پاک نقل فرماتے ہیں کہ جس شخص کے تین بچے فوت ہو گئے۔ دوزخ صرف اللہ تعالیٰ کے اس قول کو پورا کرنے کے لئے جائے گا جو کہ اس آیت میں ہے۔

وان منکم الا واردھا. اور تم میں سے کوئی بھی نہیں جس کا گزر اس پر نہ ہو۔

ف:۔ یعنی محض عبور کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد پاک ہے کہ جس مسلمان کو بھی کوئی مصیبت پہنچے۔ خواہ وہ پرانی ہو چکی ہو جب بھی اس پر انا للہ وانا الیہ راجعون۔ پڑھے گا تو اس کو وہی پہلی مرتبہ پڑھنے اور صبر کرنے کا سا اجر ملے گا جو مصیبت کے دن ملا تھا حضرت عثمانؓ کا ذکر ہے کہ ان کے ہاں کوئی بچہ ہوتا۔ تو اسے ساتویں دن اپنے پاس لیتے تھے پوچھنے پر فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ اس کی کچھ محبت میرے دل میں پیدا ہو جائے تا کہ مر جائے تو اس کا اجر زیادہ ملے۔

حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص اپنے بچے کو ساتھ لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوا کرتا تھا قضائے الٰہی سے بچہ فوت ہو گیا جس کے بعد باپ بھی کچھ دن حاضر خدمت نہ ہو سکا۔ آنحضرتؐ نے اس کی غیر حاضری محسوس فرمائی پوچھنے پر صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ اس کا بچہ فوت ہو گیا ہے جو آپ نے دیکھا تھا۔ ارشاد فرمایا تم نے مجھے کیوں اطلاع نہ دی چلو ہم اپنے بھائی کی تعزیت کو چلیں صحابی کے گھر کو شرف سعادت بخشا اور اسے غم واندوہ میں مبتلا دیکھا کہنے لگا یا رسول اللہ میں اپنے بڑھاپے اور کمزوری کے ایام کے لئے اس کے سہارے اور نفع کی امیدیں لگائے ہوئے تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کیا تجھے یہ پسند نہیں کہ تو قیامت کے دن حاضر ہوگا اس بچے کو کہا جائے گا جنت میں داخل ہو جا تو وہ کہے گا یا اللہ میرے والدین تو باہر ہیں اسے تین دفعہ جنت میں داخل ہونے کو کہا جائے گا مگر وہ ہر بار والدین کی سفارش کرے گا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اس کی سفارش کو قبول فرمائیں گے اور تم سب کو اکٹھے ہی جنت میں داخل فرمائیں گے۔ یہ بات سن کر صحابی کا غم رفع ہو گیا اس حدیث شریف سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تعزیت کے لئے جانا مسنون عمل ہے کسی بھائی کو مصیبت پہنچے تو دوستوں اور بھائیوں کو

تعزیت کے لئے جانا چاہیے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ سے سوال:

فقیہ فرماتے ہیں کہ میرے والد مرحوم نے اپنی سند کے ساتھ حسن بصریؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ مریض کی مزاج پرسی کرنے والے کو کیا اجر ملتا ہے ارشاد فرمایا کہ یہ عمل اسے گناہوں سے یوں پاک صاف کر دیتا ہے جیسا کہ وہ پیدائش کے وقت گناہوں سے پاک صاف تھا عرض کیا اے اللہ جنازہ کے ساتھ جانے والے کو کیا اجر ملتا ہے۔ ارشاد فرمایا کہ میں اس شخص کی موت کے وقت فرشتے بھیجوں گا جو قبر تک جھنڈے لے کر ساتھ چلیں گے اور پھر میدان محشر تک بھی اس کے ساتھ ہوں گے۔ عرض کیا گیا یا اللہ کسی مصیبت زدہ کی تسلی اور تعزیت میں کیا اجر ہے۔ ارشاد فرمایا کہ اسے اپنے عرش کے سائے میں رکھوں گا جس دن کہ میرے عرش کے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا۔

دو محبوب گھونٹ' دو محبوب قطرے' دو محبوب قدم:

حضرت انس بن مالکؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک نقل کرتے ہیں کہ کسی بندے نے کوئی دو گھونٹ ایسے نہیں پیئے جو اللہ تعالیٰ کو ان دو گھونٹوں سے زیادہ محبوب ہوں ایک غصہ یا غضب کا گھونٹ جو بردباری کی وجہ سے وہ نیچے اتار لیتا ہے دوسرا مصیبت کا گھونٹ جسے آدمی صبر کیساتھ نگل لیتا ہے اور دو قطروں سے زیادہ محبوب کبھی دو قطرے نہیں بہائے۔ ایک اللہ تعالیٰ کی راہ میں خون کا قطرہ اور دوسرا رات کی تاریکی میں آنسو کا قطرہ جب کہ وہ اپنے رب کے حضور سربسجود ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا اسے کوئی دیکھنے والا نہیں ہوتا اور کسی بندے نے دو قدموں سے بڑھ کر کبھی قدم نہیں اٹھائے جو اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہوں ایک فرض نماز کی ادائیگی کیلئے جو قدم اٹھاتا ہے اور دوسرا قدم وہ جو صلہ رحمی کیلئے اٹھاتا ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے بیٹے کی وفات:

حضرت ابودرداؓ سے روایت ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا بیٹا فوت ہو گیا جس پر انہیں شدید غم لاحق ہوا۔ اچانک ان کے پاس دو فرشتے حاضر ہوئے جو بظاہر انسانی شکل میں باہمی تنازعہ لے کر آئے تھے ایک کہنے لگا کہ میں نے فصل بوئی تھی اور ابھی کاٹی نہ تھی کہ یہ شخص آیا اور سب فصل برباد کر ڈالی۔ آپ نے دوسرے سے سوال کیا کہ وہ کہنے لگا کہ میں اپنے راستہ پر چلا آ رہا تھا کہ سامنے اس کی فصل آ گئی میں نے دائیں بائیں ہٹا کر راستہ صاف کر دیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام پہلے شخص سے فرمانے لگے تو نے راستہ پر فصل کیوں کاشت کی تھی۔ تجھے معلوم نہ تھا کہ لوگوں کو راستہ کی ضرورت ہوتی ہے فرشتہ کہنے لگا تو پھر آپ بچہ کی وجہ سے کیوں غم زدہ ہو رہے ہیں کیا آپ کو معلوم نہیں کہ موت آخرت کا راستہ ہے روایت میں ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے رب کے حضور توبہ کی اور اس کے بعد اپنے بچہ پر کبھی پریشانی ظاہر نہ کی۔

حضرت ابن عباسؓ کی بیٹی کا انتقال:

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کا واقعہ ہے کہ سفر کی حالت میں بیٹی کی وفات کی خبر پہنچی سن کر انا للہ وانا الیہ راجعون۔ پڑھا پھر فرمانے لگے ایک پردے کی چیز تھی جسے اللہ تعالیٰ نے پردہ دے دیا۔ ایک ذمہ داری تھی جسے اللہ تعالیٰ نے ہلکا کر دیا اور اجر ہے جسے اللہ تعالیٰ نے میری طرف چلایا ہے پھر سواری سے اتر کر دو رکعت نماز پڑھی اور فرمایا ہم نے وہی کیا ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم فرمایا ہے ارشاد باری ہے۔

واستعینوا بالصبر والصلوٰۃ.

اور صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جوتے کا تسمہ ٹوٹ جائے تو انا للہ ...... پڑھ لیا کرو یہ بھی ایک مصیبت ہے۔

مصیبت پر صبر کرنے کا اجر عظیم:

فقیہ ابو اللیث سمرقندیؒ فرماتے ہیں کہ عقل مند کو مصیبت کے اجر و ثواب میں غور کرنا چاہیے چنانچہ

قیامت میں جب اس اجر کو دیکھے گا تو تمنا کرے گا کہ اے کاش اس کے اہل و عیال اور تمام خویش واقارب اس سے پہلے فوت ہوتے کہ آج وہ اس مصیبت کا اجر و ثواب حاصل کرتا اور اللہ تعالیٰ نے مصیبت پر عظیم ثواب کا وعدہ فرمایا ہے جب کہ ثواب کی نیت سے صبر کرے۔

پانچ عطیات:

حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تم سے غلطی اور بھول کا حکم اٹھالیا ہے اور جس چیز پر تم کو مجبور کیا جائے اور جو تمہاری طاقت میں نہ ہو اور بوقت ضرورت بعض چیزیں تمہارے لیے حلال کر دی ہیں جو عموماً حرام ہیں اور پانچ چیزیں عطا فرمائیں۔

۱۔ اس نے دنیا تمہیں محض اپنے فضل سے عطا فرمائی اور تم سے اس کا مطالبہ بطور قرض کے کیا ہے سو تم اس میں سے جو کچھ اپنی دلی خوشی سے دو گے تو وہ تمہارے لئے دس گنا سے سات سو گنا تک بلکہ حد بے حساب تک بڑھا دیا جائے گا۔

۲۔ دوسری چیز یہ کہ اس نے بعض چیزیں تمہاری طبیعت کے خلاف تم سے لے لیں اور تم نے اس پر صبر کیا اور ثواب کی امید رکھی تو اس کے عوض اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے صلوٰۃ و رحمت مقرر فرمائی ارشاد پاک ہے:

اولئک علیہم صلوات من ربہم ورحمۃ.

۳۔ تیسری چیز یہ ہے کہ نعمت پر شکر کرو گے تو اس نعمت میں زیادتی اور اضافہ کا وعدہ فرمایا کہ شکر کرو گے تو میں بالضرور تمہیں زیادتی عطا کروں گا۔

۴۔ چوتھی یہ کہ تم میں سے کوئی شخص اتنی برائی کرے کہ حد کفر کو پہنچ جائے مگر پھر توبہ کرلے تو وہ توبہ قبول فرمالیتا ہے اور اس سے محبت بھی کرتا ہے ارشاد باری ہے۔

ان اللہ یحب التوابین ویحب المتطہرین.

یقیناً اللہ تعالیٰ محبت رکھتے ہیں توبہ کرنے والوں سے اور محبت رکھتے ہیں پاک صاف رہنے والوں سے۔

۵۔ اور پانچویں چیز یہ ہے کہ اگر جبرائیل و میکائیل کو وہ عطا ہوتی تو ان کے لئے بھی بہت ہی گراں قدر ہوتی۔

وہ یہ ہے ارشاد فرمایا!

ادعونی استجب لکم۔

مجھ کو پکارو میں تمہاری درخواست قبول کروں گا۔

بچوں کی وفات پر صبر:

یحییٰ بن جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کسی آدمی نے کبھی کوئی چیز اپنے آگے آخرت کے لئے ایسی نہیں بھیجی جو اسے سب سے زیادہ محبوب ہو اور اجر میں بھی سب سے بڑھ کر ہو۔ بجز اس بارہ سالہ بچے کے جسے اس نے آگے بھیجا اور مشہور ہے کہ صبر صدمہ کے اولین لمحات میں ہوتا ہے اور جب کچھ وقت گزر جاتا ہے تو پھر خواہ صبر کرے یا نہ کرے عاقل وہی ہے جو پہلے موقعہ پر ہی صبر کرتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کا واقعہ ہے کہ ان کا بچہ فوت ہو گیا ایک آدمی ان کے پاس تعزیت کے لئے آیا اور کہنے لگا کہ عاقل کو چاہیے کہ آج پہلے ہی دن وہ کام کرنا اختیار کرے جسے جاہل پانچ دن کے بعد کرے گا ابن مبارکؒ نے فرمایا کہ اس کی یہ بات لکھ لو یہ قول احیاء الطالبین میں بغیر اس واقعہ کے منقول ہے جو کسی اپنے مصیبت زدہ بھائی کی تعزیت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن عزت کا لباس پہنائیں گے۔ (ابن ماجہ بیہقی)

ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص کسی مصیبت زدہ کی تعزیت کرتا ہے اسے بھی اتنا ہی اجر ملے گا جتنا اس غم زدہ کو ملتا ہے۔ (ترمذی)

صبر کے تین درجے:

ایک حدیث میں آپ ﷺ کا ارشاد پاک ہے کہ صبر تین ہیں۔اول اطاعت پر صبر۔دوسرا مصیبت پر صبر۔تیسرا معصیت سے صبر جو شخص مصیبت پر صبر کرتا ہے حتیٰ کہ اعلیٰ حوصلہ کے ساتھ اسے برداشت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے تین سو درجے لکھ دیتے ہیں اور جو شخص اطاعت پر صبر کرتا ہے اس کے چھ سو درجات لکھے جاتے ہیں اور جو شخص معصیت سے صبر کرے اس کیلئے نو سو درجات لکھ دیئے جاتے ہیں۔

لوح محفوظ کی پہلی لکھت:

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ سب سے پہلی بات جو لوح محفوظ میں اللہ تعالیٰ نے تحریر فرمائی وہ یہ تھی۔"میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور محمد ﷺ میرے رسول ہیں۔ جو شخص میری قضا پر تسلیم ورضا اختیار کرے گا میری مصیبت پر صبر کرے گا میری نعمتوں پر شکر کرے گا میں اسے صدیق لکھوں گا اور قیامت میں صدیقین کے ساتھ اٹھاؤں گا جو میری قضا پر راضی نہیں میری مصیبت پر صبر نہیں کرتا میری نعمتوں پر شکر نہیں کرتا۔تو وہ میرے سوا کوئی اور خدا بنالے۔

بے صبری سے مصیبت میں اضافہ ہوتا ہے:

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ مصیبت ایک ہوتی ہے جب کوئی اس پر جزع فزع کرتا ہے تو وہ دو بن جاتی ہیں ایک اصل مصیبت دوسری اس کے اجر و ثواب کا جاتا رہنا اور یہ اصل مصیبت سے بھی بڑھ کر ہے۔

حضور ﷺ کا ارشاد گرامی:

حضرت علیؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جس کو کوئی مصیبت پہنچے تو اسے وہ مصیبت یاد کرنی چاہیے جو میرے وصال کی وجہ سے اسے پہنچی کہ وہ سب سے بڑھ کر ہے (امت مرحومہ پر سب سے بڑی مصیبت جو نازل ہوئی وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دنیا سے تشریف لے جانے کی مصیبت ہے)(اعانۃ الطالبین ص ۱۴۲ ج ۳)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی حضرت علیؓ نقل کرتے ہیں کہ جو شخص جنت کا شوق رکھتا ہے وہ نیکیوں کی طرف سبقت اور جلدی کرتا ہے اور جو شخص دوزخ سے ڈرتا ہے وہ اپنی خواہشات سے غافل ہو جاتا ہے اور جو شخص موت کا دھیان رکھتا ہے وہ لذتوں کو چھوڑ بیٹھتا ہے اور جو شخص دنیا سے بے رغبت ہو جائے مصیبتیں اس پر آسان ہو جاتی ہیں۔

ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص جنت کا مشتاق ہو وہ نیکیوں کی طرف سبقت کرتا ہے اور جو دوزخ سے ڈرتا ہے وہ خواہشات سے غافل ہو جاتا ہے اور موت جس کی آنکھوں کے سامنے ہو وہ لذات کو ترک کر دیتا ہے اور جو دنیا سے بے رغبت ہو اس کے لئے مصائب آسان اور ہلکے ہو جاتے ہیں۔

چھ نصیحت آموز سطریں:

کہتے ہیں کہ بعض کتابوں میں چھ سطریں لکھی ہوئی ہیں پہلی سطر میں ہے کہ جو شخص دنیا کی وجہ سے غمگین ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ پر ناراض ہوتا ہے دوسری میں ہے کہ جو شخص اپنی مصیبت کی شکایت کرتا ہے وہ اپنے رب کا شکوہ کرتا ہے تیسری میں ہے کہ جو شخص یہ پرواہ نہیں کرتا کہ اس کا رزق کس راستہ سے آتا ہے گویا وہ اس کی پرواہ نہیں رکھتا کہ اللہ تعالیٰ اسے کس دروازے سے دوزخ میں ڈالیں گے چوتھی میں یہ ہے کہ جو شخص گناہ کرتا ہے اور اس پر ہنستا بھی ہے تو وہ روتا ہوا دوزخ میں جائے گا پانچویں میں ہے یہ کہ جس شخص کی اہم فکر خواہشات کی ہوتی ہے اللہ تعالیٰ آخرت کا خوف اس کے قلب سے چھین لیتے ہیں چھٹی میں ہے کہ جو شخص کسی غنی کے سامنے اس کی دنیا کی وجہ سے تواضع کرتا ہے تو وہ ایسی حالت میں صبح کرے گا کہ فقر اس کے سامنے موجود ہوگا۔ (اقتباس از تنبیہ الغافلین)

سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں مصیبت سے نجات اور خوشی یقین و رضا میں ہے اور غم اور خوف شک اور ناراضگی میں ہے اور فرماتے تھے کہ صابرین تمام امور میں سب سے زیادہ قابل تعریف

امر کو پانے والے ہیں۔

ابان بن تغلب فرماتے ہیں:

میں نے ایک اعرابی کو سنا وہ کہہ رہا تھا کہ آدمی کے آداب میں سے ہے کہ جب اس پر مصیبت نازل ہو تو وہ صبر کرے اور اس کے زائل ہونے کا انتظار کرے حتیٰ کہ وہ صبر توکل علی اللہ اور مولا کریم سے حسن ظن کے ساتھ مصیبت سے خلاصی طلب کرے جس نے اس صفت کو اپنا لیا تو حق تعالیٰ شانہ اس کی مصیبت کو زائل فرما دیتے ہیں اس کی حاجت روی فرماتے ہیں اور مطلوب اسے عطا فرماتے ہیں اس کا دین عزت اور مروت بھی صحیح سالم رہتی ہے۔

اصمعیؒ ایک اعرابی سے نقل کرتے ہیں کہ اس نے کہا کہ خیر کی جگہ سے شر سے ڈرو اور شر کی جگہ سے خیر کی امید رکھو بہت بار ایسا ہوتا ہے کہ موت کی طلب حیات کا سبب بن جاتی ہے اور حیات کی طلب موت کا سبب بن جاتی ہے اکثر خوف کی طرف سے ہی امن پیدا ہوتا ہے۔

بعض حکماء کا قول ہے کہ عاقل آدمی پر جب مصیبت آتی ہے تو وہ دو کام کر کے باعزت بن جاتا ہے (۱) باقی نعمت پر خوش ہوتا ہے۔ (۲) مصیبت کے ختم ہونے کی امید کرتا ہے۔

جاہل آدمی مصیبت میں دو کام کر کے رسوا ہوتا ہے (۱) مصیبت کو زیادہ سمجھتا ہے (۲) اس سے سخت سے بھی گھبراتا ہے جو ابھی آئی ہی نہیں۔ اور کہا گیا ہے کہ تکالیف سے حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے مخلوق کو تادیب ہوتی ہے اور اللہ جل شانہ کی تادیب قلوب کانوں اور آنکھوں کو کھول دیتی ہے حسن بن سہلؒ فرماتے ہیں تکالیف میں مندرجہ ذیلی امور ہوتے ہیں گناہوں کی بخشش، غفلت سے تنبیہ، صبر کر کے ثواب کو پانا۔ دیگر نعمتوں کو یاد کرنا اور تنگی کی دعا کرنا، اللہ تعالیٰ کی تقدیر میں غور و فکر کرنا۔

شکر و فکر:

انسان کو چاہیے کہ ہر وقت اپنے مولائے کریم کا شکر ادا کرے اور حق تعالیٰ شانہ کی نعمتوں کو یاد کرے جن نعمتوں نے اس کو سر سے لے کر پاؤں تک گھیرا ہوا ہے ذات ذوالجلال نے فرمایا ہے" وان تعدوا نعمة الله لا تحصوها " اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو تم شمار نہ کر سکو۔ حق تعالیٰ

شانہ نے بدن میں سلامتی دی' صحت دی' وطن میں امن دیا' غذا عطا فرمائی' پہننے کیلئے طرح طرح کے لباس فاخرہ عطا فرمائے اور ہوا پانی' شعور وعقل' زندگی کی نعمتوں سے نوازا اور حق تعالی نے ظاہری اور باطنی تم پر کتنے انعام کئے ہیں" واسبغ علیکم نعمه ظاهرة وباطنة " تیری دو آنکھیں ہیں' زبان ہے' ہونٹ ہیں اور دو ہاتھ دو پاؤں ہیں۔" فبای آلاء ربکما تکذبان" تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ اگر حق تعالی تیرے دونوں قدموں کو کاٹ ڈالیں تو کیا تو چل سکے گا اور اگر تیری پنڈلیاں کاٹ دی جائیں تو کیا تو اپنی ٹانگوں پر کھڑا ہو سکے گا۔ کیا تو رات کو آنکھیں بند کر کے راحت کی نیند نہیں سوتا؟ حالانکہ کتنے لوگ ہیں جو میٹھی نیند کی نعمت سے محروم ہیں' اور کیا تو پیٹ بھر کے کھانا نہیں کھاتا؟ حالانکہ کتنے لوگ معدہ کی قوت سے محروم ہیں' کیا تو ٹھنڈے پانی سے پیاس نہیں بجھاتا؟ کتنے لوگ پانی کی نعمت سے محروم ہیں' کیا تو اپنے کانوں کو نہیں دیکھتا؟ اللہ نے تجھے بہرہ نہیں بنایا' تو اپنی زبان کو نہیں دیکھتا؟ کہ اللہ نے تجھے گونگا نہیں بنایا' تو اپنی آنکھوں کو نہیں دیکھتا؟ کہ اللہ نے تجھے اندھا نہیں بنایا' کیا اپنے جسم کی کھال کو نہیں دیکھتا؟ کہ حق تعالی تجھے برص وجذام کے مرض سے محفوظ رکھا' اور اپنی عقل کو نہیں دیکھتا؟ کہ حق تعالی نے تجھے مجنوں نہیں بنایا ہاگر تجھے کہا جائے کہ اپنی آنکھوں کو اُحد پہاڑ سونے کے بدلہ میں فروخت کر دے تو کیا کر دے گا؟ اگر کہا جائے کہ تو اپنے کانوں کو احد پہاڑ جتنی چاندی کے عوض فروخت کر دے تو کیا تو کر دے گا ؟ اگر کہا جائے کہ تو اپنے ہاتھوں کو یاقوت احمر کے محل کے بدلہ میں فروخت کر دے تو کیا ایسا کرے گا؟ ہرگز ہرگز تو ایسا نہیں کرے گا تو خود اندازہ لگا کہ خدا نے تجھے کتنا امیر بنایا ہے اب بھی تو غم زدہ ہے' اب بھی تیرا کلیجہ شق ہو رہا ہے' تو نے ان چیزوں کے بارے میں تو سوچا جو تیرے پاس موجود نہیں ہیں لیکن ان کے بارے میں کیوں نہ سوچا جو تیرے پاس موجود ہیں؟ میرے مولائے کریم نے کیا خوب فرمایا" وفی انفسکم افلا تبصرون ". کیا اپنے نفسوں میں تم غور وفکر نہیں کرتے۔ پس اپنے نفس' اپنے اہل وعیال' اپنے گھر' اچھے اعمال' اچھے دوستوں اور اپنی عافیت کے بارے میں غور وفکر کرو۔

قضاء وقدر:

حق تعالیٰ جل شانہٗ کا فرمان ہے:

"ما اصاب من مصیبۃ فی الارض ولا فی انفسکم الا فی کتاب من قبل ان نبرا ھا"

نہیں کوئی مصیبت پہنچتی زمین میں یا تمھارے نفوس کے اندر مگر اس سے قبل لوح محفوظ میں لکھی جا چکی ہے۔ قلم تقدیر لکھ کر خشک ہو چکا ہے صحف اٹھا لئے گئے ہیں امر الٰہی پورا ہو چکا ہے اور قضا و قدر لکھی جا چکی ہیں" لن یصیبنا الا ما کتب اللہ لنا" ہمیں کوئی مصیبت نہیں پہنچتی مگر جو اللہ نے ہمارے لئے لکھ دی ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک مصیبت پہنچی ہو مگر وہ نہ پہنچے اور یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ ایک مصیبت نہ پہنچی ہو وہ پہنچ کر رہے جب یہ عقیدہ تیرے قلب میں راسخ ہو جائے اور تیرے ضمیر میں قرار پکڑ لے تو مصائب انعام ہو جائیں گے اور بلایا عطایا ہو جائیں گی۔

"ومن یرد اللہ بہ خیرا یصب منہ"

جس سے اللہ بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں اسے مصیبت میں مبتلا فرماتے ہیں تجھے نہ تو کوئی مصیبت پہنچتی ہے اور نہ ہی قریبی رشتہ دار کی موت' نہ مال کا خسارہ' نہ گھر کا جل جانا مگر وہ خدا عزوجل کی تقدیر میں لکھا ہوا ہے اور قضا نافذ ہو کر رہتی ہے اس میں کسی کو اختیار نہیں بھلائی اللہ کے ہاتھ میں ہے اور اجر حاصل ہوگا' گناہ معاف ہوں گے اہل مصائب کو ان کا صبر اور ان کی رضا بالقضا مبارک ہو تیرا نفس اس وقت تک مطمئن نہیں ہو سکتا جب تک تو قضا و قدر پر ایمان نہیں رکھتا تیرا نفس مطمئن نہیں ہو سکتا جس چیز کے تو لائق ہے قلم وہ لکھ کر خشک ہو چکا ہے اپنے اوپر حسرتوں کو مسلط کر کے ہلاکت میں نہ ڈال اور یہ گمان نہ کر کہ تیری کوشش سے دیوار گرنے سے رک جائیگی پانی بہنے سے رک جائیگا' ہوا چلنے سے رک جائیگی اور یہ الٹو ٹنے سے رک جائیگا تقدیر بہرحال نافذ ہو کر رہے گی اور قضا واقع ہو کر رہے گی کاتب تقدیر کا نوشتہ پورا ہو کر رہے گا۔

"من شاء فلیومن ومن شاء فلیکفر"

جو چاہے ایمان لائے جو چاہے کفر کرے۔

تقدیر کو قبول کر لے اس سے قبل کہ تو ناراضگی کا طوق اپنے گلے میں ڈالے اور قضا کا اعتراف کرے قبل اس سے کہ ندامت کا سیل رواں تجھے بہا کرلے جائے یہ بات نہ کر کہ اگر میں یوں نہ کرتا تو یوں نہ ہوتا اور اگر یوں کرتا تو یوں ہوتا بلکہ تو کہہ اک اللہ نے تقدیر لکھی ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

جنت کو یاد کر:

اے مصیبت زدہ اگر تجھے بھوک ستائے یا تو فقیر ہو غریب' مریض یا مظلوم ہو تو نعمتوں کو یاد کر اور جنت کو یاد کر اگر تو جنت کو یاد رکھے گا اور اس کے لئے عمل کریگا تو تیرے لئے نقصانات نعمتیں ہو جائیں گی مصائب انعام ہو جائیں گے لوگوں میں سب سے زیادہ عقل مند وہی شخص ہے جو آخرت کیلئے عمل کرے اس لئے کہ وہ بہتر اور باقی رہنے والی ہے اور وہ آدمی سب سے زیادہ احمق ہے جو یہ سمجھتا ہے کہ دنیا ہی ہمیشہ رہنے کی جگہ ہے اور دائر القرار ہے اس کی امیدوں کی انتہا ہے ایسے شخص کو تو دیکھے گا مصائب کے وقت خوف سے جزع وفزع کریگا اور حوادث کے وقت خوب نادم ہوگا اس لئے کہ اس کے سامنے یہ حقیر زندگی ہے اور اس کے سامنے اس فانی زندگی کے علاوہ کوئی زندگی نہیں ہے اور اس کی نہ تو آخرت پر نظر ہے اور نہ ہی اس کیلئے وہ عمل کرتا ہے اس کو نہ تو آخرت کے سرور کی طلب ہے اور نہ ہی وہ آخرت کی راحت کا مشتاق ہے اگر وہ اپنے دل سے سیاہ پردہ کو دور کر دے اور جنت کی نعمتوں اور وہاں کی حور وقصور کے بارے میں جو صاحب وحی ﷺ نے فرمایا ہے اس کو سنے تو خدا کی قسم اسے معلوم ہو جائے کہ آخرت ہی وہ گھر ہے جس کیلئے محنت اور کوشش کی جائے۔ کیا ہم نے غور وفکر نہیں کیا کہ اہل جنت نہ بیمار ہوں گے نہ غمگین' نہ موت ان پر مسلط ہوگی نہ ہی ان کی جوانیوں کی چمک ماند پڑے گی اور نہ ہی ان کے لباس میلے ہوں گے اور وہ ایسے محلات میں رہیں گے ان کا ظاہر ان کا باطن ہوگا اور ان کا باطن ان کا ظاہر ہوگا اور اس میں وہ نعمتیں ہوں گی جو نہ ہی کسی آنکھ نے دیکھیں نہ کسی کان نے سنیں اور نہ کسی بشر کے دل پر ان کا خیال گزرا ایسے درخت ہیں نیچے وہ چلے گا کہ سو سال میں بھی اس کا سایہ ختم نہ ہوا ایسے خیموں میں وہ رہے گا

جو ساٹھ میل لمبا ہوگا جس کی نہریں شیریں ہوں گی اور اس کے محلات صاف ستھرے ہوں گے پھل پکے ہوئے ہوں گے چشمے جاری ہونگے چارپائیاں بلند ہوں گی پیالے رکھے ہوں گے قالین بچھے ہوئے ہوں گے اور مخمل کے نہالے جگہ جگہ پھیلے ہوئے ہوں گے ان جنتیوں کی خوشیاں مکمل ہوں گی اور وہ وہ جگہ ہے جہاں مرادیں پوری ہوں گی ہائے ہائے کیا ہو گیا ہماری عقلوں کو ہم کیوں غور و فکر نہیں کرتے؟ اے مصیبت زدہ جب تمہارا ٹھکانہ ایسی جنت ہے تو یہ مصائب تم پر آسان ہیں تم نیک عمل کرو تاکہ اپنے مولائے کریم کی جنت میں سکون حاصل کرو اور خدا تم سے خود کہے۔

"سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار"

تم پر تمہارے صبر کی بدولت سلام ہو اور آخرت کا بہترین گھر ہے۔

مصائب پر غم نہ کر:

اس لئے کہ مصائب دل کو تقویت دیتے ہیں گناہوں کو مٹاتے ہیں عجب اور تکبر کو ختم کرتے ہیں غفلت کو دور کرتے ہیں ذکر میں مشغول کرتے ہیں مخلوق خدا کی شفقت کو کھینچتے ہیں اور صالحین کی دعاؤں کا سبب ہیں جابروں کو تواضع پر مجبور کرتے ہیں زجر و توبیخ کا کام دیتے ہیں ذکر کیلئے بیدار کرتے ہیں گناہوں کی مغفرت کا ذریعہ بنتے ہیں اور خطاؤں کی بخشش کا سبب بنتے ہیں۔

مصیبت زدہ ان اصولوں کو یاد کر:

(۱) ماضی کو بھول جا اس لئے کہ اس کو یاد کرنا جنون اور حماقت ہے۔

(۲) مستقبل کی فکر نہ کر اس لئے کہ وہ عالم الغیب میں ہے جب تک نہیں آتا اس کی فکر نہ کر۔

(۳) زمانہ حال کو نہ بھول اور ثابت قدم رہ اس لئے کہ اس سے محشر میں تیری قیمت بڑھا دی جائیگی۔

(۴) اللہ پر ایمان اور عمل صالح ہی پاکیزہ زندگی ہے۔

(۵) دل کا اطمینان اللہ کے ذکر میں ہے۔

(۶) ہر چیز تقدیر سے ہی ہو رہی ہے۔

(۷) کسی ایک کی شکر گزاری کا انتظار نہ کر۔

(۸) شاید جو بھی پیش آیا اس میں خیر ہو۔ "عسی ان تکرھوا شیأ وھو خیر لکم"

(۹) مسلمان کیلئے ہر حالت میں خیر ہے۔

(۱۰) نعمتوں میں غور وفکر کر اور شکر کر۔

(۱۱) بہت سی نعمتوں میں تو دوسروں سے فائق ہے۔

(۱۲) لمحہ لمحہ مصیبت کم ہوتی ہے۔

(۱۳) مصیبت کی وجہ سے دعا مانگی جاتی ہے۔

(۱۴) مصائب بصائر کیلئے مرہم اور قلب کیلئے مقوی ہیں۔

(۱۵) ہر تنگی کے بعد آسانی ہے۔

(۱۶) تیرا رب وسیع مغفرت والا ہے۔

(۱۷) زندگی کیلئے روٹی پانی سایہ کافی ہے۔

(۱۸) تمہارا رزق آسمانوں میں ہے۔

(۱۹) اکثر جن چیزوں کا تو خوف کھا رہا ہے وہ واقع نہ ہوں گی۔

(۲۰) پہلے مصیبت زدوں سے نیک سیرت پکڑ۔

(۲۱) اللہ جب کسی قوم سے محبت کرتے ہیں تو ان کو مصیبتوں میں ڈالتے ہیں۔

(۲۲) مصائب کی دعائیں کثرت سے پڑھ۔

(۲۳) انتقام کی آگ دشمن سے زیادہ تجھے نقصان دے گی۔

(۲۴) ہر مصیبت جو تجھے پہنچی تیرے گناہوں کا کفارہ ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ کا صبر:

امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں جب میں قید ہو کر جیل میں گیا تو ایک آدمی جو شراب پینے کے جرم

میں قید تھا اس نے مجھ کو کہا مجھے شراب خمر کے جرم میں متعدد بار کوڑے لگے ہیں مگر میں نے صبر کیا۔

"ان تکونوا تالمون فانهم یالمون کما تالمون و ترجون من الله مالا یرجون"

اگر تمہیں تکلیف پہنچی ہے تو انہیں بھی تو تکلیف پہنچی ہے جیسا کہ تمہیں تکلیف پہنچی ہے حالانکہ تمہیں اللہ تعالیٰ شانہ سے اس ثواب کی امید ہے جسکی ان کو نہیں ہے۔

"فاصبر ان وعد الله حق ولا یستخفنک الذین لایوقنون"

پس صبر کر بے شک اللہ کا وعدہ حق ہے اور جو لوگ یقین نہیں رکھتے وہ تجھے کمزور نہ کردیں۔

نیز دوسرا اس اعرابی کے قول نے کہ جو بیڑیوں میں قید تھا اس نے کہا اے احمد صبر کر اگر تجھے یہاں قتل کر دیا گیا تو تو جنت میں جائیگا۔

تلاوت قرآن غم کو ہلکا کرتی ہے:

پریشان و غمگین آدمی کو چاہیئے کہ قرآن پاک کی تلاوت کثرت سے غور و خوض اور تدبر و تفکر کے ساتھ کرے "حق تعالیٰ نے نبی اقدس ﷺ کو فرمایا کہ ہم قرآن کے ذریعے آپکے دل کو مضبوط کرتے ہیں" یا دوسرے خوش آواز سے تلاوت سنے اور اس میں غور و فکر کرے کیونکہ نبی اقدس ﷺ نے ہی کئی دفعہ صحابہ کرامؓ سے قرآن پاک پڑھوا کر سنا ایک دفعہ نبی اقدس ﷺ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو حکم فرمایا آپ نے سورہ نساء کی تلاوت فرمائی کی آپؐ اسقدر روئے کہ آنسوؤں سے ریش مبارک تر ہوگئی ایک دفعہ حضرت موسیٰ اشعریؓ تلاوت فرما رہے تھے آپؐ خاموشی سے اس کی تلاوت سنتے رہے صبح آپؐ نے فرمایا کہ رات میں تمہاری تلاوت سنتا رہا حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے فرمایا اگر مجھے علم ہوتا تو میں آپ کیلئے اور عمدہ آواز سے تلاوت کرتا ایک دفعہ نبی اقدس ﷺ کسی بڑھیا کے پاس سے گزرے وہ ھل اتاک حدیث الغاشیۃ کی تلاوت کر رہی تھی اور اس کو بار بار پڑھ رہی تھی آپؐ نے سن کر فرمایا۔ "نعم اتانی نعم اتانی"

حضرت علی بن فضیل کی وفات:

علی بن فضیل کا آیت مبارکہ کو سن کر وفات پاجانا۔

"وقفوھم انھم مسؤولون مالکم لاتناصرون"

(انکو روکو اس لئے کہ ان سے سوال کیا جاتا ہے کہ آج تم ایک دوسرے کی مدد کیوں نہیں کرتے)۔

سیدنا فاروق اعظمؓ نے جب آیت مبارکہ:

"ولو ان قرآنا سیرت به الجبال او قطعت به الارض او کلم به الموتی"

سنی تو ایک مہینہ تک بیمار رہے۔

حضرت عبداللہ بن وھب جمعہ کے دن تشریف لے جارہے تھے کہ غلام کو یہ آیت پڑھتے ہوئے سن لیا۔

"واذ یتحاجون فی النار"

(جب جہنمی جہنم میں آپس میں لڑیں گے اور ایک دوسرے کو لعن طعن کریں گے) تو

بے ہوش ہو گئے چنانچہ اٹھا کر گھر لیجایا گیا تین دن زندہ رہے اور چوتھے دن انتقال فرما گئے۔

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی جب کلام پاک کی تلاوت فرماتے تو ہر آیت پر سینہ پر ہاتھ مارتے اور بے ہوش ہو جاتے ایک روز ہزار بار بے ہوش ہوئے لیکن جب آیت مشاہدہ پر پہنچے تو پھر مسکرائے اور عالم تحیر میں کھو گئے اور اس عالم میں ایک دن ایک رات رہے۔

ظالم کے ظلم کو خدا کے سپرد کرو:

عدل وانصاف کیلئے انسان کو چاہئے کہ ایسے دن کا انتظار کرے کہ جس دن اللہ رب العزت اولین و آخرین کو جمع کریں گے اور اس دن کوئی ظلم نہیں ہوگا اور حکم حق تعالیٰ شانہ کا ہوگا اور گواہ فرشتے ہوں کے حق تعالیٰ فرماتے ہیں وہ اور ہم عدل وانصاف کا ترازو قیامت کے لئے قائم کریں گے اور کسی نفس پر ظلم نہیں کیا جائیگا اگر چہ ایک رائی کے دانے کے برابر عمل ہوگا ہم اس کو بھی لے آئیں گے اور ہم حساب کرنے والے کافی ہیں"۔

ظالموں کا انجام:

"کذلک اخذ ربک اذا اخذ القری وھی ظالمة ان اخذه الیم شدید"

اور تیرے رب کی پکڑ اسی طرح تھی جب اس نے ظالم بستی کو پکڑا بے شک اس کی پکڑ سخت عذاب ہے۔

بے شک انسان کی بدبختی اور شکست وذلالت اس وقت شروع ہو جاتی ہے جب وہ مخلوق خدا پر ظلم کرتا ہے اور انکے حقوق کو غصب کرتا ہے اور ضعیفوں کو کچلتا ہے حکماء میں سے کسی کا قول ہے کہ اس شخص پر ظلم کرنے سے ڈر جسکا مددگار صرف حق تعالیٰ ہو تاریخ ظالموں کے انجام سے بھری پڑی ہے۔

فرعون، نمرود شداد قارون کے انجام کو آنکھیں کھول کر دیکھو عامر بن طفیل کو دیکھو جس بدبخت نے نبی اقدس ﷺ کے خلاف سازش کی آپؐ نے بددعا کی اس کی گردن میں پھوڑا نکل آیا جس کی تکلیف کی وجہ سے ایسے چیختا تھا جیسے بیل پھر اسی تکلیف کی وجہ سے جہنم واصل ہو گیا اور اربد بن قیس کی ہلاکت کا خوفناک منظر سامنے کرو کہ وہ۔

" قتل امام الانبیاء علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام "

کا خواہاں تھا پس آپؐ کی بددعا لے بیٹھی اور آسمانی بجلی نے گر کر اس کا سواری سمیت کام تمام کر دیا۔ حجاج بن یوسف کی عبرتناک موت ملاحظہ کرو کہ اس کم بخت نے سعید بن جبیر کے خون سے ہاتھوں کو رنگین کیا۔ پھر دنیا نے دیکھا کہ سعید کی بددعا اس کے حق میں قبول ہوئی سعید نے دعا کی اے اللہ اس کو میرے بعد کسی اور پر مسلط نہ کرنا چنانچہ اس کے ہاتھ میں ایسا ناسور نکلا جو سارے جسم میں پھیل گیا جس کی تکلیف سے حجاج بیل کی طرح چیختا تھا پھر اس خوفناک حالت میں دار آخرت کی طرف اعمال بد کی سزا پانے کیلئے کوچ کر گیا۔

ابو جعفر منصور کو دیکھو کہ سفیان ثوریؒ کا تعاقب کیا سفیان ثوریؒ نے کعبہ کے پردوں کو پکڑ کر بددعا کی کہ یا اللہ ابو جعفر بیت اللہ میں داخل نہ ہو سکے چنانچہ ابو جعفر بئر میمون کے قریب ہی موت کا پیالہ

بی گیا اور بیت اللہ میں داخل نہ ہوسکا۔

احمد بن ابی داؤد قاضی کو دیکھا امام احمد بن حنبلؒ کو ایذاء دینے میں شریک تھا پس معتصم حنفی نے فالج کو مسلط کر دیا پس وہ روتا تھا اور کہتا کہ میرا آدھا جسم تو ایسا ہے کہ اگر اس پر مکھی بھی بیٹھ جائے تو مجھے پہاڑ معلوم ہوتی ہے اور آدھا جسم ایسا ہے کہ اگر اسے قینچی سے بھی کاٹ دیا جائے تو مجھے محسوس نہ ہو۔

اسی طرح علی ابن زیات وزیر کا انجام ملاحظہ کرو کہ امام احمدؒ کی بددعا کے نتیجہ میں دشمنوں نے پکڑ کر آگ میں ڈال دیا۔

حمزہ البسیونی جمال عبدالناصر کی جیل میں مسلمانوں کو سزائیں دیتا اور کلمات کفریہ بھی بکتا تمہارا خدا کہاں ہے؟ تاکہ اسے میں لوہے میں ڈالوں۔ پس وہ قاہرہ سے اسکندریہ جا رہا تھا کہ اس کی گاڑی کا ایکسیڈنٹ ہوگیا اور سریے سے بھرے ہوئے ٹرالے سے ٹکرا گئی اور سریا اس کے سر سے جسم کے اندر تک ایسا گھسا کہ نکالنے سے بھی نہ نکلا حتی کہ کاٹ کاٹ کر نکالا گیا۔ "فاعتبروا یا اولی الابصار"

تمت بالخیر

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رسالہ مسئلہ وحدت الوجود

نحمدہ و نصلی و نسلم علی رسولہ الکریم اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم.

(۱) نبی اقدس کے بارے میں حق جل شانہ نے قرآن پاک میں جہاں اور صفات کو ذکر فرمایا ہے وہاں ذات نبوت کے لئے خاص طور پر دو صفات کو ذکر کیا ہے (۱) صفت بشیر (۲) صفت نذیر حق جل شانہ اپنی پاک کلام میں فرماتے ہیں انا ارسلناک بالحق بشیرا و نذیرا نبی اقدس ﷺ کی صفات اگرچہ ہزاروں سے متجاوز ہیں مگر مرکزی صفات دو ہیں جن کی طرف ذات حق نے اس آیت مبارکہ میں اشارہ فرمایا ہے (۱) صفت بشیر (۲) صفت نذیر پھر رسول اللہ ﷺ کے بعد امت میں ان صفات کے ورثاء پیدا ہوئے صفت نذیر میں آنحضرت ﷺ کے ورثاء حضرات فقہاء کرام ہیں جیسا کہ قرآن میں فرمایا لیتفقھوا فی الدین و لینذروا قومھم (الایۃ) کہ صحابہ کرام نبی کریم ﷺ کی فقاہت کی صفت کو حاصل کریں پھر اپنی قوم کو ڈرائیں اور صفت نذیر میں حضور کے وارث بنیں اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوا کہ صفت نذیر میں وارث فقہا ہیں۔ علامہ سرخسی رحمہ اللہ مبسوط کے خطبہ میں فرماتے ہیں الحمد للہ الذی جعل ولایۃ الانذار للفقھاء تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے انذار کی ذمہ داری فقہاء کے لئے بنائی اور صفت بشیر میں رسول اللہ ﷺ کے ورثاء حضرات صوفیاء کرام ہیں الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون میں اسی طرف اشارہ ہے۔

انسان کے ظاہر کو سنوارنے کے لئے مسائل شرعیہ کی طرف احتیاج ہوتی ہے جو حضرات فقہاء کرام بیان فرماتے ہیں اور باطن کو سنوارنے کے لئے حضرات صوفیاء کرام کی قدم بوسی اور جوتوں کو سیدھا کرنا پڑتا ہے۔ جس طرح گاڑی کے چلنے کے لئے ضروری ہے کہ اس کا ظاہر بھی درست ہو اور باطن میں پیٹرول وغیرہ بھی موجود ہو اسی طرح شریعت پر عمل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ظاہر

بھی درست ہو اور باطنہ کے اندر کیفیت احسان موجود ہوتا کہ حدیث پاک اعبداللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک یعنی اللہ کی عبادت اس طرح کر گویا تو اللہ کو دیکھ رہا ہے اور اگر یہ کیفیت نہ ہو تو یوں سمجھ کہ اللہ تجھے دیکھ رہے ہیں۔ کا مصداق بن سکے عام انسان پر دو رکعت نفل پڑھنے بھی بھاری ہوتے ہیں لیکن جن حضرات میں احسان کی کیفیت حاصل ہوتی ہے ان کے لئے سینکڑوں نوافل پڑھنا آسان ہوتا ہے۔ غیر مقلدین حضرات چونکہ پورے دین کے دشمن ہیں اس لئے وہ حضرات فقہاء کرام کے بھی مخالف ہیں جو ظاہر دین کے علمبردار ہیں اور حضرات صوفیاء کرام کے بھی مخالف ہیں جو باطن کو سنوارنے والے ہیں۔ جس طرح غیر مقلدین حضرات فقہاء کرام کی عبارات پر تلبیسات کر کے بے جا اعتراضات کرتے ہیں اور اپنی آخرت تباہ و برباد کر رہے ہیں اسی طرح حضرات صوفیاء کرام پر بھی بے جا اعتراضات کر کے اپنے آپ کو جہنم کا ایندھن بنانے میں مصروف ہیں اس لئے کہ اعلان شہنشاہی ہے من عاد لی ولیا فقد اذنتہ بالحرب جو میرے ولی سے دشمنی کرتا ہے میرا اس کے ساتھ اعلان جنگ ہے۔ جنگ کے اندر دوسرے کی اہم ترین چیزوں پر حملہ کیا جاتا ہے اور ان کو تباہ و برباد کیا جاتا ہے انسان کے پاس اس حیات فانی میں سب اعلیٰ و افضل سرمایہ ایمان کا سرمایہ ہے تو جس شخص کے ساتھ ذات ذوالجلال کا اعلان جنگ ہو جاتا ہے پھر ایمان پر خاتمہ اس کے مقدر میں مشکل ہو جاتا ہے۔ اعاذنا اللہ منہ

صوفیاء کرام کی جن عبارات پر بدقسمت لوگ اعتراضات کرتے ہیں ان میں سے بعض عبارات کا تعلق معرکۃ الآراء مسئلہ وحدۃ الوجود کے ساتھ ہے اس لئے آنے والے چند صفحات میں اس مسئلہ کی توضیح و تشریح اور اس پر وارد ہونے والے اعتراضات کے جوابات پیش کئے جاتے ہیں۔

تمہید:

مسائل کا ایک درجہ عقائد کا ہے دوسرا احکام کا تیسرا احسان کا۔ یہ تینوں دین کے شعبے ہیں جیسا کہ حدیث جبرئیل علیہ السلام میں واضح طور پر ان کا ذکر موجود ہے۔ پھر عقائد کی دو قسمیں ہیں (۱) ضروریات دین یہ ان مسائل کو کہا جاتا ہے جن میں سے ایک کے انکار یا تاویل باطل سے انسان دین اسلام سے ہی محروم ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ توحید، رسالت، ختم نبوت، قیامت، عذاب قبر،

شفاعت، قیامت میں رؤیت باری تعالیٰ حیات عیسیٰ علیہ السلام کے مسائل۔

دوسری قسم کے مسائل وہ ہیں جن کی ضروریات اہل سنت کہا جاتا ہے کہ ان میں سے کسی ایک کے انکار سے انسان اہل سنت سے نکل کر اہل بدعت میں داخل ہو جاتا ہے۔اسی طرح احکام میں بھی کچھ احکام مجمع علیہ ہیں اور کچھ مختلف فیہ یعنی کچھ احکام ایسے ہیں جن کے انکار انسان کفر میں داخل ہو جاتا ہے جیسے نماز، روزہ، حج، زکوۃ، جہاد وغیرہ اور کچھ احکام ایسے ہیں کہ جن کے انکار سے انسان اگرچہ دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا لیکن اس کا دائرہ اہل سنت سے خروج یقینی ہوتا ہے۔اور وہ اہل سنت سے نکل ان بہتر فرقوں میں سے کسی ایک کا فرد بدقسمت بن جاتا ہے جن کے متعلق آقائے دوجہاں نے ناری ہونے کی خبر دی ہے۔

تیسری چیز احسان ہے احسان میں ادنیٰ درجہ مراقبہ کا ہے فان لم تکن تراہ فانہ یراک اور اعلیٰ درجہ مقام مشاہدہ ہے ان تعبداللہ کانک تراہ اتی کیفیت احسان کو حاصل کرتے ہوئے مختلف احوال، مکاشفات اور مقامات ذاتی حیثیت رکھتے ہیں اس میں سالک یعنی سلوک طے کرنے والے کا کوئی اختیار نہیں ہوتا پھر وہ احوال و مکاشفات نہ ہی عقائد کا حصہ ہیں نہ احکام کا کسی کے ذاتی یا کشفی خواب کو اس کی پوری جماعت کا عقیدہ قرار دینا یہ محض تعصب اور جہالت کا شاخسانہ ہے جیسے ہر مسلمان کے خواب کا قرآن وحدیث میں ہونا ضروری نہیں ہے ہاں قرآن وحدیث کے خلاف نہ ہو اور اگر خلاف بھی ہو تب بھی دیکھنے والا معذور ہی ہے اگرچہ اس پر عمل نہیں کیا جائے گا جیسا کہ خواب میں غیر عورت کے ساتھ احتلام کا ہو جانا خواب دیکھنے والا معذور ہوگا لیکن شریعت کا ہاں قابل مواخذہ نہ ہوگا۔اس لئے کہ وہ اس میں بے اختیار ہے ہاں خواب دیکھ کر جس عورت کے ساتھ خواب میں احتلام ہوا ہے بیداری میں اس پر بیوی ہونے کا دعویٰ کرنا ناجائز ہے۔اسی طرح ہر ہر کشف کا قرآن وحدیث میں ہونا ضروری نہیں اور نہ ہی کسی کے کشف کو اس کی جماعت کا عقیدہ قرار دیا جا سکتا ہے۔صاحب کشف اپنے کشف میں بے اختیار ہونے کی وجہ سے بے گناہ ہے۔کیونکہ وہ نائم کی طرح مرفوع القلم ہے ہاں! اس کو تسلیم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ وہ قرآن وسنت کے خلاف نہ ہو۔جس طرح بعض خواب عجیب وغریب ہوتے ہیں۔ان کی

تعبیر عوام تو عوام بلکہ خواص کو بھی سمجھ میں نہیں آتی اسی طرح بعض کشف بھی عجیب وغریب ہوتے ہیں جس کی تعبیر سمجھ میں نہیں آتی اور بظاہر کتاب وسنت کے خلاف ہوتے ہیں ان کو شطحیات کہا جاتا ہے۔ یہ متشابہات کے حکم میں ہوتے ہیں جس طرح متشابہات کو عقائد نجران کے پادریوں نے قرار دیا اسی طرح شطحیات کو بھی عقائد کا درجہ دینا نجران کے پادریوں کی تقلید ہے۔

فرقہ ناجیہ اور طائفہ منصورہ کا نام اہل سنت والجماعت ہے اس میں لفظ سنت میں ان کی نسبت جناب رسول اقدس ﷺ کی طرف ہے جو بحیثیت معصوم ہیں اور جماعت کا مطلب یہ ہے کہ ہم نبی کریم ﷺ کے بعد کسی بھی شخص کو معصوم نہیں مانتے ہاں بفرمان رسول اقدس ﷺ ہم امت کے اجماع کو معصوم مانتے ہیں اس لئے کہ کسی بھی فرد کی لغزش یا تفرد کو اہل سنت والجماعت کا عقیدہ قرار نہیں دیا جاسکتا اس لئے کسی بھی شخص کے قول کو دیکھا جائے گا کہ جماعت نے اس کو کیا درجہ دیا ہے اگر عقیدہ کے درجہ میں قبول کیا ہے تو وہ عقیدہ ہوگا اگر احکام کے درجہ میں قبول کیا تو وہ حکم ہوگا۔ اور اگر اس کو شطحیات کے اندر داخل کیا ہے تو وہ شطحیات میں سے ہوگا یعنی نہ اس پر عمل ہوگا اور نہ اس کا قائل قابل مواخذہ ہوگا الغرض کسی آدمی کی ذاتی رائے جس کو جماعت نے قبول نہ کیا ہو اس کو جماعت کا عقیدہ قرار دینا کسی دجال کا ہی کام ہوسکتا ہے اور اس قسم کے فساد کی وجہ دراصل یہ ہے کہ تصوف میں نابلد لوگ صوفیاء کرام کی کتب کو دیکھتے ہیں اور انکی اصطلاحات سے ناواقفیت کی بناء پر اپنی فہم کے مطابق ان عبارات کو غلط مفہوم پہنا کر حضرات صوفیاء کرام کی مخالفت کر کے اپنی عاقبت کو تباہ کرتے ہیں۔

نااہل کے لئے مسائل تصوف میں غور وخوض قابل مذمت ہے:

حضرت حاجی امداداللہؒ کا فرمان صاحب شمائم امدادیہ لکھتے ہیں کہ:

ایک دن ایک شخص نے مسئلہ وحدت الوجود دریافت کیا حضرت حاجی امداداللہ نے فرمایا کہ یہ مسئلہ حق وصحیح ومطابق بواقع ہے اس مسئلہ میں کچھ شک وشبہ نہیں ہے معتقد علیہ تمامی مشائخ کا ہے مگر قال واقرار نہیں البتہ حال وتصدیق ہے یعنی اس مسئلہ میں تیقن وتصدیق قلبی کافی ہے استتار اس کا لازم اور افشاء ناجائز ہے کیونکہ اسباب ثبوت اس مسئلہ کے کچھ نازل ہیں بلکہ بحد سے دقیق کہ فہم عوام

بلکہ فہم علماء ظاہر میں کہ اصطلاح عرفاء سے عاری ہیں نہیں آتے تو الفاظ میں کہنا اور دوسروں کو سمجھانا کب ممکن ہے بلکہ جن صوفیوں کا سلوک ناتمام ہے اور وہ مقام نفس سے ترقی کر کے مرتبہ قلب تک ن ہیں پہنچے ہیں اس سے ضرر شدید پاتے ہیں اور مکر نفس سے چاہ الحاد و قعر ضلالت میں پڑ جاتے ہیں نعوذ باللہ منہا اس جگہ پر زبان روکنا واجب ہے (شمائم امدادیہ ص ۳۰)

حضرات امداللہ مہاجر مکیؒ فرماتے ہیں شیخ الشیوخ ہمعصر اور ہم وطن ابن عربی لوگوں نے شیخ اکبرؒ کا حال ان سے پوچھا فرمایا ھو زندیق آدمی ان کی صحبت سے اعتراض کرتے تھے جب انہوں نے وفات پائی لوگوں نے شیخ الشیوخ سے ان سے آخرت کا حال دریافت کیا ارشاد ہوا لعات قطب الوقت من کان ولی اللہ تمام لوگ متعجب ہوئے عرض کیا کہ کیوں ان کو زندیق کہہ کر ہم کو استفادہ سے محروم رکھا جواب میں فرمایا کہ وہ ولی واصل بحق تھے لیکن جذبہ قوی رکھتے تھے ہر چند مقرب بارگاہ تھے مگر قابل اتباع نہ تھے اخیر زمانہ میں مجذوب ہو گئے تھے اور زبان ان کی افشاء اسرار میں بے اختیار ہو گئی تھی اگر تم لوگ ان کی صحبت میں رہتے تو گمراہ ہو جاتے کیونکہ غلبہ حال سے ایسی ایسی باتیں کرتے تھے جو تمہاری سمجھ میں آنے کے قابل نہ تھیں اور عوام کے لئے نقصان رساں تھیں۔ اگر خیال کرو تو میں نے تمہارے اوپر احسان کیا پس اس جگہ فرمانا چاہیے کہ ہم لوگوں کا کیا منصب ہے کہ کس و ناکس بازاریوں سے مسئلہ وحدۃ الوجود وحدۃ الموجود کا ذکر کریں اور عوام کو تھوڑا بہت ایمان تقلیدی رکھتے ہیں اس ایمان سے بھی بے نصیب کریں اس معاملہ میں گفتگو فضول ہے بلکہ اپنا وقت اور عوام کا اعتقاد ضائع کرنا ہے (شمائم امدادیہ ص ۳۳)

امام شعرانی رحمہ اللہ نے فرمایا میں ایسے تمام لوگوں کو جو کہ اہل کشف کے کلام کے سمجھنے تک پہنچنے سے عاجز ہیں وصیت کرتا ہوں کہ وہ ظاہر کلام متکلمین کے ساتھ قائم رہیں اس سے آگے تجاوز نہ کریں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل کشف کے عقائد تو ایسے امور پر مبنی ہیں جو مشاہدہ کے متعلق ہیں (اور مشاہدہ عام نہیں) اور غیر اہل کشف کے عقائد ایسے امور پر مبنی ہیں جن پر ایمان رکھتے ہیں (اور ایمان عام ہے) (التنبیہ الطربالی ص ۵)

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

پس اگر مخاطب جنس عوام سے ہوگا جو کہ فرق مراتب بخوبی نہیں کرسکتا تو اس کے سامنے اس مسئلہ کا بیان کرنا الحاد و زندقہ کا سبب ہوگا اسے احتراز کرنا واجب ہے جیسا کہ حضرت معاذ کی حدیث بخاری شریف کتاب العلم باب الرخص بالعلم قوما دون قوم حضرت انس ابن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا حضرت معاذ کے آپ ردیف تھے اے معاذ! انہوں نے عرض کیا میں حاضر ہوں حضور ارشاد، آپ نے فرمایا جو کوئی صدق سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور میری رسالت کی گواہی دے گا تو اللہ تعالیٰ اس پر آتش دوزخ حرام کردے گا۔ معاذ نے عرض کیا کہ میں لوگوں کو بشارت نہ سناؤں حضور ﷺ نے فرمایا پھر لوگ اعمال کرنے چھوڑ دیں گے۔ (فتاوی عزیزی ج ا ص ۲۸۔۲۹)

ذوقیات:

آئمہ مجتہدین احکام شرعیہ کا استنباط کتاب وسنت سے فرماتے ہین اس لئے ان احکام پر عمل کرنا کتاب وسنت پر ہی عمل ہے اس لئے ان کے فتاوی حجت شرعیہ ہیں اس کے برعکس صوفیاء کرام جب مقام مشاہدہ کی لذت چکھتے ہیں تو اپنے ذوقیات کو بیان فرماتے ہیں اور ذوقیات کے بیان کے لئے الفاظ کا دائرہ بہت تنگ ہے مثلاً جس نے خود سیب نہیں چکھا اپ اسے الفاظ سے اس کی مٹھاس نہیں سمجھا سکتے وہ پوچھے گا گڑ جیسا میٹھا ہوتا ہے، آپ کہیں گے نہیں، سیب میٹھا تو ہوتا ہے مگر اس کی مٹھاس گڑ سے مختلف ہے وہ کہے گا آم جیسا میٹھا ہوتا ہے، آپ کہیں گے نہیں آپ بات کو جتنا بڑھائیں گے بات الجھتی ہی جائے گی اور آخر وہ آپ سے لڑ پڑے گا کہ تم عجیب عالم ہو کہ بات سمجھا ہی نہیں سکتے۔ اب آپ ایک قاش سیب کی اسے کھلا دیں اب وہ اس کی مٹھاس چکھ لے گا مگر آپ اسے کہیں اب تم الفاظ میں اس فرق سمجھاؤ تو وہ کبھی بھی نہ سمجھا سکے گا۔ اسی طرح آپ بچے کو الفاظ میں لذت جماع سمجھانا چاہیں تو حیرت وناکامی کے سوا کچھ نصیب نہ ہوگا۔ بے اولاد عورت کو آپ مامتا کی محبت الفاظ میں نہیں سمجھا سکتے۔ ہاں جب وہ خود ماں بن جائے گی اب بغیر کسی کے سمجھائے ہی اسے ممتا کا پتا چل جائے گا۔ تو صوفیاء کے مقامات ذوقی ہیں وہ ہر مقام پر یہی نعرہ لگاتے ہیں بخدا نہ دانی تا نہ چشی (خدا کی قسم جب تک نہ چکھو گے نہ جان سکو گے کہ ذائقہ کیا

ہے)اور غیر مقلدین ذوقیات کو الفاظ کے پیمانوں سے ناپتے ہیں اس لئے ضلوا و اضلوا کا مصداق بنتے ہیں۔ دیکھئے چینی میٹھی ہے اس کی مٹھاس کو صاحب ذوق ہی جانتا ہے اگر بلغم کے غلبہ سے زبان قوت ذوق کھو بیٹھی ہو تو اس بے ذوق زبان کے لئے چینی اور ریت برابر ہے۔ اب ظاہر ہے کہ صاحب ذوق کے سامنے بے ذوق کی بات کو کوئی بے ذوق ہی قبول کر سکتا ہے۔ اور اگر خدانخواستہ غلبہ صفراء سے ذوق بالکل بگڑ چکا ہو اور وہ چینی کو کڑوا زہر قرار دے اور وہ بد ذوق چینی کی مخالفت کتب میں لکھنی شروع کر دے کہ چینی زہر ہے اس سے بچو اور چینی بیچنے والوں کو گالیاں دینا شروع کر دے تو عقلمند لوگ ذوقیات میں صاحب ذوق کی ہی بات مانیں گے بے ذوق کو بیمار اور معذور سمجھیں گے اور بد ذوق کے واویلے اور غل غپاڑے پر کوئی عقلمند کان بھی نہ دھرے گا۔

موجودہ غیر مقلدین کا صوفیاء کرام کے خلاف واویلا اپنی جہالت کا مرثیہ اور ایک احمقانہ غل غپاڑہ ہے ان کا ایمانی ذوق بگڑا ہوا ہے۔ اعتماد علی السلف کی بجائے اکابر سے بدگمانی اور اسلاف پر بد زبانی ان کا اوڑھنا بچھونا ہے اور فکر آخرت تو ان کے قریب سے بھی نہیں گزرا اس وجہ سے یہ ہدایت سے محروم ہیں۔ اور کتنے جاہلوں کو انہوں نے راہ ہدایت سے گمراہ اور محروم کیا گمراہی کا پہلا سبب اللہ والوں سے وحشت ہے دوسرا سبب اہل اللہ سے نفرت ہے اور آخری سبب اللہ والوں سے عداوت۔ جس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلان جنگ ہو جاتا ہے اور ہدایت کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔

وحدت الوجود کی اہمیت:

عالم اسلام کے مایہ ناز مؤرخ ابوالحسن ندوی اس مسئلہ کی اہمیت کے بارے لکھتے ہیں:

اس مسئلہ کا اثر شیخ اکبرؒ کے زمانہ کے بعد اتنا ہمہ گیر بلکہ عالمگیر تھا کہ کہا جا سکتا ہے کہ صوفیا خلاصہ اور شعراء میں نوے فیصد اس مسئلہ کے قائل یا اس سے مرعوب ہو کر اس کے ہمنوا بن گئے ہیں شیخ سے اختلاف کرنے والے زیادہ تر محدثین فقہاء اور وہ علماء ہیں جن کو علمائے ظاہر کہا جاتا ہے ان میں حافظ ابن حجر عسقلانی، علامہ سخاوی، ابوحیان ہیں، مفسر شیخ الاسلام عزالدین ابن عبدالسلام، حافظ ابوزرعہ، شیخ الاسلام سراج الدین البلقینی، ملا علی قاری، علامہ سعد الدین تفتازانی رحمہم اللہ جیسے

نامور علماء اور آئمہ فن تھے۔

یہ حضرات اگرچہ اپنے علم و فضل کتاب و سنت پر وسیع اور گہری نظر اور علوم دینیہ میں تبحر کے لحاظ سے بہت فائق تھے لیکن ایک دو کو مستثنیٰ کر کے اہل تصوف و حقائق کو ان میں سے کسی کا حقائق و علوم باطنی کا رمز آشنا ہونا تسلیم نہیں اس لئے ان کی مخالفت کو الناس اعداء ما جهلوا لوگ جس کو جانتے نہیں اس کے دشمن ہو جاتے ہیں کے عام اصول پر محمول کیا گیا۔ (تاریخ دعوت عزیمت ص ۱۳۲۶ ج ۴)

شیخ دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

جیسا کہ اوپر کہا گیا مسلک وحدۃ الوجود کی تردید اور شیخ اکبرؒ پر تنقید کرنے والے زیادہ تر علوم ظاہر کے دریا کے غواص اور حقیقت و معرفت کے کوچہ ریاضت و مجاہدہ کی دنیا اور معارف و حقائق اور عملی تجربات اور ذوق سے نا آشناء تھے اس لئے اس مشرب کے ذوق آشنا ان کی تنقیدات کو یہ کہہ کرنا قابل اعتناء قرار دے دیتے تھے۔

لذت مے نہ شناسی بخدا تا چشی اور ع
چوں نا دیدند حقیقت رہے افسانہ زوند

(تاریخ دعوت و عزیمت ۱۷۱ ج ۴)

مولانا نذیر احمد عرشی شارح مثنوی مولانا روم رحمہ اللہ اس ضمن میں رقمطراز ہیں:

واضح ہو کہ وحدۃ الوجود کا مسئلہ وہ معرکہ خیز مسئلہ ہے جس کی بناء پر صدیوں سے اہل ظواہر اور صوفیا میں سخت اختلاف چلا آتا ہے بزرگان سلف قدیم اس مسئلہ پر اشارات کرتے آتے ہیں اور صوفیاء علیہ اس مسئلہ کو معرفت کی جان سمجھتے ہیں طبقہ سلف کے گزر جانے اور ہجرت نبویہ سے پانچ سو برس منقضی ہونے کے بعد اس مسئلہ میں صوفیاء کے دو گروہ ہو گئے ایک گروہ وحدۃ الوجود کا اور دوسرا وحدۃ الشہود کا قائل سمجھا جاتا۔ (مفتاح العلوم شرح مثنوی مولانا روم)

وحدۃ الوجود کی تشریح و توضیح کے بعد صاحب مفتاح العلوم وحدۃ الشہود کی وضاحت اس طرح فرماتے ہیں اوپر بیان کیا گیا تھا کہ ہجرت سے پانچ صدی بعد صوفیا کے دو گروہ ہو گئے ایک گروہ

وحدت الوجود کا قائل ہے اور اس مسئلے پر تقریرات اوپر درج ہو چکیں۔ دوسرا گروہ صوفیا سلف کے ان اشارات کی تاویل کرتا ہے اور اس کو سکر و استغراق پر محمول کرتا ہے ان حضرات کو وحدۃ الوجود کی واقعیت سے انکار ہے اور فرماتے ہیں کہ سالک کو بعض اوقات وحدۃ الوجود کا احساس ہوتا ہے لیکن نفس الامر میں وہ واقع نہیں جیسے کہ سورج کی روشنی میں تمام ستارے بے نور ہو جاتے ہیں اور نظر نہیں آتے حالانکہ نفس الامر میں وہ وہ موجود و منور ہوتے ہیں لیکن دن کے وقت نور آفتاب کے غلبہ سے ان کا نور مضمحل ہو جاتا ہے پس یہ وحدۃ جس کو وحدت الوجود کہا جاتا ہے دراصل وحدۃ الشہود ہے شیخ علاؤ الدولہ سمنانی اور بہت سے دیگر حضرات متقدمین میں سے اور حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی قدس سرہ اور ان کے اتباع متاخرین میں سے واحدۃ الشہود کے قائل ہیں۔

جس طرح شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رحمہ اللہ نے وحدۃ الوجود (جو پہلے سے مسلمان صوفیا میں موجود تھا کو مرتب اور باضابطہ طور پر پیش کیا جس کے سبب یہ ان کی ذات سے منسوب ہو کر رہ گیا اسی طرح حضرت مجدد الف ثانی جنہیں نظریہ وحدۃ الشہود کا بانی تصور کیا جاتا ہے نے پہلے سے موجود اس تصور کو باضابطہ و باقاعدہ طور پر پیش کیا جس سے اس تصور نے ایک نظریہ کی صورت اختیار کر لی ہر دو نظریات کو اسلامی تصوف میں بڑی اہمیت حاصل ہے اگرچہ عام طور پر انہیں متضاد نظریات سمجھا جاتا ہے مگر بہت سے خواص کے نزدیک ان میں تضاد نہیں کچھ کے نزدیک وحدۃ الوجود وحدۃ الشہود کا متمم ہے اور کچھ حضرات وحدۃ الشہود کو وحدۃ الوجود ہی کی ایک تعبیر بتاتے ہیں۔

حضرت حاجی امداد اللہ کی تحقیق وحدۃ الوجود کے بارہ میں صاحب شائم امدادیہ میں لکھتے ہیں کہ ایک دن ایک شخص نے مسئلہ وحدت الوجود دریافت کیا حضرت حاجی امداد اللہ نے فرمایا کہ یہ مسئلہ حق و صحیح و مطابق بواقع ہے اس مسئلہ میں کچھ شک و شبہ نہیں ہے معتقد علیہ تمامی مشائخ کا ہے مگر قال واقرار نہیں البتہ حال و تصدیق ہے یعنی اس مسئلہ میں تیقن و تصدیق قلبی کافی ہے استتار اس کا لازم اور افشاء ناجائز ہے کیونکہ اسباب ثبوت اس مسئلہ کے کچھ نازک ہیں بلکہ بحد ے دقیق کہ فہم عوام

بلکہ فہم علماء ظاہر میں کہ اصطلاح عرفاء سے عاری ہیں نہیں آتے تو الفاظ میں کہنا اور دوسروں کو سمجھانا کب ممکن ہے بلکہ جن صوفیوں کا سلوک ناتمام ہے اور وہ مقام نفس سے ترقی کر کے مرتبہ قلب تک نہیں پہنچے ہیں اس سے ضرر شدید پاتے ہیں اور بمکر نفس سے چاہ الحاد وقعر ضلالت میں پڑ جاتے ہیں نعوذ باللہ منہا اس جگہ پر زبان روکنا واجب ہے۔ (شمائم امدادیہ ص ۳۰)

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی ۷ ذی الحجہ ۱۲۹۲ھ کو نانوتہ میں بعد جلسہ دوم مدرسہ دیوبند اس وقت مفتی مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی اور چند آدمی بیٹھے تھے، فقیر راقم محمد جمال الدین عفی عنہ نے قاسم الخیرات مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی سے ذکر کر دیا کہ قاضی عنایت علی منگلوری رڑ کی میں کہتے تھے کہ میں نے مولوی محمد قاسم سے وحدۃ الوجود کا ثبوت چاہا با صواب جواب نہ پایا یہ بات کیونکر ہے۔ مولوی صاحب موصوف نے صاف صاف کہہ دیا کہ کس سے کہوں کوئی سمجھے تو سمجھاؤں شہود اور وجود دونوں درست ہیں۔ قاضی صاحب ممدوح ایسے غبی ہیں کہ انکی تمام کو وہ اقلیدس میں سے اس وقت کہ ہم نے پڑھی نہ تھی، پانچویں یا نویں الٹی شکل اول مقالہ اقلیدس لکھ کر جو ثبوت مانگا حل نہ کر سکے پھر آپ بتائیں کہ وحدت الوجود کو کیا سمجھیں گے کوئی اس مادہ کا آدمی گفتگو کرے اور سمجھے چنانچہ احقر راقم کے نام مولانا کا مکتوب ایک بڑی حجت ہے اس سے مراد جمال قاسمی ہے جس مکتوب میں حضرت نانوتویؒ نے مسئلہ وحدت الوجود اور حیات انبیاء علیہم السلام بیان کیا ہے۔ (فیوضات حسینی ص ۹۳)

مسئلہ وحدۃ الوجود پر دلائل

وحدت الوجود کی قرآنی بنیاد:

قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

هو الاول و الاخر و الظاهر و الباطن و هو بكل شئ عليم.

وہ اللہ تمہارا اول بھی ہے آخر بھی ہے ظاہر بھی ہے باطن بھی ہے اور وہی ہر شے کا جاننے والا ہے نبی مکرم حضور سرور دو عالم ﷺ نے اس آیت مبارکہ کی تفسیر ایک دعا کی صورت میں یوں فرمائی ہے۔

اللھم انت الاول فلیس قبلک شی و انت الاخر فلیس بعدک شی و انت الظاہر فلیس فوقک شی و انت الباطن فلیس دونک شی۔

اے اللہ تو اول ہے پس تجھ سے پہلے کوئی چیز نہیں اور تو آخر پس تیرے بعد کوئی چیز نہیں اور تو ظاہر ہے تیرے اوپر کوئی شے نہیں اور تو باطن ہے پس تیرے سوا کوئی شے نہیں۔

از روئے تعلیمات قرآن اللہ تعالیٰ ہمارا الہ ہے وہی ہمارا معبود ہے۔ وہی ہمارا رب ہے، ہم اسی کی عبادت کرتے ہیں، اسی سے مدد مانگتے ہیں لیکن اس کے ساتھ قرآن حکیم نے ہمیں یہ بھی بتایا ہے کہ وہ ہمارا اول ہے، آخر ہے، ظاہر ہے، باطن ہے، وہ ہما سے قریب ہے، اقرب ہے، وہ ہمارے ساتھ محیط ہے، تو پھر ہم کیا ہیں؟ ہمارا اس سے کیا ربط ہے؟

وحدت الوجود اسی عقیدہ لاینحل کا حل ہے قرآنی تعلیمات کی رو سے ہمارے اپنی ذات کے عرفان ہی سے حق تعالیٰ کا عرفان ممکن نظر آتا ہے اس لئے سب سے پہلے عرفان نفس حاصل کرنے کے لئے قرآن حکیم سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔

منجملہ تمام اشیاء کائنات ہماری ذات پر بھی لفظ شی کا اطلاق ہوتا ہے (اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں تخلیق اشیاء کے متعلق ارشاد فرمایا)

انما امرہ اذا اراد شیئا ان یقول لہ کن فیکون .(یسین آیت ۸۲)

اس کا حکم یہی ہے وہ جس شے کا ارادہ فرماتا ہے تو اسے حکم دیتا ہے کہ ہوجا پس وہ ہوجاتی ہے۔

آیت مذکورہ بالا میں خطاب شی سے ہو رہا ہے یعنی امر کن کی مخاطب شی ہے یہاں دو احتمال ہیں۔

(۱) یا تو وہ شی جس سے خطاب ہو رہا ہے خارج میں موجود ہے۔ (۲) یا معدوم ہے۔

پہلی صورت میں امر کن خطاب تحصیل حاصل ہے خارج میں موجود شی کا موجود ہوجانا بے معنی ہے۔

اگر شی معدوم محض ہے تو پھر خطاب باطل ہوگا کیونکہ معدوم محض مخاطب کیسے ہوسکتی ہے لہذا ضروری ہے کہ وہ شی جسے ارادہ الٰہی خارج میں موجود کرنا چاہتا ہے، جو امر کن کی مخاطب علما تو ثابت ہو علمی یا ذہنی وجود کے ساتھ اور خارجا معدوم ہو بوجود عینی اشیاء کی اسی عدمیت خارجی پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے۔

وقد خلقتک من قبل ولم تک شیئا. (مریم الآیۃ ۹)
قبل ازخلق تو کوئی شے نہ تھا یعنی معدوم تھا وجود خارجی نہ رکھتا تھا میں نے تجھے خلق کیا۔

ان نصوص سے دو باتوں کا اثبات ہوتا ہے۔

(۱) ہر شے قبل ازتخلیق حق تعالی کی معلوم ہے اس کا ثبوت علمی ذات حق میں متحقق ہے۔قبل ازخلق خالق کو اپنی مخلوق کا علم ضروری ہے اور تخلیق کے بعد بھی وہ حق تعالی کی معلوم ہے لہذا شے کی ماہیت معلوم ہے علم الٰہی میں ثابت اور اسی کی ذات پر عارض یا ذات میں مندرج۔

(۲) ہر شے خارجا مخلوق ہے حق تعالی اس کا خلاق ہے اشیاء کی ذوات قبل تخلیق علم الٰہی میں ثابت ہیں ثبوت علمی رکھتی ہیں، معلومات حق ہیں، صور علمیہ حق ہیں۔ صوفیاء کی اصطلاح میں یہی اعیان ثابتہ کہلاتی ہیں۔ یہی امر کن کی مخاطب ہیں اور یہی مرتبہ علم باطن سے عین (ظاہر وخارج) میں آنے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔ اسی اعتبار سے تمام عالم کا نام ممکن الوجود ہے بالغیر موجود ہے۔ علما و خارجا علما اس لیے کہ اشیاء ذات الٰہی کی صورت علمیہ ہیں اور اسی سے قائم ہیں خارجا اس لیے کہ یہ حق تعالی کے حکم ہی سے وجود خارجی پا رہی ہیں اور اپنے وجود میں اس کی محتاج ہیں۔ وجود کو مستعار لے رہی ہیں کہ قبل تخلیق وجود خارجی سے عاری تھیں معدوم اضافی تھیں اور لم تکن شیئا کا مصداق تھیں۔ اب ہم خالق ومخلوق کی ذوات (عالم ومعلوم) کے درمیان جو ربط پایا جاتا ہے اس کی نوعیت پر غور کرتے ہیں ذات خالق اور ذوات مخلوق میں بے تاویل و بے احتمال اصطلاح غیریت ثابت ہوتی ہے ایک مثال پر غور کریں کہ ایک مصور نے اپنے ذہن میں موجود ایک باغ کے تصور کو تصویر کی صورت پردہ پر پیش کیا باغ بحیثیت صورت علم مصور کے ذہن میں پایا جاتا ہے اور اپنے وجود ذہنی کے لئے ذہن مصور کا محتاج ہے یعنی قائم بالذات نہیں قائم بالغیر ہے۔ مصور کا ذہن اس کا مقوم ہے قیوم ہے، خود قائم بالذات مصور کا بنایا ہوا نقش ایک صورت ہے یعنی متعین ومتحیز ہے محدود ومقید ہے غرض ذہن اور صورت ذہنی مصور اور تصویر کسی معنی میں ایک نہیں نقاش نقش نہیں نہ نقش نقاش ہے دونوں میں مغائرت کلی پائی جاتی ہے اسی طرح بلا تشبیہ بلا تمثیل یہ کہا جا سکتا ہے ذات حق (عالم) اور ذوات اشیاء (معلوم) خالق ومخلوق میں غیریت کلی پائی جاتی ہے۔

ذات حق بالذات موجود ہے قائم بالذات ہے اپنے وجود میں کسی کی محتاج نہیں اور حیات وعلم ارادہ و قدرت سماعت بصارت کلام جملہ صفات وجودی سے متصف ہے اس کے برخلاف ذوات اشیاء فی نفسہ شان عدمیت رکھتی ہیں کیونکہ انہیں وجود ذاتی نہیں یہ اپنی اصل و ماہیت کے لحاظ سے صور علمی ہیں اور اس لئے بالغیر ثبوت علمی یا وجود ذہنی رکھتی ہیں وجود ذاتی نہ ہونے کا نام عدم ہے عدم اضافی عدم حقیقی نہیں اور پھر ان ذوات عدمیہ میں نہ صفت حیات ہے نہ علم، نہ ارادہ، نہ قدرت، نہ سماعت، نہ بصارت، نہ کلام بلکہ یہ ذوات عدمیہ جملہ صفات عدمی سے متصف ہیں اب جو ذات وجود وصفات و جودیہ سے عاری ہو وہ فعل کا مصدر کیسے بن سکتی ہے، اور فعل اس کا ذاتی کب ہو سکتا ہے، البتہ اس میں قابلیات امکانیہ وفعلیہ کا تصور کیا جا سکتا ہے جن کو کسبیات بھی کہا جاتا ہے، یہی اس کی ذاتیات ہیں جو ذات وجود وصفات وافعال سے محروم ہو اور محض ثابت فی العلم ہو اس سے آثار کا ترتب بھی ناممکن ہے ذات حق، ذات خلق، عالم و معلوم کا یہ فرق ہے۔

حضرت امام ولی اللہؒ کے عم بزرگوار حضرت شیخ محمد صاحبؒ جو حضرت شاہ عبدالرحیمؒ کے استاذ بھی ہیں فرماتے ہیں کہ وجود عالم مستلزم ہے عدم واجب کو کیونکہ بر تقدیر وجود عالم واجب یا تو خارج از عالم ہوگا تو محدود ہوگا اور محدود واجب نہیں ہو سکتا یا داخل عالم ہوگا پس حلول لازم آیا، حالانکہ حق تعالیٰ حلول سے منزہ ہے اور اسی عدم ممکنات من جمیع الوجوہ بھی ضروری البطلان ہے لہذا یہ بات متعین ہوگئی کہ عالم عبارت ہے حقیقت وجود کے تعینات اعتبار سے یا بالفاظ دیگر یوں کہہ سکتے ہیں کہ عالم بذات خود معدوم ہے اور پھر موجود بالغیر ہے اور وہ غیر اس کا قیوم ہے۔ (انفاس العارفین ص ۱۰۱)

وحدت اور اتحاد:

اہل فہم کے ہاں یہ مسلم اصول ہے کہ ہر کثرت کسی وحدت کی طرف سمٹ آتی ہے مثلاً دنیا میں کروڑہا مرد وعورتیں ان کی ساری کثرت ایک لفظ انسان میں سمٹ آئے گی اس کو وحدت انسانیت کا نام دیا جاتا ہے۔ اس وحدت میں سارے انسان آ گئے مگر نبی نبی ہی رہا، امتی امتی ہی، کافر کافر ہی رہا اور مسلمان مسلمان، باپ باپ ہی رہا اور بیٹا بیٹا ہی، بہن بہن ہی رہی، بیوی بیوی ہی۔ اب اگر کوئی غیر

مقلد جاہل وحدت انسانیت کا معنی اتحاد انسانیہ کرے کہ کافر مسلمان سب ایک ہو گئے بہن اور بیوی کے احکام ایک ہی ہو گئے باپ باپ نہیں، بیٹا بیٹا نہیں رہا۔ پھر وحدت انسانیت کے قائلین کو گالیاں دینے لگے تو اس کو اپنے عقل کا ماتم کرنا چاہیے اسی طرح حیوانات کی ساری کثرت وحدت حیوانیت میں سٹ آئی اب اگر کوئی منکر تصوف یہ مطلب سمجھے کہ چونکہ میں اور خنزیر دونوں وحدت حیوانیت میں آ گئے ہیں اس لئے میں خنزیر ہوں اور ہر خنزیر میں ہوں اور یوں کہے کہ میری ماں اور کتیا چونکہ دونوں وحدت حیوانیت میں شامل ہیں اس لئے میری ماں کتیا ہے اور ہر کتیا میری ماں ہے۔

اسی طرح اجسام کی کثرت وحدت جسمانیت میں آ گئی اب اگر کوئی مخالف تصوف یہ کہے کہ میرا باپ بھی جسم ہے اور پاخانہ کی ڈھیری بھی جسم ہے یہ دونوں وحدت جسمانیت کے فرد ہیں اس لئے میرا باپ پاخانہ ہے اور ہر پاخانہ میرا باپ ہے۔

کاش! منکرین تصوف وحدت اور اتحاد کا مطلب سمجھ لیتے تو ذلت و گمراہی کے گڑھے میں نہ گرتے اور خسر الدنیا والاخرۃ کا مصداق نہ بنتے لیکن دیہاتی لوگ کہا کرتے ہیں کہ خدا جب ناراض ہوتا ہے تو اس پر لاٹھی نہیں مارتا بس اس کی مت مار دیتا ہے۔ عارفین کہتے ہیں۔

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد
میلش اندر طعنہ پاکاں زند

اسی طرح وجود کا لفظ ایسا ہے کہ خالق اور مخلوق دونوں پر بولا جاتا ہے تو وحدت وجود میں خالق اور مخلوق دونوں آ گئے تو اس اعتبار سے وحدت الوجود کا قول کر لیا گیا لیکن خالق خالق ہی رہا اور مخلوق مخلوق ہی، واجب واجب ہی رہا اور ممکن ممکن ہی، اور اس میں اتحاد کا قول کفر ہے۔ شیخ اکبرؒ خود فرماتے ہیں: اما القول بالاتحاد فھو من مقالۃ اھل الکفر والالحاد. اگر کسی مغلوب الحال کی کلام سے ایسی بو آئے تو وہ معذور ہے جب مغلوب الحال مجنون کی طرح مرفوع القلم ہے تو پھر اس پر اعتراض کیسا کیا اس پر اعتراض کرنا شریعت کی کھلی مخالفت نہیں؟

وحدۃ الوجود کی تشریح:

حضرت تھانوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں ظاہر ہے کہ تمام کمالات حقیقیہ اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت ہیں اور

مخلوقات کے کمالات عارضی طور پر ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی عطا اور حفاظت کے طور پر ان میں موجود ہیں ایسے وجود کو اصطلاح میں وجود ظلی کہتے ہیں (اور اصطلاح کا منصوص ہونا ضروری نہیں جیسے اصول حدیث کی اصطلاحات کہ ایک بھی ان معنوں میں قرآن وحدیث میں نہیں) اور ظل کے معنی سایہ کے ہیں سو سائے سے یہ نہ سمجھا جائیں کہ اللہ کا کوئی جسم ہے اور یہ عالم اس کا سایہ ہے بلکہ سایہ کے وہ معنی ہیں جیسا کہ کہا کرتے ہیں کہ ہم آپ کے زیر سایہ رہتے ہیں یعنی آپ کی حمایت اور پناہ میں ہیں۔ اور ہمارا امن وعافیت آپ کی توجہ کی بدولت ہے اسی طرح ہمارا وجود بدولت عنایت خداوندی ہے اس لئے اس کو وجود ظلی کہتے ہیں پس یہ بات یقیناً ثابت ہوئی کہ ممکنات کا وجود حقیقی اور اصلی نہیں ہے عارضی اور ظلی ہے اب اگر وجود ظلی کا اعتبار نہ کیا جائے تو صرف وجود حقیقی کا ثبوت ہوگا اور وجود کو واحد کہا جائے گا یہ وحدت الوجود ہے اور اگر اس کا بھی اعتبار کیجئے کہ آخر کچھ تو ہے بالکل معدوم تو نہیں تو غلبہ نور حقیقی سے کسی مقام پر سالک کو وہ نظر نہ آوے (جیسے نور آفتاب کے سامنے ستارے یا جگنو کی روشنی یہ وحدت الشہود ہے اس کی مثال ایسی ہے کہ نور ماہتاب نور آفتاب سے حاصل ہے اگر اس نور ظلی کا اعتبار نہ کیجئے تو صرف آفتاب کو منور اور ماہتاب کو تاریک کہا جائے گا یہ مثال وحدت الوجود کی ہے اور اگر اس نور کا بھی اعتبار کیجئے کہ اس کے کچھ تو آثار خاصہ ہیں گو وقت ظہور آفتاب کے وہ بالکل مسلوب النور ہو جاوے یہ مثال وحدت الشہود کی ہے یہاں سے معلوم ہوا کہ اختلاف لفظی ہے مال دونوں کا ایک ہے اور چونکہ اصل اور ظل میں قوی تعلق ہوتا ہے اس کو اصطلاح صوفیاء میں عینیت کہتے ہیں عینیت کا یہ معنی نہیں کہ دونوں ایک ہو گئے یہ تو صریح کفر ہے چنانچہ صوفیاء محققین اس عینیت کے ساتھ غیریت کے بھی قائل ہیں پس یہ عینیت اصطلاحی ہے نہ کہ لغوی۔ مسئلے کی تحقیق تو اس قدر ہے اس سے زیادہ اگر کسی کے کلام منثور یا کلام منظوم میں پایا جاوے تو حالت سکر کا کلام ہے نہ قابل ملامت ہے اور نہ قابل نقل و تقلید۔ (تعلیم الدین ص ۹۶)

قطب الارشاد حضرت مولانا عبداللہ بہلویؒ مسئلہ وحدت الوجود کی تشریح فرماتے ہوئے لکھتے ہیں عینیت کا ایک معنی یہ ہے کہ دو چیزوں کا مکمل طور پر اس طرح ہونا کہ ان میں سے کسی قسم کا بھی فرق

نہ ہو اور غیریت کا معنی یہ ہے کہ دونوں میں کسی قسم کا تغایر امتیاز یا فرق ہو اس معنی میں عینیت و غیریت میں تناقض ہے جس میں دونوں کا کسی محل میں جمع ہونا محال ہے اور لغوی معنی بھی یہی ہے اور اسی میں اکثر عرفاً استعمال ہوتا ہے اس اعتبار سے کوئی شے باری تعالیٰ کی عین ذات نہیں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ عینیت کے تو مذکورہ بالا معنی بھی لیے جائیں اور غیریت کے معنی یہ ہوں کہ دو چیزوں میں سے کسی ایک کا دوسری کے بغیر موجود ہوسکنا، عینیت و غیریت کے اس معنی میں باہم تناقض تو نہیں مگر تضاد ہے یعنی دونوں ایک محل پر صادق نہیں آسکتے مگر مرتفع ہوسکتے ہیں یہ متکلمین کی اصطلاح ہے اس تفسیر سے بھی ذات باری تعالیٰ اور مخلوقات میں عینیت نہیں بلکہ غیریت ہے اس لئے کہ مخلوقات بدوں باری تعالیٰ کے موجود نہیں ہوسکتی لیکن باری تعالیٰ بدون مخلوقات کے پہلے بھی موجود تھے۔

عینیت کے تیسرے معنی یہ ہیں کہ ایک شے کا اپنے وجود میں دوسری شے کی طرف محتاج ہونا، گو دوسری پہلی کی طرف محتاج نہ ہو اور غیریت کے وہی پہلے والے معنی کہ دو چیزوں میں کسی قسم کا تغایر امتیاز یا فرق ہونا یہ اصطلاح صوفیاء کی ہے جس کے اعتبار سے ذات باری تعالیٰ اور مخلوقات میں عینیت بھی ہے کیونکہ مخلوقات اپنی ذات میں ذات باری تعالیٰ کی محتاج ہے گو ذات باری تعالیٰ اس احتیاج سے مبرا ہے اور غیریت بھی ہے۔ کیونکہ ذات باری تعالیٰ اور مخلوقات میں لاکھوں طرح کے فرق ہیں جیسا کہ فرمایا: انتم الفقراء الی الله والله هو الغنی الحمید

تم سب اللہ تعالیٰ کے ہر طرف محتاج و تابع ہو اور اللہ تعالیٰ ہر طرح غنی و بے نیاز ہے۔

گو اس تیسرے معنی کے اعتبار سے صوفیا تمام مخلوقات کو عین باری تعالیٰ کہتے ہیں مگر بعض اوقات ایک قید اور بڑھاتے ہیں کہ مخلوق کو خالق کی طرف احتیاج کا علم و معرفت بھی حاصل ہو اور اس مقید معنی کے اعتبار سے تمام مخلوقات میں صرف عارف کے لئے عینیت کا اثبات کرتے ہیں کیونکہ دوسری مخلوق اس عرفان سے خالی ہے پھر بعض اوقات اس قید پر ایک قید بڑھا دیتے ہیں کہ اسکی معرفت میں اس قدر استغراق ہو کہ خود مخلوق بلکہ اپنی ذات و ہستی کی طرف بھی التفات نہ رہے۔

یہ حضرت حکیم الامت مجدد ملت تھانویؒ کی تحقیق ہے جس سے نہ کسی عامی کو انکار ہوسکتا ہے اور نہ کسی

عالم کو تو بحث اس کے سمجھنے کے لئے نہ فلسفی ہونے کی حاجت ہے نہ کسی مابعد الطبیعاتی فلسفہ یا نظریہ کی ضرورت، نہ بندہ کی بندگی میں کوئی فرق آیا نہ خدا کی خدائی یا تنزیہ میں اس سے کوئی نقص آیا جزاھم اللہ تعالیٰ۔ (کذافی تجدید التصوف)

فائدہ ہمہ اوست کا یہ معنی نہیں کہ ہمہ اور او ایک ہیں بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ ہمہ کی ہستی قابل اعتبار نہیں بلکہ او کی ہستی لائق شمار ہے اور باقی کی ہستی کے سامنے فانی کی کوئی ہستی نہیں پس وحدۃ الوجود کا معنی ہے وجود ایک ہونا پس حقیقتہً وجود ایک ہی ہے اور وحدۃ الشہود کا معنی ہے شہود ایک ہونا یعنی واقع میں تو متعدد ہستیاں ہیں مگر سالک کو ایک کا مشاہدہ ہوتا ہے اور دوسرے سب کالعدم ہیں پس وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود میں اختلاف لفظی ہے۔ فافھم۔ (معارف بہلوی ص ۱۱۲ ج ۴)

اسی طرح شیخ ابوالرضاؒ نے فرمایا:

ایک مرتبہ علماء اور عرفاء کی ایک بڑی مجلس میں میں نے مسئلہ وحدۃ الوجود ثابت کیا اور متکلمین کی عبارات سے تمسک کیا عقلی و نقلی دلائل پیش کیے لیکن وحدۃ الوجود کا ذکر تہ کیا سب نے اس کو قبول کیا دیکھو اہل رسوم کا تعصب الفاظ سے کس طرح زیادہ ہوتا ہے۔ (انفاس العارفین ص ۱۰۲)

مجدد الف ثانیؒ غیر مقلدین کی نظر میں:

اس کے چند حوالہ جات ملاحظہ ہوں:

(۱) حضرت مجدد الف ثانیؒ کی وفات کے بعد ان کی تجدیدی مساعی اور ان کی تحریک احیائے دین کے اثرات غازی سلطان محی الدین اورنگ زیب عالمگیر کی حیات مستعار تک باقی رہے۔ (تحریک اہل حدیث ۱۸۱)

(۲) ایسے تیرہ و تار ماحول میں جبکہ ہر طرف کفر و ضلالت رسم و رواج بدعات و سیئات اور فواحش و منکرات کی آندھیوں بلکہ طوفانوں میں ۹۷۱ھ جمعہ نصف شب ۱۴ شوال کو ایک عہد ساز نابغہ عصر شخصیت نے جنم لیا جس کو عرف عام میں شیخ احمد سرہندی فاروقی کہا جاتا ہے۔ (ایضاً ص ۱۶۶)

(۳) جب ظلمت و تاریکی بڑھ جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ آفتاب عالم تاب کو طلوع ہونے کا حکم دیتے ہیں جس سے رات کی تاریکی چھٹ جاتی ہے اور دن کی روشنی چہار دانگ عالم میں پھیل جاتی ہے

مسلمہ اصول پر فرعون اور موسیٰ کے تحت کفر وضلالت کی تاریکیوں کو ختم کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ ایسی (مجدد الف ثانی جیسی) عبقری زمان شخصیت کو پیدا کر دیتا ہے کہ وہ استقامت کا پہاڑ بن کر باطل کے سامنے سینہ سپر ہو جاتی ہے اللہ تعالیٰ ان میں پیغمبرانہ اوصاف ودیعت فرماتے ہیں۔(ایضاً ص۱۶۶)

(۴) شیخ احمد کا کیا مقام ہے اس کے بارے میں علامہ اقبال کی یہ رباعی حقیقت واضح کرتی ہے

گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جس کے نفس گرم سے ہے گرمی احرار
وہ ہند میں سرمایہ ملت کا نگہبان
اللہ نے بروقت جس کو کیا خبر دار

(ایضاً ص۱۷۳)

(۵) شیخ احمد وہ پہلے حنفی عالم ہیں جنہوں نے نے اپنی تعلیمات کی بنیاد کشف والہام جھوٹی حکایات اور من گھڑت کرامات کی بجائے کتاب وسنت پر رکھی اور سب سے پہلے کتاب وسنت سے براہ راست مستفادہ کی کوشش کی اور اپنے مکتوبات میں واضح کیا کہ اسلام کا منبع دین کا مصدر اور ماخذ صرف کتاب اور سنت رسول اللہ ﷺ ہیں۔(ایضاً ص۱۷۳۔۱۷۴)

(۶) شیخ مجدد براہ راست کتاب وسنت سے استفادہ کے علمبردار اور داعی تھے۔(ایضاً ص۱۷۵)

(۷) حضرت مجدد الف ثانی کی مخلصانہ مساعی، جرات، حوصلہ تحمل، استقامت اور اخلاص کی بدولت تقریباً ایک صدی تک ان کے اثرات وثمرات زندہ باقی رہے۔(ایضاً ص۱۷۵)

(۸) جناب اسماعیل سلفی لکھتے ہیں:

امام ربانی کے مکتوبات اور مجدد اعظم کی تعلیمات نے جو صور پھونکا تھا اس نے بتدریج حشر کی صورت اختیار کر لی۔(تحریک آزادی فکر ۱۶۹)

(۹) ہندوستان میں حضرت مجدد الف ثانی اور شاہ ولی اللہ اور ان کے خاندان اور تلامذہ ان تمام مصلحین نے اپنے ماحول کے مطابق اپنے حلقوں میں کام کیا۔(ایضاً ص۱۷۴)

(۱۰) ہندوستان کی تحریک احیائے تجدید جس کی ابتداء حضرت سید احمد سرہندی نے فرمائی۔(ایضاً ص ۳۷۱)

(۱۱) حضرت مجددؒ سے شاہ ولی اللہ کے ابناء کرام تک یہ تمام مصلحین عظام ظاہری اعمال میں عموماً حنفی فقہ کے پابند تھے لیکن ذہنی طور پر تین مقاصد کی تکمیل ان کا مطمع نظر تھا۔ تصوف کے غلو آمیز مزاج میں اعتدال۔(ایضاً: ص ۳۷۳)

(۱۲) حضرت مجدد نے مکتوبات میں بدعات کے خلاف کس قدر کڑی تنقید فرمائی ہے۔(ایضاً ص ۳۷۳)

(۱۳) ڈاکٹر اسرار مولانا داؤد غزنویؒ کے حالات میں لکھتے ہیں ایک بات جب میں نے مولانا سے مکتوبات حضرت مجدد الف ثانیؒ کی جلد اول عاریۃً مانگی تو مولانا نے فرمایا ڈاکٹر صاحب اس کتاب کو میں نے آج تک کبھی اپنے سے جدا نہ کیا اور نہ کسی دوسرے کو یہ کتاب عاریۃً دیتا۔(سوانح داؤد غزنوی ۸۹)

(۱۴) ملک حسن شرقپوری جامعی مولانا داؤد غزنویؒ کے حالات میں لکھتے مکتوبات حضرت مجدد الف ثانیؒ بالعموم حضرت مولانا کے زیر مطالعہ رہتے۔ ایک دفعہ فرمایا کہ جیل کے زمانہ کا زیادہ وقت مکتوبات کے مطالعہ میں گزارتا ہوں۔(ایضاً: ص ۱۱۳)

(۱۵) نواب صدیق حسن خان لکھتے ہیں:

حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اس اپنے مکتوبات میں بدعت قرار دیا ہے۔(ماثر صدیقی ص ۱۲ ج ۴)

(۱۶) نواب وحید الزمان لکھتے ہیں: اللھم اعننی فی تالیف ھذا الکتاب و اتمامہ بالارواح المقدسۃ من الانبیاء و الصالحین و الملائکۃ المقربین سیما روح امامنا الحسن بن علی و روح شیخنا عبد القادر الجیلانی و روح شیخنا ابن تیمیۃ الحرانی و روح شیخنا احمد المجدد الالف ثانی (ہدیۃ المہدی ص ۴)

ترجمہ: اے اللہ اس کتاب کی تالیف میں اور اس کی تکمیل میں میری مدد فرما انبیاء صالحین کی ارواح مقدسہ سے خصوصاً حضرت حسن بن علیؓ اور ہمارے شیخ عبد القادر جیلانیؒ کی روح سے اور ابن تیمیہ حرانیؒ کی روح سے اور ہمارے شیخ مجدد الف ثانیؒ کی روح سے نواب صاحب مجدد کی روح کو مدد کا

کہہ رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے اس کی مدد طلب کر رہے ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ کے کام کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ حق تعالیٰ نے آپ کو ہزار سال کا مجدد بنایا تھا۔ ذیل میں مجدد صاحبؒ کے مکاتیب میں سے چند اقتباسات نقل کئے جاتے ہیں جن سے مجدد صاحبؒ کی عظمت کا اندازہ لگانا آسان ہوگا فرماتے ہیں۔

یہ معرفت دین کی بنیاد اور حق تعالیٰ کی ذات وصفات کے علم کا خلاصہ ہے یہ معرفت کہ جس کے لئے حق تعالیٰ نے اس حقیر بندہ کو برگزیدہ اور مختار کیا ہے اج تک کسی ولی اور بزرگ نے بیان نہیں کیے۔ (مکتوبات ص ۳۵ ج ۲)

(۲) یہ علوم انوار نبوت علی صاحبہا الصلوۃ والسلام والتحیہ کی مشکوۃ سے مقتبس ہیں جو الف ثانی کی تجدید کے بعد جبعیت وراثت کے طور پر تازہ ہوئے ہیں اور تر و تازہ ہو کر ظاہر ہوئے ہیں۔ ان علوم ومعارف کا صاحب اس الف کا مجدد ہے۔ (ص ۳۷ ج ۲)

(۳) جاننا چاہیے کہ ہر سو سال کے بعد ایک مجدد گزرا ہے لیکن سو سال کا مجدد اور ہے اور ہزار سال کا مجدد اور ہے۔ جس قدر سو اور ہزار کے درمیان فرق ہے اسی قدر بلکہ اس سے زیادہ دنوں مجددوں کے درمیان فرق ہے اور مجدد وہ ہوتا ہے کہ جو اس امت میں امتوں کو پہنچنا ہوتا ہے اسی کے ذریعے پہنچتا ہے، خواہ اس وقت کے اقطاب واوتاد ہوں خواہ ابدال ونجباء۔ (ص ۳۵ ج ۲)

(۴) معلوم ہوتا ہے کہ میں اپنی پیدائش سے جو مقصود سمجھتا تھا وہ حاصل ہو گیا ہے اور ہزار سال کی دعا قبول ہو گئی۔ (ص ۴۰ ج ۲)

اے فرزندا "باوجود اس معاملہ کے جو میری پیدائش سے مقصود تھا ایک کارخانہ عظیم میرے حوالہ فرمایا"۔ (ص ۴۱ ج ۲)

(۶) بایزیدؒ اگر سکر کے باعث اس طرح کہہ دیں تو مناسب ہے لیکن جنید سے جو صحو کا مدعی ہے اسی قسم کا کلام صادر ہونا نہایت ہی ناخوش اور نامناسب ہے لیکن کیا کریں وہ حقیقت معاملہ سے واقف ہی نہیں ہوئے اور دریائے عظمت کے سمندر سے کنارے تک نہیں پہنچے۔ (ص ۴۹ ج ۲)

معلوم ہوا جنید بغدادیؒ اور بایزید بسطامیؒ جیسے حضرات جس مقام تک نہ پہنچ سکے مجدد صاحبؒ کو خدا

تعالیٰ نے پہنچادیا۔

حضرت مولانا حسین علی واں بھچر ویؒ فرماتے ہیں "بعد ازاں فرمودند کہ حضرت مجدد ہم وزن ہزار سالہ اولیاء اند"۔

اس کے بعد حضرت (خواجہ محمد عثمانؒ) نے فرمایا کہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ ہزار سالہ اولیاء کے ہم پلہ ہیں۔

دوسرے مقام پر فرمایا "در مکاشفات امام ربانی مجدد الف ثانیؒ مقامیست در غیبت یک قسمی ذات از محبت ذاتی لازم آں مقام است حضرت امام اعظم کوفیؒ از جملہ روسا ایں اقطاب اسب و خواجہ احرار از اقطاب آں مقام نبودند اما از اں مقام نصیب وافر داشتند از روحانیت حضرت امام ہمام امام اعظمؒ فیض خاصہ بطریق کمال بمجدد الف ثانیؒ را رسیدہ است"۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مکاشفات میں ایک مقام ایسا ہے کہ محبت ذاتی اس مقام کے لئے لازم ہے اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کوفیؒ اس مقام کے اقطاب کے رؤسا میں سے ہیں۔ حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ اس مقام کے اقطاب میں اگرچہ نہیں لیکن انہیں اس سے وافر حصہ نصیب ہوا حضرت امام اعظم کی روحانیت سے خاص فیض بطریق کمال حضرت مجدد الف ثانیؒ کو پہنچا ہے۔ مشہور مؤرخ مولانا ابوالحسن ندوی لکھتے ہیں:

اس طرح حضرت مجدد وحدۃ الوجود (جو صدیوں تک عالی استعداد سالکین و عارفین اور دقیقہ رس حکماء اور غواصین کا مسلک رہا ہے) کی نفی اور اس کے سب سے بڑے علمبردار و شارح شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ (جن کے علوم و معارف نکات و اسرار اور کمالات روحانی کا انکار مکابرہ ہے) کے علو مقام مقبولیت عند اللہ اور اخلاص کا انکار کئے بغیر بلکہ بلند الفاظ میں اس کا اعتراض کرتے ہوئے ایک اضافہ فرماتے ہیں اور ایک نئی یافت و دریافت کا اعلان کرتے ہیں جو ایک طرف عقیدہ جمہور مسلمین کتاب و سنت اور شریعت حقہ کے مطابق ہے دوسری طرف وہ پیچھے کی طرف لے جانے اور ایک بڑے گروہ کے علوم و تحقیقات پر خط نسخ پھیرنے کے بجائے اک ایسی چیز کا اضافہ کرتا ہے جس سے نصوص شرعیہ اصول قطعیہ اور سیر انفس و آفاق مکشوفات و تحقیقات میں

مطابقت پیدا ہو جاتی ہے۔

مجدد الف ثانیؒ شیخ اکبر کے بارے میں اپنا مسلک بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں یہ فقیر شیخ محی الدین کو مقبولین میں سمجھتا ہے۔ لیکن ان کے وہ علوم جو جمہور کے عقائد اور کتاب وسنت کے ظواہر کے خلاف ہیں ان کو خطا اور مضر سمجھتا ہے لوگوں نے ان کے بارے میں افراط وتفریط کی راہ اختیار کی ہے اور وہ میانہ روی سے دور جا پڑے ہیں یک جماعت شیخ پر زبان طعن و ملامت دراز کرتی ہے اس میں شک نہیں کہ دونوں فریقوں نے افراط وتفریط کی راہ اختیار کی ہے اور وہ میانہ روی سے دور جا پڑے ہیں عجیب معاملہ یہ کہ شیخ محی الدین مقبولین حق میں نظر آتے ہیں اور ان کے اکثر معارف جو اہل حق کے خلاف ہیں خطا و نا صواب نظر آتے ہیں۔ (مکتوب نمبر ۲۶۶ دفتر اول)

حضرت مجدد الف ثانیؒ اور وحدۃ الوجود:

فرماتے ہیں مسئلہ وحدۃ الوجود میں شیخ علاؤ الدولہ کا خلاف علماء کے طور پر مفہوم ہوتا ہے اور اس کی نظر امور کی قباحت پر ہے اگر چہ اس کا خلاف کشف کی راہ سے بھی ہے کیونکہ صاحب کشف ان کو صحیح نہیں جانتا اس لئے کہ یہ مسئلہ احوال غریبہ اور معارف عجیبہ پر مشتمل ہے ہاں اس مقام پر میں ٹھہرا رہنا اچھا نہیں اور انہی احوال و معارف پر کفایت کرنا مناسب نہیں۔

سوال: اس صورت میں میں مشائخ باطل ہوں گے اور حق ان کے کشوف و مشہود کے برخلاف ہوگا۔

جواب: باطل وہ ہوتا ہے جس میں صدق کی بو نہ ہو اور جس کا ہم ذکر کر رہے ہیں ان احوال معارف کا باعث حق تعالی کی محبت کا غلبہ ہے یعنی حق تعالی کی محبت یہاں تک غالب آجاتی ہے کہ انکی نظر بصیرت میں ماسوا کا نام و نشان نہیں چھوڑتی اور غیر و غیریت کا اسم و رسم محو لاشے کر دیتی ہے اس وقت سکر و غلبہ حال کے باعث ماسوا کو معدوم مانتے ہیں اور حق تعالی کے سوا کچھ موجود نہیں دیکھتے۔ یہاں باطل کیا ہے اور بطلان کہاں ہے اس مقام میں حق کا غلبہ اور باطل کا بطلان ہے بزرگواروں نے حق تعالی کی محبت میں اپنے آپ کو اور اپنے غیر کو قربان کر دیا ہے اور اپنا اور اپنے غیر کا نام و نشان نہیں چھوڑا باطل تو ان کے سایہ سے بھاگتا ہے یہاں سے حق ہی حق ہے اور حق ہی کے لئے

ہے علمائے ظاہرین ان کی حقیقت کو کیا پاسکیں اور ظاہری مخالفت کے سوا اور کیا سمجھیں اور ان کے کمالات کو کیسے حاصل کرسکیں۔(مکتوبات ج ۲ ص ۱۳۸)

حضرت مجدد ثانیؒ کا شمار اگرچہ وحدۃ الشہود کے آئمہ میں ہوتا ہے مگر وہ بھی وحدۃ الوجود والوں کی نفی نہیں کرتے نیز ایک زمانہ تک وہ خود اس کے قائل رہے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ کے اس ارتقائی سفر کے احوال جاننے اور اجمال کی مختصر تفصیل پیش کرنے کے لئے آپ کے چند مکتوبات کا علی الترتیب حاصل مطالعہ پیش کیا جاتا ہے۔

مکتوبات امام ربانی کے دفتر اول کے مکتوب نمبر ۳۱ میں جس کا تعارفی عنوان کچھ یوں ہے کہ توحید وجودی کے ظہور اور حق تعالیٰ کے قرب اور معیت ذاتی کی حقیقت اور اس مقام سے گزر جانے کے بیان میں مع چند سوال و جواب کے جو اس مقام کی تحقیق سے تعلق رکھتے ہیں۔(دفتر اول ص ۷۵)

اس مکتوب میں حضرت مجددؒ نے اپنے اوپر لگائے جانے والے اس الزام کا جواب دیا ہے کہ وہ وحدت الوجود کا انکار کرتے ہیں۔ اس مکتوب میں حضرت مجددؒ نے تفصیلاً ذکر فرمایا ہے کہ ان کے والد صاحب مشرب وحدۃ الوجود اور موروثی طور پر انہیں بھی اس مشرب سے از روئے علم لطف ولذت حاصل تھا پھر ان کی بیعت ثانی حضرت خواجہ محمد باقیؒ سے ہوئی تو ان کے طریقہ کی مشق سے ان پر توحید وجودی منکشف ہوگئی اور اس کشف میں اس قدر زیادتی ہوئی کہ مرتبہ وحدۃ الوجود کے تمام اسرار رموز ان پر منکشف ہوگئے اس راہ میں وہ تجلی ذاتی سے بھی مشرف ہوئے جس کے بعد عدم محض کے سوا کچھ نہیں وہ سکر وقت اور غلبہ حال سے مغلوب رہے اور یہ کیفیت بہت مدت تک قائم رہی اور سالوں کے بعد ناگاہ حق تعالیٰ کی عنایت بےغایت دریچہ غیب سے میدان ظہور میں آئی اور بے چونی اور بے چگونی کے چہرہ ڈھانپنے والے پردہ کو دور کر دیا وہ پہلے علوم جو اتحاد اور وحدت الوجود کی خبر دیتے تھے زائل ہونے لگے اور احاطہ سریان اور قرب اور معیت ذاتیہ جو اس مقام میں ظاہر ہوئی تھی پوشیدہ ہوگئی اور یقینی طور معلوم ہوگیا کہ حق تعالیٰ کے علوم کے ساتھ ان مذکورہ نسبتوں سے کوئی نسبت ثابت نہیں حق تعالیٰ کا احاطہ اور قرب علمی ہے جیسے اہل حق کے نزدیک ثابت اور مقرر ہے اور اللہ تعالیٰ ان کی کوشش کی جزا دے اور حق تعالیٰ کسی چیز سے متحد نہیں ہے۔ خدا خدا ہے اور عالم عالم حق تعالیٰ

بیچوں بیچگوں ہے اور عالم سراسر چونی اور چگونی کے داغ سے داغدار ہے بیچوں کو چوں کو عین نہیں کہہ سکتے، واجب ممکن کا عین اور قدیم حادث کا عین ہرگز نہیں ہوسکتا ممتنع العدم جائز العدم کا عین نہیں بن سکتا حقائق کا انقلاب عقلی اور شرعی طور پر محال ہے اور ایک دوسرے پر حمل کرنے کا ثبوت کلی طور پر ممتنع ہے۔ (مکتوبات ص ۷۶ دفتر اول)

حضرت مجددؒ فرماتے ہیں کہ جب مجھ پر توحید وجودی کے مخالف علوم ومعارف منکشف ہوئے تو میں بہت بے قرار ہوا کیونکہ میں توحید وجودی ہی کو اعلیٰ ترین منزل جانتا تھا اور دعا کرتا تھا کہ یہ معرفت زائل نہ ہوجائے لیکن جب سارے حجاب اٹھ گئے اور حقیقت کما حقہ منکشف ہوگئی تو معلوم ہوگیا کہ عالم ہر چند صفاتی کمالات کا آئینہ اور اسمائے ظہورات کا جلوہ گاہ ہے لیکن مظہر ظاہر کا عین اور ظل اصل کا عین نہیں ہے جیسے کہ توحید وجودی والوں کا مذہب ہے (ایضاً ص ۷۶، ۷۷)

اس ضمن میں حضرت مجددؒ نے اپنی بات کو ایک مثال کے ذریعے اس طرح واضح کیا ہے مثلاً کسی اہل فن عالم نے چاہا کہ اپنے مختلف کمالات کو ظاہر کرے اور اپنی پوشیدہ خوبیوں کو واضح کرے تو اس نے حروف اور آوازوں کو ایجاد کیا اور ان حروف اور آوازوں کے آئینوں میں اپنے پوشیدہ کمالات کو ظاہر کیا اس صورت میں نہیں کہہ سکتے کہ یہ حروف اور آواز جو ان مخفی کمالات کے لئے آئینے اور مظہر ہیں ان کمالات کا عین ہیں یا بالذات ان کمالات کو محیط ہیں یا بالذات ان کے قریب ہیں یا ان کے ساتھ معیت ذاتی رکھتے ہیں بلکہ ان کے درمیان دالیت اور مدلولیت کی نسبت ہے حروف اور آواز ان کمالات پر صرف دلالت کرنے والے ہیں اور وہ کمالات اپنی محض غیر مقید حالات پر ہیں وہ نسبتیں جو پیدا ہوئی ہیں وہمی اور خیالی ہیں حقیقت میں ان نسبتوں میں سے کوئی بھی ثابت نہیں لیکن چونکہ ان کمالات اور حرفوں اور آوازوں کے درمیان ظاہریت اور مظہریت اور مدلولیت اور دالیت کی نسبت ہے تو یہی مناسبت بعض عارضوں کے باعث بعض لوگوں کے لئے ان وہمی نسبتوں کے حاصل ہونے کا باعث بن جاتی ہے حالانکہ وہ کمالات حقیقت میں ان تمام نسبتوں سے خالی اور پاک ہیں۔ (مکتوبات ص ۱۰۳، ۱۰۴ ج ۱)

حضرت مجددؒ اپنے اسی مکتوب میں توحید وجودی کے حامل حضرات کی کیفیات ومحسوسات کا تجزیہ

کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بعض حضرات کو توحید کے مراقبوں کی کثرت ان احکام پر لے آتے اور بعض کو محض توحید کا علم اور اس کا تکرار ان احکام کے ساتھ ایک قسم کا ذوق بخشتا ہے۔ توحید کی یہ دونوں صورتیں معلول اور ضعیف ہیں اور علم کے دائرہ میں داخل ہیں ان کا حال کے ساتھ کوئی تعلق نہیں کچھ حضرات کے لئے ان احکام کا منشاء غلبہ محبت ہے کیونکہ محبوب کی محبت کے غلبہ سے محبوب کا غیر نگاہوں سے اوجھل ہو جاتا ہے اور محبوب کے علاوہ کچھ دکھائی نہیں دیتا ایسا نہیں کہ فی الحقیقت غیر موجود ہی نہیں ہوتا۔

یہ بات عام طور پر کہی گئی ہے کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ وحدۃ الوجود کی منزل سے گزر کر منزل شہود تک پہنچے اور وحدۃ الوجود درجہ علم الیقین میں ہے جبکہ وحدۃ الشہود کا تعلق عین الیقین سے ہے خود حضرت مجدد نے بھی اپنے ایک مکتوب میں اس امر کی تصریح فرمائی ہے۔ اس مکتوب کا تعارفی عنوان ہی مطلب کا مضمون بھانپ لینے کے لئے کافی ہے۔

اس بیان میں کہ توحید دو قسم کی ہے شہودی اور وجودی اور وہ جو ضروری ہے توحید شہودی ہے جس سے فناء متعلق ہے اور توحید شہودی عقل و شرع کے ساتھ مخالفت نہیں رکھتی برخلاف توحید وجودی کے اور ان مشائخ کے اقوال کی جو توحید وجودی میں نظر کرنے والے ہیں توحید شہودی کی طرف تاویل کرنی چاہیے تاکہ مخالفت کی گنجائش نہ رہے اور توحید شہودی مرتبہ عین الیقین میں سے ہے جو حیرت کا مقام ہے اور جب اس مقام سے گزر کر حق الیقین تک پہنچتے ہیں تو اس قسم کے احوال و اقوال سے کنارہ کرتے ہیں اور اس مضمون کے مناسب سوالوں اور جوابوں اور روشن مثالوں کے بیان میں۔ (مکتوبات ص ۲۰۷ ج ۱)

حضرت مجددؒ اس اجمال کی تفصیل بیان کرتے ہوئے اپنے اس مکتوب نمبر ۴۳ میں جو انہوں نے شیخ فرید کے نام لکھا توحید کی دو اقسام توحید وجودی اور توحید شہودی بیان کی ہیں اور ان کی وضاحت اس طرح فرمائی توحید شہودی ایک کو دیکھنا یعنی ایک کے سوا سالک کو کچھ مشہود نہیں ہوتا اور توحید وجودی ایک موجود کو جاننا ہے اور اسکے غیر کو نابود سمجھنا اور غیر کو معلوم جاننے کے باوجود اس ایک کا مظہر اور جلوہ گاہ خیال کرنا پس توحید وجودی علم الیقین کی قسم ہے اور توحید شہودی عین الیقین کی قسم

ہے توحید شہودی اس راہ کی ضروریات سے ہے کیونکہ فنا اس توحید کے بغیر ثابت نہیں ہوتی اور مرتبہ عین الیقین اس کے سوا میسر نہیں ہوتا کیونکہ اس میں ایک کو غلبہ کے ساتھ دیکھنا اس کے ماسوا کے نہ دیکھنے کو مستلزم ہے برخلاف توحید وجودی کے کہ وہ ایسی نہیں یعنی ضروری نہیں ہے کیونکہ علم الیقین بغیر اس معرفت کے حاصل ہے کیونکہ علم الیقین اس کے ماسوی کی نفی کو مستلزم نہیں ہے حاصل کلام یہ ہے کہ اس ایک کے علم کا غلبہ اس کے ماسوی کے علم کی نفی کو مستلزم نہیں ہے مثلاً ایک شخص کو آفتاب کے وجود کا علم حاصل ہو گیا تو اس یقین کا غلبہ اس بات کو مستلزم نہیں ہے کہ ستاروں کو اس وقت نیست و نابود جانے لیکن جب آفتاب کو دیکھے گا اس وقت ستاروں کو نہ دیکھے گا اور آفتاب کے سوا اس کو کچھ نظر نہ آئے گا اور اس وقت بھی جبکہ ستاروں کو نہیں دیکھتا وہ جانتا ہے کہ ستارے نیست و نابود نہیں ہیں بلکہ جانتا ہے کہ ستارے موجود ہیں لیکن چھپے ہوئے ہیں اور سورج کی روشنی میں مغلوب ہیں اور یہ شخص ان لوگوں کے ساتھ جو اس وقت میں ستاروں کے وجود کی نفی کرتے ہیں انکار کے مقام میں ہے اور جانتا ہے کہ یہ معرفت صحیح نہیں ہے پس توحید وجودی کہ جس میں ماسوائے ذات حق کی نفی ہے عقل و شرع کے ساتھ مخالف ہے برخلاف توحید شہودی کے کہ ایک کے دیکھنے میں کچھ مخالفت نہیں ہے مثلاً آفتاب کے طلوع ہونے کے وقت ستاروں کی نفی کرنی اور ان کو معدوم سمجھنا خلاف واقع ہے لیکن ستاروں کو اس وقت نہ دیکھنا کچھ مخالفت نہیں ہے بلکہ وہ نہ دیکھنا بھی آفتاب سے جدا دیکھے اور یہ دیکھنا حق الیقین میں ہے۔ (ایضاً، ص ۲۰۸)

اس طویل اقتباس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے نظریہ وحدۃ الوجود کو خلاف عقل اور خلاف شریعت پا کر اسے عقل و شرع کے مطابق کرنے کی سعی بلیغ فرمائی ہے اس سلسلہ میں انہوں نے بعض مشائخ کے اقوال جو بظاہر شریعت کے مخالف دکھائی دیتے ہیں انہیں توحید وجودی کی بجائے توحید شہودی پر محمول کر کے ان سے مخالفت دور کرنے کی کوشش کی ہے مثلاً حسین بن منصور حلاجؒ کے انا الحق کہنے اور حضرت بایزید بسطامیؒ کے سبحانی ما اعظم شانی پکارنے کے متعلق فرماتے ہیں۔

بہتر اور مناسب یہ ہے کہ ان اقوال کو توحید شہودی پر محمول کیا جائے اور مخالفت کو دور کیا جائے جب

ماسوائے حق ان کی نظر سے مخفی ہوگی تو غلبہ حال کے وقت اس قسم کے الفاظ ان سے سرزد ہوئے اور حق کے سوا اس کے غیر کو ثابت نہ کیا اور انا الحق کے معنی یہ ہیں کہ حق ہے اور میں نہیں ہوں۔ جب وہ اپنے آپ کو نہیں دیکھتا تو اثبات نہیں کرتا نہ یہ کہ اپنے اپ کو دیکھتا اور اس کو حق کہتا ہے کہ یہ خود کفر ہے اس جگہ کوئی یہ نہ کہے کہ اثبات نہ کرنا نفی تک پہنچا دیتا ہے اور وہ عینہ توحید وجودی ہے کیونکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ اثبات نہ کرنے سے نفی لازم نہیں آتی بلکہ اس مقام میں حیرت ہے احکام سے سب کے سب ساقط ہوئے ہوئے ہیں اور سبحانی میں بھی حق تعالیٰ کی تنزیہہ ہے نہ اس کی اپنی تنزیہ کہ وہ بالکل اپنی نظر سے دور ہو چکا ہوا ہے اور کوئی حکم اس کے ساتھ تعلق نہیں رکھتا اس قسم کی باتیں مقام عین الیقین میں جو مقام حیرت ہے بعض لوگوں پر ظاہر ہوتی ہیں جب اس مقام سے ترقی کر کے حق الیقین تک پہنچے ہیں تو اس قسم کی باتوں سے کنارہ کرتے ہیں اور حد اعتدال سے تجاوز نہیں کرتے۔ (ایضاً: ۲۰۹)

حضرت مجددؒ توحید وجودی کو تنگ کوچہ اور توحید شہودی کو شاہراہ قرار دیتے ہیں اپنے پیر و مرشد کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ معرفت کی پناہ والے ہمارے قبلہ گاہ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کچھ مدت توحید وجودی والوں کا مشرب رکھتے تھے اور اپنے رسالوں اور خطوں میں بھی اس کو ظاہر فرماتے تھے لیکن آخر کار حق تعالیٰ نے اپنی کمال عنایت سے اس مقام سے ترقی عطا فرما کر شاہراہ میں ڈالا اور اس معرفت کی تنگی سے خلاصی بخشی میاں عبدالحق جو حضرت قدس سرہ کے مخلص یاروں میں سے ہیں بیان کرتے ہیں کہ مرض موت سے ایک ہفتہ پہلے حضرت قدس سرہ نے فرمایا کہ مجھے عین الیقین سے معلوم ہو گیا کہ توحید وجودی ایک تنگ کوچہ ہے اور شاہراہ اور ہے۔ اس سے پہلے جانتا تو تھا مگر اب ایک قسم کا یقین حاصل ہوا ہے اور یہ فقیر بھی کچھ مدت تک حضرت قدس سرہ کی درگاہ میں اسی توحید کا مشرب رکھتا تھا اور اس طریق کی تائید میں مقدمات کشفیہ بہت ظاہر ہوئے تھے لیکن خدا تعالیٰ کی عنایت نے اس مقام سے گزر کر اس مقام کے ساتھ جو اللہ تعالیٰ نے چاہا مشرف فرمایا۔ (ایضاً: ۶۴۱)

حضرت مجددؒ اپنے مکاشفات و واردات بیان کرتے ہوئے اپنے ایک مکتوب نمبر ۲۹۰ جلد اول میں

توحید میں مرتبہ حق الیقین (مقام جمع الجمع) پر فائز ہونے کے بارے میں فرماتے ہیں جاننا چاہیے کہ اس درویش کو جب اولمرتبہ میں سکر سے صحو میں لائے اور فنا سے بقا کے ساتھ مشرف فرمایا تو جب اپنے وجود کے ذرات میں سے ہر ذرہ میں نظر کی تو حق تعالیٰ کے سوا نہ پایا اور ہر ذرہ کو اس کے شہود کا آئینہ معلوم کیا اس مقام سے پھر حیرت میں لے گئے، جب ہشیاری میں لائے تو اپنے وجود کے ذرات میں سے ہر ذرہ کے ساتھ حق تعالیٰ کو پایا نہ ہر ذرہ میں اور پہلا مقام اور اس دوسرے مقام کی نسبت بہت نیچے نظر آیا پھر حیرت میں لے گئے جب ہوش میں لائے تو اس مرتبہ میں حق سبحانہ کو نہ عالم کے متصل نہ اس کے منفصل اور نہ عالم میں داخل اور نہ اس سے خارج معلوم کیا اور معیت اور احاطہ اور سریان کی نسبت جس طرح کہ اول پاتا تھا بالکل فنی ہو گیا وجود اس کیفیت پر مشہود ہوا بلکہ اس طرح پر کہ گویا محسوس ہے اور عالم بھی اس وقت مشہود تھا لیکن حق تعالیٰ کے ساتھ یہ نسبت مذکور کچھ نہ رکھتا پھر حیرت میں لے گئے جب صحو میں لائے تو معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ کو عالم کے ساتھ اس نسبت مذکورہ کے سوا ایک نسبت اور ہے، اور وہ نسبت مجہول الکیفیت ہے حق تعالیٰ مجہول الکیفیت نسبت سے مشہود ہوا پھر حیرت میں لے گئے اور جب اس مرتبہ میں افاقہ حاصل ہوا اور ہوش میں لائے تو حق تعالیٰ اس مجہول الکیفیت نسبت کے بغیر اس طرح مشہود ہوا کہ عالم کے ساتھ کوئی نسبت نہ رکھتا نہ معلوم الکیفیت نہ مجہول الکیفیت اور اس وقت عالم اسی خصوصیت سے مشہود تھا اس وقت ایک خاص علم عنایت ہوا جس کے باعث ہر دو شہود کے حاصل ہونے کے باوجود خلق اور حق تعالیٰ کے درمیان کوئی مناسبت نہ رہی اس وقت مجھے جتلایا گیا کہ اس صفت کا مشہور ذات حق کی تنزیہ نہیں ہے حق تعالیٰ اس سے برتر ہے۔ (ایضاً ص ۵۰ ۷ ج ۱)

آخر میں اس موضوع کو سمیٹے ہوئے لکھتے ہیں کہ اے عزیز! اگر قلم کو احوال کی تفصیل اور معارف کے بیان کرنے میں جاری کروں تو سخن دراز ہو جائے خاص کر توحید وجودی اور ظلیت اشیاء کے عالم کے معارف اگر بیان کیے جائیں تو جن لوگوں نے اپنی عمریں توحید وجودی میں گزاری ہیں۔ معلوم کر لیں کہ اس دریائے بے نہایت سے قطرہ بھی حاصل نہیں کیا پھر بڑے تعجب کی بات ہے کہ وہ لوگ اس درویش کو توحید وجودی والوں سے نہیں جانتے اور توحید کے منکرین علماء سے سمجھتے ہیں یہ

لوگ اپنی کوتاہ نظری سے یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ توحیدی معارف صراصرار کرنا ہی کمال ہے اور اس مقام سے ترقی کرنا سراسر نقصان ہے۔(ایضا:ص ۱۵۷)

حضرت مجددؒ کے نزدیک وہ بقا جو جذبہ کی جہت سے ہو خواہ کسی قسم کا جذبہ ہو سکر سے نہیں نکلتا کیونکہ جذبہ میں غلبہ محبت ہوتا ہے اور غلبہ محبت کو سکر لازم ہے۔ اس لئے ان کے نزدیک وحدت الوجود کا قائل ہونا غلبہ محبت کے سبب ہے کیونکہ محب کی نظر میں غلبہ محبت سے سوائے محبوب کے اور کوئی شے باقی نہیں رہتی اور وہ ماسوائے محبوب کے سب کی نفی کا حکم دیتا ہے اگر سکر محبت میں نہ ہوتا تو اس کے لیے محبوب کا دیدار ماسواہ کے شہود سے مانع نہ ہوتا اور وہ وحدۃ وجود کا حکم نہ کرتا حضرت مجدد کے نزدیک وہ بقا جو فنائے مطلق کے بعد ہے اور سلوک کا نہایت ہے اس کا منشاء اور مبداء صحو و معرفت ہے۔ سکر کو اس مقام میں کچھ دخل نہیں اب ہم حضرت مجددؒ کے اس طویل مکتوب نمبر ۲۹۱ کی طرف آتے ہیں، جس میں انہوں نے توحید وجودی اور توحید شہودی کے مراتب اور ان کے متعلقہ معارف بیان کئے ہیں ابتدائے مکتوب میں حضرت مجددؒ بتاتے ہیں کہ توحی وجودی کا باعث یا تو مراقبوں کی کثرت مشق ہوتا ہے یا غلبہ محبت پہلی صورت میں جو شخص کلمہ طیبہ کا معنی لا موجود الا اللہ سمجھتا ہے معنی توحید کی کثرت مشق سے اس معرفت کا نقش اس کے قوت متخیلہ میں بندھ جاتا اور اس قسم کی توحید تامل و تخیل کے بعد سلطان خیال کے غلبہ کے باعث ظاہر ہوتی ہے۔ مجددؒ کے نزدیک چونکہ یہ توحید صاحب توحید کی موضوعہ و مفروضہ ہوتی ہے اس لئے معلول ہے اور اس کا حامل ارباب حال میں سے نہیں کیونکہ ارباب حال ارباب قلوب ہوتے ہیں اور اس توحید کے حامل کو اپنے مقام قلب کی کچھ خبر نہیں ہوتی۔ بلکہ صرف علم ہی علم ہوتا ہے اور کچھ لوگوں کے لئے توحید وجودی کا منشاء جذبہ قلبی اور محبت ہوتی ہے پہلے وہ اذکار و مراقبات میں مشغول رہتے ہیں اور پھر اپنی کوشش یا صرف سابقہ عنایت سے مقام قلب تک پہنچ جاتے ہیں اور جذب پیدا کرتے ہیں اس مقام پر اگر ان پر توحید وجودی ظاہر ہو جائے تو اس کا سبب محبت محبوب کا غلبہ ہوگا جس نے محبوب کے ماسوا کو ان کی نظر سے پوشیدہ کر دیا اور چونکہ وہ محبوب کے ماسوا کو نہیں دیکھتے اور نہ ہی پاتے ہین اس لئے محبوب کے سوا کسی کو موجود نہیں جانتے اور اگر اس قسم کے ارباب قلوب کو اس مقام سے

عالم کی طرف لے جائیں تو اپنے محبوب کو ذرات عالم میں سے ہر ذرہ میں مشاہدہ کرتے ہیں اور موجودات کو اپنے محبوب کے حسن و جمال کے آئینے اور مظہر سمجھتے ہیں اور اگر محض فضل ربانی سے مقام قلب سے نکل کر مقلب القلوب کی بارگاہ کی طرف متوجہ ہوں تو یہ توحیدی معرفت جو مقام قلب میں پیدا ہوئی تھی زائل ہونے لگی ہے اور جوں جوں معارج عروج میں ترقی کرتے جاتے ہیں توں توں اپنے آپ کو اس معرفت کے ساتھ زیادہ نا مناسب پاتے جاتے ہیں حتی کہ ان میں سے بعض اس معرفت والوں کے طعن سے اپنے اپ کو دور رکھتا ہے انکار و طعن کی مجال تب ہوتی جبکہ اس حال والوں کا اس حال کے ظہور میں اپنا قصد و اختیار ہو جب ان کے ارادے کے بغیر ان سے یہ معنی ظاہر ہو رہے ہیں تو یہ اس حال میں مغلوب ہیں اس لئے معذور ہیں اور بیچارے معذور پر طعن کی کیا مجال لیکن اس قدر جانتا ہے کہ اس معرفت کے اوپر ایک اور معرفت ہے اور اس حال کے ماسوا اور حالت ہے اس مقام کے محبوس بہت سے کمالات سے رکے ہوئے ہیں اور بیشمار مقامات سے محروم ہیں۔ (ایضاً: ص ۶۵ے)

توحید وجودی کے ماننے والوں کے دو گروہوں کا ذکر کرنے کے بعد حضرت شیخ مجددؒ نے ایک تیسرے گروہ کا تعارف کرایا ہے جس کا مقام پہلے دونوں سے ارفع ہے اسی مکتب نمبر ۲۹۱ میں فرماتے ہیں ارباب توحید میں ایک گروہ وہ لوگ ہیں جو اپنے مشہور ہیں استہلاک واضمحلال یعنی فنا واستغراق کامل طور پر پیدا کر لیتے ہیں اور ان کا ارادہ یہ ہوتا ہے کہ ہمیشہ اپنے مشہود میں اللہ مضمحل و معدوم رہیں اور ان کے وجود کے لوازم سے کوئی اثر ظاہر نہ ہو یہ لوگ انا کے رجوع کو اپنے اوپر کفر جانتے ہیں اور نہایت کار ان کے نزدیک فنا و نیستی ہے مشاہدہ کو بھی گرفتاری جانتے ہیں ان میں سے بعض اس طرح فرماتے ہیں کہ اشتهی علما مالا اعود ابدا میں ایسا عدم چاہتا ہوں کہ ہرگز جس کا وجود نہ ہو یہی لوگ محبت کے مقتول ہیں اور حدیث قدسی من قتلته فانا دیته (جس کو میں قتل کروں میں ہی اس کا خون بہا ہوں) انہی کی شان میں ثابت ہے ہمیشہ وجود کے زیر بار رہتے ہیں اور ایک لمحہ آرام نہیں پاتے کیونکہ آرام غفلت میں ہوتا ہے اور دوام استغراق کے ہوتے ہوئے غفلت کی گنجائش نہیں ہوتی۔ (ایضاً: ۶۶ے)

اس تیسرے گروہ کے بارے میں حضرت مجددؒ فرماتے ہیں کہ توحید کی اخیر قسم توحید کی تمام اقسام سے اعلیٰ ہے اور اس معرفت کے حامل اس وارد کے مطلوب نہیں ہوتے بلکہ اس وارد کو ان پر کسی مصلحت کے لئے لائے ہیں اور چاہا ہے کہ اس معرفت کے وسیلے سے ان کو سکر سے صحو میں لائیں اور تسلی دیں۔(ایضاً:۷۶۸)

مجددؒ توحید کی سہ اقسام کا ذکر کرنے کے بعد اپنے بارے میں فرماتے ہیں۔

توحید کی اس اخیر قسم کا منشاء اس حقیر کو کشف وذوق کے طریق پر معلوم نہ تھا ان دو پہلی وجھوں ہی کو جانتا تھا البتہ اس قسم کے ساتھ ظن رکھتا تھا اسی واسطے اپنے رسالوں اور مکتوبوں میں انہی دو وجھوں کو بلکہ وجہ دوم کو لکھا ہے اور توحید وجودی کو اسی میں منحصر کیا ہے لیکن جب ارشاد پناہی قبلہ گاہی کے رحلت فرما جانے کے بعد مزار شریف کی زیارت کی تقریب سے بلدہ محروسہ دہلی میں جانے کا اتفاق ہوا اور عید کے روز ان کی زیارت شریف کے لئے گیا تو مزار مبارک کی طرف توجہ کرنے کے اثناء میں ان کی روحانیت مقدسہ سے پوری پوری توجہ ظاہر ہوئی اور کمال غریب نوازی سے اپنی نسبت خاصہ کو جو حضرت خواجہ احرار قدس سرہ سے مخصوص تھی مرحمت فرمایا جب اس نسبت کو اپنے آپ میں معلوم کیا تو ان علوم ومعارف کی حقیقت کو بطریق ذوق پالیا اور معلوم ہوا کہ ان میں توحید وجودی کا منشاء انجذاب قلبی اور غلبہ محبت نہیں بلکہ اس معرفت سے مقصود اس غایت کی تحقیق ہے مدت تک اس معنے کے اظہار کو مناسب نہ دیکھا لیکن چونکہ بعض رسائل میں وہی سابقہ وجہیں مذکور ہوئی تھیں جن سے بعض بے سمجھ لوگوں کو وہم ہوا کہ اس بیان سے ان دو بزرگواروں کی شان میں نقص لازم آتا ہے کہ ارباب توحید کا طریق ہے اور اس وسیلہ سے انہوں نے فتنہ پردازی کی زبان دراز کی حتی کہ یہ وہم بعض قلیل الارادۃ طالبوں میں ان کے احوال کے فتور کا باعث ہوا اس لئے توحید کی اس قسم کا اظہار کرنا بہتر دیکھا اور اس واقعہ کا ذکر بھی بطریق شہادت تحریر کرنا مناسب جانا۔(مکتوبات ص ۷۶۹ ج ۲)

اس مکتوب سے یہ بات ظاہر ہے کہ توحید وجودی کی ایک قسم ایسی بھی ہے جس کا منشاء حضرت مجدد کو کشف وذوق کے طریق پر معلوم نہیں تھا اور بعد میں اپنے مرشد کے وصال کے بعد ان کے مزار پر

ان کی روحانی توجہ کے ذریعے اس حقیقت کو بطریق ذوق پالیا۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور مسئلہ وحدۃ الوجود:

شاہ ولی اللہؒ نے بھی وحدۃ الوجود کے قائلین کو اولیاء اللہ میں شمار کیا ہے اور وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود دونوں نظریات کو صحیح کشف قرار دیا ہم شاہ ولی اللہ کی عبارات پیش کرنے سے قبل یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ غیر مقلدین کی نظر میں ان کا کیا مقام ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ غیر مقلدین کی نظر میں:

(۱) مشہور غیر مقلد مولوی اسماعیل سلفی لکھتے ہیں اس کارزار کے معرکہ میں اسلامی عسکری راہنمائی کا ذمہ حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہؒ نے لیا (تحریک آزادی فکر ۱۷۰)

(۲) شاہ صاحب ریاکارانہ تصوف اور دنیا کمانے کے لئے بیعت کے سلسلوں کو قطعاً پسند نہیں فرماتے بلکہ ایسے لوگوں کو دجال ڈاکو اور فتنہ انگیز سمجھتے ہیں۔ (ایضاً ۳۷۷)

(۳) قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ نے مرزا مظہر جان جاناں اور حضرت شاہ ولی اللہؒ سے استفادہ فرمایا۔ ان کی تصانیف ارشاد الطالبین اور تفسیر مظہری شاہد ہیں کہ حنفی ہونے کے باوجود بدعات اور عباد قبور کے خلاف ان کا لہجہ کس قدر تلخ ہے اور بدعی رسوم سے انہیں کس قدر نفرت ہے۔ (ایضاً ۳۷۴)

(۴) شاہ ولی اللہؒ نے حجۃ اللہ البلاغ المبین مصفی اور مسوی انصاف عقد الجید اور تحفۃ الموحدین میں فقہی جمود بدعات اور مشرکانہ رسوم کے خلاف ایسی حکیمانہ روش اختیار فرمائی جس سے حقیقت بہت حد تک واضح ہو گئی۔ (ایضاً: ۳۷۴)

(۵) ہندوستان میں حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت شاہ ولی اللہ اور ان کا خاندان اور تلامذہ اور تمام مصلحین نے اپنے ماحول کے مطابق اپنے حلقوں میں کام کیا اور اپنی مساعی کے مطابق اللہ تعالیٰ نے ان کو کامیابی دی۔ (ایضاً: ۳۷۱)

(۶) شاہ ولی اللہؒ نے تحریک احیائے سنت اور تجدید اثر دین کی راہ میں جہاں عظیم الشان قربانیاں

پوش کیں۔ (ایضاً ۳۸۱)

(۷) قاضی محمد اسلم سیف لکھتے ہیں:

حجۃ اللہ فی الارض حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی۔ (تحریک اہل حدیث ص ۱۸۱)

(۸) یہ تھے وہ حالات جن میں حجۃ اللہ فی الارض حضرت امام شاہ ولی اللہ نے آنکھیں کھولیں۔(ایضاً ۱۸۸)

(۹) ہمیشہ ارباب دعوت وعزیمت وہی عہد ساز شخصیتیں رہی ہیں جن کی زندگی کا اوڑھنا بچھونا نشست وبرخاست اور انداز زیست اللہ کے قرآن اور رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق رہا جیسا کہ امام دار الہجرت مالک بن انس۔۔۔۔۔امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی۔(ایضاً ۲۰۰)

(۱۰) وہ دور ایک مجدد کا متقاضی تھا حالات وظروف واقعات ومشاہدات اور تغیرات وانقلاب ایک ایسے مجدد کے متقاضی تھے جو بے دینی کے طوفانوں میں چراغ حق روشن رکھے۔۔۔۔۔ امدریں حالات امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے علاوہ کون سی شخصیت تھی جو ان تقاضوں سے عہدہ برآ ہوتی، قرآن کے اسرار ورموز سے عوام کو باخبر کرتی، حدیث وسنت کے پرچم کو سربلند رکھتی، رسوم و بدعات کی بیخ کنی کرتی، وہ شخصیت صرف اور صرف حجۃ اللہ فی الارض امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی ہو سکتی ہے حالات جس مجدد کے متقاضی تھے وہ شاہ صاحب کی شکل میں پورے ہو گئے۔(ایضاً ۲۰۲)

(۱۱) لیکن رسول اللہ کی حدیث کا دامن نہیں چھوڑا، فروعات میں حنفی رہتے ہوئے بھی رسول اللہ ﷺ کی حدیث کی عظمت اور صحت پر اعتقاد رکھا۔(ایضاً: ۲۰۵)

(۱۲) شاہ صاحب فکر محدثین کے علمبردار، مشن محدثین کے نقیب وترجمان۔۔۔۔۔، تعلیمات کتاب وسنت کے مبلغ، عصری وحضری، علمی واعتقادی، فکری ونظری، اساسی، مذہبی فتنوں کے نقاد، تحقیق وتدقیق، علم وآگہی اور کتاب وسنت کے پرچارک تھے۔(ایضاً: ۲۰۷)

(۱۳) مشہور غیر مقلد عالم ومورخ جناب ابراہیم میر سیالکوٹی لکھتے ہیں امام الہند وبقیۃ السلف حجۃ الخلف حضرت شاہ ولی صاحب دہلویؒ کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے۔ مجھ جیسے نابکار کا آپ

کی تعریف وتوصیف میں کچھ لکھنا، آپ کی شان میں گستاخی ہے، کیونکہ ہندوستان بھر میں شہر بشہر اور کوچہ بکوچہ اور خانہ بخانہ جس قدر علم وعمل بالحدیث کا غلغلہ ہے اور اتباع سنت کا جتنا جوش طبائع میں موجزن ہے سب کچھ آپ کی برکت وفیض کا ثمرہ ہے۔ (تاریخ اہلحدیث ۳۵۷)

(۱۴) آپ کی تصانیف سے ہندوستان کی علمی دنیا میں ایک عظیم انقلاب پیدا ہوگیا۔ (ایضاً ۳۶۱)

(۱۵) اللہ تعالیٰ نے شاہ صاحب کو قرآن فہمی کا ملکہ خاص طور پر عطا کیا تھا۔ (ایضاً ۳۶۲)

(۱۶) آپ کی تصانیف دوسو سے زیادہ ہیں اور سب کی سب نافع اور مقبول خاص وعام ہیں ان میں سے بعض تو اپنے اپنے مضمون میں وعیم النظیر ہیں اور بعض ایسی کہ آپ سے پہلے کسی نے اس مضمون پر قلم نہیں اٹھایا۔ (ایضاً ۳۶۳)

(۱۷) انصاف یہ ہے کہ آپ کا وجود صدر اول اور زمانہ ماضی میں ہوتا تو آپ امام الائمہ اور تاج المحدثین گنے جاتے۔ (ایضاً ۳۶۳)

(۱۸) آپ بلانزاع بارہویں صدی کے مجدد ہیں۔ (ایضاً)

(۱۹) افاض اللہ علینا فیوضہ۔ (ایضاً)

(۲۰) غیر مقلد پروفیسر ڈاکٹر ثریا ڈار نے اپنی کتاب شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اوران کی علمی خدمات کا انتساب ان الفاظ میں کیا ہے خاندان شاہ ولی اللہ کے عقیدت مندوں کے نام۔

(۲۱) لکھتے ہیں حضرت قطب الدین احمد شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ کی رحلت سے اسی سال بعد پیدا ہوئے۔ (شاہ عبدالعزیز اوران کی علمی خدمات ص ۷۷)

(۲۲) اس وقت ضرورت تھی کہ کوئی ایسا مرد مجاہد اور عظیم مفکر میدان عمل میں اترے جو اسلامی عقائد کے احیاء اور مسلم معاشرے کی معقول تربیت واصلاح کے لئے انقلابی روح پھونک سکے۔ (ایضاً ۷۷)

(۲۳) وہ عارف کامل علوم شرعیہ کے محقق امام اور میدان حکمت وعمل کے شاہسوار تھے آپ برصغیر میں محی السنہ، وارث کمالات نبوت اور حجۃ الاسلام ثابت ہوئے۔ (ایضاً)

(۲۴) شاہ ولی اللہ جیسا شخص پیدا ہوا جس کی نکتہ سنجیوں کے آگے غزالی، رازی اور ابن رشدؒ کے

کارنامے بھی ماند پڑ گئے۔(ایضاً ۷۸)

(۲۵)شاہ ولی اللہ اپنے علمی تبحر ،فضل وکمال، حسن لیاقت،شہرت عام اور خداداد قابلیت کے لحاظ سے اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔(ایضاً ۷۹)

(۲۶)شاہ والی اللہ علماً وعملاً ایک عظیم مفکر اور مجدد تھے۔(ایضاً ۸۰)

(۲۷)شاہ ولی اللہ بیک وقت مفسر بھی تھے اور محدث بھی، فقیہ بھی تھے اور مجتہد بھی اور صوفی بھی۔۔ درس وتدریس اور اپنی جلیل القدر تصانیف سے انہوں نے ہندوستان میں علوم ومعارف کے دریا بہائے ان کی علمی فیاضیوں اور عظمت جلالت کے باعث دور دراز کے ممالک سے شائقین علوم و معارف کے حلقہ درس میں شامل ہو کر علمی برکتیں سمیٹنے کے لیے آتے۔(ایضاً ۸۴)

(۲۸)مشہور غیر مقلدین بلکہ ان کے بانی اور امام نواب صدیق حسن خان لکھتے ہیں جناب شاہ ولی اللہ کا علوم متداولہ میں وہ پایہ تھا جس کا شمہ بھی بیان کرنے سے انسان طاقت محض عاجز ہے۔(اتحاف النبلاء ص ۴۲۹)

(۲۹)نواب صاحب حظیرالقدس میں لکھتے ہیں: قال الشیخ المحدث الدھلوی.

(۳۰)التاج المکلل میں لکھتے ہیں مسند الوقت الشیخ الاجل احمد ولی اللہ المحدث الدھلوی المبرور (۳۸۷)

پہلا مشاہدہ:۔ان مشاہدات میں سے پہلا مشاہدہ یہ ہے کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ اللہ والوں کی ایک بہت بڑی جماعت ہے اور ان میں ایک گروہ ذکر و اذکار کرنے والوں اور نسبت یادداشت کے حاملوں کا ہے ان کے دلوں پر انوار جلوہ گر ہیں اوران کے چہروں پر تر و تازگی اور حسن جمال کے آثار نمایاں ہیں اور یہ لوگ عقیدہ وحدت الوجود کے قائل نہیں۔

میں نے دیکھا کہ اللہ والوں کی اس جماعت میں ایک دوسرا گروہ بھی ہے جو عقیدہ وحدت الوجود کو مانتا ہے اوراس کائنات میں ذات باری کے وجود کے جاری وساری ہونے کے متعلق وہ کسی نہ کسی شکل میں غور وفکر کرنے میں مشغول بھی ہے اور چونکہ اس غور وفکر کے ضمن میں ان سے ذات حق کے بارے میں جو کل عالم کے انتظام میں بالعموم اور نفوس انسانی کی تدبیر میں بالخصوص مصرف کار

ہے کچھ تقصیر ہوئی ہے اس لئے میں نے دیکھا کہ ان لوگوں کے دلوں میں ایک طرح کی ندامت ہے اوران کے چہرے سیاہ ہیں اوران پر خاک اڑ رہی ہے۔ میں نے ان دونوں گروہوں کو آپس میں بحث کرتے پایا ذکر واذکار والے کہہ رہے تھے کہ کیا تم ان انوار اوراس حسن وتازگی کو نہیں دیکھتے جن سے ہم بہرہ یاب ہیں اور کیا یہ اس بات کا ثبوت نہیں کہ ہمارا طریقہ تم سے زیادہ ہدایت یافتہ ہے ان کے خلاف عقیدہ وحدت الوجود کے قائل کہہ رہے تھے کہ کیا ذات حق میں کل موجودات کا سما جانا یا گم ہو جانا امر واقعہ نہیں اب صورت یہ ہے کہ ہم نے اس راز کو پالیا جس سے تم بے خبر رہے، ظاہر ہے کہ اس معاملے میں تم پر ہمیں فضیلت حاصل ہے۔

ان دونوں گروہوں میں اس بحث نے جب ایک طویل نزاع کی شکل اختیار کر لی تو انہوں نے مجھے اپنا حکم بنایا اوراس مسئلہ کو فیصلے کے لئے میرے سامنے پیش کیا چنانچہ میں نے ان کا حکم بننا منظور کیا اوراس ضمن میں نے یوں گفتگو کی بات یہ ہے کہ علوم حقہ کی دو قسمیں ہیں ایک وہ علوم جن سے نفوس کی تہذیب واصلاح ہوتی ہے اور دوسرے وہ علوم جن سے نفوس کی اصلاح نہیں ہوتی اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نفوس انسانی میں الگ الگ استعدادیں ودیعت فرمائیں اوران نفوس میں سے ہر ہر نفس اپنی اپنی استعداد کے مطابق علوم حقہ کا ذوق رکھتا ہے چنانچہ جب کوئی نفس علوم حقہ میں سے ان علوم میں جو خاص اس کے ذوق کے مطابق ہوتے ہیں اوران سے اس کی طبیعت کو مناسبت ہوتی ہے پوری طرح مستغرق ہو جاتا ہے تو اس کی وجہ سے اس نفس کی تہذیب او اصلاح ہو جاتی ہے بے شک وحدت الوجود کا یہ مسئلہ جو اس وقت مابہ النزاع ہے واقعہ یہ ہے کہ علوم حقہ میں سے ہے لیکن بات دراصل یہ ہے کہ تم دونوں کے دونوں گروہ نہ تو اس کے اہل تھے اور نہ یہ چیز تمہارے ذوق اور مشرب کے مطابق تھی اس لئے تمہارا مسلک یہ ہونا چاہیے کہ جس طرح ملاء اعلیٰ کے فرشتے بارگاہ حق میں تضرع و نیاز مندی کرتے ہیں تم بھی ان کی طرح وجود باری کی اس حقیقت کی طرف جو سب کو جامع ہے یکسر متوجہ ہو جاتے۔

اب رہا ذکر واذکار کرنے والے اصحاب کے انوار کا معاملہ سو بات یہ ہے کہ اگر چہ وہ مسئلہ وحدۃ الوجود سے تو بےخبر رہے لیکن علوم حقہ میں سے وہ علوم جو خود ان کے ذوق اور مشرب کے مطابق تھے

وہ انہیں حاصل تھے اوران کی وجہ سے ہی ان کے نفوس کی تہذیب اصلاح ہوگئی چنانچہ جس درجہ کمال تک پہنچنے کی استعداد لے کروہ پیدا ہوئے تھے اس طرح وہ اس درجہ تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے ۔ باقی رہا وحدت الوجود پر اعتقاد رکھنے والوں کا معاملہ تو گو اس مسئلہ میں اصل حقیقت تک تو ان کی رسائی ہوگئی لیکن علوم حقہ میں سے وہ علم جن سے ان کی طبیعت کو قدرتی مناسبت تھی وہ انہیں نصیب نہ ہوئے اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جب انہوں نے اپنے خیالات کو فکر کی اس وادی میں جہاں کہ یہ سوال درپیش ہوتا ہے کہ موجودات عالم میں وجود حق کس طرح جاری وساری ہے بے عنان چھوڑا تو ان کے ہاتھوں سے ذات حق کی تعظیم اس سے محبت اور موجودات سے ان کے ماوراء اور منزہ ہونے کا سررشتہ چھوٹ گیا اور دراصل یہی وہ سررشتہ ہے جس کے ذریعے ملاء اعلیٰ کے فرشتوں نے اپنے رب کو پہچانا اور ان سے افلاک کی قوتوں نے اپنی فطری استعداد کی بناء پر عرفان الٰہی کے اس سررشتہ کی وراثت پائی اور پھر آگے چل کر اس عالم کی یہ ساری فضاء انکی معرفت سے بھر گئی اب جو نفوس ذات حق کی تعظیم اس کے ساتھ محبت اور موجودات سے اسے منزہ ماننے کی اس معرفت کے وارث نہ ہوئے تو اسکی وجہ سے نہ تو ان کی تہذیب واصلاح ہوسکی اور نہ وہ اپنے مقصد حیات ہی کو پاسکے۔

الغرض اے وحدت الوجود کو ماننے والو اور وجود حق کو موجودات عالم میں جاری وساری جاننے والو! تم میں سے اس راز کو زبان سے نکالا جو اس کا اہل نہ تھا اور وہ گروہ جس کے مشرب اور ذوق کے مطابق یہ علم تھا وہ خاموش رہا اب تم میں بعض ایسے مسخ شدہ لوگ ہیں جو اس راز سے بالکل بے خبر ہیں اور اس ضمن میں حصول کمال کے لئے عقل وخرد کی جن صلاحیتوں کی ضرورت ہے اور وہ نتیجہ ہوتی ہیں فلکی عناصر کی تاثیرات کا وہ تم میں سرے سے غائب ہیں ان حالات میں قدرتی بات تھی کہ وحدت الوجود کے اس مسئلے کی وجہ سے تمہارے دلوں میں ندامت اور تمہارے چہروں پر سیاہی ہوتی ۔ حقیقت میں اس راز کا اہل تو وہ شخص ہے جس میں عقل وخرد کی یہ صلاحیتیں برومند اور تر وتازہ ہوں اور اس عالم میں مظاہر واشکار کے جو تہہ بہ تہہ حجابات ہیں انہوں نے اس کی ان صلاحیتوں کو بے اثر نہ کر دیا ہو۔ میں نے اتنا کہا تھا کہ وہ اس مسئلے کو سمجھ گئے اور انہوں نے اس کا اعتراف بھی کر

لیا پھر میں نے ان کو بتایا کہ یہ وہ اسرار ہیں جو خاص طور پر مجھے رب کی طرف سے عطا فرمائے گئے تاکہ میں اس معاملے میں تمہارے ان اختلافات کو حل کر سکوں باقی تعریف تو ساری کی ساری اللہ ہی کے لئے ہے جو سب جہانوں کا پروردگار ہے میں یہ کہہ چکا تھا کہ میری آنکھ کھل گئی اور میں بیدار ہو گیا۔(فیوض الحرمین ص ۵۳،۵۲)

شاہ ولی اللہؒ کے مکاشفہ سے یہ معلوم ہوا کہ وحدۃ الوجود کے قائلین بھی اولیاء اللہ میں سے ہیں البتہ جو استعداد نہ رکھتے ہوئے غور و خوض کرے اس کی مذمت سامنے آئی۔

دوسرے مقام پر شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں۔

فملعب الاول يسمى بوحدة الوجد والثانى بوحدة الشهود و قد عندنا ان المكشوفين صحيحان جميعا. (مکتوب مدنی ص ۵۸)

ترجمہ: پس مذہب اول کا نام وحدۃ الوجود ہے اور ثانی کا وحدۃ الشہود اور ہمارے نزدیک دونوں کشف صحیح ہیں۔

غیر مقلدین کے بانی نواب صدیق حسن خان کا نظریہ:

بہر حال اس مسئلہ وحدت وجود کا دارومدار حضرات صوفیہ کے کشف وشہود پر ہے اور علماء اور صوفیا نے اس کے متعلق بہت سی کتابیں اور رسائل لکھے ہیں مثلاً طبقہ قادریہ میں حضرت شیخ محی الدین ابن عربی، شیخ صدرالدین قونوی، شیخ عبدالکریم جیلی، شیخ عبدالرزاق جھجانوی، شیخ امان اللہ پانی پتی اور طبقہ کبرویہ میں شیخ جلال الدین رومی شیخ شمس الدین تبریزی طبقہ سہروردیہ میں شیخ فریدالدین عطار طبقہ چشتیہ میں سید محمد گیسودراز سید جعفر بلخی طبقہ نقشبندیہ میں خواجہ عبداللہ احرار، نورالدین جامی، ملا عبدالغفور لاری، خواجہ باقی باللہ، کابلی شیخ عبدالرزاق، کاشی شمس الدین، فناری قیصری، سعدالدین فرغانی وغیرہ اکابر گزرے ہیں۔

ہم لوگ چونکہ ان اختلافات کے بعد پیدا ہوئے ہیں اس لئے ہم کو طرفین سے کسی ایک طرف جزماً میلان نہیں ہوسکتا مذہب وحدت وجود اور مذہب وحدت شہود دونوں پر اگر نظر ڈالی جائے تو جس طرح ایک جانب بہت سے دلائل ہیں اسی طرح دوسری طرف بھی بہت سی دلیلیں ہیں۔ ہم پر

اعتقاد لازم ہے کہ ہم کسی جانب بھی ضلالت اور گمراہی کا خیال دل میں نہ لائیں کیونکہ اس میں بہت سے علماء کرام اور مشائخ عظام کی تضلیل وتکفیر لازم آتی ہے۔ وحدت وجود کے اثبات یا ابطال میں لب کشائی نہ کرنی چاہیے۔ اگر خود ذی فہم ہے تو اپنی فہم پر قناعت کرے اور اگر وہ نہیں سمجھتا تو ان اقوال کو ان کے قائلین پر چھوڑ دے۔ (مآثر صدیقی حصہ چہارم ص ۳۹)

مشہور غیر مقلد عالم نواب وحید الزمان لکھتے ہیں:

هو سبحانه خارج عن العالم بائن عن خلقه لا يتحد بغيره و الا يحل في غيره ولا يحل غيره فيه والوجودية الحلولية زنادقة خارجة عن الاسلام امام الصوفية الوجدية ومنهم الشيخ ابن عربي فهم لا يقولون بلاحلول و لا بالاتحاد الصرف بل يثبتون ذات الله سبحانه بائنا عن خلقه على عرشه السما يقولونا ان الحق عين الخلق من وجه يعني من جهة الوجود فان الوجود واحد وهو وجود الحق وسائر الاشياء موجودة بهذا الوجود ليس لها وجود مستقل .(ہدیۃ المہدی ص ۵۰)

ترجمہ: حق سبحانہ عالم سے خارج ہیں مخلوق سے جدا ہیں نہ غیر کے ساتھ متحد ہیں اور نہ غیر میں حل ہیں اور نہ غیر اس میں حل ہے وجودیہ اور حلولیہ زندیق ہیں اسلام سے خارج ہیں لیکن صوفیاء کرام جو وحدۃ الوجود کے قائل ہیں انہیں میں ابن عربیؒ ہیں۔ وہ نہ حلول کا قول کرتے ہیں اور نہ اتحاد کا بلکہ وہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کو مخلوق سے اپنے عرش پر جدا ثابت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حق مخلوق کا عین ہے من وجہ یعنی وجود کے اعتبار سے اس لئے کہ وجود ایک ہی ہے اور وہ حق تعالیٰ کا وجود ہے اور باقی ساری اشیاء کا وجود اسی وجود سے موجود ہیں ان کا مستقل وجود نہیں۔

آگے لکھتے ہیں:

وشيخنا ابن تيمية قد شدد الانكار على ابن عربي و تبعه الحافظ والغزالي وعندي انهم لم يفهموا مراد الشيخ ولم يمعنوا النظر فيه وانما و حشتهم ظواهر الفاظ الشيخ في الفصوص و لو نظروا في الفتوحات لعرفوا ان الشيخؒ من اهل الحديث اصولا و فروعا و من اشد الرادين على ارباب التقليد بالجملة المسئلة دقيقة و اللازم على اهل الحديث متابعة ظواهر الكتاب والسنة والسكوت عن الشيخ وهجران كتبه و منع الناس عن مطالعتها و تفويض امره الى الله

قال الشیخ المجدد انا مخالف الشیخ و اول انه اخطا فی هذه المسئلة و مع ذالک هو من اولیاء اللہ تعالی والذی یذمه و ینکر علیه هو فی الخطر وقال السید من اصحابنا اعتقادنا فی الشیخ الاجل محی الدین ابن العربی والشیخ احمد السرهندی انهما من صفوة عباداللہ ولا نلتفت الی ما قیل فیهما و کذالک الشوکانی من اصحابنا رجع عن ذم الشیخ فی اخر امره و قال انی نظرت فی الفتوحات عرفت انه یمکن حمل کلام الشیخ فی الفصوص علی محمل صحیح قال الشیخ صفی الدین من اصحبنا مذهبی فیه کمذهب شیخ الاسلام الحافظ السیوطی وهو اعتقاد ولایته وتحریم النظر فی کتبه.(هدیة المهدی ص ۵۱)

ترجمہ: اور ہمارے شیخ ابن تیمیہؒ نے ابن عربی پر سخت تنقید کی ہے اور حافظ ابن حجرؒ اور علامہ تفتازانیؒ نے ان کی اتباع کی ہے اور میرے نزدیک انہوں نے شیخ کی مراد کو نہیں سمجھا اور نہ گہری نظر سے اس کو دیکھا ہے۔ ان کو شیخ کے وہ الفاظ جو فصوص الحکم میں ہیں ان کے ظاہر نے وحشت میں ڈال دیا اور اگر وہ فتوحات مکیہ کو دیکھتے تو وہ جان لیتے کہ شیخ ابن عربی اصولاً و فروعاً اہل حدیث تھے۔ اور مقلدین پر سخت تنقید کرنے والوں میں تھے خلاصہ یہ کہ مسئلہ وحدۃ الوجود دقیق ہے اور اہل حدیث پر کتاب وسنت کے ظاہر کی اتباع کرنا اور شیخ کے بارے میں سکوت کرنا اور اسکی کتب کو چھوڑنا اور لوگوں کو اس کے مطالعہ سے منع کرنا اور اس کے امر کو اللہ کے سپرد کرنا لازم ہے۔ شیخ مجدد احمد سرہندی فرماتے ہیں کہ میں شیخ ابن عربی کا مخالف ہوں اور میں کہتا ہوں کہ اس نے اس مسئلہ میں خطا کی اسکے باوجود اولیاء اللہ میں سے تھے۔ اور وہ شخص جو شیخ کی مذمت کرتا ہے اور ان کی مخالفت کرتا ہے وہ خطرے میں ہے۔ ہمارے اصحاب میں سے نواب صدیق حسن خان فرماتے ہیں شیخ اجل محی الدین ابن عربیؒ اور شیخ احمد سرہندیؒ کے بارے میں ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ دونوں اللہ کے مقرب بندے تھے اور ان کے بارے میں جو کچھ کہا گیا ہم اس کی طرف توجہ نہیں کرتے اور اسی طرح ہمارے اصحاب میں سے قاضی شوکانی نے بھی آخر میں شیخ کی مذمت سے رجوع کر لیا اور فرمایا کہ میں نے جب فتوحات میں نظر کی تو میں نے جان لیا کہ شیخ کی وہ کلام جو فصوص الحکم میں ہے اس کو صحیح محمل پر محمول کرنا ممکن ہے اور ہمارے اصحاب میں سے شیخ فصیح الدین نے فرمایا کہ

میرا مذہب شیخ الاسلام حافظ سیوطیؒ کے مذہب کی طرح ہے وہ یہ کہ شیخ کی ولایت کا اعتقاد تو رکھا جائے اور اس کی کتب کو دیکھنا حرام سمجھا جائے۔

شاعر مشرق اور وحدۃ الوجود:

شاعر مشرق علامہ محمد اقبالؒ بھی وحدۃ الوجود کے قائل تھے چنانچہ آپ کے بہت سارے اشعار سے یہ مسئلہ ثابت ہوتا ہے۔

کر اجوئی چرا در پیچ و تابی — کہ او پیدا ست تو زیر نقابی
تلاش او کنی جز خود نہ بینی — تلاش خود کنی جز او نیابی
ز آغاز خودی کس راخبر نیست — خودی در حلقہ شام و سحر نیست
زخضر ایں نکتہ نادر شنیدم — کہ بحر از موج خود دیرینہ تر نیست
چہ گویم نکتہ زشت و نکو چیست — زبان لرزد کہ معنی پیچدار است
برون از شاخ بینی خار و گل را — درون او نہ گل پیدا نہ خار است

(کلیات اقبال فارسی ص۱۲۳)

نہ ہے زماں نہ مکاں لا الہ الا اللہ — خرد ہوئی ہے زمان و مکان کی زناری

(کلیات اقبال اردو ص۴۷۷)

ہر چیز ہے محو خود نمائی — ہر ذرہ شہید کبریائی
بے ذوق نمود زندگی موت — تعمیر خودی میں ہے خدائی
تارے آوارہ و کم آمیز — تقدیر وجود ہے جدائی
تیری قندیل ہے ترا دل — تو آپ ہے اپنی روشنائی
ایک تو ہے کہ حق ہے اس جہاں میں — باقی ہے نمود سیمیائی

(کلیات اقبال اردو ص۳۴۲)

ڈاکٹر یوسف حسین علامہ کے مابعد الطبیعی تصورات بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں وحدۃ الوجود کی

رو سے ذات باری کائنات اور انسان میں جاری وساری ہے، سارے عالم میں اصول وحدت کار فرما ہے۔ موجود اور معروض کا فرق فریق نظر ہے فطرت مظاہر کا ایک نظام ہے جو ان گنت اعتبارات کے بندھنوں میں بندھا ہوا ہے ان اعتبارات کی تہہ میں ایک ہی ارادہ کارفرما ایک ہی اصول کی تاثیر نمایاں ہے اگر ذات واجب تعالیٰ اور عالم ایک ہی ہیں تو ذات اور صفات کا فرق بے معنی ہے یہ فرق محض ظنی ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں ذات الٰہی کے مختلف تعینات کائنات سے عبارت ہیں لیکن وہ خود غیر متعین ہے معروضی طور پر عالم غیر حقیقی ہے صرف وجود ذات باری کا ہے کثرت وامتیاز لگانا اچھا نہیں، اصل وجود ذات واجب تعالیٰ کے لئے مسلم ہو چکا تو عالم کی حیثیت سوائے اضافی اور اعتباری وجود کے کیا رہ جاتی ہے۔ موجودات عالم حقیقت کی رو سے حق تعالیٰ کے عین ہیں اور مجازی اور اضافی حیثیت سے غیر حق ہیں، حق تعالیٰ کا وجود عالم میں اسی طرح سے مستور ہے جس طرح صورت نوعیہ اپنے افراد میں ہر صفت میں ذات کا موجود رہنا لازمی ہے بغیر وجود ذات کے صفات کا ظہور محال ہے صفات اور افعال و آثار عین ذات ہیں مراتب کونیہ ذات واجب تعالیٰ کے مظاہر اور اعراض ہیں۔

دما دم رواں ہے یم زندگی ہر اک شے سے پیدا رم زندگی
اسی سے ہوئی ہے بدن کی نمود کہ شعلے میں پوشیدہ ہے موج دود
یہ ثابت بھی ہے اور سیار بھی عناصر کے پھندوں سے بیزار بھی
یہ وحدت ہے کثرت میں ہر دم اسیر مگر ہر کہیں بے چگوں بے نظیر

(روح اقبال ص ۲۷۳، ۲۷۴)

سریان وماورائیت کے بارے میں شاعر مشرق کا موقف یہ ہے کہ:

"ذات واجب تعالیٰ قطعی طور پر عالم میں جاری وساری ہے اور نہ پوری طرح ماوراء ہے وہ ایک حد تک جاری وساری بھی ہے اور ایک حد تک ماوراء بھی" (روح اقبال ص ۳۸۸)

فرماتے ہیں:

ذات واجب تعالیٰ متصل عالم بھی ہے اور منفصل عالم بھی وہ عالم میں داخل بھی ہے اور خارج بھی

اصل وجود حق سبحانہ وتعالیٰ ہی کا مسلم ہے عالم اور انسان کا وجود اضافی اور اعتباری حیثیت رکھتا ہے انسانی فطرت کو ادھر ادھر بھٹکنے کے بعد اسی کی ذات میں پناہ ملتی ہے اور جب وہ چار سو کے انتشار سے حیران و پریشان ہو جاتا ہے تو اسی کی ذات کا سہارا ڈھونڈتا ہے۔

نگہ الجھی ہوئی ہے رنگ و بو میں — خرد کھو گئی ہے چار سو میں

نہ چھوڑ اے دل فغان صبح گاہی — اماں شاید ملے اللہ ہو میں

(روح اقبال ص ۳۹۷)

پروفیسر یوسف سلیم چشتی صاحب گلشن راز جدید کی شرح فرماتے ہوئے علامہ صاحب کے فکری مسلک کے بارے میں لکھتے ہیں:

یہ حقیقت کہ اقبال وحدۃ الوجود کے قائل ہیں گرچہ بجائے خود مبرہن ہے لیکن میں نے اس جگہ اس کی صراحت اس لئے کی ہے کہ اقبال کی زندگی میں ایک دور ایسا بھی آیا ہے جبکہ وہ شیخ اکبرؒ کے مخالف بھی تھے لیکن جب انہوں نے ربط حادث بالقدیم کے مسئلہ پر خالی الذہن ہو کر غور کیا تو اس کا حل ان کو صرف وحدۃ الوجود ہی میں ملا۔ اسکی تفصیل یہ ہے کہ ان کے کلام کا استقصاء کیا جائے تو یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ ابتداء سے لے کر ۱۹۱۰ء تک اقبال وحدۃ الوجود کے حامی اور قائل رہے جیسا کہ "بانگ درا" کی نظموں سے ظاہر ہے ۱۹۱۰ء سے لے کر ۱۹۱۸ء تک یہ دور ایسا ہے جب وہ سمجھتے تھے کہ شیخ اکبر بھی اسی وحدۃ الوجود کی تعلیم دیتے ہیں جس کی تعلیم شنکر اچاریہ یا اسپونزا نے دی ہے اور چونکہ شنکر اور سپونزا کی تعلیم قرآن حکیم کے خلاف ہے اس لئے وہ شیخ اکبرؒ سے بدظن تھے اور اور وحدۃ الوجود کے مخالف تھے۔ لیکن جب انہوں نے بطور خود تحقیق کی تو انہیں معلوم ہوا کہ شیخ اکبر کا فلسفہ شنکر اچاریہ اور اسپونزا دونوں سے مختلف ہے بلکہ شیخ اکبرؒ نے جیسا کہ انہوں نے فتوحات مکیہ کی ابتداء میں واضح کر دیا ہے قرآن و حدیث ہی کو اپنے نظام فکر کا ماخذ بنایا ہے یعنی مسلک وحدت الوجود کی دو قسمیں ہیں (۱) اسلامی (۲) غیر اسلامی اور شیخ اکبر نے جس مسلک کی تبلیغ کی ہے وہ اسلام کی روح سے مطابقت رکھتا ہے تو انہوں نے اس مسلک کو بطیب خاطر قبول کر لیا اور ۱۹۱۸ء سے لے کر ۱۹۳۸ء تک یعنی تا دم وفات وہ اسی مسلک کی تبلیغ کرتے رہے۔ (شرح زبور پروفیسر

یوسف سلیم چشتی لاہور عشرت پبلشنگ ہاؤس)

پروفیسر یوسف سلیم چشتی کا دعویٰ ہے کہ علامہ اقبال مرحوم سے ان کی ملاقاتوں کا سلسلہ ۱۹۲۵ء سے ۱۹۳۸ء تک جاری رہا۔ ان ملاقاتوں کے دوران وہ علامہ کے ارشادات نوٹ کرتے رہے بعد میں انہوں نے ارشادات کو اقبال کے بعض ملفوظات کے عنوان سے مرتب کر کے ایک مضمون کی صورت میں اقبال ریویو میں شائع کردی ان بعض ملفوظات کے چند حصے جو ہمارے موضوع سے متعلق ہیں اور اختلاف واتفاق کی وضاحت کرتے ہیں قابل توجہ ہیں۔

یکم اکتوبر ۱۹۳۰ء کی ایک ملاقات کا ذکر کرتے ہیں:

علامہؒ کی خدمت میں حاضر ہوا وحدۃ الوجود کے مسئلے پر گفتگو میں فرمایا ایک صوفی جب اپنے باطنی وارادات کا بیان کرتا ہے تو اسے وحدۃ الوجود سے تعبیر کرتا ہے یعنی اس پر یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ ذات واحد کائنات کی اصل ہے دنیا کا کوئی مذہب تصوف کے عنصر سے خالی نہیں ہے حتی کہ سائنس میں بھی تصوف کا رنگ جھلکتا ہے۔

اسپنوزا فلسفی تھا صوفی نہیں تھا کیونکہ صوفی وہ ہے جو ورا العقل ذرائع سے علم حاصل کرتا ہے اسپنوزا عقلی اعتبار سے حلول (Panthesim) کا قائل تھا لیکن شیخ اکبرؒ ابن عربیؒ حلول کے قائل نہیں تھے کیونکہ یہ نظریہ اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے (منتخب مقالات اقبال ریویو مرتبہ ڈاکٹر وحید قریشی اقبال اکادمی لاہور پاکستان)

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اپنی کتاب انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ ص ۸۰ میں فرمایا ہے شیخ عبدالغنیؒ کے مکتوب سے نقل کرتے ہوئے کہ حضرت آدم بنوریؒ کے طریقہ میں استغراق تام پیدا کرتے ہیں اس حد تک کہ سالک اشیاء کو شہود کے غلبہ کے باعث عین حق پاتا ہے اور اس کو ان کی اصطلاح میں توحید وجودی کہتے ہیں اور اگر اشیاء کو گم کردے اور عالم مثال میں جمال ذوالجلال کو اشیاء کے پیچھے مشاہدہ کرے اور اشیاء کو نظر انداز کردے تو اس کو توحید مشہودی کہتے ہیں لیکن ابھی بھی مطلوب حقیقی تک وصول بغیر اشیاء کی تلبیس کے نہیں ہوتا اس کے بعد اگر اس سالک کا پیر کامل ہوگا تو وہ اپنی توجہ سے مرید کو تجلیات ومشاہدات کے ہجوم سے خالی بنادے گا حتی کہ سوائے نور یقین کے اس سالک کا

پیر کامل ہوگا تو وہ اپنی توجہ سے مرید کو تجلیات و مشاہدات کے ہجوم سے خالی بنادے گا حتی کہ سوائے نور یقین کے اس کو اور کچھ بھی معلوم نہیں ہوگا۔

اور قاضی ثناء اللہ اپنے مکتوب شریف میں فرماتے ہیں کہ حضرت مجددؒ فرماتے ہیں کہ جو کچھ یہ فقیر ان بزرگوں کی ہمہ اوست کے اطلاقات سے معنی سمجھتا ہے وہ یہ ہے کہ یہ تمام جزئیات متفرقہ جو حادث ہیں یہ سب اس ذات واحد کا ظہور ہے اور میں کہتا ہوں کہ اس عبارت کا ایک اور معنی بھی ہے جو حلول و اتحاد سے بہت دور ہے یعنی تمام اشیاء نیست ہیں موجود تو وہی ذات باری تعالیٰ ہے یعنی تمام چیزوں کا وجود ذات باری تعالیٰ کے وجود کے مقابلہ میں نیست کے حکم میں ہے یہ معنی نہیں کہ تمام چیزیں موجود ہیں اور اس کے ساتھ متحد ہیں ایسا تو کوئی بے وقوف بھی نہیں کہہ سکتا چہ جائیکہ ایسے بڑے بڑے بزرگ ایسا کہیں معاذ اللہ۔

عینیت:

حضرات صوفیاء کرام پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ وہ ذات باری تعالیٰ اور مخلوق کے درمیان عینیت کے قائل ہیں اور بسا اوقات اس پر وہ یہ شعر بھی پیش کرتے ہیں کہ ابن عربیؒ نے کہا:

وفی کل شیء لہ آیۃ　　　تدل علی انہ عینہ

پھر اس کے بعد اس کی تشریح میں خود اپنی طرف سے اضافہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ معاذ اللہ ان کے نزدیک گدھے، گھوڑے، کتے کا وجود بھی خدا کا وجود ہے۔ جس سے عامی آدمی شک و شبہ میں پڑ جاتا ہے حالانکہ حضرات صوفیاء کرام اس معنی میں عینیت کے قطعاً قائل نہیں جو معترض لیتا ہے۔ آنے والے حوالہ جات سے یہ بات واضح ہو رہی ہے۔

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں:

چنانچہ صوفیاء محققین اس عینیت کے ساتھ غیریت کے بھی قائل ہیں پس یہ عینیت اصطلاحی ہے نہ کہ لغوی مسئلے کی تحقیق تو اس قدر ہے اس سے زیادہ اگر کسی کے کلام منثور یا کلام منظوم میں پایا جاوے تو حالت سکر کا کلام ہے نہ قابل ملامت ہے اور نہ قابل نقل و تقلید۔ (تعلیم الدین ص ۹۶)

قطب الارشاد مولانا عبداللہ بہلویؒ لکھتے ہیں:

عینیت کا ایک معنی یہ ہے کہ دو چیزوں کا مکمل طور اس طرح ایک ہونا کہ ان میں کسی قسم کا بھی فرق نہ ہو اور غیریت کا معنی یہ ہے کہ دونوں میں کسی قسم کا تغایر امتیاز یا فرق ہو اس معنی میں عینیت وغیریت میں تناقض ہے جس میں دونوں کا کسی محل میں جمع ہونا محال ہے اور لغوی معنی بھی یہی ہے اور اسی میں اکثر عرفاً استعمال ہوتا ہے اس اعتبار سے کوئی شے باری تعالیٰ کی عین ذات نہیں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ عینیت کے تو وہی مذکورہ بالا معنی لئے جائیں اور غیریت کے معنی یہ ہوں کہ دو چیزوں میں سے کسی ایک کا دوسری کے بغیر موجود ہو سکنا عینیت وغیریت کے اس معنی میں باہم تناقض تو نہیں مگر تضاد ہے یعنی دونوں ایک محل پر صادق نہیں آ سکتے مگر مرتفع ہو سکتے ہیں یہ متکلمین کی اصلاح ہے اس تفسیر سے بھی ذات باری تعالیٰ اور مخلوق میں عینیت نہیں بلکہ غیریت ہے اس لئے کہ مخلوقات بدوں باری تعالیٰ کے موجود نہیں ہو سکتی لیکن باری تعالیٰ بدوں مخلوقات کے پہلے بھی موجود تھے۔

عینیت کے تیسرے معنی یہ ہیں کہ ایک شے کا اپنے وجود میں دوسری شے کی طرف محتاج ہونا گو دوسری پہلی کی طرف محتاج نہ ہو اور غیریت کے وہی پہلے والے معنی کہ دو چیزوں میں کسی قسم کا تغایر امتیاز یا فرق ہونا یہ اصطلاح صوفیاء کی ہے جس کے اعتبار سے ذات باری تعالیٰ اور مخلوقات میں عینیت بھی ہے کیونکہ مخلوقات اپنی ذات میں ذات باری تعالیٰ کی محتاج ہے گو ذات باری تعالیٰ اس احتیاج سے مبرا ہے اور غیریت بھی ہے کیونکہ ذات باری تعالیٰ اور مخلوقات میں لاکھوں طرح کے فرق ہیں جیسا کہ فرمایا:

انتم الفقراء الی اللہ و اللہ هو الغنی الحمید.

تم سب اللہ تعالیٰ کے ہر طرح محتاج و تابع ہو اور اللہ تعالیٰ ہر طرح غنی و بے نیاز ہے۔

گو اس تیسرے معنی کے اعتبار سے صوفیا تمام مخلوقات کو عین باری تعالیٰ کہتے ہیں۔ مگر بعض اوقات ایک قید اور بڑھاتے ہیں کہ مخلوق کو خالق کی طرف احتیاج کا علم و معرفت بھی حاصل ہو اور اس مقید معنی کے اعتبار سے تمام مخلوقات میں صوفی عارف کے لئے عینیت کا اثبات کرتے ہیں کیونکہ دوسری مخلوق اس عرفان سے خالی ہے پھر بعض اوقات اس قید پر ایک قید بڑھا دیتے ہیں کہ ایسی

معرفت میں اس قدر استغراق ہو کہ خود مخلوق بلکہ اپنی ذات و ہستی کی طرف بھی التفات نہ رہے یہ حضرت حکیم الامت مجدد الملۃ تھانویؒ کی تحقیق ہے جس سے نہ کسی عامی کو انکار ہو سکتا ہے اور نہ کسی عالم کو توحش اس کے سمجھنے کے لئے نہ فلسفی ہونے کی حاجت ہے نہ کسی مابعد الطبیاتی فلسفہ یا نظریہ کی ضرورت نہ بندہ کی بندگی میں کوئی فرق آیا نہ خدا کی خدائی یا تنزیہ میں اس سے کوئی نقص آیا جزاھم اللہ تعالیٰ۔ (کذافی تجدید التصوف)

فائدہ ہمہ اوست کا یہ معنی نہیں کہ ہمہ اور اُو ایک ہیں بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ ہمہ کی ہستی قابل اعتبار نہیں بلکہ اُو کی ہستی لائق شمار ہے اور باقی کی ہستی کے سامنے فانی کی کوئی ہستی نہیں پس وحدۃ الوجود کا معنی ہے وجود ایک ہونا پس حقیقیۃً وجود ایک ہی ہے اور وحدۃ الشہود کا معنی ہے شہود ایک ہونا یعنی واقع میں تو متعدد ہستیاں ہیں مگر سالک کو ایک کا مشاہدہ ہوتا ہے اور دوسرے سب کالعدم ہیں پس وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود میں اختلاف لفظی ہے فافہم۔ (معارف بہلول ص ۱۱۶ ج ۳)

حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ فرماتے ہیں عبد و رب میں عینیت و غیریت دونوں متحقق ہیں وہ ایک وجہ سے اور یہ ایک وجہ سے اگرچہ بادی النظر میں اجتماع ضدین ایک شخص میں محال معلوم ہوتا ہے الضدان لا یجتمعان قول صحیح ہے مگر اس میں دو ضد لغوی مراد ہیں اور ضد اصطلاحی جمع ہوتے ہیں اسی وجہ سے محققین کو جامع الاضداد کہتے ہیں۔ (شمائم امدادیہ ص ۳۶)

نیز فرماتے ہیں کہ جاننا چاہیے کہ عبد و رب میں عینیت حقیقی لغوی کا جو اعتقاد رکھے اور غیریت کا جمیع وجوہ انکار کرے وہ ملحد و زندیق ہے کیونکہ اس کا عقیدہ سے عابد و معبود ساجد و مسجود کا کوئی امتیاز نہیں رہتا اور یہ غیر واقع ہے۔ (شمائم امدادیہ ص ۳۷)

امام ربانی مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں اسی طرح ممکن کو واجب ذات باری کا عین کہنا اور ممکن کے صفات افعال کو حق تعالیٰ کے صفات و افعال کا عین بتانا بری بے ادبی اور حق تعالیٰ کے اسماء و صفات میں الحاد و شرک ہے۔ (مکتوبات امام ربانی ج ۲ ص ۱۶)

دوسرے مقام پر فرماتے ہیں کہ پس عالم کو حق تعالیٰ کا عین نہیں کہہ سکتے (مکتوبات امام ربانی ص ۲۶)

ابن عربیؒ فرماتے ہیں۔

وھذا یدلک صریحا علی ان العالم ما ھو عین الحق تعالٰی اذلو کان عین الحق ما صح کون الحق تعالٰی بدیعا انتھی.

ترجمہ: یہ جو کچھ میں نے کہا ہے رہنمائی کرتا ہے تری واضح طور پر اس طرف کہ یہ عالم عین حق نہیں ہے اس لئے کہ اگر وہ عین حق ہوتا تو حق تعالٰی کا بدیع ہونا صحیح نہ ہوتا۔

پس ثابت ہوا کہ حق تعالٰی اور علام نہ عین یک دگر ہیں اور نہ متحد ہیں عینیت اور اتحاد اگر ان (شیخ اکبر) کے کلام میں ہے تو بمعنی اصطلاحی ہے جس سے مراد تابعیت خلق للحق فی الوجود نیز ارشاد فرماتے ہیں۔

العبد عبد و ان ترقی والرب رب وان تنزل.

بندہ ہمیشہ بندہ ہی رہے گا خواہ وہ کتنی ہی ترقی کیوں نہ کرے اور رب ہمیشہ رب ہی رہے گا خواہ وہ کتنا ہی تنزل کیوں نہ فرمائے۔(فتوحات مکیہ باب ۵۵۷)

نیز فرماتے ہیں:

اگر حق تعالٰی کی ندا ہمارے لئے اور ہماری ندا اس کے لئے نہ ہوتی تو نہ وہ ہم سے متمیز ہوتا اور نہ ہم اس سے ممیز ہوتے پس جس طرح حق تعالٰی نے اپنی ذات کو ہم سے جدا کیا ہے اسی طرح ہم نے اپنی ذات کو اس سے جدا کیا ہے پس نہ حق تعالٰی نے انسان میں حلول کیا اور نہ حق تعالٰی اور انسان دونوں مل کر ایک ہو گئے یعنی حلول اور اتحاد یہ دونوں عقیدے باطل ہیں اور جو شخص دعوٰی کرے وصل کا کہ بندہ خدا ہو گیا تو وہ حقیقت سے دور ہو گیا یعنی گمراہ ہو گیا۔(فتوحات ص ۳۶۵)

نیز فرماتے ہیں:

اعلم ایھا الولی الحمیم ان الوجود منقسم بین عابد و معبود فالعابد کل ماسوا اللہ تعالٰی وھو العالم المعبر عنه والمسمی عبدا و المعبود ھو المسمی اللہ وما فیالوجود الا ماذکرنا فکل ما سوا اللہ عبد اللہ ما خلق و یخلق و فیما ذکرنا اسرار عظیمۃ متعلق بباب المعرفۃ باللہ و توحیدہ و بمعرفۃ العالم و رتبه و بین العلماء فی ھذہ المسئلۃ من الخلاف ما لا یرتفع ابدا و لا یتحقق فیه قدم یثبت علیه و لھذا قدر اللہ السعادۃ لعبادہ بالایمان و فی العلم بتوحیدہ

خاصة مالم طریق الی السعادة الا هذا. (فتوحات مکیہ ج ۳ ص ۵۰۷ باب ۳۷۱)

ترجمہ:۔ اے مخلص دوست خوب جان لو کہ وجود تقسیم ہے عابد اور معبود کے درمیان پس اللہ تعالیٰ کے ماسوا کل عابد ہے اور اس کو عالم سے تعبیر کرتے ہیں اور معبود وہی ہے جس کا نام اللہ ہے اور وجود میں اس کے سوا اور کچھ نہیں اللہ تعالیٰ کے ماسوا جو کچھ ہے وہ اللہ تعالیٰ کا عبد ہے جو اس نے پیدا کیا ہے اور یا جس کو آئندہ پیدا کرے گا اور یہ جو ہم نے بیان کیا ہے اس میں بڑے اسرار ہیں جو اللہ اور اس کی توحید کی معرفت سے تعلق رکھتے ہیں اور جو عالم اور اس کے مرتبہ کی معرفت سے تعلق رکھتے ہیں اور اس مسئلہ وحدۃ الوجود میں علماء کے درمیان اختلاف ہے جو کبھی اٹھ نہیں سکتا اور کسی قدم تک نہیں سکتا اس لئے اللہ تعالیٰ نے بندوں کی سعادت اس میں مقدر کی ہے کہ وہ ایمان لائیں اور اس کی توحید کا علم خاص طور پر حاصل کریں سعادت کی طرف راہ اس کے سوا اور کچھ نہیں۔

اسی طرح الجواہر والیواقیت والے نے بیان کیا ہے کہ حضرت شیخ ابن عربی فتوحات مکیہ میں بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس سے تمہیں صریح طور پر معلوم ہوگا کہ عالم جہاں عین حق تعالیٰ من کل الوجوہ نہیں ہے اس لئے کہ اگر ایسا ہو یعنی عالم عین حق تعالیٰ ہو تو پھر اس کو بدیع موجد کیسے کہہ سکتے ہیں۔ (حاشیہ کچکول نامہ ص ۲۱)

نیز حضرت مجدد الف ثانیؒ ارشاد فرماتے ہیں صوفی کہ حکم بہ ہمہ اوست می کند مرادش آن نیست کہ اشیاء باحق متحد اند و تنزیہ و تنزل نمود تشبیہ گشتہ ہو ست یا واجب ممکن شدہ است یا بے چوں بچوں آمدہ است کہ ہمہ کفر و الحاد است و ضلالت و زندقہ بلکہ ہمہ اوست آنست کہ اشیاء نیستند و موجود اوست تعالی غایت مافی الباب صوفیا اشیاء را ظہور حق میدانند (مکتوب مجدد مکتوب ۴۴ ج ۲)

مطلب اس عبارت کا یہ ہے کہ صوفی جو ہمہ اوست کہتا ہے اس سے اس کی مراد یہ نہیں ہے کہ اشیائے کائنات حق کے ساتھ متحد ہیں یا خدا انسان بن گیا ہے یا واجب ممکن ہو گیا ہے یا وہ ذات بیچوں کسی جسم میں حلول کر گئی ہے کیونکہ یہ سب باتیں کفر و الحاد اور ضلالت و زندقہ ہیں بلکہ ہمہ اوست سے مراد یہ ہے کہ اشیائے کائنات باعتبار حقیقت یا بذات خویش معدوم ہیں در صرف حق

تعالیٰ موجود ہے غایت مافی الباب یہ ہے کہ صوفیا اشیاء کو ظہور حق سمجھتے ہیں نہ کہ عین حق۔ (مکتوبات شریف جلد دوم مکتوب نمبر ۴۴)

حضرت پیر مہر علی شاہ کی وضاحت درج کی جاتی ہے جو انہوں نے شیخ اکبر کی مذکورہ بالا عبارت کی تشریح میں فرمائی فرماتے ہیں:

لوگوں کو حضرت شیخ کی اس عبارت سے وہم ہوا کہ اس سے خالق و مخلوق کا اتحاد لازم آتا ہے مگر حاشا و کلا شیخ کی مراد ہر گز یہ نہیں کیونکہ لفظ عین کے دو معانی ہوتے ہیں ایک یہ کہ کہا جائے کہ فلاں چیز اپان عین ہے مثلا انسان انسان اور دوسرے یہ کہ کسی چیز کا قیام اور تحقیق کسی اور چیز سے ہو کہ اگر وہ نہ ہوتی اس کا وجود نہ ہوتا اور یہاں شیخ نے یہی معنی لئے ہیں کہ اگر واجب الوجود کا تعلق مخلوقات سے قطع تصور کیا جائے تو مخلوق کا فی نفسہٖ کوئی وجود نہ ہوگا اور فرمایا کہ میں نے کسی کتاب میں دیکھا کہ ایک مجددی حضرت بیان کرتے ہیں کہ میں ایک روز حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی کے مزار شریف پر مراقب ہو کر بیٹھا تھا میں نے دیکھا کہ عالم مثال میں حضرت محبوب الٰہی فصوص الحکم کا درس دے رہے ہیں میں نے سوال کیا کہ اوجد الاشیاء وھو عینھا کی عبادت سے بظاہر خالق کا اتحاد مفہوم ہوتا ہے حضرت موصوف نے ایک لحہ تامل فرمایا کہ ناگہاں حضرت شیخ اکبر کی روح پر فتوح تشریف لائی اور حضرت محبوب الٰہی سے فرمایا کہ آپ کیوں یہ جواب نہیں دیتے کہ میں نے وھو عینھا کہا ہے نہ وھی عینہ یعنی یہ نہیں کہا کہ اشیاء اللہ تعالیٰ کا عین ہیں بلکہ یہ کہ اللہ تعالیٰ اشیاء کا عین ہے۔ (مہر منیر مطبوعہ گولڑہ شریف راولپنڈی)

قاضی ثناء اللہ پانی پتی لکھتے ہیں کہ حضرت مجددؒ فرماتے ہیں کہ جو کچھ یہ فقیر ان بزرگوں کے ہمہ اوست کے اطلاقات سے معنی سمجھتا ہے وہ یہ ہے کہ یہ تمام جزئیات متفرقہ جو حادث ہیں یہ سب اس ذات واحد کا ظہور ہے اور میں کہتا ہوں کہ اس عبارت کا ایک معنی بھی ہے جو حلول و اتحاد سے بہت دور ہے یعنی تمام اشیاء نیست ہیں موجود تو وہی ذات باری تعالیٰ ہے۔ یعنی تمام چیزوں کا وجود ذات باری تعالیٰ کے وجود کے مقابلہ میں نیست کے حکم میں ہے یہ معنی نہیں کہ تمام چیزیں موجود ہیں اور اس کے ساتھ متحد ہیں ایسا تو کوئی بے وقوف بھی نہیں کہہ سکتا چہ جائیکہ ایسے بڑے بڑے

بزرگ ایسا کہیں معاذ اللہ۔ (مکتوبات قاضی ثناء اللہ پانی پتی)

ہمہ اوست:

وحدۃ الوجود کی تشریح میں ایک اصطلاح ہمہ اوست مستعمل ہے مخالفین وحدۃ الوجود کا ایک بڑا اعتراض یہ ہے کہ وجودی ہمہ اوست کے قائل ہیں اور وہ ہر شے کو خدا مانتے ہیں حالانکہ صوفیاء کا یہ نظریہ قطعاً نہیں ہے۔ مولانا حضرت تھانوی صاحبؒ اپنی کتاب امداالمشتاق (شرح شمائم امدادیہ) لکھتے ہیں۔

ایک آدمی نے (حاجی امداداللہ مہاجر کی سے) پوچھا کہ ہمہ اوست ولا موجود کے کیا معنی ہیں فرمایا دونوں مترادف ہیں اس کی مثال یوں ہے کہ جیسے مہندس (انجینیر) نقشہ کسی عمارت کا اپنے ذہن میں خیال کرے اور تصور کرے پس اصل میں وجود تیام عمارت کیا ہوگی بعد میں جو درودیوار ظاہر ہوں گے وہ پرتو حاضر فی الذہن کے ہوں گے اسی طرح صفات اللہ کے ہیں مثل علم قدرت اور تمام کائنات پرتو انہیں دوصفات کے ہیں تمام مخلوق علم حق تعالیٰ میں تھی اسی کے موافق ظاہر ہوئی پس یہ سب پرتو علم الٰہی ہے اور ظاہر ہے کہ خدا کے صفات اس کی ذات سے علیحدہ نہیں لامحالہ لا موجود الا اللہ و ہمہ اوست ثابت ہے جملہ اول فانی آخر فانی اور درمیان میں جو کچھ ظاہر ہو محض خیال و تصور ہے اور کہتے ہیں کہ یہ مسئلہ کشفی ہے میں (حاجی امداداللہ) کہتا ہوں کہ کشفی بھی ہے اور عقلی اور نقلی بھی نہ صرف کشفی۔ (امدادالمشتاق ص ۵۴۰)

حضرت مہر علی شاہ کے مکتوبات صفحہ ۱۷۳ پر ایک سوال کے جواب میں ہے ہمہ ابست میں اوکا مرجع حق سبحانہ وتعالیٰ من حیث الذات نہیں بلکہ من حیث الظہور ہے: کما صرح بہ الشیخ الاکبر بہ مرارا فی الفتوحات حق سبحانہ و تعالیٰ کو من حیث الذات غنی عن العالمین اور متعالی عن الخلق مانتے ہیں اور من حیث الظہور ظاہر و متجلی فی المظاہر (مکتوبات ۱۷۳)

حضرت مجدد صاحبؒ فرماتے ہیں:

جاننا چاہیے کہ صوفیہ علیہ میں سے جو لوگ وحدت وجود کے قائل ہیں اور اشیاء کو عین حق جانتے ہیں اور ہمہ اوست کا حکم کرتے ہیں ان کی یہ مراد نہیں کہ اشیاء حق تعالیٰ کے ساتھ متحد ہیں اور تنزیہ تنزل

کر کے تشبیہ بن گئے ہے اور واجب ممکن ہو گیا ہے اور بیچوں چون میں آ گیا ہے کہ یہ سب کفر والحاد اور گمراہی وزندقہ ہے وہاں نہ اتحاد ہے نہ عینیت نہ تنزل نہ تشبیہ۔

فھو سبحانه الان کما کان فسبحانه من لا یتغیر بذاته ولا فی صفاته ولا فی اسمائه بحدوث الالوان.

اللہ تعالیٰ اب بھی ویسا ہی ہے جیسے کہ پہلے تھا پاک ہے وہ مالک جو موجودات کے حدوث سے ذات وصفات واسماء میں متغیر نہیں ہوتا۔

حق تعالیٰ اپنی اسی صرافت اطلاق پر ہے وجوب کی بلندی سے امکان کی پستی کی طرف نہیں آیا بلکہ ہمہ اوست کے معنی یہ ہیں کہ اشیا نہیں ہیں اور حق تعالیٰ موجود ہے منصور نے جو انا الحق کہا اس کی مراد یہ نہیں کہ میں حق ہوں اور حق کے ساتھ متحد ہوں کہ یہ کفر ہے اور اس کے قتل کا موجب ہے بلکہ اس کے قول کے یہ معنی ہیں کہ میں نہیں ہون اور حق تعالیٰ موجود ہے حاصل کلام یہ کہ صوفیہ اشیاء کو حق تعالیٰ کے ظہورات جانتے ہیں اور حق تعالیٰ کے اسماء وصفات کے آئینے خیال کرتے ہیں بغیر اس کے ان میں کسی قسم کا تنزل اور تغیر وتبدل ہو جس طرح کسی شخص کا سایہ دارز ہو جائے تو نہیں کہہ سکتے کہ وہ سایہ اس شخص کے ساتھ متحد ہے اور عینیت کی نسبت رکھتا ہے یا وہ شخص تنزل کر کے ظل کی صورت میں ظاہر ہوا ہے بلکہ یہ شخص اپنی صرافت واصالت پر ہے اور تنزل وتغیر کی امیز کے بغیر ظل کے وجود میں آیا ہے؟ ہاں بعض اوقات ان لوگوں کی نظر میں جن کو اس شخص سے محبت ہوتی ہے کمال محبت کے باعث سایہ کا وجود مخفی ہو جاتا ہے اور شخص کے بغیر ان کو کچھ مشہور نہیں ہوتا اس وقت اگر یہ کہہ دیں کہ ظل عین شخص ہے یعنی ظل معدوم ہے اور موجود وہی شخص ہے تو ہو سکتا ہے اس تحقیق سے ثابت ہوا کہ اشیاء صوفیہ کے نزدیک حق تعالیٰ کے ظہورات ہیں نہ حق تعالیٰ کا عین پس اشیاء حق تعالیٰ سے ہونگے پس ان کے کلام ہمہ اوست کے معنی ہمہ از وست ہونگے جو علماء کرام کے نزدیک مختار ہیں اور درحقیقت علماء کرام اور صوفیہ عظام کے درمیان کوئی نزاع ثابت نہ ہوگی اور دونوں قولوں کا حال ایک ہی ہوگا۔ (مکتوبات ۵۵۳ دفتر سوم)

نیز شیخ روز بہان بقلی کے کلام کی شرح میں جس میں انہوں نے ہمہ اوست کے قائل کو سینکڑوں

خداؤں کا ماننے والا کافر کہا تو حید وجودی کے دقائق بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جو کچھ اس فقیر نے ان اطلاقات سے ہمہ اوست کے معنی سمجھے ہیں یہ ہیں کہ تمام متفرقہ حادثہ جزئیات ایک ہی ذات تعالیٰ کا ظہور ہیں جس طرح زید کی صورت بیشمار اور متعدد آئینوں میں منعکس ہو جائے اور وہاں ظہور پیدا کرنے اور ہمہ اوست کہ دیں یعنی یہ تمام صورتیں جنھوں نے بیشمار آئینوں میں نمود وظہور پیدا کیا ہے۔ زید کی ایک ذات کا ظہور ہیں یہاں کونسی جزئیت اور اتحاد ہے اور کونسا حلول وتلون ہے زید کی ذات باوجود ان تمام صورتوں کے اپنی صرافت اور اصلی حالت پر ہی ہے ان صورتوں کا نام ونشان تک بھی نہیں تا کہ اس کے ساتھ جزئیت اور اتحاد اور حلول اور سریان کی نسبت پیدا کریں الان کما کان کا سراس جگہ ڈھونڈھنا چاہیے کیونکہ جس مرتبہ میں حق تعالیٰ ہے وہاں جس ظہور سے پہلے عالم کی گنجائش نہ تھی ظہور کے بعد بھی وہاں عالم کی گنجائش نہیں فلا جرم یکون الان کما کان (پس وہ بالضرور اب بھی ویسا ہی ہے جیسے کہ تھا) عجب معاملہ ہے کہ حضرت صوفیہ میں سے بہت سے بزرگوار اس توحید آمیز عبارت سے حلول واتحاد سمجھتے ہیں اور اس عبارت کے کہنے والوں کو کافر اور گمراہ کہتے ہیں۔ (دفتر سوم مکتوب ۸۹)

غرض یہ ہے حضرت مجددؒ کے نزدیک ہمہ اوست کے قائل صوفیہ عالم کو حق تعالیٰ کے ساتھ متحد نہیں جانتے اور حلول واتحاد سریان ثابت نہیں کرتے بلکہ ظہور وظلیت کے اعتبار سے حمل کرتے ہیں نہ وجود وتحقق کے اعتبار سے اگر چہ ان کی ظاہر عبارت سے اتحاد وجودی کا وہم گزرتا ہے لیکن ان کی یہ مراد ہرگز ہرگز نہیں کیونکہ یہ کفر والحاد ہے اور جب ایک دوسرے پر حمل کرنا باعتبار ظہور کے ہے نہ باعتبار وجود کے تو پھر ہمہ اوست کے معنی ہمہ از وست ہیں کیونکہ شے کا ظل اسی شے سے پیدا ہوتا ہے اگر چہ وہ غلبہ حال میں ہمہ اوست کہتے ہیں لیکن درحقیقت اس عبارت سے ان کی مراد ہمہ از وست ہے۔

نیز حضرت مجدد الف ثانیؒ ارشاد فرماتے ہیں صوفی کہ حکم بہ ہمہ اوست می کند مرادش آن نیست کہ اشیاء باحق متحد اند وتنزیہ وتنزل نمود تشبیہ گشتہ اوست یا واجب ممکن شدہ است یا بے چوں بچوں آمدہ است کہ ہمہ کفر والحاد است وضلالت وزندقہ بلکہ اوست آنست کہ اشیاء نیستند وموجود اوست تعالیٰ

غایت مافی الباب صوفیا اشیا ظہور حق میدانند۔ (مکتوبات مجدد مکتوب ۴۴ ج ۲)

مطلب اس عبارت کا یہ ہے کہ صوفی جو ہمہ اوست کہتا ہے اس سے اس کی مراد یہ نہیں ہے کہ اشیائے کائنات حق کے ساتھ متحد ہیں یا خدا انسان بن گیا ہے یا واجب ممکن ہوگیا یا وہ ذات بیچوں کسی جسم میں حلول کر گئی ہے کیونکہ یہ سب باتیں کفر والحاد اور ضلالت وزندقہ ہیں بلکہ ہمہ اوست سے مراد یہ ہے کہ اشیائے کائنات باعتبار حقیقت یا بذات خویش معدوم ہیں در صرف حق تعالیٰ موجود ہے غایت مافی الباب یہ ہے کہ صوفیا اشیاء کو ظہور حق سمجھتے ہیں نہ کہ عین حق۔ (مکتوبات شریف جلد دوم مکتوب نمبر ۴۴ جلد دوم)

قاضی ثناء اللہ پانی پتی اپنے مکتوبات گرامی میں فرماتے ہیں:

حضرت مجدد فرماتے ہیں کہ جو کچھ یہ فقیر ان بزرگوں کے ہمہ اوست کے اطلاقات سے معنی سمجھا ہے وہ یہ ہے کہ یہ تمام جزئیات متفرقہ جو حادث ہیں یہ سب اس ذات واحد کا ظہور ہے اور میں کہتا ہوں کہ اس عبارت کا ایک اور معنی بھی ہے جو حلول واتحاد سے بہت دور ہے یعنی تمام اشیاء نیست ہیں موجود تو وہی ذات باری تعالیٰ ہے یعنی تمام چیزوں کا وجود ذات باری تعالیٰ کے وجود کے مقابلہ میں نیست کے حکم میں ہے یہ معنی نہیں کہ تمام چیزیں موجود ہیں اور اس کے ساتھ متحد ہیں ایسا تو کوئی بے وقوف بھی نہیں کہہ سکتا چہ جائیکہ ایسے بڑے بڑے بزرگ ایسا کہیں معاذ اللہ۔ (مکتوبات قاضی ثناء اللہ پانی پتی ۱۴۱)

اسی طرح دوسرے مقام میں فرماتے ہیں کہ ہمہ اوست بایں معنی نہیں کہتے کہ مثلاً زید بھی خدا ہے اور عمرو بھی خدا ہے نعوذ باللہ اور نہ بایں معنی کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ کلی طبعی ہے اور ممکنات کے اشخاص اس کے افراد ہیں یہ دو قول تو صریح کفر ہیں۔ (مکتوبات ص ۱۴۰)

تیسرے مقام پر فرماتے ہیں ہمہ اوست کہنا مجاز سے خالی نہیں۔ (مکتوبات ص ۱۴۲)

حضرت مجدد چوتھے مقام پر فرماتے ہیں:

نقلہ جوالہ اور دائرہ کا ذکر فرماتے ہیں اور اپنی تائید میں شیخ اکبر کے اقوال نقل کرتے ہیں پھر فرماتے ہیں کہ عالم وہی ہے گویا شیخ اکبر کی تصدیق فرماتے ہیں ان اعتراضات کا ذکر کر کے جو شیخ ولی روز

بہاں ظلی نے ہمہ اوست کے قائلین پر کیے ہیں اعتراضات کا رد فرماتے ہیں۔ (دفتر سوم کے مکتوب نمبر ۵۶)

سکر:

حضرات صوفیاء کرام کو راہ سلوک میں بعض اوقات ایسے حالات بھی پیش آتے ہیں جن میں وہ مغلوب الحال ہوتا ہے ایسی حالت کو سکر کہتے ہیں۔ اس میں اس کا اپنا اختیار نہیں ہوتا جیسا کہ خواب دیکھنے والے کو خواب پر اختیار نہیں ہوتا۔ جیسے خواب دیکھنے والا شریعت کے ہاں قابل مواخذہ نہیں ہوتا اسی طرح حالت سکر میں صاحب سکر معذور ہوتا ہے اور قابل مواخذہ نہیں ہوتا اسی طرح حالت سکر میں صاحب سکر معذور ہوتا ہے اور قابل مواخذہ نہیں ہوتا منکرین تصوف صوفیاء کرام کی ان عبارات کو لے کر بھی اعتراض کرنے سے نہیں چوکتے جو ان کو حالت سکر میں پیش آئیں ہوں۔ اس لئے سکر کے بارے میں ذیل میں حضرات صوفیاء کرام کی عبارات پیش کی جاتی ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ سکر کے بارے فرماتے ہیں:

سکر اگرچہ ظلمات کا دریا ہے لیکن آب حیات اسی میں ہے (مکتوبات دفتر سوم ص ۵۵۴)

حضرت مجدد الف ثانیؒ اپنے ایک مکتوب میں اپنی حالت سکر کے بارے میں فرماتے ہیں:

اس مضمون سے کوئی یہ بمان نہ کرے کہ ولایت نبوت سے افضل ہے کیونکہ ولایت کلمہ اول کے مناسب ہے اور نبوت دوسرے کلمہ کے مناسب اس لئے کہ ہم کہتے ہیں کہ نبوت دونوں کلموں کا ماحصل ہے نبوت کا عروج کلمہ اول سے اور اس کا نزول کلمہ دوم سے تعلق رکھتا ہے پس دونوں کلموں کا مجموعہ مقام نبوت کا حل ہے نہ کہ صرف کلمہ دوم کا حاصل جیسے بعض نے گمان کیا ہے اور کلمہ اولی کو ولایت کے ساتھ مخصوص کیا ہے حالانکہ ایسا بھی نہیں بلکہ دونوں کلمے عروج و نزول کے اعتبار سے مقام ولایت کا بھی حاصل ہیں اور مقام نبوت کا حاصل بھی۔

حاصل کلام یہ ہے کہ مقام ولایت مقام نبوت کا ظل ہے اور ولایت کے کمالات کمالات نبوت کے ظلال ہیں مقام سکر میں جو کچھ کہیں معذور ہیں یہ فقیر بھی سکر کی باتوں میں ان کے ساتھ شریک ہے

اسی واسطے اپنے بعض مکتوبوں میں اول کلمہ کو مقام ولایت کے مناسب اور کلمہ دوم کو مقام نبوت کے موافق لکھا ہے سکر بھی نعمت ہے بشرطیکہ اس سے پھر صحو میں لے آئیں اور کفر طریقت سے نکال کر اسلام حقیقی میں لے جائیں ربنا لا تواخذنا ان نسینا او اخطانا بصدقة حبیبک محمد علیه الصلوة والسلام و یرحم الله عبدا قال امینا (یا اللہ نبی ﷺ کے طفیل تو ہماری بھول چوک پر مواخذہ نہ کر اور اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم کرے جس نے آمین کہا)(مکتوبات ص۲۲۸ جلد دوم)

(۱) حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی اپنے مکتوب میں فرماتے ہیں وہ جو اثنائے سیر و سلوک میں مشاہدہ کیا جاتا ہے اور سکر کی حالت میں ان کو بیان کرتے ہیں خلاصہ یہ ہے کہ اس کے ظاہری معنی مراد لینے اور اس پر اعتقاد کرنا بالاجماع کفر ہے۔ (مکتوبات ص۱۴۵)

دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

(۲) اے برادر جان لو! کہ جو کچھ صوفیہ کرام عالم مثال میں دیکھتے ہیں اور عالم سکر میں اس اپنے دیکھے ہوئے اور مشاہدہ کئے ہوئے حال کو بیان کر دیتے ہیں لوگ اس کو ظاہری معنی پر محمول کرتے ہیں اور اس پر اعتقاد کرتے ہیں یا ایسا کہنے والوں کی تکفیر کرتے ہیں یہ دونوں غلطی کرتے ہیں۔ (مکتوبات ص۱۳۲)

اس سلسلہ میں حضرت مجددؒ کا ایک طویل مکتوب نقل کرنا فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔

حضرت فرماتے ہیں:

ان تمام سوالوں کے حق میں مجمل کلام یہ ہے کہ جس طرح شریعت میں کفر و اسلام ہے طریقت میں بھی کفر و اسلام ہے جس طرح شریعت میں کفر سراسر شرارت و نقص ہے اور اسلام سراسر کمال ہے طریقت میں بھی کفر سراسر نقص ہے اور اسلام سراسر کمال ہے کفر طریقت مقام جمع سے مراد ہے جو استتار یعنی پوشیدہ ہونے کا محل ہے اس مقام میں حق و باطل کی تمیز مفقود ہوتی ہے کیونکہ اس مقام میں سالک کا مشہود اچھے و برے آئینوں میں وحدت محبت کا جمال ہوتا ہے پس خیر و شر و نقص و کمال کو اس وحدت کے ظلال اور مظاہر کے سوا نہیں پاتا اس لئے انکار کی نظر جو تمیز سے پیدا ہوتی ہے اس کے حق میں معدوم ہے جس کے باعث سب کے ساتھ مقام صلح میں ہے اور سب کو راہ راست پر

معلوم کرتا ہے اوراس آیت کے مضمون کے مطابق گیت گاتا ہے۔ وما من دابة الا ھو اٰخذ بناصیتھا ان ربی علی صراط مستقیم (کوئی جانور روئے زمین پر چلنے والا نہیں ہے جس کو اس نے پیشانی سے پکڑا ہوا نہیں بے شک میرا رب سیدھے راستہ پر ہے) کبھی مظہر کو عین ظاہر جان کر خلق کو عین حق خیال کرتا ہے اور مربوب کو عین رب جانتا ہے اس قسم کے سب پھول مرتبہ ہی سے کھلتے ہیں۔ منصور اسی مقام پر کہتا ہے۔

کفرت بدین اللہ و الکفر واجب لدی و عند المسلمین قبیح

ہوا کافر میں دین حق سے مجھ کو کفر بہتر ہے اگرچہ سب مسلمانوں کے ہاں وہ کفر بدتر ہے

یہ کفر طریقت کفر شریعت کے ساتھ بڑی مناسبت رکھتا ہے لیکن شریعت کا کافر مردود اور عذاب کا مستحق ہے اور کافر طریقت مقبول اور اعلیٰ درجات کے لائق ہے کیونکہ یہ کفر واستتار محبوب حقیقی کے غلبہ محبت سے پیدا ہوا جس کے باعث محبوب حقیقی کے سوا سب کچھ فراموش ہو جاتا ہے اس لئے مقبول ہے اور وہ کفر چونکہ تمرد یعنی سرکشی اور جہل کے غلبہ سے پیدا ہوتا ہے اس لئے مردود ہے اور اسلام طریقت مقام فرق بعد الجمع سے مراد ہے جو تمیز کا مقام ہے جہاں حق باطل سے اور خیر شر سے متمیز ہے اس اسلام طریقت کو اسلام شریعت کیساتھ بڑی مناسبت ہے جب اسلام شریعت کمال تک پہنچ جاتا ہے تو اس کو اسلام طریقت کے ساتھ اتحاد کی نسبت پیدا ہو جاتی ہے بلکہ ہر دو اسلام اسلام شریعت ہیں اس کے درمیان فرق ظاہر شریعت اور باطن شریعت اور صورت شریعت اور حقیقت شریعت کا ہے کفر طریقت کا مرتبہ صورت شریعت کے اسلام سے بلند تر ہے اگرچہ حقیقت شریعت کے اسلام کی نسبت کمتر ہے۔

آسماں نسبت بعرش آمد فرود ورنہ بس عالی است پیش خاک تود

عرش سے نیچے ہے گرچہ آسماں ہے بہت اونچا زمیں سے اے جواں

مشائخ قدس اسرارہم سے جنہوں نے شطحیات نکالی ہیں اور مخالف شریعت باتیں کہی ہیں سب کفر طریقت کے مقام میں رہے جو سکر و بے تمیزی کا مقام ہے لیکن وہ بزرگ جو حقیقی اسلام کی دولت سے مشرف ہوئے ہیں اس قسم کی باتوں سے پاک وصاف ہیں اور ظاہر و باطن میں انبیاء علیہم

الصلوٰۃ والسلام کی اقتداء کرتے ہیں اور انہی کے تابع رہتے ہیں پس جو شخص کلام شطحیات کرتا ہے اور سب کے ساتھ صلح رکھتا ہے اور سب کو راہ راست پر خیال کرتا ہے اور حق و خلق کے درمیان تمیز نہیں کرتا اور دوئی کے وجود کا قائل نہیں ہوتا اگر ایسا شخص مقام جمع تک پہنچ چکا ہے اور کفر طریقت سے متحقق ہو چکا ہے اور ماسوی کا نسیان حاصل کر چکا ہے تو وہ مقبول ہے اور اس کی باتیں جو سکر سے پیدا ہیں ظاہر کی طرف سے پھری ہوئی ہیں اور اگر وہ شخص اس حال کے حاصل ہونے اور درجہ کمال اول تک پہنچنے کے بغیر اس قسم کی کلام کرتا ہے اور سب کو حق اور صراط مستقیم پر جانتا ہے اور حق و باطل میں تمیز نہیں کرتا تو ایسا شخص زندیق وملحد ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ شریعت باطل ہو جائے اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام جو رحمت عالمیان ہیں ان کی دعوت رفع ہو جائے پس اس قسم کے خلاف شریعت کلمات سچے سے بھی صادر ہوتے ہیں اور جھوٹے سے بھی سچے کے لئے آب حیات ہیں اور جھوٹے کے لئے زہر قاتل جس طرح دریائے نیل کا پانی بنی اسرائیل کے حق میں آب خوشگوار تھا اور قبطی کے حق میں خون۔

اس مقام پر اکثر سالکوں کے قدم پھسل جاتے ہیں بہت سے مسلمان ارباب سکر کی باتوں کی تقلید کر کے راہ راست سے ہٹ کر گمراہی اور خسارہ میں جا پڑے ہیں اور اپنے دین کو برباد کر بیٹھے ہیں یہ نہیں جانتے کہ اس قسم کی باتوں کا قبول ہونا چند شرائط پر مشروط ہے جو ارباب سکر میں موجود ہیں اور ان میں مفقود ان شرائط میں سے اعلیٰ شرط ماسوا اللہ کا نسیان ہے جو اس قبولیت کی دہلیز ہے سچے اور جھوٹے کے سدرمیان شریعت کی استقامت اور عدم استقامت سے فرق ظاہر ہو سکتا ہے یعنی جو سچا ہے وہ باوجود سکر و مستی کے اور بے تمیزی کے بال بھر بھی شریعت کے برخلاف نہیں کرتا منصور باوجود قول انا الحق کے قید خانہ میں زنجیروں کے ساتھ جکڑا ہوا ہر رات پانچ سو رکعت نماز نفل ادا کرتا تھا اور وہ کھانا جو اس کو ظالموں کے ہاتھ سے ملتا تھا نہیں کھاتا تھا۔ (مکتوبات ۲۸۸، ۲۹۰ جلد دوم)

حضرت مجددؒ کے نزدیک وہ بجا جو جذبہ کی جہت سے ہو خواہ کسی قسم کا جذبہ ہو سکر سے نہیں نکلا تھا کیونکہ جذبہ میں غلبہ محبت ہوتا ہے اور غلبہ محبت کو سکر لازم ہے۔ اس لئے ان کے نزدیک وحدت الوجود کا قائل ہونا غلبہ محبت کے سبب ہے کیونکہ محبّ کی نظر میں غلبہ محبت سے سوائے محبوب کے اور

کوئی شے باقی نہیں رہتی۔ اور وہ ماسوائے محبوب کے سب کی نفی کا حکم دیتا ہے اگر سکر محبت میں نہ ہوتا تو اس کے لئے محبوب کا دیدار ماسواہ کے شہود سے مانع نہ ہوتا اور وہ وحدۃ وجود کا حکم نہ کرتا حضرت مجدد کے نزدیک وہ بقا جو فنائے مطلق کے بعد ہے اور سلوک کا نہایت ہے اس کا منشاء اور مبداء محو و معرفت ہے۔ سکر کو اس مقام میں کچھ دخل نہیں اب ہم حضرت مجددؒ کے اس طویل مکتوب نمبر ۲۹۱ کی طرف آتے ہیں جس میں انہوں نے توحید وجودی اور توحید شہودی کے مراتب اور ان کے متعلقہ معارف بیان کئے ہیں ابتدائے مکتوب میں حضرت مجددؒ بتاتے ہیں کہ توحید وجودی کا باعث یا تو مراقبوں کی کثرت مشق ہوتا ہے۔ یا غلبہ محبت پہلی صورت میں جو شخص کلمہ طیبہ کا معنی لا موجود الا اللہ سمجھتا ہے معنی توحید کی کثرت مشق سے اس معرفت کا نقش اس کے قوت مخیلہ میں بندھ جاتا ہے اور اس قسم کی توحید تامل و تخیل کے بعد سلطان خیال کے غلبہ کے باعث ظاہر ہوتی ہے۔ مجددؒ کے نزدیک چونکہ یہ توحید صاحب توحید کی موضوعہ و مفروضہ ہوتی ہے اس لئے معلول ہے اور اس کا حامل ارباب حال میں سے نہیں کیونکہ ارباب حال ارباب قلوب ہوتے ہیں اور اس توحید کے حامل کو اپنے مقام قلب کی کچھ خبر نہیں ہوتی۔ بلکہ صرف علم ہی علم ہوتا ہے اور کچھ لوگوں کے لئے توحید وجودی کا منشاء جذبہ قلبی اور محبت ہوتی ہے پہلے وہ اذکار و مراقبات میں مشغول رہتے ہیں اور پھر اپنی کوشش یا صرف سابقہ عنایت سے مقام قلب تک پہنچ جاتے ہیں اور جذب پیدا کرتے ہیں اس مقام پر اگر ان پر توحید وجودی ظاہر ہو جائے تو اس کا سبب محبت محبوب کا غلبہ ہوگا جس نے محبوب کے ماسوا کو ان کی نظر سے پوشیدہ کر دیا اور چونکہ وہ محبوب کے ماسوا کو نہیں دیکھتے اور نہ ہی پاتے ہیں اس لئے محبوب کے سوا کسی کو موجود نہیں جانتے اور اگر اس قسم کے ارباب قلوب کو اس مقام سے عالم کی طرف لے جائیں تو اپنے محبوب کو ذرات عالم میں سے ہر ذرہ میں مشاہدہ کرتے ہیں اور موجودات کو اپنے محبوب کے حسن و جمال کے آئینے اور مظہر سمجھتے ہیں اور اگر محض فضل ربانیہ سے مقام قلب سے نکل کر مقلب القلوب کی بارگاہ کی طرف متوجہ ہوں تو یہ توحیدی معرفت جو مقام قلب میں پیدا ہوئی تھی زائل ہونے لگتی ہے اور جوں جوں معارج عروج میں ترقی کرتے جاتے ہیں توں توں اپنے آپ کو اس معرفت کے ساتھ زیادہ نامناسب پاتے جاتے ہیں

حتی کہ ان میں سے بعض اس معرفت والوں کے طعن و انکار تک پہنچ جاتے ہیں۔ (مکتوبات ص ۶۵ ج ۱)

شیخ مجددؒ ان معرفت توحیدی والوں کے متعلق اپنی رائے بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں ان سطور کا کاتب اس معرفت والوں کے انکار سے کنارہ کرتا ہے اور ان کے طعن سے اپنے آپ کو دور رکھتا ہے انکار وطعن کی مجال تب ہوتی جبکہ اس حال والوں کا اس حال کے ظہور میں اپنا قصد واختیار ہو جب ان کے ارادے کے بغیر ان سے یہ معنی ظاہر ہو رہے ہیں تو یہ اس حال میں مغلوب ہیں اس لئے معذور ہیں اور بیچارے معذور پر طعن کی کیا مجال لیکن اس قدر جانتا ہے کہ اس معرفت کے اوپر ایک اور معرفت ہے اور اس حال کے ماسوا اور حالت ہے اس مقام کے محبوس بہت سے کمالات سے رکے ہوئے ہیں اور بیشمار مقامات سے محروم ہیں۔ (مکتوبات ۶۵ ج ۱)

توحید وجودی کے ماننے والوں کے دو گروہوں کا ذکر کرنے کے بعد حضرت شیخ مجددؒ نے ایک تیسرے گروہ کا تعارف کرایا ہے جس کا مقام پہلے دونوں سے ارفع ہے اسی مکتوب نمبر ۲۹۱ میں فرماتے ہیں ارباب توحید میں ایک گروہ وہ لوگ ہیں جو اپنے مشہود میں استہلاک واضمحلال یعنی فنا واستغراق کامل طور پر پیدا کر لیتے ہیں اور ان کا ارادہ یہ ہوتا ہے کہ ہمیشہ اپنے مشہود میں مضمحل و معدوم رہیں اور ان کے وجود کے لوازم سے کوئی اثر ظاہر نہ ہو یہ لوگ انا کے رجوع کو اپنے اوپر کفر جانتے ہیں اور نہایت کار ان کے نزدیک فنا ونیستی ہے مشاہدہ کو بھی گرفتاری جانتے ہیں ان میں سے بعض اس طرح فرماتے ہیں کہ اشتھی عدما مالا اعود ابدا میں ایسا عدم چاہتا ہوں کہ ہرگز جس کا وجود نہ ہو یہی لوگ محبت کے مقتول ہیں اور حدیث قدسی من قتلتہ فانا دیتہ (جس کو میں قتل کروں میں ہی اس کا خوں بہا ہوں) انہی کی شان میں ثابت ہے ہمیشہ وجود کے زیر بار رہتے ہیں اور ایک لمحہ آرام نہیں پاتے کیونکہ آرام غفلت میں ہوتا ہے اور دوام استغراق کے ہوتے ہوئے غفلت کی گنجائش نہیں ہوتی۔ (ایضاً: ۶۶ ج ۱)

حلول:

تمہید: موجودہ غیر مقلدین کو حلول وظہور کا فرق تک معلوم نہیں یہ بار بار اولیاء اللہ پر بہتان

باندھتے ہیں کہ وہ حضرات حلول کے قائل ہیں حالانکہ وہ طوگ حلول کے قول کو کفر قرار دیتے ہیں۔
خود شیخ اکبرؒ کا فرمان ہے اما القول بالحلول فھو من مقالاۃ اھل الکفر و الجھول۔ اب اس فرق کو ذہن نشین کریں حلول تو یہ ہے کہ جیسے چینی کو پانی میں حل کر دیا جائے تو چینی کا اپنا وجود بھی ختم ہو گیا اور اس پانی کا نام بھی بدل کر شربت ہو گیا اور ظہور یہ ہے کہ جیسے پانی کے پیالے میں سورج ظاہر ہوتا ہے اپ کی شکل آئینے میں ظاہر ہوتی ہے نہ سورج پگھل کر اپنا وجود ختم کرتا ہے نہ آپ کا وجود ختم ہوتا ہے اسی طرح یہ دنیا عالم اسباب ہے اور رب تعالیٰ و تقدس مسبب الاسباب ہیں عام طور پر ہم فعل کی نسبت اس بات کی طرف کرتے ہیں کہ فلاں گاڑی کے نیچے آ کر کچلا گیا اور مر گیا، فلاں کو ہیضہ ہوا اور وہ مر گیا، فلاں بادشاہ بنا اور اس کو عزت ملی، فلاں چوری میں پکڑا گیا اور ذلیل ہوا، فلاں پیاسا تڑپ رہا تھا اسے پانی مل گیا اس کی زندگی بچ گئی۔ یہی اسباب عوام کے مشاہدہ میں ہیں اس لئے عوام اس کے ہی مکلف ہیں لیکن اگر خواص میں کوئی اس مقام پر پہنچ جائے کہ ان تعبداللہ کانک تراہ اور وہ صاحب مشاہدہ ہو جائے اور اسے ان اسباب کے پیچھے صفات باری تعالیٰ کا ظہور مشاہد ہو اور کہے کہ تیری نظر تو یہاں تک وہی کہ ٹرک نے اس کو کچل ڈالا اور یہ مر گیا اور ٹرک اس کی موت کا سبب بنا لیکن مجھے کشف و مجاہدہ میں یہ نظر آیا کہ اس ٹرک کو سبب بنانے کے لئے مسبب الاسباب کی صفت ممیت ظہور فرما تھی۔ پیاسے کے لئے سبب حیات اگرچہ پانی بنا مگر اس سبب کے پیچھے خدا تعالیٰ کی تجلی المحی کا ظہور مجھے مکشوف ہوا ہے، اگرچہ فلاں کی عزت کا سبب بادشاہت بنی اور فلاں کی ذلت کا سبب چوری بنی مگر ان اسباب کے پیچھے اللہ تعالیٰ کی صفات المعز اور المذل کا ظہور ہم نے حالت کشفی میں دیکھا ہے۔
اب وہ نہ عوام کو مجبور کریں کہ تم ہمارے کشوف کو مانو، ہاں! ان کشوف سے وہ یہ نتیجہ نکالیں کہ کائنات میں صفات الٰہی کے ظہور کی کارفرمائی ہے۔ اب ان سے یہ مطالبہ کرنا کہ اپنا ہر کشف قرآن و حدیث میں دکھاؤ یہ ایسا ہی جاہلانہ مطالبہ ہے تم اپنا ہر ہر خواب قرآن و حدیث میں دکھاؤ یہ تو یہ ایک احسان کا مرتبہ ہے جیسے حدیث جبرئیل میں دین کا شعبہ قرار دیا گیا ہے اور قرآن پاک میں جگہ جگہ محسنین کے فضائل مذکور ہیں۔ قرآن کی کوئی آیت اس کو کفر قرار نہیں دیتی۔

غیر مقلدین چونکہ اس مقام سے ناآشنا ہیں اور مشہور محاورہ ہے الناس اعداء لما جھلوا اولیاء سے جہالت نے ہی ان کو عداوت اولیاء پر ابھارا ہے اور ان ظاہر بینوں کا اور خوف خدا سے عاری لوگوں اور حساب روز جزا سے بے باق لوگوں کا حدیث قدسی من عادیٰ لی ولیا فقد اذنتہ بالحرب پر ہر گز ایمان نہیں رونہ یہ اولیاء اللہ کی عداوت مول لے کر ذات ذوالجلال سے لڑائی پر آمادہ نہ ہوتے۔

آہ! ان کم بختوں اور وقت کے جاہلوں نے اپنی تلبیسات و وساوس سے کتنے صاف دلوں کو اولیاء اللہ کی عداوت پر آمادہ کر کے اپنے ضال اور مضل ہونے کی تکمیل کر لی۔ حالانکہ اولیاء اللہ کے ہاں نہ حلول ثابت ہے اور نہ اتحاد اور نہ ہی عینیت اس معنی میں جو معنی کفر ہے۔ آنے والے حوالہ جات حلول کی نفی پر پیش کئے جاتے ہیں۔

لوہے اور آگ کی مثال:

سکر کی حالت کو سمجھانے کے لئے شاہ اسماعیل شہیدؒ کی عبارت بہت عمدہ ہے چنانچہ لکھتے ہیں:

"جب توفیق رہبری کرتی ہے اور اس سرمست ابتہاج و مشاہدہ کا ہاتھ پکڑ کر اوپر کھینچتی ہے تو مقام فناء اور بقا پردہ خفا سے ظاہر ہوتا ہے۔

اس اجمال کا بیان یہ ہے کہ جس طرح لوہے کا ٹکڑا آگ میں ڈالتے ہیں اور آگ کے شعلے ہر طرف سے اس کا احاطہ کر لیتے ہیں بلکہ آگ کے لطیف اجزاء اس کے جوہر میں مداخلت کرتے ہیں اور اس کی شکل و رنگ کو اپنے ہم رنگ بنا لیتے ہیں اور حرارت و احراق (جلانا) جو کہ آگ کے خواص ہیں اس کو بخش دیتے ہیں، یقینا وہ لوہے کا ٹکڑا منجملہ آگ کے انگاروں میں سے شمار کیا جائے گا۔ نہ اس طرح کہ لوہا اپنی حقیقت بدل گیا ہے اور محض آگ بن گیا ہے، کیونکہ ایسا تو بدیہی البطلان ہے، بلکہ یہ لوہے کا ٹکڑا خود لوہا ہے، لیکن بسبب شعلہائے نار کے لشکروں کے ہجوم کے، جس کی وجہ سے آگ کے لطیف اجزا لوہے کے اندر داخل ہو گئے ہیں اور لوہے نے اپنے لوہے پن سے فرار کی راہ اختیار کر لی ہے اور گوشہ گمنامی میں جا پڑا ہے اور وہ تمام آثار و احکام جو آگ پر مترتب ہوتے ہیں، جس نے اس لوہے کے ٹکڑے کا احاطہ کیا ہوا ہے اور اس آگ نے اس کو اپنی سواری بنایا ہے اور اپنا تخت سلطنت اس کو قرار دیا ہے تو ان آثار و احکام کو اس ٹکڑے کی طرف

نسبت دے سکتے ہیں جیسا کہ اس آیت میں "وما فعلته عن امری" کہ میں نے یہ اپنے اختیار وارادہ سے نہیں کیا تصریح "اور" فاراد ربک" (پس ارادہ کیا تیرے رب نے) میں اشارہ اس قصر کی طرف موجود ہے اگر اس لوہے کے ٹکڑے کو اس حالت میں مجال گفتگو ہوتی تو یقیناً وہ سو سوزبان سے آگ کے ساتھ اپنی عینیت اور اتحاد کی آوازیں بلند کرتا اور آسمان تک اس کا غلغلہ ہوتا اور گھڑی بھر از خود رفتہ ہو کر اور اپنی حقیقت سے غافل ہو کر یہ کلام کرتا کہ میں آتش سوزاں کا اخگر ہوں اور میں وہی ہوں کہ تانبائیوں اور لوہاروں اور سناروں بلکہ تمام ارباب صنعت (جن کو آگ سے واسطہ پڑتا ہے) کا کاروبار مجھ سے ہی متعلق ہے۔ اسی طرح جب جذب وکشش کی رحمانی امواج اس طالب کے نفس کامل کو احدیت کے سمندروں کی موجوں کی گہرائیوں میں کھینچتی ہیں تو وہ زمزمہ سرائے "انا الحق" اور "لیس فی جبتی سوی اللہ" ہوتا ہے۔ (ملفوظات ص ۹۸، ۹۹)

رئیس المفسرین حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی لکھتے ہیں:

جب کوئی اللہ تعالیٰ کا بندہ سلوک وتصوف کے مراتب طے کرنے کے لئے کوشاں ہو اور اس پر حال کا غلبہ ہو اور وہ اپنی وہمی انانیت کو فنا کردے اور اس کا اپنا تقرر محو ہو جائے تو اس وقت حق تعالیٰ کی ہستی اور اس کا وجود اقدس اس کے نزدیک ثابت ہوگا اور ہر چیز اس کو جو ماسوی اللہ ہے فانی زائل اور بے حقیقت نظر آئے گی۔

کل شئی ما خلا اللہ باطل.

اور یہ بات بجز اتباع شریعت وطریقت ممکن نہیں بزرگان دین کے نزدیک قرب فرائض کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ بندہ تمام موجودات کے شعور سے حتیٰ کہ اپنے شعور سے بھی فناء ہو جائے تو پھر اس پر وجود حق کا انکشاف وادراک ہوگا یہ قرب فرائض کا ثمرہ ہے اور قرب نوافل کا مفہوم صفات بشریت کا زوال اور حق تعالیٰ کی صفات کی جلوہ گری اس پر ہونے لگے تو ایسے موقع پر ممکن ہے کہ ایسا شخص کان کی بجائے سارے جسم سے سننے لگے اور آنکھ کے بجائے سارے جسم سے دیکھنے لگ جائے انسانی صفات کا فنا اور اللہ تعالیٰ کی صفات کی جلوہ گری یہ قرب نوافل کا ثمرہ ہے۔

عالم کے تین مواطن مانے جاتے ہیں ایک تعین اول اس کو شیون سے مسمی کیا جاتا ہے اور دوسرا تعین

ثانی اس کو اعیان ثابتہ سے موسوم کیا جاتا ہے اور تیسرا التعین فی الخارج اس کو اعیان خارجہ سے مسمی کیا جاتا ہے جہاں تک اعیان ثابتہ کا تعلق ہے تو اس کے بارہ میں بزرگان دین کہتے ہیں کہ الاعیان الثابتة ما شمت والحة الوجود کہ اعیان ثابتہ کا خارج کے اعتبار سے کوئی وجود نہیں ہوتا تو وہ صرف صفات وغیرہ کے مرتبہ میں ہوتے ہیں ہر چیز کا ادراک محض وجود کی وجہ سے ہوتا ہے عالم کہ یہ بزرگ بجمیع اجزاء و مجموعہ اعراض کہتے ہیں ان کا معروض وجود ہے اور یہ وجود تمام موجودات میں جاری وساری ہے لیکن یہ سریان اتحاد اور حلول کے بغیر ہے چنانچہ امام عبدالکریم جیلی اپنی کتاب انسان کامل ص ۳ میں لکھتے ہیں۔

الموجود بکماله من غیر حلول فی کل ذرة .

وہ ذات اقدس ہر ہر ذرہ میں اپنے پورے کمال کے ساتھ موجود ہے لیکن حلول کے بغیر

حضرت خواجہ ابو سعید مخزومی لکھتے ہیں:

وان ذلک الوجود لیس بحال فی الموجودات ولا متحد بها لان الحلول والاتحاد لا بدلهما من الموجودین حتی یحل احدهما فی الاخر یتحد احدهما بالاخر بالوجود لا تعدد له اصلا و انما التعدد فی الصفات علی مایشهد به ذوق العارفین و وجدانهم و ان العبدیة والتکالیف و الراحة و العذاب والآلام کلها راجعة الی التعینات. (تحفہ مرسلہ مع شرح ص ۷۷)

ترجمہ: اور بے شک یہ بات ہے کہ وجود موجودات میں حلول کرنے والا نہیں اور نہ وہ ان موجودات کے ساتھ متحد اس لئے کہ حلول اور اتحاد کے لئے ضروری ہے کہ وہ دو موجود ہوں تا کہ ایک موجود دوسرے کے ساتھ متحد ہو اور حال یہ ہے کہ وجود تو صرف ایک ہی ہے اس میں کسی قسم کا تعدد بالکل نہیں کیونکہ تعدد صفات کے اندر ہے وجود میں نہیں جیسا کہ عارفین کا ذوق اور ان کا وجدان اس کی شہادت دیتا ہے اور یہ بات بھی یقینی ہے کہ عبودیت اور تکالیف راحت اور عذاب اور تمام آلام یہ سب تعینات کی طرف راجع ہیں۔ (ان کا مرتبہ بعد میں ہے۔)

حضرت امام شاہ ولی اللہ صوفیاء اور اہل تصوف کے سلسلہ میں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حضرت جنید بغدادی کا دور جب آیا تو انہوں نے تصوف وسلوک کو سنت کے طریقہ پر مرتب کیا اس

کی تہذیب کی اور اس کو مخص کیا پس حضرت جنید کا طریقہ خیر محض ہے اللہ تعالیٰ نے اس طریقہ میں برکت ڈالی ہے اور اس طریقہ پر بے شمار مخلوق کو جمع کر دیا پھر ان کے بعد صوفیہ دوسری رسومات میں پڑ گئے مثلاً صوف کا لباس پہننا اور لوگوں کے سامنے اس فن کی باتیں اور کلام کرنا اور گانے اور قوالیاں وغیرہ سننا ایک مدت تک یہ طریقہ جاری رہا اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس طریقہ کی تجدید حضرت شیخ ابو سعید ابوالخیر کے ذریعہ فرمائی اور اس طرح حضرت شیخ ابن عربی کے ذریعہ تجدید کرائی اور ان پر اللہ تعالیٰ نے علوم و معارف کے لیے حد و بے شمار دروازے کھول دیئے۔ چنانچہ شیخ ابن عربی علوم و معارف اور کشفیات کے بحر ذخار تھے اور وحدۃ الوجود کے امام تھے اور اس طریقہ کی تشریح و تفسیر کرنے میں حد کمال تک پہنچے ہوئے تھے صوفیاء کرام میں ان کی نظیر نہیں ملتی لیکن شریعت و طریقت کی تمام حدود کی صحیح حفاظت کرنے والے اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے تھے ان کے کلام میں اشتباہ و اغلاق بھی کافی واقع ہوا ہے لیکن وہ بہر حال ایک کامل ولی اللہ تھے اس کے بعد امام ولی اللہ فرماتے ہیں کہ:

ثم نبتت فرقة خبيثة وهي الفرقة التي تزعم ان الله عين العالم و اعالم عين الله وانه ليس هناك حساب ولا عذاب و الذى هو محقق عندنا ان الحكم بان الله تعالىٰ فرد واحد موجود يرضى و يسخط يعفو و يواخذ واجب يقتضيه جبلة الانسان و فطرته فمن قصر في هذه العقيدة فهو زنديق كافر . (تفہیمات الٰہیہ ج ۱ص ۲۰۶)

ترجمہ: اس کے بعد ایسا خبیث فرقہ پیدا ہوا جو یہ کہتا کہ اللہ تعالیٰ عالم کا عین ہے اور عالم بھی اللہ تعالیٰ کا عین ہے (یہ حلولی اور اتحادی فرقہ ہے) اور یہ کہ کوئی حساب کتاب نہیں اور نہ ہی کوئی عذاب و مواخذہ ہے حالانکہ یہ بات ہمارے نزدیک قطعی طور پر محقق اور ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ایک فرد واحد یعنی یگانہ و یکتا اور موجود ہے جو مخلوق سے راضی ہوتا ہے اور ناراض بھی ہوتا ہے معاف کرتا ہے اور مواخذہ بھی کرتا ہے یہ حکم واعتقاد واجب ہے جس کو انسان کی جبلت اور فطرت چاہتی ہے جو شخص اس عقیدہ میں کوتاہی کرے گا تو وہ زندیق اور کافر ہوگا۔

شیخ ابوالحسن داہری کی تحقیق:

شیخ ابوالحسن داہری صاحب چکول نامہ اپنی کتاب ینابیع الحیات الابدیہ میں فرماتے ہیں کہ اے طالب صادق جان لو! کہ وہ لوگ (اللہ ان پر راضی ہو) کہتے ہیں کہ وجود واحد ہے یعنی ایک ہے اور وہ حق تعالیٰ کی ہستی ہے اور تمام موجودات کی ہستی اسی حق تعالیٰ کی ہستی ہے بعینہ بے کم وبیش لیکن جب وحدت وجود کا اطلاق کرتے ہیں تو بایں معنی نہیں کہتے کہ تمام موجودات الٰہیہ متعددہ ہیں یہ تو شرک ہے کھلا اور نہ یہ معنی کہ اللہ تعالیٰ اشیاء میں حلول کر گیا ہے یہ مذہب حلولیوں کا ہے، اور نہ یہ معنی کہ اللہ تعالیٰ مخلوقات کے ساتھ متحد ہو گیا ہے کہ کیونکہ یہ چیز تو ترکیب سے ہو سکتی ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند و برتر ہے بلکہ بایں معنی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی موجود نہیں اور تمام موجود (ہست) اسی کی ہستی ہے لیکن یہ فرق ملحوظ رکھتے ہیں کہ مراتب کی رعایت کرتے ہیں کہ ہستی کو من حیث صرافت حقیقت حق تعالیٰ کہتے ہیں اور من حیث تعینات حقائق عالم کہتے ہیں۔ (حاشیہ چکول نامہ ص ۴۲)

مولانا اشرف علی تھانویؒ شیخ اکبرؒ پر کیے جانے والے اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں ان اعتراضات میں سے ایک یہ ہے کہ معترض یہ دعویٰ کرتا ہے کہ شیخ اپنی کتابوں میں بار بار یہ کہتے ہیں کہ لا موجود الا اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی موجود نہیں (اور اس سے شرائع کا ابطال لازم آتا ہے کیونکہ سب احکام فرع وجود ہی کے ہیں جب وجود نہیں تو احکام کہاں)

جواب: شیخ نے اپنے عقیدہ صغریٰ میں جس سے فتوحات مکیہ کو شروع کیا ہے فرمایا کہ حق جل شانہ بذاتہ موجود ہے کسی موجد کی طرف اس کو احتیاج نہیں بلکہ تمام موجودات اپنے وجود میں اسی کے محتاج ہیں پس تمام عالم اس کے واسطہ سے موجود ہے اور وہ بذاتہ موجود ہے (اس قول میں تصریح ہے کہ ماسوی اللہ بھی وجود کے ساتھ متصف اور موجود ہے معلوم ہوا کہ لا موجود الا اللہ کے وہ معنی نہیں جو ظاہر امفہوم ہوتے ہیں بلکہ دوسرے معنی مراد ہیں جو عنقریب مذکور ہوتے ہیں اور شیخ نے رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کے متعلق کہ عرب کے اقوال میں سب سے سچا شعر یہ ہے۔

کہ یاد رکھو سب ماسوی اللہ باطل ہے یہ فرمایا کہ جاننا چاہیے کہ موجودات اگرچہ (اس قول میں) باطل (غیر ثابت) کے ساتھ موصوف کئے گئے ہیں تاہم وہ وجود کے اعتبار سے حق (یعنی ثابت)

بھی ہیں لیکن (غیر ثابت قرار دینے کی وجہ یہ ہے) کہ صاحب مقام پر جب مقام کا غلبہ ہوتا ہے تو وہ تمام ماسوی اللہ کو باطل دیکھتا ہے کہ اس کا وجود خود اس حیثیت سے اس کی ذات سے نہیں ہے بلکہ (غیر سے مستفاد ہے) اس لئے وہ حکم عدم میں ہے (پس وہ حقیقۃً موجود ہے اور حکماً معدوم ہے) اور یہ بھی منجملہ ان وجود کے ہے جن سے حق تعالی اپنے موجود ہونے کے اعتبار سے وجود خلق سے ممتاز ہے۔ (التنبیہ الطربی فی التنزیہ ابن عربی مطبوعہ اشرف المطابع ۴۵، ۴۶)

(نوٹ) حضرت تھانوی اور ابن عربی نے جس شعر کا ذکر کیا ہے لبید بن ربیعہ العامری کا شعر مراد ہے جو کہ زمانہ جاہلیت کے شاعر تھے اس کے شعر کے متعلق آنحضرت ﷺ نے فرمایا سب سے سچی بات جو کسی شاعر نے کہی ہے وہ لبید کا یہ قول ہے۔

الا کل شی ما خلا اللہ باطل وکل نعیم لا محالۃ زائل

یہ حدیث امام بخاری نے تین جگہ بیان کی ہے باب الجاہلیہ میں ابو ہریرہ سے کتاب الادب میں ابن بشار سے اور باب الرقاق (بخاری ص ۹۲۰) میں محمد بن مثنی سے اسی طرح امام مسلم نے محمد بن الصباح اور دوسری جماعت سے اس حدیث کو روایت کیا ہے امام ترمذی نے باب الاستیذان میں علی ابن حجر سے شمائل میں محمد بن بشار سے روایت کیا ہے ابن ماجہ نے باب الادب میں محمد بن الصباح سے اسے روایت کیا ہے۔

امام شعرانیؒ نے اعتراض مذکور کے جواب میں یہ فرمایا ہے کہ اگر اس قول لا موجود الا اللہ کی نقل ان سے ثابت ہو تو اس کے معنی یہ ہیں کہ بجز حق تعالی کے کوئی موجود بالذات نہیں ہے اور اس کے سوا سب موجود بالغیر ہیں جیسا کہ اس طرف یہ حدیث مشیر ہے الا کل شی ما خلا اللہ باطل سو جب حدیث میں بھی ماسوی اللہ کو باطل فرمایا ہے تو شیخ ہی نے اس سے زیادہ کیا کہہ دیا جس پر اعتراض کیا جاوے بس حدیث میں جو معنی ہیں غیر ثابت کے وہی معنی کلام شیخ میں ہیں غیر موجود کے یعنی غیر ثابت بالذات وغیر موجود بالذات جس شخص کی حقیقت ایسی ہو (کہ اس کا وجود بالذات نہ ہو) سو وہ عدم سے زیادہ قریب ہوگا کیونکہ وہ ایسا وجود ہوگا جس سے سابق بھی عدم ہوگا اور خود حالت وجود میں بھی وجود عدم کے درمیان دائر ہوگا کسی ایک جانب کے لئے خالص نہ ہوگا

(ہر آن میں احتمال رہے گا کہ شاید اس وقت ہی عدم طاری ہو جاوے) پس اگر ثابت بھی ہو جاوے کہ شیخ نے یہ قول کہا ہے لاموجود الا اللہ ایسی حالت میں کہا ہوگا جبکہ ان کی نظر میں سب کائنات مضمحل ہوگئی ہوگی جبکہ انہوں نے اپنے قلب سے حق تعالیٰ کا مشاہدہ کیا ہوگا جیسا کہ ابو القاسم جنیدؒ کا قول ہے کہ جو حق کا مشاہدہ کرے گا اس کو خلق نظر نہ آدے گی اور حضرت جنیدؒ باتفاق قوم اہل تمکین سے ہیں اور شیخ سے مبرا ہیں ان کا قول بھی شیخ ہی کی مثل ثابت ہے۔ (التنبیہ الطربی ص۴۶)

امام شعرانیؒ دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

اور آنچ ابن العربی کا کلام جس قدر لوگوں کی سمجھ میں نہیں ایا اور سبب اس کلام کا بلند پایہ ہونا ہے اور جس قدر ان کا کلام ظاہر شریعت اور طرق جمہور کے خلاف ہے وہ ان کے کلام میں خارج سے داخل کیا گیا ہے چنانچہ شیخ ابو الطاہر مغربی نزیل مکہ نے مجھ سے اول یہ بیان کیا پھر اس کے بعد میرے دکھلانے کے لئے فتوحات کا وہ نسخہ نکالا جس کو حضرت شیخ کے اس نسخہ سے مقابلہ کیا تھا جو شیخ کے خاص قلم کا لکھا ہوا شہر قونیہ میں تھا سو میں نے اس نسخہ میں ان عبارتوں میں سے کوئی عبارت نہیں دیکھی جن میں مجھ کو تردد تھا اور فتوحات کے اختصار کے وقت میں نے ان کو حذف کر دیا تھا۔ (التنبیہ الطربی ص۴۸)

شیخ الاسلام مخزومیؒ فرماتے ہیں کہ میں جب قاہرہ میں پہنچا جس سال ہمارے شیخ سراج الدین بلقینیؒ کی وفات ہوئی اور یہ واقعہ سنہ آٹھ سو چار میں ہوا میں نے ان سے اس امر کا تذکرہ کیا جو شیخ محی الدین کے حق میں بعض اہل شام سے سنا تھا کہ وہ حلول واتحاد کے قائل ہیں شیخ نے فرمایا معاذ اللہ اور ان کی شان اس سے بالکل ارفع ہے وہ تو اعظم آئمہ سے ہیں اور ان لوگوں سے ہیں جو کتاب وسنت کے دریاؤں میں شناوری کئے ہوئے ہیں (تو ایسا شخص کہیں ایسے امر کا قائل ہو سکتا ہے)۔ (التنبیہ الطربی ص۴۹)

امام شعرانیؒ نے تیسرے مقام پر اس کو نقل کرکے فرمایا:

پس جھوٹا ہے جس شخص نے شیخ پر افتراء کیا ہے کہ وہ حلول واتحاد کے قائل ہیں آخر میں فرمایا غالبا

منکرین نے مسئلہ مظہریت کو غلط سمجھ کر حلول میں داخل کیا ہے حالانکہ اس کو اس سے کچھ نسبت نہیں۔ (التنبیہ الطربی ص ۵۰)

اس الزام کی تردید میں مولانا تھانویؒ نے فتوحات مکیہ کی عبارت پیش کی ہے فرماتے ہیں شیخ کے عقیدہ صغریٰ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے برتر ہے کہ اس میں حوادث حلول کرے اور شجرہ الکون میں فرمایا کہ وہ فرد ہے صمد ہے نہ کسی شے کے اندر ہے نہ کسی شے کے ساتھ قائمہ ہے نہ کسی شے کا محتاج ہے نہ وہ ہیکل ہے نہ شبیہ ہے نہ صورت ہے نہ جسم ہے نہ حیز والا نہ ذی کیفیت ہے نہ مرکب ہے اس کی مثل کوئی چیز نہیں اور وہ سمیع بصیر ہے اس میں حلول واتحاد کی نہایت اہتمام کے ساتھ نفی ہے اور شیخ نے ایک کلام طویل میں فرمایا ہے کہ اتحاد کا وہی قائل ہوگا جو اہل الحاد ہوگا اور جو لوگ حلول کے قائل ہیں ہوا جہل اور فضول ہیں۔ (التنبیہ الطربی ص ۵۰)

پیر مہر علی شاہ اپنے ملفوظات میں توحید وجودی کے متعلق اخص الخواص کے عقیدہ کا بیان کے تحت فرماتے ہیں:

ظاہر بین حضرات جنہیں قدرت نے نور باطن سے نہیں نوازا اپنی کم فہمی کی وجہ سے شیخ اکبر کے مسئلہ توحید وجودی کو عقیدہ حلول سے منسوب کرتے ہیں حالانکہ شیخ نے اپنی تحریروں میں صریحا اس عقیدہ کا انکار اور رد فرمایا ہے۔

ابن عربیؒ اکابرین امت کی نظر میں:

ابن عربیؒ کے بارے میں گزشتہ صفحات میں یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ وہ نہ حلول کے قائل تھے نہ اتحاد کے نہ عینیت کے ان معانی کے اعتبار سے جو کفر ہیں۔ بلکہ وہ شریعت کی رسی کو تھامنے والے تھے اسی لیے ان سے اگر کوئی کلام ایسا ظاہر ہوا تو وہ حالت سکر میں ہوا جو قابل مواخذہ نہیں۔

حضرت امداد اللہ مہاجر مکیؒ فرماتے ہیں شیخ الشیوخ ہمعصر اور ہم وطن ابن عربی لوگوں نے شیخ اکبر کا حال ان سے پوچھا فرمایا الھو زندیق آدمی ان کے صحبت سے اعراض کرتے تھے جب انہوں نے وفات پائی لوگوں نے شیخ الشیوخ سے ان سے آخرت کا حال دریافت کیا ارشاد ہوا سات قطب الوقت من کان ولی اللہ تمام لوگ متعجب ہوئے عرض کیا کہ کیوں ان کو زندیق کہہ کر ہم کو استفادہ

سے محروم رکھا جواب میں فرمایا کہ وہ ولی واصل بحق تھے لیکن جذبہ قوی رکھتے تھے ہر چند مقرب بارگاہ تھے مگر قابل اتباع نہ تھے اخیر زمانہ میں مجذوب ہو گئے تھے اور زبان ان کی افشاء اسرار میں بے اختیار ہو گئی تھی اگر تم لوگ ان کی صحبت میں رہتے تو گمراہ ہو جاتے کیونکہ غلبہ حال سے ایسی ایسی باتیں کرتے تھے جو تمہارے سمجھ میں آنے کے قابل نہ تھیں اور عوام کے لئے نقصان رساں تھیں۔ اگر خیال کرو تو میں نے تمہارے اوپر احسان کیا پس اس جگہ فرمانا چاہیے کہ ہم لوگوں کا کیا منصب ہے کہ کس و ناکس بازاریوں سے مسئلہ وحدۃ الوجود وحدۃ الموجود کا ذکر کریں اور عوام کو تھوڑا بہت ایمان تقلیدی رکھتے ہیں اس ایمان سے بھی بے نصیب کریں اس معاملہ میں گفتگو فضول ہے بلکہ اپنا وقت اور عوام کا اعتقاد ضائع کرنا ہے۔ (شمائم امدادیہ ص ۳۲)

فتوحات میں شیخ ابن العربیؒ کا قول ہے کہ جو حقیقت خلاف شریعت ہو وہ زندقہ باطلہ ہے نیز فتوحات میں ہے کہ ہمارے لئے اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا کوئی رستہ نہیں بجز اس طریقہ کے جو مشروع فرمایا ہے مکرر فرمایا کہ ہمارے لئے اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا کوئی رستہ نہیں بجز اس کے جس کو شروع فرمایا۔ (التنبیہ الطربی ص ۷)

شیخ ابن العربی کا ارشاد ہے جو شخص میزان شریعت کو ایک لحظہ بھی اپنے ہاتھ سے پھینک دے گا وہ ہلاک ہو جائے گا۔ (التنبیہ الطربی ص ۴۹)

نیز فتوحات کے باب تین سو بیاسی میں شیخ نے فرمایا کہ جو شخص غوامض شریعت کے سمجھنے اور مشکلات علوم توحید کے حل کرنے کی طرف آنا چاہے اس کو چاہیے کہ اپنی عقل و رائے کے حکم کو چھوڑ دے اور شرع ربانی کو اپنا پیشوا بنائے۔ (التنبیہ الطربی ص ۸)

امام شعرانی ابن عربیؒ کی کلام کو اپنی تائید میں پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اعلم ان مما يويد هذه الميزان ما اجمع عليه اهل الكشف و صرح به الشيخ محى الدين فى الكلام على مسح الخف من الفتوحات. (المیزان الکبریٰ للشعرانی ص ۴۶)

ترجمہ:۔ جان لو کہ اس میزان کی جو چیز تائید کرتی ہے وہ وہ چیز ہے جس پر اہل کشف کا اجماع ہے اور شیخ ابن عربی نے فتوحات میں مسئلہ خف پر اس کی تصریح کی ہے۔

امام شعرانیؒ دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

فان قلت فهل ما وقع من رسول اللهﷺ ليلة الاسراء من المراجعة فى شان الصلوة كان اجتهادا منه ام لا فالجواب كما قال الشيخ محى الدين كان ذلك منه اجتهاد(المیزان الکبری للشعرانی ص ۵۸)

ترجمہ: پس اگر تو کہے کہ رسول اللہﷺ نے معراج کی رات جو نماز کے بارے میں بار بار رجوع کیا کیا وہ آپ کے اجتہاد سے تھا؟ پس جواب یہ ہے جیسا کہ شیخ محی الدین ابن عربیؒ نے فرمایا کہ یہ رجوع کرنا اپنے اجتہاد سے تھا۔

(نوٹ) امام شعرانیؒ کا ان دونوں مقامات پر ابن عربیؒ کے قول کو اپنی تائید میں پیش کرنا ان کی امامت پر دلالت ہے۔

قال ابن مسدى فى جملة ترجمته كان جميل الجملة و التفصيل محصلا لفنون العلم اخص تحصيل وله فى الادب الشاو الذى لا يلحق و التقدم الذى لا يسبق قال و كان ظاهرى المذهب فى العبادات باطنى النظر فى الاعتقادات خاض بحار تلك العبادات و تحقق بمحيا تلك الاشارات و تصانيفه تشهد له عند اولى البصر بالتقدم و الاقدام و مواقف النهايات فى مزالق الاقدام و لهذا ما ارتبث فى امره والله تعالىٰ اعلم بسره.(التاج المکلل ص ۱۳۱)

ترجمہ: ابن مسدیؒ آپ کے جملہ حالات میں کہا ہے کہ اجمال وتفصیل کے لحاظ سے اچھے تھے فنون علم کو خاص طور پر حاصل کرنے والے تھے۔ وہ ادب میں اس مقام پر پہنچے کہ کوئی ان کو نہ پاسکا اور ایسے آگے بڑھے کہ کوئی ان سے سبقت نہ کرسکا عبادات میں ظاہر المذہب تھے اور اعتقادات میں باطنی النظر تھے انہوں نے عبادات کے سمندر میں غوطہ خوری کی اور ان اشارات کو زندہ کیا اور ان کی تصانیف اہل بصیرت کے نزدیک ان کے تقدم کی گواہی دے رہی ہے۔

قال الشيخ شمس الدين الذهبى ان له توسعا فى الكلام و ذكاء وقوة خاطر حافظة و تدقيقا فى التصوف و تاليف جمة فى العرفان معتبرة ولو لا شطحة فى الكلام لم يكن به با ولعل ذلك وقع منه حال سكره و غيبته فيرجى له الخير انتهى.(التاج المکلل ص ۱۳۱)

ترجمہ: شمس الدین ذہبیؒ فرماتے ہیں ان کے لئے کلام میں توسع تھا ذہین تھے قوی الحافظہ تھے تصوف میں دقیق النظر تھے ان کی ایسی عمدہ تالیفات ہیں جو علم وعرفان میں معتبر ہیں۔ اگر ان کے کلام میں شطحیات نہ ہوتیں تو کوئی حرج نہ تھا شاید ان سے حالت غیبوبت وسکر میں شطحیات کا صدور ہوا ان کے لئے خیر کی امید کی جاتی ہے۔

حافظ ذہبیؒ اور ابن عربیؒ:

حافظ ابوعبداللہ ذہبی (صاحب اسماء الرجال) سے شیخ محی الدین کے اس قول کی نسبت جو انہوں نے اپنی کتاب فصوص میں کہا ہے کہ انہوں نے اس کتاب کو حضرۃ نبویہ کی اذان سے بنایا ہے پوچھا گیا انہوں نے فرمایا میں یہ گمان نہیں کرتا کہ ایسا شیخ جھوٹ کہتا ہو حالانکہ حافظ ذہبی شیخ پر اور جماعت صوفیہ پر شدت کے ساتھ نکیر کرنے والوں میں ہیں یہ بھی اور ابن تیمیہ بھی (التنبیہ الطربی ص ۲۰)

حضرت مجددؒ ابن عربیؒ کے بارے میں لکھتے ہیں:

انہوں نے کمال معرفت سے اس مسئلہ دقیقہ کو شرح کیا اور ابواب اور فصلوں میں تقسیم کر کے صرف و نحو کی طرح جمع کیا باوجود اس امر کے پھر بھی طائفہ میں سے بعض نے اس کی مراد کو نہ سمجھ کر ان کو خطا کی طرف منسوب کیا اور ان پر طعن وملامت کی اس مسئلہ کی اکثر تحقیقات میں شیخ حق پر ہیں اور ان پر طعن کرنے والے دور از ثواب ہیں شیخ کی بزرگی اور ان کے علم کی زیادت اس مسئلہ کی تحقیق سے معلوم کرنی چاہیے اور ان پر رد وطعن نہ کرنی چاہیے۔ (مکتوبات ص ۲۷ دفتر سوم)

دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

اس بارے میں جو کچھ اس فقیر پر ظاہر کیا گیا ہے مفصل بیان کرتا ہے پہلے شیخ محی الدین ابن عربیؒ کا جو متاخرین صوفیاء کا امام مقتدا ہے اس مسئلہ میں جو مذہب ہے وہ بیان کرتا ہے۔ (مکتوبات ص ۲۳ ج ۲)

تیسرے مقام پر حضرت مجددؒ فرماتے ہیں:

یہ فقیر شیخ محی الدین کو مقبولین میں سمجھتا ہے لیکن ان کے وہ علوم جو جمہور کے عقائد اور کتاب وسنت

کے ظواہر کے خلاف ہیں ان کو خطا اور مضر سمجھتا ہے لوگوں نے ان کے بارے میں افراط و تفریط کی راہ اختیار کی ہے اور وہ میانہ روی سے دور جا پڑے ہیں ایک جماعت شیخ پر زبان طعن وملامت دراز کرتی ہے اور ان کے معارف وحقائق کا بھی انکار کرتی ہے دوسری جماعت نے شیخ کی مکمل تقلید اختیار کی ہے اور ان کے تمام معارف وحقائق بر سر حق سمجھتی ہے اور دلائل وشواہد سے ان کی حقیقت ثابت کرتی ہے اس میں شک نہیں کہ دونوں فریقوں نے افراط وتفریط کی راہ اختیار کی ہے اور وہ میانہ روی سے دور جا پڑے ہیں.......... عجیب معاملہ ہے کہ شیخ محی الدین مقبولین حق میں نظر آتے ہیں اور ان کے اکثر معارف وتحقیقات جو اہل حق کے خلاف ہیں خطاء ناصواب نظر آتے ہیں۔ (مکتوب ۲۶۶ دفتر اول)

مؤرخ الاسلام مولانا ابوالحسن ندویؒ لکھتے ہیں:

شیخ محی الدین ابن عربیؒ نے ۶۳۸ھ میں ابن تیمیہ کی ولادت سے ۲۳ سال پیشتر وفات پائی تھی ان کی کتابیں خصوصاً فتوحات مکیہ اور فصوص الحکم عام طور پر متداول تھیں اور علمی حلقوں میں وقعت کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھیں۔ (تاریخ دعوت وعزیمت ص ۶۸ حصہ دوم)

ابن تیمیہؒ باوجود ابن عربیؒ کے مخالف ہونے کے لکھتے ہیں:

وھذہ المعانی کلھا ھی قول صاحب الفصوص و اللہ تعالیٰ اعلم بما مات الرجل علیہ و اللہ یغفر لجمیع المسلمین والمسلمات والمؤمنین والمؤمنات الاحیاء منھم والاموات ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلاللذین امنو ربنا انک رئوف رحیم.

ترجمہ: یہ تمام مضامین صاحب فصوص کے اقوال میں اللہ تعالیٰ ہی کو علم ہے کہ انکا خاتمہ کس چیز پر ہوا اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں مردوں اور عورتوں زندہ ومردہ کی مغفرت فرمائے اے ہمارے پروردگار ہماری اور ہمارے ان بھائیوں کی مغفرت فرما دے جو ہم سے پہلے ایمان کے ساتھ چلے گئے اور ہمارے دلوں میں اہل ایمان کی طرف سے کھوٹ نہ رکھے ہمارے پروردگار تو بڑی شفقت والا مہربان ہے۔ (مکتوب شیخ الاسلام بنام شیخ نصر المنبجی مندرجہ جلاء العینین ص ۵۷)

دوسرے مقام میں فرماتے ہیں:

واما الفاجر التلمساني فهوا خبث القوم واعمقهم في الكفر فانه لا يفرق بين الوجود والثبوت كما يفرق ابن عربي.

ترجمہ: باقی رہا تلمسانی فاسق تو اس گروہ میں اس کی خباثت سب سے بڑھی ہوئی تھی اور کفر میں وہ سب سے گہرا ہے اس لئے کہ وہ وجود و ثبوت کے درمیان اس طرح بھی فرق نہیں کرتا جس طرح ابن عربی کرتے ہیں۔(ایضاً ص ۵۸)

تیسرے مقام پر لکھتے ہیں:

لكن ابن عربي اقربهم الى الاسلام و احسن كلاما في مواضع كثيرة فانه يفرق بين المظاهر والظاهر فيقر الامر والنهي والشرائع على ماهي عليه ويامر بالسلوك بكثير مما امربه المشائخ من الاخلاق و العبادات و لهذا كثير من العباد يا خذون من كلامه سلوكهم فينتفعون بذالك وان كانوا لا يفقهون حقائقه و من فهمها منهم و وافقه فقد تبين قوله.

ترجمہ: ابن عربی ان لوگوں میں اسلام سے قریب تر ہیں اور ان کا کلام بہت سے مقامات پر نسبتاً ہے اس لئے وہ مظاہر اور ظاہر میں فرق کرتے ہیں۔امر و نہی اور شرائع واحکام کو اپنی جگہ رکھتے ہیں مشائخ واحکام کو اپنی جگہ رکھتے ہیں مشائخ نے جن اخلاق و عبادات کی تاکید کی ہے ان کو اختیار کرنے کا مشورہ دیتے ہیں اس لئے بہت سے عابد و صوفی ان کے کلام سے سلوک کو اخذ کرتے ہیں اگر چہ وہ ان کے حقائق کو اچھی طرح نہیں سمجھتے ان میں سے جو ان حقائق کو سمجھ لیتے ہیں اور ان کی موافقت کرتے ہیں ان پر ان کے کلام کی حقیقت منکشف ہو جاتی ہے۔(جلاء العینین ص ۵۷)

شیخ الاسلام مخزومیؒ اور ابن عربیؒ:

شیخ الاسلام مخزومیؒ فرماتے ہیں کہ میں جب قاہرہ میں پہنچا جس سال ہمارے شیخ سراج الدین بلقینیؒ کی وفات ہوئی اور یہ واقعہ سنہ آٹھ سو چار میں ہوا میں نے ان سے اس امر کا تذکرہ کیا جو شیخ محی الدین کے حق میں بعض اہل شام سے سنا تھا کہ وہ حلول و اتحاد کے قائل ہیں شیخ نے فرمایا معاذ اللہ

اور فرمایا ان کی شان اس سے بالکل ارفع ہے وہ تو اعظم آئمہ سے ہیں اور ان لوگوں سے ہیں جو کتاب وسنت کے دریاؤں میں شناوری کئے ہوئے ہیں (تو ایسا کہیں ایسے امر کا قائل ہوسکتا ہے۔(التنبیہ الطربی ۴۹)

دوسرے مقام پر شیخ الاسلامؒ پر فرماتے ہیں:

اپنے کو شیخ محی الدین کے کلام پر (معاندانہ) نکیر کرنے سے بہت بچانا کیونکہ اولیاء کے گوشت زہر آلود ہیں اور ان سے بغض رکھنے والے کے دین کا برباد ہو جانا ایک مسلم بات ہے اور جو شخص ان سے بغض رکھتا ہے وہ نصرانی ہو کر مرتا ہے۔ جو شخص ان کی شان میں گستاخی کے ساتھ زبان درازی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو موت قلب میں مبتلا کرتا ہے۔ (التنبیہ الطربی ۴۹)

شیخ قطب الدین شیرازیؒ اور ابن عربیؒ:

شیخ محی الدینؒ علوم شریعت وحقیقت میں کامل تھے ان کی شان میں وہی شخص جرح وقدح کرتا ہے جو ان کے کلام کو نہیں سمجھتا۔ (التنبیہ الطربی ۲۰)

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور ابن عربیؒ:

حضرت شاہ ولی اللہؒ اپنے مکتوب مدنی کے خطبہ کے شروع میں فرماتے ہیں:

قد وصل الی کتابکم الذی سالتمونی فیه ان وحدة الوجود علی ما ذکره الشیخ الاکبر و اتباعه و عن وحدة الشهود علی علی ما ذکره الشیخ المجددؒ و هل یمکن التطبیق بینهما رضی الله تعالیٰ عن الجمیع و ارضاهم .(مکتوب مدنی ص۱)

ترجمہ: تحقیق میرے پاس تمہارا خط پہنچا ہے جس میں تم نے مجھ سے وحدۃ الوجود جیسا کہ شیخ اکبرؒ اور ان کے متبعین نے ذکر کیا ہے اور وحدۃ الشہود جیسا کہ شیخ مجددؒ نے ذکر کیا ہے ان کے بارے میں سوال کیا ہے اور پوچھا ہے کہ کیا ان دونوں کے درمیان (اللہ ان سے راضی ہو اور ان کو روضی کرے) تطبیق ممکن ہے۔ شاہ ولی اللہؒ دونوں حضرات کو دعا دے رہے ہیں اور ابن عربی کو الشیخ الاکبر کے لقب سے ذکر فرما رہے ہیں اس سے ان کے نزدیک ابن عربی کا مقام واضح ہوتا ہے۔

حضرت الشاہ رفیع الدین محدث دہلویؒ اور ابن عربیؒ:

حضرت الشاہ رفیع الدین محدث دہلویؒ ابن عربیؒ کا ذکر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

الشیخ الاکبر و الکبریت الاحمر فاتح الطریقة الولایة و کاتمها ناشر برد المعرفة و ناظمها الداعی الی طریق الهدایة الخائض فی بحار العنایة صاحب الکرامات البدیعة و المقامات الرفیعة ابی عبدالله محمد بن علی بن محمد ابن العربی الطائی المغربی المالکی (دمغ الباطل ص ۹۹)

شاہ رفیع الدین کا ان جلیل الشان القابات کے ساتھ ابن عربی کا ذکر فرمانا اس بات پر دلالت کرتا ہے ان کے ہاں ابن عربی کا مقام کس قدر بلند تھا۔

شاعر مشرقؒ اور ابن عربیؒ:

علامہ اقبالؒ کو کیمبرج یونیورسٹی میں زمان و مکان کے متعلق حضرت شیخ اکبر کے نظریہ پر لیکچر دینا تھا لیکن انہیں بھی موت نے مہلت نہ دی انہوں نے اس موقع پر حضرت پیر مہر علی شاہؒ کو ایک عریضہ لکھا ان کے عریضہ کی نقل اقبال نامہ جلد اول میں شائع ہو چکی ہے تاہم یہاں بھی درج کی جاتی ہے۔

لاہور ۱۸ اگست ۱۹۳۳ء

مخدوم و مکرم حضرت قبلہ السلام علیکم!

اگر چہ زیارت اور استفادہ کا شوق ایک مدت سے ہے تاہم اس سے پہلے شرف نیاز حاصل نہیں ہوا اب اس محرومی کی تلافی اس عریضہ سے کرتا ہوں گو مجھے اندیشہ ہے کہ اس خط کا جواب لکھنے یا لکھوانے میں جناب کو زحمت ہوگی بہر حال جناب کی وسعت اخلاق پر بھروسہ کرتے ہوئے یہ چند سطور لکھنے کی جرات کرتا ہوں کہ اس وقت ہندوستان بھر میں کوئی اور دروازہ نہیں جو پیش نظر مقصد کے لئے کھٹکایا جائے میں نے گذشتہ سال انگلستان میں حضرت مجدد الف ثانی پر ایک تقریر کی تھی جو وہاں کے اداشناس لوگوں میں بہت مقبول ہوئی اب پھر ادھر جانے کا قصد ہے اور اس سفر میں حضرت محی الدین ابن عربیؒ پر کچھ لکھنے کا ارادہ ہے نظر بایں حال چند امور دریافت طلب ہیں جناب کے اخلاق

کریمانہ سے بعید نہ ہوگا اگر سوالات کا جواب شافی مرحمت فرمایا جائے۔

(۱) اول یہ کہ حضرت شیخ اکبرؒ نے تعلیم حقیقت زمان کے متعلق کیا کہا ہے اور آئمہ متکلمین سے کہاں تک مختلف ہے۔ (۲) یہ تعلیم شیخ اکبرؒ کی کون کون سی کتب میں پائی جاتی ہے اور کہاں کہاں؟ اس سوال کا مقصود یہ ہے کہ سوال اول کے جواب کی روشنی میں خود بھی ان مقامات کا مطالعہ کر سکوں۔

(۳) حضرات صوفیہ میں اگر کسی بزرگ نے بھی حقیقت زمان پر بحث کی ہو تو ان بزرگ کے ارشادات کے نشان بھی مطلوب ہیں مولوی سید انور شاہ صاحب مرحوم و مغفور نے مجھے عربی کا ایک رسالہ مرحمت فرمایا تھا اس کا نام تھا درایۃ الزمان جناب کو ضرور اس کا علم ہوگا میں نے یہ رسالہ دیکھا مگر چونکہ یہ رسالہ بہت مختصر ہے اس لئے مزید روشنی کی ضرورت ہے۔

میں نے سنا ہے کہ جناب نے درس و تدریس کا سلسلہ ترک فرما دیا اس لئے مجھے یہ عریضہ لکھنے میں تامل تھا لیکن مقصود چونکہ خدمت اسلام ہے مجھے یقین ہے کہ اس تصدیقہ کے لئے جناب معاف فرمائیں گے باقی التماس دعا مخلص محمد اقبال۔ (مہر منیر ص ۳۲۶)

علامہ کے اس مکتوب سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ ان کے دل میں شیخ اکبرؒ اور ان کے ہم خیال عرفاء کامل کا کس قدر زیادہ احترام تھا اور وہ ان کی علمی جلالت اور عرفانی بصیرت کے کس درجہ معتقد تھے۔

نواب صدیق حسن خان لکھتے:

وقال بعضهم ان مصنفاته بلغت نيفا و اربعمائة مصنف و كان يقوم بالقدم و ذهب في ذالك مذهب بعض المتصوفة فكفره بعضهم و رموه بضعف المعتقد انكر عليه قوم لاجل كلمات و الفاظ وقعت في كتبه قد قصرت افهامهم عن ادراک معانيها اما المحققون فقد اجمعوا على جلالته في سائر العلوم و انكر وا على من يطالع كلامه من غير سلوک طريق الرياضة خوفا من حصول شبة في معتقده و كراماته و مناقبه كثيرة لا تحصى (التاج المکلل ص۱۲۳)

ترجمہ: اور بعض نے فرمایا ان کی تصنیفات کی تعداد چار سو سے کچھ اوپر ہے اور وہ قدم کے قائل تھے اور اس مسئلہ میں بعض صوفیا کے مسلک کو اختیار کیا پس بعض نے ان کی تکفیر کی ہے اور ان کی نسبت

ضعف اعتقاد کی طرف ہے اور ایک قوم نے ان پر ان کے ان کلمات اور ان الفاظ کی وجہ سے اعتراض کیا ہے جو ان کی کتب میں واقع ہوئے ہیں۔ حالانکہ اعتراض کرنے والوں کی فہم ان کے معانی کے ادراک سے قاصی تھی بہرحال محققین تمام علوم میں ان کی عظمت شان کے قائل ہیں اور جو بغیر ریاضت کے سلوک کو طے کیے ہوئے ان کی کتب کا مطالعہ کرتا ہے اس پر اعتراض کرتے ہیں اس خوف سے کہ وہ آپ کے اعتقاد و کرامات کے بارے میں شبہ میں پڑ جائے گا آپ کے مناقب اس قدر کثیر ہیں کہ شمار سے باہر ہیں۔

آگے لکھتے ہیں:

وهو حجة الله الظاهرة وايته الباهرة و قد تصدى للانتصار له والاذعان لفضله من فحول العلماء الجم الغفير (التاج المکلل ص۱۳۳)

ترجمہ: وہ اللہ کی ظاہری حجت تھے، واضح نشانی تھے، بڑے بڑے علماء میں سے ایک جم غفیر نے آپ کی مدد کی ہے اور آپ کی فضیلت کے قائل ہوئے ہیں۔

واما كتبه و مصنفاته فالبحور الزواجر التى لكثرتها و جواهرها لا يعرف لها اول ولا اخر ما وضع الواضعون مثلها والما خص الله بمعرفة قدرها اهلها ومن خواص كتبه ان من واظب على مطالعها و النظر فيها و تامل مافى مبانيها انشرح صدره لحل المشكلات و فك المعضلات و هذا الشان لايكون الا لانفاس من خصه الله بالعلوم اللدنية الربانية (التاج المکلل ص۱۳۳)

ترجمہ: بہرحال آپ کی تصانیف و کتب ایسے سمندر ہیں کہ جو جواہرات اور کثرت کی وجہ سے نہ انکا اول معلوم ہوتا ہے اور نہ آخر ان کی مثل کتب کسی نے تصنیف نہیں کیں اللہ تعالیٰ نے ان کی معرفت کے ساتھ اس کو ہی خاص کیا جو اس کا اہل و حقدار تھا آپ کی کتب کے خواص میں سے ہے جو مواظبت کے ساتھ ان کا مطالعہ کرتا ہے اور ان میں نظر کرتا ہے اور اس کے مبانی میں نظر کرتا ہے تو مشکلات کے حل اور معضلات کے کھولنے کے لئے اس کا سینہ کھل جاتا ہے۔ اور یہ مقام انہی لوگوں کا ہوتا ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے وہبی علوم کے ساتھ خاص طور پر نوازا ہو۔

نیز لکھتے ہیں:

قال وله من المحاسن مالا يحصى و بالجملة فهو حجة الله الظاهر و آيته الكباهرة اما كراماته فلا تحصرها مجلدات قال الشعراني و قول المنكرين في حقه مثل غثاء و هباء لا يعباء به.

ترجمہ: اور میں کہتا ہوں کہ آپ کے اس قدر محاسن ہیں کہ شمار سے باہر ہیں آپ اللہ کی واضح حجت تھے اور واضح نشانی تھے آپ کی کرامات کا کئی جلدوں میں بھی سانا مشکل ہے امام شعرانی فرماتے ہیں آپ کے مخالفین کے اقوال مثل دھول اور راکھ کی ہے ان کی کچھ پرواہ نہیں۔

آخر میں لکھتے ہیں:

فجزا الله عنا و عن سائر المسلمين جزاء حسنا افاض علينا من انواره و كسانا من حلل اسراره و سقانا من حميا شرابه و حشرنا في زمرة احبابه بجاه سيد اصفيائه و خاتم انبيائه ﷺ (التاج المکلل ص ۱۲۵)

ترجمہ: پس اللہ ان کو سب مسلمانوں کی طرف سے عمدہ جزا دے اور ہم پر ان کے انوارات کی بارش کرے۔ اور آپ کے اسرار کے زیورات سے ہم کو بھی زیور پہنائے اور آپ کے چشمہ سے ہمیں بھی سیرات کرے۔ اور ہمارا حشر آپ کے احباب و متعلقین میں کرے، عمدہ انسانوں کے سردار خاتم انبیاء ﷺ کے واسطے سے۔

مشہور غیر مقلد نواب وحید الزمان لکھتے ہیں:

و شيخنا ابن تيميه قد شدد الانكار على ابن عربي و تبعه الحافظ و التفتازاني و عندي انهم لم يفهموا مراد الشيخ و لم يمعنوا النظر فيه و انما او حشتهم ظواهر الفاظ الشيخ في الفصوص و لو نظروا في الفتوحات لعرفوا ان الشيخ رحمه الله من اهل الحديث اصولا و فروعا و ان من اشد الرادين على ارباب التقليد. (ہدیۃ المہدی ص ۵۱)

ترجمہ: اور ہمارے شیخ ابن تیمیہؒ نے ابن عربیؒ کی سخت مخالفت کی ہے اور حافظ ابن حجرؒ اور علامہ تفتازانیؒ نے بھی ان کی اتباع کی ہے۔ اور میرے نزدیک انہوں نے شیخ کی مراد کو نہیں سمجھا اور نہ ان کے کلام کو گہری نظر سے دیکھا ہے۔ ان کو شیخ کے ان الفاظ کے ظواہر نے وحشت میں ڈال دیا جو

کہ فصوص الحکم میں ہیں اگر وہ فتوحات مکیہ میں نظر کرتے تو وہ جان لیتے کہ شیخ تو اہل حدیث تھے اصولاً وفروعاً اور مقلدین پر سخت رد کرنے والوں میں سے تھے۔

نیز لکھتے ہیں:

قال الشیخ احمد انا مخالف للشیخ و اقول انه اخطا فی هذه المسئلة و مع ذلک هو من اولیاء الله تعالیٰ و الذی یلمه و ینکر علیه هو فی الخطر (ایضاً ص ۵۱)

ترجمہ: شیخ مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں میں شیخ ابن عربی کا مخالف ہوں اور میں کہتا ہوں کہ انہوں نے اس مسئلہ میں خطا کی اس کے باوجود وہ اولیاء اللہ میں تھے اور وہ شخص جو ان کی مذمت اور ان کی مخالفت کرتا ہے وہ خطرے میں ہے۔

تیسرے مقام پر فرماتے ہیں:

قال السید من اصحابنا اعتقدنا من الشیخ الاجل محی الدین بن العربی و الشیخ حمد السرهندی الهما من صفوة عبدالله (ایضاً:۵۱)

ترجمہ: اور ہمارے نواب صدیق حسن خان ابن عربیؒ اور شیخ احمد سرہندیؒ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ وہ دونوں اللہ کے برگزیدہ بندوں میں سے تھے۔

ڈاکٹر اسرار صاحب داؤد غزنوی کے حالات میں لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ مولانا داؤد غزنوی نے شیخ محی الدین ابن عربیؒ کے بارے میں فرمایا کہ حضرت ابن عربیؒ کا نظریہ وحدت وجود پر سب سے سخت تنقید حضرت مجدد الف ثانیؒ نے فرمائی اور شدید ترین اختلاف کا اظہار کیا۔ لیکن اس کے باوجود ان کا ادب واحترام جس درجہ انہوں نے ملحوظ رکھا اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ مکتوبات میں ایک مقام پر آپ تحریر فرماتے ہیں من زلۃ برادرخوان ایشانم، لیکن چہ کنم؟ معاملہ صفات باری تعالیٰ است ــــ شیخ محی الدین ابن عربیؒ کے حضرت کا تعظیم آمیز کلمہ تو بہت ہی حیرانی کا موجب ہوا چنانچہ جمعہ کے بعد جب ایک جگہ کھانے پر ملاقات ہوئی تو مجھ سے نہ رہا گیا تو میں نے عرض کر ہی دیا کہ حضرت! آپ نے ابن عربیؒ کا تذکرہ تعظیم وتکریم کے ساتھ کیا حالانکہ امام ابن تیمیہ کی رائے ان کے بارے میں بہت سخت ہے۔ اس کا جو جواب مولانا مرحوم نے دیا وہ اس قابل ہے کہ

سنہری حروف سے لکھا جائے اور دین کے تمام خادم اس کو حرز جان بنالیں میری بات سن کر مولانا قدرے توقف کے بعد فرمایا:

ڈاکٹر صاحب! ابن تیمیہؒ اور ابن عربیؒ دونوں ہی ہمارے بزرگ ہیں اپنے آپس کے اختلاف کو وہ جانیں، ہم خورد ہیں اور خورد رہنے ہی میں عافیت سمجھتے ہیں۔ مولانا نے یہ الفاظ اتنے شدید تاثر کے ساتھ فرمائے کہ ساتھ ہی ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ واقعہ یہ ہے کہ میں عرض نہیں کر سکتا کہ مولانا کے اس منکسرانہ قول سے میرے دل میں ان کی عزت میں ایک دم کس قدر اضافہ ہوا اور ان کا احترام کتنا بڑھ گیا۔ (سوانح مولانا داؤد غزنوی ص ۸۸)

گذشتہ عبارات سے معلوم ہو گیا کہ ابن عربیؒ کا دامن، لگائے گئے الزامات سے پاک ہے۔ اور اگر کبھی اس قسم کا کلام ان سے ظاہر ہوا بھی تو حالت سکر میں ہوا اس لئے معذور رہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حدیث من صلی علی عند قبری

پر اعتراض کا جواب

محترم مدیر اعلیٰ صاحب۔۔۔۔۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ بعد از سلام عرض ہے کہ بندہ بحمد اللہ تعالیٰ اس سے قبل قافلہ حق دونوں شمارے پڑھ چکا ہے۔ بحمد اللہ ابتدا سے یہ رسالہ خاص مقبولیت حاصل کر چکا ہے اور اس سے قلبی راحت نصیب ہوتی ہے۔ خاص کر علامہ عبدالغفار ذھبی صاحب کا مضمون "زبیر علی زئی کذاب کے 10 جھوٹ" تو بہت عمدہ تھا۔ اصل میں اس دجال کا ابھی تعاقب نہیں ہوا اس لئے اس کا قلم شتر بے مہار کی طرح چلتا رہا اب ان شاء اللہ اس کے قلم کو لگام لگے گی اور اس کے بزعم خود دلائل و براھین ھباء منثورا ثابت ہوں گے۔ حضرت خط لکھنے کا مقصد یہ تھا کہ تازہ شمارہ الحدیث میں زبیر علی زئی منکر حدیث نے حدیث من صلی علی عند قبری پر جرح کی ہے۔ امید ہے آپ کے پاس شمارہ موجود ہوگا۔ یہ جرح جمادی الاخریٰ کے شمارہ ص12 ,11 پر موجود ہے۔

مہربانی فرما کر آئندہ شمارہ میں اس کا جواب عنایت فرمائیں۔ بندہ کی طرف سے جرنیل حنفیت مولانا محمد الیاس گھمن اور محقق العصر علامہ عبدالغفار ذھبی کی خدمت میں بھی سلام۔ آپ کے حیدر آباد کے سفر پر ملاقات نہ ہو سکی۔ اب عنقریب ان شاء اللہ حاضری دوں گا۔

والسلام نعمان غنی (حیدر آباد)

برادرم بھائی نعمان صاحب!

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبراکاتہ! منکر حدیث مختلف طریقوں سے انکار حدیث کرتے رہتے ہیں زبیر علی زئی منکر حدیث علیہ ما علیہ بھی انہی میں سے ہے اور اس نے بھی انکار حدیث کا ٹھیکہ اٹھایا ہوا ہے (اسکی جزا وہ روز جزا ہی پائے گا) زبیر نے اس حدیث کی دو سندوں پر جرح کی ہے۔

ہم پہلے زبیر کی عبارت کو من وعن نقل کرتے ہیں اور پھر جواب۔

سوال: جو درود نبی ﷺ کی قبر مبارک کے پاس پڑھا جاتا ہے۔ کیا آپ ﷺ اسے بنفسہ سماعت فرماتے ہیں؟ دلیل سے واضح کریں۔ (فرحان الٰہی، راولپنڈی)

الجواب: ایک روایت میں آیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

"من صلی علی عند قبری سمعته و من صلی علی نائیاً ابلغته" جو شخص مجھ پر میری قبر کے پاس درود پڑھتا ہے تو میں اسے سنتا ہوں اور جو شخص مجھ پر دور سے درود پڑھتا ہے تو وہ مجھے پہنچایا جاتا ہے۔ (کتاب الضعفاء للعقیلی ص 137 , 136 ج 4، مصنفات ابن جعفر البختری 735۔ شعیب الایمان للبیہقی: 1583، کتاب الموضوعات لابن جوزی ج 1 ص 303 ح 562، امالی بن شمعون بلغتہ آخر: 255، تاریخ دمشق لابن عساکر ص 220 ج 59)

العقیلی نے کہا: "لا اصل له من حدیث الاعمش" اعمش کی حدیث سے اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ (ص ۱۳۷ ج ۴) ۲۔ ابن الجوزیؒ نے کہا "هذا حدیث لا یصح" یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ الموضوعات ص ۳۰۳ ج ۱) اسکا راوی محمد بن مروان السدی ہے جسکے بارے میں ابن نمیر نے کہا "کذاب" (الضعفا للعقیلی ج ۱ ص ۱۳۶ وسندہ حسن، الحدیث ۲۴ ص ۵۲) امام بخاریؒ اور امام ابو حاتم رازیؒ نے کہا اس کی حدیث بالکل نہیں لکھی جاتی۔ (الضعفاء الصغیر ۳۵۰، الجرح والتعدیل ج ۸ ص ۸۶)

ابن حبان نے کہا یہ ثقہ راویوں سے موضوع حدیثیں بیان کرتا تھا (المجروحین 286/2 الحدیث ۲۴ ص ۵۲) معلوم ہوا کہ یہ سند موضوع ہے۔ حافظ ابن القیمؒ نے ابو الشیخ (الاصبہانی) کی منسوب کتاب "الصلوۃ علی النبی ﷺ" سے اس کی دوسری سند دریافت کی ہے۔ (دیکھئے جلا الافہام ص ۵۴) اس کی سند میں عبدالرحمن بن احمد الاعرج مجہول الحال راوی ہے لہذا یہ سند ابو معاویہ العزیر تک بھی ثابت نہیں ہے۔ سلیمان بن مہران الاعمش مشہور مدلس تھے اور ان کی عن والی روایت ابو صالح سے ہو یا کسی اور سے غیر صحیحین میں ضعیف ہی ہوتی ہے۔ دیکھیے ماہنامہ الحدیث ۳۳ ص ۳۸ تا ۴۳ حافظ ذہبی کا اعمش کی ابو صالح وغیرہ سے روایت کو محمول علی الاتصال قرار دینا غلط ہے۔

خلاصۃ التحقیق: یہ روایت دونوں سندوں کے ساتھ ضعیف یعنی مردود ہے نیز دیکھئے الصحیحۃ للالبانی

زبیر علی زئی کا جواب:

ا۔ عقیلی کا کیا حال ہے ہم ذیل میں چند حوالہ جات درج کرتے ہیں۔

حافظ ابن حجرؒ تہذیب التہذیب میں ازھر بن سعد کے ترجمہ میں فرماتے ہیں "**حکی العقیلی فی الضعفاء ان الامام احمد قال ابن ابی عدی احب الی من ازھر قلت ھذا لیس بجرح یوجب ادخالہ فی الضعفاء**" عقیلی نے کتاب الضعفاء میں نقل کیا ہے کہ امام احمد نے فرمایا ابن ابی عدی مجھے ازھر سے زیادہ محبوب ہے میں کہتا ہوں یہ جرح نہیں ہے کہ جو اس کو ضعفاء میں داخل کرنے کو واجب کرے۔ معلوم ہوا کہ عقیلی معمولی بات پر راوی کو ضعفاء کی صف میں کھڑا کر دیتے ہیں۔

۲۔ حافظ ابن حجرؒ مقدمہ فتح الباری میں ثابت بن عجلان الانصاری الحمصی کے ترجمہ میں فرماتے ہیں۔ قال العقیلیؒ لا یتابع فی حدیثہ وتعقب ذالک ابوالحسن بن قطان بان ذالک لا یضرہ الا اذا کثر منہ " عقیلی نے کہا اس کی حدیث میں اتباع نہیں کی جائے گی ابوالحسن بن قطان نے اس پر تعاقب کیا ہے کہ یہ بات اس کو نقصان نہیں دیتی مگر جب اس سے کثرت سے واقع ہو اس سے معلوم ہوا کہ جو جرح نہ بنے عقیلی بنا دیتے ہیں حالانکہ اس راوی کو ابن معین، اور دحیم نے ثقہ اور ابو حاتم اور نسائی نے لا باس بہ کہا ہے۔ (ہدی الساری ص ۵۵۵ طبع قدیمی کتب خانہ کراچی)

۳۔ حافظ ابن حجرؒ یوسف بن اسحاق السبیعی کے ترجمہ میں فرماتے ہیں "**قال العقیلیؒ لما ذکرہ فی الضعفاء یخالف فی حدیثہ و ھذا جرح مردود**" (ھدی الساری ص ۶۳۳)

ترجمہ: عقیلی نے اسکو کتاب الضعفاء میں ذکر کیا ہے اور کہا ہے اس کی حدیث میں مخالفت کی جائے اور یہ جرح مردود ہے۔ ابن حجرؒ عقیلی کی جرح کو مردود کہہ رہے ہیں۔

فخر المحدثین امام المتکلمین شیخ الاسلام زاہد بن الحسن الکوثریؒ لکھتے ہیں۔ " عقیلیؒ نے صحیحین (بخاری، مسلم) کے بہت سے راویوں پر جرح کی ہے (مقدمہ انتقاد المغنی عن الحفظ والکتاب ص

١١)۔ عقیلی نے کثیر ابن ابی کثیر کو کتاب الضعفاء میں نقل کیا ہے حالانکہ عجلی نے تابعی اور ثقہ کہا ہے۔ ابن حبان نے ثقات میں اس کا ذکر کیا ہے۔ ابن الجوزیؒ نے باوجود متشدد ہونے کے صحابہ میں اسکا ذکر کیا ہے۔ حالانکہ جب ابن حزم نے اس کو مجہول کہا تو ابن قطان نے اس کا تعاقب کیا لیکن عقیلیؒ پھر بھی اس تابعی سے ناراض ہیں۔

امام المحدث الحافظ الناقد المحقق مولانا ظفر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں۔ وربما يطعن العقيلى احدا ويجرحه بقاوله فلان لا يتابع على حديثه فهذا ليس من الرجرح فى شئى و قد رد عليه العلماء فى كثير من المواضع بجرحه الثقات بذلك کبھی عقیلی کسی راوی پر طعن کرتے ہیں اور اس پر اپنے قول فلان لا يتابع على حديثه کے ساتھ جرح کر دیتے ہیں بہت سارے مقامات پر اس کے ساتھ ثقات پر جرح کرنے کی وجہ سے علماء نے اس کا رد کیا ہے۔ (قواعد فی علوم الحدیث ص ۲۷۷)

علامہ سیوطیؒ لکھتے ہیں" واعلم ان جرت الحفاظ كالحاكم و ابن حبان و العقيلى و غيرهم الهم يحكمون على حديث بالبطلان من حيثه سند مخصوص لكون راويه اختلق السند لذلك المتن و يكون ذالك المتن معروفا من وجه آخر و يذكرون ذلك فى ترجمة ذالك الراوى يجرحونه بؤ(اللآلی المصنوعہ ص ۱۳۷ ج ۱)

اور جان لے کہ حفاظ مثل حاکم، ابن حبان، عقیلی وغیرھم کی یہ عادت ہے کہ وہ کسی حدیث پر بطلان کا حکم سند مخصوص کی حیثیت سے لگاتے ہیں اس راوی کے اس متن کے لئے اس سند کو گھڑنے کی وجہ سے اور وہ متن دوسری سند کے ساتھ معروف ہوتا ہے اور وہ اس راوی کے ترجمہ میں اس متن کو ذکر کر دیتے ہیں اور اس پر بھی اسکی وجہ سے جرح کر دیتے ہیں معلوم ہوا کہ عقیلی کبھی ایک سند کی وجہ سے اس کے متن پر بھی وضع کا حکم لگا دیتا ہے۔ ذہبی میزان میں علی بن مدینی کے ترجمہ میں لکھتے ہیں ذكره العقيلى فى الضعفاء فبئس ما صنع عقيلى. عقیلی نے ان کو کتاب الضعفاء میں ذکر کیا ہے بس جو کیا برا کیا۔ حالانکہ ابن مہدی کہتے تھے لوگوں میں سے حدیث کو سب سے زیادہ

جاننے والے ہیں یحییٰ قطان کہتے تھے لوگ مجھے علی بن مدینی سے محبت کرنے کی وجہ سے ملامت کرتے ہیں حالانکہ میں اس سے تعلیم حاصل کرتا ہوں۔

ذہبی کہتے ہیں بخاری علی بن مدینی کی احادیث سے بھری ہوئی ہے۔ امام بخاریؒ کہا کرتے تھے کہ میں کسی کے سامنے اپنے آپکو چھوٹا نہیں سمجھتا مگر علی بن مدینی کے سامنے۔ ذہبی عقیلی پر اس وجہ سے غصے ہیں اور کہتے ہیں۔ افلا عقلک یا عقیلی اتدری فی من تتکلم عقیلی کیا تجھے عقل نہیں ہے کیا تو جانتا ہے کس کے بارے میں تو نے جرح کی۔ ان حوالہ جات سے آپ کو عقیلی کے حال کا علم ہو گیا ہوگا کہ کس قدر متشدد ہے اور زیر منکر حدیث اس کا سہارا لے رہا ہے۔

اس حدیث کی مزید تحقیق اور منکرین کے اعتراضات کے جوابات کیلئے حضرت مولانا نیاز احمد اوکاڑوی حفظہ اللہ کی مایہ ناز تحقیق اور تعلیق کے ساتھ شائع شدہ کتاب ''حیات الانبیاء ''(ص ۱۷۴ تا ۲۰۲) ملاحظہ فرمائیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسئلہ خلافت

افادات: محمد محمود عالم صفدر اوکاڑوی

رب کائنات نے اپنے بندوں کی اصلاح وھدایت کے لیے اس آخری امت کے لیے اپنے آخری نبی ورسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر آخری کتاب (یعنی قرآن حکیم) نازل فرمائی اور آنحضرت ﷺ نے اپنے تلامذہ اور اصحاب کو قرآن حکیم کے معانی اور مطالب سمجھائے اور اس کے احکام کا بہترین عملی نمونہ پیش کیا۔ آنحضرت ﷺ نے قرآن مجید پر جس صورت میں عمل کیا وہ بھی اللہ تعالیٰ کی وحی پر مبنی تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی اتباع کے لیے رسول ﷺ کے عمل کو اسوہ حسنہ قرار دیا اور اس کی پیروی لازم کردی۔ چنانچہ فرمایا لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ لمن کان یرجو اللہ و الیوم الآخر وذکر اللہ کثیرا (سورۃ الاحزاب ۲۱) تم لوگوں کے لیے یعنی ایسے شخص کے لیے جو اللہ اور روز آخرت سے ڈرتا ہو اور کثرت سے ذکر الٰہی کرتا ہو۔ (یعنی مومن کامل ہو۔ یرجوا میں مبداء ومعاد کا اعتقاد آ گیا اور ذکر اللہ میں سب اطاعتیں آ گئیں غرض ایسے شخص کے لیے) رسول اللہ ﷺ کا ایک عمدہ نمونہ موجود تھا (تفسیر مولانا تھانویؒ) حضور ﷺ کے اسوہ حسنہ کو ہی (جو مومنین کیلئے کامل ترین نمونہ ہے) شرعاً سنت رسول کہا جاتا ہے۔ جس کی اتباع کا حکم خود رسول کریم ﷺ نے بھی دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا من یعش منکم بعدی فسیری اختلافا کثیرا فعلیکم بسنتی و سنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین (مشکوۃ باب الاعتصام والسنۃ) تم میں سے میرے بعد جو شخص زندہ رہے گا وہ بہت زیادہ اختلاف دیکھے گا۔ پس (اس وقت) تم پر میری سنت اور میرے ھدایت یافتہ خلفاء الراشدین کی سنت (طریقہ) کی پیروی لازم ہوگی۔ اس ارشاد رسالت سے جہاں سنت نبوی کی اتباع کا وجوب ثابت ہوتا ہے وہاں آنحضرت ﷺ کے خلفاء الراشدین کی اتباع بھی واجب قرار پاتی ہے اور مذھب اہلسنت

والجماعۃ کی بھی وہ امتیازی شان صداقت ہے۔ جس سے اسلام کے نام لیوا دوسرے فرقے اور گروہ محروم ہیں۔

بلاشبہ دین اسلام کی اصل بنیادیں دو ہی ہیں۔ (۱) کتاب اللہ (۲) سنت رسول اللہ ﷺ اور قرآن کریم میں اسی بنا پر اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول کی تعلیم دی گئی ہے۔ کیونکہ اطاعت رسول ذریعہ ہے اطاعت خداوندی کا۔ حق تعالیٰ کے سارے احکام بذریعہ رسالت امت تک پہنچائے جاتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا من یطع الرسول فقد اطاع اللہ جس نے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی ہی اطاعت کی اور خود حضور خاتم النبیین ﷺ نے بھی اسی قرآنی حقیقت کو اپنے ان معجزانہ ارشاد میں بیان فرمایا ہے کہ ترکت فیکم امرین لن تضلو اما تمسکتم بھما کتاب اللہ و سنۃ رسول اللہ ﷺ مشکوۃ کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ۔ میں تم میں دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں۔ جب تک تم ان دونوں کے ساتھ مضبوط تعلق رکھو گے ہرگز گمراہ نہ ہوگے اور وہ دو چیزیں یہ ہیں۔ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ لیکن کتاب و سنت کا علم وعمل رسول اللہ ﷺ سے بلا واسطہ حاصل کرنے والے چونکہ صحابہ کرامؓ ہیں جن کو حق تعالیٰ نے اپنی رضامندی کی ابدی سند عطا فرمائی چنانچہ ارشاد فرمایا

السابقون و الاولون من المھاجرین و الانصار والذین اتبعو ھم باحسان رضی اللہ عنھم و رضو عنہ و اعدلھم جنت تجری من تحتھا الانھار خالدین فیھا ابدا ذلک الفوز العظیم (پارہ 11 سورۃ توبہ رکوع 1)

اور جو تم میں سب سے پہلے ہجرت کرنے والے اور مدد کرنے والے اور جو ان کے پیرو ہوئے نیکی کے ساتھ اللہ راضی ہوا ان سے اور وہ راضی ہوئے اس سے اور تیار کر رکھے ہیں واسطے ان کے باغ کہ بہتی ہیں نیچے ان کے نہریں رہا کریں گے انہیں ہمیشہ یہی بڑی کامیابی ہے۔

(ترجمہ شیخ الہند اسیر مالٹا حضرت مولانا محمود حسن: اس آیت میں تمام صحابہ کرام کو (جن میں اہل بیت بھی شامل ہیں) درجہ بدرجہ رضائے الٰہی اور جنت ابدی کی بشارت دی گئی ہے۔ علاوہ ازیں

خود نبی کریم ﷺ نے بھی صحابہ کرام کو مابعد کی امت کے لیے معیار حق اور جنتی اور جہنمی ہونے کی کسوٹی قرار دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا تفترق امتی علی ثلث و سبعین ملة کلهم فی النار الا ملة واحدة قالوا من هم یا رسول الله قال هم ما انا علیه و اصحابی (مشکوۃ شریف)

میری امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی جن میں سے سوائے ایک کے سب جہنم میں جائیں گے صحابہ کرام نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ وہ جنتی لوگ کون ہوں گے؟ فرمایا وہ لوگ جنتی ہوں گے جو میرے اور میرے اصحاب کے طریقہ پر ہوں گے۔

ارشاد حضرت مجدد الف ثانیؒ:

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ اس حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں۔ تہتر فرقوں میں سے ہر فرقہ اتباع شریعت کا مدعی ہے اور اپنی نجات پر یقین رکھتا ہے۔ کل حزب بما لدیهم فرحون (ہر گروہ اپنے مشرب و طریقہ پر خوش ہے) سب کا نقد وقت ہے۔ لیکن جو دلیل حضرت مخبر صادق علیہ من الصلوات افضلہا و من التسلیمات اکملہا نے فرقہ ناجیہ کی تمیز کے لیے بیان فرمائی ہے یہ ہے الذین هم ما انا علیه و اصحابی یعنی فرقوں میں سے ایک فرقہ نجات پائے گا وہ ہے جو اس طریقہ پر قائم ہے جس پر میں ہوں اور میرے صحابہ ہیں۔ اس مقام پر صاحب شریعت علیہ الصلوۃ والسلام کا ذکر کافی ہونے کے باوجود صحابہ کرام کا ذکر ممکن ہے۔ یہ ظاہر کرنے کے لیے ہو کہ میرا طریقہ وہی ہے جو میرے صحابہ کا ہے اور نجات کا طریقہ صرف ان کی اتباع کے طریقے سے وابستہ ہے جیسا کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ من یطع الرسول فقد اطاع الله (سورۃ النساء پارہ ۵) جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے درحقیقت خدا تعالیٰ کی اطاعت کی پس رسول کی اطاعت عین خدا تعالیٰ کی اطاعت ہے اور رسول پاک ﷺ کی اطاعت کے خلاف چلنا عین خدا تعالیٰ کی معصیت اور نافرمانی ہے۔

پس ہمارے زیر بحث مسئلہ میں گذشتہ بیان سے واضح ہو گیا کہ صحابہ کرامؓ کے طریقہ کی پیروی سے

مخالفت کرتے ہوئے حضور نبی کریم ﷺ کی اتباع و پیروی کا دعویٰ کرنا سراسر باطل دعویٰ ہے۔ لہٰذا صحابہ کرام سے مخالفت کا طریقہ اختیار کر کے نجات کی مجال و گنجائش اور امکان کہاں ہے۔ اس میں ذرہ بھی شک نہیں کہ صحابہ کرامؓ پر طعن و تشنیع کرنے والے فرقے صحابہ کرامؓ کی اتباع سے محروم ہیں۔ جیسے شیعہ، خارجی اور معتزلہ الخ مکتوبات مترجم دفتر اول حصہ دوم مکتوبات نمبر ۸۰ ص ۱۰۰

قرآن و سنت اور منقولہ بالا احادیث نبوی کی روشنی میں اہلسنۃ والجماعۃ کا ناجی ہونا واضح ہوتا ہے اور یہ اصطلاح بھی ایک الہامی اصطلاح ہے جو دور صحابہ سے رائج تھی۔ چنانچہ سورۃ آل عمران کی آیت (یوم تبیض وجوہ و تسود وجوہ یعنی قیامت کے دن بعض چہرے سفید نورانی ہوں گے اور بعض کالے سیاہ) کی تفسیر میں حبر امت حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں۔ یعنی یوم القیامۃ حین تبیض وجوہ اہل السنۃ و الجماعۃ و تسود وجوہ اہل البدعۃ والفرقۃ (تفسیر ابن کثیر، تفسیر مظہری، تفسیر در منثور) قیامت کے دن اہل السنۃ والجماعۃ کے چہرے روشن ہوں گے اور اہل بدعت و فرقہ کے چہرے سیاہ ہوں گے۔ اہل السنت والجماعت کے الہامی نام کی تفصیل بندہ کے پیر و مرشد مظہر شریعت و طریقت وکیل صحابہ قائد اہلسنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین نور اللہ مرقدہ و برد اللہ مضجعہ (خلیفہ مجاز شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ) نے اپنی بے مثل تصنیف بشارت الدارین بالصبر علی شہادت الحسین میں لکھی ہے۔

عقیدہ خلافت راشدہ:

حضور خاتم النبیینؐ نے اپنی فیض یافتہ جنتی جماعتؓ کے ذریعے اپنے دور رسالت میں حکومت الٰہیہ قائم فرمائی لیکن آنحضرت ﷺ کے بعد چونکہ سلسلہ نبوۃ ختم ہے اور آفتاب رسالت محمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فیضان ہی قیامت تک کے لیے کافی ہے۔ دین اسلام کی تکمیل بھی ہو چکی ہے اور قرآن حکیم بھی قیامت تک کی ہدایت کے لیے ہے اس لیے حضور کی تربیت یافتہ جماعت صحابہ کرام ہی میں سے آنحضرت ﷺ کے بعد ایسے خلفاء (جانشینوں) کی ضرورت تھی جو خاتم

الانبیاء ﷺ کے قائم کردہ نظام شریعت کی اتباع میں ایک معیاری اسلامی حکومت کا نظام قائم کریں۔ جو قیامت تک کے لیے مسلم حکومتوں کے لیے واجب الاتباع ہو۔ اس ضرورت کی بنا پر اللہ نے بطور وعدہ آیت استخلاف میں آنحضرت ﷺ کے خلفاء اور ان کی صفات عالیہ کے متعلق اعلان فرمایا۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے۔ **وعد اللہ الذین امنو منکم و عملو الصلحت یستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم و لیمکنن لھم دینھم الذی ارتضٰی لھم و لیبدلنھم من بعد خوفھم امنا. یعبدوننی لا یشرکون بی شیاً و من کفر بعد ذلک فاولٰئک ھم الفاسقون** (سورہ نور ع ۷)

وعدہ کرلیا اللہ نے ان لوگوں سے جو تم میں ایمان لائے ہیں اور کیے ہیں انہوں نے نیک کام البتہ پیچھے حاکم کر دے ان کو ملک میں جیسا حاکم کیا تھا ان سے اگلوں کو اور جما دے گا ان کے لیے دین ان کا جو پسند کر دیا ان کے واسطے اور دے گا ان کو ان کے ڈر کے بدلے میں امن میری بندگی کریں گے شریک نہ کریں گے میرا کسی کو اور جو کوئی ناشکری کرے گا اس کے پیچھے وہی ہیں۔ نافرمان (ترجمہ شیخ الہندؒ) اس آیت استخلاف کی تشریح میں حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی صاحبؒ بانی دار العلوم دیوبند ارشاد فرماتے ہیں کہ اس سے ثابت ہوا کہ تسلط اہل اسلام اور تمکین دین پسندیدہ اور ازالہ خوف اور تبدیلی امن جو کچھ تھا سب کا سب اصل میں انہیں چار یار کے لیے تھا۔ (ہدیۃ الشیعہ طبع قدیم ص ۵۶)

سورہ نور کی آیت استخلاف اور سورۃ الحج کی آیت تمکین (**الذین ان مکناھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ و اتوا الزکوٰۃ و امروا بالمعروف و نھوا عن المنکر**) اور وہ لوگ جن کو نکالا ان کے گھروں سے وہ لوگ کہ اگر ہم ان کو قدرت دیں ملک میں تو وہ قائم رکھیں نماز اور دیں زکوٰۃ اور حکم کریں بھلے کا اور منع کریں برائی سے اور اللہ کے اختیار میں ہے آخر ہر کام کا (ترجمہ شیخ الہندؒ) اس آیت میں تمکین اور اقتدار عطا کرنے کی پیشگوئی مہاجرین صحابہ کرامؓ کے بارے میں ہے۔ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اس آیت تمکین کے تحت لکھتے ہیں۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے ان کو زمین کی حکومت

عطا کی اور جو پیشگوئی کی گئی تھی حرف بحرف سچی ثابت ہوئی فللہ الحمد علی ذلک اس آیت سے صحابہ خصوصاً مہاجرین اوران میں سے اخص خصوص کے طور پر خلفاء الراشدین کی حقانیت اور مقبولیت و منقبت ثابت ہوتی ہے۔

آیت تمکین اور آیت استخلاف کی روشنی میں مفسرین اور محققین اہل السنۃ نے (مثلاً شاہ ولی اللہ محدث دہلوی وغیرہ) یہ عقیدہ قائم کیا ہے کہ خلفاء اربعہ ہی ان دونوں آیتوں کا مصداق ہیں۔ یعنی امام الخلفاء حضرت ابوبکر صدیق حضرت عمر فاروق حضرت عثمان ذوالنورین اور حضرت علی المرتضٰےؓ اور انہی چار خلفاء کو اصطلاح میں خلفاء الراشدین کہا جاتا ہے اور مشکوٰۃ شریف کی منقولہ بالا حدیث نبویؐ علیکم بسنتی و سنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین میں خلفاء الراشدین کا مصداق بھی یہی چار ہیں۔ چنانچہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں۔ ومراد بخلفاء الراشدین خلفاء اربعہ داشتہ اند وہر کہ بر سیرت ایشاں برود وموافق سنت عمل کند حکم ایشاں دارد اشعۃ اللمعات ص ۱۳۹ ج ۱ اور خلفائے راشدین سے مراد چار خلفاء لیے گئے ہیں اور جو بھی ان کی سیرت کی پیروی کرے اور سنت کے موافق عمل کرے وہ انہی کے حکم میں ہے اور ملا علی القاری الحنفیؒ محدث بھی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں۔ **قیل ھم الخلفاء الاربعۃ ابوبکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنھم لانہ علیہ الصلاۃ والسلام قال الخلافۃ بعدی ثلثون سنۃ و قد انتھی بخلافۃ علی کرم اللہ وجھہ** (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص ۳۴۳ ج ۱)

اور اس حدیث کے تحت کہا گیا ہے کہ وہ (یعنی خلفاء راشدین) خلفائے اربعہ ہیں۔ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کیونکہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ میرے بعد خلافت تیس سال ہوگی اور یہ مدت حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر ختم ہو جاتی ہے۔ بہرحال اہل السنۃ کے محققین کا اس بات پر اجماع ہے کہ قرآن کی موعودہ خلافت راشدہ کا مصداق خلفاء اربعہ ہی ہیں رضی اللہ عنہم ۱۹۳۹ء میں بمقام ٹکیریاں ضلع ہوشیارپور (مشرقی پنجاب) میں امام اہل سنت حضرت

مولانا عبدالشکور صاحب فاروقی لکھنوی اور مشہور شیعہ مناظر مرزا احمد علی امرتسری آنجہانی کے مابین مناظرہ ہوا تھا چونکہ شیعہ پہلے تین خلفائے راشدین حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنیؓ کی خلافت راشدہ بلکہ ان کے ایمان کے بھی منکر ہیں۔ العیاذ باللہ اس لیے امام اہل سنت نے خلفاء ثلثہ کے مومن کامل اور خلیفہ راشد ہونے پر دلائل کے علاوہ آیت استخلاف بھی پیش کی تھی اور فرمایا تھا کہ جو لوگ حضرات خلفاء ثلثہ کو مومن نہیں مانتے وہ بتائیں کہ یہ آیت کیونکہ تچی ہو سکتی ہے کیونکہ آیت میں وعدہ صرف مومنین حاضرین سے ہے ورنہ لفظ منکم بیکار ہو جائے گا اور اس وقت کے لوگوں میں سے صرف خلفاء ثلثہ ہی کو آیت کی تین موعودہ نعمتیں ملیں۔ حضرت علیؓ کو بقول شیعہ تمکین دین نہیں ملی اور وہ اپنی خلافت میں بھی اللہ کا دین رائج کرنے پر قادر نہ تھے جیسا کہ روضہ کافی کی عبارت منقولہ سے معلوم ہوا۔ پس اگر حضرات خلفاء ثلثہ معاذ اللہ مومن صالح نہ ہوں۔ تو ان کی خلافت اس آیت کی مصداق نہیں ہو سکتی اور کوئی دوسرا مصداق اس آیت کا نہیں پایا گیا۔ (مباحثہ مکیریاں ص ۱۷)

منکم سے ثابت ہوا کہ خلیفہ بنانے کا وعدہ ان مومنین صالحین سے جو اس آیت کے نزول کے وقت موجود تھے اور اس وقت حضرت امیر معاویہؓ اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے۔ کیونکہ یہ آیت استخلاف سورۃ النور کی ہے اور یہ سورۃ غزوہ بنی مصطلق کے بعد نازل ہوئی ہے جبکہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کا واقعہ افک پیش آیا تھا اور اس میں اختلاف ہے کہ یہ غزوہ ۵ ھ میں ہوا تھا یا اس کے بعد ۶ ھ کے نصف آخر میں اور ظاہر ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ اس کے بعد اسلام لائے تھے لہذا حضرت معاویہ اس آیت استخلاف کا مصداق نہیں بن سکتے۔

یہ وعدہ استخلاف دراصل مہاجرین اولین صحابہؓ کے لیے ہے۔ جیسا کہ سورۃ الحج کی آیت تمکین الذین ان مکناھم فی الارض ولآیۃ میں جو اعلان تمکین ہے و الذین اخرجوا من دیارھم سے یعنی مہاجرین صحابہ کرامؓ کے لیے ہے اور یہ سورہ النور سے بہت پہلے نازل ہوئی ہے۔ لہذا تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ سورۃ النور میں وعدہ استخلاف بھی انہیں مہاجرین اولین سے ہے۔ چنانچہ

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ نکتہ دیگر فہمی وآں آنست کہ دو آیت استخلاف و آیت تمکین دریک قصہ است مقصود واحد است وتعبیر مختلف

اور ایک اور نکتہ بھی سمجھ لو اور وہ یہ کہ آیت استخلاف اور آیت تمکین ایک ہی بات بیان کر رہی ہیں۔مقصود دونوں کا ایک ہے۔عبارت مختلف ہے۔(ازالۃ الخفا مترجم ص ۹۰ ج ۱)

اور چونکہ حضرت امیر معاویہؓ مہاجرین میں سے نہیں ہیں کیونکہ آپ فتح مکہ کے بعد مدینہ منورہ تشریف لائے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا لا ھجرۃ بعد الفتح یعنی جو شخص فتح مکہ کے بعد اپنا وطن چھوڑ کر مدینہ منورہ آئے وہ مہاجرین صحابہ میں شمار نہیں ہوگا اور چونکہ مہاجرین صحابہ میں سے صرف چار یار کو خلافت ملی ہے اس لیے آیت تمکین اور آیت استخلاف کا مصداق صرف یہی چار یار ہوں گے۔چنانچہ امام اہل سنت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی آیت تمکین کے تحت فرماتے ہیں۔

اب ہم کو صرف یہ دیکھنا ہے کہ مہاجرین میں سے کن کن اشخاص کو تمکین ملی۔جس وقت یہ معلوم ہو جائے گا کہ فلاں فلاں اشخاص کو تمکین ملی اس وقت ہمیں بحکم قرآن یہ ماننا پڑے گا کہ ان لوگوں سے زمانہ تمکین میں اعمال صالحہ مذکورہ صادر ہوئے اور یہی مفہوم خلافت راشدہ کا ہے ظاہر ہے کہ جماعت مہاجرین میں سے صرف چار بزرگوں کو تمکین ملی حضرت ابوبکر صدیق وحضرت عمر فاروق و حضرت عثمان غنی اور حضرت علی المرتضیٰؓ پس قرآن شریف پر ایمان رکھنے والوں کا فرض ہے کہ ان چاروں کو خلیفہ راشد مانیں اور زمانہ خلافت میں جو کام انہوں نے کیے ان کاموں کے پسندیدہ خدا ہونے کا یقین رکھے۔

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ تحریر فرماتے ہیں۔باقی رہے امیر معاویہؓ ہر چند ان کو بظاہر تمکین میسر آئی لیکن حقیقت میں وہ تمکین دین نہ تھی۔ملک وسلطنت تھی چنانچہ واقفان فن سیر پر پوشیدہ نہیں کہ خلفاء اربعہ کے اطوار اور انداز اور امیر معاویہؓ کے اطوار اور انداز میں زمین وآسمان کا فرق تھا۔ان کی گزران فقیرانہ اور زاہدانہ تھی اور امیر معاویہؓ کا ملوک کا تھا۔اس لیے اہل سنت ان کو باوجودیکہ صحابی سمجھتے ہیں۔خلفا میں نہیں گنتے ملوک میں شمار کرتے ہیں لیکن ملوک میں بھی

فرق ہے۔ ایک نوشیروان تھا۔ ایک چنگیز تھا۔ سو ہر چند ملوک میں سے تھے لیکن اس کے معنی یہ ہیں کہ خلفاء راشدین کے مقابلہ میں دنیا دار معلوم ہوتے تھے۔ جیسے حضرت سلیمانؑ اور انبیاءؑ کے مقابلہ میں دنیا دار معلوم ہوتے ہیں نہ یہ کہ ظلم وستم کے روادار تھے۔ غربا کے حق میں ستم گار تھے۔ ان کا حلم اور رعایا پروری اور دلجوئی خلائق شہرہ آفاق ہے۔ مع ھذا یہ ان لوگوں میں سے نہیں ہیں کہ جن کو قرار واقعی کفار سے کبھی خوف ہوا ہو۔ یہ بات فقط مہاجرین اولین کے حق میں صادق آتی ہے۔ نہ امام حسن کو یہ بات پیش آئی نہ امیر معاویہ کو اور مہاجرین اولین میں سے بھی جیسا خوف خلفائے اربعہ کو بترتیب ہوا ہے کسی کو پیش نہیں آیا۔ (ہدایۃ الشیعہ ص ۸۶)

قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ بھی ارشاد فرماتے ہیں اور یہاں یہ بھی ثابت ہو گیا کہ خلافت معاویہ کو حضرت حسنؓ سے بنظر اصلاح جائز رکھا۔ اگرچہ خلافت نبوت نہ تھی۔ مگر خلافت ملوکانہ تھی۔ (ہدیۃ الشیعہ ص ۸۶)

اور مجاہد جلیل حضرت مولانا شاہ محمد اسماعیل شہید بھی خلافت و سلطنت کی قسمیں کرتے ہوئے حضرت امام حسنؓ اور حضرت امیر معاویہؓ باہمی صلح کو حدیث نبوی سے ثابت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ اس حدیث سے ظاہر ہوا کہ سلطان کامل پر امت کا اجماع کرنا خدا اور رسول کے منشا کے مطابق ہے اور اس کی اطاعت درگاہ خداوندی میں مقبول ہے۔ (منصب امامت مترجم ص ۱۰۸)

نیز ارشاد فرماتے ہیں کہ سلطان کامل سلاطین اور خلفائے راشدین کے درمیان ایک برزخ کی طرح ہے۔ اگر لوگ دیگر سلاطین کو دیکھیں تو سلطان کامل کو خلیفہ راشد تسلیم کریں۔ اگر خلفاء راشدین کا حال معلوم کریں تو اسے سلطان کامل سمجھیں چنانچہ سلطان شام (حضرت معاویہؓ) نے فرمایا لست منکم مثل ابی بکر و عمر و لکن سترون امرا من بعدی (میں تم میں ابوبکر اور عمر جیسا حکمران تو نہیں لیکن میرے بعد عنقریب تم امیر دیکھو گے) بنابریں ان کی سلطنت کا زمانہ زمانہ نبوت اور خلافت راشدہ کے ساتھ مطابقت رکھتا ہے۔ پس اس وجہ سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ خلافت راشدہ کے زمانہ کی ابتداء سے اس سلطنت کاملہ کا زمانہ گزر جانے تک ترقی اسلام کا

زمانہ ہے۔ (ایضاً:ص ۱۰۸)

حضرت امیر معاویہؓ کے متعلق جو کچھ حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ اور مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے ارشاد فرمایا ہے۔ وہی مسلک اعتدال ہے اور آپ کے ملک اور سلطان ہونے کا مطلب واضح فرمار ہا ہے اور یہی اہل السنّت والجماعت کا موقف ہے اور یہ بھی ملحوظ رہے کہ جس کی عبارت میں آپ کے خلیفہ ہونے کی نفی کی گئی ہے۔ اس سے مراد قرآن کے موعودہ خلیفہ راشد ہونے کی نفی ہے نہ کہ خلیفہ برحق ہونے کی اور اگر اکابر محققین میں سے کسی بزرگ نے حضرت امام حسنؓ کو خلیفہ راشد لکھا ہے تو اس سے مراد بھی قرآن کے موعودہ خلیفہ راشد نہیں ہیں بلکہ ان کے رشد وھدایت کے خاص رنگ کی وجہ سے آپ کو خلیفہ راشد قرار دیا ہے۔ علاوہ ازیں یہ کہ حضرت حسن کی خلافت قرآن کے موعودہ چار خلفاء راشدین کی خلافت راشدہ کا تتمہ ہے۔ اور آپ کی سیرت خلفائے راشدین کی سیرت سے خاص مشابہت رکھتی ہے اور اس خصوصیت کی بنا پر آنحضرت ﷺ کی حسب ذیل پیشگوئی کا مصداق حضرت امام حسنؓ کو بھی قرار دیا گیا ہے کہ الخلافة بعدی ثلثون سنة (میرے بعد خلافت تیس سال رہے گی) اس تیس سالہ مدت خلافت میں قرآن کے چار موعود خلفاء الراشدین کا زمانہ قریباً قریباً ساڑھے انتیس برس ہے اور باقی چھ ماہ کی خلافت موعودہ خلافت راشدہ کا تتمہ ہے۔ ان پانچ خلفا میں کبھی کوئی جنگ نہیں ہوئی اور یہ حضرات رحماء بینہم کا مکمل طور پر مصداق تھے اور آیت استخلاف اور حدیث ثلثون سنة کا یہی تقاضا تھا کہ ان میں باہمی جنگ اور قتال نہ ہونے پائے لیکن حضرت علی المرتضیٰؓ اور حضرت امیر معاویہؓ میں چونکہ باہمی قتال ہوا ہے۔ جن میں ہزاروں صحابہ کرام اور تابعین شہید ہوئے ہیں۔ اس لیے حضرت امیر معاویہؓ آیت استخلاف اور حدیث ثلوثون کا مصداق نہ بن سکے۔ لیکن اس میں آپ کی کوئی تنقیص نہیں پائی جاتی۔ کیونکہ قرآن کے موعودہ خلیفہ راشد سے جنگ کرنے میں حضرت امیر معاویہؓ سے جو غلطی ہوئی ہے وہ اہل السنّت والجماعت کے عقیدے کے تحت ایک اجتہادی خطا ہے اور حق کے دائرہ میں ہے اور اجتہادی خطا پر بھی مجتہد کو ایک اجر ملتا ہے۔ چنانچہ بخاری شریف میں ہے کہ رسول اللہ

ﷺ نے ارشاد فرمایا المجتهد اذا خطاء فله اجر واذا اصاب فله اجران یعنی اگر مجتہد سے خطا ہو جائے تو اس کے لیے ایک اجر ہے اور اگر اس کا اجتہاد صحیح ہے تو اس کے لیے دو اجر ہیں۔ باقی رہا یہ کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کو بھی خلیفہ راشد کہا جاتا ہے۔ تو کوئی بھی ان کو آیت استخلاف یا حدیث ثلثون سنة کا مصداق ہونے کی وجہ سے خلیفہ راشد نہیں سمجھتا۔ بلکہ ان کے رشد وتقوی کی بنا پر لغوی معنی میں ان کو خلفائے راشدین میں شمار کیا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں کوئی بھی ان کو حضرت معاویہؓ سے افضل نہیں مانتا۔ کیونکہ وہ صحابی نہیں اور حضرت امیر معاویہؓ رسول پاک سرور کائنات ﷺ کے جلیل القدر صحابی ہیں اور جس طرح غیر نبی کسی نبی سے افضل نہیں ہو سکتا اسی طرح کوئی غیر صحابی کسی صحابی سے افضل نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں۔ کسی شخص نے (حضرت) عبداللہ بن مبارکؒ سے پوچھا کہ (حضرت) معاویہؓ افضل ہیں یا (حضرت) عمر بن عبدالعزیز تو آپ نے جواب دیا کہ وہ غبار جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ (حضرت) معاویہؓ کے گھوڑے کی ناک میں داخل ہوا (حضرت) عمر بن عبدالعزیز سے کئی درجہ بہتر ہے۔ مکتوبات مترجم دفتر اول حصہ سوم ص ۱۳۸ مکتوب نمبر ۲۰۷ ایضا فارسی ص ۲۵۰ ج ا اور عبداللہ بن مبارک کا یہ ارشاد ابن حجر مکی کی تطہیر الجنان ص ۱۰ ناہیہ عن ذم معاویہ ص ۱۴۔ البدایہ والنہایہ ص ۱۳۹ ج ۸، مکتوبات شیخ الاسلام حضرت مدنی ص ج ا میں بھی منقول ہے۔

عقیدہ امامت: گذشتہ صفحات میں یہ ثابت کر دیا گیا ہے کہ قرآن کے موعودہ خلفائے راشدین چار ہیں اور وہی باقتضاء النص آیت تمکین اور آیت استخلاف کا مصداق ہیں اور اس عقیدہ خلافت کو حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے توحید، نبوت اور قیامت کے بعد اصول دین میں شمار کیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اس زمانہ میں بدعت تشیع آشکار ہو گئی ہے اور عام لوگوں کے دل ان کے شبہات سے متاثر ہو گئے ہیں اور اس ملک کے اکثر لوگ خلفاء راشدینؓ کی خلافت کے ثبوت میں شک کرنے لگے ہیں۔ لہذا توفیق الہی کی روشنی نے اس بندہ ضعیف کے دل میں ایک علم پیدا کیا۔ جس سے یقین کے ساتھ معلوم ہوا کہ خلافت ان بزرگوں کی ایک اصل ہے۔ اصول دین سے

جب تک لوگ اس اصل کو مقصود نہ پکڑیں گے۔کوئی مسئلہ مسائل شریعت سے مضبوط نہ ہوگا کیونکہ اکثر احکام جو قرآن عظیم میں مذکور ہیں۔مجمل ہیں بغیر تفسیر سلف صالح کے احکام کا حل نہیں ہو سکتا۔(ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء مترجم ص ۸)

اس قرآنی عقیدہ خلافت کے خلاف سب سے پہلے جس شخص نے حضرت علی المرتضیٰ کی امامت و ولایت کا عقیدہ ایجاد کیا۔وہ عبداللہ بن سبا یہودی ہے۔جو منافقانہ اسلام لا کر اس عقیدے کا داعی تھا۔بلکہ اس نے حضرت علیؓ کے متعلق الوہیت کے عقیدے کا اظہار کیا اور آج بھی بعض شیعہ علی اللہ کا نعرہ لگاتے ہیں اور جو اسی فتنہ سبائیت کی بازگشت ہے۔یہ عقیدہ امامت چونکہ اسلام کی بنیادوں کو منہدم کرنے کے لیے اختراع کیا گیا تھا۔اس لیے حضرت علی المرتضیٰؓ کے متعلق عجیب و غریب عقائد پھیلائے گئے چنانچہ امام شریعت وطریقت حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ متوفی ۵۶۱ھ فرماتے ہیں۔

ان میں فرقہ غالیہ تمام فرقوں سے علیحدہ ہے۔اس کا دعویٰ ہے کہ حضرت علیؓ انبیاء کرام سے بھی (معاذ اللہ) افضل ہیں اور یہ بھی دعویٰ ہے کہ دیگر صحابہ کرامؓ کی طرح حضرت علیؓ مٹی میں مدفون نہیں بلکہ بادل میں تشریف فرما ہیں اور بادل کے اوپر اپنے دشمنوں سے لڑتے رہتے ہیں اور آخر زمانہ میں دنیا میں لوٹ کر آئیں گے اور اپنے مخالفین واعداء کو تہ تیغ فرمائیں گے۔نہ صرف حضرت علیؓ بلکہ دیگر تمام آئمہ فوت نہیں ہوئے۔بلکہ سب قیامت تک زندہ رہیں گے اور ان پر موت کے لیے کوئی راہ نہیں۔ان کا دعویٰ ہے کہ حضرت علیؓ نبی ہیں اور جبرائیل ان پر وحی لانے میں ان سے چوک گئے اور یہ بھی دعویٰ ہے کہ حضرت علیؓ معبود ہیں۔ان پر اللہ کی لعنت فرشتوں کی لعنت اور قیامت تک آنے والی تمام مخلوق کی لعنت برستی رہے۔(غنیۃ الطالبین مترجم حصہ اول ص ۲۰۷)

اسی عقیدہ امامت کے تحت تقیہ،متعہ اور رجعت کے عقیدے وضع کیے گئے۔عقیدہ توحید کو مجروح کرنے کے لیے یا علی مدد کا نعرہ ایجاد کیا گیا چنانچہ عموماً شیعہ علی علی ہر دم علی کا وظیفہ پڑھتے رہتے ہیں۔اور عقیدہ نبوت ورسالت کو مجروح کرنے کے لیے منصب امامت کو منصب نبوت سے افضل

قرار دیا گیا۔ چنانچہ شیعہ رئیس المحدثین علامہ باقر مجلسی متوفی ۱۱۱۰ھ لکھتے ہیں۔ امامت بالاتر از رتبہ پیغمبری است۔ (حیات القلوب ص ۱۰ ج ۳) یعنی امامت پیغمبری سے بالاتر ہے۔ دور حاضر کے شیعوں کے نائب امام مہدی بانی انقلاب ایران خمینی نے بھی لکھا ہے۔ ان من ضروریات مذھبنا ان لائمتنا مقاما لا یبلغه ملک مقرب ولا نبی مرسل الحکومة الاسلامیة ص ۵۲ یعنی ہمارے مذہب (اثنا عشری) کی ضروری عقائد میں سے ایک یہ عقیدہ ہے کہ ہمارے اماموں کو وہ مقام حاصل ہے۔ جہاں تک کوئی مقرب فرشتہ اور نبی مرسل نہیں پہنچ سکتا۔ اور اسی عقیدہ امامت کی بنا پر شیعوں نے توحید و رسالت کے ساتھ امامت کو اصول دین میں شامل کر لیا ہے۔ اور عموما وہ اپنی کتابوں میں اصول دین پانچ لکھتے ہیں۔ چنانچہ شیعوں کی مشہور اور متداول کتاب تحفۃ العوام حصہ اول ص ۳ مطبوعہ لکھنو میں لکھا ہے۔ اصول دین پانچ ہیں۔ توحید اور عدل اور نبوت اور امامت اور قیامت۔

بارہ امام رسول تھے: بظاہر شیعہ بارہ اماموں کے لیے نبی و پیغمبر کی اصطلاح استعمال نہیں کرتے لیکن بارہ اماموں کو چونکہ انبیاء سابقین علیہم السلام سے افضل مانتے ہیں اس لیے دراصل وہ عقیدہ ختم نبوت کے منکر ہیں کیونکہ جب حضور خاتم النبیین ﷺ کے بعد اس امت میں سے کسی ایک کو بھی نبی ماننا ختم نبوت کے منافی ہے تو پھر بارہ حضرات آئمہ کو انبیاء سے افضل قرار دینے سے ختم نبوت کا عقیدہ کیسے باقی رہ سکتا ہے۔ بہر حال بارہ اماموں پر انبیاء کے لفظ کا اطلاق نہ کرنا یہ ان کے عقیدہ تقیہ پر مبنی ہے لیکن بعض ایسے شیعہ اب موجود ہیں جو تقیہ کا نقاب اتار کر اپنے مذہب کا اظہار کر رہے ہیں۔ چنانچہ ایک شیعہ مصنف سید یاور حسین جعفری نے اپنی کتاب "سولہ مسئلے" میں لکھا ہے کہ اب رسول خدا حضرت محمد پر واجب ہو گیا تھا کہ وہ علی کی رسالت و امامت اور ولایت کا اعلان کرتے چنانچہ انہوں نے کیا اور کئی مواقع پر کیا۔ خصوصا غدیر خم پر تو ایسا اعلان کیا جسے بھلانے والے بھلا نہ سکتے تھے۔ ص ۱۰۰۔

۲۔ بہر کیف حضرت علی رسول بھی ہیں اور امام بھی ہیں اور حضرت محمد کے وزیر بھی ہیں اور صرف

بھی نہیں بلکہ بارہ کے بارہ رسول تھے۔ (ایضاً ص ۱۰۱ ناشر ادارہ علوم اسلامیہ اصغری سامرہ کلاں لاہور)

امام الاوصیاء کی پوزیشن:

شیعہ اثنا عشری حضرت علی المرتضیٰؓ کو وصی رسول اللہ ﷺ کہتے ہیں۔ یعنی یہ کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ کے حق میں یہ وصیت کی تھی کہ میرے بعد وہ خلیفہ ہوں گے۔ اسی طرح بارہ اماموں کو وہ بذریعہ وحی نامزد امام مانتے ہیں۔ حضرت علیؓ کو مولائے کائنات مشکل کشا اور حاجت روا سمجھتے ہیں اور یہ مصرعہ الاپتے رہتے ہیں۔ مشکل میں انبیاء نے کہا یا علی مدد (العیاذ باللہ) ایک طرف تو آپ کے بارے میں یہ غلو اور افراط ہے لیکن دوسری طرف جب تقیہ کی آڑ میں ان کی شان گھٹانے پر آتے ہیں تو یہ روایت بیان کرتے ہیں۔ پس وہ اشقیائے امت گلوئے مبارک جناب امیر (یعنی حضرت علی) میں ریسماں (رسی) ڈال کر مسجد میں لے گئے مغیرہ بن شعبہ کے بحکم عمرؓ دروازہ شکم محترمہ جناب فاطمہ پر گرایا اور ان کے فرزند محسن کو ان کے شکم میں شہید کیا۔ (جلاء العیون مترجم ص ۱۵۲ ج الکھنو۔ احتجاج طبرسی ص ۱۰۹ ج اط ایران)

والقوا فی عنقہ حبل اسود (اور انہوں نے حضرت علیؓ کے گلے میں ایک سیاہ رسی ڈالی) (ایضاً حق الیقین ص ۱۴۳)

(۳) شیعہ مجتہد مولوی محمد حسین ڈھکو بھی ان روایات کے مطابق لکھتے ہیں تاریخی حقائق سے معلوم ہوتا ہے کہ بیعت لینے کے لیے جبر و اکراہ کے ساتھ حضرت امیر کو دربار خلافت میں لانے کے واقعات اس قدر مشہور و مسلم تھے کہ معاویہ اپنے بعض خطوط میں جناب امیر کو طعنہ دیتے ہوئے لکھتا ہے۔ لقاد کما تقاد الجمل المخشوش حتی تبایع۔ تمہیں دربار خلافت میں یوں پکڑ کر لایا جاتا تھا جس طرح مست اونٹ کے ناک میں نکیل ڈال کر کھینچا جاتا ہے۔ (العقد الفرید ص ۲۳۴ ج ۲ ط مصر، تجلیات صداقت ۳۷۹)

اسی طرح جناب امیر کے گلے میں کپڑا وغیرہ ڈال کر زبردستی کشاں کشاں بیعت کی طرف لے

جانا۔ (الامامت والسیاست ص ۱۴ اشرح نہج البلاغہ حیدری ص ۳۷ ج ۲ پر مذکور ہے۔ ایضاً تجلیات صداقت ص ۴۴۶)

حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ:

شیعہ حضرت علیؓ کے علاوہ حضرت فاطمہؓ کو بھی معصوم مانتے ہیں۔ لیکن حضرت فاطمہؓ کی زبان سے حضرت علیؓ کی توہین صریح کا افسانہ تراشتے ہوئے یہ واقعہ تسلیم کرتے ہیں۔ کہ قضیہ فدک کے سلسلے میں حضرت فاطمہ جب ہاری ہوئی واپس گھر تشریف لائیں حضرت علیؓ سے یوں خطاب فرمایا "مانند جنیس دررحم پردہ نشین شدہ ومثل خائنان درخانہ گریختہ بعد از اں کہ شجاعان دہر را بخاک ہلاک افگندی مغلوب این نامرداں گردیدہ۔ (حق الیقین ص ۲۰۳ طبع ایران)

تو اس بچے کی طرح پردہ نشین ہو گیا جو ماں کے رحم (پیٹ) میں چھپا ہوا ہوتا ہے اور خائنوں کی طرح بھاگ کر گھر میں بیٹھ گیا ہے اور بعد اس کے کہ تو نے زمانہ کے بہادروں کو ہلاکت کی خاک میں ملایا ہے ان نامردوں کے مقابلہ میں مغلوب ہو گیا ہے، یہ ہے حیدر کرار کی شجاعت اور حضرت فاطمہ کی عصمت کی گھناؤنی تصویر جو حب علیؓ و فاطمہؓ کی آڑ میں رافضی پیش کرتا ہے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

حضرت علیؓ اپنے دور خلافت میں: عقیدہ شیعہ کے تحت خلفائے ثلثہ کے دور خلافت میں شیر خدا حضرت علی المرتضیٰؓ مغلوب ناکام تھے ہی لیکن جب وہ مسند خلافت پر فائز ہوئے۔ تو پھر بھی انتہائی کمزور اور ناکام خلیفہ تھے۔ چنانچہ روضہ کافی (مصنفہ محمد یعقوب کلینی متوفی ۳۲۹ھ) ص ۳۰۔ ۲۹ پر حضرت علیؓ کا ایک طویل خطبہ منقول ہے۔ جس کا ترجمہ مشہور شیعہ مناظر مولوی محمد اسماعیل آنجہانی نے لکھا ہے۔ جس کے بعض ضروری اقتباسات حسب ذیل ہیں۔

امیر المومنین علیہ السلام نے خطبہ فرمایا حمد وصلوۃ کے بعد متوجہ ہوئے۔ اس وقت آپ کے پاس اہل بیت اور کچھ خواص اور شیعہ بیٹھے تھے۔ فرمایا مجھ سے پہلے والوں نے (یعنی خلفاء ثلثہ) کچھ ایسے اعمال کیے ہیں۔ جن میں انہوں نے جان بوجھ کر رسول کی مخالفت کی ہے اور حضرت کے عہد

کو توڑا ہے اور حضور کی سنت کو بدلا ہے۔ اگر میں ان لوگوں کو ان اعمال کے ترک کرنے پر آمادہ کروں اور ان اعمال کو ان کے اصل مقام پر لوٹا دوں اور ویسے ہی کر دوں جیسے کہ عہد رسالت مآب میں تھے۔ تو مرید ے لشکر مجھ کو چھوڑ جائے گا۔ حتیٰ کہ میں تنہا رہ جاؤں گا یا میرے قلیل شیعہ رہ جائیں گے۔ جنھوں نے میری فضیلت کو اور میری امامت کے فرض ہونے کو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے مانا ہے۔ مجھے بتاؤ اگر میں مقام ابراہیم کی نسبت حکم دوں کہ اسے اسی مقام پر لوٹا دو جہاں رسول للہ نے رکھا تھا اور فدک کو فاطمہ کی طرف لوٹا دوں اور ظلم کے وہ تمام فیصلے بدل دوں جو جور سے کیے گئے ہیں اور غلط نکاحوں سے لوگ عورتیں لیے بیٹھے ہیں۔ اور ان کو اصل خاوندوں کی طرف لوٹا دوں اور متعہ الحج اور متعہ النساء کے حلال ہونے کا فتویٰ دوں اور پانچ تکبیر نماز جنازہ پڑھنے کا امر کروں اور لوگوں کو قرآن مجید پر آمادہ کر دوں تو اسی وقت سب لوگ مجھ سے متفرق ہو جائیں گے۔۔۔ الخ (جواب الاستفسارات حصہ اول ص ۷)

یہ ہے امام الاوصیاء حضرت علیؓ کی خلافت بلا فصل کا وہ نقشہ جو حضرت علیؓ کی اپنی زبانی شیعہ مذہب نے ایجاد کیا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ جب حضرت علی المرتضیٰؓ اپنے دور خلافت میں بھی اتنے بے بس اور مجبور تھے کہ وہ صحیح طور پر اسلامی شریعت کا نفاذ نہیں کر سکے اور اعتقادی اور عملی ساری برائیاں آپ کے عہد میں جاری رہیں۔ تو پھر حسب اعتقاد شیعہ رب کائنات نے ان کو خلیفہ بلا فصل یعنی پہلا خلیفہ نامزد ہی کیوں کیا تھا۔ آپ کی خلافت سے دین کو کیا پہنچا اور اب شیعوں کے لیے اسلام کی تاریخ میں خلافت حقہ کا کون سا معیاری نمونہ موجود ہے۔ جس کی اتباع میں وہ ایران میں اسلامی نظام عدل چلا رہے ہیں اور پاکستان میں وہ مالی و جانی قربانیاں دیکر یہ مقصد حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ حضرت علی المرتضیٰؓ کی خلافت کے بارے میں پیش کردہ شیعی نظریہ سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ یہ سبائی تحریک کی کرشمہ سازیاں کہ حضرت علیؓ اور حب اہل بیت کے نام پر دین اسلام کو بدنام کر رہے ہیں اور جب خلیفہ بلا فصل کا یہ حال ہے تو آنحضرت ﷺ کی رسالت کی کیا حیثیت باقی رہ جاتی ہے۔ جس کے فیضان سے حضرت علیؓ کی شخصیت تکمیل پذیر ہوئی تھی۔

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم　　　　نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے

لا حول ولا قوۃ الا باللہ. باقی رہے امام جعفر صادقؒ تو شیعہ مذہب میں ان کی پوزیشن حسب ذیل روایت سے نمایاں ہوتی ہے۔ سعید روغن فروش سے روایت ہے کہ میں ابوعبداللہ (یعنی امام جعفر صادق) کی خدمت میں حاضر ہوا تھا کہ زیدیہ فرقہ کے دو آدمی آپ کے پاس آئے اور حضرت سے کہنے لگے کہ کیا تم میں کوئی امام مفترض الطاعت ہے (یعنی جس کی اطاعت فرض ہے) حضرت نے (مصلحت وقت پر نظر رکھ کر) کہا۔ کوئی نہیں انہوں نے کہا۔ ہمیں معتبر لوگوں سے خبر ملی ہے کہ آپ فتوی دیتے ہیں۔ اقرار کرتے ہیں اور قائل ہیں اگر کہو تو ہم ان گواہوں کے نام بتا دیں۔ وہ فلاں فلاں ہیں۔ جو جھوٹ بولنے والے نہیں اور صاحب زہد و ورع ہیں۔ حضرت کو غصہ آیا۔ فرمایا میں نے ان کو ایسا کہنے کا حکم نہیں دیا۔ جب ان دونوں نے آپ کو غضبناک دیکھا چل دیئے۔ (شافی ترجمہ اصول کافی باب ۳۷ ص ۲۶۵) فرمایئے۔ جو امام اپنے شیعوں کے سامنے بھی اپنا امام ہونا ظاہر نہ کریں۔ تو انہوں نے امامت کی تبلیغ کیا کی ہو گی اور ان کی فقہ جعفری کا کیا حشر ہوا ہو گا۔

امام مہدی بھی روپوش ہیں:

شیعہ عقیدہ کے تحت حضرت علی المرتضیٰؓ کی خلافت کا حال معلوم ہو چکا ہے۔ آپ کے بعد ان کے دوسرے نامزد امام حسن م ۵۰ھ ہیں۔ وہ تقریباً چھ ماہ تک منصب خلافت پر متمکن رہے۔ پھر آپ نے حضرت امیر معاویہؓ سے مصالحت کر لی اور اپنی خلافت ان کے حوالے کر دی اور ان کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کر لی۔ (رجال کشی ص ۱۰۲ طا کربلا) اور قریباً دس سال تک آپ کے بیت المال سے وظیفہ لیتے رہے اور یہ وہی حضرت معاویہؓ جن کو شیعہ آج تک معاف نہیں کرتے اور ان کو کافر قرار دیتے ہیں۔ (العیاذ باللہ) حضرت امیر معاویہؓ کی وفات کے بعد یزید کو حکومت ملی۔ حضرت امام حسینؓ نے نہ اس کی ولی عہدی کی بیعت کی اور نہ خلافت کی اور آخر کار میدان کربلا (محرم ۶۱ھ) استقامت کا اعلیٰ نمونہ پیش کر کے جام شہادت نوش فرمایا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

آپ کے بعد امام زین العابدین متوفی ۲۵ محرم ۹۵ھ نے حسب روایت شیعہ (بحوالہ روضۃ الکافی) یزید کی بیعت کرلی اور آپ کے بعد امام محمد باقر متوفی ۷ ذوالحجہ ۱۱۴ھ۔ پھر امام جعفر صادق متوفی ۱۵ شوال ۱۴۸ھ پھر امام موسیٰ کاظم متوفی ۲۵ رجب ۱۸۳ھ پھر امام رضا متوفی ۲۳ ذوالقعدہ ۲۰۳ھ۔ پھر امام محمد تقی متوفی ذوالقعدہ ۲۲۰ھ۔ پھر امام علی نقی متوفی ۳ رجب ۲۵۴ھ۔ پھر امام حسن عسکری م ۸ ربیع الاول ۲۶۰ھ۔ حضرت امام حسینؓ کے بعد حضرت حسن عسکری تک یہ تمام آئمہ حکومت وخلافت سے محروم رہے۔ حسب اعتقاد شیعہ انہوں نے اپنی قیمتی عمریں تقیہ کے سایہ میں گزار دیں۔ ان کے بعد شیعوں کے آخری امام مہدی ۱۵ شعبان ۲۵۶ھ میں پیدا ہوئے۔ اور ۴/۵ سال کی عمر میں اچانک غائب ہوگئے۔ اس کے بعد ۶۹ سال تک وہ غیبت صغریٰ میں رہے۔ اس عرصہ میں یکے بعد دیگرے ان کے چار سفیر کام کرتے رہے۔ جو امام مہدی کے ارشادات شیعوں تک پہنچاتے تھے۔ آخری اور چوتھے سفیر علی بن محمد ۳۲۹ھ ہیں۔ اس کے بعد ظہور تک امام مہدی کی غیبت کبریٰ کا زمانہ ہے کہ ان کے ساتھ کسی کا کوئی تعلق قائم نہیں رہا۔

کچھ ایسے سوئے ہیں سونے والے کہ جاگنے کی انہیں قسم ہے۔

یہ ہے افسانہ امامت جو اہل تشیع نے اختراع کیا ہے۔ ان میں سے پہلے امام ابوالائمہ حضرت علی المرتضیٰؓ حسب اعتقاد شیعہ برائے نام امام وخلیفہ ہوئے ہیں۔ اور انکے آخری امام مہدی کا تو صدیوں سے کوئی سراغ ہی نہیں مل رہا کہ وہ کہاں ہیں اور کیا کر رہے ہیں۔ آخر اس گمنام امام سے امت کو کیا فائدہ ہوا اور اگر وہ کہیں آخر میں ظہور فرمائیں گے تو وہ کس قسم کے کارنامے سرانجام دیں گے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تعزیہ

تعزیہ کالغوی معنی:

بیان اللسان میں ہے۔ تعزیت، مصیبت زدہ کو صبر کی ھدایت کرنا۔ (۲) المنجد میں ہے عزی (تعزیہ) الرجل سلاہ۔ اس نے مرد کی تعزیت کی۔ یعنی اس کو تسلی دی۔ (۳) عربی کی مشہور اور مستند کتاب قاموس میں ہے۔ العزا الصبر و عزا تعزیہ یعنی اس کو صبر دلایا۔

تعزیہ کا شرعی معنی: مسلمانان اہل السنہ والجماعہ کے نزدیک اہل بیت کے پاس تعزیت کرنا مسنون ہے۔

۱۔قال رسول اللہ ﷺ من عزی مصابا فلہ مثل اجرہ رواہ الترمذی و ابن ماجۃ (مشکوۃ کتاب الجنائز) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص کسی مصیبت زدہ کو صبر دلائے اس کو اس کی مثل اجر ملے گا۔

۲۔قال رسول اللہ ﷺ من عزی ثکلیٰ کُسِی بردا فی الجنۃ رواہ الترمذی (مشکوۃ شریف) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اس عورت کو صبر دلائے جس کا بچہ مر گیا ہو۔ اس کو جنت میں ایک چادر پہنائی جائے گی۔

اور تعزیہ بمعنی صبر اور تسلی دلانے میں اہلسنت کا کوئی اختلاف نہیں۔ چنانچہ بریلوی مولانا امجد علی اعظمی رضوی اپنی مشہور کتاب بہار شریعت حصہ چہارم ص ۱۲۸ میں لکھتے ہیں۔ وہ تعزیت مسنون ہے۔ حدیث میں ہے جو اپنے بھائی مسلمان کی مصیبت پر تعزیت کرتا ہے قیامت کے دن اللہ تعالی اسے کرامت کا جوڑا پہنائے گا۔ اس کو ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ (مسئلہ) مصیبت پر صبر کرے تو اسے دو ثواب ملتے ہیں۔ ایک مصیبت کا دوسرا صبر کا اور جزع فزع سے تو دونوں جاتے رہتے ہیں۔ (مسئلہ) تعزیت کے لیے اکثر عورتیں رشتہ دار جمع ہوتی ہیں اور روتی پیٹتی نوحہ کرتی

ہیں۔ انہیں کھانا نہ دیا جائے کہ گناہ پر مدد کرنا ہے۔ (بہار شریعت)

اس کتاب بہار شریعت حصہ چہارم کی تقریظ میں بریلوی مکتب فکر کے امام مولانا احمد رضا خان بریلوی لکھتے ہیں۔ وہ مطالعہ کیا الحمد للہ رسائل صحیحہ رجیحہ محققہ منقحہ پر مشتمل پایا۔

احادیث شیعہ اور تعزیہ کا معنی:

چونکہ ہم شیعوں کے مروجہ تعزیہ کا خلاف لغت وشرع ہونا ثابت کرنا ہے اسلئے تعزیت کے شرعی معنی سمجھنے کے لیے مذھب شیعہ کی مستند کتب حدیث درج ذیل ہیں۔

(۱) فروع الکافی جلد اول میں باب التعزیت ایک مستقل باب ہے۔ جس کے اردو ترجمہ الشافی میں لکھا ہے۔ باب التعزیت۔ یہاں صرف ان احادیث کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔

امام جعفر صادق نے فرمایا کہ جب رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہوا تو آنے والا تعزیت کے لیے آیا۔ جس کی مخفی آواز سنی گئی۔ مگر وجود نظر نہ آیا۔ اس نے کہا سلام ہو تم پر اے اہل بیت اور اللہ کی رحمت ہو۔ بے شک ہر ذی حیات مرنے والا ہے۔ تم روز قیامت صبر کا اجر پاؤ گے۔ جو نار سے دور رہا اور جنت میں داخل ہو گیا وہ کامیاب ہو گیا اور زندگی دنیا متاع غرور کے سوا کچھ نہیں۔ پس مرضی خدا کے لیے ہر مصیبت میں صبر کرنا چاہیے۔ (الشافی ص ۱۸۵)

(۲) فروع الکافی التعزیت کے باب میں ہے۔ فرمایا امام محمد باقر علیہ السلام نے کہ موسیٰ علیہ السلام نے مناجات میں کہا زن پسر مردہ کو صبر دلانے والے کی کیا جزا ہے۔ فرمایا میں اس کو اپنے سایہ میں اس دن جگہ دوں گا جس دن میرے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا۔

(۳) فرمایا (امام جعفر صادق نے) کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو کسی رنجیدہ کو صبر دلائے تو روز قیامت اس کو ایسا لباس پہنایا جائے گا جس سے وہ خوش ہوگا۔ (الشافی ص ۱۸۹) یہ ہے تعزیت کا مطلب جو اہل سنت اور اہل تشیع دونوں کی کتب احادیث میں مذکور ہے۔

صبر کا لغوی معنی: عربی لغت میں صبر بمعنی روکنے کے آتا ہے۔

(۱) قاموس میں آتا ہے صبرہ حبسہ یعنی اس کو روک لیا۔

(۲) امام لغت علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں۔ الصبر الامساک فی ضیق یعنی صبر تنگی و مصیبت میں روک لینے کو کہتے ہیں۔ یقال صبرت الدابۃ حبستھا بلاعلف. میں نے جانور کو بغیر چارہ کے روکے رکھا۔ اسی لغوی معنی کی بنا پر علامہ راغب صبر کی یہ تعریف کرتے ہیں۔

الصبر حبس النفس علی ما یقتضیہ العقل او لشرع او عما یقتضیان حبسھا عنہ.

جس بات کا تقاضا عقل یا شریعت کریں اس پر نفس کو روک رکھنا۔ یا جس سے روکنے کا تقاضا عقل اور شرع دونوں کریں اس سے روک لینا۔

(۳) المنجد میں ہے۔ الصبر التجلد و عدم الشکوی من الم البلوی: صبر کہتے ہیں۔ مضبوط رہنے کو اور مصیبت کے الم (دکھ) کی وجہ سے شکایت نہ کرنے کو اور آپ نے بھی لکھا ہے صبر کے معنی ہیں۔ کف النفس عما لا ینبغی یعنی نفس سے وہ امور ظہور میں نہ آئیں جو مناسب نہیں۔

(۴) شاہ عبدالقادر صاحب محدث دہلویؒ اور مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانویؒ نے اسی معنی کی بنا پر مندرجہ آیات میں صابرین کا ترجمہ ٹھہرتے والے، مستقل رہنے والے، ثابت رہنے والے کیا ہے۔

جزع کا لغوی معنی:

(۱) علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں۔ واصل الجزع قطع الحبل من نصفہ اور اصلی معنی جزع کا یہ ہے کہ رسی کو اس کے نصف میں سے کاٹ دیا جائے۔

(۲) قاموس میں ہے۔ جزع الارض والوادی قطعہ۔ یعنی اس نے زمین اور وادی کو قطع کیا۔

(۳) اس لغوی معنی کی بنا پر جزع بیقراری اور پریشانی کے اظہار کو کہتے ہیں۔ کیونکہ جزع آدمی کو سکون واطمینان سے قطع کر لیتا ہے۔ چنانچہ علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں۔

والجزع ھو حزن یصرف الانسان عما ھو بصددہ و یقطعہ عنہ

اور جزع وہ غم ہے جو انسان کو اس کام سے ہٹاتا ہے اور جدا کرتا ہے جس میں وہ مشغول ہے۔

(۴) اسی لغوی معنی کی بنا پر منتہی الارب میں لکھا ہے جزع ناشکیائی ضد صبر یعنی جزع بے صبری ہے۔

(۵) المنجد میں جزع کا معنی لکھا ہے۔ لم یصبر علیہ ۔اس پر اس نے صبر نہ کیا۔ چونکہ صبر کا لغوی معنی روک رکھنا آتا ہے اور جزع کا معنی قطع کرنا اور جدا کرنا آتا ہے۔ اس لیے جزع بیقراری اور پریشانی کو کہتے ہیں۔ اور صبر برقرار رہنے اور پریشانی نہ کرنے کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے اور یہ دونوں حالتیں یعنی قرار اور بیقراری ضدیں ہیں۔ یعنی ایک دوسرے کی مخالف ہیں۔ نہ مطابق و موافق۔ چنانچہ قاموس میں ہے۔ والصبر نقیض الجزع ۔صبر جزع کی نقیض ہے۔ وجزع ناشکیبائی ضد صبر اور جزع بے صبری کو کہتے ہیں جو صبر کی ضد ہے۔

(۶) علامہ اصفہانی لکھتے ہیں۔

قال کان حبس النفس لمصیبته سمی صبراً و یضاده الجزع

اگر کسی مصیبت میں نفس کو روک رکھا جائے تو اس کا نام صبر ہے اور جزع اس کی ضد ہے۔

نقیض اور ضد کا مفہوم: (ا) دو چیزیں معنی میں ایک دوسرے کے خلاف ہوں تو ان کو ضدین اور نقیضین کہا جاتا ہے اور ان دونوں میں کچھ فرق ہے۔ ضدین وہ دو امر ہیں۔ جو ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔ لیکن دونوں اٹھ سکتے ہیں۔ مثلاً سیاہ اور سفید۔ یہ نہیں کہہ سکتے کہ ایک چیز سیاہ بھی ہے اور سفید بھی۔ کیونکہ یا تو وہ چیز سیاہ ہوگی یا سفید لیکن یہ ہوسکتا ہے کہ سیاہ بھی نہ ہو اور سفید بھی نہ ہو بلکہ سبز یا سرخ ہو۔

(ب) اور نقیضین ان دو چیزوں کو کہتے ہیں جو ایک جگہ اکٹھی نہیں ہو سکتیں اور دونوں اٹھ بھی نہیں سکتیں۔ ان دونوں میں سے ایک کا رہنا ضروری ہوتا ہے۔ مثلاً صابر اور غیر صابر۔ عاقل اور غیر عاقل۔ عالم اور غیر عالم۔ کہ ان میں سے ایک حالت اور وصف کا ہونا ضروری ہے۔ اگر بے صبری کرنے والا ہے تو اس کو صابر نہیں کہہ سکتے لیکن یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ صابر بھی نہیں ہے اور غیر صابر

بھی نہیں۔ اسی طرح یہ نہیں کہہ سکتے کہ ایک آدمی عاقل بھی نہیں اور غیر عاقل بھی نہیں۔ یا عالم بھی نہیں اور غیر عالم بھی نہیں۔ یعنی جس جہت سے کسی کا ایک وصف ان میں سے بیان ہوگا اس جہت سے نہ یہ دونوں وصف جمع ہو سکتے ہیں۔ نہ دونوں اٹھ سکتے ہیں۔ اسی طرح صبر اور جزع ایک دوسرے کے خلاف حالتیں ہیں۔ جو ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتیں کیونکہ کتب لغت میں صبر اور جزع کو آپس میں ضدین یا نقیضین کہا گیا ہے۔ لہذا جہاں صبر ہوگا وہاں جزع نہیں ہوگا۔ جہاں جزع ہوگا وہاں صبر نہیں پایا جائے گا۔ یہ نہیں کہہ سکتے کہ ایک آدمی برقرار بھی ہے اور بیقرار بھی ہے۔ بلکہ یا وہ برقرار ہوگا یا بیقرار۔ یا صبر کرنے والا ہوگا یا جزع کرنے والا۔

صبر اور جزع کے مذکورہ مفہوم کے تحت یہ لازم آتا ہے کہ حسب آیات قرآنیہ ان اللہ مع الصابرین. جب اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے تو یقیناً جزع اور ماتم کرنے والوں کے ساتھ نہیں کیونکہ جزع بے صبری کو کہتے ہیں اور یہ نہیں ہوسکتا کہ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ بھی ہو اور بے صبری کرنے والوں کے ساتھ بھی ہو۔

از روئے قرآن جزع صبر کے خلاف ہے:

نہ صرف یہ کہ کتب لغت سے صبر اور جزع ایک دوسرے کے خلاف اور ضد ثابت ہوتے ہیں۔ بلکہ قرآن مجید سے بھی ان دونوں کے مفہوم کا متضاد اور متخالف ہونا ثابت ہے۔ چنانچہ سورہ ابراہیم رکوع ۳ میں فرمایا کہ جہنمی لوگ دوزخ میں یہ بات کہیں گے کہ سوآء علینا اجزعنا ام صبرنا مالنا من محیص ۔اس کا ترجمہ مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی (شیعی مفسر) نے یہ لکھا ہے۔ مگر ہمارے لیے دونوں حالتیں برابر ہیں۔ خواہ ہم روئیں پیٹیں یا صبر و سکوت اختیار کریں۔ ہمارے لیے تو کوئی چھٹکارا ہی نہیں ہے۔ اس آیت سے صراحتاً ثابت ہوا کہ جزع (رونا پیٹنا) اور صبر (سکوت اختیار کرنا) دونوں جدا جدا حالتیں ہیں اور ایک دوسرے کے خلاف ہیں۔ اور جزعنا کا ترجمہ مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی نے روئیں اور پیٹیں ہی کیا ہے لہذا جو ماتم کی ابتدائی حالت ہے وہ بھی صبر کے خلاف ہے۔

(۲) مولوی فرمان علی صاحب شیعی کا ترجمہ یہ ہے۔ ہم خواہ بیقراری کریں خواہ صبر کریں (دونوں) ہمارے لیے برابر ہیں۔ (کیونکہ عذاب سے) ہمیں تو اب چھٹکارا نہیں۔

(۳) حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانویؒ کا ترجمہ یہ ہے (اور اب تو) ہم سب کے حق میں (دونوں صورتیں) برابر ہیں۔ خواہ ہم پریشان ہوں خواہ ضبط کریں۔ ہمارے لیے بچنے کی کوئی صورت نہیں۔

(۴) حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ لکھتے ہیں۔ اب برابر ہے ہمارے حق میں ہم بیقراری کریں یا صبر کریں۔ ہم کو نہیں خلاصی۔

یہاں حضرت شاہ صاحب نے بھی جزع کا معنی بیقراری کیا ہے۔ جو صبر کے مقابلہ میں آیا ہے۔ اور صبر کا معنی شاہ صاحب موصوف دوسری آیات میں ٹھہرنے اور ثابت رہنے کا کرتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ جو آدمی ثابت اور برقرار ہوگا اس کو بیقرار نہیں کہہ سکتے۔ اور جو بیقرار ہو اس کو برقرار نہیں کہا جا سکتا۔ البتہ ماتمیوں کی منطق میں برقرار اور بے قرار، ثابت اور غیر ثابت مستقل اور غیر مستقل کا اگر ایک ہی مفہوم و مطلب ہے تو وہ ان کی سفاہت اور جہالت ہے جس کا عقل و علم کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔

(۵) علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی اس آیت کے تحت لکھتے ہیں۔ اور مصیبت بھی ایسی جس سے چھٹکارا کی کوئی صورت نہیں۔ نہ صبر کرنے اور خاموش رہنے سے کچھ فائدہ۔ نہ گھبرانے اور چلانے سے کچھ حاصل۔

(۶) بریلوی اعلیٰ حضرت احمد رضا خان اس کا ترجمہ یہ لکھتے ہیں۔ ہم پر ایک سا ہے چاہے بیقراری کریں یا صبر سے رہیں۔ ہمیں کہیں پناہ نہیں۔

(۷) نعیم الدین مرادآبادی اسکی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ کفار کہیں گے اب خلاصی کی کوئی راہ نہیں نہ کافروں کے لیے شفاعت۔ آؤ روئیں اور فریاد کریں۔ پانچ سو برس فریاد وزاری کریں گے اور کچھ کام نہ آئے گی۔ تو کہیں گے کہ اب صبر کر کے دیکھو شاید اس سے کچھ کام نکلے۔ پانچ سو برس صبر

کریں گے۔ وہ بھی کام نہ آئے گا تو کہیں۔ اجزعنا ام صبرنا م بالنا من محیص.

(۸) شیعہ مجتہد شیخ طبرسی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ یعنی ان الصبر و الجزع سیان مثلان لیس لنا محیص و لا مهرب من عذاب الله .(تفسیر مجمع البیان)

یعنی صبر اور جزع دونوں ہمارے لئے برابر ہیں۔ ہمارے لیے کوئی خلاص اور بھاگنے کی جگہ نہیں ہے۔ اسی آیت کے تحت شیخ طبرسی موصوف لکھتے ہیں۔ الجزع انزعاج النفس بورود ما یغم و نقیضہ الصبر۔ اور جزع کہتے ہیں۔ بوجہ غمناک خبر آنے کے دل کا بیقرار ہو جانا اور اس کی نقیض صبر ہے۔ یہاں علامہ طبرسی نے بھی صبر اور جزع کا آپس میں نقیض اور مخالف ہونا بیان کر دیا ہے۔ تو جب قرآن مجید کی مندرجہ آیت اور سنی اور شیعہ مفسرین کی تصریح سے ثابت ہو گیا کہ جزع اور صبر ایک چیز نہیں ہیں بلکہ یہ دونوں ایک دوسرے کی نقیض اور ضد ہیں یعنی انسان میں یا صبر کی حالت پائی جائے گی یا جزع کی۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ جزع اور ماتم کرنے والے کو صابر بھی کہا جائے۔ کیونکہ جو صابر ہوگا وہ جزع نہیں کرے گا اور جو جزع کرے گا وہ صابر نہیں ہوگا۔

اپیل:

اب ارباب نظر خود فیصلہ فرمائیں کہ مذکورہ قرآنی آیت اور سنی و شیعہ مفسرین کی تشریحات کے بعد کیا ماتم کرنے والے صابرین میں شامل ہوسکتے ہیں اور جب قرآن کی متعدد آیات میں صبر کا حکم دیا گیا ہے تو کیا اس سے یہ لازم نہیں آیا کہ ماتم اور جزع حرام ہیں اور ماتمی گروہ کا عقیدہ اور عمل قرآن مجید کے بالکل مخالف ہے کیونکہ ماتم مروجہ کا حرام ہونا (یعنی جزع و فزع وغیرہ) قرآن حکیم کی نص سے ثابت ہو گیا۔

آیت نمبر 1: قرآن مجید میں فرمایا۔ یا ایها الذین آمنو استعینوا بالصبر والصلوٰۃ ان الله مع الصابرین (سورۃ بقرہ) اے ایمان والو مدد حاصل کرو تم ساتھ صبر اور نماز کے۔ بے شک اللہ صبر والوں کے ساتھ ہے۔

آیت نمبر 2: والصابرین فی البا ساء والضرآء و حین الباس اولئک الذین صدقوا

و اولئک هم المتقون (پارہ ۲) اور مسلمان وہ ہیں جو سختی تکلیف اور لڑائی میں صبر کرنے والے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جو سچے ہیں اور یہی لوگ متقی ہیں۔

اس آیت سے ثابت ہوا کہ صبر کرنے والے ہی سچے اور متقی ہیں۔ یہ کسی جگہ نہیں فرمایا کہ صبر کو چھوڑنے والے اور سینہ کوبی کرنے والے سچے اور جنتی ہیں۔ یا ماتم کرنے والوں کے ساتھ اللہ ہے۔

آیت نمبر3: والذین صبروا ابتغاء وجه ربهم و اقاموا الصلوة و انفقوا مما رزقنهم سرّا و علانية يدرؤن بالحسنة السيئة اولئک لهم عقبى الدار (پارہ نمبر ۱۳، سورۃ الرعد رکوع ۳)

اور جن لوگوں نے اپنے رب کی رضامندی حاصل کرنے کے لیے صبر کیا اور نماز قائم کی اور ہم نے جو انکو رزق دیا ہے اس میں سے پوشیدہ اور علانیہ خرچ کیا اور وہ بھلائی سے برائی کو ہٹاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کیلئے آخرت کا گھر اور بہشت ہے۔

اس آیت میں نماز پڑھنے والوں اور صبر کرنے والوں کو جنت کی خوشخبری سنائی گئی ہے۔ نہ کہ ماتم کرنے والوں کو (ہم ماتم کیوں نہیں کرتے ص ۲۰، ۲۱)

آیت دوم کی تفسیر:

دوسری آیت جو حرمت ماتم کی دلیل میں پیش کی گئی ہے یہ ہے

والصابرين في البأساء والضراء و حين البأس اولئک الذين صدقوا و اولئک هم المتقون (پارہ ۲ سورہ بقرہ رکوع ۲۲/۶)

مولوی مقبول احمد صاحب شیعی مفسر نے اسکا ترجمہ یہ لکھا ہے۔

اور تنگدستی میں اور بیماری میں اور لڑائی کی سختی کے وقت صبر کرنے والے ہوں یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے (عملا) سچ بولا اور یہی متقی ہیں۔

ہم نے صبر اور جزع کے مفہوم کے متعلق کتب لغت اور تفاسیر اہلسنت اور اہل تشیع سے جو تحقیق پہلے

بیان کی ہے۔اس کے بعد قرآنی آیات صبر میں سے کسی آیات کی تشریح وتفسیر کی زیر بحث مسئلہ میں ضرورت نہیں رہتی کیونکہ صبر کا لفظ جہاں بھی مذکور ہے وہاں جزع و ماتم کی نفی لازم آتی ہے۔ کیونکہ جزع و صبر دونوں کا مفہوم ایک دوسرے کے خلاف ہے لیکن ماتمی لوگوں کی کم علمی اور ہٹ دھرمی اور عوام کی ناواقفیت کی بنا پر اس آیت کی مزید تشریح ضروری معلوم ہوتی ہے۔تاکہ کسی پہلو سے باطل کو کوئی گنجائش نہ مل سکے۔اس آیت کی تفسیر سے پہلے صبر کا جامع مفہوم پیش کیا جاتا ہے۔ جس کو سمجھ لینے کے بعد مخالفین کے شبہات کا بالکلیہ ازالہ ہو جاتا ہے۔

صبر کا جامع مفہوم:

امام لغت علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں۔ فالصبر لفظ عام و ربما خولف بین اسمائه بحسب اختلاف مواقعه فان کان حبس النفس لمصیبته سمی صبر الا غیر و یضاده الجزع و ان کان فی محاربته سمی شجاعة و یضاده الجبن و ان کان فی نائبة مضجرة سمی رحب الصدر و یضاده الضجر و ان کان فی امساک الکلام سمی کتمانا و یضاده المذال و قد سمی الله تعالیٰ کل ذلک صبر و نبه علیه بقوله والصابرین فی البا ساء والضرآء والصابرین علی ما اصابهم و الصابرین والصابرات

پس صبر ایک عام لفظ ہے۔اور بسا اوقات اس کے مواقع کے اختلاف کی وجہ سے اس (یعنی صبر) کے ناموں میں اختلاف ہو جاتا ہے۔پس اگر کسی مصیبت کے وقت نفس کو روکنا ہے۔تو سوائے صبر کے اس کا کوئی اور نام نہیں ہوتا اور اس کی ضد جزع ہے اور اگر لڑائی میں (نفس کو روکنا) ہے تو اس کو شجاعت کہتے ہیں اور اس کی ضد جبن (یعنی بزدلی) ہے اور کسی تنگی میں ڈالنے والے حادثہ میں ہو تو اس کا نام سینہ کی کشادگی ہے اور اس کی ضد ضجر (یعنی تنگدلی ہے) اور اگر کلام کے روکنے میں ہو تو اس کا نام کتمان ہے اور اس کی ضد مذال ہے (یعنی ظاہر کر دینا) اور اللہ تعالیٰ نے ان سب حالتوں کو صبر کا نام دیا ہے اور اپنے ارشاد والصابرین فی الباساء والضرآء میں آگاہ کیا

ہے۔

لفظ صبر کی اس تشریح سے ثابت ہوا کہ صبر بمعنی نفس کو روکنا ہر جگہ پایا جاتا ہے۔ خواہ بجائے صبر کے اس حالت کا کوئی اور نام ذکر کیا جائے۔ مثلاً شجاعت تو جسطرح شجاعت کی ضد بزدلی ہے اسی طرح صبر کی ضد جزع و ماتم ہے۔ جس طرح بزدل آدمی کو کوئی شجاع نہیں کہہ سکتا اور شجاع کو بزدل نہیں کہا جا سکتا اسی طرح صابر کو ماتمی نہیں کہہ سکتے اور ماتمی کو صابر نہیں کہا جا سکتا۔ لیکن ماتمی لوگوں کا اگر یہ فلسفہ تسلیم کیا جائے کہ ماتمی بھی صابر ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ بزدل کو بھی بہادر کہا جائے۔ اگر اس طرح اس فلسفہ کو وسیع کیا جائے تو کیا کسی لفظ کا حقیقی مفہوم محفوظ رہ سکتا ہے۔ پھر تو ماتمی حضرات یہ بھی کہہ سکتے ہیں۔ اہل شرک اور بت پرست دونوں اہل توحید ہیں۔ اور اہلسنت اور اہل تشیع دونوں ایک ہیں بلکہ اہل عقل اور بے عقل، اہل علم اور بے علم، اہل ایمان اور بے ایمان، اہل عدل اور ظالم سب کا ایک ہی مفہوم و مطلب ہے۔

(۲) امام رازی صبر کے متعلق فرماتے ہیں۔ ثم اعلم ثما الصبر ضربان احدهما بدلی كتحمل المشاق بالبدن والثبات عليه وهوا مابالفعل كتعاطى الاعمال الشاقة و بالاحتمال كالصبر على الضرب الشديد والالم العظيم. والثانى. هو الصبر النفسانى وهو منع النفس عن مقتضيات الشهوة و مشتهيات الطبع ثم هذا الضرب ان كان صبرا عن شهوة البطن و الفرج سمى عفة و ان كانا على احتمال مكروه اختلفت اسامية عندالناس باختلاف المكروه الذى عليه الصبر فان كانا فى مصيبته اقتصر عليه باسم الصبر و يضاده حالة تسمى الجزع و الهلع وهواطلاق داعى الهوى فى رفع الصوة و ضرب الخد و شق الجيب وغيرها ان كانا فى حال الغنى يسمى ضبط النفس ويضاده حالة تسمى البطر و ان كان فى حرب و مقاتلة يسمى شجاعة و يضاده الجبن و ان كان فى كظم الغيظ و الغضب يسمى حلماً و يضاده الضجر والندم و ضيق الصدر و ان كان فى اخفاء

کلام یسمی کتمان النفس و یسمی صاحبه کتوما وان کان فضول العیش سمی زهدا و یضاده الحرص و ان کان علی قدر یسیری من المال سمی بالقناعة و یضاده الشرة وقد جمع اللہ تعالیٰ اقسام ذلک سمی الکل صبرا فقال الصابرین فی الباساء ای المصیبة و الضراء ای الفقر و حین الباس ای المحاربة اولئک الذین صدقوا و اولئک هم المتقون قال القفال رحمه اللہ لیس الصبر ان لا یجد الانسان الم المکروه ولا ان لایکره ذلک لان ذلک غیر ممکن انما الصبر هو حمل النفس علی اظهار الجزع فاذا کظم الحزن و کف النفس عن ابراز اثاره کان صاحبه صابر و ان ظهر و مع عین او تغیر لون قال علیه السلام الصبر عند الصدمة الاولیٰ وهو کذلک لان من ظهر منه فی الابتداء بالایعه معه من الصابرین ثم صبر فذالک یسمی سلوا وهو مما لا بلمنه(تفسیر کبیر پارہ۲)

ترجمہ: پھر جان لو کہ صبر کی دو قسمیں ہیں۔ایک بدنی صبر ہے۔جیسا کہ بدنی مشقتوں کا اٹھانا اور اس پر ثابت رہنا ہے اور وہ یا تو کام کرنے سے ہوتا ہے۔جیسا کہ بدنی مشقت والے کام کرنا یا برداشت کرنے سے جیسا کہ سخت ضرب اور بڑے درد یا الم پر صبر کرنا اور دوسری قسم صبر کی نفسانی ہے اور وہ یہ ہے کہ نفس کو نفسانی تقاضوں اور طبعی خواہشات سے روک لینا اور پھر اس دوسری قسم میں نفس کو پیٹ اور فرج (شرمگاہ) کی شہوت سے روکنا ہے۔تو اس کو عفت کہتے ہیں اور اگر کسی ناپسندیدہ اور تکلیف دہ امر کو برداشت کرتا ہے تو جس ناپسندیدہ امر پر صبر کرتا ہے اس کے اختلاف کی وجہ سے لوگوں کے ہاں اس کے مختلف نام ہیں۔اگر مصیبت میں نفس کو روکتا ہے تو اس کا نام صرف صبر ہی ہے اور اس کے خلاف جو حالت ہے اس کو جزع اور ہلع کہتے ہیں۔(یعنی بیقراری اور پریشانی) اور جزع یہ ہے کہ خواہش نفس کو آزاد چھوڑ دیا جائے چیخنے چلانے میں اور منہ پیٹنے میں اور گریبان پھاڑنے وغیرہ افعال میں اور اگر جنگ و قتال میں نفس کو روک رکھتا ہے تو اس کو شجاعت کہتے ہیں اور اس کی ضد جبن (بزدلی) ہے اور اگر غنا (دولت مندی) کی حالت میں نفس کو

روک رکھا جائے تو اس کو ضبط نفس کہتے ہیں اور اس کی ضد بطر ہے (یعنی اترانا اور تکبر کرنا) اور اگر یہ لڑائی اور جنگ میں ہے تو اس کو شجاعت کہتے ہیں اور اس کی ضد بزدلی ہے اور اگر یہ غصے اور غضب کے روکنے میں تو اس کو حلم کہتے ہیں اور اس کی ضد نزاق ہے۔ یعنی گالی دینا اور اگر یہ حوادثات زمانہ کے کسی تنگی دینے والے حادثہ میں ہے تو اسکو سینہ کی کشادگی کہتے ہیں اور اس کی ضد ضجر ندم اور ضیق صدر ہے۔ یعنی تنگدلی اور اگر یہ بات کے چھپانے میں ہے تو اس کا نام کتمان ہے اور بات چھپانے والے کو کتوم کہتے ہیں اور اگر یہ عیش پرستی سے روکنے میں ہے تو اس کو زہد کہتے ہیں اور اس کی ضد حرص ہے اگر اگر تھوڑے مال پر نفس روک رکھتا ہے تو اس کو قناعت کہتے ہیں اور اس کی ضد شرہ ہے۔ یعنی لالچ۔ اور اللہ تعالیٰ نے یہ قسمیں جمع کردی ہیں اور سب کا نام صبر رکھا ہے اور فرمایا والصابرین فی الباساء اور صبر کرنے والے ہیں مصیبت میں اور فقر (محتاجی) میں اور لڑائی کے وقت یہی سچے لوگ ہیں اور یہی لوگ متقی ہیں۔ قفال رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صبر اس کو نہیں کہتے کہ انسان کسی تکلیف دہ امر کا دکھ محسوس نہ کرے اور نہ یہ ہے کہ اس کو ناپسند نہ کرے کیونکہ یہ ممکن نہیں ہے اور بے شک صبر یہ ہے کہ وہ نفس کو جزع (بیقراری اور پریشانی) کے نہ ظاہر کرنے پر مجبور کرے۔ پس جب اس نے غم کو ضبط کیا اور اس کے آثار ظاہر کرنے سے نفس کو روک لیا۔ تو ایسا کرنے والا صابر ہوگا اگرچہ اس کی آنکھ سے آنسو نکل پڑے یا اس کے (چہرے کا) رنگ بدل جائے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ صبر ابتداء صدمہ میں ہوتا ہے اور وہ اسی طرح کیونکہ اگر اس آدمی سے ابتدا میں ایسا کام ظاہر ہو کہ جس کی وجہ سے وہ صابرین میں شمار نہیں ہوسکتا (یعنی ابتداء میں جزع فزع اور مروجہ ماتم کرے) اور پھر صبر کرے (یعنی پھر ایسا نہ کرے) تو اس کو تسلی کہتے ہیں کیونکہ بعد میں تو ضرور تسلی ہو جاتی ہے۔ امام رازی کی اس تفصیل سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ صبر کے لفظ میں نفس کو روک رکھنے اور قابو کرنے کا معنی پایا جاتا ہے البتہ مختلف پہلوؤں سے اس کے نام مختلف ہو جاتے ہیں۔ مثلاً جنگ وجدال میں شجاعت کا ظہور انسان کے نفس پر کنٹرول کی وجہ سے ہی ہوتا ہے۔ لیکن اس صبر کا نام شجاعت ہے اور اگر جنگ کے موقعہ پر صبر نہ کرسکے تو اسکو بزدلی

کہتے ہیں اور خصوصیت سے صبر کا اطلاق مصیبت میں نفس کو قابو میں رکھنے اور جزع اور بیقراری کا اظہار نہ کرنے پر ہوتا ہے اور اس کا سوائے صبر کے اور کوئی نام نہیں۔

آیت نمبر ۳: تیسری آیت جس سے حرمت ماتم پر استدلال کیا جاتا ہے یہ ہے۔

والذین صبروا ابتغاء وجه ربهم واقاموا الصلوٰة وانفقوا مما رزقنهم سراً و علانية و يدرؤن بالحسنة السيئة اولئک لهم عقبى الدار (پارہ ۱۳ سورہ رعد ع ۳)

مولوی مقبول احمد صاحب شیعی نے یہ ترجمہ لکھا ہے جن لوگوں نے اپنے پروردگار کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے صبر کیا اور نماز پڑھی اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا تھا اس میں سے چھپا کر اور ظاہر طور پر (راہ خدا میں) خرچ کیا۔ اور بدی کا بدلہ نیکی سے کرتے رہے عاقبت کا گھر انہی کے لیے ہے۔ (ترجمہ مقبول) مصنف فلاح الکونین۔ کہتے ہیں کہ اس آیت کا ماتم مروجہ اور یا غیر مروجہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ تو یہ ان کی کم فہمی پر مبنی ہے کیونکہ صبروا کا لفظ مطلق ہے اور اس کے تحت صبر کی وہ تمام قسمیں آجاتی ہیں جن کی تفصیل امام رازی رحمہ اللہ کی تفسیر رازی سے کی جا چکی ہے۔ یعنی وہ لوگ مصیبت میں بھی صبر کرنے والے ہیں اور جنگ و قتال کے وقت بھی اور فقر و فاقہ وغیرہ کے احوال میں بھی۔ تو جب حسب لغت و تفسیر قرآن جزع کرنا صبر کے خلاف ہے۔ تو صابرین کی صفات کے بیان میں ماتم مروجہ کا تعلق کیوں نہیں ہوگا؟ اگر صابرین اللہ کے ہاں فضیلت والے ہیں۔ تو یقیناً ماتمی لوگ جن کا فعل ماتم صبر کرنے کے خلاف ہے اللہ کے ہاں بے وقار ہوں گے۔ علاوہ ازیں روافض نے جو یہ لکھا ہے کہ اس آیت سے مراد حضرت علیؓ ہیں۔ اگر اس کا یہ مطلب ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ کے سوا اور کوئی صحابی اس آیت کا مصداق نہیں تو یہ غلط ہے کیونکہ اس آیت میں صابرین کی ایک جماعت مراد ہے۔ جن میں حضرت علیؓ بھی ہیں اور یہ بھی فرمائیں کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی جو صفت اس آیت میں بیان فرمائی گئی ہے۔ کیا حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عثمان ذوالنورین اس صفت میں حضرت علیؓ سے افضل نہیں ہیں۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے تو سارا مال دربار رسالت میں پیش کر دیا تھا۔ جس کے متعلق شاعر اسلام علامہ

اقبال علیہ الرحمۃ یہ کہہ چکے ہیں۔

پروانے کو چراغ بلبل کو پھول بس　　　　صدیق کے لیے خدا کا رسول بس

اور حضرت عثمان ؓ کا اللہ کی راہ میں خرچ کرنا تو اتنی واضح حقیقت ہے کہ کوئی دشمن بھی اس کا انکار نہیں کر سکتا۔

ا۔ غزوہ تبوک میں حضرت عثمان نے تین سو اونٹ مع ساز و سامان کے اور ایک ہزار اشرفیاں رحمۃ للعلمین کی خدمت میں پیش کر دیے تھے۔

۲۔ اوائل ہجرت میں مدینہ منورہ میں ایک میٹھا کنواں جس کا نام "رومہ" خرید کر اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا تھا۔

۳۔ مسجد نبوی کے ساتھ ملحقہ زمین تقریباً پچیس ہزار روپے کی خرید کر مسجد میں شامل کر دی۔ وغیرہ وغیرہ۔ کیا حضرت علیؓ کے مصنوعی نام لیوا بتا سکتے ہیں کہ حضرت علی المرتضٰی نے غزوہ تبوک یا دوسرے مواقع پر کتنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کیا تھا۔

حضرت علی المرتضٰی ؓ کا صبر:

ہم اہلسنۃ والجماعۃ چونکہ دیگر خلفاء الراشدین صحابہ کرام اور ازواج مطہرات کی محبت کی طرح حضرت علی المرتضٰی، حضرت سیدنا امام حسن، سیدنا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہم اور خاتون جنت حضرت فاطمۃ الزہراؓ کی محبت کو بھی اپنے ایمان کی جز مانتے ہیں اس لیے روافض کے مطاعن کے سلسلہ میں ہمیں ان حضرات اہل بیت کی عظمت شان کو ملحوظ رکھتے ہوئے جواب دینا پڑتا ہے۔ ورنہ اگر روافض کے عقائد و نظریات کو دیکھا جائے تو نعوذ باللہ حضرت علی المرتضٰیؓ کی کوئی دینی حیثیت باقی نہیں رہتی۔ بلکہ ایک فرضی علی کی تصویر سامنے آ جاتی ہے۔ جس کی اصل علیؓ کی حقیقی تصویر سے کوئی مناسبت و مشابہت نہیں پائی جاتی۔ ہم الزاماً کہتے ہیں کہ جو صحابہ میدان جنگ سے ہٹ گئے تھے۔ ان کو تو علام الغیوب اور رحیم و کریم خدا نے معاف کر دیا لیکن روافض جو حضرت علی المرتضٰیؓ کے متعلق یہ کہتے ہیں۔

۱۔ وہ اللہ کی دی ہوئی خلافت کو حاصل نہ کر سکے اور چوبیس (۲۴) سال تک وہ حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمانؓ سے اپنی خلافت نہ لے سکے بلکہ از روئے تقیہ ان خلفاء سے بیعت بھی کی اور ان کی اقتداء میں نمازیں بھی پڑھتے رہے۔

۲۔ حضرت فاطمہ زہراؓ کا فدک بھی چھین لیا گیا۔ اور وہ بے بس ہو گئے۔ حتیٰ کہ نعوذ باللہ ان کے سامنے خاتون جنت کا بازو توڑا گیا۔ ان کا حمل گرایا گیا۔ بلکہ حضرت علیؓ کے گلے میں رسی ڈال کر ان کو اصحاب ابی بکر کی بیعت کے لیے مسجد میں لے گئے۔ ملاحظہ ہوں (جلاء العیون اردو مطبوعہ لکھنوص ۱۵۲)

کیا صابرین کی یہی شان ہوتی ہے۔ کیا حضرت علیؓ کی یہی حقیقی تصویر ہے اور کیا ایسے کمزور شخص کو کوئی اسد اللہ (اللہ کا شیر) تسلیم کر سکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰؓ اگر صاحب کمالات وفضائل وخلیفہ راشد مانے جا سکتے ہیں۔ تو صرف مذہب اہلسنت والجماعت کے عقیدہ کی بنا پر۔ ورنہ خارجی تو حضرت علی المرتضیٰؓ کے کھلے دشمن ہیں اور آپؓ کو مومن بھی نہیں سمجھتے اور روافض بظاہر محبت وایمان کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن جن امور کو ان کی طرف منسوب کرتے ہیں وہ بھی دشمنی ہی ہے۔ مگر بصورت محبت اور یہ زیادہ خطرناک نظریہ ہے۔

رونا غمی کی وجہ سے بھی ہوتا ہے اور خوشی سے بھی۔ خوف سے بھی اور محبت سے بھی یہ انسان کے طبعی تاثرات ہیں لیکن باوجود اس کے اللہ تعالیٰ نے غم باقی رکھنے سے منع فرما دیا ہے۔ جنگ احد میں نبی کریم ﷺ کے دانت مبارک شہید ہوئے اور ستر (۷۰) اصحاب حضور اکرم ﷺ کے حکم سے پرچم نبوی کے سایہ میں کفار کے مقابلہ میں شہید ہوئے۔ جس میں حضور ﷺ کے سگے چچا حضرت حمزہؓ بھی تھے اور ان شہدا کا مسلمانوں کے دلوں میں طبعی طور پر صدمہ بھی تھا لیکن باوجود اس کے اللہ تعالیٰ نے اصحاب رسول ﷺ کو ارشاد فرمایا لا تھنوا ولا تحزنوا و انتم الاعلون ان کنتم مومنین (اور تم نہ سست ہو اور نہ غم کھاؤ اگر تم مومن ہو تو تم ہی غالب رہو گے) (پارہ ۴، سورۃ آل عمران رکوع ۱۴)

اس آیت کی پیش گوئی کے تحت اصحاب رسول ﷺ قیصر و کسریٰ جیسے کفار کی عظیم سلطنتوں پر غالب آ گئے۔ ان غالب آنے والی جماعت صحابہ میں حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان ذوالنورین اور شیر خدا حضرت علی المرتضیٰ کو خلافت راشدہ کی صورت میں یہ اسلامی غلبہ عطا فرمایا۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

آیت نمبر ۶: حضرت موسیٰ کی والدہ کو حکم دیا فاذا خفت علیہ فالقیہ فی الیم ولا تخافی ولا تحزنی انا رادوہ الیک و جاعلوہ من المرسلین (پارہ ۲۰ سورۃ قصص رکوع ۱)

پس جب تجھ کو اپنے بچے کا ڈر ہو تو اس کو دریا میں ڈال دے اور خوف نہ کر اور غم نہ کھا ہم پھیر دیں گے اس کو تیری طرف اور کریں گے اس کو پیغمبروں سے یعنی چونکہ یہ تیرا بچہ پیغمبر ہونے والا ہے اسی لیے کسی قسم کا غم کھانا مناسب نہیں ہے۔

اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ چونکہ حضرت امام حسین کو جنت کے جوانوں کی سرداری ملنے والی ہے اس لیے ان کے بارے میں کسی قسم کا غم کرنا ان کی شان کے لائق نہیں ہے۔

آیت نمبر ۷: الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون

خبردار اولیاء اللہ کی شان ہے کہ ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ عبادت تو اولیاء اللہ کی روحانی غذا ہوتی ہے۔ اگر غم و ماتم بھی عبادت ہوتا تو اللہ تعالیٰ ان کی شان میں ولا ھم یحزنون نہ فرماتے بلکہ یہ فرماتے کہ اولیاء اللہ وہ ہیں جو غم کی یادگاریں منانے والے ہیں۔

مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی: فرماتے ہیں۔ خوف سے خوف حق اور غم سے غم آخرت مراد نہیں ہے بلکہ دنیوی خوف و غم کی نفی مراد ہے۔ جس کا احتمال مخالفت اعداء سے ہو سکتا ہے۔ وہ مومنین کاملین کو نہیں ہوتا۔ ہر وقت ان کا اللہ پر اعتماد ہوتا ہے۔ ہر واقعہ کی حکمت کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ اسی میں مصلحت سمجھتے ہیں۔ نیز لکھتے ہیں۔ اور خوف و حزن سے ان کے محفوظ رہنے کی وجہ یہ ہے کہ ان کے لیے دنیوی زندگی میں بھی من جانب اللہ خوف و حزن سے بچنے کی خوشخبری ہے۔ (بیان القرآن)

علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب: لکھتے ہیں۔ بعض مفسرین نے آیت کو کچھ عام رکھا ہے۔ یعنی ان پر اندیشہ ناک حوادث کا وقوع نہ دنیا میں ہوگا نہ آخرت میں اور نہ کسی مطلوب کے فوت ہونے پر وہ مغموم ہوتے ہیں۔ گویا خوف سے خوف حق یا غم سے غم آخرت مراد نہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ غم کی نفی کا تعلق دنیوی زندگی سے ہو یا اخروی زندگی سے۔ اولیاء اللہ کی اس صفت خاصہ سے اتنا تو معلوم ہوتا ہے کہ ان پر اس دنیوی زندگی میں بھی مخلوق کا خوف اور حزن غالب نہیں ہوسکتا۔ جس طرح ایک بہادر شخص پر دشمن کا خوف غالب نہیں ہوسکتا۔ گو بشری تقاضہ کے تحت وقتی طور پر اس کو کچھ اندیشہ لاحق ہو جاتا ہے جیسا کہ انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام کے متعلق ان کی شان کے مطابق قرآن میں بھی خوف کا لفظ مذکور ہے۔ اس طرح صابر شخص پر بھی کسی عزیز و بزرگ کی جدائی یا قتل کی مصیبت کا غم غالب نہیں ہوتا۔ گو طبعی طور پر اس کو غم لاحق ہو جاتا ہے۔ لیکن خوف و حزن دونوں حالتوں میں عوام و خواص ایک جیسے نہیں ہوتے۔ عوام کے دلوں پر پریشانی کا غلبہ ہو جاتا ہے لیکن خواص یعنی اولیاء اللہ کے قلوب مطمئن رہتے ہیں۔ گو جسمانی تکلیف و اذیت ان کو بھی پہنچتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا الذین امنو و تطمئن قلوبهم بذكر الله الا بذكر الله تطمئن القلوب (وہ لوگ جو ایمان لائے اور ان کے دل مطمئن ہوتے ہیں۔ خبردار (آگاہ رہو) کہ اللہ کے ذکر سے ہی قلوب کو اطمینان نصیب ہوتا ہے۔) اور جبکہ خارجی اسباب کا اثر اولیاء اللہ کے دلوں پر غالب نہیں ہوتا۔ تو پھر مصائب کے بارے میں بھی ان کی یہی خصوصیت ہوگی کہ ان پر رنج و غم غالب نہ ہو۔ لیکن ماتمی فلسفہ تو یہ ہے کہ مصائب کی وجہ سے جتنا مومنین پر رنج و غم غالب ہو اور پھر وہ اس کے تقاضے سے دیواروں کے ساتھ ٹکریں ماریں تو وہ صابرین اور کاملین میں سے ہیں۔ حالانکہ امام الانبیاء والمرسلین ﷺ پر کبھی بھی غم غالب نہیں ہوا اور نہ ہی کبھی آپ ﷺ نے منہ پیٹا اور نہ سینہ کوبی کی لہذا مومنین کا کمال یہی ہے کہ رحمۃ للعلمین ﷺ کے حالات و کمالات سے ان کو زیادہ مناسبت و مشابہت نصیب ہو جائے۔ الیس منكم رجل رشيد. (کیا تم میں کوئی شخص بھی عقل و فہم رکھنے والا نہیں ہے)

اور اگر انبیاء واولیاء کو طبعی طور پر کسی موقعہ پر خوف وحزن لاحق ہوا بھی ہے تو اللہ نے اسے دور کرنے کا حکم فرمایا ہے۔

۱۔ فرعون کے جادوگروں کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ سے فرمایا لاتخف انک انت الاعلیٰ (آپ مت ڈریں آپ ہی غالب ہونے والے ہیں)

۲۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کو بھی فرمایا لا تخف (آپ خوف نہ کریں)

۳۔ حضرت لوطؑ کو ارشاد ہوا لا تخف ولا تحزن (آپ خوف بھی نہ کریں اور غم بھی نہ کریں)

۴۔ اصحاب رسول ﷺ کو جو اولیاء اللہ سے افضل ہیں فرمایا لا تھنوا و لا تحزنوا (او رست مت ہو اور غم نہ کرو)

ان آیات میں انبیاء عظام اور صحابہ کرام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خوف یا غم نہ کرنے کے ارشاد سے ہر صاحب عقل وانصاف یہی نتیجہ نکالے گا کہ خوف وحزن گو طبعی حالتیں ہیں لیکن ان کا باقی رکھنا مطلوب اور پسندیدہ نہیں۔

آیت نمبر۸: حضرت صدیق اکبرؓ کو غار ثور میں دشمنوں کی وجہ سے محبوب خدا ﷺ کے متعلق غم لاحق ہوا تو رحمت للعالمین ﷺ نے اپنے یار غار سے فرمایا۔ لا تحزن ان اللہ معنا (نہ غم کر بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے) (سورۃ توبہ)

آیت نمبر۹: اللہ تعالیٰ نے امتحانی مصائب میں مبتلا کرنے کی حکمت بتلاتے ہوئے مومنوں کو تسلی دی ہے۔ لکیلا تاسوا علی مافاتکم ولا تفرحوا بما اتاکم (سورۃ حدید)

تا کہ غم نہ کھاؤ۔ اوپر اس چیز کے جو تم سے فوت ہوگئی ہے اور نہ اتراؤ اوپر اس کے جو اللہ نے تمہیں دی ہے۔

یعنی خوشی اور نعمت پر فخر نہیں کرنا چاہیے اور تکلیف اور مصیبت پر غم نہیں کرنا چاہیے۔

حرمت ماتم بحدیث النبی الخاتم ﷺ:

۱۔ نبی اکرم ﷺ نے حضرت فاطمہ زہراؓ کو اپنی وفات سے قبل ہی تسلی دے دی تھی تا کہ بعد وفات

نوحہ وغیرہ نہ کریں چنانچہ بخاری شریف میں ہے۔

عن عائشۃؓ قالت دعا النبی ﷺ فاطمۃ علیہا السلام فی شکواہ الذی قبض فیہ فسرھا بشئی فبکت ثم دعاھا فسارھا بشئی فضحکت فسالنا عن ذالک فقالت فسارنی النبی ﷺ ان یقبض فی وجعہ الذی توفی فیہ فبکیت ثم سارنی فاخبرنی انی اول اھلہ یتبعہ فضحکت .(صحیح بخاری باب مرض النبیؐ)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت فاطمہؓ کو اپنی اس بیماری میں بلایا جس میں آپ کی وفات ہوگئی تھی اور آپ سے پوشیدہ کچھ بات کہی۔ تو آپؓ رو پڑیں۔ پھر آپؓ کو بلایا اور آپ سے پوشیدہ کچھ بات کہی تو حضرت فاطمہؓ ہنس پڑیں۔ پھر ہم نے ان سے اس کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا۔ کہ نبی کریم ﷺ نے مجھ سے یہ فرمایا تھا کہ میں اس بیماری میں وفات پا جاؤں گا۔ تو میں رو پڑی تھی۔ پھر آپ نے مجھ سے رازداری میں فرمایا کہ آپ کے گھر والوں میں سب سے پہلے میں آپ کے پیچھے جاؤں گی تو میں ہنس پڑی تھی۔

فرمایئے یہ ہے خاتون جنت کے رونے اور ہنسنے کی کیفیت۔ کہ باوجود آنحضرت ﷺ کی وفات کی خبر سننے اور اس کا صدمہ لاحق ہونے کے جب آپ کو یہ معلوم ہوا کہ اس دنیا فانی کو چھوڑ کر جلدی ہی سب سے پہلے وہ حضورؐ سے ملاقات کریں گی تو پہلا غم دور ہو گیا اور ہنسنے لگ گئیں۔ تو ایسی صابرہ خاتون جنت کو اپنے جیسے ماتمی اور نوحہ خواں ثابت کرنا کیا یہ حضرت بتول کے مقام صبر اور استقامت کا صریح انکار نہیں ہے؟

۲۔ جو نوحہ زور زور سے رونے جزع فزع کرنے اور بیان مصیبت کی شکل میں ہوتا ہے وہ حرام اور ممنوع ہے۔ چنانچہ مسلم شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا النائحۃ اذالم تتب قبل موتھا تقام یوم القیامۃ و علیھا سربالا من قطران ودرع من جرب نوحہ کرنے والی عورت نے جب موت سے پہلے توبہ نہ کی تو قیامت کے دن اس حال میں کھڑی ہوگی کہ اس کے بدن پر سخت بدبودار تیل کا کرتہ ہوگا اور خارش زدہ ہوگی۔ اس حدیث کی شرح میں امام نوویؒ لکھتے

ہیں۔ وفیہ دلیل علی تحریم النیاحۃ وھو مجمع علیہ. اس میں دلیل ہے۔ نیاحت (نوحہ کرنے) کے حرام ہونے پر اور اس پر سب کا اجماع ہے۔ نیز فرماتے ہیں ان النیاحۃ حرام وھو مذھب العلماء الکافۃ. اور بے شک نوحہ کرنا مطلقا حرام ہے اور یہ سب علما کا مذھب ہے۔

صحیح بخاری میں بھی یہی حدیث مذکور ہے جس کی شرح میں حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں۔ واخذالمصنفا من ھذہ الاحادیث تحریم النوح و تعدید محاسن المیت بنحو و اکھناہ مع فرع الصوت و البکاء و تحریم ضرب الخد و شق الجیب و نشر الشعر و حلقہ و نتفہ و تسوید الوجہ والقی التراب علی الراس والدعا بالویل والثبور.. الخ

اوران احادیث سے ہمارے آئمہ حدیث نے نوحہ اور میت کی خوبیاں گنانے کی حرمت نکالی ہے۔ مثلاً اکھناہ وغیرہ کہنا بلند آواز اور رونے کے ساتھ اور حرام ہے رخسار پیٹنا اور گریبان پھاڑنا اور بال بکھیرنا اور بال مونڈنا اور بال اکھاڑنا اور منہ کالا کرنا اور سر پر مٹی ڈالنا اور ویل اور ثبور (ہلاکت) پکارنا۔ (فتح الباری)

علامہ آلوسیؒ سورہ یوسف کی آیات کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ انما المنھی عنہ ما یفعلہ الجھلۃ من النیاحۃ و لطم الجنادر و صدور و شق الجیوب و تخریج الثیاب (روح المعانی)

بیشک وہ افعال ممنوع ہیں جن کو جہلا کرتے ہیں۔ مثلاً نوحہ کرنا اور رخسارے پیٹنا اور گریبان چیرنا اور کپڑے پھاڑنا۔

حافظ عماد الدین ابن کثیر محدث سورہ ممتحنہ کی آیت ولا یعصینک فی معروف کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ روی ابن جریر قال منعھن ان ینحن و کان اھل الجاھلیۃ یمزقن الثیاب و یخدشن الوجوہ و یقطعن الشعور

ابن جریر نے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کو نوحہ کرنے سے منع فرمایا اور جاہلیہ کے زمانہ کے لوگ اپنے کپڑے پھاڑ دیتے تھے اور اپنے چہرے چھیلتے تھے اور بال کاٹ دیتے تھے۔
نیز حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں۔ عن اسید البزار عن امراۃ عن المبایعات قالت کان فیما اخذ علینا رسول اللہ ﷺ ان لانعصیہ فی معروف ان لا نخمشن وجھا ولا ننشر شعرا و لا نشق جیبا ولا ندعو ویلا۔ حضرت اسید ان عورتوں میں سے ایک عورت سے روایت کرتے ہیں جو فتح مکہ پر حضورؐ سے بیعت ہونے والی ہیں۔ کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم سے عہد لیا تھا کہ ہم نیکی میں آپ کی نافرمانی نہ کریں اور ہم منہ نہ نوچیں اور ہم بال نہ بکھیریں اور ہم گریبان چاک نہ کریں اور ہم ویلا (ہلاکت) نہ پکاریں۔ (تفسیر ابن کثیر سورۃ ممتحنہ)

تحفہ اثنا عشریہ میں حرمت ماتم کی تصریح:

علاوہ ازیں رد شیعہ میں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کی جولا جواب کتاب تحفہ اثنا عشریہ ہے جس میں سنی وشیعہ کے اختلافی مباحث پر محققانہ بحث کی گئی ہے۔ اس میں فرماتے ہیں اکثر شیعہ ان خیالات کی عادتوں میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ مثلاً ہر سال دسویں محرم کی ہوتی ہے ہر سال اس کو روز شہادت حضرت امام عالی حسین علیہ السلام کا گمان کرتے ہیں۔ اور احکام ماتم اور نوحہ اور شیون اور گریہ وزاری اور فزاں اور بیقراری شروع کرتے ہیں۔ عورتوں کی طرح ہر سال اپنی میت پر یہ عمل کرتے ہیں حالانکہ عقل صریح جانتی ہے کہ زمانہ ہر سال کا غیر قار ہے۔ یعنی قرار نہ پکڑنے والا ہے۔ کوئی جزء اس کا ثابت اور قائم نہیں رہتا۔ اور اس زمانے کا لوٹا لانا بھی محال اور شہادت حضرت امام کی جس دن ہوئی اس دن سے اس تک فاصلہ گیارہ سو پچاس برس کا ہوا پھر یہ اور وہ دن کیسے برابر ہو گیا۔ اور کونسی مناسبت ہوگئی۔ عید الفطر اور عید قربان کو اس پر قیاس کرنا چاہیے کہ اس میں خوشی اور شادی سال در سال نئی ہے یعنی روزے رمضان کے ادا کرنا اور حج خانہ کعبہ کا بجالانا کہ شکر للنعمۃ المتجددۃ یعنی شکر ہے نئی نئی نعمت کا سال در سال فرحت وسرور نیا پیدا ہوتا ہے۔ اس واسطے عیدین شریعت کی اس وہم فاسد پر مقرر نہیں ہوئی ہیں۔۔۔۔۔ ایسے ہی کسی نبی کے تولد

اور وفات کے دن کو عید نہ ٹھہرایا اور روز عاشورہ کا کہ اول سال یہود کی موافقت سے آنحضرت ﷺ نے رکھا تھا۔ کیوں منسوخ ہوا ان سب باتوں میں یہی بھید تو ہے کہ وہم کو دخل نہ ہونے پائے بغیر کسی نئی نعمت حقیقیہ کے فرحت اور سرور کا ہونا یا غم اور ماتم کرنا خلاف اس عقل کے ہے جو آمیزش وہم سے خالص ہے۔ (تحفۂ اثناعشریہ ۲۲۶ مطبوعہ مصطفائی لکھنو)

الاحادیث الصحیحہ من کتب الشیعہ الشنیعہ:

۱۔ شیعہ مذہب کی کتب "اصول اربعہ" میں سے سب سے زیادہ صحیح کتاب فروع کافی میں ہے۔

عن جابر قال قلت لابی جعفر یرحمک اللہ ما الصبر الجمیل قال صبر لیس فیہ شکوی الی الناس ۔ جابر نے امام محمد باقر علیہ السلام سے پوچھا صبر جمیل کیا ہے۔ فرمایا وہ صبر جس میں لوگوں کی طرف شکایت نہ ہو۔ (شافی ترجمہ فروع کافی ص ۱۱۵)

امام محمد باقر کے قول سے بھی ثابت ہو گیا کہ اگر غم کی لوگوں کے سامنے شکایت کی جائے تو یہ صبر جمیل کے خلاف ہے۔

۲۔ فروع کافی جلد ۳ کتاب الروضہ میں ہے کہ امام حسین علیہ السلام نے حضرت ابوذر غفاری سے کہا کہ **فعلیک بالصبر فان الخیر فی الصبر و الصبر من الکرم و دع الجزع فان الجزع لا یغنیک.**

پس آپ صبر کو اپنے اوپر لازم کریں کیونکہ صبر میں بھلائی ہے اور صبر جوانمردی سے ہے۔ اور جزع کو چھوڑے رکھنا کیونکہ جزع آپ کو کوئی فائدہ نہیں دے گا۔ اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ جزع صبر کے خلاف ہے کیونکہ حضرت امام حسین ؓ صبر اختیار کرنے اور جزع کو چھوڑنے کی نصیحت کر رہے ہیں۔

۳۔ اصول کافی میں ایک طویل حدیث ہے۔ جس کا ترجمہ ادیب اعظم سید ظفر حسن امروہی یہ لکھتے ہیں۔ فرمایا ابوعبداللہ (یعنی امام جعفر صادق) علیہ السلام نے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حدیث قدسی میں فرمایا کہ وہ میں نے دنیا میں اپنے بندوں کے درمیان قرض حسنہ کو

جاری کیا ہے۔ پس جس نے مجھے قرض حسنہ دیا یعنی مستحق بندوں کو دیا تو میں اس کے بدلہ میں دس سے لے کر سات سو تک دوں گا۔ بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ اور جس نے مجھے قرض نہ دیا تو میں اپنے انعام کو اس سے کچھ کم کر دوں گا۔ اگر اس نے اس پر صبر کیا تو اس کو تین ایسی فضیلتیں دوں گا کہ اگر ان میں سے ایک اپنے ملائکہ کو دے دوں تو وہی میرے اس عطیہ کو پسند کریں۔ پھر حضرت نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ الذین اذا اصابتھم مصیبۃ قالوا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ان لوگوں پر جب کوئی مصیبت نازل ہوئی تو انہوں نے کہا ہم اللہ ہی کے ہیں اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں۔ جن پر اللہ کا درود اور رحمت ہے۔ اور یہی ھدایت یافتہ ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ تو اس کے لیے ہے۔ جو تھوڑی سی کمی پر صبر کرے اور جو بڑے بڑے مصائب پر صبر کرنے والے ہیں۔ ان کے اجر کا کیا ٹھکانہ ہے۔ (الشافی ترجمہ اصول کافی ص۱۱۴ ج۲)

اس حدیث کے عربی الفاظ فصبر اعطیتہ ثلث خصال کا ترجمہ علامہ خلیل قزوینی نے صافی ترجمہ اصول کافی میں یہ کیا ہے۔ پس صبر کرد و جزع نہ کرد اصلاً (پس اس نے صبر کیا اور جزع بالکل نہ کیا) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جزع صبر کے خلاف ہے اور اس حدیث میں یہ بھی آیت شریفہ و بشر الصابرین الذین اذا اصابتھم مصیبۃ قالوا انا للہ وانا الیہ راجعون سے ہی یہ ثابت کیا گیا ہے۔ کہ صبر کرنے والوں کے لیے تین فضیلتیں ہیں اور صبر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ بالکل جزع نہ کیا جائے۔

۳۔ فروع کافی میں ہے۔ قال ابو عبداللہ علیہ السلام یاحفص ان من صبر صبرا قلیلا و ان من جزع جزعا قلیلا ثم قال علیک بالصبر فی جمیع امورک .

اس کا ترجمہ ادیب اعظم یہ لکھتے ہیں۔ فرمایا ابوعبداللہ (یعنی امام جعفر صادق) علیہ السلام نے اے حفص (راوی) جس نے صبر کیا تو اس نے تھوڑی مدت صبر کیا لیکن اس کا اجر باقی رہنے والا ہے۔ اور جس نے بے تابی کا اظہار کیا تو اسکی بے تابی تو تھوڑی دیر رہی لیکن اسکی شرمندگی دیرپا

ہے۔ پھر فرمایا صبر کو اپنے اوپر لازم قرار دے اپنے تمام امور میں۔ (شافی ترجمہ اصول کافی)
اس حدیث میں بھی جزع کا لفظ صبر کے مقابلہ میں ہے اور ادیب اعظم سید ظفر حسن امروہی نے جزع کا ترجمہ بے تابی کے اظہار کرنے کا کیا ہے۔ تو امام جعفر صادق کے قول سے بھی ثابت ہو گیا کہ جزع اور ماتم صبر کے خلاف ہے۔

۵۔ فروع کافی کی ایک حدیث کا ترجمہ یہ ہے۔ فرمایا ابو عبداللہ (یعنی امام جعفر صادق) علیہ السلام نے کہ رسول اللہ اپنے ایک صحابی کے پاس پہنچے جب وہ مرنے کے قریب تھا اور فرمایا اے ملک الموت میرا یہ صحابی مومن ہے۔ اس نے کہا اے محمدؐ بشارت ہو کہ میں ہر مومن کے ساتھ نرمی کرتا ہوں۔ اور جان لو اے محمد جب میں اولاد آدم میں سے کسی کی روح قبض کرتا ہوں تو گھر والے جزع فزع کرتے ہیں۔ میں ان کے گھر کے ایک گوشہ میں جاتا ہوں اور کہتا ہوں یہ رونا پیٹنا کیسا۔ خدا کی قسم میں اس کی موت کے وقت سے پہلے نہیں آتا اور نہ میں نے اس کے گناہوں کی وجہ سے قبض روح کیا ہے۔ اگر تم چپ رہو گے اور صبر کرو گے تو جزا پاؤ گے اور اگر بیقراری کا اظہار کرو گے تو گناہ گار ہو گے۔ (شافی ترجمہ کافی ص ۱۱۳) اس روایت کے آخری جملہ کے عربی الفاظ یہ ہیں۔ وان تجزعوا تاثموا (اگر تم جزع کرو گے تو گناہ گار ہو گے) یہاں بھی جزع صبر کے مقابلہ میں ہے اور جزع کا ترجمہ ادیب اعظم نے بیقراری کے اظہار کرنے کا کیا ہے جس سے ثابت ہوا کہ جزع اور ماتم یعنی بیقراری کا اظہار کیا جائے تو یہ صبر کے خلاف ہے اور ایسا کرنے والا گنہگار ہوتا ہے لہذا ماتم مروجہ حرام اور ممنوع ثابت ہوا۔

۶۔ فروع کافی میں ہے امام جعفر صادق فرماتے ہیں کہ جب ملک الموت قبض روح کے لیے آتا ہے تو وہ مومن سے کہتا ہے یا ولی اللہ لا تجزع اے خدا کے دوست بے چین نہ ہو ڈر مت۔ (شافی ترجمہ فروع کافی)

اس حدیث سے بھی صراحتاً ثابت ہوا کہ ملک الموت جزع کرنے سے منع کرتا ہے۔

۷۔ اصول کافی ماتمیوں کے نزدیک وہ مستند کتاب ہے جس کے ٹائٹل پر لکھا ہوا ہے کہ حضرت امام

مہدی علیہ السلام نے اس کتاب کے متعلق فرمایا ہے۔ ھذا کاف لشیعتنا (یہ کتاب ہمارے شیعوں کے لئے کافی ہے) اس میں یہ روایت ہے۔

عن ابی عبداللہ علیہ السلام الصبر من الایمان بمنزلۃ الراس من الجسد فاذا ذھب الراس ذھب الجسد کذلک اذا ذھب الصبر ذھب الایمان (اصول کافی کتاب الکفر والایمان ص ۲۱۰ ج ۱)

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ صبر ایمان کے لیے ایسا ہے جیسا کہ جسم کے لیے سر۔ پس جب سر نہ رہے تو جسم نہیں رہتا اسی طرح جب صبر نہ رہے تو ایمان نہیں رہتا۔

۸۔ عن عبداللہ علیہ السلام قال لا ینبغی الصیاح علی المیت ولا شق الثیاب

امام جعفر صادق نے فرمایا کہ میت پر چیخ چیخ کر نہیں رونا چاہیے اور نہ کپڑے پھاڑنا۔ (شافی ترجمہ فروع کافی ص ۱۸۷ ج ۱)

۹۔ حضرت امام جعفر صادق کی خدمت میں ایک شخص آیا اور اپنی مصیبت کی شکایت کی۔ فرمایا اگر صبر کرو گے تو اجر ملے گا اور نہ کرو گے تو جو حکم الٰہی ہے وہ جاری ہو کر رہے گا اور تم بے اجر رہو گے۔ (شافی ترجمہ فروع کافی ص ۱۸۸)

اس روایت میں و انت مازور کے الفاظ ہیں اور مازور کا معنی گنہگار ہونا ہے نہ کہ صرف بے اجر ہونا۔

۱۰۔ امام جعفر صادق نے فرمایا کہ رونا پیٹنا، چیخنا نہ بہتر ہے اور نہ سزاوار لیکن لوگ اسے جانتے نہیں اور صبر بہتر ہے۔ (شافی ترجمہ فروع کافی ص ۱۸۸)

اس سے بھی حسب ارشاد امام صادق ثابت ہوا کہ پیٹنا، چیخنا صبر کے خلاف ہے۔

۱۱۔ میں حضرت ابوعبداللہ یعنی جعفر صادق کی خدمت میں حاضر تھا کہ گھر میں سے کسی کے زور زور سے رونے کی آواز آئی۔ حضرت کھڑے ہوئے پھر بیٹھے اور انا للہ وانا الیہ راجعون کہا۔ اور پھر اپنی بات شروع کر دی جب بات ختم ہوئی تو فرمایا کہ ہم یہ پسند کرتے ہیں جو اللہ چاہتا

ہے۔(شافی ترجمہ فروع کافی ص ۱۱۸)

اس سے بھی ثابت ہوا کہ امام جعفر صادق کو گھر میں سے کسی کے زور زور سے رونے کی آواز کو بھی ناگواری گذری اور آپ نے سمجھا دیا کہ گو ہم چاہتے یہی ہیں کہ کوئی مصیبت نہ پہنچے اور عافیت ہی نصیب ہو لیکن جب مصیبت آجاتی ہے تو پھر وہی کرتے ہیں جو اللہ تعالی کا حکم ہے۔ اسی بنا پر آپ نے اس وقت انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔ اور نہ خود زور زور سے روئے اور نہ منہ پیٹا اور نہ سینا کوٹا۔

مجتہدین شیعہ کے نزدیک زنجیر زنی ناجائز ہے:

ا۔ اخبار "درنجف" سیالکوٹ کے ایڈیٹر سید عنایت علی شاہ صاحب نقوی بخاری ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں (سوال) ایام عشرہ محرم پر جو محبان ال عباس اکثر زنجیر زنی وغیرہ کرتے ہیں اس سے یہ عام اعتراض ہے از روئے شریعت اس کی وضاحت کریں مشکور ہوں گا۔

(الجواب) زنجیر زنی سے مجتہدین منع فرماتے ہیں۔ باقی سینہ زنی، پیٹنا، کوٹنا، نوحہ کہنا، واویلا کرنا، کپڑے پھاڑنا، پیراہن چاک کرنا، بال نوچنا، خاک اڑانا وغیرہ وغیرہ افعال مردہ کے لیے از روئے شریعت اسلامیہ ناجائز اور حرام ہیں اور یہ کفار و مشرکین کی جاہلانہ رسوم ہیں۔ ان سے ہر مسلمان کو اجتناب لازم ہے۔ کیونکہ یہ جملہ امور دنیا کی غرض و مطلب اور مفاد کے مفقود ہونے پر ظاہر کیے جاتے ہیں لیکن شعائر اللہ کے نقصان پر کسی نبی کی وفات یا قتل پر۔ بیت اللہ کے انہدام پر، کتاب خدا کی توہین پر، مساجد اللہ کی بربادی پر، جنگ و تباہی اسلام پر، انقطاع وحی پر، قتل امام پر وغیرہ وغیرہ کہ جن کی فرقت و حزن کا مظاہرہ محض روحانیت سے متعلق ہو اور اس میں کوئی دنیوی غرض اور شکایت نقص و نیاز ہو سب کچھ جائز بلکہ ثواب عظیم ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی وفات پر صحابہ کرام کے نوحے، مرثیے ان کی تباہ حالی، کپڑوں کا پھاڑنا، بالوں کا نوچنا، خاک ڈالنا، بعض کا گنگ ہو جانا، بعض کا مجنوں ہونا، دنیائے اسلام کا واویلا یہ سب کچھ شعائر اللہ کی محبت میں اور نقصان روحانیت روحی کا مظاہرہ تھا جو جائز ہے۔ (خزینۃ المسائل ص ۱۳۹ ج ۱)

شرک وجاہلیت کے کام کیوں کر ثواب ہیں:

در نجف کے ایڈیٹر صاحب موصوف نے ماتم حسین کے کار ثواب ہونے میں بھی عجیب علمی جوہر دکھایا ہے۔ پہلے تو فرمارہے ہیں کہ سینہ زنی، پیٹنا، کوٹنا، نوحہ کہنا، واویلا کرنا، کپڑے پھاڑنا، پیراھن چاک کرنا، بال نوچنا، خاک اڑانا وغیرہ افعال مردہ کے لیے ازروئے شریعت اسلامیہ ناجائز اور حرام ہیں اور یہ کفار ومشرکین کی جاہلانہ رسوم ہیں اور انہیں ناجائز اور حرام افعال کو جو کفار اور مشرکین کی جاہلانہ رسوم ہیں۔ شعائر اللہ اور انبیاء واولیاء کی موت وشہادت وغیرہ کے لیے نہ صرف جائز بلکہ ثواب عظیم کا باعث بتلا رہے ہیں۔ یہ بھی عجیب عقیدہ ہے۔ جب یہ افعال ماتم کفر وشرک کی رسموں میں سے ہیں۔ تو انبیاء واولیاء کے لیے یہ جائز کیسے ہو جائیں گے؟ حرام اور کار ثواب؟ اگر اس کے جواب میں یہ فرمائیں کہ خنزیر اور مردار حرام ہے لیکن قرآن میں اس کو بھی اضطراری صورت میں جائز قرار دیا ہے۔ تو جواب یہ ہے کہ حرام کھانے کا جواز تو اس شخص کے لیے ہے۔ جس کو حلال چیز نہیں مل سکی۔ تو حرام چیز صرف اتنی کھا سکتا ہے جس سے جان بچ سکے۔ کیا اس اضطراری صورت سے کوئی ماتمی یہ دلیل قائم کر سکتا ہے۔ کہ حرام خوری کی مجالس بھی بپا کی جائیں اور جلوس بھی نکالے جائیں۔

ب: اگر آپ نے ان افعال ماتم کا حرام ہونا کتاب اللہ اور احادیث رسول اللہ ﷺ کی نصوص سے ثابت کیا ہے تو کیا قرآن وحدیث میں یہ بھی لکھا ہے کہ عام مردوں کے لیے تو یہ ناجائز ہیں لیکن انبیاء اولیاء اور شہداء کے لیے عبادت ہیں۔

ج۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات پر صحابہ کرام کی جو حالتیں آپ نے لکھی ہیں۔ ان میں گنگ ہونا، مجنون ہونا تو اس عظیم صدمہ کے اثر سے ہے۔ نہ کہ ماتم کی وجہ سے کیا اصحاب واہل بیت نے سرور کائنات ﷺ کی وفات کے بعد کوئی ایسی مجلس ماتم بھی بپا کی تھی جس میں منہ پیٹنا اور سینہ کوٹنا ہو؟

د۔ اگر رحمت للعالمین ﷺ کی وفات پر کفر وشرک کے افعال جائز ہوتے تو حضور حضرت فاطمہؓ کو ان سے کیوں منع فرماتے۔ ملاحظہ ہوں فروع کافی وجلاء العیون وغیرہ۔

ر۔ نہج البلاغہ میں حضرت علیؓ کا یہ ارشاد ہے کہ اگر آپ نے ہمیں صبر کا نہ حکم دیا ہوتا اور جزع سے منع نہ کیا ہوتا تو ہم رو رو کر آنکھوں کا پانی خشک کر دیتے اور اگر حضورؐ کے لیے ماتم جائز ہوتا تو حضرت علی ایسا کیوں فرماتے۔ بلکہ آپ کے فتوی کے مطابق تو حضرت علی بھی کپڑے پھاڑتے، سینہ کوٹتے، خاک اڑاتے وغیرہ۔ کیا ان افعال میں سے کوئی ایک فعل بھی حضرت علی المرتضیٰؓ سے آنحضرت ﷺ کی وفات پر صادر ہوا۔ اگر یہ ثواب عظیم ہوتا تو حضرت علی اس سے کیوں محروم رہتے۔

ماتمی علماء اور مجتہدین سے ایک سوال:

اس حقیقت سے آپ بھی انکار نہیں کر سکتے کہ مروجہ افعال ماتم یعنی منہ پیٹنا اور سینہ کوٹنا وغیرہ اسلام سے پہلے کفار و مشرکین کی رسمیں تھیں اور کسی کی موت و قتل پر وہ ان افعال کا مظاہرہ کرتے تھے۔ تو آپ سے ہمارا سوال یہ ہے کہ جب نبی کریم ﷺ نے زمانہ کفر و شرک کے تمام عقائد و اعمال کی اصلاح فرمائی تھی۔ شرک کی جگہ توحید اور کفر کی جگہ ایمان کو اسلام کی بنیاد قرار دیا۔ عبادات، اخلاق، معاشیات، انفرادی اور اجتماعی زندگی، جنگ و قتال، سیاست ملکی وغیرہ انسانی زندگی کے تمام اہم شعبوں کی شریعت اسلامیہ نے بذریعہ وحی اصلاح فرمائی اور اسلام قیامت تک کے انسانوں کے لیے مکمل دین اور جامع ضابطہ حیات قرار دیا گیا۔ تو آنحضرت ﷺ نے زمانہ کفر و جاہلیت کے مذکورہ افعال منہ پیٹنے سینہ کوٹنے کی اپنے قول و عمل سے کیا اصلاح فرمائی تا کہ مسلمان کتاب و سنت کی ان نصوص کی روشنی میں اپنے کسی عزیز کی موت و قتل یا کسی دوسرے بزرگ وولی کی موت و شہادت کے موقعہ پر کوئی ایسا عمل پیش کر سکیں جو قرآن کریم کے ارشاد یا ایھا الذین امنو استعینوا بالصبر والصلاۃ ان اللہ مع الصابرین (پارہ ۲ رکوع ۳) اے ایمان والو صبر اور صلوۃ کے ذریعہ سے مدد مانگو بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے (ترجمہ مقبول)

ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین۔

ایک اصفہانی شیعہ مجتہد کا فتویٰ:

ماتم حسین میں سینہ کوبی بھی حرام ہے: ایک اصفہانی شیعہ مجتہد کا فتویٰ۔ بہت عرصہ ہوا ہے کہ مصر کے ایک شیعہ اخبار "چہرنما" مورخہ ۱۵ ذیقعدہ ۱۳۴۷ھ مطابق ۲۵ اپریل ۱۹۲۹ء میں ایک شیعہ مجتہد شیخ محمد تقی اصفہانی کا ایک فتویٰ رد ماتم مروجہ میں شائع ہوا تھا۔ جس کو دائرہ الاصلاح لاہور نے تقسیم کیا تھا۔ اس کے چند اقتباسات کا اردو ترجمہ حسب ذیل ہے۔ مجتہد موصوف تمہید کے بعد اک سائل کے جواب میں لکھتے ہیں۔ اب اپنے سوالات کا جواب سنیے۔ سینہ کوبی اور بدن کو زنجیروں قفلوں، آہنی سلاخوں سے زخمی کرنا اور سر کو تلوار سے مجروح کرنا یہ سب وحشیانہ حرکات خلاف شریعت اسلام وخلاف قرآن وحدیث وعرف عام ہیں۔ حسین ابن علی نے صرف اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے یزید کی بیعت نہ کی اور خود شہید ہو گئے۔ بھلا ایسی وحشیانہ حرکات پر کب راضی ہوتے ہیں۔ جس کا نام عزاداری رکھ لیا گیا ہے۔ (فارسی اصل عبارت یہ ہے) "چگونہ راضی است برایں نوع وحشت گری کہ نام او عزاداری گذشتہ اند" اگر ہم قرآن کی ورق گردانی کریں۔ تو ہمیں اس سے سینہ کوبی کی اجازت بھی نہیں مل سکتی۔ چہ جائیکہ زنجیر زنی، قفل، تلوار سے بدن کو زخمی کرنا جائز ثابت ہو۔ خدا کا فرمان ہے اپنے کو ہلاکت میں نہ ڈالو (ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ) اخبار واحادیث میں وارد ہے۔ کہ عزیز ترین خویش واقربا کی وفات پر بھی ایسی حرکات نہیں کرنی چاہیں۔ اگر ایسی حرکات سے بدن تھوڑی سی خراش بھی آجائے تو انسان گنہگار اور خلاف شرع جرم کا مرتکب ثابت ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ کپڑے چاک کرنے کی بھی اجازت نہیں۔ خود حضرت سید الشہدا نے آخری دم جب اہل بیت کو الوداع کیا۔ اپنی ہمشیرہ حضرت زینب سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ ہمشیرہ جان زمین وآسمان اور مافیہا سب فنا ہو جائیں گے۔ سوائے خدائے حی وقیوم کوئی باقی نہ رہے گا۔ ایسا نہ ہو کہ میری وفات کے بعد تو اپنے منہ پر طمانچے مارے یا چہرہ کو زخمی کرے۔

ملاحظہ کیجئے ایسی ھدایات امام کے باوجود ایسے وحشیانہ افعال کب روا ہو سکتے ہیں۔ حضرت امام کا حکم سن چکے۔ پھر جو شخص اس کے خلاف کرے وہ گنہگار اور جواب دہ ہے۔ یہ لوگ ایسی حرکات کے مرتکب ہو کر دین اسلام میں رخنہ ڈالتے ہیں۔ جہاں ان کی ان حرکات کے عکس لے کر یورپ

والے سینما میں پیش کرتے اور دین اسلام کا تمسخر اڑاتے ہیں۔ سب سے اول علماء کا فرض ہے کہ ان افعال کے عدم جواز کا فتویٰ صادر فرمائیں اور منبروں پر بیٹھ کر عوام کو سنائیں۔ پھر حکومت سے ان وحشیات کے انسداد کا تقاضا کریں۔ افسوس علماء چاہتے ہیں کہ یہ لوگ گدھے بنیں رہیں اور سواری دیتے رہیں۔ نذر و نیاز ملتی رہے ان حرکات شیعہ کا موجب صرف علماء ہیں۔ جو اپنی دکانداری کے لیے ان کے سدراہ نہیں ہوتے۔ حرام چیز قیامت تک حرام ہے اور حلال چیز قیامت تک حلال ہے۔

ب۔ دوسرے ممالک میں ایسی سوسائیٹیاں بنی ہوئی ہیں۔ جو حیوانات کی ایذاء بھی کو روکتی ہیں۔ ان کو کوئی زخمی نہیں کر سکتا۔ مگر ایران میں دو پائے حیوان موجود ہیں۔ جو زنجیر ہزار شاخہ لے کر اپنی پیٹھ اور سینہ کو زخمی کرتے ہیں۔ مگر محافظان شریعت نہیں بتلاتے کہ بھائی زنجیر تو گدھے کو مارنا بھی منع ہے۔ پھر بنی آدم کے لیے کب زیبا ہے۔ کہ گدھے کی طرح اپنے ہاتھ سے اپنے آپ کو زنجیر سے پیٹا جائے۔ آخر اسلام کا کہاں حکم ہے کہ زنجیر ڈلوا اور مارو۔ چاقو مارو، خدا کی قسم بے عقل عقلمند ہو گئے ہیں اور ہم زیادہ بے عقل (خر تر) ہو رہے ہیں۔ لوگو تم خود ہی سوچو یہ خود غرض علماء بہشت و جہنم کے ٹھیکیدار بنے ہوئے ہیں۔ ان کے کہنے پر مت چلو۔ جہلم کے موقعہ پر لوگوں سے چندے بٹور کر لڑکوں کو عورتوں کے لباس پہنانا، ولدل، نیزہ، خیمہ، تنور، طشت، زنجیر وغیرہ کی نمائش کر کے واقعات کربلا کی نقلیں اتارنا اور اس طرح غریب لوگوں کے کاروبار بند رکھنا اور ٹکے بٹورنا بالکل خلاف شریعت ہے۔ زیارت کو جانا اور مرثیہ خوانی کرنا بھی واجب نہیں ہے۔ نوحہ صرف اس حد تک جائز ہے کہ فلسفہ شہادت بیان کیا جائے کہ زور و ظلم اور باطل کے آگے جھکنا نہیں چاہیے اور بس نہ یہ کہ ہر ایک مرثیہ خوان منبر پر بیٹھ کر بے ہودہ گوئی کر کے اخلاق عامہ کو خراب کر لے اور گریہ بکا کی گرم بازاری کرنے کیلئے ایسی موضوع حدیثوں سے کام لے جو کہ روئے یا رولائے یا رونی صورت بنائے وہ قطعی جنتی ہے یعنی خواہ جتنے ہی گناہ کرو۔ دو ایک قطرہ آنسو بہانے سے سب کچھ بخشا جائے گا اور یہ شخص جنت کا ٹھیکیدار بن جائے گا۔ دیکھئے ایسے خرافات کس قدر اخلاق عامہ کو خراب کرنے والے ہیں۔ حق سبحانہ فرماتا ہے کہ کون ہے جو اللہ تعالیٰ کے سامنے اس کی اجازت

کے بغیر شفاعت کر سکتا ہے۔(من ذاالذی یشفع عندہ الا باذنہ) سعدیؒ اس ضمن میں فرماتے ہیں۔

اگر خدائے نباشد ز بندہ خوشنود   شفاعت ہمہ پیغمبراں ندارد سود

(اگر اپنے بندہ سے راضی نہ ہو۔تو تمام پیغمبروں کی شفاعت کیا نفع پہنچا سکتی ہے۔

ہاں اپنی دکان کو رونق دینے والا مرثیہ خوان ایک قطرہ آنسو پر انسانی اخلاق کو تباہ کر دیتا ہے۔

ج۔ خدا ہمارے متقدمین مصنفین اور مرثیہ خوانوں پر رحم فرمائے کہ انہوں نے جو کچھ کہیں سے سن لیا۔کتابوں میں لکھ دیا۔ایسی احادیث و اخبار دور از عقل کو پڑھ کر تعجب ہوتا ہے کہ ان کے راوی ایرا غیرا نتھو خیرا وضعی (بناوٹی) لکھ لیے جاتے ہیں۔اور ان کو قوم کا راہنما تصور کیا جاتا ہے۔اور مبالغہ سے کام لے کر ان کو آسمان پر چڑھایا جاتا ہے۔حالانکہ ان فرضی راہنماؤں کو خود منزل مقصود کا کچھ پتہ نہیں۔ایسے ہی اشخاص کے حق میں حضرت امام جعفر صادق فرماتے ہیں کہ یہ لوگ ہمارے شیعوں کے حق میں لشکر یزید سے بھی زیادہ خطرناک ہیں۔اگر حکومت کا دخل بھی نہ ہو تو معلوم نہیں کیا کچھ نتائج بد رونما ہوں بلآخر نہایت افسوس سے لکھا جاتا ہے کہ ہر ایک انقلاب سے آدمی فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔اور ہم (شیعہ) سال میں تین ماہ انقلاب دیکھ کر بھی عبرت حاصل نہیں کرتے۔

(منقول از رسائل ثلثہ مصنفہ حضرت مولانا کرم الدین دبیر صاحب مصنف آفتاب ہدایت)

اصفہانی شیعہ مجتہد کا یہ فتویٰ تمام ماتمی علماء و مجتہدین کے لیے ایک عبرت کا تازیانہ ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رسالہ کلیات تصوف

اولیاء اللہ کی مخالفت کی جاتی ہے:

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ جو کہ اپنے وقت کے عظیم محدث مفسر فقیہ تھے انہوں نے حکیم الامت مجدد ملت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کے فرمانے پر حضرت حسین بن منصور حلاجؒ کے حالات وواقعات پر پوری کتاب تصنیف فرمائی اسمیں رقمطراز ہیں۔

علامہ شعرانیؒ طبقات میں فرماتے ہیں کہ شیخ محی الدین (ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ) کا ارشاد ہے کہ "بسا اوقات قلوب عارفین پر تجلیات الہیہ کی ہوائیں چلتی ہیں۔ اگر وہ ان کو زبان سے بیان کر دیں تو بعض دفعہ عارفین کاملین بھی انکو نہیں سمجھتے اور اہل ظاہر تو رد ہی کر دیتے ہیں مگر ان لوگوں کے ذہن سے یہ بات اس وقت غائب ہو جاتی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء کو کرامات عطا فرمائی ہیں جو معجزات کی فرع ہیں تو اس میں کیا تعجب ہے کہ اللہ تعالیٰ انکی زبانوں کو ایسی عبارات بھی عطا فرما دیں جن کے سمجھنے سے علماء عاجز ہو جائیں"

جس کو اس قول میں شک ہو وہ شیخ ابن عربی کی کتاب المشاھد یا سیدی محمد کی کتاب "الشعائر" یا ابن قسی کی کتاب "خلع النعلین" یا شیخ ابن عربی کی کتاب "عنقاء مغرب" مطالعہ کرے کہ بڑے بڑے علماء اس کا مطلب نہیں سمجھ سکتے۔ ان کا مطلب وہی سمجھ سکتا ہے جو اس متکلم کے ساتھ بارگاہ قدس میں داخل ہوا ہو کیونکہ یہ قدسی زبان ہے جسکو ملائکہ ہی سمجھ سکتے ہیں یا وہ جو لبریت کی قید سے خلاصی پا چکے یا وہ جن کو کشف صحیح عطا ہوا ہے (الطبقات الکبریٰ ص ۱۲ ج ۱) (سیرت منصور حلاج ص ۱۷)

حضرت مولانا عثمانی نے اس کے تحت حاشیہ میں لکھا ہے۔

اور ہمارے زمانے میں حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "آب

حیات" کا مطالعہ کرنے کے باوجود اردو زبان ہونے کے بڑے بڑے علماء اسکے سمجھنے سے قاصر ہیں نیز حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب دہلوی شہید کی کتاب "عبقات" اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کی کتاب "تفہیمات الہیہ" کا مطالعہ کیا جائے کہ اکثر اہل علم انکے بہت سے مقامات نہیں سمجھ سکتے۔

آگے حضرت عثمانیؒ لکھتے ہیں۔

جماعت صوفیہ پر لعن وطعن ذوالنون مصری اور ابو یزید بسطامی کے وقت سے اس وقت تک ہر زمانہ میں برابر ہوتا رہا ہے۔ بلکہ سیدی ابراہیم دسوقی نے نقل کیا ہے کہ بعض لوگوں نے تو صحابہ کی ایک جماعت پر طعن کیا ہے۔ کسی کو ریاکار کہا کسی کو منافق چنانچہ حضرت زبیرؓ نماز بہت خشوع سے پڑھتے تھے تو بعض لوگ ان کو ریاکار کہتے تھے۔ اسکی دلیل حق تعالیٰ کے یہ قول ہے۔ وجعلنا بعضکم لبعض فتنة اتصبرون و کان ربک بصیرا۔ ہم نے تم میں سے ایک کو دوسرے کیلئے (سبب) فتنہ بنایا ہے کیا تم (اس پر) صبر کرو گے؟ تمہارا پروردگار خوب دیکھنے والا ہے (کہ کون صبر کرتا ہے کون نہیں) اس فتنہ وابتلاء سے ہر ولی کو پورا حصہ دیا جاتا ہے کیونکہ ابتلا بھی ایک شرف ہے، تو اللہ تعالیٰ نے اس امت کے خواص کیلئے ان تمام مصائب و آلام کو جمع فرما دیا ہے جو پہلی امتوں میں متفرق اور منقسم تھے۔ کیونکہ اس امت کا درجہ اللہ تعالیف کے یہاں بلند ہے۔

چنانچہ ابو یزید بسطامیؒ کو سات دفعہ ان کے شہر سے جلاوطن کیا گیا۔ ذوالنون مصریؒ کی شکایت بعض حکام تک پہنچائی گئی۔ تو ان کو بغداد تک اس صورت سے لایا گیا کہ گلے میں طوق تھا اور پیروں میں بیڑیاں، جب خلیفہ نے ان سے گفتگو کی تو ان کے کلام کی صولت وشوکت سے متاثر ہو کر بیساختہ کہنے لگا "اگر یہ زندیق ہے تو روئے زمین پر کوئی مسلمان نہیں"

سمنون محبؒ کو بھی بڑی مصیبت کا سامنا ہوا تھا۔ خلیفہ نے ان کو اور ان کے اصحاب کی گردن مارنے کا حکم دیا تھا۔ جسکی وجہ سے یہ حضرات برسوں روپوش رہے۔

علماء نے شیخ ابو سعید فراز کے بعض الفاظ کی بنا پر جو انکے مکتوبات میں پائے گئے تھے تکفیر کی۔ اسی

طرح علماء فہم نے ذوالنون مصریؒ کے خلاف شور وشغب کیا اور کشتی میں سوار ہو کر سلطان مصر کی طرف چلے تا کہ ذوالنون کے کفر پر شہادت دیں۔ انکو اسکا علم ہوا تو فرمایا اے اللہ اگر یہ لوگ جھوٹے ہوں تو انہیں غرق کر دیجئے چنانچہ کشتی ٹوٹ گئی اور لوگوں کی نظروں کے سامنے سب غرق ہو گئے۔

سہل بن عبداللہؒ کو ان کے وطن سے نکالا گیا۔ ان کی طرف بہت سی بری بری باتیں منسوب کی گئی، کافر تک کہا گیا۔ چنانچہ وہ اپنے وطن سے بصرہ آئے اور مرتے دم تک وہیں رہے۔ حالانکہ علم و معرفت ومجاہدات میں بڑے درجہ پر تھے۔

حضرت جنیدؒ نے علم توحید پر تقریر کی تو لوگوں نے ان کے خلاف شہادت دی پھر انہوں نے فقہ میں (مشغولی اختیار کر کے) اپنے کو چھپایا ں الا انکہ انکا درجہ علم وجلالت مقام معلوم ہے۔

شیخ ابن ابی جمرہ نے جب یہ فرمایا کہ مجھے بیداری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شرف اجتماع حاصل ہوتا ہے۔ لوگوں نے انکے خلاف ایک مجلس منعقد کی جسکے بعد وہ اپنے گھر سے باہر نہیں نکلتے تھے صرف جمعہ کیلئے گھر سے باہر آتے تھے مرتے دم تک یہی حال رہا۔ مقام رے کے زھاد وصوفیہ نے شیخ یوسف بن الحسین پر انکار کیا اور ان کو عظام امور سے متہم کیا۔ مگر انہوں نے کسی کی پرواہ نہ کی کیونکہ وہ اپنی حالت میں متمکن تھے۔

امام سبکی کے متعلق بارہا کفر کی شہادت قائم کی گئی۔ باوجودیکہ انکا علم وعمل بہت کامل تھے۔ بڑے مجاہدہ کرنے والے اور کامل متبع سنت تھے۔

شیخ ابوالحسن حضریؒ پر بھی کفر کا حکم لگایا گیا ان یک کچھ الفاظ ایک محضر میں لکھکر قاضی القضاۃ کے سامنے پیش کئے گئے۔ قاضی نے انکو بلایا اور ان سے گفتگو کی، نتیجہ یہ ہوا کہ انکو جامع مسجد میں بیٹھنے (اور حلقہ قائم کرنے) سے روک دیا گیا۔

امام غزالیؒ کی بھی تکفیر کی گئی اور انکی کتاب احیاء کو جلایا گیا۔ غزالی پر انکار کرنے اور کتاب جلانے کا فتویٰ دینے والوں میں قاضی عیاض اور ابن رشد بھی تھے۔ جب غزالی کو یہ خبر پہنچی تو قاضی پر بددعا

کی چنانچہ وہ اچانک حمام کے اندر مر گئے بعض نے یہ کہا ہے کہ خلیفہ نے ان کو قتل کا حکم دیا تھا۔

اسی طرح بہت سے علماء اور صوفیہ کو ابتلاء پیش آیا ہے۔ ائمہ اربعہ امام ابوحنیفہؒ وامام مالکؒ وامام شافعیؒ واحمد بن حنبل کے ابتلائات مشہور اور کتب مناقب میں مسطور ہیں (ملخصاً من الطبقات للشعرانی ص۱۵۔۲۱ ج۱)

پس کسی شخص کے متعلق اس کے بعض معاصرین کے سخت کلمات یا بعض مورخین کی ضعیف روایات یا بعض علماء کے فتاوی مشتمل بر تکفیر و تفسیق اس کے مردود ہونے کی دلیل نہیں ہو سکتے ورنہ کوئی عالم یا ولی بھی مقبول نہ رہے گا کیونکہ اس قسم کے ابتلائات سے بہت کم لوگ بچے ہیں۔ بلکہ یہ دیکھنا چاہیے کہ موافقین و مخالفین کے اقوال میں غلبہ اور بقاء کس جانب کو ہوا ہے۔ اگر اہل اسلام کے قلوب میں اس شخص کی مقبولیت اور ولایت کا اعتقاد باقی رہا مخالفین کی باتوں کا کچھ اثر نہ رہا تو مقبول اور ولی ہے اور اگر معاملہ برعکس ہوا تو مقبول اور ولی نہیں۔ جسکی دلیل حق تعالی کا ارشاد ہے وکذالک جعلنا کم امۃ وسطا لتکونوا شہداء علی الناس اور حدیث نبوی انتم شہداء اللہ فی الارض ہے۔ (سیرت منصور حلاج ص ۱۷ تا ۳۰)

شیخ عبدالوہاب شعرانی (المتوفی ۹۷۳ھ) لواقح الانوار فی طبقات الاخیار (۶/۱ طبع قاہرہ ۱۳۱۵ھ) میں لکھتے ہیں:

"معنی الفتح فی کلام ہؤلاء القوم حیث اطلقوہ. کشف حجاب النفس او القلب او الروح او السر، لما جاء بہ رسول اللہ ﷺ من الکتاب العزیز و الاحادیث الشریفۃ. اذ الولی قط لا یاتی بشرع جدید و انما یاتی بالفہم الجدید فی الکتاب والسنۃ. الذی لم یکن یعرف لاحد قبلہ. و کذالک یستغرب کل الاستغراب من لا ایمان لہ باہل الطریق. و یقول ہذا. لم یقلہ احد علی وجہ الذم و کان الاولی اخذہ منہ علی وجہ الاعتقاد و استفادتہ من قائلہ ومن کانا شانہ الانکار. لا ینتفع باحد من اولیاء عصرہ و کفی بذالک خسراناً مبیناً و ربما یفہم المعترض من اللفظ ضد ما قصد. لافظہ........ المحجوب الذی لم یفتح اللہ تعالیٰ علی عین فہم قلبہ اذ لو فتح اللہ تعالیٰ علی عین فہم قلبہ. لفظہ بصفاء الہمۃ و سمع بقالب الفہم و نور المعرفۃ و اخذ الاشارۃ من معانی الغیب. و اتبع احسن القول بحسب ما سبق الی سرہ. قال

تعالی ((فبشر عبادالذین یستمعون القول فیتبعون احسن أولئک الذین هداهم اللہ و أولئک هم اولوا الالباب))قال الشیخ ابو الحسن الشاذلی: ولقد ابتلی اللہ هذہ الطائفة بالخلق خصوصاً اهل الجدال. بل یقول لکثرتهم نعلم ان اللہ تعالیٰ اولیاء و اصفیاء موجودین ولکن این هم؟ فلاتذکر لهم احداً آلا اخذ یفعه و یرد خصوصیة اللہ تعالیٰ له. یطلق اللسان بالاحتجاج علی کونه غیر ولی اللہ تعالیف. وغاب عنه أن الولی لا تعرف صفاته آلاالاولیاء فمن این لغیر الولی نفی الولایة عن انسان؟ مذاک الا محض تعصب کما نری فی زماننا هذا من انکار ابن تیمة علینا و علی اخواننا من العارفین. فاحذروا یا اخی! من کان هذا وصفه و فرمن مجالسته فرارک من السبع الضاری. جعلنا اللہ و ایاکم من المصدقین لاولیائه المؤمنین بکراماتهم بمنه و کرمه."

صوفیہ کی اصطلاح میں لفظ فتح جب بولا جاتا ہے تو اس کا معنی نفس یا قلب یا روح یا سر سے اس پردہ کا اٹھ جانا ہوتا ہے جو رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی تعلیمات قرآن و حدیث کے سمجھنے میں حائل ہوتا ہے۔ کیونکہ ولی ہرگز کوئی نئی تشریع لیکر نہیں آتا اس کو کتاب اللہ اور سنت میں نئی فہم عطا کر کے بھیجا جاتا ہے۔ وہ اسی قسم کی ہوتی ہے جس سے اس سے پہلے کوئی آشنا نہیں ہوتا۔ اس لئے اس شخص کو جو اہل معرفت پر یقین نہیں رکھتا بڑی عجیب معلوم ہوتی ہے اور وہ بطور مذمت یہ کہتا ہے کہ یہ وہ بات ہے جو کسی نے نہیں کہی ہے۔ حالانکہ بہتر یہ تھا کہ وہ بطور عقیدت ہی اس کو قبول کر لیتا اور اس کے قائل سے استفادہ کرتا اور جس شخص کی شان ہی اس کا انکار کرنا ہے تو وہ اپنے زمانے کے اولیاء ام میں سے کسی سے بھی فائدہ نہیں اٹھاتا۔ یہ اس کی کھلی ہوئی محرومی کیلئے کافی ہے اور معترض بسا اوقات متکلم کے الفاظ کی مراد کے خلاف معنی سمجھتا ہے محجوب وہ شخص ہے جو کی چشم بصیرت کو اللہ تعالیٰ نے وانہیں کیا ہے۔ کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ اس کی چشم بصیرت کو کھول دیتا تو البتہ وہ اپنی پاک باطنی سے دیکھتا اور نور معرفت اور فہم ثاقب سے سن لیتا اور معانی غیبیہ سے اشارہ پالیتا اور اس اعتبار سے کہ اس کے سر نے اس کو پایا ہے وہ اس احسن قول کی اتباع کرتا، آیت پاک میں ہے (فبشر عبادالذین یستمعون القول فیتبعون احسنه اولئک هداهم اللہ و اولئک هم اولوا الالباب)(۳۹:۱۸) سو تو خوشخبری سنادے میرے بندوں کو جو سنتے ہیں میری بات پھر چلتے

ہیں اس پر جو اس میں نیک ہو وہی ہیں جن کو راستہ دیا اللہ نے اور وہی ہیں عقل والے۔

ابوالحسن شاذلیؒ نے فرمایا: اس نیک جماعت کو اللہ تعالیٰ نے خلق اللہ کے ساتھ ابتلاء اور آزمائش میں ڈالا ہے اور خاص طور پر اہل جدال کے ساتھ چنانچہ ان میں سے کمتر ہی تم کسی کو پاؤ گے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے قلب کو کسی معین ولی کی تصدیق کیلئے کھولا ہو۔ بلکہ وہ تم سے کہے گا کہ ہاں ہم جانتے ہیں کہ اولیاء اللہ اور برگزیدہ ہستیاں اللہ عالم میں موجود ہیں لیکن وہ کہاں ہیں؟ تم ان سے کسی ایک کا بھی ذکر کرو گے تو اس کو رد کرنے پر اتر آئے گا اور اللہ تعالیٰ سے اس کے خصوصی تعلق کا انکار کرنے لگے گا بلکہ اپنا سارا زور بیان اس علیل کو پیش کرنے میں ختم کر دیگا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا ولی نہیں ہے۔ اور اس سے یہ حقیقت پوشیدہ رہے گی کہ ولی کی صفات کو اولیاء اللہ ہی پہچانتے ہیں، غیر ولی کو کہاں سے یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ کسی انسان کی ولایت کا انکار کرے۔ یہ نرا تعصب ہے جیسا کہ ہم اپنے زمانہ میں دیکھتے ہیں کہ ابن تیمیہ ہمارا اور ہمارے بھائی اولیاء اللہ کا انکار کرتا ہے۔ میرے بھائی جس کے یہ رنگ ڈھنگ ہوں اس سے بچو اور ایسے شخص کو ہمنشینی سے بھی بھاگو جیسے موذی درندے سے بھاگتے ہو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہم کو اور تم کو اپنے اولیاء مومنین کی کرامتکی تصدیق کرنے والا بنادے۔ آمین (بحوالہ فوائد جامعہ شرح کرامات نافعہ ص ۳۷۹ تا ۳۸۱)

مورخ اسلام سید ابوالحسن علی ندویؒ لکھتے ہیں۔

اس مسئلہ کا اثر شیخ اکبر کے زمانہ کے بعد اتنا ہمہ گیر بلکہ عالمگیر تھا کہ کہا جا سکتا ہے کہ صوفیا، فلاسفہ اور شعراء میں نوے فیصد اس مسئلہ کے قائل یا اس سے مرعوب ہو کر اس کے ہم نوا گئے ہیں۔ شیخ سے اختلاف کرنے والے زیادہ تر محدثین، فقہا اور وہ علماء ہیں جن کو علمائے ظاہر کہا جاتا ہے۔ ان میں حافظ ابن حجر عسقلانی، علامہ سخاوی، ابو حیان مفسر، شیخ الاسلام عز الدین ابن عبدالسلام، حافظ ابو زرعہ، شیخ الاسلام سراج الدین البلقینی، ملا علی قاری، علامہ سعد الدین تفتازانی جیسے نامور علماء اور ائمہ فن تھے۔

یہ حضرات اگرچہ اپنے علم و فضل، کتاب و سنت پر وسیع اور گہری نظر اور علم دینیہ میں تبحر کے لحاظ سے بہت

قائق تھے لیکن ایک دو کو مستثنیٰ کر کے اہل تصوف وحقائق کو ان میں سے کسی کا حقائق وعلوم باطنی کا رمز آشنا ہونا تسلیم نہیں۔ اس لئے ان کی مخالفت کو "الناس اعداء لماجہلو" لوگ جس کو جانتے نہیں اس کے دشمن ہوجاتے ہیں۔ کے عام اصول پر محمول کیا گیا۔ (تاریخ دعوت وعزیمت ص ۲۲۶ ج ۴)

دوسرے مقام پر لکھتے ہیں۔

جیسا کہ اوپر کہا گیا مسلک وحدۃ الوجود کی تردید اور شیخ اکبر پر تنقید کرنے والے زیادہ تر علوم ظاہر کے دریا کے غواص اور حقیقت ومعرفت کے کوچہ ریاضت ومجاہدہ کی دنیا اور معارف وحقائق اور عملی تجربات اور ذوق سے ناآشنا تھے۔ اس لئے اس مشرب کے ذوق آشنا ان کی تنقیدات کو یہ کہہ کہ ناقابل اعتناء قرار دے دیتے تھے۔ کہ ع

لذت مے نشناسی بخدا تانچشی اور ع

چوں نہ دیدند حقیقت رہ افسانہ زوند

(تاریخ دعوت وعزیمت ص ۲۳۲ ج ۴)

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ کی کیا کم مخالفت کی گئی حتیٰ کہ کفر کا فتویٰ تک لگایا گیا (دیکھیے تاریخ دعوت وعزیمت ص ۳۲۷ ج ۴) خزینۃ الاصفیاء میں لکھا ہے کہ علماء نے حضرت مجددؒ کے قتل کا فتویٰ دے دیا تھا (رود کوثر ص ۱۹۰) مگر حق غالب آیا مولانا ابوالحسن ندویؒ لکھتے ہیں "بہر حال واقعہ کچھ بھی ہو ہندوستان اور ہندوستان کے باہر حضرت مجدد کے مکتوبات اور ان کی بعض تحقیقات ونکات کی بنیاد پر مخالفت وتضلیل کی جو مہم شروع کی گئی تھی اس نے بارھویں صدی کے ربع اول میں ہی دم توڑ دیا اور اب وہ صرف تاریخ کے (اور وہ بھی بعض قلمی کتابوں کے سہارے) اوراق میں مدفون ہو کر رہ گئی بارھویں صدی کے نصف اول ہی میں ہندوستان سے ترکستان تک مجددی خانقاہیں اور ہدایت وارشاد کے مرکز قائم ہوچکے تھے۔ (تاریخ دعوت وعزیمت ص ۲۵۶ حصہ سوم)

آگے فرماتے ہیں۔

فاما الزبد فیذهب جفاء واما ما ینفع الناس فیمکث فی الارض (الرعد: ۱۷)

پس جھاگ خشک ہو جاتا ہے اور لوگوں کے نفع کی چیز باقی رہ جاتی ہے۔ (ایضاً)

مخالفین کا مخالفت کرنا کوئی نئی بات نہیں اس پر مولانا ندویؒ حضرت مجددؒ کے حالات میں لکھتے ہیں۔

"(جب کہ وہ مخالفین کی مخالفت کے اسباب کو بیان کر رہے تھے) نیز انہوں نے جن نئے علوم و تحقیقات کا اپنے مکتوبات اور مجالس کے ذریعہ افاضہ فرمایا جن میں سے بہت سے عوام تو عوام خواص کیلئے بھی نامانوس اور ایک حد تک (اگرچہ موجب وحشت نہیں تو) موجب حیرت ضرور تھے اور ان میں سے بعض ان حلقوں کے مسلمات کے خلاف تھے جو نسل در نسل منتقل ہوتے چلے آ رہے تھے اور یہ معاملہ اکثر ان نادرہ روزگار شخصیات کے ساتھ پیش آیا ہے جو کسی علم وفن کے مجتہد اور کسی سلسلہ و طریق کے بانی اور اپنے زمانہ کی عام علمی و ذہنی سطح سے بلند ہوتی ہیں اور جن کو اللہ تعالیٰ علوم و کمالات وہبی سے نوازتا ہے اور وہ عام اصلاحات اور قدیم تعبیرات کے دائرہ سے باہر قدم نکالتی ہیں (ایضاً ۳۳۶ ج ۴)

شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں اویس ہوں یعنی براہ راست نبی اقدس سے علم (روحانی طور پر حاصل کیا) اور اس پر پوری کتاب لکھی ہے "فیوض الحرمین" سند حدیث میں حضرت شاہ ولی اللہ کے نام فخر سے لینے والوں کو کچھ تو ان کے ذوق کا لحاظ رکھنا چاہیے اور حضرت مجدد الف ثانیؒ بھی اپنے ایسے کوف کے بارے میں لکھتے ہیں۔ وہ معارف جو اس خاکسار پر فائض ہوئے ہیں اکثر شرعی معارف کی تفصیل اور انہی کا بیان ہے اور استدلالی علم کشفی اور ضروری علم سے بدلتا رہتا ہے اور علم مجمل مفصل ہوتا جاتا ہے۔

گر بگویم شرح ایں بیحد شود   اگر سرح اس کی لکھوں بیحد ہو۔

(مکتوبات ۱۱۵ ج اول طبع اسلامی کتب خانہ لاہور)

نیز فرماتے ہیں:

"لیکن اللہ تعالیف کی حمد اور احسان ہے کہ اس گفتگو میں علماء اہلسنت شکر اللہ سعیہم کے ساتھ موافق ہوں اور ان کے اجماع سے متفق ہوں ان کے استدلالی علم کو مجھ پہ کشفی اور اجمالی تفصیلی کیا

ہے۔ (مکتوبات ۵۳۵ ج۱)

نیز فرمایا:

"طریق صوفیہ کے سلوک سے مقصود ہے کہ معتقدات شرعیہ میں یقین زیادہ حاصل ہو جائے تا کہ استدلال کی تنگی سے کشف کے میدان میں آ جائیں مثلاً واجب الوجود تالی کا وجود اول استدلال یا تقلید کے طور پر معلوم ہوا تھا جب طریق صوفیا کا سلوک میسر ہو تو یہ استدلال وتقلید کشف وشہود سے بدل جاتا ہے اور یقین اکمل ہو جاتا ہے سب اعتقادی امور میں یہی قیاس ہے۔ (مکتوبات ص ۴۵۷ ج۱)

"آپ اس فقیر کے مکتوبات اور رسالوں کو دیکھیں کہ اس طریق کو اصحاب کرام کا طریق ثابت کیا ہے اور اس نسبت کو سب نسبتوں سے بڑھ کر مدلل بیان کا ی ہے اور اس طریق عالی اور اس طریق کے بزرگوں کی مدح وتعریف اس طرح پر کی کہ اس بزرگ خاندان کے خلفاء میں سے کسی کو اس کا سوواں (۱۰۰) حصہ بیان کرنے کی توفیق نہیں ہوئی اور نیز یہ فقیر روز مرہ نشست و برخاست میں اس طریق کے آداب ولوازم کی عایت پورے طور پر کرتا ہے اور سر مو مخالفت اور نئی بات پسند نہیں کرتا۔ بڑے تعجب کی بات ہے کہ آپ نے یہ سب ہنر نظر انداز کر دیے اور آپ اس قسم کی باتوں کا یقین کر لیتے ہیں اور سب سن کر آپے سے باہر ہو جاتے ہیں حسن ظن ہے تو کیا اسی جماعت کے ساتھ مخصوص ہے یا شاید میں ہی حسن ظن کے قابل نہیں ہوں۔ الغرض اگر گفت وشنید پر ہی مدار ہے تو پھر چغل خوروں کے ساتھ خلاصی ناممکن ہے اور اخلاص کی کوئی توقع نہیں۔ (مکتوبات ص ۵۰۶ ج۱)

شیخ الاسلام مخزومیؒ فرماتے ہیں:

اپنے کو شیخ محی الدین کے کلام پر (معاندانہ) نکیر کرنے سے بہت بچانا کیونکہ اولیاء کے گوشت زہر آلود ہیں اور ان سے بغض رکھنے والے کے دین کا برباد ہو جانا ایک مسلم بات ہے اور جو شخص ان سے بغض رکھتا ہے وہ نصرانی ہو کر مرتا ہے۔ جو شخص ان کی شان میں گستاخی کے ساتھ زبان درازی

کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو موت قلب میں مبتلا کرتا ہے۔(التنبیہ الطربی ص ١٩)

حضرت مولانا عبدالحکیم سیالکوٹیؒ ایک جگہ فرماتے ہیں:

قدح کردن ورسخن بزرگاں بے مراد ایشاں جہل است ونتیجہ نیک ندارد

بزرگوں کی کلام پر ان کی مراد کے خلاف اعتراض کرنا جہالت ہے اس کا نتیجہ اچھا نہیں ہوتا۔(ماخوذ رسالہ ہدیہ مجددیہ منقول از کشف الغطاء تالیف خواجہ محمد فرخ بیرہ حضرت مجدد الف ثانیؒ بحوالہ مطالعہ بریلویت ص ١٣٦ ج ١)

عظیم فقیہ وقت علامہ ابن عابدین الشامیؒ:

امام شامیؒ لکھتے ہیں:

ففی الفتاوی الحدیثیة سئل عن قوم من الفقهاء ینکرون علی الصوفیة اجمالا او تفصیلا فهل هم معذورون ام لا فاجاب بقوله ینبغی لکل ذی عقل و دین ان لا یقع فی ورطة الانکار علی هؤلاء القوم فانه السم القاتل کم شاهد ذالک قدیما و حدیثا و قد قدمنا قصة ابن السقا المنکر علی ولی الله تعالیٰ فشار له انه یموت کافرا فشوهد عند موته بعد تنصره لفتنة بنصرانیة ابت منه الا ان یتنصر مستقبل الشرق و کلماحول للقبلة یتحول الشرق حتی طلعت روحه وهو کذالک.

ترجمہ: پس الفتاویٰ حدیثیہ میں ہے کہ فقہاء کی ایک جماعت کے بارے میں سوال کیا گیا جنہوں نے حضرات صوفیاء کرام پر اجمالا یا تفصیلا رد کیا تھا کہ وہ فقہا اس رد کرنے میں) معذور ہیں یا نہیں۔ بس انہوں (ابن حجر مکیؒ نے) اپنے اس قول کے ساتھ جواب دیا کہ ہر عقل و دین والے کیلئے مناسب ہے کہ صوفیاء کرام کی مخالفت نہ کرے اس لئے کہ ان کی مخالفت زہر قاتل ہے جیسا کہ قدیما وحدیثا اس کا مشاہدہ ہو چکا ہے۔ پس ہم ابن السقا جن نے ایک اللہ کے ولی پر اعتراض کیا تھا اور اس ولی اللہ نے فرمایا تھا کہ یہ (ابن السقا) کافر ہو کر مرے گا اس ابن السقا کا قصہ ذکر کر چکے ہیں کہ وہ ایک عورت کی وجہ سے عیسائی ہو گیا تھا جس پر عاشق ہوا اس نے عیسائی ہونے کی شرط لگا دی تھی۔ اب جب اس کی موت کا وقت آیا تو اس کا منہ مشرق کی طرف تھا جب بھی قبلہ کی طرف کیا

جتاتو پھر مشرق کی طرف ہو جاتا حتی کہ اسی حالت میں اس کی روح نکل گئی۔

وکانا واحد اهل زمانه علما وذکاء و شهرة و تقدماً عند الخليفة فحلت على الكلمة بواسطة الكاره و قوله عن ذالک الولی لأسئلهة مسئلة لا يقدر على جوابها.

اورابن السقا علم، ذہانت، شہرت اور خلیفہ کے ہاں تقدم کے اعتبار سے یکتائے زمانہ تھا پس اللہ کے ولی پر اعتراض اور یہ کہنے کی وجہ سے کہ میں اس سے ایسا مسئلہ دریافت کروں گا جس کا یہ جواب نہیں دے سکے گا۔اس کی بددعا پوری ہو گئی۔(اور کفر پر مرا)

وجاء عن المشائخ العافين و الائمة الوارثين انهم قالوا اول عقوبة المنكر على الصالحين ان يحرم بركتهم قالوا و يخشى عليه سوء الخاتمة نعوذ بالله من سوء القضاء وقال بعض العارفين من رايتموه يؤذى الاولياء و ينكر مواهب الاصفياء فاعلموا انه محارب لله مبعود مطرود عن قرب الله وقال الامام المجمع على جلالته و امامته ابو تراب النخشبی اذا الف القلب الاعراض عن الله تعالىٰ صحبته الوقيعة فی اولياء الله تعالىٰ.

ترجمہ: اور مشائخ عارفین اور ائمہ وارثین سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ جو آدمی نیک لوگوں پر اعتراض کرتا ہے اس پر سب سے پہلا عذاب یہ آتا ہے کہ وہ انکی برکات سے محروم ہو جاتا ہے اور اس پر سوئے خاتمہ کا اندیشہ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ سے ہم سوئے خاتمہ سے پناہ مانگتے ہیں اور بعض عارفین فرماتے ہیں کہ تم جس شخص کو دیکھو کہ وہ اولیاء اللہ کو تکلیف دے رہا ہے اور اصفیاء کے فضائل کا منکر ہے پس جان لو کہ یہ شخص اللہ کے ساتھ جنگ کر رہا ہے اور اللہ کے قرب سے دور پھینک دیا گیا ہے۔اما ابو تراب جنکی جلالت شان اور امامت متفق علیہ ہے فرماتے ہیں جب کوئی ول اللہ تعالیٰ سے اعراض کا تہیہ کر لیتا ہے تو وہ اولیاء اللہ پر اعتراض شروع کر دیتا ہے۔

قال الامام العارف شاه ابو جاع الكرمانی ما تعبد متعبد باكثر من التحبب الى اولياء الله تعالىٰ لان محبتهم دليل على محبة الله عزوجل وقال ابو القاسم القشيرى قبول قلوب المشائخ للمريد اصدق شاهد لسعادته و من رد قلب شيخ من الشيوخ فلامحالة يرى غب ذالک ولو بعد حين و من خذل بترک حرمة الشيوخ فقد اظهر رقم شقاوته و ذالک لا يخطى انتهى.

ترجمہ: امام عارف شاہ ابو شجاع الکرمانیؒ فرماتے ہیں کوئی عبادت کرنے والا اولیاء اللہ کی محبت سے

بڑھکر کوئی عبادت نہیں کرتا اس لئے کہ انکی محبت اللہ تعالیٰ کی محبت کی دلیل ہے۔ اور ابو القاسم القشیری فرماتے ہیں مشائخ کے قلوب کا مرید کو قبول کرنا اس کی سعادت کی سب سے سچی دلیل ہے اور جس کو مشائخ میں سے کسی شیخ کا دل رد کردے وہ اس کا انجام دیکھ لے گا۔ اگرچہ کچھ وقت کے بعد ہی کیوں نہ ہو۔ اور جو شخص رسوا ہوا اور اس نے مشائخ کا احترام چھوڑا تو اس نے اپنی بدبختی ظاہر کردی اور یہ بات خطا نہیں کھاتی۔

ویکفی فی عقوبۃ المنکر علی الاولیاء قولہ ﷺ فی الحدیث الصحیح من آذی لی ولیا فقد آذنتہ بالحرب ای اعلمتہ انی محارب لہ و من حارب اللہ تعالیٰ لا تفلح ابدا وقد قال العلماء لم یحارب اللہ عاصیاً الا المنکر علی الاولیاء و اکل الربا و کل منھما یخشی علیہ خشیۃ قریبۃ جدا من سوء الخاتمۃ اذلا یحارب اللہ تعالیٰ الا کافر. (مجموعہ رسائل ابن عابدین ص ۳۱۷ ج ۲)

جو اولیاء کرام کا منکر ہے اس کے انجام کو بتانے کے لئے آپ علیہ السلام کا قول جو کہ حدیث صحیح میں ہے کافی ہے جس نے میرے ولی کے سا تھ دشمنی کی میرا اس کے خلاف اعلان جنگ ہے یعنی اس کو بتا دیا جائے کہ میں اس کے ساتھ جنگ کرنے والا ہوں اور جس سے اللہ جنگ کرے وہ کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا۔ علماء فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ گناہگاروں سے جنگ نہیں کرتا مگر جو اولیاء کرام کا مخالف ہو اور سود خور ہو ان میں سے ہر ایک پر سوئے خاتمہ کا اندیشہ ہے اسلئے کہ اللہ سے کافر ہی جنگ کرتا ہے۔

ابو العباس بن عطا مشہور ولی اللہ تھے۔ اس وقت کے وزیر حامد نے ان پر سختی کی مارا اور جیل میں ڈالدیا تو حضرت ابو العباس نے بددعا کی کہ اے اللہ اس وزیر کو قتل کرا اور بری طرح قتل کر اس کے ہاتھ پیر کٹوا دے اس واقعہ کے ایک ہفتہ بعد حضرت ابو العباس کا تو انتقال ہو گیا اور زیادہ دن نہ گزرنے پائے تھے کہ وزیر حامد بن العباس بھی قتل کیا گیا قتل سے پہلے اس کے دونوں ہاتھ اور پاؤں کاٹے گئے اور گھر کو آگ لگادی گئی۔ اس وقت لوگ کہتے تھے کہ اس کو ابو العباس بن عطاء کی بددعا لگ گئی۔ (سیرت منصور حلاج ص ۶۵)

مشاہدہ ذات حق:

جسے صوفیا اپنی اصطلاح میں معرفت کہتے ہیں اس بات پر موقوف ہے کہ بندہ اللہ کو راضی کرے تو اللہ تعالیٰ اس پر اپنا فضل کریگا یعنی اسے وہ باطنی قوت عطا کریگا جس کی بدولت اسے مشاہدہ ذات ہو سکے کا مختصر یہ کہ خدا کی معرفت استدلال سے نہیں بلکہ کشف والہام سے ہو سکتی ہے۔ (تاریخ تصوف ص۳۲۰)

ابن الحسن النقری: صوفی کا مقام رویت (مشاہدات ذات) ہے۔ (تاریخ تصوف ص۲۷۱)

رویت صرف برگزیدہ افراد کو نصیب ہوتی ہے عوام حالت غیبت میں زندگی بسر کرتے ہیں مشاہدہ کی لذت سے بے خبر رہتے ہیں۔ (ایضاً)

اس دنیا میں رویت کا حصول عقبیٰ میں رویت کا ذریعہ ہے اور جو شخص اس دنیا میں خدا کو نہ دیکھ سکے وہ عقبیٰ میں نہ دیکھ سکے گا۔ (ایضاً)

اگر صوفی خدا کے ساتھ نہیں ہے تو یقیناً ماسوائی میں گرفتار ہو جائے گا اور جب تک اس کیلئے غیر اللہ میں کوئی کوشش باقی ہے۔ وہ وقفہ کا تجربہ یا مشاہدہ نہیں کرسکتا (ایضاً)

نیز فرماتے ہیں۔

اگر سالک غیر اللہ کو دیکھتا ہے یا دیکھ سکتا ہے تو وہ خدا کو نہیں دیکھ سکتا اگر سالک بغیر اللہ سے آشنا ہوا ہے تو وہ حقیقت میں اجہل اجہلاء ہے کیونکہ درحقیقت اگر اللہ کے سوا کوئی موجود ہی نہیں چنانچہ موقف ۳۱ میں یوں لکھتا ہے۔ (ایضاً ص۲۷۳)

جب تک سالک حرف سے باہر نہ نکل جائے وہ رویت خدا میں قیام نہیں کرسکتا۔ (ایضاً ص ۲۷۴) کیونکہ رویت باری کون کو محو کر دیتی ہے۔ (ایضاً ص۲۷۵) یا عبد من شهدنی رای کبریا ی من الالهیات فخشع لی ومن ظهر بادیات و خضع لسطلانی ومن ظهر لسطنات هنالک اذا وقف فی یوم الجمع صحبه فی الاهوال کما صحجنی من وراء الاسعاز و ارسلت الیه ثبت فی النزالزال فثبت بی علی کل حال اے بندے! جو میرا مشاہدہ کرتا ہے وہ منجملہ آیات میری عظمت

وکبریائی کو دیکھتا ہے اور میرے سامنے خشوع (فروتنی) کا اظہار کرتا ہے اور وہ (آیات) ظاہر نہیں ہیں اور میری قدرت کے سامنے خضوع (عاجزی) کا اظہار کرتا ہے اور وہ صاحب قدرت نہیں ہیں یہاں جب وہ یوم جمع میں وقوف کرتا ہے تو میں اس کے احوال (ہول یا خوف) میں اس کا ساتھی ہوتا ہوں جسطرح وہ حجابات سے وارا ہو کر میرا ساتھی ہوتا ہے اور قدم ڈگمگانے کے وقت میں اسے ثبات عطا کرتا ہوں۔ پس میری بدولت وہ ہر حالت میں ثابت اور قائم رہتا ہے (تاریخ تصوف ص ۲۸۸)

جو میرا مشاہدہ نہیں کرسکتا اسے اس کا علم کوئی نفع نہیں دے سکتا اور نہ وہ دائرہ جہالت سے باہر نکل سکتا ہے (نہ اس کی جہالت کا ازالہ ہوسکتا ہے) (تاریخ تصوف ص ۲۸۹)

(اے بندے) میرا ذکر تیرے حق میں میری ذات کے انکشاف کا سبب ہو جائیگا اور فاتحہ (آغاز) ذکر یہی معرفت ہے۔

جب تک میں خود اپنے کو کسی پر ظاہر نہ کر دوں وہ مجھے نہیں جان سکتا اور جو مجھے جانتا نہیں میں اسکی بات بھی نہیں سنتا (تاریخ تصوف ص ۲۹۰)

ابوالنصر السراجؒ:

مصنف نے لکھا ہے کہ میں نے یہ سنا ہے کہ شام کے بعض صوفیا اس کے مدعی ہیں کہ انہیں اس دنیا میں خدا کا دیدار ہوا ہے جو اس مشابہ ہے جو آخرت میں ہوگا۔ یہ دعویٰ صحیح نہیں ہے سچے صوفیوں کی رویت تو مشاہدہ جو یقین کا ثمرہ ہوتا ہے آنحضرت ﷺ کی رویت جس کا ذکر سورۃ نجم میں ہے۔ وہ حضور ﷺ کیساتھ شریک نہیں یعنی اس زندگی میں کسی کو رویت باری نصیب نہیں ہوسکتی (تاریخ تصوف ص ۳۱۷) حسن بن علی بن یزدان یار سے لوگوں نے پوچھا کہ عارف خدا کے مشہد (حضور) میں کب ہوتا ہے انہوں نے جواب دیا کہ جب الشاہد (خدا) ظاہر ہو جائے اور شواہد (مظاہر کائنات) فنا ہو جائیں حواس زائل ہو جائیں اور اخلاص مضمحل ہو جائے (ایضاً ص ۳۵۵)

ابوطالب مکیؒ فرماتے ہیں:

آج کا نور مرئی ہے اولیاء کیلئے رویت عینی قلبی کے ساتھ اور کل قیامت میں وہ مرئی ہوگا اولیاء کیلئے مشاہدہ بالا بصار کے ساتھ (تاریخ تصوف ص ۳۸۷)

خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ سے رویت کا ثبوت:

مجلس دوم میں ارشاد فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ سمرقند میں ایک بزرگ سے ملاقات کی جو عالم تحیر میں تھے میں نے وہاں کے لوگوں سے پوچھا کہ ان کو اس حال میں رہتے ہوئے کتنے سال ہوئے لوگوں نے جواب دیا کہ ہم ان کو بیس سال سے اسی حال میں دیکھتے ہیں۔ میں چند روز انکی صحبت میں رہا ایک بار عالم صحو میں پایا تو دریافت کیا کہ کتنے روز سے آپکو کسی کے آنے جانے کی اطلاع نہیں ہوئی۔ جواب دیا کہ اے نادان درویش جب دریائے محبت میں غرق ہو جاتا ہے لوگ اس کے ٹکڑے ٹکڑے بھی کر ڈالیں لیکن اسکو کچھ خبر نہ ہوگی جانبازی کی اس راہ میں جس نے قدم رکھا اس کی جان محفوظ نہیں رہتی۔ (مجالس صوفیہ ص ۴۸)

فرمایا کہ میں اپنے مرشد خواجہ بزرگ کے ساتھ حج کو گیا۔ واپسی میں ہم ایک ایسے شہر میں ٹھہرے جس کا نام اب یاد نہیں۔ وہاں ایک بزرگ کی زیارت کی جو ایک غار میں تھے۔ خواجہ بزرت علیہ الرحمۃ نے مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ اگر تمہاری مرضی ہو تو چند روز یہاں قیام کریں میں نے ادب سے عرض کیا کہ جیسی مرضی ہو۔ غرض ہم ایک ماہ تک ان کی صحبت میں رہے اس عرصہ میں صرف ایک روز وہ تھوڑی دیر کیلئے عالم صحو میں آئے ہم نے سلام عرض کا کی جواب دے کر فرمایا عزیزو تمہیں یہاں تکلیف ہوئی لیکن اس کا نیک بدلہ پاؤ گے کیونکہ جو شخص درویشوں کی خدمت کرتا ہے منزل مقصود کو ضرور پہنچ جاتا ہے پھر فرمایا بیٹھ جاؤ ہم بیٹھ گئے تو ذکر فرمانے لگے کہ میں شیخ محمد اسلم طوسی کی اولاد میں سے ہوں اس عالم تحیر میں تیس سال سے ہوں مجھ کو روز و شب کی کوئی خبر نہیں ہوتی حق تعالیٰ آج صرف تمہارے لیے عالم صحو میں لایا۔ (مجالس صوفیہ ص ۸۵)

خواجہ کا اپنا حال:

جب وہ کلام پاک پڑھتے تو ہر آیت پر اپنے سینہ پر ہاتھ مارتے اور بے ہوش ہو جائے ایک روز

ہزار بار بے ہوش ہوئے لیکن جب مشاہدہ کی آیت پڑھی تو مسکرا دیے اور پھر عالم تحیر میں کھو گئے اور اس عالم میں ایک دن اور ایک رات رہے۔ (مجالس صوفیہ ص ۹۰)

بابا فرید الدین گنج شکرؒ:

عشق میں عاشق اپنے معشوق کی طلب میں مجاہدہ کرتا ہے جس سے اسکو مکاشفہ ہوتا ہے مکاشفہ کے بعد مشاہدہ یعنی معشوق کا دیدار ہوتا ہے اس مشاہدہ سے اس کا عشق اور بھی تیز ہو جاتا ہے اور رفتہ رفتہ سحاب اٹھتے جاتے ہیں اور عاشق ایسے مقام پر پہنچ جاتا ہے۔ جہاں وہ صرف عالم تحیر میں رہتا ہے۔

نیز فرماتے ہیں۔

راہ عشق مین محبت کے ساتھ سو مقامات ہیں۔ پہلا مقام یہ ہے کہ (معشوق) کیطرف سے جو بھی بلا نازل ہو اسکو صبر و سکون سے عاسق برداشت کرے۔ (ص ۵۱) اس راہ میں محبت کی کوئی غایت نہیں (۵۲) اور عاشق اپنے تمام اعضاء کے ساتھ محبت معشوق مین مستغرق رہتا ہے اور اپنی آنکھوں سے صرف معشوق کو دیکھتا ہے وہ اپنے کانوں سے صرف معشوق کی باتیں سنتا ہے وہ اپنے ہاتھ پاؤں کو صرف معشوق کیلئے حرکت دیتا ہے اور اپنے زبان سے صرف معشوق کا ذکر کرتا ہے اور محبت میں وہی صادق ہے جو لمحہ معشوق کے زکر میں یعنی ذکر الٰہی میں مشغول رہتا ہے (ص ۵۱ مجالس صوفیہ ص ۱۶۷)

اس سلسلہ میں حضرت شیخ ہجویریؒ نے بتایا ہے کہ سکر اور صحو کیا ہیں؟ سکر حق تعالیٰ کی محبت کا غلبہ ہے۔ایک سالک جب محبوب کے جمال کو دیکھتا ہے تو اس کی عقل عشق سے مغلوب ہو جاتی ہے اور غایت بے خودی میں اس کا ادراک اور ہوش باقی نہیں رہتا۔ اس پر محویت اور فنا کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ (مجالس صوفیہ ص ۲۲ طبع مجلس نشریات اسلام)

مشاہدہ بیان:

پیغمبر ﷺ فرماتے ہیں کہ "اجھمو ابطو نکم دعو الحرص و اعود اجمار کم قصر و الامل و

اظماو اکباد کم هو الدنیا العلکم ترون الله بقلوبکم" (اپنے شکموں کو بھوکا رکھو، حرص کو چھوڑ دو، اور اپنے جسموں کو ننگا رکھو، امیدیں کم کرلو اور اپنے جگروں کو پیاسا رکھو، دنیا چھوڑ دو تاکہ اللہ کو اپنے دل سے دیکھ سکو) "ان تعبد الله کانک تراه فان لم تکن تراه فانه یراک" (یہ کہ تو اللہ کی عبادت اس طرح کرے کہ گویا تو اللہ کو دیکھ رہا ہے اور اگر تو اسے نہیں دیکھ سکتا تو وہ تمھیں یقیناً دیکھ رہا ہے) اور حق تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی تھی کہ "یاداود اتدری ممعرفتی قال لا قال هی حیاة قلب فی مشاهدتی" (اے داؤد کیا تم جانتے ہو کہ میری معرفت کیا ہے؟ انہوں نے کہا "نہیں" تو ارشاد ہوا میرے مشاہدہ میں دل میں کا زندہ رہنا میری معرفت ہے" اور صوفیاء کے ہاں عبادت سے مراد دل کی آنکھوں سے مشاہدہ حق ہے (کشف المحجوب ص ۵۲۰ طبع اسلامی کتب خانہ)

حق تعالیٰ نے رسول ﷺ اور آپ کی معراج کے متعلق ہمیں خبر دی ہے کہ "ما زاغ البصر وما طغیٰ" (آپ کی نگاہ نہ تو تجلیات الٰہیٰ سے ہٹی اور نہ حد سے آگے بڑھی) یعنی دیدار الٰہیٰ کے شدت شوق میں آپ نے نگاہ کسی چیز سے ہٹائی نہیں حتیٰ کہ جو کچھ بھی تجلیات ربانی سے سامنے آیا آپ نے اسے دل کی آنکھوں سے دیکھا۔ کیونکہ جب کبھی بھی انسان آنکھ کی محبت موجودات سے ہٹالیتا ہے لامحالہ اپنے دل سے اپنے خدا کا دیدار کرلیتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "لقد رای من آیات ربه الکبریٰ" (یقیناً آپ نے اپنے پروردگار کی بڑی نشانیوں کو دیکھا) اور نیز ارشاد ربانی ہے کہ "قل للمومنین یغضوا من ابصارهم ابصاری العیون من الشهوت و ابصار القلوب عن المخلوقات" (اے پیغمبر ﷺ مومنوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی آنکھوں کو خواہشات کے دیکھنے روک لیتا ہے لامحالہ وہ سر کی آنکھوں سے ہی حق تعالیٰ کو دیکھ لیتا ہے۔ "من کان اخلص مجاهدة کان اصدق مشاهدة" (جو کوئی مجاہدے میں جتنا مخلص ہوگا وہ مشاہدہ حق میں اتنا ہی زیادہ سچا ہوگا)۔

پس باطنی مشاہدہ ظاہری مجاہدے کے ساتھ ہوا کرتا ہے حضرت سہل بن عبداللہ تستریؒ فرماتے ہیں" من غض بصره عن الله طرفة عین لا یهد طول عمره" (جو کوئی ایک لمحے کیلئے کو دیکھنے

سے غافل ہو گیا وہ اپنی طویل زندگی میں راہ راست پر نہیں آ سکتا) اس لیے کہ غیر کی طرف سے التفات کرنا حق تعالیٰ سے غیر کی طرف لوٹنا ہے اور حق تعالیٰ جس کو بھی غیر کے ساتھ چھوڑ دیتے ہیں وہ ہلاک ہو جاتا ہے پس ارباب مشاہدہ کے نزدیک زندگی وہ ہوتی ہے جس میں مشاہدہ حق میں رہیں اور جو وقت غیبت میں بسر ہوا اسے وہ زندگی میں شمار نہیں کرتے ہیں کہ وہ وقت ان کیلئے درحقیقت بمنزلہ موت کے ہوتا ہے۔ (کشف المحجوب ۳۲۱ طبع اسلامی کتب خانہ)

اور رسول ﷺ نے شب معراج کے متعلق حضرت سیدہ عائشہ صدیقہؓ کو بتلایا کہ "میں نے حق تعالیٰ کو نہیں دیکھا جب کہ ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ "حق تعالیٰ کو دیکھا ہے" پس لوگ اس معاملے میں اختلاف کرنے لگے حالانکہ بہتر طریق وہ تھا جو درمیان ہے کہ آپ جو فرمایا کہ میں نے دیکھا ہے تو اس سے باطن کی آنکھوں سے دیکھنا مراد ہے اور جو یہ فرمایا کہ نہیں دیکھا تو یہ ظاہری آنکھ سے نہ دیکھنے کو بیان فرمایا ہے چونکہ ان دونوں میں سے ایک اہل باطن میں سے تھے اور ایک ظاہر میں سے۔ اس لیے ان میں ہر ایک کے ساتھ اس کے مرتبے کے مطابق گفتگو فرمائی۔۔۔۔۔ پس جب آپ نے باطن کی آنکھ سے دیکھ لیا تو یہ اگر ظاہری آنکھوں کے واسطے سے نہ بھی ہو تو کیا فرق پڑتا ہے۔ حضرت جنیدؒ نے فرمایا تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھ سے کہا کہ "مجھے دیکھو تو میں عرض کروں گا کہ میں نہیں دیکھتا کیونکہ محبت میں آنکھیں بھی غیر اور بیگانہ ہیں جب کہ غیریت کی غیرت مجھے دیدار سے باز رکھتی ہے کیونکہ دنیا میں بھی حق تعالیٰ کو واسطے کے بغیر دیکھتا رہا ہوں تو آخرت میں اس واسطے کو میں کیا کروں گا۔ واللہ الھادی واللہ اعلم بالصواب۔

شعر ہو انی لا حسد ناظرین الیک واغمض طرفی اذا نظرت الیک (میں تیری طرف دیکھنے والوں سے حسد کرتا ہوں اور جب خود تجھے دیکھتا ہوں تو آنکھیں بند کر لیتا ہوں) کہ دوست کو اپنی نگاہوں سے دیکھنا بھی مناسب نہیں سمجھتے کیونکہ آنکھ بھی بیگانہ ہوتی ہے اس بزرگ سے لوگوں نے پوچھا کہ "کیا آپ اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کی خواہش رکھتے ہیں؟" انہوں نے جواب دیا "نہیں" لوگوں نے پوچھا "آخر کیوں؟" تو انہوں نے فرمایا کہ جب حضرت موسیٰ نے دیکھنا چاہا تو دیکھ نہ

سکے اور حضرت محمد ﷺ نے دیدار کی درخواست نہ کی تو دیدار سے مشرف ہوئے پس ہمارا چاہنا ہمارے لیے دیدار خداوندی سے حجاب اعظم ہے اس لیے کہ محبت میں اپنے ارادے کا وجود بھی ایک طرح کی مخالفت ہوئی ہے اور مخالفت حجاب ہوتی ہے جب دنیا آخرت کی طرح اور آخرت دنیا کی طرح ہو جاتی ہے۔ حضرت بایزیدؒ کہتے ہیں کہ "ان اللہ عبادالو حجبو عن اللہ فی الدنیا والاخرۃ لا رتدو" (بلاشبہ اللہ کے کچھ بندے ایسے ہیں کہ اگر وہ دنیا وآخرت میں دیدار الٰہی سے حجاب میں رکھے جائیں تو وہ مرتد ہو جائیں) یعنی حق تعالیٰ ہر وقت اپنے مشاہدہ سے ان کی پرورش کرتا رہتا ہے اور محبت کی زندگی سے ان کو زندہ رکھتا ہے پس اگر محبوب ہو کر مشاہدہ سے محروم ہو جائے تو راندہ درگاہ ہو جاتا ہے پس دنیا میں مشاہدہ ایسا ہی ہوتا ہے جیسے آخرت میں رویت باری تعالیٰ جب تمام اصحاب طریقت ومعرفت کے اجماع واتفاق سے آخرت میں رویت حق روا ہے تو پھر دنیا میں مشاہدہ بھی جائز ہوگا۔ (کشف ص ۵۲۳ طبع اسلامی کتب خانہ)

مولانا روم صاحب رحمۃ اللہ علیہ

جان مجرد گشتہ از رغو ہمائے تن — می پرد با پر دل بے پائے تن

اس کی شرح میں۔ عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں ایک زمانہ مجاہدہ اور صحبت پیر کامل کے بعد عارف کی روح اس جسد خاکی کے ہنگاموں (خواہشات تقاضیر) سے آزاد ہو کر حق تعالیٰ کی طرف اڑتی رہتی ہے یعنی حضور تام واستحضار تام کے فیوض وانوار میں عارف کی روح دل کے پیر سے (نہ کہ جسم کے پیر سے) مسافت سیر الی الحق سے مسافت سیر فی الحق قطع کرتی ہے پس ہر لحہ روح عارف کو صفات الٰہیہ کی تفصیلی سیر عطائے حق سے نصیب ہوتی ہے۔ کم قال حضرت رومیؒ فی مقام آخر

سیر زاہد ہر لمحے یک روزہ راہ — سیر عارف ہر دمے تا تخت شاہ

زاہد ایک ماہ میں ایک دن کی مسافت طے کرتا ہے اور روح عارف باللہ ہر سانس مین اعتبار سیر باپر دل بے پائے تن تخت محبوب حقیقی تک اڑتی رہتی ہے (من فیوضی مرشدیؒ) (معارف مثنوی

شرح مولانا روم) (ص ۵۱۲ طبع کتب خانہ مظہری)

محققین نے فرمایا ہے جب مرید فنافی الرسول اور جبروت تک پہنچ جائے تو اسے خلافت دے دینا جائز ہو جاتا ہے گو واجب نہیں ہوتا واجب اس وقت ہوتا ہے جب مرید شہود ذات تک پہنچے (تعارف نقشبند ۴۸) (مستوں کی) ہمہ وقت مشاہدہ کی وجہ سے زبان سیف ہوتی ہے (ایضاً ص ۷۳)

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں۔

معرفت اشیائے کے سلسلہ میں نفس ناطقہ کے اس لطیفہ کا یہی رخ ہے جس کی بنا پر بندہ رب عزوجل کو دیکھتا ہے (فیوض الحرمین ص ۶۲ طبع دارالاشاعت کراچی)

دوسرے مقام پر فرماتے ہیں۔

شاہ ولی اللہ محدث لکھتے ہیں۔

اور تیسرا گروہ ان لوگوں کا ہے جو شعائر اللہ کے نور میں بالکل ڈوب جاتے ہیں اور اس حالت میں جب وہ غور وخوض کرتے ہیں تو وہ اللہ تعالیٰ کی اس تدلی کا جو ان شعائر کی اصل ہے ادراک کر لیتے ہیں اور اس سے وہ حیرت زدہ ہو کر رہ جاتے ہیں۔ (فیوض الحرمین ص ۴۷)

نیز فرماتے ہیں

میں نے جب اپنے آپ سے طبیعت کا لباس اتار دیا اور اپنے مالوفات، عادات اور محسوسات سے میں نے تجرد اختیار کر لیا۔ اور اس مقام قدس کے مقام میں میں رنگا گیا تو اس کے بعد میں نے ایک عظیم الشان حقیقت کا مشاہدہ کیا اس موقع پر مجھ سے کہا گیا یہ مقام رویت و مشاہدہ ہے۔ (فیوض الحرمین ص ۲۱۰، ص ۶۲)

لیکن ہر شخص جو اس بارگاہ کمال تک پہنچتا ہے وہ اس مقام میں اپنے رب کو یوں دیکھتا ہے جیسے کہ وہ یہاں اکیلا ہی ہے۔ (ایضاً)

شاعر مشرق علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں۔

گر خواہی خدا را فاش بینی	خودی را فاش تر دیدن بیاموز
اگر زہرہ ز خود گیری زبر شو	خدا خواہی بخود نزدیک تر شو

ولی اللہ کا حضرت حق سے کلام ثابت ہے:

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں۔

اور وہ (عارف) ام کا ہو جاتا ہے۔اس حالت میں اس کے سامنے ہر چیز متجلی ہو جاتی ہے اب وہ امور جن کے بارے میں پہلے اسے شبہ تھا وہ ان امور پر اور نیز اپنے شکوک پر دوسری بار نظر کرتا ہے تو ان کے متعلق اللہ کا جو ارادہ فیصلہ ہوتا ہے وہ منکشف ہو جاتا ہے اور اس حالت میں وہ گویا اللہ کے ارادے اور فیصلے کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے لگتا ہے اب اگر وہ عارف متکلم ہوتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ اس سے کلام کرتا ہے تو اس حالت میں اس سے کلام کی جاتی ہے۔(فیوض الحرمین ص ۲۱۲)

دوسرے مقام پر فرماتے ہیں۔

اس ضمن میں آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ میں آپ ﷺ کے سامنے بیٹھوں اور اپنے رب سے ان مسائل کے بارے میں اپنی اس زبان میں سوال کروں جو زبان کہ ملا اعلیٰ کے مقابل ہوتی ہے۔میں اس حالتمیں تھا کہ آپ ﷺ کے نور نے مجھے پوری طرح گھیر لیا پھر میں نے سوال کرنا چاہا تو آپ کے نور نے مجھے گھیر لیا اسکے بعد میں نے سوال کرنا چاہا تو آپ ﷺ کے نور نے پھر مجھے اپنے حلقہ میں لے لیا الغرض یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہا یہاں تک کہ میرا سوال اور آپ ﷺ کی ہمت عالی دونوں مل گئے اور اس طرح تیر نشانے پر جا لگا۔(فیوض الحرمین ص ۱۳۸)

نیز فرماتے ہیں۔

اور جو بھی قطب، محدث یا نبی ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے کلام کرتا ہے تو اس کو اسی حقیقت محمدیہ سے حصہ ملتا ہے باقی ان امور کو اللہ بہتر جانتا ہے۔(فیوض الحرمین ص ۱۶۲)

امام ربانی مجدد الفثانیؒ فرماتے ہیں:

برادرم محمد صدیق کو واضح ہو کہ حق تعالیٰ کی کلام بندے کے ساتھ کبھی رو برو بلا واسطہ ہوتی ہے اس قسم کی کلام انبیاء علیہم السلام کے کامل تابعداروں کے لیے بھی ہوتی ہے جو وراثت وطبیعت کے طور پر ان کے کمالات سے مشرف ہوتے ہیں جب اس قسم کی کلام ان میں سے کسی کے ساتھ بکثرت ہو تو ایسے شخص کو محدث کہتے ہیں جیسے کہ امیر المومنین حضرت عمرؓ تھے اور یہ کلام الہام اور القائے روحانی اور قلبی اور اس کلام سے جو فرشتہ کے ساتھ ہوتی ہے الگ ہے (مکتوب امام ربانی ص ۱۸۱ ج ۲)

شیخ عبدالکریم جیلیؒ فرماتے ہیں:

اور بعض کلام کرنے والے ہیں جنکو حق عالم اجسام سے عالم ارواح کی طرف لے جاتا ہے اور یہ بلند رتبہ کے متکلم ہیں بعض ایسے ہیں کہ ان سے قلب میں خطاب کرتا ہے اور بعض وہ جو اپنی روح سے آسمان دنیا کی طرف چڑھتے ہیں اور بعض ان میں سے دوسرے آسمان کی طرف بعض تیسرے آسمان کی طرف ہر ایک صعود (اوپر چڑھنا) اس کے مقسوم کے موافق ہوتا ہے بعض ان میں سے سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچتے ہیں پھر وہ وہاں اس سے کلام کرتا ہے ہر متکلم سے حق کا مکالمہ صرف اسی قدر ہوتا ہے جس قدر کہ حقائق میں اس کو دخل ہوتا ہے اس لیے کہ حق تعالیٰ ہر چیز کو وہاں ہی رکھتا ہے جہاں اس کو رکھنے کی جگہ ہے اور بعض ایسے ہیں جن کیلئے مکالمہ کے وقت نوروں میں سے کسی نور کا سراپردہ لگایا جاتا ہے اور بعض کیلئے نور کا منبر قائم کیا جاتا ہے اور بعض اپنے باطن میں تو دیکھتے ہیں پھر اس نور کی جہت سے کلام کو سنتے ہیں کبھی اس نور کو کثیر کبھی اکثر کبھی گول دراز دیکھتے ہیں اور کوئی ان میں سے صورت روحانیہ کو دیکھتا ہے جو اس سے سرگوشی کرتی ہے ان سب باتوں کا نام خطاب نہیں رکھا جاتا ہے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ جتادے کہ وہی متکلم ہے اور یہ بات اس میں دلیل کی محتاج نہیں ہے بلکہ اس کے متعلق پہلی ہی دفعہ اطمینان نازل ہو جاتا ہے اس لیے کہ کلام الٰہی کی خاصیت مخفی نہیں رہتی اور یہ باتیں خطاب میں داخل نہیں ہوتیں مگر یہ کہ جانے کہ جو کچھ سن رہا ہے خدا کا کلام ہے۔ (انسان کامل ص ۱۳۲)

پروفیسر یوسف سلیم چشتی لکھتے ہیں کہ ابو النصر السراج اپنی کتاب "اللمع" میں فرماتے ہیں سطحیات یا

بزید بسطامی اوران کی سرح از جنید بغدادیؒ۔ واضح ہو کہ جب سالک کو مقام قرب (ایزدی) حاصل ہو جاتا ہے تو ہر خیال جو اس کے دل میں آتا ہے سالک کو پیغام ایزدی محسوس ہوتا ہے اسے محسوس ہوتا ہے کہ خدا براہ راست مجھ سے مخاطب ہے اسی کو مقام فناء فی اللہ کہتے ہیں جس کے ثمرے میں سالک کے سر پر بقاء باللہ کا تاج رکھا جاتا ہے۔ (تاریخ تصوف ص ۳۱۴)

جب کوئی بزرگ خدا کے حکم سے کسی شخص کو اپنا خلیفہ اور جانشین بناتا ہے تو یہ اعلیٰ درجہ کی خلافت قرار دی جاتی ہے مثلاً صاحب سیر الاولیاء تحریر فرماتے ہیں کہ شیخ فریدالدین گنج شکر کوشش فرماتے تھے کہ کسی مرید کو خلافت عطاء فرما کر ولایت ہند اس کے سپرد فرمادیں کہ غیب سے ندا ائی "نظام الدین اولیاء بدایوانی آرہا ہے راستہ میں ہے خلافت کے قابل ہے اسے خلافت دو۔ جب حضرت سلطان المشائخ" باباصاحب کے پاس پہنچے تو امر الٰہی سے انہیں خلافت اور ہندوستان کی ولایت عطاء فرمائی گئی باباصاحب اکثر فرمایا کرتے تھے بابا نظام الدین بظاہر میرے خلیفہ ہیں مگر بباطن وہ باری تعالیٰ کے خلیفہ اور حضرت محمدؐ کے نائب ہیں۔ (تعارف نقشبند ص ۴۷ خانقا نقشبندیہ ٹنڈو آدم سندھ)

خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ نے موت کے وقت فرمایا" حضرت حق تعالیٰ نے مجھ کو خوشخبری دی ہے کہ اس طریقہ کو لوگ اختیار کریں اور آخر تک قائم رہیں میں ان سب کو بخش دوں گا۔ (حضرات القدس ص ۱۳۳ ج ۱)

خواجہ علی رامیتنی قدس سرہ نے فرمایا خواجہ محمود انجیر فغنوی کو اللہ تعالیٰ نے وہ بزرگی عطا فرمائی ہے کہ آپ ہمیشہ اس مقام جہاں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کلیم اللہ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہزاروں کلمات فرمائے پرواز کرتے ہیں۔ (ایضاً ص ۱۴۰ ج ۱)

حضرت مجدد کے بارے میں لکھا ہے

چند روز آپ نے امامت میں رکوع کی تسبیح پانچ بار پڑھی تھی کہ حضرت حق تعالیٰ کی بارگاہ سے اس کی ممانعت آئی (ایضاً ص ۹۴ ج ۲)

شیخ بدرالدین سرہندی لکھتے ہیں۔

حضرت مجدد قدس سرہ کو حق تعالیٰ نے مکلم اور محدث بنایا (ایضاً ص ۸۵ ج ۲)

شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں۔

اور اس حالت میں (وہ عارف) گویا اللہ کے ارادے اور فیصلے کو آنکھوں سے دیکھنے لگتا ہے اب اگر وہ عارف مکلم ہوتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ سے کلام کرتا ہے تو اس حالت میں اس سے کلام کی جاتی ہے۔

(فیوض ص ۲۱۴)

خیر کثیر میں حضرت شاہ ولی اللہ نے ایسے ہی شخص کے بارے میں لکھا ہے وہ فرد وحدت ہوتا ہے اس سے توسل لیا جاتا ہے وہ براہ راست اللہ کا شاگرد ہوتا ہے (ایضاً ص ۶۴)

اہمیت کشف:

مجدد الف ثانیؒ جو ہزار سال کے مجدد ہیں انہوں نے مکتوبات میں جتنے علوم بیان فرمائے ہیں اکثر کشف کی بنا پر بیان فرمائے۔

مجدد صاحب اور اظہار مکاشفات:

کرسی کے بارے میں ایک سوال کے جواب میں فرمایا چونکہ کرسی کا معاملہ ہم پر اچھی طرح کشف نہیں ہوا اس لیے اسکی تحقیق کو دوسرے وقت پر موقوف رکھا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کیکرم سے بہت کچھ کی امید ہے رب زدنی علما (یا اللہ تو میرا علم زیادہ کر) (مکتوبات ص ۵۶۔۷)

مجدد کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ کشفی تحقیقات بیان فرماتے تھے بلکہ مزید کی امید رکھتے تھے نیز اسے علم شمار کرتے تھے تب ہی تو اضافہ کی دعا زیادت کشف پر مانگی ہے اور علم بہت بری نعمت ہے اور علم کو آگے بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے معلوم ہوا حضرت حق جو کچھ ولی کو کشف میں دکھائیں اس کو بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

فرمایا: بھلا کیونکر مقبول نہ ہو جبکہ کشف والہام سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے (مکتوبات ص ۸۹)

نیز فرماتے ہیں:

وہ معارف جو کشف والہام کے بغیر کہے اور لکھے جائیں یا شہود ومشاہدہ کے بغیر تحریر وتقریر میں آئیں سراسر بہتان وافترا ہیں (مکتوبات ص ۹۰ ج ۲)

دیکھیے معارف الہیہ میں مجدد صاحب کسطرح کشف والہام کی حقیقت واضح فرما رہے ہیں۔

شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں۔

نیز شعائر ام کی طرف سے جب لوگ متوجہ ہوتے ہیں تو اس سلسلہ میں ان کے یہ گروہ بن جاتے ہیں۔

دوسرا گروہ ان لوگوں کو ہوتا ہے جن کی روح کی آنکھیں کھل جاتی ہیں اور وہ اپنے حاسہ سے شعائر اللہ کا نور محسوس کرتے ہیں (فیوض الحرمین ص ۴۷)

نیز فرماتے ہیں۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ میں خانہ کعبہ میں تہجد کی نماز پڑھ رہا تھا کہ پہلی قسم کے انوار میرے باطن میں چمک اٹھے اور میں ان کی تاثیر سے اپنے اپ سے بے قابو ہو گیا اور مجھ پر ایک حیرت سی چھا گئی۔ (فیوض ص ۱۰۴)

نیز لکھتے ہیں۔

کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اللہ تعالی کی طرف سے عارف کو جو جو نعمتیں ملنے والی ہوتی ہیں ان کا اس پر انکساف ہو جاتا ہے اس انکشاف کے ضمن میں اہل اللہ کے دو طبقے ہیں ایک طبقہ تو کشف الہی والوں کا ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے ملا اعلیٰ کے جن خزانوں اور سرچشموں سے فیوض نازل ہوتے ہیں کشف الہیٰ والوں پر یہ خزانے اور سرچشمے منکشف ہو جاتے ہیں۔ (فیوض ص ۲۳۴ تا ۲۳۵)

کشف کو قبول کرنا سعادت

حضرت مجدد الف ثانی تحریر فرماتے ہیں۔

وہ علوم جو مقام فنا فی اللہ اور بقا باللہ سے تعلق رکھتے ہیں اللہ پاک نے محض اپنی عنایت سے مجھ پر

منکشف فرمائے ہیں اور یہ بھی بتادیا کہ ہر چیز کی خاص وجہ کیا ہے اور سیر فی اللہ کے کیا معنی ہیں اور برق تجلی کیا ہے اور محمدی المشرب کون ہے اور اس طرح کی دوسری باتیں اور ہر مقام میں اس کے لوازم اور ضروریات بتائی جاتی ہیں اور ان کی سیر کرائی جاتی ہے اور بہت کم چیزیں ایسی ہونگیں جن کی نشاندہی اولیاء اللہ نے کی ہوگی اور وہ راستے میں چھوڑ دی گئی ہوں اور نہ دکھائی گئی ہوں وہ شخص مقبول ہو گیا جس نے اس کو بلا چوں وچرا قبول کر لیا۔ (حضرات اقدس ص ۴۷ ج ۲)

کشف پر اعتماد؟:

نیز فرماتے ہیں:

"اور اس مقام صدیقیت سے اونچا صرف مقام نبوت ہی ہے اور کوئی نہیں اور صدیقیت اور نبوت کے درمیان اور کوئی نہیں ہو سکتا بلکہ محال ہے اور ایسا محال ہونا صریح اور صحیح کشف سے معلوم ہوا ہے۔ (حضرات القدس ص ۴۷ ج ۲)

نیز فرماتے ہیں:

طریق صوفیہ کے سلوک سے مقصود یہ ہے کہ معتقد شرعیہ میں یقین زیادہ حاصل ہو جائے تا کہ استدلال کی تنگی سے کشف کے میدان میں آ جائیں مثلاً واجب الوجود تعالیٰ و تقدس کا وجود جو استدلال یا تقلید کے طور پر معلوم ہوا تھا اور اس کے انداز کے موافق یقین حاصل ہوا تھا جب طریق صوفیہ کا سلوک میسر ہو تو یہ استدلال و تقلید کشف و شہود سے بدل جاتا ہے اور یقین حاصل ہو جاتا ہے سب اعتقادی امور میں یہی قیاس ہے (مکتوبات ص ۲۵۷ ج اول)

کشف کی وقعت واہمیت کی بالکل نفی کرنے اور استہزاء کرنے والوں کو تعجب کرنا چاہیے کہ مجدد کے نزدیک تو کمال ایمان کا ایک ذریعہ ہے افسوس مجدد کو ہزار سال کا مجدد بھی مانتے ہیں اور انکی تعلیمات سے بھی بھاگتے ہیں مکتوبات پڑھ کر دیکھ لیں جگہ جگہ سوالوں کے جواب کشف کے ذریعے دیتے ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ شیخ بننے اور حق کی طرف خلق کو دعوت دینے کا مقام بہت ہی

عالی ہے۔ آپ نے سنا ہوگا کہ الشیخ فی قومہ کالنبی فی امتہ شیخ اپنی قوم میں ایسا ہے جیسے نبی اپنی امت میں ہر بے سروسامان کو اس بلند مرتبہ سے کیا مناسبت

گدائے مردمیاں کے شو　　　　پشہ آخر سلیماں کے شود

ترجمہ: گداہر اک نہیں ہے مردمیاں　　　　کبھی مچھر نہیں بنتا سلیماں

حوال و مقامات کا مفصل علم ہونا اور مشاہدات و تجلیات کی حقیقت کو پہچاننا اور کشوف و الہامات کا حاصل ہونا اور واقعات کی تعبیر کا ظاہر ہونا اس بلند مقام کے لوازم میں سے ہے۔

و بدنہ خرط القتاد اور اس کے علاوہ بے فائدہ رنج و تکلیف ہے۔ (مکتوبات ص ۴۹۵ ج اول)

مجدد صاحب اپنے کشف کے اظہار کی وجہ بیان فرماتے ہیں۔

عجب معاملہ ہے کہ اگر میں اپنے یقینی مکشوفات اور معلومات کو بیان کروں تو مشائخ کے مذاق اور ان کے مکشوفات کے موافق و مطابق نہ ہوں گے تو پھر مجھ پر کون اعتبار کرے گا اور کون قبول کرے گا اور کچھ نہ کہوں پوشیدہ ہی رہنے دوں تو حق باطل کے ساتھ ملا رہے گا اور حق تعالیٰ کے حق میں ان امور کا اطلاق جائز سمجھا جائیگا جو اس کی بارگاہ کے لائق نہیں اس لیے جو کچھ حق تعالیٰ کی پاک جناب کے نامناسب ہے اس کو سلب اور دفع کرتا ہوں اور دوسرے کے خلاف سے نہیں ڈرتا ہوں ان کی مخالفت کا خوف تب ہو سکتا ہے جبکہ میرے معاملہ میں تذبذب اور میرے مکشوف میں شبہ ہو جب اصل حقیقت کو صبح کی سفیدی کیطرح ظاہر کردیں اور اصل معاملہ کو چودھویں رات کے چاند کیطرح واضح کردیں اور تمام ظلال و شبہ و مثال سے گزار کر بالا تر لے جائیں تو پھر شبہ کہاں ہوگا اور تردد و تذبذب کس کو پیدا ہوگا۔ (مکتوبات ص ۱۳۷)

نیز اگر یہ خلاف حق تعالیٰ کی ذات و صفات کے متعلق نہ ہوتا اور اس کی تقدیس و تنزیہ کی نسبت گفتگو نہ ہوتی تو پھر بھی ان بزرگ کے کشوف کے برخلاف وقوع میں نہ آتا اور ان کے علوم کی مخالفت میں کلام نہ کرتا کیونکہ میں انہی کی دولتوں کے خرمنوں کا کمینہ خوشہ چین ہوں اور انہی کی نعمتوں کے دسترخوان سے پس خوردہ کھانے والا فقیر ہوں۔ بار بار یہی ظاہر کرتا ہوں کہ انہی لوگوں نے مجھے

طرح طرح کی تربیت سے پرورش کیا ہے اور طرح طرح کے کرم واحسان سے مجھے فائدہ پہنچایا ہے لیکن کیا کروں حقوق خداوندی ان کے حقوق سے برتر ہیں جب حق تعالیٰ کی ذات وصفات کی بحث درمیان میں آگئی اور معلوم ہوا کہ بعض امور کا اطلاق حق تعالیٰ کی پاک جناب کے لائق نہیں تو اس مقام پر خاموش رہنا اور دوسروں کے خلاف سے ڈرنا، دین اور دیانت سے دور ہے۔ بندگی اور اطاعت کا مقام اس کی تاب نہیں لاسکتا۔ (مکتوبات ص ۱۳۷)

علماء ان کی حقیقت کو کیا پاسکیں اور ظاہر مخالفت کے سوا اور کیا سمجھیں اور ان کے کمالات کو کیسے حاصل کرسکیں۔ (مکتوبات ص ۱۳۸)

حضرات القدس جو کہ حضرت مجددؒ کے خلیفہ مجاز عالمہ بدالدین سرہندی کی تصنیف لطیف ہے جس میں مشائخ کے حالات بیان فرمائے ہیں اس میں لکھتے ہیں:

خواجہ بہاءالدین نقشبندؒ فرماتے ہیں۔

اولیاء اللہ کو رازوں کی اطلاع دی جاتی ہے مگر وہ بغیر حکم الٰی کے ان کو ظاہر نہیں کرتے تھے۔ (حضرات القدس ص ۱۸۶ ج۱)

حضرت حکیم اختر صاحب دامت برکاتہم العالیہ لکھتے ہیں:

شربنا و اهرقنا علی الارض جرعة

فللارض من کاء س الکرام نصیب

مولانا نے فرمایا ہے کہ اولیاء اللہ بہت سے اسرار مخفی رکھتے ہیں اور ان کو ظاہر نہیں کرتے کہ عقول متوسطہ عامہ اس کے فہم سے قاصر ہوتی ہے۔ لیکن پھر بھی گاہ گاہ غیر ارادی طور پر ان کی زبان سے کچھ اظہار ہو جاتا ہے۔ جس طرح چھینک اور جمائی کے وقت بدوں ارادہ منہ کھل ہی جاتا ہے۔ پس بعض اسرار جن کو حق تعالیٰ ان کی زبان سے ظاہر کروانا چاہتے ہیں تو ان پر کوئی قوی اور نا قابل تحمل حال طاری فرما کر گاہ گاہ کچھ کہلوا دیتے ہیں تا کہ اہل ذوق کو کچھ خوشبو اس عالم کی مل جاوے اور ان کا دل بھی اس دنیا فانی سے ہٹ کر عالم غیب کے کروفر کی طرف مائل ہو۔ (معارف مثنوی

ص ۱۴۳)

حضرت مجدد الف ثانیؒ پر اعتراضات کے جوابات دیتے ہوئے آپ کے خلیفہ مجاز حضرت مولانا بدرالدین سرہندی لکھتے ہیں۔

"واضح ہو کہ حضرت مجددؒ سے کمال صحو اور نہایت اتباع سنت کے باوجود کبھی کبھی غلبہ حال کی وجہ سے زبان خامہ عنبریں شمامہ سے سکر آمیز کلمات بھی نکل گئے ہیں۔ چنانچہ بعض مشائخ نے آپ کی خدمت میں لکھا ہے کہ آپ سراپا صحو ہیں پھر سکر آمیز کلمات آپ سے کیونکر ادا ہوئے؟ آپ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ صحو خالص تو عوام کو ہوتا ہے جو چوپایوں کی طرح ہیں۔ صوفیا کی اس جماعت کو صحو ہوتا ہے لیکن وہ بغیر سکر کے نہیں ہوتا اور صحو ان تمام علوم کے اظہار کی تاب نہیں لاسکتا اور آپ تو اس اظہار کیلئے مامور بھی تھے"۔ (حضرات القدس ص ۱۴۳ ج ۲)

حضرت امام ربانیؒ خود اس اعتراض جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"میرے مخدوم جس شخص نے ایسا لکھا ہے سکر ہی کی وجہ سے لکھا۔ سکر کی آمیزش کے بغیر اس بارے میں کوئی کچھ نہیں لکھتا۔ حاصل کلام یہ ہے سکر کے بہت درجے ہیں جس قدر سکر غالب ہوگا اسی قدر شطح غالب ہوگا۔ جس شخص کو بایزید بسطامی قدس سرہ جیسا سکر ہوگا تو وہ بے تحاشہ کہہ بیٹھے گا کہ میرا جھنڈا حضور انور ﷺ کے جھنڈے سے بلند ہے صحو والے کے متعلق یہ خیال نہ فرمائیں کہ اسے کبھی سکر نہیں ہوتا۔ ایسا خیال کرنا بھی غلط ہے خالص صحو (نرا ہوش) تو عام لوگوں کا حصہ ہے جس نے صحو کو ترجیح دی ہے اس سے مراد غلبہ صحو ہے صرف صحو نہیں اس طرح جس نے سکر کو ترجیح دی ہے اس کی مراد غلبہ سکر ہے۔ صرف سکر نہیں۔ کیونکہ صرف سکر تو سراسر آفت ہے۔ حضرت جنید (بغدادی) قدس سرہ جو ارباب صحو کے سردار ہیں اور جو صحو کو سکر پر ترجیح دیتے ہیں ان کی اس قدر سکر آمیز عبارتیں ہیں کہ ان کا شمار مشکل ہے۔ وہ فرماتے ہیں وہی عارف ہے وہی معروف ہے اور فرماتے ہیں کہ حادث جب قدیم کے ساتھ مل جاتا ہے تو اس میں حدوث کا اثر نہیں رہتا اور صاحب "عوارف المعارف" (حضرت شہاب الدین سہروردی قدس سرہ) جو ارباب صحو میں کامل ترین ہیں

ان کی اس کتاب میں بھی سکر والے معارف ہیں جن کی تفصیل کیا بیان کی جائے ۔اس فقیر نے ان کے بعض سکر آمیز معارف ایک جگہ جمع بھی کیے ہیں چنانچہ یہ بات بھی سکر کی ہے کہ کوئی بڑائی اور فخر کی بات بیان کی جائے اور اپنے مراتب دوسرے لوگوں پر ظاہر کیے جائیں اگر صحو خالص ہوتا تو ایسے مواقع پر اسرار کا افشا کرنا کفر تھا اور اپنے کو دوسروں سے بہتر جاننا شرک تھا۔ میں تھوڑا سکر ایسا ہے جیسے نمک۔ جو طعام کا مصلح ہے اگر نمک نہ ہوتا تو طعام بے مزہ ہو جاتا ہے۔ شعر:

گر نہ ہوتا عشق یا غم عشق کا

کون کہتا کون سنتا اس کی بات

اس فقیر نے جو یہ دفتر اس جماعت کے علوم و اسرار میں لکھے ہیں کیا آپ سمجھتے ہیں کہ سکر کی آمیزش کے بغیر اور خالص صحو سے لکھے ہیں۔ نہیں ہرگز نہیں، ویسا لکھنا (یعنی بغیر سکر کے) محض حرام، منکر، لاف و گزاف اور باتیں بنانا ہی ہوگا اور بیہودہ باتیں بنانے والے جو خالص صحو والے کہلاتے ہیں بہت ہیں ---------

حافظ کی کوئی بات بھی ہرگز نہیں فضول

نکتے جو اس میں ہیں وہ عجیب و غریب ہیں

میرے مخدوم، ایسی باتیں جو افشائے اسرار اور خلاف ظاہر سے متعلق ہوں وہ ہر زمانے میں مشائخ سے ظاہر ہوتی رہتی ہیں اور وہ ان کی عادت سی بن گئی ہے اور یہ کوئی نئی بات نہیں جو اس فقیر نے شروع کی ہو یا اس کا اختراع کیا ہو "یہ کوئی پہلا شیشہ نہیں جو اسلام میں توڑا گیا ہو" پھر یہ سب شور و غوغا کیوں ہے؟ اگر کوئی ایسا لفظ (میرے قلم سے) صادر ہوا ہے جو بظاہر علوم شرعیہ سے مطابقت نہ رکھتا ہو تو تھوری سی تاویل بھی مطابقت کیلئے کی جاسکتی ہے اور کسی مسلمان پر بہتان نہ باندھنا چاہیے بری بات کی اساعت اور فاسق کی فضیحت جب کہ شریعت میں حرام اور ممنوع ہے تو ایک مسلمان کی تفضیح محض ایک شبہ کی وجہ سے کہاں تک درست ہے؟ اور پھر شہر بشہر اس کی منادی کرنا کہاں کی دین داری ہے؟ مسلمانی اور نیکی کا تقاضا تو یہی ہے اگر کوئی کلمہ بظاہر شریعت سے ہٹا ہوا

معلوم ہوتو دیکھنا چاہیے کہ اس کا کہنے والا کون ہے اگر ملحد وزندیق ہے تو ضرور اس کی تردید چاہیے اور اس کی اصلاح کی کوشش نہ کرنی چاہیے۔ لیکن اگر اس کلم کو کہنے والا مسلمان ہے اور اللہ تعالیٰ پر اور حضور انور ﷺ پر ایمان رکھتا ہے تو اس کی بات کی اصلاح کی کوشش کرنی چاہیے۔(حضرات القدس ص ۱۳۶ تا ۱۳۸ ج ۲)

ایک بار ملفوظات میں فرمایا۔

"اگرچہ چمن محمدی ﷺ کو صوفیہ کی وجہ سے بہت فائدے حاصل ہوئے ہیں کہ اس امت کے بہت سے گناہگار لوگ ان بزرگوں کے افاضات و برکات کی بدولت درجہ کمالات کو پہنچ گئے ہیں اور ان بزرگوں کے انوار صحبت سے ان کی ظلمت بدعت دور ہو گئی ہے اور قرآن وسنت کے بہت سے اسرار ان بزرگوں کے مکشوفات سے ظہور میں آئے ہیں لیکن صوفیہ کے ارباب سکر کی وجہ سے اس دین متین کو نقصانات بھی پہنچے ہیں اور (غیر محتاط) بے باک ناقص لوگوں کیلئے وہ ہدف بن گئے ہیں اور ان کے سکر آمیز اقوال اور خلاف شریعت کلام سے بہت سے لوگوں کو گمراہی ہوئی ہے۔ (لیکن) اللہ تعالیٰ نے ان کے ایسے کلمات کے ظہور میں حکمتیں اور مصلحتیں رکھی ہیں۔ بلکہ حق یہ ہے تـخلقوا باخلاق الله (اللہ تعالیٰ کی عادات کو اپناؤ) کے حکم کے مطابق ان بزرگواروں نے اپنی زبان سنت الٰہیہ کیلئے کھولی ہے کیونکہ قران پاک میں بھی جو متشابہات آتے ہیں جیسے ید، استوی علی العرش، ساق وغیرہ تو ایک جماعت نے اللہ تعالیٰ کیلئے جسم ثابت کر کے گمراہی مول لی اور اللہ تعالیٰ ان الفاظ سے ان کے گمراہ ہونے کو خوب جانتا ہے گو کہ حضور انور ﷺ کی پیروی بھی ان بزرگوں نے کی جیسا کہ حدیثوں میں آتا ہے کہ (1) خدا ہنسا (2) خدا نے آدم کو اپنی صورت میں پیدا کیا (3) میں نے اپنے رب کو بصورت امرد جوان، مدینے کی گلیوں میں چلتے پھرتے دیکھا اور (4) اس نے اپنا ہاتھ میرے کندھے پر رکھا تو میں نے اس سے خنکی پائی۔ یعنی ایسے کلمات حضور انور ﷺ کی زبان مبارک سے بھی ادا ہوئے ہیں۔ حالانکہ انبیاء علیہم السلام اور خصوصا حضور انور ﷺ تو کمال صحو میں تھے۔ پس ان صوفیا سے ایسے کلمات سکر اور خلاف شرع کلمات کا ادا

ہونا بھی موجب طعن ولعن نہیں ہے۔(حضرات القدس ص ۱۶۹ تا ۱۷۰ ج ۲) ملا شاہ ایک بزرگ گزرے ہیں جو کہ حضرت میاں میر لاہوریؒ کے اجل خلفاء میں سے تھے ایک دفعہ غلبہ حال میں ان سے یہ اشعار نکلے

پنجہ در پنجہ خدا دارم   من چہ پروائے مصطفٰی دارم

اس پر علماء کشمیر نے ملا شاہ کے کافر اور واجب القتل ہونے کا فتویٰ دے کر شاہ جہاں سے استدعا کی کہ اس پر حد جاری کرے۔ شاہ جہاں سے اتفاق کیا۔ مگر دارا شکوہ نے کہا کسی اور بزرگ سے بھی رائے لے لی جائے چنانچہ حضرت میاں میرؒ سے پوچھا گیا انہوں نے فرمایا کہ احوال کے تابع ملا شاہ ایسی باتیں کر جاتا ہے۔ ان سے پرہیز واجب ہے لیکن اس کو اس بنا پر قتل کرنا نامناسب اور ناموزوں ہوگا۔ بادشاہ نے مشورہ قبول کر لیا (رود کوثر ص ۳۰۱)

طائفہ نقشبندیہ کے ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ خواجہ ابوعلی کو خطرات قلب سے واقفیت دی گئی تھی مگر اس کے اظہار کی اجازت نہ تھی اور شیخ احمد جامؒ کو خواطر سے آگاہی دی گئی تھی اور اس کے اظہار پر مامور تھے۔

امکان اختلاف در کشف و تحقیق:

بایزید بسطامی سے اختلاف کرتے ہوئے حضرت مجددؒ فرماتے ہیں پہلے لکھتے ہیں۔

بڑے تعجب کی بات ہے کہ جب صوفیہ کے رئیس یعنی سلطان العارفین اور سید الطائفہ (بایزید بسطامی) اس طرح کہیں (مکتوبات ص ۴۸)

پھر لکھتے ہیں وہ بایزید بسطامیؒ اگر سکر کے باعث اس طرح کہ دیں تو مناسب ہے لیکن کیا کریں وہ حقیقت معاملہ سے واقف ہی نہیں ہوئے اور دریائے ظلیت کے بھنور سے کنارہ تک نہیں پہنچے۔ یہ بات اگرچہ اکثر خلق کی نظر میں آج بعید اور عجیب دکھائی دیتی ہے لیکن آج کے آگے کل نزدیک ہے جلدی نہ کریں۔ اتی امر اللہ فلا تستعجل۔ (مکتوبات امام ربانی ص ۴۹)

صوفیاء پر اعتراض کرنا غلطی ہے۔

مجدد صاحب کشف پر اعتراض کو ناپسند فرماتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لوگ بیمار سالک کے ملامت کیلئے بہانہ طلب کرتے ہیں اور اس کی طعن و تشنیع کیلئے کوئی نہ کوئی وجہ تلاش کرتے ہیں حق تعالیٰ ان کو انصاف دے (مکتوبات ربانی ص ۳۱۰)

پھر اس کی تشنیع و عیب جوئی حرام ہے واقعہ صادقہ کو نیک وجہ پر محمول کرنا چاہیے نہ یہ کہ صاحب واقعہ قباحت و برائی بیان کی جائے اور اگر یہ کہیں کہ اس قسم کے شرانگیز احوال کے اظہار کرنے کی وجہ کیا ہے تو میں کہتا ہوں کہ اس قسم کے احوال مشائخ طریقت سے بہت ظاہر ہوئے حتیٰ کہ ان کی عادت مستمرہ ہوگی ہے لیس ھذا اول قارورۃ کسرت فی الاسلام (یہ پہلی شیشہ نہیں جو اسلام میں توڑا گیا ہے) ان سے اس قسم کے احوال کا ظاہر ہونا ارادہ صادقہ اور حقانی نیت کے بغیر نہ ہوگا کبھی ان احوال کے لکھنے سے یہ مقصود ہوتا ہے کہ شیخ طریقت کے سامنے اپنے احوال ہو بہو کا اظہار ہوتا کہ وہ حال کا صحت و سقم بیان فرمائے اس طرح کی تاویل و تعبیر پر اطلاع بخشے کبھی ان احوال کے لکھنے سے طالبوں اور شاگردوں کی ترغیب و تحریص مطلوب ہوتی ہے کبھی ان سے مقصود نہ یہ ہوتا ہے نہ وہ بلکہ محو و سکر اور غلبہ حال اس کا سبب ہوتا ہے۔ (مکتوبات امام ربانی ص ۳۱۲ تا ۳۱۳)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:

صوفیاء کے ذوق پر اعتراض کرنا غلطی ہے (مکتوبات شاہ ولی اللہ ص ۳۲۶)

مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی عظمت و رفعت سے کون واقف نہیں ہے وہ فرماتے ہیں۔ (مکتوبات مجدد کو دیکھا نہ کتب ابن عربی۔۔۔۔۔)

لہذا حضرت مجدد کے قول پر معتمد ہوں (مکتوبات ص ۵۸ تا ۵۹)

معلوم ہوا کہ اگر کسی کو تفصیلی کشف نہ بھی حاصل ہو تو اس امر میں دوسرے صاحب کشف جو متبع شریعت ہو اس کی تائید کر سکتا ہے۔

ابو السراجؒ اپنی کتاب "اللمع" کے اندر لکھتے ہیں۔

علم محدود بالعقل اور منحصر علی الفہم نہیں ہے حصول علم صرف عقل پر موقوف نہیں ہے اس کے حصول کا

ایک ذریعہ اور بھی ثبوت درکار ہو تو موسیٰ اور خضرؑ کے واقعہ پر غور کرو جو سورۃ کہف میں مفصل مذکور ہے نیز اس حدیث کے مفہوم میں تدبر کرو کہ حضور ﷺ نے فرمایا "اگر تم (صحابہ) لوگ بھی وہ چیزیں دیکھ سکتے جو میں دیکھتا ہوں تو ہنستے کم روتے زیادہ۔ معلوم ہوا اس علم ظاہری کے علاوہ اور اس سے بالاتر بھی ایک علم ہے آنحضرت ﷺ کو تین قسم کے علوم حاصل تھے اس لیے عقل پر علم کا انحصار رکھنے والوں کو صوفیاء کے علوم و مکاشفات پر زبان طعن دراز کرنی روا نہیں ہے علوم شرعیہ کی چار قسمیں ہیں (۱) تفسیر القرآن (۲) حدیث نبوی (۳) فقہ (۴) تصوف یہ چوتھی قسم ہے سب سے ارفع، اعلیٰ، اہم اور اتم ہے۔

نوٹ: ہمارے نزدیک آخری بات اس وقت ہے جب پہلی تینوں کے موافق یا موئید ہو۔

اعتراض: آپ نے مجدد ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔

جواب: میں مجدد ہونے کا دعویٰ نہیں کیا البتہ جب اللہ تعالیٰ کسی سے تجدیدی کام لے لیں تو دنیا خود ہی فیصلہ کر لیتی ہے کہ مجدد کون تھا نیز یہاں ایک غلط فہمی کا ازالہ کرتا چلا جاؤں کہ مجددیت کا دعویٰ نہ کفر ہے نہ بدعت بلکہ اگر کوئی شخص مجدد نہ ہو اگر جان کر جھوٹ بولے تو فاسق ہوگا اگر کشفی خطا ہو تو معذور ہوگا مجدد صاحب صاف لکھتے ہیں ولی کشفی خطا میں مجتہد غلطی کی طرح معذور ہے (دیکھیے مکتوبات ص ۲۷۲ ج ۱)

اور اگر کشف صحیح ہو تو مجدد کے دعویٰ کرنے میں کوئی حرج ہے کیا شاہ ولی اللہؒ مجدد الف ثانیؒ نے نہیں کیا۔

حضرت مجددؒ اپنے مقام کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں جاننا چاہیے کہ ہر سو سال کے بعد ایک مجدد گزرا ہے لیکن سو سال کا مجدد اور ہے اور ہزار سال کا مجدد اور ہے جس قدر سو اور ہزار کے درمیان فرق ہے اس قدر بلکہ اس سے زیادہ دونوں مجددوں کے درمیان فرق ہے اور مجدد وہ ہوتا ہے اسی کے ذریعے اس زمانے میں جو فیض امتوں کو پہنچتا ہے خواہ اس وقت کے اقطاب و اوتاد ہوں یا خواہ ابدال و نجباء (مکتوبات ص ۳۷ ج دوم)

حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں۔

مجھ کو خلعت مجددیت دی گئی ہے (مکتوبات ص ۱۱۰)

مولانا منظور احمد شامی مدظلہم لکھتے ہیں۔

جب طالب دین عالم بنتا ہے اور پھر خوب محنت مطالعہ کرتا ہے تو وہ حسب لیاقت عالم، مفسر، محدث متکلم، مدرس کے عہدوں سے سرفراز ہو کر مجدد تک پہنچ جاتا ہے اور عبد خاص کا مرتبہ پا لیتا ہے (تعارف نقشبند ص ۵۸)

نیز مجدد صاحب فرماتے ہیں۔

اے فرزند یہ وہ وقت ہے جبکہ پہلی امتوں میں سے ایسی عظمت سے بھرے ہوئے وقت میں الوالعزم پیغمبر مبعوث ہوتا تھے اور نئی شریعت کو زندہ کرتا تھا اور اس امت میں جو خیر الامم ہے اور اس امت کا پیغمبر جو خیر الرسل ﷺ ہے اس کے علماء کو انبیاء بنی اسرائیل کا مرتبہ دیا ہے اور علماء کے وجود کے ساتھ انبیاء کے وجود سے کفایت کی ہے اسی واسطے ہر صدی کے بعد اس امت کے علماء میں سے ایک مجدد مقرر کرتے ہیں تا کہ شریعت زندہ کرے خاص کر ہزار سال کے بعد جو کہ اولعزم پیغمبر کے پیدا ہونے کا وقت ہے اور ہر پیغمبر پر اس وقت کفایت نہیں کی ہے اس طرح اس وقت ایک تام المعرفت عالم و عارف درکار ہے جو گزشتہ امتوں کے اوالعزم پیغمبر کے قائم مقام ہو (مکتوبات ص ۵۱۹ ج اول)

دیکھیے مجدد صاحب کس طرح اپنے مجدد ہونے اور الوالعزم پیغمبر کا قائم مقام ہونے کا دعویٰ فرما رہے ہیں۔ ان پر کیا فتویٰ لگاؤ گے نیز یہ بھی بتا گئے کہ ہر دور میں علماء سے مجدد آتے رہتے ہیں۔ مجدد علماء سے ہی آتا ہوتا ہے نہ کہ آسمان سے اگرچہ سوال کا جواب طویل ہو گیا لیکن چونکہ ان عبارات میں عمدہ معلومات تھیں نقل کر دی گئی۔ فللہ الحمد علی ذالک

اولیاء اللہ کی روحانی سیر عرش سے بھی اوپر تک ہوتی ہے:

جواب: اولیاء کو جو روحانی سیر ہوتی ہے وہ عرش سے بھی آگے ذات حق تک ہوتی ہے۔ روحانی سیر

نہ نبوت کا دعویٰ ہے نہ کفر، پہلے اولیاء سے بھی ثابت ہے، امام ربانی مجدد الف ثانیؒ اپنے بارے میں فرماتے ہیں۔

خاکسار غلام احمد کی یہ گزارش ہے کہ اس مقام میں جو عرش کے اوپر تھا اپنی روح کو بطریق عروج کے وہاں پاتا تھا اور وہ مقام حضرت خواجہ بزرگ یعنی خواجہ نقشبند قدس سرہ سے مخصوص تھا کچھ زمانہ کے بعد اپنے بدن عنصری کو بھی اسی مقام میں پایا اس وقت ایسا خیال میں گزرا کہ یہ عالم سارے کا سارا عنصریات وفلکیات سے اوپر چلا گیا ہے اور اس کا کچھ نام ونشان نہ رہا اور اس مقام میں اولیاء کبار میں سے بعض کے سوا اور کوئی نہ تھا۔ بعد ازاں اسی مقام میں ایک بلند محل ظاہر ہوا جس کے ساتھ سیڑھی رکھی تھی میں اس محل پر چڑھ گیا اور وہ مقام بھی عالم کی طرح آہستہ آہستہ نیچے چلا گیا۔ اور میں ہر گھڑی اپنے آپ کو اوپر کی طرف چڑھتا ہوا معلوم کرتا تھا۔ اتفاقاً وضو کر کے شکرانہ کی نماز ادا کرتا تھا کہ ایک بلند مقام ظاہر ہوا اور مشائخ نقشبندیہ قدس سرہم سے چار مشائخ کو اس مقام میں دیکھا اور دوسرے مشائخ مثل سید الطائفہ وغیرہ بھی وہاں تھے اور بعض دوسرے مشائخ اس مقام کے اوپر ہیں لیکن اس کے پائیوں کو پکڑے ہوئے بیٹھے ہیں اور بعض اپنی اپنے درجے کے موافق اس سے نیچے تھے اور میں نے اپنے اپ کو اس مقام سے بہت دور پایا بلکہ کچھ مناسبت نہ دیکھی اس واقعہ سے میں نہایت بے قرار ہوا قریب تھا کہ دیوانہ ہو کر نکل جاؤں اور غم وغصہ کی زیادتی کے باعث جسم وجان سے خالی ہو جاؤں کچھ مدت تو اسی طرح حال رہا آخر حضور کی توجہ عالی سے اپنے آپ کو اس مقام کے مناسب دیکھا اول اپنے سر کو اس مقام کے مقابل پایا اور آہستہ آہستہ جا کہ اس مقام کے اوپر بیٹھ گیا توجہ کے بعد ایسا دل پر گزرا کہ یہی تکمیل تام کا مقام ہے کہ سلوک کے تمام کرنے کے بعد اس مقام پر پہنچتے ہیں سلوک کو تمام نہ کئے ہوئے مجذوب کو اس مقام سے کچھ حصہ نہیں ہے نیز اس وقت خیال پیدا ہوا کہ اس مقام تک پہنچنا اس واقعہ کا ثمرہ اور نتیجہ ہے جو حضور کی خدمت وملازمت میں دیکھا تھا اور عرض کیا تھا کہ حضرت امیر کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں اسی واسطے آیا ہوں کہ تجھ کو آسمانوں کا علم سکھاؤں الخ اور جب میں اچھی طرح متوجہ ہوا تو تمام خلفائے

راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے درمیان اس مقام کو حضرت امیر کرم اللہ وجہہ کے ساتھ مخصوص پایا واللہ اعلم (مکتوبات ص ۱۲۳ ج اول)

نیز لکھتے ہیں۔ پہلی مرتبہ جو عروج واقع ہوا اور سفر طے کرنے کے بعد جب عرش پر پہنچا عرش کے نیچے بہشت مشاہدہ میں آیا (مکتوبات ص ۱۱۳ ج ۱)

نیز لکھتے ہیں۔ پھر عروج واقع ہوا بڑے بڑے مشائخ اور امامان اہل بیت اور خلفائے راشدین کے مقامات اور حضرت رسالت پناہ ﷺ کا خاص مقام اور ایسے ہی درجہ بدرجہ تمام انبیاء اور رسولوں کے مقام اور مقرب فرشتوں کے مقام عرش کے اوپر مشاہدہ میں آئے۔ (مکتوبات ص ۱۱۳ ج اول)

نیز مکتوبات ص ۱۳۱ تا ۱۳۴ ج اول میں بھی اسی طرح کی باتوں کا ذکر ہے۔

پیر فضل علی قریشیؒ فرماتے ہیں۔

روح لطیف شے ہے اور اپنی اصل جو فوق العرش ہے کی طرف اڑنا چاہتی ہے۔ مگر جسم کا بوجھ اڑنے نہیں دیتا اسم ذات کی برکت سے یہ تعلق ٹوٹ جاتا ہے۔ (مقامات فضلیہ ص ۱۰۶)

حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبندؒ فرماتے ہیں۔

"میں نے سلطان العارفین بایزید قدس سرہ کے مقام کی سیر کی اور ان کی سیر کی انتہا تک پہنچا۔ شیخ جنید، شیخ شبلی اور شیخ منصور حلاج قدس اللہ اسرارھم کے مقامات کی سیر کی جہاں تک یہ بزرگ پہنچے تھے میں بھی وہاں پہنچا۔ یہاں تک کہ ایک بارگاہ بزرگ مجھ کو ملی میں سمجھ گیا کہ یہ بارگاہ محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ہے میں نے گستاخی نہ کی اور نہایت ادب سے تعظیم و نیاز کا سر آپ کے آستانہ عزت واحترام پر رکھا۔ (حضرات القدس ص ۱۸۰ ج ۱ طبع مکتبہ قادری رضوی لاہور)

شیخ عبدالقدوس قدس سرہ جو اولیاء عزلت کے قطب ہیں فرماتے ہیں کہ حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ کی سیر تمام آسمانوں اور زمینوں کے طبقات میں جاری ہے۔ (حضرات القدس ص ۱۸۴ ج ۱)

حضرت خواجہ نقشبندؒ فرماتے ہیں۔

ہم ذکر خفی میں مشغول ہوئے اور ہم میں شان آگاہی پیدا ہوئی تو ہم اس کے اصل کے طالب

ہوئے اور تیس برس تک اصل کی تلاش و جستجو کرتے رہے دو مرتبہ سفر حجاز کیا۔ ہر ایک گوشہ اور زاویہ میں پھرے اس تلاش میں مولانا عارف کی مثل کوئی شخص بھی مل جاتا تو ہم ہرگز واپس نہ آتے۔ ایسا شخص چاہیے جو ہم زانو ہو اور سیر میں آسمانوں سے آگے بڑھ گیا ہو۔ (ایضاً ص ۲۰۴ ج ۱)

حضرت مجددؒ فرماتے ہیں حضرت خواجہ علاء الدین عطار قدس سرہ باوجود نسبت ولایت وصد یقیت کے معیت ذاتیہ کی راہ سے غیب ذات تک گئے ہیں اور نقطہ نہایت میں واصل ہوئے اور بقاء پیدا کی اور اس بقا میں قطب ارشاد ہوئے کیونکہ قطبیت ارشاد بلکہ قطبیت مدار کا حصول اس نقطہ تک وصول ہونے پر ہے۔۔۔۔۔ اس میں شک نہیں کہ طریقہ علائیہ مقام نہایت النہایت تک وصول کیلئے سب سے زیادہ قریبی راستہ ہے اور بہت کم اولیاء عظام اس راستہ سے گئے ہیں۔۔۔۔ مولانا یعقوب چرخی ۔۔۔ اور خواجہ حسن عطار اور دوسرے خلفاء بھی اسی راستہ کو گئے ہیں آپ سالکوں کا سلوک اسی راستہ سے طے کراتے تھے۔ (ایضاً ص ۲۱۸)

مجددؒ فرماتے ہیں۔ خواجہ عبید اللہ احرار بزرگوں کے مقام جذبہ میں بری شان رکھتے تھے۔ آپ نے اس مقام میں پوری فنائیت حاصل کر کے بقائے خاص پیدا کی اور اس بقا سے نور فوقانی پیدا کیا اور انتہائے نقطہ نہایت النہایت تک پہنچے۔۔۔ سلوک آفاقی کو بھی اس اسم تک جو آپ کا مبداء تعین تھا پہنچے۔ (ایضاً ۲۲۸)

حضرت مجددؒ فرماتے ہیں خواجہ محمد پارساؒ نے حضرت خواجہ بزرگ کی تربیت سے جذبہ اور سلوک کے راستوں کو طے کیا اور حقیقت فنافی اللہ اور بقا باللہ سے مشرف ہوئے اور درجات ولایت میں عروج کیا۔ نیز خواجہ بزرگ کے توسط سے فردیت کے راستہ سے مرتبہ غیب ہویت تک پہنچے۔ (ایضاً ص ۲۲۵)

امام ربانی مجددؒ لکھتے ہیں۔

حضرت خواجہ باقی باللہ بطریقہ خاص حضرت فاروق اعظمؓ سے آپ متوجہ مقاماتِ فوق ہوئے اور اس سلوک فوقانی کو حاصل کر کے عام کر دیا اور آپ اس راہ سے اس اسم الٰہی کی طرف متوجہ ہوئے اور

اس اسم الٰہی تک پہنچ کر درجات تقویٰ و شہادت و صدیقیت میں ترقی کر کے اس راستہ سے غیب ذات تک واصل ہوئے اور نقطہ نہایت النہایت میں پہنچ کر مستہلک ہوئے اور سعادت عظمیٰ سے مشرف ہوئے۔ (ایضاً ص ۲۶۵)

حضرت خواجہ بزرگ (نقشبند) قدس سرہ نے فرمایا:

کہ بایزید (بسطامی) نے فرمایا کہ میں نے انبیاء علیہم السلام کے مقامات میں سیر کی اور بارگاہ محمدی (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) میں پہنچا اور چاہا کہ آپ کے مقام میں سیر کروں تو آپ نے میری پیشانی پر دست مبارک رکھا اور میں اللہ تعالیٰ کی عنایت سے مقامات کی سیر کرتے ہوئے اس مقام پر پہنچا اور میں نے گستاخی نہیں کی (بلکہ اپنا سر نیاز حضور انور ﷺ کے آستان عرش نشان پر رکھ دیا تو آپ نے مجھ پر کرم فرمایا اور مجھے اس مقام میں داخل فرمالیا (ایضاً ص ۱۳۳ ج ۲)

حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں۔

"مجھ فقیر کو جب راستے کی خواہش پیدا ہوئی تو عنایت خداوندی سے خانوادہ حضرت خواجگان نقشبندیہ قدس اللہ اسرارہم کے ایک خلیفہ (یعنی حضرت خواجہ باقی باللہؒ) کی خدمت میں پہنچایا گیا اور وہاں سے ان بزرگوں کا طریقہ اخذ کر کے اس بزرگ کی صحبت اختیار کی اور اس بزرگ کی توجہ کی برکت سے خواجگان نقشبندیہ کا وہ جذبہ جو صفت قیومیت میں کمال فنا حاصل ہونے سے پیدا ہوتا ہے اس فقیر کو حاصل ہوا اور اندراج النہایت فی البدایت سے بھی کسی قدر سیرابی حاصل ہوئی جب یہ جذبہ پختہ ہو گیا تو سلوک میں مجھے قرار حاصل ہوا اور میں نے اس راہ کو شیر خدا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی روحانی تربیت سے انجام کو پہنچایا۔ یعنی مجھے اس اسم تک عروج حاصل ہو گیا جو میرا مربی (پرورش کنندہ) ہے اور پھر حضرت خواجہ کی روحانیت کی مدد سے اس اسم سے قابلیت اولی کے درجے تک عروج کیا جسے حقیقت محمدی (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اس کے بعد مجھے حضرت فاروق اعظمؓ کی روحانی دستگیری سے قابلیت اولی سے بھی بلندی نصیب ہوئی اور وہاں سے پھر میں اس مقام تک پہنچ گیا جو اس قابلیت سے بھی بلند تر ہے گویا یہ قابلیت اس مقام

کی خصوصی تفصیل ہے اور وہ مقام اس کا اجمال ہے یہ مقام اقطاب محمدیہ کا مقام کہلاتا ہے اور اس فقیر کو اس مقام تک ترقی حضور انور ﷺ کی روحانی تربیت سے حاصل ہوئی۔ اس مقام تک پہنچنے کے وقت اس فقیر کو حضرت خواجہ علاء الدین عطار قدس سرہ کی روحانیت سے بھی ایک گونہ امداد حاصل رہی جو حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ کے خلیفہ اور خود قطب ارشاد ہیں۔ اقطاب کا منتہائے عروج صرف اسی مقام تک ہے۔ اور دائرہ قطبیت بھی اسی مقام تک پہنچ کر ختم ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد اصل خالص کا مقام ہے یا اصل اور ظل دونوں ملے ہوئے ہیں افراد کی ایک جماعت کو اس دولت تک پہنچنے کا امتیاز حاصل ہے بعض اقطاب کو بھی افراد کی صحبت کے ذریعے اس اصل اور ظل آمیز مقام کا مشاہدہ میسر ہو جاتا ہے۔ لیکن اصل خالص تک پہنچ جانا یا اصل خالص کا مشاہدہ بتفاوت درجات کرنا صرف افراد ہی کا خصوصی امتیاز ہے (یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ بہت ہی فضل والا ہے) اور اس فقیر کو اس مقام تک پہنچ جانے کے بعد جو اقطاب کا مقام کہلاتا ہے سرور کونین ﷺ کی طرف سے قطبیت ارشاد کی خلعت عطاء ہوئی اور مجھے اس منصب پر سرفراز فرمایا گیا اس کے بعد پھر عنایت خداوندی شامل حال ہوئی اور اس مقام سے مزید بلندی کی طرف متوجہ فرمایا گیا۔ چنانچہ ایک مرتبہ اصل ظل آمیز تک رسائی ہوئی اور اس مقام میں بھی گزشتہ مقامات کی طرح "فنا" اور "بقا" نصیب ہوئی اور پھر وہاں سے اصل کے مقام تک ترقی عطا فرمائی گئی حتیٰ کہ اس فقیر کو اصل الاصل کے مقام تک پہنچا دیا گیا۔ اور آخری عروج میں جو کہ مقامات اصل کا عروج ہے اس فقیر کو حضرت غوث الاعظم محی الدین عبدالقادر جیلانی قدس اللہ سرہ الاقدس کی روحانیت سے امداد حاصل رہی اور ان کی قوت تصرف نے ان تمام مقامات سے گزار کر اصل کے مقام تک واصل فرما دیا اور پھر مجھے اس سے اس دنیا کی طرف واپس کر دیا گیا جیسا کہ اس سے پہلے بھی ہر مقام سے واپس کیا جاتا تھا۔ اور اس فقیر کو نسبت فردیت کا سرمایہ جس کے ساتھ آخری عروج مخصوص ہے اپنے والد ماجد (خواجہ عبدالاحد قدس سرہ) سے حاصل ہوا تھا اور میرے والد کو یہ نسبت اپنے ایک بزرگ (حضرت شاہ کمال کیتھلی قدس سرہ) سے حاصل ہوئی

تھی۔ یہ جذبہ قوی رکھتے تھے کرامات وخوارق عادات میں شہرت رکھتے تھے۔۔۔۔۔نیز اس فقیر کو علم لدنی کی توفیق حضرت خضر (علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام) کی روحانیت سے حاصل ہوئی لیکن یہ صورت اس وقت تک ہی رہی جب تک مقام اقطاب سے نہیں گزر گیا۔لیکن مقام سے گزر جانے اور بلند مقامات میں ترقیاں حاصل کر لینے کے بعد ان علوم کا حصول خود اپنی حقیقت سے ہونے لگا یعنی علوم اپنی ذات میں خود بخود اپنی ذات سے ہی حاصل ہونے لگے کسی غیر کی مجال نہ تھی کہ وہ درمیان میں آسکے۔(حضرات القدس ص ۷۶ تا ۷۸ ج ۲)

نیز اسی کے آگے لکھتے ہیں۔

پھر اس فقیر کو نزول کے وقت جسے سیر عن اللہ باللہ سے تعبیر کیا جاتا ہے دوسرے سلسلوں کے مشائخ کے مقامات پر بھی عبور حاصل ہوا اور ہر مقام سے کامل حصہ پایا اور وہ مشائخ میرے کام میں میرے مددگار ثابت ہوئے اور اپنی اپنی نسبتوں کے چیدہ چیدہ حصے عطا فرمائے۔سب سے پہلے مجھے اکابر چشتیہ (قدس اللہ اسرارہم) کے مقامات پر عبور حاصل ہوا اور ان مقامات سے وافر حصہ مجھے اور ان مشائخ عظام میں خواجہ قطب الدین (بختیار کاکی) کی روحانیت نے دوسرے بزرگوں سے کئی گناہ زیادہ میری امداد فرمائی اور سچ تو یہ ہے کہ یہ بزرگ اس مقام میں بڑی شان والے ہیں اس مقام کے سردار ہیں اس کے بعد مشائخ کبرویہ (قدس اللہ اسرارہم) کے مقام پر گزر ہوا دونوں مقام (یعنی چشتیہ اور کبرویہ) عروج کے اعتبار سے مساوی ہیں لیکن یہ مقام (کبرویہ) فوق سے نزول کرتے وقت اس شاہراہ کی دائیں جانب ہوتا ہے اور وہ مقام (چشتیہ) اس صراط مستقیم کی بائیں جانب ہوتا ہے اور یہ شاہراہ (صراط مستقیم) وہ راستہ ہے کہ اقطاب ارشاد میں سے بعض اکابر اسی راستے سے فردیت کے مقام تک پہنچتے ہیں اور آخری انتہا تک رسائی حاصل کر لیتے ہیں افراد تنہا (یعنی بلا قطبیت) کا راستہ دوسرا ہے بغیر قطبیت کے اس راستہ سے گزرنا ممکن نہیں۔مقام صفات اور اس شاہراہ کے درمیان ایک برزخ ہے جسے دونوں طرف سے حصہ ملتا ہے اور پہلا مقام تو اس شاہراہ کی دوسری جانب واقع ہوا ہے جو صفات سے کم مناسبت رکھتا ہے اس کے بعد اکابر سہروردیہ

کے مقام پر عبور حاصل ہوا جو شیخ شہاب الدین قدس اللہ سرہ کی طرف منسوب ہیں۔ یہ مقام اتباع سنت (علیٰ مصدرھا الصلوٰۃ السلام) کے نور سے روشن ہے اور مشاہدہ فوق الفوق کی نورانیت سے زینت حاصل کیے ہوئے ہیں اور عبادتوں کی توفیق اسی مقام کی رفیق ہے (یعنی اس مقام والوں کو حاصل ہے) بعض سالکوں کو جو ابھی تک اس مقام پر فائز نہیں ہوئے بلکہ عبادات نافلہ میں مشغول ہیں اور اس میں آرام حاصل کیے ہوئے ہیں اس مقام کی مناسبت سے اس مقام کا کچھ حصہ حاصل ہے کیونکہ عبادات نافلہ سے بلا واسطہ اس مقام کو مناسبت ہے اور دوسروں کو خواہ وہ مبتدی ہوں یا منتہی اسی واسطے سے اس مقام سے مناسبت ہے اور یہ مقام بہت وجیب ہے کیونکہ جو نورانیت اس مقام میں ظاہر ہوتی ہے وہ دوسرے مقامات میں کم ہے اور اس مقام کے مشائخ کمال اتباع کی وجہ سے عظیم الشان اور رفیع الارکان ہیں اور اپنے ابنائے جنس میں امتیازی خصوصیت رکھتے ہیں .... اس کے بعد مجھے مقام جذبہ میں لے آئے اور یہ مقام بے شمار مقامات جذبات کو لیے ہوئے ہیں پھر اس مقام سے نیچے بھی نزول ہوا مراتب نزول کی انتہا مقام قلب پر ہوتی ہے جو ایک حقیقت جامعہ ہے اور ارشاد و تکمیل کا تعلق اسی مقام تک نزول ہونے پر ہے چنانچہ مجھے اس مقام میں تمکین حاصل ہوئی پھر عروج واقع ہوا اور اس مرتبہ میں نے سایہ کی طرح اصل کو بھی پیچھے چھوڑ دیا (حضرات ص ۸۰ ج ۲)

اس کے آگے حضرت مدد نے اس طرح تحریر فرمایا ہے اور اپنے کامل سے متعلق اطلاع دی ہے کہ "قطب ارشاد جو فردیت کے کمالات کا بھی جامع ہوتا ہے بہت کم ہوا کرتا ہے بہت صدیوں اور بے شمار زمانوں کے بعد اس قسم کا کوئی جوہر ظاہر ہوتا ہے اور یہ تاریک دنیا اس کے ظہور سے منور ہوتی ہے اس کے رشد و ہدایت کا نور تمام عالم کو شامل ہوتا ہے یعنی عرش کے دائرے سے فرش کے مرکز تک جس کسی کو بھی رشد و ہدایت اور ایمان و معرفت حاصل ہوتی ہے اسی کی ذات سے مستفاد ہوتی ہے اور بغیر اس کے توسط کے کوئی شخص اس دولت تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا (حضرات القدس ص ۸۱ ج ۲)

نیز حضرت مجدد لکھتے ہیں

"جب یہ عارف جس کی معرفت مکمل تر اور جس کا شہود (حضور) کامل تر ہو اس مقام تک پہنچتا ہے جو نادر الوجود اور اشرف ہے اور وہ تمام جہانوں اور تمام ظہورات کا قلب بن جاتا ہے اور یہی شخص ولایت محمدیہ کا صحیح مستحق اور دعوت مصطفویہ سے مشرف بن جاتا ہے (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) چنانچہ اقطاب، اوتاد اور ابدال اس کی دائرہ ولایت کے تحت ہوتے ہیں اور افراد، آحاد اور اولیاء کے تمام گروہ اسی کے انوار ہدایت کے ماتحت مندرج ہوتے ہیں کیونکہ وہی شخص حضور انور ﷺ کا قائم مقام ہوتا ہے اور ہدایت یافتہ بھی یہ نسبت شریفہ مرادین میں سے کسی کیلئے مخصوص رکھی گئی ہے اور مریدین کو اس کمال میں کوئی حصہ نہیں ملتا یہی آخری درجہ اور انتہائی مقام ہے جس سے بلند تر نہ کوئی کمال ہے جس سے بلند تر نہ کوئی کمال ہے نہ کوئی عطہ ہے اس قسم کا عارف اگر ہزاروں برس کے بعد بھی پایا جائے تو بہت غنیمت ہے اس کی برکات طویل مدتوں اور بعید عرصوں تک جاری و ساری رہتی ہیں اور یہی وہ ہستی ہے جس کا کلام دوا ہے نظر شفا ہے اس خیر امت میں کچھ مدت کے بعد حضرت امام مہدی علیہ الرضوان اسی نسبت پر ظہور فرمائیں گے۔ (یہ خدا کا دین ہے وہ جسے چاہے دے دے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔)" (حضرات ص ۸۳ ج ۲)

یہ عبارات اس شخصیت کی ہیں جو ہزار سال کا مجدد ہے اور علماء اہلسنت ان کی دینی حمیت وغیرت کے قائل ہیں یہاں صرف مولانا ابوالحسن ندوی کا قول نقل کرنا ہی کافی ہوگا فرماتے ہیں "مجدد کی یہ حمایت شریعت حمیت کے درجہ تک پہنچ گئی تھی اور جب وہ کتاب وسنت اور جمہور اہلسنت کے عقیدہ کے خلاف کوئی صوفیانہ تحقیق یا حال سنتے اور اس کی سند تصوف کی کسی کتاب یا بزرگوں کے اقوال و احوال سے لائی جاتی تو ان کی رگ فاروقی حرکت میں آجاتی اور ان کے قلم سے حمایت اور غیرت سنت کا طوفان امڈ پڑتا (تاریخ دعوت وعزیمت ص ۲۵۰ ج ۴)

حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں

اب ہوتا یہ ہے کہ نفوس انسانی کبھی اپنی حیوانی عادات کی آلودگیوں اور جسم کی شہوانی کیفیات سے

تجرد اختیار کرتے ہیں تو وہ فوراً حظیرۃ القدس کی طرف جھپک لیے جاتے ہیں اور وہاں خدا تعالیٰ کے جلال کی بجلی چمکتی ہے۔ جس سے ان لوگوں کے ہوش گم ہو جاتے ہیں اور یہ حیرت میں پڑ جاتے ہیں۔ چنانچہ ان کی یہ حالت ہوتی ہے کہ انہیں اس بات کی سدھ بدھ نہیں رہتی کہ وہ کہاں سے آئے ہیں اور کہاں جائیں گے اور جہاں سے وہ آئے تھے ان کے واپس لوٹنے کی وہاں کوئی تدبیر ممکن بھی ہے یا نہیں۔ (فیوض الحرمین ص ۸۲)

نیز فرماتے ہیں

عارف جب کمال کو پہنچتا ہے تو اس کی روح ملاء اعلیٰ سے جا ملتی ہے ملاء اعلیٰ میں ایک بلند اور عالی بارگاہ ہے جہاں کامل عارفوں کی ہستیں تو پہنچ جاتی ہے۔ لیکن اس تک ان کے بدن نہیں پہنچ پاتے۔ (فیوض الحرمین ص ۱۹۱)

نیز لکھتے ہیں

اب تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ یہ بارگاہ مقدسہ قبلہ ہے ملاء اعلیٰ کی ہمتوں کا اور مرکز ہیج ان کی توجہ کا اور مسجود ہے ان کی پیشانیوں کا پس جو شخص اس مبلغ کمال تک پہنچ گیا اور اللہ تعالیٰ نے پہلے سے اپنے علم میں اس کیلئے مقدر کر رکھا تھا کہ سے وہاں مقام فنا و بقا حاصل ہو تو بسا اوقات وہ شخص اس مقام میں گم ہو جاتا ہے اور اس کی روح اس کے جسم کی منتظم نہیں رہتی بلکہ یہی بارگاہ مقدسہ اس کی منتظم بن جاتی ہے۔ (فیوض الحرمین ص ۱۹۳)

نیز فرماتے ہیں۔

جب عارف کامل کا نفس جسم کی کدورتوں سے منزہ ہو کر ملاء اعلیٰ سے متصل ہو جاتا ہے تو وہاں اس پر اللہ تعالیٰ اپنی تجلی فرماتا ہے (فیوض ص ۲۰۲)

نیز فرماتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ مقدس سے مجھے اس کیفیت کے علم کا فیضان ہوا کہ بندہ اپنے مقام سے ترقی کر کے کس طرح مقام قدس تک پہنچ جاتا ہے اس وقت ہر چیز بندے کے سامنے متجلی ہو جاتی

ہے جس طرح کہ معراج کے قصے میں چیزوں کو دیکھنے کی خبر دی گئی ہے۔ (فیوض الحرمین ص ۲۰۹)

ہر بعد والے دور میں احوال کی ترقی:

مشہور مقولہ ہے کم ترک الاولون للآخرین (پہلے کتنے ہی کام پچھلوں کیلئے چھوڑ گئے) حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ حق تعالٰی شانہ کی صفت رحمت ہر صدی میں کوئی نہ کوئی رحمت اولیاء کو دیتی ہے (مکتوبات شاہ ولی اللہؒ) خود حضرت شاہ ولی اللہ کی فیوض الحرمین اور مجدد کے مکتوبات کو اٹھا کر دیکھ لیں ان میں جن نئے نئے کشوف کا بیان ہے پہلوں کی کتابیں ان سے خالی ہیں امام ربانی حضرت مجددؒ خود لکھتے ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ ہر صناعت کی تکمیل اور ہر نسبت کی تتمیم مختلف فکروں کے ملنے اور بہت سی نظروں کے پے در پے آنے پر منحصر ہے مثلاً وہ نحو جو سیبویہ کے زمانے میں تھا وہ اب متاخرین کی فکروں کے ملنے سے دو چند زیادہ ہو گیا ہے اور بہت کامل اور صاف ہو گیا ہے۔ حالانکہ یہ وہی سیبویہ کا نحو ہے جس کو متاخرین کی فکروں نے پہلے کی نسبت زیادہ آراستہ پیراستہ کر دیا ہے۔ شیخ علاء الدولہ قدس سرہ کا مقولہ آپ کے مبارک کانوں تک پہنچا ہوگا انہوں نے فرمایا ہے کہ واسطے اور وسیلے جس قدر زیادہ ہونگے اسی قدر راستہ نزدیک اور روشن ہوگا۔ (مکتوبات ص ۱۰۵ ج اول)

نیز لکھتے ہیں: آنحضرت ﷺ کے رحلت فرمانے کے ہزار سال بعد ایک ایسا زمانہ آتا ہے کہ حقیقت محمدی اپنے مقام سے عروج فرماتی ہے اور حقیقت کعبہ کے مقام سے متحد ہو جاتی ہے اور اس وقت حقیقت محمدی کا نام حقیقت احمدی ہو جاتا ہے اور ذات احمد جل سلطانہ کا مظہر بن جاتی ہے اور دونوں اسم مبارک اپنے مسمی کے ساتھ متحقق ہو جاتے ہیں اور پہلا مقام حقیقت محمدی سے خالی رہے گا یہاں تک کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام نزول فرمائیں گے اور شریعت محمدی پر عمل کریں گے۔ اس وقت حقیقت عیسوی اپنے مقام سے عروج فرما کر حقیقت محمد کے مقام میں جو خالی رہا تھا قرار پکڑے گی (مکتوبات ۳۴۸ ج ۱)

گزشتہ شریعتوں کا بھی یہی حال تھا کہ اولوالعزم پیغمبروں کے رحلت فرما جانے سے ہزار سال بعد

انبیائے کرام اور رسل عظام مبعوث ہوئے تھے اور ان کے کلمہ کو بلند کرتے تھے۔۔۔۔۔۔

اور جاننا چاہیے کہ خاتم الرسل کی رحلت کے ہزار سال بعد حضور کی امت کے جو اولیاء ظاہر ہوں گے اگرچہ وہ قلیل ہو مگر اکمل ہوں گے تاکہ اس شریعت کی تقویت کو پورا کر سکیں۔ (۱/۲۵۱)

حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں۔

شاہ اہل اللہ پھلتی کی طرف لکھتے ہیں۔

ہمارے ذہنوں میں یہ بات ڈالی گئی ہے کہ بڑے بڑے (روحانی) میدانوں کی تمام ہمتیں تمہاری حفاظت اور تائید میں مصروف ہیں۔ (مکتوبات ۱۱۷)

نیز شاہ صاحب لکھتے ہیں لیکن جاننا چاہیے کہ لوگ معرفت پر مغرور نہ ہوں۔۔بہت سی راتیں گزرتی ہیں اور بہت سے زمانے بیت جاتے ہیں جب کہیں ایک فرد نمودار ہوتا ہے کوئی کیا جانے کہ وہ کیا ہے اور کون ہے۔ وہ احوال وتجلیات جس پر لوگ ناز کرتے ہیں اس فرد کی معمولی اور کم تر چیزیں ہیں۔ (مکتوبات ص ۱۸۸)

مجدد الف ثانی کے ایک قول ومکاشفہ پہ اعتراض کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

پس خلاصہ کلام یہ ہے کہ ہزار سال کے بعد ایک نئے دور کا آغاز ہوا ہے جو بعض اعتبارات سے گذشتہ فیوض کا اجمال ہے۔ مثلاً قلب، روح، سر وغیرہ کے حالات نے مجمل ہو کر جمعیت ظاہر کر لی اور یہ دور دیگر بعض اعتبارات سے گذشتہ فیوض کی تفصیل ہے (مکتوبات ۲۵۷)

قوت قدسیہ نادر الوجود ہے بہت سے زمانے گزر جاتے ہیں جو اس دولت سے خالی ہوتے ہیں۔

سالہا دور آسماں گردد   تا چنیں گوہرے عیاں گردد

سالہا سال آسماں گردش کرتا رہتا ہے تب کہیں ایسا گوہر نایاب ظاہر ہوتا ہے۔ (مکتوبات ۵۸۴)

مندرجہ بالا عبارات سے یہ بات اظہر من الشمس ہو رہی ہے کہ بعد والوں پر نئی نئی چیزوں کا انکشاف ہوتا رہتا ہے اور یہ بات قابل اعتراض نہیں۔

اولیاء اللہ کو بعض دفعہ لوح محفوظ پر اطلاع ہوتی ہے۔

نبی ہو یا ولی وہ عروج پر جاتا ہے یعنی روحانی سیر اوپر کو ہوتی ہے تو یہ تکمیل کا مرحلہ ہوتا ہے اس کے بعد اس کو نیچے کی طرف متوجہ کر دیا جاتا ہے اسے نزول سے تعبیر کرتے ہیں ان امور پر مطلع ہونا اس کا تعلق عروج کے ساتھ ہے یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ عروج کے بعد نزول جتنا زیادہ ہوگا مخلوق سے مناسبت اتنی زیادہ ہوگی تو مخلوق کو نفع بھی زیادہ ہوگا۔ نبی سے چونکہ بہت زیادہ مخلوق کی تبلیغ وہدایت کا کام لینا ہوتا ہے اس وجہ سے نزول بھی سب سے زیادہ ہوتا ہے اور نزول کی وجہ سے پھر ایسے امور کی طرف توجہ بہت کم ہو جاتی ہے اس کو ایک مثال سے سمجھیں جیسے دولہا نکاح کے دن کتنے خوبصورت لباس میں ہوتا ہے لیکن جب اولاد بڑی ہو جاتی ہے اور یہ گھر اور کاروبار وغیرہ میں مصروف ہو جاتا ہے تو وہ دولہوں والا لباس وکلاہ سب بھول جاتا ہے اب اگرچہ نظر میں عمدہ لباس دلہے کا ہے۔ مگر حقیقت شناس لوگ سمجھتے ہیں کہ قابل اطمینان حالت دوسرے کی ہے کہ ماشاءاللہ اولاد کاروبار کی نعمت کا سلسلہ ہوا تو اگرچہ بظاہر شادی کے قریبی دن ٹیپ ٹاپ والے ہوئے ہیں مگر دوسری صورت میں جو منافع ہیں اس حساب سے اس کے منافع کالعدم ہیں اولیاء بعض کا نزول کم ہوتا ہے ان پر یہ چیزیں تو ظاہر ہوتی ہیں مگر دوسرے لوگوں کو اس سے فیض کم پہنچتا ہے بعض اوقات عروج میں ایسے امور کثرت سے پیش آتے ہیں نزول میں بہت کم ہو جاتے ہیں خوارق بھی اکثر ایسے اولیاء سے زیادہ ظاہر ہوتے ہیں۔

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں

بہت مدت تک دل میں کھٹکتا رہا کہ کیا وجہ ہے کہ امت میں اکمل اولیاء بہت گزرے ہیں مگر جس قدر خوارق حضرت سید محی الدین جیلانی قدس سرہ سے ظاہر ہوئے ہیں ویسے خوارق ان میں سے کسی سے ظاہر نہیں ہوئے۔ آخر کار حق تعالیٰ نے اس معمار کا بھید ظاہر کر دیا اور جتلا دیا کہ ان کا عروج اکثر اولیاء اللہ سے بلند تر واقع ہوا ہے اور نزول کی جانب مقام روح تک نیچے اترے ہیں جو عالم اسباب سے بلند تر ہے منقول ہے کہ ایک دن حضرت حسن بصری دریا کے کنارے کھڑے ہوئے کشتی کا انتظار کر رہے تھے کہ دریا سے پار ہوں اسی دوران خواجہ حبیب عجمی بھی آ نکلے۔ پوچھا

آپ یہاں کیوں کھڑے ہیں عرض کیا کہ کشتی کا انتظار کر رہا ہوں۔ حبیب عجمی نے فرمایا کہ کشتی کی کیا حاجت ہے کیا آپ یقین نہیں رکھتے خواجہ حسن بصری کشتی کے انتظار میں کھڑے رہے خواجہ حسن بصری نے چونکہ عالم اسباب میں نزول کیا ہوا تھا۔ اس لیے ان کے ساتھ اسباب کے وسیلہ سے معاملہ کرتے تھے اور حبیب عجمی نے چونکہ پورے طور پر اسباب کو نظر سے دور کیا ہوا تھا اس کے ساتھ اسباب کے وسیلہ کے بغیر زندگانی بسر کرتے تھے لیکن فضیلت حضرت خواجہ حسن بصری کیلئے ہے جو صاحب علم ہے اور جس نے عین الیقین کو علم الیقین کے ساتھ جمع کیا ہے اور اشیاء کو جیسے کہ وہ ہیں جانتا ہے۔

کیونکہ قدرت کی اصل حقیقت کو حکمت کے پیچھے پوشیدہ کیا ہے اور حبیب عجمی صاحب سکر ہے اور فاعل حقیقی پر یقین رکھتا ہے بغیر اس بات کے کہ اسباب کا درمیان میں دخل ہو۔۔۔۔ اور جاننا چاہیے کہ جس قدر کوئی اوپر جاتا ہے اسی قدر نیچے آتا ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت رسالت خاتمیت ﷺ سب سے زیادہ اوپر گئے اور نزول کے وقت سب سے زیادہ نیچے آگئے۔ اسی واسطے آپ کی دعوت اتم ہوئی اور آپ تمام خلق کی طرف بھیجے گئے کیونکہ نہایت نزول کے باعث سب کے ساتھ مناسبت پیدا کیا اور افادہ کا راستہ کامل تر ہوگی اور بسا اوقات اس راہ کے متوسطوں سے اس قدر طالبوں کا فائدہ وقوع میں آتا ہے جو غیر مرجوع منتہیوں سے میسر نہیں ہوتا کیونکہ متوسط مرجوع منتہیوں غیر مرجوع کی نسبت مبتدیوں کے ساتھ زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔۔۔۔ پس افادہ کے کم یا زیادہ ہونے کا مدار رجوع اور ہبوط پر ہے نہ کہ انتہا عدم انتہا پر (مکتوبات ص ۳۶۷، ۳۶۸ ج اول)

نیز فرماتے ہیں۔ کشوف الہی اور ظہورات آسمانی سب راستہ کے درمیان ہیں وصول کے بعد یہ سب کم ہو جاتے ہیں (ایضا ص ۳۶۹)

نیز لکھتے ہیں۔ میرے حضرت قبلہ گاہی قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت سید محی الدین جیلانیؒ اپنے بعض رسالوں میں لکھا ہے کہ قضائے مبرم میں کسی تبدیلی کی مجال نہیں ہے مگر مجھے ہے اگر

چاہوں تو میں اس میں تصرف کر دوں۔ اس بات سے بہت تعجب کیا کرتے تھے اور بعید از فہم فرماتے تھے یہ نقل بہت مدت فقیر کے ذہن میں رہی۔ یہاں تک کہ حق تعالیٰ نے اس دولت سے مشرف فرمایا ایک دن ایک بلیہ کو دفع کرنے کے درپے ہوا جو کسی دوست کے حق میں مقدر ہو چکی تھی۔ اس وقت بڑی التجا اور عاجزی نیاز و خشوع کی تو معلوم ہوا کہ لوح محفوظ میں اس امر کی قضا کسی امر سے معلق اور کسی شرط پر مشروط نہیں اس بات سے بڑی یاس و نا امیدی حاصل ہوئی اور حضرت سید محی الدین قدس سرہ کی بات یاد آئی پھر ملتجی اور متضرع ہوا اور بڑی عجز و نیاز سے متوجہ ہوا تب محض فضل و کرم سے اس فقیر پر ظاہر کیا گیا کہ قضائے معلق دو طرح پر ہے ایک وہ قضا ہے جس کا معلق ہونا لوح محفوظ میں ظاہر ہوا ہے اور فرشتوں کو اس پر اطلاع دی ہے دوسری وہ قضا ہے جس کا معلق ہونا صرف خدا تعالیٰ ہی کے پاس ہے اور لوح محفوظ میں قضائے مطلق کی اس دوسری قسم میں بھی تبدیلی کا احتمال ہے پھر معلوم ہوا کہ حضرت سید قدس سرہ کی بات بھی اسی اخیر قسم پر موقوف ہے جو قضائے مبرم کی صورت رکھتی ہے نہ اس قضاء پر جو حقیقت میں مبرم ہے کیونکہ اس میں تبدیلی عقلی و شرعی طور پر محال ہے اور حق یہ ہے کہ جب کسی کو اس قضا کی حقیقت پر اطلاع ہی نہیں تو پھر اس میں تصرف کیسے کر سکے اور اس آفت و مصیبت جو دوست پر پڑی تھی قسم اخیر میں پایا اور معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ نے اس بلیہ کو دفع فرما دیا ہے۔ (ایضاً ص ۲۷۲ ج اول)

حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں۔ "اور یہ ایمان بالغیب علماء اور عام مومنین کا حصہ ہے اور ایمان شہودی عام صوفیاء کا حصہ ہے۔ ارباب عزلت (خلق خدا سے یکسو) ہیں۔ یا ارباب عشرت (اصحاب اختلاط) ہوں۔ اس کیلئے ارباب عشرت اگرچہ مرجوع (بازگشت کرنے والے) ہیں لیکن بتمام و کمال ان کا بازگشت نہیں ہوتا۔ ان کا باطن اسی طرح اوپر کی طرف نگران رہتا۔ وہ بظاہر خلق کے ساتھ ہوتے ہیں اور بباطن حق جل شانہ کے ساتھ اس لیے ہر وقت ایمان شہودی ان کے حصہ میں ہوتا ہے اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات چونکہ بتمام و کمال بازگشت فرما چکے ہوتے ہیں اور ظاہر و باطن سے خلقے کو حق جل و علا کی طرف دعوت دینے میں متوجہ ہوتے ہیں۔ اس لیے ایمان

غیب ان ہی کا حصہ ہوتا ہے (تاریخ دعوت وعزیمت ص ۲۳۹ ج ۴)

حکیم الامت مجدد ملت حضرت تھانوی فرماتے ہیں۔

کبھی متوجہ ہونے سے کشف ہو جاتا ہے اور کبھی بلا توجہ ہو جاتا ہے اور کبھی متوجہ ہونے سے بھی نہیں ہوتا۔ غرض امر اختیاری نہیں البتہ گاہے قصد پر مرتب ہو جاتا ہے۔۔۔۔۔۔۔ انبیاء و اولیاء سے دو قسم کی امور صادر ہوتے ہیں ایک معجزات و کرامات دوسرے تصرفات پس معجزات انبیاء کے اور کرامات اولیاء کے اختیاری نہیں اور تصرفات اختیاری ہیں ان تصرفات کو معجزہ یا کرامت نہیں کہتے لیکن کبھی مجازاً کہ دیتے ہیں۔ (امداد الفتاوی جلد پنجم ص ۱۴۴ جواب و سوال نمبر ۱۵۴ بحوالہ کتاب تکوین وتشریع)

ان عبارات سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ کشف بعض اوقات اختیاری ہو جاتا ہے جیسے مجدد کا بار بار لوح محفوظ پر نظر ڈالنا حکیم الامت کی عبارت اس پر دال ہے۔ جب کشف اور تصرف بعض اوقات اختیاری ہو سکتا ہے تو لوح محفوظ پر مطلع ہونا بھی کشف کے قبیل سے ہے وہ بھی اختیاری ہوگا البتہ یہ ذہن میں رہے اس سے علم غیب ثابت نہیں ہوتا۔

حضرت حکیم الامت فرماتے ہیں۔

غیب کے دو معنی ہیں: (۱) حقیقی (۲) اضافی

حقیقی وہ جس کے علم کا کوئی ذریعہ نہ ہو یہ خاص حق تعالیٰ کے ساتھ اور عبد کیلئے اس کا حصول محال شرعی و عقلی ہے۔ اضافی وہ جو کسی ذریعہ سے بعض کو معلوم کروا دیا جائے اور بعض کو پوشیدہ رکھا جائے یہ عبد کیلئے بھی باعلام الہی (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آگاہ کرنے سے) حاصل ہو سکتا ہے پس غیب کے معنی اول اور کشف میں تباین ہے اور معنی ثانی کے اعتبار سے دونوں میں تباین نہیں ہے۔ (ایضاً)

اعتراض: جہاں تک آپ اپنی سیر بتاتے ہیں وہاں تک تو نبی اقدس کی سیر بھی نہیں ہوئی کیا آپ سیر میں ان سے آگے بڑھ گئے ہیں؟

جواب: آپ کو کس نے کہا کہ آپ الف الف تحیۃ وسلام کی سیر وہاں تک نہیں ہوئی۔ شروع سلوک میں نبی اقدس کی سیر سب انبیاء سے آگے گئی پھر نزول ہوا اور خلق کی رشد و ہدایت کی طرف متوجہ ہوئے ولی یا نبی کا نزول کے بعد بھی سیر آگے جاری رہتا ہے اگر چہ ابتدا میں اور کیفیت ہوتی ہے بعد نزول اور آپ کی سیر اب بھی بڑھ رہی ہے اور ابدالآ باد تک بڑھتی رہے گی اس طرح دیگر انبیاء اولیاء بھی بالتبع سیر کر رہے ہیں اور انکی سیر میں بھی مسلسل اضافہ ہو رہا ہے اگر چہ بعض اولیاء نبی اقدس کی سیر کا مقام دیکھ لیتے ہیں مگر وہ آپکے طفیل دیکھتے ہیں ان کا مقام وہاں نہیں ہوتا نہ ہو سکتا ہے کیونکہ جب جلیل القدر انبیاء بھی آپ کے مقام میں نہ پہنچ سکے تو کسی ولی کی کیا مجال۔ مشاہدہ اور بات ہے اور وہاں مقام کا بننا اور بات اس کی مثال یوں ہے کہ ملک کا صدر کسی ایم۔ این۔ اے کی اپنی کوٹھی پر دعوت کرے تو اس کوٹھی میں سکونت تو صدر کی ہی رہے گی ایک دعوت کھانے کے سے ایم۔ این۔ اے اس کوٹھی کا مالک نہیں بن بیٹھے گا۔ اگر چہ آپ کے کامل متبعین کو آپکے توسط سے کچھ نعمتیں اس جگہ کی نصیب ہو جائیں تب بھی یہ ولی ادنیٰ سے ادنیٰ نبی کی خاک پا کے برابر نہیں ہو سکتا چہ جائے کہ نبی پاک کے برابر چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔

کامل اپنے کشف پر عمل کر سکتا ہے اگر چہ اس کے شیخ کے خلاف ہو:

مرید کبھی اپنے شیخ سے مقام میں اپنے آپ کو بلند نہیں سمجھتا۔ شیخ میں فنائیت تو سلوک کا اول قدم ہے البتہ وصول کے بعد مرید خود مجتہد ہو جاتا ہے جیسے ایک مجتہد کو دوسرے مجتہد کی تقلید خواہ وہ استاد ہی کیوں نہ ہو لازم نہیں جیسے امام محمدؒ و ابو یوسفؒ نے امام صاحبؒ کی امام شافعیؒ نے مالک کی امام احمد بن حنبلؒ نے امام شافعیؒ کی تقلید نہیں کی بلکہ اپنے اجتہاد پر عمل کیا اور ان کا یہ عمل کرنا نہ شیخ کی توہین تھا نہ اپنے کو شیخ سے بڑا سمجھنا۔ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں وہ مرید جو پیر کی برکت سے فناء و بقاء کے مرتبہ تک پہنچ جائے اور الہام و فراست کا راستہ اس پر کھل جائے اور پیر اس کو مسلم رکھے اور اس کے کمال کی گواہی دے دے اس مرید کو لائق ہے کہ بعض الہامی امور میں پیر کے برخلاف اپنے الہام کے موافق عمل کرے اگر چہ اس کا خلاف پیر کے نزدیک ثابت ہو کیونکہ وہ

مریداس وقت تقلید سے نکل چکا ہے اب تقلید اس کے حق میں خطاء ہے کیا نہیں جانتے کہ اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بعض امور اجتہادیہ اور احکام غیر منزلہ میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ خلاف کیا ہے اور بعض اوقات حق بجانب اصحاب ظاہر ہوا کما لا یخفی علی ارباب العلم (جیسا کہ صاحبان علم پر پوشیدہ نہیں ہے) پس معلوم ہوا کہ مرتبہ کمال تک پہنچنے کے بعد مرید کو پیر کے برخلاف کرنا جائز ہے اور بے ادبی سے دور ہے بلکہ یہی ادب ہے ورنہ پیغمبر ﷺ کے اصحاب رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کمال ادب کے ساتھ مودب ہوئے ہیں اور تقلید کے سوا اور کوئی امر نہی کیا ہے۔ ابو یوسفؒ کے لیے مرتبہ اجتہاد تک پہنچنے کے بعد ابو حنیفہؒ کی تقلید خطاء ہے اس کیلئے بہتری اپنی رائے کی متابعت میں ہے۔ نہ کہ ابو حنیفہؒ کی رائے میں امام ابو یوسفؒ کا قول مشہور ہے کہ نازعت آبا حنیفة فی مسئلة خلق القرآن ستة اشهر (میں نے ابو حنیفہ کے ساتھ قرآن کے مخلوق ہونے کے مسئلہ میں چھ مہینے تک جھگڑا کیا)۔ تو نے سنا ہوگا کہ ہر صنعت بہت سی فکروں کے ملنے سے کامل ہوتی ہے اگر ایک ہی فکر پہ رہتی تو کوئی زیادتی حاصل نہ کرتی۔ وہ نحو جو سیبویہ کے زمانہ میں تھی۔ آج وہ مختلف زاویوں اور بہت سی نظروں اور فکروں کے ملنے سے کئی گناہ زیادہ ہوگیا ہے کیونکہ بنیاد اسی نے رکھی ہے اس لیے فضیلت اسی کیلئے ہے کیونکہ فضیلت متقدمین کیلئے ہے۔ حدیث نبوی میں ہے مثل امتی المطر لا یدری اولهم خیر ام اخرهم میری امت کی مثال بارش کی ہے نہیں معلوم اس کا اول اچھا ہے یا کہ آخر (مکتوبات ص ۷۶ ج اول) نیز حضرت خواجہ باقی باللہؒ کے ملفوضات میں لکھا ہے ایک دن میاں شیخ احمد سرہندی کو جو حضور کے جلیل القدر اور ممتاز خلفاء میں سے تھے سرہند کی طرف رخصت کر رہے تھے فرمایا کہ نسبت کو حتی المقدور پوشیدہ رکھنا (رود کوثر ص ۱۷۷) لیکن مجدد نے اظہار مکاشفات فرمایا کیا انکو اپنے پیر و مرشد کا مخالف کہیں گے؟

حضرت مجددؒ فرماتے ہیں اس فقیر کو علم لدنی کی توفیق حضرت خضر (علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام) کی روحانیت سے حاصل ہوئی۔ لیکن یہ صورت اس وقت تک رہی جب تک مقام اقطاب سے نہیں

گزر گیا۔ لیکن مقام سے گزر جانے اور بلند مقامات میں ترقیاں حاصل کر لینے کے بعد ان علوم کا حصول اپنی حقیقت سے ہونے لگا یعنی علوم اپنی ذات میں خود بخود ذات ہی سے حاصل ہونے لگے کسی غیر کی مجال نہ تھی کہ وہ درمیان میں آ سکے۔ (حضرات القدس ص ۸۷ ج ۲)

نیز حضرت مجدد فرماتے ہیں

میں اللہ تعالیٰ کا مرید ہوں اور اس کی مراد بھی ہوں میرا سلسلہ بغیر کسی توسط کے اللہ تعالیٰ سے متصل ہے اور میرا ہاتھ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ کا قائم مقام ہے اور میری ارادت حضور انور ﷺ سے بہت واسطوں سے ہے (یعنی) طریقہ نقشبندیہ میں (۲۱) طریقہ قادریہ میں (۲۵) اور طریقہ چشتیہ میں (۲۷) واسطوں سے ہے لیکن میری ارادت جو اللہ تعالیٰ سے ہے وہ واسطے کو قبول نہیں کرتی جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ پس میں حضور ﷺ کا مرید بھی ہوں اور ہم پر (یعنی پیچھے پیچھے چلنے والا) بھی ہوں۔ اگرچہ اس خوان نعمت پر طفیلی ہوں لیکن بن بلائے نہیں آیا ہوں اگرچہ تابع ہوں لیکن اصالت سے محروم نہیں ہوں اور اگرچہ امتی ہوں لیکن نعمت میں شریک ہوں۔ وہ شرکت نہیں جس میں ہمسری کا دعویٰ ہو بلکہ وہ شرکت ایک خادم کو اپنے مخدوم سے ہوا کرتی ہے جب تک بلایا نہیں گیا خوان نعمت پر حاضر نہ ہوا اور جب تک اجازت نہیں ملی نعمت کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا اگرچہ اویسی (یعنی روحانیوں کا پروردہ اور تربیت یافتہ) لیکن میرا مربی حاضر و ناظر ہے۔ اگرچہ طریقہ نقشبندیہ میں میرے پیر عبدالباقی ہیں لیکن میری تربیت اللہ الباقی کی طرف ہے (حضرات القدس ص ۱۴۰ ج ۲)

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں۔

چنانچہ غزوہ بدر میں آنحضرت ﷺ نے سوال فتح کے اندر پوری طرح الحاح وزاری کی اور حضرت ابوبکر صدیقؓ نے پیچھے سے آ کر آنحضرت ﷺ کو اپنی بغل میں لے لیا اور کہا یا رسول اللہ آپ کیلئے اتنی ہی دعا کافی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے جونہی صدیق اکبرؓ سے یہ کلمہ سنا خیمہ سے کود کر جلد باہر نکل آئے اور یہ آیت پڑھی سیھزم الجمع ویولون الدبر (یعنی عنقریب کفار کی جماعت شکست کھا جائے گی اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے) اس حدیث کی تاویل یہ ہے کہ صدیق اکبرؓ نے

غیب سے اس نکتہ کو حاصل کیا کہ دعا قبول ہوگئی اور تولیت الٰہی ظاہر ہوگئی اور قلب صدیق نے اس تلقی و تحصیل میں آنحضرت ﷺ کی قوت علیہ پر پیش قدمی کی۔ آنحضرت ﷺ نے جب استغراق دعا سے افاقہ فرمایا تو پیشانی صدیقؓ سے قبولیت دعا کا قصہ اور تولیت الٰہی کا ظہور مطالعہ فرما لیا اور سوال کو ترک فرما دیا۔ (مکتوبات ص ۲۶۷)

ان عبارات سے صاف معلوم ہوا کہ

(۱) شیخ سالک کیلئے شروع سے واسطہ ہوتا ہے پھر سالک بغیر واسطے کے سفر کرتا ہے۔

(۲) کبھی مرید بعض علوم یا امور میں شیخ سے پیش قدمی بھی کر جاتا ہے۔

لیکن یہ فضیلت جزوی ہوتی ہے کلی شیخ کیلئے ہی ہوتی ہے۔ اس لیے کہ مرید کے تمام کمالات کا ثواب شیخ کو ہی ملتا ہے۔ الفضل للمتقدمین قول مسلم ہے۔

ولی سے روح محمدی علی صاحبھا الف الف سلام کی ملاقات ممکن ہے:

روح مبارکہ سے ملاقات اکثر آستانوں پر یا روضہ اقدس میں ہوتی ہے کسی ولی کا روحانی طور پر حاضر ہونا روضہ اقدس پر یہ بعید نہیں سید احمد رفاعیؒ جب روضہ اقدس پر حاضر ہوئے تو یہی فرمایا تھا۔

فی حالة البعد روحی کنت ارسلها تقبل الارض عنی وھی نائبی

وھذہ دولة الاشباح قد حضرت فامدد یمینک کی تحظی بھا شفتی

ترجمہ: دوری کی حالت میں میں اپنی روح کو خدمت اقدس میں بھیجا کرتا تھا وہ میری نائب میں بن کر آستانہ مبارک چومتی تھی اب جسموں کی حاضری کی باری آئی ہے اپنا دست مبارک عطا کیجئے تاکہ میرے ہونٹ اس کو چومیں۔

نیز حضرت لاہوریؒ ایک دفعہ درس دے رہے تھے بعد میں ایک آدمی نے کہا کہ تمھارے درس سننے کیلئے نبی اقدس ﷺ اور کچھ صحابہ کرامؓ تشریف فرما تھے جب حضرت لاہوریؒ نے یہ واقعہ اپنے پیر و مرشد حضرت خلیفہ غلام محمد دین پوریؒ کو بتایا تو فرمایا وہ آدمی جس نے آپ کو دیکھا وہ یا قطب ہوگا یا ہونے والا ہوگا۔ (دیکھیے حضرت لاہور کے حیرت انگیز واقعات)

امام سیوطیؒ کے بارے میں آتا ہے کہ احادیث کی تصدیق نبی اقدس سے کرتے تھے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ جب ایک بار مراقبہ میں بیٹھے تھے تو تمام سلاسل کے مشائخ کی ارواح تشریف لے آئیں اور جھگڑا کرنے لگیں کہ یہ ہمارے سلسلہ کا ہے آخر فیصلہ نبی اقدس علیہ الف الف کی بارگاہ میں پیش ہوا فیصلہ فرمایا کہ نقشبندی سلسلہ ہی اس سے جاری ہوگا (دیکھیے مکتوبات ص ۵) امام ربانی حضرت گنگوہیؒ نے ایک بار فرمایا ایک عرصہ تک جو کام بھی کیا نبی اقدس ﷺ سے پوچھ کر کیا اب ایک عرصہ سے جو کام بھی کرتا ہوں حق تعالیٰ سے پوچھ کر کرتا ہوں (دیکھئے تذکرۃ الرشید) نیز لکھا ہے پس فقیروں کی دو قسمیں ہیں ایک سلوک کو راہ ولایت کے طریقے پر طے کرتے ہیں دوسرے سلوک کو راہ نبوت کے راستے سے طے کرتے ہیں۔ ولایت والوں سے اسباب بندی ہٹالی جاتی ہے اور ہر روز دربار میں حاضری کی اجازت ہوتی ہے (دیکھیے ص ۳۶ خدا تک پہنچنے کے راستے بحوالہ تعارف نقشبندی ص ۶۱) امام ربانی مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں ایک مرتبہ میں بہت پریشان تھا کہ حضرت رسالت خاتمیہ ﷺ جو رحمت عالمیان ہیں ان کی روح مبارک نے حضور فرمایا اور غمناک دل کی تسلی کی۔ (مکتوبات ص ۴۸۰ ج اول) پیر فضل علی قریشیؒ فرماتے ہیں کہ ایک مجذوب میاں محمد نامی سے جب مسئلہ پوچھا جاتا تو نہ بتاتا دوسرے وقت بتا دیتا کسی نے وجہ پوچھی فرمایا ابو حنیفہؒ کی روح مبارکہ سے پوچھ کر بتاتا ہوں۔ (مقامات فضلیہ ص ۱۰۰)

حضرت پیر فضل علی قریشیؒ جب دیوبند تشریف لے گئے تو قاسم العلوم والخیرات حضرت نانوتویؒ اور حضرت شیخ الہندؒ کے مزارات پر مراقب ہوئے۔ مراقبہ میں خلاف عادت کافی تاخیر ہوئی پھر فرمایا کہ مراقبہ میں میں نے دیکھا کہ یہاں ایک سرسبز میدان ہے جس میں محدثین دیوبند، دہلوی اور گنگوہ موجود ہیں حضرت شاہ ولی اللہ شاہ رفیع الدین، شاہ عبدالعزیز، مفتی عزیز الرحمن، شیخ الہند، علامہ کشمیری وغیرہ سب موجود تھے یہ سب حضرات نبی اقدس ﷺ کی تشریف آوری کیلئے جمع تھے چنانچہ حضور اقدس ﷺ تشریف لائے ان سب حضرات نے مصافحہ کیا بعد مصافحہ نبی اقدس ﷺ نے فرمایا یہ سب حضرات "محی السنہ" ہیں۔ جب یہ بات حضرت شیخ العرب والعجم حضرت مدنیؒ کو

پہنچی تو فرمایا "ہمیں شیخوقت کی زبان مبارک سے دنیا کے عالم میں ہی خبر مل گئی کہ ہمارے اکابر مقبول بارگاہ رسالت ہیں۔ (مقامات فضلیہ ص ۵۹)

حضرت مجدد الف ثانی ایک قبر پر تشریف لے گئے دیکھا کہ صاحب قبر عذاب میں ہے کافی سفارش کی مگر عذاب نہ ٹلا پھر مشائخ کی ارواح تشریف لے آئیں مگر عذاب نہ ٹلا پھر نبی اقدس ﷺ تخت پر تشریف لے آئے تو عذاب ٹل گیا۔ (حضرات القدس ص ۱۰۲)

ایک بار رمضان المبارک کے آخیر میں حضرت مجددؒ نے فرمایا کہ آج میں نے عجیب بات دیکھی ہے میری آنکھیں مراقبے میں بند تھیں کہ یکا یک دیکھا کہ ایک صاحب میرے پہلو میں بیٹھے ہوئے ہیں جب میں نے بغور دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ سرور کائنات ﷺ ہیں حضور نے فرمایا میں اس لیے آیا ہوں کہ تمھارے لیے اجازت نامہ لکھوں جو میں نے آج تک کسی کیلئے نہیں لکھا۔ (حضرات القدس ص ۱۰۷ ج ۲)

آپ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں صبح کے حلقے میں بیٹھا ہوا تھا کہ یکا یک ایک قسم کی فنائے خاص ظاہر ہوئی۔۔۔۔۔۔ اس روز نماز عصر کے بعد ابوحنیفہؒ کو دیکھا کہ اپنے تمام شاگردوں اور اپنے طریق کے تمام مجتہدوں اور بعض استادوں مثلاً ابراہیم نخعیؒ کے ساتھ میرے اردگرد جمع ہیں۔ اور ان کا نور میرے دل میں داخل ہوا۔ کچھ دن بعد امام شافعی مع اپنے شاگردوں کے تشریف لائے اور ان کا نور میرے دل میں داخل ہوا۔ (حضرات القدس ص ۱۰۹ ج ۲)

ایک روز خواجہ محمد معصومؒ نے عشاء کی نماز جماعت شافعی کے ساتھ ادا کی۔ فرماتے تھے امام اجل محی السنۃ محمد بن ادریس شافعیؒ نے تشریف لا کر نہایت خندہ روئی و مسرت سے ہمارے ساتھ ملاقات کی۔ گویا اس موافقت کی وجہ سے انبساط کا اظہار فرمایا۔ (فیضان معصومیہ ص ۶۴ مکتبہ سراجیہ گوجرہ ٹوبہ)

حضرت خواجہ (محمد معصومؒ) نے (مدینہ طیبہ میں) فرمایا آج مشاہدہ ہوا گویا حضرت خاتمیت علیہ الصلوٰۃ السلام روضہ منورہ سے باہر آ کر اس حلقہ کی طرف متوجہ ہیں۔ (ایضاً ص ۶۷)

شیخ سیف الدینؒ (خلیفہ حضرت خواجہ معصومؒ) کا ایک مرید پایندہ محمد نامی کابل سے عراق کی طرف جا رہا تھا کہ اثنائے راہ میں ایک رافضی ملا۔ رافضی نے حضرات شیخین کو گالیاں دیں۔ صوفی نے طیش میں آ کر قتل کر دیا۔ لیکن بعد میں ڈرا کہ کہیں اس کے ہمراہی آ کر تنگ نہ کریں۔ ابھی اسی خیال میں تھا کہ اچانک ایک برقعہ پوش سوار نمودار ہوا اور اس نے عصا سے رافضی کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ کسی قسم کا اندیشہ نہ کر کیونکہ میں نے اس کو گدھے کی صورت میں تبدیل کر دیا ہے۔ صوفی نے رافضی کو دیکھا تو گدھے کی شکل میں پایا۔ پھر صوفی نے سوار سے دیدار کی التماس کی جب سوار نے برقعہ اٹھایا تو کیا دیکھتا ہے کہ آپ حضرت شیخ سیف الدین ہیں۔ (فیوضات معصومیہ ص ۱۶۹)

حضرت سید نور محمد بدایوانیؒ کے بارے میں لکھا ہے کہ ان کا ایک مرید ہوائے نفسانی کی وجہ سے کسی عورت کے ساتھ زنا کرنا چاہتا تھا آپ اپنی مثالی صورت کیساتھ وہاں حاضر ہوئے تو عورت بھاگ گئی اور مرید شرمندہ ہوا۔ (فیوضات معصومیہ ص ۱۷۷)

مرزا مظہر جان جاناںؒ فرماتے ہیں کہ جب کبھی صدیق اکبرؓ کا ذکر آتا تھا تو ان کی صورت مبارک میرے سامنے آ جاتی تھی میں نے بارہا ان کو چشم ظاہر سے دیکھا۔ (فیوضات معصومیہ ص ۱۸۴)

ایک دفعہ مرزا مظہر جان جاناںؒ نے سرہند کے صاحبزادوں میں سے کسی کے ہاتھ مجدد الف ثانی کی خدمت میں سلام بھیجا واپسی پر صاحبزادہ نے بیان فرمایا کہ جب میں نے تمہارا اسلام مزار مبارک پر عرض کیا تو حضرت مجددؒ نے سینہ تک اپنا سر مبارک مزار اطہر سے باہر نکالا اور کمال شوق محبت سے پوچھا کہ کونسا مرزا؟ ہمارا دیوانہ وشیفتہ علیک وعلیہ السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ (فیوضات معصومیہ ص ۱۸۶)

حضرت سید احمد شہیدؒ کا ابو حنیفہؒ کی روح سے سوالوں کے جوابات پوچھ کر بتانا کا بھی اس طرح کا واقعہ مشہور ہے۔

خواجہ بہاؤالدین نقشبندؒ فرماتے ہیں۔

کہ ابتدائے احوال وغلبات وجذبات و بے قراری کے زمانہ میں راتوں کو میں اطراف بخارا میں پھرا کرتا تھا اور ہر مزار پر جاتا تھا۔ ایک رات تین متبرک مزاروں پر حاضر ہوا اور جس مزار پر میں جاتا اس پر ایک چراغ روشن نظر آتا۔ چراغدان تیل اور بتی سے بھرا ہوتا مگر بتی کو تھوڑی حرکت دینا پڑتی تو کہ تیل باہر آجائے اور روشنی از سر نو تازہ ہو جائے۔ شروع رات میں حضرت عبدالواسعؒ کے مزار پر پہنچا وہاں سے اشارہ ہوا کہ مزار محمود انجیر فغنوی قدس سرہ پر جانا چاہیے جب میں وہاں پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں دو تلواریں میری کمر سے باندھی گئی اور ایک گھوڑے پر مجھ کو بٹھایا گیا اور گھوڑے کی باگ خواجہ مزداجن قدس سرہ کے مزار کی طرف پھیر کر مجھ کو روانہ کر دیا گیا۔ آخر رات میں ان بزرگ کے مزار پر پہنچا وہاں بھی ایسا ہی چراغ نظر آیا میں نے اس کی بتی بھی اونچی کی اور قبلہ رو ہو کر بیٹھا اور بے خبر ہو گیا اس بے خودی میں میں نے دیکھا کہ جانب قبلہ کی دیوار شق ہو گئی ہے اور ایک بڑا تخت نظر آیا جس پر ایک بزرگ تشریف فرما تھے۔ ایک سبز پردہ اس کے سامنے کھینچا ہوا تھا اور اس تخت کے گرداگرد ایک جماعت حاضر تھی۔ اس جماعت میں سے میں نے حضرت بابا سمّاسی کو پہچانا تو میں جان گیا کہ یہ سب لوگ انتقال کئے ہوئے ہیں۔ (حضرات القدس ص ۷۶ ج ۱)

جس زمانے میں حضرت خواجہ باقی باللہؒ کا انتقال ہوا اور حضرت مجددؒ تعزیت کیلئے تشریف لے گئے اور جب خواجہ کے مریدین نے حضرت مجددؒ سے تجدید بیعت کی تھی۔ خواجہ حسام الدینؒ نے دیکھا کہ حضرت رسالت پناہ ﷺ منبر پر تشریف فرما ہیں اور آپکی مدح وستائش میں خطبہ دے رہے ہیں اور آپکے فقرات فصیحہ اور ملیحہ کی تعریف فرما رہے ہیں اور اس پر فخر ومباہات کا اظہار فرما رہے ہیں اور فرماتے ہیں کہ میں اس بات پر نازاں ہوں کہ میری امت میں شیخ احمد جیسے بزرگ نے ظہور فرمایا ہے اور میرے دین متین کا مجدد ہوا ہے۔ (حضرات القدس ص ۵۲ ج ۲)

حضرت مجددؒ اپنے ایک مکتوب میں جو کہ حضرت خواجہ باقی باللہ کے نام لکھا ہے اپنے ایک رسالہ کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"یہ رسالہ بعض احباب کی التماس پر لکھا گیا ہے۔احباب نے خواہش کی تھی کہ ایسی نصیحتیں لکھ دی جائیں جو طریقت میں نافع ہوں اوران کے مطابق زندگی گزاری جائے۔واقعی وہ رسالہ پسندیدہ اور کثیر البرکات ہے اس کے تحریر کے بعد ایسا معلوم ہوا کہ حضور انورﷺ بہت سے مشائخ کے ساتھ تشریف رکھتے ہیں اوراس مبارک رسالے کواپنے دست مبارک میں لیے ہوئے ہیں اور کمال کرم سے اس کو بوسہ دیتے ہیں۔(ایضاً ص۱۵۴ ج۲)

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے مناقب میں لکھا ہے۔

جناب مولانا صاحب نے اول سال جوکلام مجید حفظ کر کے سنایا تھا۔نماز تراویح کی ہو چکی تھی۔اس عرصہ میں ایک سوار خوب زرہ بکتر لگائے برچھا ہاتھ میں لیے تشریف لائے اور کہا حضرت محمد رسول اللہ کہاں تشریف رکھتے ہیں جو وہاں تھے سب دوڑ کران کو گھیر لیا اور پوچھا کہ حضرت یہ کیا تقریر ہے اور آپ کا نام کیا ہے۔انہوں نے فرمایا میرا نام ابو ہریرہ ہے۔

جناب سید دو عالم نے فرمایا تھا کہ ہم عبدالعزیز کا کلام مجید سننے چلیں گے پھر مجھ کوایک کام کے واسطے بھیج دیا۔اس سبب سے میں دیر سے آیا یہ کہ کر غائب ہو گئے۔(کمالات عزیزی ص۱۹)

باقی رہا کہ بریلوی کی تائید ہوگی بریلویت کی عبارات حاضر ناظر کے بارے میں تقریباً دس قسم کی ہیں بعض انتہائی خطرناک ہیں بعض پر آپ کسی قسم کا حکم نہیں لگا سکتے ورنہ مجدد الف ثانی شاہ ولی اللہ وغیرہ سب زد میں آ جائیں گے معترض ہوشیار باش کہیں اس مفتی والا حال نہ ہو جو ایک بڑے مدرسہ میں بیٹھا ہے بریلویوں نے نام احمد رضا کا لگا کر عبارات حضرت گنگوہیؒ کی بھیج دیں اس نے کفر کا فتویٰ دے دیا جب اہل بدعت نے شور کیا تو پھر ہوش آیا۔وسعت مطالعہ نہ ہو تو آدمی فتویٰ میں جلد بازی نہ کرے بندہ کو تو ان تین مہینوں میں بعض اکثر بڑے اہل افتاء سے گفتگو کرنے کی نوبت آئی تو علم ہوا کہ کتب تصوف کا مطالعہ ہی نہیں کرتے عام علماء کی تو بات کہاں جس کی بہار یہ ہواس کی خزاں نہ پوچھ بندہ نے اپنی کتاب "انوارات صفدر جلد سوم" میں تفصیل سے بیان کیا ہے جو ابھی طبع نہیں ہوئی۔

اعتراض: جب نبی اقدس ﷺ کی ملاقات اللہ جل شانہ سے صرف ایک بار ہوئی تو اولیاء کی ہر وقت کیسے ہوسکتی ہے۔

جواب: ایک دفعہ جو ہوئی وہ جسمانی معراج والی ملاقات ہوئی روحانی مشاہدہ تو ہر وقت رہتا تھا پھر نبی اور ولی کے مشاہدہ میں فرق ہے جیسے نبی کا الہام وکشف قطعی ہوتا ہے ولی کا ظنی۔ ولی کے مشاہدہ سے کیا نسبت چہ نسبت خاک را با عالم پاک لفظی مشارکت کے سوا اور کیا کہا جاسکتا ہے جیسے جنت کے آم کو بھی آم اور دنیا کے آم کو بھی آم کہتے ہیں۔ مگر دونوں میں کیا مناسبت سوائے اسمی مشارکت کے امام ربانی مجدد الف ثانی ایسے ہی ایک موقع پر عشق و جذبات کے سمندر میں غوطہ زنی کرتے ہوئے فرماتے ہیں

"آج محمد رسول اللہ ﷺ کی شان کو کیا پاسکیں اور ان کی عظمت و بزرگی اس جہان میں کیا پہچان سکیں کیونکہ سچ جھوٹ کے ساتھ حق باطل کے ساتھ اس جہان میں ملا ہوا ہے قیامت کے دن ان کی بزرگی معلوم ہوگی جب کہ پیغمبروں کے امام ہونگے اور انکی شفاعت کریں گے اور حضرت آدم علیہ السلام اور تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ان کے جھنڈے کے پیچھے ہوں گے اس موطن خاص میں جو مقام رضا سے اوپر ہے اگر ان کے پس خوردہ کھانے والے خادموں میں سے کسی خادم کو وراثت و تبعیت کے طور پر جگہ دے دیں اور ان کے طفیل اس بارگاہ کا محرم بنادیں تو کوئی بڑی بات نہیں۔

بر کریما کارہا دشوار نیست	سخیوں پر نہیں ہے یہ کام دشوار

اس بات سے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر غیر کی زیادتی اور برتری لازم نہیں آتی۔ خادم اپنے مخدوم کے ساتھ کب برابر ہوتا ہے۔ اور تابع کو اپنے متبوع کے ہمسروں کے ساتھ کیا نسبت اصل مقصود بالذات ہوتا ہے اور تابع طفیلی۔ تابع کا معاملہ ایک جزئی فضیلت تک ہی ہوتا ہے جس میں کچھ حرج نہیں کیونکہ ہر ایک جولاہا اور حجام اپنی صنعت کے اعتبار سے ہر ذی فنون عالم پر فضیلت رکھتا ہے اور اعتبار سے ساقط ہے۔ ہمارا کلام اشارات اور رموز اور بشارات اور ایسے خزانے ہوتے ہیں کہ جب تک حسن ظن کے ساتھ اسکی تصدیق نہ کریں کسی کو اس کا حصہ نہیں ملتا اور نہ ہی ان سے

کوئی ثمرہ اور نفع پا سکتا ہے واللہ سبحانہ الموفق (اللہ تعالیٰ توفیق دینے والا ہے)(مکتوبات ص ۴۳ ج ۲)

بعد کا ولی پہلوں سے مقام میں بلند ہو سکتا ہے:

کتنے بعد والے پہلوں سے آگے گئے خود حضرت مجدد الف ثانیؒ کو ہی لے لیجیے کہ خیر القرون کے بعد کے تمام اولیاء سے آگے نکل گئے اور اس کا اظہار بھی فرمایا۔ مجدد صاحبؒ کے جس مکتوب سے فتنہ اٹھانے کی کوشش کی گئی۔ حضرت مولانا ابوالحسن ندویؒ فرماتے ہیں۔ مکتوبات کے وہ نازک مضامین پیش کیے گئے جن کا سمجھنا تصوف کی اصطلاحات و دقائق اور لکھنے والے کے غرض و منشاء سمجھنے پر موقوف ہے۔ جو در حقیقت وہ عبوری مکشوفات و محسوسات تھیں جو سالک کو اپنے سیر و سلوک میں عارضی طور پر پیش آتے ہیں اور جن کی اپنے شیخ و مربی کو اطلاع دینی ضروری ہے۔ (تاریخ دعوت و عزیمت ص ۱۵۸ ج ۴)

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عارف کو جو جو نعمتیں ملنے والی ہوتی ہیں ان کا اس پر انکشاف ہو جاتا ہے اس انکشاف کے ضمن میں اہل اللہ کے دو طبقے ہیں ایک طبقہ تو کشف الٰہی والوں کا ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے ملا اعلیٰ کے جن خزانوں اور سرچشموں سے فیوض نازل ہوتے ہیں کشف الٰہی والوں پر یہ خزانے اور سرچشمے منکشف ہو جاتے ہیں۔ (فیوض الحرمین ص ۲۴۴ تا ۲۴۵)

بندہ نے بھی جو جو انعامات بندہ کو ملتے تھے وہ اپنی ذاتی کاپی میں لکھے تا کہ شیخ محترم مــــا زالــت شموســه بازغة علینا کو دکھائے جا سکیں۔ اب اس کو چرا کر اس کی عبارات پر اعتراض کرنا جرم نہیں تو کیا ہے؟

اعتراض: پہلے اکابرین کی عبارات تصوف پر اعتراضات غیر مقلدین وغیرہ کرتے ہیں ابھی ان کے جوابات دیے جا رہے ہیں اب راقم نے نیا فتنہ کھڑا کر دیا ہے اس کا جواب کب تک دیں گے۔

جواب: اگر کشف و کرامات پر اعتراضات سے ڈر کر ان کو بیان کرنا ہی چھوڑ دینا مناسب ہے تو پھر

اکابر کے حالات کی اشاعت کو رکوا دیا جائے تمام علماء ایسی اور کتب خانوں کا بائیکاٹ کریں۔
حضرت حق جل شانہ نے باوجود اس کے کہ سیدنا عیسیٰ کے معجزات پر یہود معترض تھے اور عیسائی ان کی وجہ سے گمراہ ہوئے مگر ان کو قرآن پاک میں بیان کیا ہے البتہ ان کے غلط نظریات کی تردید بھی فرمائی۔ بندہ نے بحمداللہ آٹھ سال " تخصص فی الدعوۃ والتحقیق " پڑھایا ہے اس میں اعتراضات کے جوابات دیتا رہا کتب بھی لکھیں بندہ بھی اس کی ظاہری نقصان کا قائل تھا مگر کیا کرے کہ حق تعالیٰ کے تکوینی امور کسی نہ کسی حکمت پر مبنی ہوتے ہیں۔ ان شاء اللہ آج نہ تو کل ورنہ روز قیامت ضرور اس کی حکمت واضح ہو جائے گی۔ اتی امر اللہ فلا تستعجلوہ اللہ کا امر آنے والا ہے جلدی نہ کرو۔

اعتراض: اللہ والوں کی ولایت چہروں سے پہچانی جاتی ہے آپکی پیشانی پر آثار ولایت نہیں۔
جواب: اگر ہر اللہ والے کی ولایت چہرے سے پہچانی جاتی تو اولیاء اللہ مخفی کیسے رہتے اور قیامت کے دن یہ نعرہ بارگاہ عز وجل سے کیسے لگاگا اور اولیائی تحت قبائی لا یعرفھم سوائی (میرے اولیاء میری چادر کے نیچے ہیں جنہیں میرے سوا کوئی نہیں جانتا)۔ نیز یہ باطنی چیز ہے اصحاب باطن پہچان جاتے ہیں لیکن یہ بھی اکثر ہے بعض اوقات اصحاب باطن سے بھی ولایت مخفی ہوتی ہے نیز ایک وقت تک جب آزمائش مقصود ہوتی ہے تب بھی بحکمت الہیٰ لوگوں پر ظاہر نہیں کی جاتی۔ نیز ولی کے فیوضات برکات اسی کو ملتے ہیں جو اعتقاد سے متوجہ ہو۔
چنانچہ امام ربانی مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں۔
اے فرزند باوجود اس معاملہ کے جو میری پیدائش سے مقصود تھا ایک اور کارخانہ عظیم میرے حوالہ فرمایا ہے۔ مجھے پیری مریدی کے واسطے نہیں لائے اور نہ میری پیدائش سے خلق کی تکمیل وارشاد مقصود ہے بلکہ معاملہ دیگر اور کارخانہ مطلوب ہے اس ضمن میں جس کو مناسبت ہوگی وہ فیض پالے گا ورنہ نہیں۔ (مکتوبات امام ربانی ص ۱۴۱ ج ۲)
نیز فرماتے ہیں۔

ہمارا کلام اشارات اور رموز اور بشارات اور ایسے خزانے ہوتے ہیں جب تک حسن ظن کے ساتھ ان کی تصدیق نہ کریں کسی کو ان کا حصہ نہیں ملتا اور نہ ہی اس سے کوئی ثمرہ اور نفع پا سکتا ہے۔ (ایضاً ص ۴۴۳ ج ۲)

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ جب تک کوئی صاحب ولایت سے مناسبت نہ رکھے فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔

حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں۔

اہل اللہ صورۃ آپس میں مختلف لیکن معنیٰ اور حقیقت میں متفق ہوتے ہیں۔ نیابت وخلافت کی شرط معنی حقیقت کا اتفاق ہے۔ صورت میں اتفاق ہو یا نہ ہو۔ اہل اللہ میں سے ایک جماعت ایسی ہوئی ہے جو بے مال ومتاع، مفلس اور نان شبینہ سے محتاج تھی۔ اہل اللہ میں سے کچھ ایسے اغنیاء بھی ہوئے ہیں جو لاکھوں درہم ودینار کے مالک تھے۔ کچھ اہل اللہ غیور اور بہت غیرت مند ہوتے ہیں۔ تھوڑی سی بے ادبی پر بھی بے ادب کے حق میں غیرت کا مظاہرہ کرتے ہیں اور بے ادب کو گرا کر چھوڑتے ہیں۔ اہل اللہ کی ایک جماعت حلیم وبردبار ہوتی ہے۔ اہل اللہ کی ایک جماعت کے افراد اہل ظہور ہوتے ہیں۔ جو بھی ان کو دیکھ لیتا ہے ان کا مسخر ہو جاتا ہے اور اس کی زبان ان کی ثناء وتعریف میں کھل جاتی ہے اور ایسے دیکھنے والے کا دل اس کے اعتقاد سے پر ہو جاتا ہے۔ اہل اللہ کی ایک جماعت ایسی بھی ہوتی ہے جو گوشہ خمول وگمنامی میں رہتی ہے اور کوئی ان کو نہیں پہچانتا ہے اور ان کو کسی حساب میں نہیں لاتا ہے۔ (مکتوبات شاہ ولی اللہ ص ۵۳۶)

فقیر کو چونکہ بلا مجاہدات عنایات سے نوازا گیا ہے اس لیے اب لوگوں سے اخفاء کر کے خود کو اظہار کا حکم دیا تا کہ بلا خوف لومۃ لائم کا مصداق بن سکوں اور آزمائش سے بلندی درجات ہو پھر جب حضرت حق کی حکمت ظہور کی متقاضی ہوگی تو ظاہر کر دیا جائے گا البتہ سلسلہ میں آنے والے اب بھی فیض سے محروم نہیں ہیں۔ اللہ الحمد اگر صاف شیشہ نہیں ہے تو پرانا پیالہ ہی سہی، تلچھٹ پینے والے رند کو ان تکلفات سے کیا واسطہ۔

امام مہدی سے ملاقات:

۲۰۱۳ء کی بات ہے کہ مجھے (محمد محمود عالم) ایک شاگرد مولانا کا فون آیا کہ استاد جی! ہمارا ایک دوست ہے جو بہت متقی پرہیزگار ہے عالم ہے دوران طالب علمی اکثر اوقات باوضو اور روزہ دار رہتا۔ بعد میں بھی وہی تقوی ہے پہلے خواجہ خواجگان خواجہ خان محمد سے بیعت تھا ان کے بعد کسی اور بزرگ (جوکہ کامل نہ تھے) کا بیعت ہو گیا۔

دریائے چناب کے کنارے چلہ کشی کرتا رہا ہے۔ اب شاید کثرت مجاہدات سے دماغ پر خشکی غالب آ گئی ہے۔ اور وہ کہتا ہے کہ میں امام مہدی ہوں۔ اس کے قریبی ساتھی پریشان ہیں کہ کہیں ایک متقی پرہیزگار عالم ضائع نہ ہو جائے، اب اس کا کیا کیا جائے؟ آیا آپ کے پاس بھیج دیں آپ اس کو سمجھا دیں گے۔

میں نے متوکلا علی اللہ کہا کہ بھیج دیں ان شاء اللہ اس کا مسئلہ حل ہو جائے گا۔ یہاں رک کر اس واقعہ کو ذکر کرتا چلوں جو تقریباً ۲۰۰۰ء میں پیش آ چکا ہے، ہوا یوں کہ مجھے نقشبندی سلسلہ کے ایک بہت ہی جلیل القدر صاحب نسبت بزرگ جن کا ہمیشہ مجھ فقیر کے ساتھ محبت و اعتماد کا رشتہ رہا ہے۔

مجھے فرمانے لگے کہ میرے متعلقین میں سے کسی نے خواب میں میرے متعلق مہدی ہونے کا دیکھا ہے۔ میں اس وقت سے پریشان ہوں۔ بندہ نے عرض کیا کہ پریشانی کی کیا ضرورت ہے، قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ نے خلیفہ حضرت حافظ محمد صدیق انبیٹھوی رحمہ اللہ تھے ان کو بھی غالباً یہ بشارت ملی تو جواباً حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے فرمایا: "مہدی اوسط ہونا کوئی بعید نہیں ہے۔" (مکتوبات رشیدیہ)

مہدی موعود تو سیدنا امام مہدی وہی ہونگے جن کے متعلق احادیث مبارکہ میں بشارات ہیں۔ مگر درمیان میں اللہ تعالٰی کسی کو ہدایت عطا فرما کر رشد و ہدایت کا کام لے لیں تو کیا بعید ہے۔ اس پر وہ بزرگ کافی خوش ہو گئے اور ابھی تک فقیر پر بڑا مہربان ہیں۔ اور علمی و روحانی طور پر بہت اعتماد کرتے ہیں۔

خیر بندہ کے ذہن میں تھا کہ جب اللہ جل شانہ نے وہاں مدد فرمائی تو یہاں بھی فرمادیں گے۔ خیر وہ وقت مقررہ پر میرے پاس تشریف لے آئے۔ بندہ ان کے تقوی وللہیت سے متاثر بھی ہوا، اور ذات حق جل شانہ سے مدد طلب کر کے اس سے یوں گفتگو شروع کی۔

کہ اگر کوئی آدمی کہے کہ میں جرنل ہوں تو اسے صوبیدار، میجر، برگیڈیئر کے علوم تو حاصل ہو نگے۔ اسی طرح اگر کوئی شیخ الحدیث ہو تو چھوٹے عہدے کا علم رکھتا ہے اور کیفیات کا جامع ہوتا ہے۔ دنیا میں بیک وقت چار ابدال ہوتے ہیں، تقریباً اتنے ہی قطب ہوتے ہیں اور اتنے ہی قطب تکوین۔ ان سب کا ہیڈ قطب الاقطاب ہوتا ہے۔ قطاب الاقطاب تمام اقطاب کو جانتا ہے اور ابدال اور اصحاب تکوین بھی اس کے علم میں ہوتے ہیں۔ اور وہ روحانی طور پر اپنے سر کو عرش یا اس سے بھی اوپر اور اپنے پاؤں کو تحت السری مشاہدہ کر رہا ہوتا ہے۔ قطب الاقطاب ہر دور میں ہوتا ہے کوئی زمانہ اس سے خالی نہیں ہوتا۔ پھر اس سے آگے قیوم الزماں کا مقام ہے۔ بعض حضرات نے کہا ہے کہ سو قطب الاقطاب کی کیفیات ایک قیوم الزماں کو حاصل ہوتی ہیں۔ پھر اس سے اوپر غوث ہوتا ہے۔ پھر فرد۔ فرد صدیوں بعد پیدا ہوتا ہے جیسے حضرت مجدد یا شاہ ولی اللہ۔ اب سمجھیں کہ فرد کی کیفیات کا کیا حال ہوگا۔

اور حضرت مجدد فرماتے ہیں کہ فرد کو جو کیفیت آٹے میں نمک کے برابر حاصل ہوتی ہے امام مہدی کو مکمل حاصل ہوگی۔ اس لئے ساری دنیا ہدایت سے بھر جائے گی۔ میں نے کہا کہ اب آپ خود مراقبہ کر کے دیکھ لیں کہ کیا آپ کو قطب الاقطاب کی کیفیات حاصل ہیں چونکہ وہ صاحب کشف تھے بات کو سمجھ گیا اور اپنے دعویٰ سے رجوع کر لیا۔

بات آئی گئی ہوگئی، اس وقت نہ اس پر کوئی مضمون لکھنے کا ارادہ تھا نہ بیان کا۔ بعد میں مؤرخ اسلام حضرت مولانا محمد میاں صاحب نور اللہ مرقدہ کا ایک مضمون نظر سے گزرا جو انہوں نے علمائے دیوبند کا شاندار ماضی میں ''تحریک مجددیت'' کے عنوان سے لکھا ہے۔ اس کو نقل کرنے سے قبل ایک واقعہ نقل کرنا بہت ہی مناسب ہوگا۔ کراچی میں ایک نقشبندیہ سلسلہ کے مشہور شیخ ہیں آج کل

عام طور پر غلط فہمیں اور مشائخ عظام میں ایک ایک شیخ کے ہزار ہزار خلفاء ہیں۔ نہ اصلاح ہے نہ احوال ہیں۔ جب ان کا یہ حال ہے تو مریدین کی کیا اصلاح ہوگی۔ بہر حال جن نقشبندی شیخ کا میں ذکر کر رہا ہوں وہ صاحب نسبت ولی اللہ ہیں، میرے گہرے دوست محب ومحبوب ہیں۔ مجھے ایک دفعہ فرمانے لگے کہ کسی ساتھی نے میرے بارے میں خواب دیکھا ہے کہ یہ مہدی ہے میں اس پر پریشان ہوں۔ بندہ نے عرض کیا حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے مکاتیب میں لکھا ہے کہ مہدی اوسط ہونا کوئی بعید نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ امام مہدی سے قبل بھی اولیاء کرام سے ہدایت کا کام لے لے تو ممکن ہے اس پر بہت خوش ہوئے اور مطمئن ہو گئے، یہ بات حضرت گنگوہی رحمہ اللہ حضرت حافظ محمد صدیق انبیٹھوی کے جواب میں لکھی ہے۔ حافظ صدیق صاحب کا کچھ تعارف قارئین کو کرواتے چلیں۔

"حضرت مولانا صدیق احمد صاحب رحمہ اللہ حضرت (مولانا خلیل احمد رحمہ اللہ) کے چچازاد بھائی اور ہمعصر تھے کہ بچپن سے آپ ہی کے ساتھ کھیلے اور پڑھے۔ مولانا کو حضرت کے ساتھ ابتداء سے ایک منافست کا مضمون رہا کہ جو کام حضرت کرتے وہی آپ کرتے اور پیچھے رہنا نہ چاہتے تھے۔

حضرت نے پڑھنا شروع کیا تو انہوں نے بھی شروع کیا۔ حضرت، چچا کے پاس گوالیار گئے تو یہ بھی گئے۔ حضرت انگریزی سکول میں داخل ہوئے تو یہ بھی داخل ہوئے۔ حضرت نے عربی شروع فرمائی تو انہوں نے بھی عربی شروع کی۔ حضرت دیوبند آئے تو یہ بھی آئے حضرت گنگوہ آ کر بیعت ہوئے تو یہ بھی ہوئے۔

اور حضرت نے ذکر و شغل شروع کیا تو انہوں نے بھی کیا۔ حتیٰ کہ حضرت مجاز و صاحب مجاز و صاحب نسبت ہوئے تو یہ بھی مجاز و صاحب نسبت ہوئے۔ غرض جس کام میں بھی حضرت ہاتھ ڈالتے اپنے پیچھے اور ساتھ ساتھ مولانا کو پاتے اور اس لئے خوش ہوتے اور دونوں کی محبت باہمی دن بدن بڑھتی چلی جاتی تھی۔ مولانا خود فرمایا کرتے تھے کہ مجھے تو مولانا خلیل احمد کی حرص منافست

نے بڑھایا۔

مولانا رحمہ اللہ پر برمانہ اکتساب واردات کا بکثرت ہجوم ہوااور سلوک میں آپ کو مقامات کی تفصیلی سیر کرائی گئی چنانچہ مکاتیب رشیدیہ میں آپ کے نام کے پچیس خطوط درج ہیں وہ سب اسی حالت کے مظہر ہیں۔" (تذکرۃ الخلیل:ص۲۱۸تا۲۱۹)

حافظ صاحب کو شاید مہدی ہونے کی بشارت ملی تھی جس پر حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے یہ جواب ارشاد فرمایا۔ اب ہم آتے ہیں حضرت میاں صاحب کی تحریر کی طرف۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رسالہ غوث قطب ابدال

بندہ ڈیرہ اسماعیل خان کے اک تبلیغی سفر میں بیٹھا تھا شہر کے کئی علماء کرام مجلس میں موجود تھے۔ دل میں داعیہ پیدا ہوا کہ ایک رسالہ تصنیف کیا جائے جس میں اقطاب، اوتاد، ابدال، فرد، مجدد کی کیفیات کو بیان کیا جائے، بندہ نے اس کا اظہار اس مجلس میں کیا تو ایک عالم فرمانے لگے کہ ابھی میں دل میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ آپ سے گزارش کروں کہ ایسا رسالہ تصنیف کیا جائے۔ چنانچہ یہ رسالہ لکھا گیا۔

اگر کسی کو یہ اشکال ہو کہ اب کون ان عبارات کو سمجھ سکتا ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ یہ عوام کیلئے تو نہیں لکھا گیا، سالکین کیلئے لکھا گیا ہے۔ نیز حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کے ایک مکتوب گرامی ہے کہ جس میں سلطان وقت جہانگیر کی علمی مجلس کا حال لکھتے ہیں کہ:

''اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ان محفلوں میں بھی رہی باتیں ہوتی ہیں جو خاص خلوتوں اور جلسوں میں بیان ہوا کرتی ہیں۔ اگر مجلس کا حال لکھا جائے تو دفتر ہو جائے خاص کر آج ماہ رمضان کی سترہویں رات کو انبیاء علیہم السلام کی بعثت اور عقل کے عدم استقلال اور آخرت کے ایمان اور اس کے عذاب وثواب اور رویت اور دیدار کے اثبات اور حضرت خاتم الرسل کی نبوت کی خاتمیت اور ہر صدی کے مجدد اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی اقتداء اور تراویح کے سنت اور تناسخ کے باطل ہونے اور جن جنیوں کے احوال اور ان کے عذاب وثواب کی نسبت بہت کچھ مذکور ہوا، اور بڑی خوشی سے سنتے رہے، اسی اثناء میں بہت سی چیزوں کا ذکر ہوا اور اقطاب اور اوتاد اور ابدال کے احوال اور ان کی خصوصیتوں وغیرہ کا بیان ہوا۔ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ سب کچھ قبول کرتے رہے اور کوئی تغیر ظاہر نہ ہوا۔ (مکتوبات ج ۳ ص ۷ ۱۴۱ مکتوب نمبر ۴۳ دفتر سوم)

اب اس پر کوئی یہ نہ کہے کہ یہ ایک نجی مجلس تھی نیز یہ خط بھی صاحبزادگان کے نام ہے جو خود عارفین کاملین میں سے تھے۔ جواب یہ ہے کہ حضرت مجدد کی مجلس میں بادشاہ وقت جہانگیر اور اس کے

حواس موجود تھے اور یہ حضرات تصوف وسلوک کی منازل طے نہیں کئے ہوئے تھے۔ بلکہ یہ واقعہ حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کے اسیری کے بعد بادشاہ کے دربار میں شریک کئے جاتے تھے اور ابھی بادشاہ جہانگیر آپ سے مانوس ہو رہا تھا۔ نیز مکاتیب کے بارے میں رئیس المناظرین حضرت مولانا منظور احمد نعمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

"اور معلوم ہے کہ آپ کے مکاتیب اگرچہ کسی خاص ہی شخص کے نام لکھے جاتے تھے اور بظاہر ان کی حیثیت نجی خطوط ہی کی ہوتی تھی، لیکن ان کی اشاعت وتداول اور نقل در نقل کا ایسا اہتمام تھا کہ گویا اس غیر اخباری زمانہ میں آپ کے یہاں سے "مجدد گزٹ" نکلتا تھا۔ آپ کے خلفاء تمام اطراف ملک میں بلکہ ہندوستان سے باہر ماوراء النہر بدخشاں، خراسان، توران اور طالقان وغیرہ وغیرہ میں بھی پھیلے ہوئے تھے، یا یوں کہیے کہ ایک خاص نظام اور نقشہ کے مطابق آپ نے ان کو مختلف مرکزوں میں بٹھا دیا تھا۔

اور یہ سب ہی مختلف ذرائع سے مکتوبات شریف کی نقلیں حاصل کرتے رہتے تھے۔ اس لئے آپ کے مکاتیب کی حیثیت فی الحقیقت نجی نہ تھی۔ بلکہ درحقیقت وہ تبلیغ واشاعت کا ایک نہایت منظم اور مؤثر سلسلہ تھا۔" (تذکرہ امام ربانی مجدد الف ثانی، ص ۱۷۷)

حضرت اقدس محمد میاں صاحب جو کہ اپنے وقت کے عظیم محدث، فقیہ، مؤرخ تھے۔ اپنی مایہ ناز کتاب "علمائے ہند کا شاندار ماضی" کے اندر مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کے حالات کے تحت لکھتے ہیں کہ:

بات یاد رکھنی چاہیے کہ اپنے حالات کو اپنے شیخ سے پوشیدہ رکھنا اہل طریقت کے نزدیک کفر طریقت ہے۔ اس طرح کبھی ارشاد وتعلیم کے لئے بعض واردات وحالات کا بتانا ضروری ہوتا ہے، تاکہ ارباب طریقت فائدہ حاصل کر سکیں اور کبھی کیفیات وحالات کا غلبہ اظہار حقیقت پر مجبور کر دیتا ہے۔ (جلد اول ص ۱۸۶ حاشیہ)

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کے ایک مرید حسن خان افغان نے حضرت کی طرف

جھوٹے مکاشفات منسوب کر کے بدنام کرنے کی کوشش کی تو حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ نے ان کو بددعا دی۔ چنانچہ وہ شخص بخارا میں ارتداد کی تہمت میں قتل کر دیا گیا۔

(علمائے ہند کا شاندار ماضی: ج۱ص۱۸۲)

مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ اولیاء کرام کی شطحی عبارات کے بارے میں لکھتے ہیں:

''بڑی دقت ان لوگوں کو معانی کی فراوانی ووسعت اور الفاظ کی تنگنائی ونامساعدت سے پیش آتی ہے۔ ناچار بنگام تعبیر وبیان جو الفاظ سامنے آجاتے ہیں، انہیں سے کام لینا پڑتا ہے۔ نافہموں کیلئے وہ الفاظ فتنہ بن جاتے ہیں۔

مقلدین اور معتقدین ان کو حجت گردانتے ہیں، اور منکرین ومتعصبین آلہ انکار وتکفیر۔ لیکن ارباب حق واقتصاد یا تو ان کی تاویل کرتے ہیں یا ان کے معاملہ کو عالم السرائر کے حوالہ کر دیتے ہیں۔

البتہ عمل واعتقاد ہر حال میں احکام شریعت وظواہر نصوص کتاب وسنت پر ہے اور ان کے سوا کوئی نہیں جو معیار حق وباطل اور حجۃ وبرہان ہو۔''

(تذکرہ: ص۳۳ بحوالہ علمائے ہند کا شاندار ماضی: ج۱ص۳۱۶)

حضرت مولانا محمد میاں رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''ایک دفعہ حضرت (مجدد الف ثانی رحمہ اللہ) کو زیارت بیت اللہ کا شوق حد سے زیادہ ہوا۔ ایک روز اسی بیقراری میں آپ نے دیکھا کہ تمام جنات انسان نماز پڑھ رہے ہیں، اور سجدہ حضرت کی جانب کر رہے ہیں۔ حضرت اس معاملہ سے بہت زیادہ متحیر ہوئے۔ اور کشف کے طور پر اس کی حقیقت دریافت کرنا چاہی۔

معلوم ہوا کہ کعبہ معظمہ آپ کی ملاقات کے واسطے آیا ہے اور اس نے آپ کا احاطہ کر رکھا ہے۔ لہٰذا جو شخص کعبہ کو سجدہ کرتا ہے وہ آپ کی طرف معلوم ہوتا ہے۔ اسی اثناء میں الہام ہوا کہ تو ہمیشہ زیارت کعبہ کا مشتاق رہتا تھا، لہٰذا ہم نے کعبہ کو تیری زیارت کیلئے بھیج دیا ہے۔''

(علمائے ہند کا شاندار ماضی: ج۱ص۱۶۰)

مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کو یہ جو کیفیت پیش آئی یہ دراصل قطب الاقطاب کی کیفیت ہے اس لئے کہ اس کو اپنا جسم اتنا لمبا نظر آتا ہے کہ سر ذات حق کے سامنے فوق العرش اور قدم تحت السری اور پوری کائنات اس کے اردگرد چکی کے پاٹ کی طرح گھومتی ہے اور طواف کرتی ہے۔ کیفیت ہر وقت رہتی ہے اگرچہ قطب الاقطاب کو اس کا ادراک کبھی ہو کبھی نہ ہو۔

قطب غوث فرد جامع ہے اور اسکی تفصیل یہ ہے کہ ارباب معارف کی ایک قسم نقباء کی ہے کہ جو نفوس کے پوشیدہ امور کا استخراج فرماتے ہیں اور یہ نقباء دس اعمال میں دوسروں سے ممتاز ہوتے ہیں۔ ان میں چار ظاہری اعمال ہیں اور چھ باطنی۔

ظاہری چار اعمال:

۱: کثرت عبادت۔ ۲: کمال ورع وزہد کے ساتھ تحقیق کرنا۔ ۳: اپنے ارادہ سے تجرد یعنی اپنا کوئی ارادہ نہیں رکھتے اپنے افعال کو ذات حق کے سپرد رکھتے ہیں اور رضا بالقضا کی تصویر ہوتے ہیں۔ ۴: قوت مجاہدہ۔

باطنی چھ اعمال:

۱: صدق توبہ ۲: انابت یعنی ہر وقت ذات حق کی طرف متوجہ رہنا۔ ۳: اپنے اعمال کا محاسبہ ۴: تفکر ۵: کتاب وسنت پر پختگی سے عمل۔ ۶: کثرت ریاضت۔

اور یہ گروہ ہمیشہ تین سو رہتے ہیں۔

نجباء:

اور ایک قسم ارباب معرفت کی نجباء ہیں اور وہ ہمیشہ مخلوق کے بھاری کاموں کو کرتے رہتے ہیں اور یہ آٹھ اعمال میں دوسروں سے ممتاز ہوتے ہیں ان میں سے چار ظاہرہ اور چار باطنہ ہیں۔

چار اعمال ظاہرہ:

(۱) فتوت

(۲) تواضع

(۳) ادب

(۴) کثرت عبادت

چار باطنی یہ ہیں:

(۱) صبر

(۲) رضا

(۳) شکر

(۴) حیاء

اور یہ گروہ صاحب مکارم اخلاق ہیں اور یہ چالیس آدمی ہوتے ہیں اور بعضے کہتے ہیں کہ یہ ستر آدمی ہوتے ہیں۔

ابدال:

اور ایک قسم اصحاب معارف کی ابدال ہیں اور وہ اہل کمال واستقامت واعتدال ہیں وہم وقیاس سے پاک اور حق تعالیٰ میں واصل ہیں۔ یہ گروہ بھی آٹھ صفتوں میں دوسروں سے امتیاز رکھتے ہیں۔ چار ظاہری اور چار باطنی۔

چار ظاہری یہ ہیں:

(۱) سکوت

(۲) بیداری

(۳) بھوک گرسنگی

(۴) عزلت وخلوت (مخلوق سے دور رہنا)

اور ظاہر کے لیے ظاہر بھی ہے اور باطن بھی۔

(۱) ظاہر سکوت۔ اس کلام کو جو خدا کے ذکر سے خالی ہو اس کو ترک کرنا۔ باطن سکوت۔ دل کو مخلوق

کی اخبار کے ساتھ مشغول نہ کرنا

(۲) ظاہر۔ بیداری نہ نیند کرنا۔ باطن۔ بیداری حق جل شانہ سے غافل نہ ہو

(۳) ظاہری بھوک۔ کھانے پینے کی چیزوں کی خواہش نہ رکھنا۔ باطن بھوک۔ نفس کو اسکی مرضیات نہ دینا اسکی پھر دو قسمیں ہیں۔ ابرار تو نفس کی خواہشات پر عمل نہیں کرتے تاکہ سلوک مکمل ہو کر واصل بحق ہو جائیں اور مقربین اس لئے نفس کو اسکی مرضیات سے دور رکھتے ہیں تاکہ مزید عالم غیب کے مشاہدات نصیب ہوں کشف صاف رہے۔

(۴) ظاہر عزلت۔ مخلوق سے اختلاط کا نہ رکھنا۔ باطن عزلت۔ جمیع مخلوقات سے اختلاط ختم کرنا (پھر یہ دو قسم پر ہے کہ جسم تمام مخلوق سے دور رکھے۔ دوسرا روح کو صرف ذات حق کی سیر میں رکھے مخلوق کی طرف نہ لائے۔ از محمود) حتیٰ کہ اہل وعیال اور اپنے نفس سے بھی۔

اور چار صفات باطنہ اس گروہ کی یہ ہیں۔

(۱) تجرید۔ قلبی وروحانی طور پر مخلوق سے علیحدگی اختیار کر لینا (۲) تفرید۔ قلبی و روحانی طور پر علیحدہ رکھنا (حتیٰ کہ غیر کا خیال بھی نہ آئے اسی لئے حبس نفس کروایا جاتا ہے تاکہ غیر کا خیال بھی نہ آئے۔ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں "پس معلوم ہوا کہ ولایت ظلی میں موت کے بعد جبکہ وہم معدوم ہو جائے، وہم سے خلاصی حاصل ہوتی ہے لیکن ولایت اصلی میں جو ولایت کبریٰ ہے اسی جہاں میں وہم وخیال کی قید سے آزادی حاصل ہو جاتی ہے اور وہم کے باوجود وہم کی قید سے آزاد ہوتے ہیں۔"

پہلے گروہ کو جو کچھ آخرت میں جا کر حاصل ہوگا وہ دوسرے گروہ کو اسی جگہ میسر ہوتا ہے۔ ولایت ظلی میں حصول مطلب اس جہاں میں وہم وخیال کا تراشیدہ اور بنایا ہوا ہوتا ہے اور ولایت اصلی میں مطلوب وہم کی تراش وخراش سے منزہ ومبرا ہوتا ہے۔ شاید حضرت مولانا رومؒ وہم وخیال کے احاطہ اور قید سے تنگ آ کر موت کی آرزو کرتے ہیں تاکہ وہم وخیال سے اپنے مطلوب کو پائیں اوائل موت میں سے منع کر کے فرماتے ہیں۔

من شوم عریاں زتن اواز خیال

تاخرام در نہایات الوصال

(ترجمہ) دور ہوں مجھ سے یہ سب وہم وخیال تا کہ پاؤں یار کا اعلیٰ وصال

(مکتوبات ص۳۲ ج ۲)(از محمود)

(۴) توحید۔ جسطرح حضرت امام العارفین حضرت لاہوریؒ کی توحید تھی کہ گھر آ کر بیوی سے کھانا طلب کرنا بھی توحید کے خلاف سمجھتے تھے۔ اگر خود مل جاتا کھا لیتے ورنہ بھوکے باہر آ جاتے۔ (از محمود)

اس گروہ کا خاصہ ہے کہ جس وقت کسی قوم یا مقام سے سفر کرتے ہیں اپنے جسد کو اپنی صورت پر بجائے خود چھوڑ آتے ہیں کہ انکا جسد انکا بدل ہے نہ کہ اس کے سوا ان کا کوئی بدل ہے۔ اور ان کیلئے ایک امام مقدم رہتا ہے کہ برکات اسی سے لیتے ہیں (فقیر کہتا ہے کہ یہ اپنی جگہ سے روحانی طور پر جب کسی اجلاس میں شرکت کیلئے جاتے ہیں تو انکا ظاہری جسم انکا بدل بن کر وہیں رہتا ہے ظاہر بین سمجھتے ہیں کہ یہیں موجود ہے اس لئے ابدال کہہ دیتے ہیں یا یہ کہ یہ صرف چالیس ہیں ایک فوت ہوا تو دوسرا اس کے مقام پر آ جاتا ہے جیسا کہ حضرت پیران پیر کے واقعہ سے معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے کہ فقیر اس دور کے کئی ابدالوں کو جانتا ہے مگر کسی میں یہ خاصہ نہیں پایا جاتا بطور کرامت کسی سے یہ بھی پایا جائے تو انکار نہیں ہر ابدال کیلئے لازم نہیں۔ (از محمود)

اور وہ اس امام سے برکات لیتے ہیں اور اسکے ساتھ اقتدا کرتے ہیں ان کا وہ امام قطب ہوتا ہے اور یہ گروہ ابدال حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے قلب پر ہوتے ہیں اور یہ سات تن ہوتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ چالیس ہوتے ہیں اور سات تن اخیار ہیں اور وہی امام مقدم جو ابدالوں کا قطب ہے اخیاروں کا بھی وہی قطب ہے۔

اوتاد:

ایک اور قسم ارباب معارف کی اوتاد ہیں۔ یہ چار تن ہوتے ہیں اور اطراف عالم کے ہر گوشے میں

ان میں سے ایک موجود ہوتا ہے۔ یعنی ایک مغرب دوسرا مشرق، تیسرا شمال، چوتھا جنوب میں ہوتا ہے اور ان کیلئے آٹھ اعمال مخصوص ہیں۔ چار ظاہری، چار باطنی۔

اگر کسی بات پر قسم کھالے تو اللہ اس کی بات پوری کر دے جیسا کہ نبی اقدس ﷺ کے زمانے میں حضرت اویس قرنیؓ تھے۔

قطب:

اور ایک قسم ارباب معارف سے قطب فرد جامع ہے اور کوئی شخص قطلب فرد جامع نہیں ہوتا جب تک اس میں تمام صفات امامان وغوث واوتاد وابدال ونجباء ونقباء وامنا کی نہ پائی جائیں۔

فرد:

ایک قسم فرد کی ہوتی ہے ان کو قطب بھی نہیں پہچانتا اور یہ اولیائی تحت قبائی لا یعرفهم سوائی کے مصداق ہوتے ہیں اور یہ ہمیشہ مسند راحت وانبساط ووصل ونشاط پر آرام فرماتے ہیں لیکن ان میں سے بہت سے صاحب ارشاد و ہدایت ہوتے ہیں اور جاننا چاہیے کہ امناء ملامتیہ ہیں۔ ظاہر میں ان کا کوئی اثر نظر نہیں آرہا ہوتا بلکہ اکثر ارباب ظاہر کو ان کے بعض افعال خلاف شریعت نظر آتے ہیں جو کہ حقیقت میں نہیں ہوتے اور حقیقت میں ہو بھی کیسے سکتے ہیں کہ ترقی کا مدار تو سنت رسول کی اتباع پر ہے اور جو خلاف شریعت کرے اسکو قرب الہی کیسے حاصل ہوسکتا ہے۔

خلاف پیمبر کسے را گزید
کہ ہرگز بمنزل نہ خواہد رسید

اور جو ارباب ظاہر کی آنکھوں سے اگر ان کے کسی فعل کو خلاف شریعت محسوس کرتے ہیں تو یہ ان کی نظر کی کوتاہی ہے اور قصور ہے نہ کہ بزرگان کا قصور

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم
چشمہ آفتاب راچہ گناہ

ظاہر چار اعمال:

(۱) کثرت صیام

(۲) لوگ جو سوتے ہیں یہ کثرت سے قیام کرتے ہیں

(۳) پوشیدہ طور پر کثرت سے ایثار کرتے ہیں۔

(۴) سحری کے وقت کثرت سے استغفار کرتے ہیں

اور چار باطنی یہ ہیں:

(۱) توکل

(۲) تفویض

(۳) ثقہ باللہ

(۴) تسلیم۔

اوران کیلئے بھی ان کے گروہ کا ایک قطب ہوتا ہے۔

امامان:

اور ایک گروہ ارباب معارف میں سے امامان کا ہے اور یہ دو شخص ہیں ایک داہنی طرف قطب کے رہتا ہے اور دوسرا بائیں طرف اور دائیں طرف والا بائیں طرف والے سے افضل ہوتا ہے کیونکہ دائیں جانب والے کی نظر ملکوت پر ہوتی ہے اور یہ قطب کا خلیفہ ہوتا ہے اور بائیں جانب والے کی نظر ملک پر ہوتی ہے اور یہ دائیں جانب والے کا خلیفہ ہوتا ہے اور ان کے لئے بھی اعمال مخصوص ہیں۔

چار ظاہرہ اور چار باطنہ۔

چار ظاہرہ یہ ہیں۔ (۱) زہد (۲) ورع (۳) امر بالمعروف (۴) نہی عن المنکر

چار باطنہ یہ ہیں۔ (۱) صدق (۲) اخلاص (۳) حیاء (۴) مراقبہ

غوث:

اور ایک قسم ارباب معارف میں سے غوث ہے یہ عظیم مرتبہ رکھتا ہوتا ہے اور کریم سردار ہوتا ہے اور آدمی حالت اضطرار میں اسی کے محتاج ہوتے ہیں۔ اور چھپے ہوئے رازوں کا افشا اور اہم علوم کا اظہار اس سے چاہتے ہیں اور طالبین اس سے دعا کرواتے ہیں اور وہ مستجاب الدعوات ہوتا ہے اور وہ حدیث صحیح لـو اقـسـم عـلـى الله لابـره کا مصداق ہوتا ہے۔ یعنی نفس الامر میں کسی چیز کا خلاف شریعت ہونا اور چیز ہے اور ناقصوں کی نظر کے اعتبار سے ہونا اور چیز ہے۔ والعیب فی الاول لافی الثانی اور ان کا اس رنگ میں رہنا بھی ایک راز و بھید ہے کہ اس کے اظہار میں مصلحت عظیم کی مخالفت ہے۔ البتہ یہ لوگ رشد و ہدایت کے قابل نہیں ہوتے۔ اس لئے کہ ان کے مریدین کو بجائے نفع کے نقصان پہنچنے کا زیادہ اندیشہ ہے۔ (افادات از شمائم امدادیہ ص ۲۱ تا ۲۴)

حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ:

حضرت لکھتے ہیں۔

علاوہ ازیں ایک دن مجھ پر ذات حق کی نظر کا فیضان ہوا اور یہ وہ چیز ہے جو انبیاء میں سے صرف ہمارے ہی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نصیب ہوئی ہے۔ جیسا کہ تدلی کے سلسلہ میں ہم ابھی بیان کر چکے ہیں کہ ذات حق کی نظر کا یہ فیضان آپ کی ذات کے لئے خاص تھا اور جب آپ عالم ناسوت میں تشریف لائے تو وہ فیضان بھی عالم ناسوت میں آپ کے ساتھ منتقل ہو گیا۔ الغرض جب مجھ پر ذات حق کی نظر کا یہ فیضان ہوا تو میں بھی پوری توجہ سے ادھر ملتفت ہوا۔ اس سے اس فیضان کا ایک رنگ میرے اندر جاگزین ہو گیا۔ اور اس وقت میں نے اپنے آپ کو یوں محسوس کیا جیسے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ میری طرف دیکھ رہا ہے۔ چنانچہ مجھے یقین ہو گیا کہ ذات حق کی یہ جو نظر ہے اور جس کا مطمع میں بنا ہوں۔ اس کی خصوصیت یہ ہے کہ جس شخص پر ذات حق کی اس نظر کا فیضان ہوتا ہے وہ شخص جب کسی جگہ بیٹھ کر اپنے رب کا ذکر کرتا ہے تو تمام کی تمام زمینیں اور سارے کے سارے آسمان اسکی پیروی کرتے ہیں اور خاص طور پر زمین کے وہ اجزاء جو پاتال تک نیچے چلے گئے ہیں اور فضا کے وہ حصے جو ساتویں آسمان بلکہ فرش تک پھیلے ہوئے ہیں اور نیز جب یہ نظر حق

کسی شخص میں جاگزین ہو جائے تو وہ قطب بن جاتا ہے۔ (فیوض الحرمین ص ۱۵۹)

حضرت دوسرے مقام پر لکھتے ہیں۔

جب کوئی ولی اپنی قوت عزم میں اس منزل پر پہنچ جاتا ہے تو شخص اکبر کی طرف سے اس کے سویدائے قلب کو خلعت قطبیت سے سرفراز کیا جاتا ہے اور یہ شخص لوگوں کیلئے ملجاو ماوی اوران کے بکھیرے ہوؤں کو سمیٹنے والا بن جاتا ہے۔ لیکن میرے نزدیک یہ ضروری نہیں کہ ان اوصاف کا حامل ایک وقت میں صرف ایک فرد ہی ہو۔ بلکہ ہو سکتا ہے کہ اس منزل کمال تک دو تین یا اس سے زیادہ بھی پہنچ جائیں، لیکن ہر شخص جو اس بارگاہ کمال تک پہنچتا ہے وہ اپنے اس مقام پر اپنے رب کو یوں دیکھتا ہے جیسے کہ وہ یہاں اکیلا ہی ہے۔ (فیوض الحرمین ص ۲۹۴)

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی لکھتے ہیں

میرے مخدوم قطب الاقطاب صاحب علم ہے اور شہروں کے اقطاب اسکے اجزاء اور ہاتھ پاؤں کی طرح ہیں۔ بعض کو اپنے مدار ہونے کا علم ہوتا ہے بعض کو نہیں۔ (مکتوبات ص ۶۰ ج ۲)

دوسرے مقام پر لکھتے ہیں۔

اے فرزند! نبی علیہ الصلاۃ والسلام کا کامل تابعدار تابعداری کے سبب جب کمالات نبوت کو تمام کر لیتا ہے تو پھر وہ اگر اہل مناصب سے ہے تو منصب امامت سے اس کو سرفراز کرتے ہیں اور جب ولایت کبریٰ کے کمالات کو تمام کر لیتا ہے اور اہل منصب سے ہوتا ہے تو اس کو منصب خلافت سے مشرف کرتے ہیں اور کمالات ظلی کے مقامات سے منصب امامت کے مناسب قطب ارشاد کا منصب ہے اور منصب خلافت کے مناسب قطب مدار کا منصب گویا نیچے کے یہ دونوں مقام ان اوپر کے دونوں مقاموں کا ظل ہیں، شیخ محی الدین ابن عربی کے نزدیک غوث بھی قطب مدار ہے ان کے نزدیک غوثیت کا علیحدہ مرتبہ نہیں ہے لیکن جو فقیر کا اعتقاد ہے وہ یہ ہے کہ غوث قطب مدار نہیں بلکہ قطب اس سے بعض امور میں مدد لیتا ہے اور ابدال کے مراتب مقرر کرنے میں بھی اس کا دخل ہے۔ ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم یہ اللہ کا فضل ہے جسکو

چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔ (مکتوبات ص ۵۹۱، ۵۹۲ ج ۱)

نیز لکھتے ہیں۔

اے بھائی! چونکہ حضرت امیرؓ ولایت محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا بوجھ اٹھانے والے ہیں۔ اسلئے اقطاب وابدال واوتاد (جو اولیائے عزلت میں سے ہیں اور کمال ولایت کی جانب ان میں غالب ہے) کے مقام کی تربیت آنحضرت کی امداد واعانت کے سپرد ہے۔

قطب الاقطاب یعنی قطب مدار کا سر آنحضرت ﷺ کے قدم کے نیچے ہے۔ قطب مدار انہی کی حمایت و رعایت سے اپنے ضروری امور سرانجام کرتا ہے اور مداریت سے عہدہ برا ہوتا ہے۔ حضرت فاطمہؓ اور امامین بھی اس مقام میں حضرت امیرؓ کے ساتھ شریک ہیں۔ (مکتوبات ص ۵۴۸ ج ۱)

نیز لکھتے ہیں۔

آپ کا مکتوب شریف جو ایک درویش کے ہمراہ ارسال کیا تھا، پہنچا۔ بہت خوشی ہوئی آپ نے پوچھا تھا کہ قطب، قطب الاقطاب وغوث وخلیفہ کے کیا معنی ہیں اور ہر ایک ان میں سے کس کس خدمت پر مامور ہے اور اپنی خدمت کی نسبت اطلاع رکھتے ہیں یا نہیں اور قطب الاقطاب کی بشارت جو عالم غیب سے پہنچتی ہے۔ کچھ اصل رکھتی ہے یا کہ وہم وخیال کا اختراع ہے؟

جاننا چاہیے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کامل تابعدار کامل تابعداری کے باعث جب مقام نبوت کے کمالات کو تمام کر لیتے ہیں تو ان میں سے بعض کو منصب امامت سے سرفراز کرتے ہیں اور بعض کو صرف اس کمال کے حاصل ہونے پر کفایت فرماتے ہیں۔ یہ دونوں بزرگ اس کمال کے نفس حصول میں برابر ہیں۔ فرق صرف منصب اور عدم منصب اور ان امور میں جو ہے جو اس منصب سے تعلق رکھتے ہیں اور جب کامل تابعدار ولایت نبوت کے کمالات کو تمام کر لیتے ہیں تو ان میں سے بعض کو منصب خلافت سے مشرف فرماتے ہیں اور بعض کو صرف ان کمالات کے حاصل ہونے پر کفایت کرتے ہیں جس طرح کہ اوپر گزرا۔

یہ دونوں منصب کمالات اصلیہ سے تعلق رکھتے ہیں اور کمالات ظلیہ میں منصب امامت کے مناسب قطب ارشاد کا منصب ہے اور منصب خلافت کے مناسب قطب مدار کا منصب گویا یہ دونوں مقام جو تحت میں ہیں ان دونوں مقاموں کے جو اوپر میں ہیں ظل ہیں۔

اور شیخ محی الدین ابن عربیؒ کے نزدیک غوث یہی قطب ہے اس کے نزدیک منصب غوثیت منصب قطبیت سے علیحدہ منصب نہیں ہے اور جو کچھ فقیر کا عقیدہ ہے وہ یہ ہے کہ غوث قطب مدار سے الگ ہے بلکہ اس کے روزگار کا ممد و معاون ہے۔ قطب مدار بعض امور میں اس سے مدد لیتا ہے اور ابدال کے منصب مقرر کرنے میں بھی اس کا دخل ہے۔ اور قطب کو اس کے اعوان وانصار کے اعتبار سے قطب الاقطاب بھی کہتے ہیں کیونکہ قطب الاقطاب کے اعوان وانصار حکمی ہیں۔ اسی واسطے صاحب فتوحات مکیہ لکھتا ہے کہ ما من قرية مومنة كانت او كافرة الافيها قطب مومنوں اور کافروں کا کوئی ایسا گاؤں نہیں جہاں قطب نہ ہو۔

جاننا چاہیے کہ صاحب منصب کو اپنے منصب کا علم ہوتا ہے اور وہ جو اس منصب کا کمال رکھتا ہے منصب نہیں رکھتا اس کے لئے لازم نہیں کہ صاحب علم ہو اور اپنی خدمت سے مطلع ہو۔ اور وہ بشارت جو عالم غیب سے پہنچتی ہے وہ اس مقام کے کمالات حاصل ہونیکی بشارت ہے نہ اس مقام کے منصب کی بشارت جو علم سے وابستہ ہے۔ (مکتوبات ۵۵۹ تا ۵۶۰ ج ا مکتوب نمبر ۲۵۶)

نیز لکھتے ہیں۔

معرفت، اس گروہ میں بعض کی عبارت میں واقع ہے کہ اقطاب کیلئے تجلی صفات ہے اور افراد کیلئے تجلی ذات۔ اس سخن میں تامل کی مجال ہے کیونکہ قطب محمدی مشرف ہے اور محمدیوں کی تجلی ذات ہے۔ ہاں اس تجلی میں بھی بہت تفاوت ہے۔ وہ قرب جو افراد کے لئے ہے اقطاب کیلئے نہیں ہے لیکن ہر دو کو تجلی ذات سے حصہ حاصل ہے۔ ہاں اگر قطب سے مراد قطب ابدال ہو جو حضرت اسرائیل علیہ السلام کے قدم پر ہے نہ کہ حضرت محمد ﷺ کے قدم پر تو پھر یہ بات درست ہے۔ (مکتوبات ص ۳۳۷ ج ا)

حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں۔

اس فرد کے احکام میں سے ایک حکم یہ ہے کہ فرد کو "محبت ذاتی" عطا ہوتی ہے۔ محبت ذاتی عبارت ہے نقطہ حبیہ سے جو اپنے علم، حال اور نشاۃ میں اس مقام کی طرف لوٹتا ہے جہاں سے کہ اس کی حرکت کی ابتداء ہوئی تھی۔ باقی رہے فرد کے علاوہ اور لوگ، تو ان کو یہ نعمت نصیب نہیں ہوتی اور فرد کے ان احکام میں سے ایک حکم یہ بھی ہے کہ فرد کا ایک نشأۃ سے دوسری نشأۃ میں منتقل ہونے کا حقیقی سبب صرف محبت ذاتی ہوتا ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ فرد کا جب ایک نشأۃ کے مستقر میں ورود ہوتا ہے تو اس حالت میں اس کے لیے ضروری ہے کہ اس خاص نشأۃ کے جو احکام ہیں، ان کی طرف وہ کچھ دیر التفات کرے، اور اس نشأۃ کی جو آخری بلندی ہے اس سے فرد کا اتصال ہو، اور اس پر وہ پوری طرح قابو پالے۔ چنانچہ اس مقام پر فرد سے وہ باتیں ظاہر ہوتی ہیں جو فرد کے سوا دوسرے سے ظاہر نہیں ہوتیں۔ الغرض جب فرد اس نشأۃ کی آخری حد تک کو طے کر لے تو اس کیلئے ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو اس نشأۃ سے اس طرح نکال لے جیسے ایک بچہ ماں کے پیٹ سے نکل آتا ہے اور وہ اپنے آپ کو بطن مادر کی حالت یعنی "نشأۃ جنینہ" سے الگ کر لیتا ہے۔ اس ضمن میں فرد کی ایک نشأۃ سے باہر آنے کی ایک صورت یہ ہوتی ہے کہ جب وہ وقت آتا ہے کہ فرد ایک نشأۃ کی منزل کو ختم کر کے باہر نکلے تو وہ نقطہ حبیہ جو اس کے اندر ہوتا ہے، وہ اپنے اصلی مقام شرف اور اپنی پہلی بسیط حالت کو یاد کرتا ہے اور اس کی طرف اس نقطہ حبیہ کا اشتیاق بڑھ جاتا ہے۔ چنانچہ اس نقطہ حبیہ کا خود اپنے اصلی مقام اور اپنی پہلی حالت کے لئے سرگشتہ و شیفتہ ہونا محبت ذاتی ہے۔ اور اس محبت ذاتی کی خصوصیت یہ ہے کہ جب فرد سے اس نشأۃ کے علائق کٹ جاتے ہیں۔ جس میں کہ وہ ہو اور وہ مر جاتا ہے اور اس کا نسمہ اس کے کثیف ارضی جسم سے الگ ہو جاتا ہے اور اس کے بعد جب وہ وقت آتا ہے کہ اس کے نسمے سے اس کی روح بھی الگ ہو تو پھر نقطہ حبیہ کی محبت و شیفتگی اور اس کی نشأۃ سے بے تعلقی واپس آ جاتی ہے اور اسی طرح جب روح کے الگ ہونے کا وقت قریب ہوتا ہے تو پھر نقطہ حبیہ کی محبت و شیفتگی اور نشأۃ سے

اس کی بے تعلقی اس کی طرف لوٹتی ہے۔ یہ سلسلہ برابر جاری رہتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ نقطہ حبیہ اپنے اصلی مقام شرف سے جہاں کہ وہ پہلے بسیط حالت میں تھا، جا کر مل جاتا ہے۔

باقی رہا نقطہ حبیہ کا بدن کے نشأۃ پر سواری کرنا، یعنی اس پر پوری طرح قابو پالینا، تو یہ چیز انبیاء میں تو بالکل ظاہر ہے۔ البتہ انبیاء کے علاوہ اور جو لوگ ہیں وہ انبیاء کی وراثت کے جو مناصب ہیں جیسے کہ مجددیت اور قطبیت اور ان کے آثار و احکام کا ظہور۔ یہ ان کے حامل ہوتے ہیں۔ (فیوض الحرمین ص ۳۰۷)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں۔

میں خانہ کعبہ کا طواف کر رہا تھا کہ میں نے اپنا نور دیکھا۔ جو بڑا عظیم الشان تھا اور جس نے کہ تمام اقلیموں کو ڈھانپ لیا اور ان اقلیموں میں رہنے والوں پر اس کی روشنی غالب آ گئی اور اس سے میں یہ سمجھا کہ یہ قطبیت جو مجھے دی گئی ہے، اسکا نور ہے۔ اور قطبیت سے میری مراد ارشادیت ہے۔ اور یہ قطبیت ہی کا نور ہے کہ جس کی روشنی سب پر غالب آ گئی اور اس پر کسی کی روشنی غالب نہیں آتی اور اس کا نور سب کو زیر کرتا ہے، لیکن وہ خود کسی سے زیر نہیں ہوتا اور کوئی ایسی چیز نہیں جس کو یہ نور اپنے اثر میں نہ لاسکے لیکن خود اس کی حالت یہ ہے کہ وہ کسی کے اثر میں نہیں آتا، تمہیں چاہیے کہ اس مسئلے میں خوب غور و تدبر کرو۔ (فیوض الحرمین ص ۲۲۹)

ہمارے حضرت (مجدد الف ثانیؒ) نے لکھا ہے کہ حضرت خواجہ علاء الدین عطار قدس سرہ باوجود نسبت ولایت وصدیقیت کے معیت ذاتیہ کی راہ سے غیب ذات تک گئے ہیں اور نقطہ نہایت میں واصل ہوئے اور بقا پیدا کی اور اس بقا میں قطب ارشاد ہوئے۔ کیونکہ قطبیت ارشاد بلکہ قطبیت مدار کا حصول اسی نقطہ تک وصول ہونے پر موقوف ہے۔ جب تک اس مقام میں فنا اور بقا نہ پیدا کی جائے ان دونوں قطبیت کے وجود تک نہیں پہنچ سکتے۔ (حضرات القدس ص ۲۱۸ جلد اول)

بحر العلوم سلطان العلماء حضرت علامہ خالد محمود مدظلہم لکھتے ہیں۔

احسان وسلوک کی وادی کے اہل خدمت:

الحمدللہ و السلام علی عبادہ الذین اصطفٰی اما بعد.

ہم پیچھے ان حضرات کا کچھ اجمالاً ذکر کر آئے ہیں۔ ان کا نظام کس طرح چلتا ہے اسے اہل تکوین ہی سمجھ سکتے ہیں تاہم کچھ مختصری تفصیل یہاں گزارش کی جاتی ہے۔

ارباب ولایت میں اہل ریاضت کی سربراہی قطب الارشاد کے پاس رہتی ہے اور اہل خدمت کی قطب تکوین کے۔ یہ اپنا کام کرتے ہیں اور شریعت کا کوئی کام ان پر موقوف نہیں رکھا گیا ان کی برکات تکوینی طور پر ظہور میں آتی ہیں۔ مشہور تابعی شریح بن عبید کہتے ہیں کہ حضرت علی کے پاس اہل شام کا ذکر ہوا اور کسی نے آپ سے کہا کہ حضرت ان پر لعنت فرمادیں آپ نے کہا ہرگز نہیں۔ کیونکہ میں نے آنحضرت ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے۔

الابدال یکونون بالشام وھم اربعون رجلا کلما مات رجل ابدل اللہ مکانہ رجلا یسقی بھم الغیث و ینتصر بھم علی الاعداء و یصرف عن اھل الشام بھم العذاب. (مسند امام احمد۔ مشکوٰۃ ص ۵۸۲)

(ترجمہ) ابدال شام میں ہوتے ہیں اور وہ چالیس مرد ہیں جب کوئی ان میں سے فوت ہوجائے تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ کسی دوسرے شخص کو لے آتے ہیں بارشیں انہی کے دم قدم سے ہوتی ہیں اور دشمنوں پر فتح انہی کے واسطے سے مانگی جاتی ہے اور اہل شام سے اترتے عذاب کو روکا جاتا ہے۔

اس سے پتہ چلا کہ اھل ولایت کی برکات ان کے قریب والوں کو اور ان سے وابستہ لوگوں کو بھی ملتی ہیں۔ ان کی برکت سے کئی مصائب ان سے رکے رہتے ہیں بلکہ بعض عارفین نے کہا ہے کہ ان کے وجود سے ہی لوگوں سے عذاب اٹھا رہتا ہے۔ حضور ﷺ کے وجود باوجود کا صدقہ یہ امت عذاب عامہ سے محفوظ رہی۔

وما کان اللہ لیعذبھم و انت فیھم (پ۹ الانفال) اور حضور کے بعد آپ کی دعا سے اس امت پر عذاب عامہ نہ آئے گا امام جلال الدین سیوطی (۹۱۱ھ) مذکورہ بالا حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

رجالہ رجال الصحیح غیر شریح بن عبید وھو ثقۃ (الحاوی للفتاوی ج ۲ ص ۲۴۲)

یہ ابدال کون ہیں؟ یہ اولیاء اللہ کا ایک طبقہ ہے جن کی گنتی کم نہیں ہونے پاتی ان کی چالیس کی گنتی ہمیشہ رہتی ہے۔ پھر جس طرح ابدال ہیں اسی طرح اہل ولایت کا ایک طبقہ اقطاب کا ہے اسی طرح اوتاد بھی ہیں اوتاد وتد کی جمع ہے اس کے معنی میخ کے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی جگہ سے نہ ہلیں۔ اور ابدال وہ ہیں جو مقامات بدلتے رہتے ہیں۔ یہ اہل ولایت ان ملائکہ سے بہت قریب رہتے ہیں جنہیں تکوین کی خدمات دی جاتی ہیں۔ حضرت خضر اگر انبیاء سے نہ ہوں تو اہل ولایت کے اس طبقہ سے ہیں جن پر تکوین کے کچھ بھید کھول دیئے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ اہل شریعت بھی ان پر حیران نظر آتے ہیں۔

علامہ محمد طاہر پٹنی (۹۸۶ھ) ابدال کے بارے میں لکھتے ہیں۔

الابدال قوم من الصالحین لا تخلو الدنیا منهم اذا مات واحد منهم ابدل الله تعالیٰ مکانه باخر والواحد بدل (مجمع البحار ج ا ص ۸۱)

(ترجمہ) ابدال صالحین کے ایک طبقے کا نام ہے جس سے دنیا کبھی خالی نہیں ہوتی جب ان میں سے کوئی فوت ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ کسی دوسرے کو منصب عطا فرما دیتے ہیں۔ ابدال جمع ہے بدل کی۔

شارح مشکوٰۃ مولانا نواب قطب الدین محدث دہلوی لکھتے ہیں:

شیخ ابن حجر بعد ذکر کرنے ان حدیثوں کے ایک حدیث اور بروایت ابن عمرؓ کے رسول خدا ﷺ سے لایا ہے کہ فرمایا کہ اخیار امت یعنی نیک امت کے پانچ سو مرد ہیں اور ابدال چالیس ہیں پس یہ نہ پانچ سو کم ہوتے ہیں اور نہ یہ چالیس۔ جبکہ فوت ہوتا ہے ایک ابدال۔ ابدال کرتا ہے اللہ تعالیٰ ایک کو پانچسو میں سے جگہ اس کی۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ بیان فرمایئے ہم سے عمل ان کے کہ کیا عمل کرتے ہیں کہ اس مرتبہ کو پہنچتے ہیں فرمایا وہ عفو کرتے ہیں اس شخص سے جو ظلم کرتا ہے ان پر اور نیکی کرتے ہیں اس شخص سے جو بدی کرتا ہے ان سے اور خبر گیری فقراء کی کرتے ہیں اس چیز سے کہ دیا ہے خدائے تعالیٰ نے ان کو اور تصدیق خدائے تعالیٰ کی کتاب میں ہے۔

الکاظمین الغیظ والعافین عن الناس والله یحب المحسنین (پ ۴ آل عمران)

یعنی کھانے والے غصہ کے اور عفو کرنے والے لوگوں سے اور دوست رکھتا ہے نیک کاروں کو۔(مظاہر حق شرح مشکوۃ ج ۵ ص ۲۲۷)

حافظ ابن عساکر الدمشقی حضرت عبداللہ بن مسعود سے مرفوعاً نقل کرتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے تین سو (ایسے عارفین) افراد پیدا کئے ہیں جن کی خلقت قلب آدم پر کی گئی چالیس اس سے ایسے پیدا کئے جن کے قلب موسیٰ پر تخلیق ہوئے۔سات ایسے ہیں جو قلب ابراہیم پر پیدا کئے گئے۔پانچ وہ ہیں جو قلب جبرئیل پر پیدا کیے گئے۔پھر تین وہ ہیں جنہوں نے قلب میکائیل پر تخلیق پائی اور وہ ایک ہے جس کو قلب اسرافیل پر پیدا کیا گیا جب ان میں سے کوئی فوت ہو جاتا ہے تو نیچے سے ایک شخص ترقی پا کر اوپر آتا ہے نئی بھرتی صرف پہلے تین سو میں ہوتی ہے۔

حکمت الہیٰ کچھ اس طرح جاری ہوئی ہے کہ ان اہل ولایت کے احوال عوام وخواص سے مخفی رکھے گئے ہیں۔اللہ تعالیٰ کو اس پر غیرت آتی ہے کہ اس کے اسرار پر کوئی اور مطلع ہو پائے۔بعض اہل ولایت ان میں سے کچھ کو صرف اس لئے مان لیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ تکوینی خدمات ان کے سپرد کی ہوئی ہوتی ہیں۔امام طیبی لکھتے ہیں:

وقد سترت احوال القطوب اوالغوث عن العامه والخاصه غيره من الحق عليه (مرقات شرح مشکوۃ ج ۱۱ ص ۳۶۱)

(ترجمہ) اور قطب حضرات کے احوال اور غوث حضرات کے عامہ اور خاصہ ہر طرح کے لوگوں سے پردے میں رکھے گئے۔

ہم یہاں اہل ولایت کے طبقے سے بحث کر رہے ہیں جو خدا کا اپنا چناؤ ہوتے ہیں وہ جہاں سے چاہے انہیں چن لے۔حضرت علی مرتضیٰؓ فرماتے ہیں کہ اہل ولایت کا وہ طبقہ جنہیں اوتاد کہا جاتا ہے ابنائے کوفہ میں سے ہے جبکہ ابدال شام میں سے ہیں۔

قال علی الاان الاوتاد من ابناء الکوفه و من اهل الشام ابدال .

(الحاوی للفتاوی ج ۲ ص ۲۴۳ للامام السیوطی)

حافظ سیوطی نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ نجباء (جمع نجیب یعنی شریف) کا تعلق مصر سے ہے۔

(ایضاً۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال)

حضرات مفسرین اور محدثین اولیاء کے ان طبقے کو کھلے دل سے تسلیم کرتے ہیں اور اس روحانی طبقے کے وہ برابر قائل رہے ہیں۔ محدث شہیر حافظ ابن کثیر (۷۷۴ھ) شیخ عبداللہ الارمنی (۶۳۱ھ) کے تذکرہ میں کن کھلے لفظوں میں ان اہل خدمت کا ذکر کرتے ہیں اسے دیکھئے۔

احد الزهاد الذين جابوا البلاد وسكنوا البراری و الجبال والا وهادوا جتمعوا الاقطاب والابدال والاوتاد وممن كانت له الاحوال و المكاشفات والمجاهدات والسياحات فی سائر النواحی والجهات. (البدایہ ج ۱۳ ص ۱۳۱)

(ترجمہ) یہ ان زاہدین میں سے ہیں جنہوں نے شہروں میں گھر تراشے اور صحراؤں، پہاڑوں اور میدانوں میں سکونتیں بنائیں اور اقطاب و ابدال اور اوتاد سے ملتے رہے اور ان لوگوں سے جو صاحب حال گذرے اور مکاشفات و مجاہدات اور مختلف علاقوں اور اطراف میں سیاحت کرنے والے ملے۔

حافظ ابن کثیر آٹھویں صدی کے جلیل القدر مفسر اور محدث ہیں دیکھئے آپ کس طرح ابدال و اقطاب کے وجود کے قائل ہیں۔ آپ انہیں صرف ایک خاموش درویش کے درجہ میں نہیں لیتے ان کے کثیر الحدیث ہونے کا بھی کھلے بندوں اعتراف کرتے ہیں آپ چھٹی صدی کے شیخ ضیاء الدین (جو ابن سکینۃ الصوفی کے نام سے معروف تھے) کے بارے میں لکھتے ہیں:

ضیاء الدين المعروف بابن سكينة الصوفی كان يعد من الابدال سمع الحديث كثيراً. (البدایہ ج ۱۳ ص ۶۱)

اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ صوفیہ کرام محدثین سے ہرگز کسی اصولی فاصلے پر نہیں ہوتے اور اسلام کی چودہ سو سالہ علمی تاریخ اس کی شہادت دیتی ہے اور ان اہل ولایت کا پتہ دیتی ہے۔

امام جلال الدین سیوطی (۹۱۱ھ) نویں صدی کے مجدد ہیں ان کی علمی وجاہت ہر ایک کے یہاں مسلم رہی ہے۔ آپ نے اہل ولایت کے اس طبقے پر ایک کتاب الخبر الدال علی وجود القطب والاوتاد النجباء والابدال کے نام سے لکھی ہے اور بتایا ہے کہ اہل ولایت کے اس

طبقے کا انکار کرنا ہرگز صحیح نہیں آپ حمد و صلوٰۃ کے بعد لکھتے ہیں:

وقد بلغني عن بعض من لا علم عنده انكار ما اشتهر عن السادة الاولياء من ان منهم ابدال و نقباء و نجباء و اوتادا و اقطابا وقد وردت الاحاديث والآثار باثبات ذالك فجمعتها في هذا الجزء لتستفاد ولا يعول على انكار اهل العناد و سميته الخبر الدال على وجود القطب والاوتاد والنجباء والابدال (ص الحشو الحاوی للفتاوی ج ۲ ص ۲۴۱)

(ترجمہ) اور مجھے بعض ان لوگوں سے جو علم والے نہیں اس طبقے کے انکار کی خبریں پہنچیں جو بڑے اولیاء سے درجہ شہرت میں ملیں کہ ان میں ابدال، نقیب، نجیب، اوتاد اور اقطاب ہوئے ہیں اور احادیث و آثار ان کے ثبوت میں وارد ہیں۔ میں نے انہیں اس جزء میں جمع کر دیا تا کہ ان سے استفادہ کیا جا سکے اور اس انکار پر اعتماد نہ کیا جا سکے جو اہل عناد سے مروی ہو اور میں نے اس کا یہ نام رکھا ہے۔

اولیاء اللہ کا یہ طبقہ اوراد و تسبیحات اور نوافل و مناجات کی کثرت کی وجہ سے اس مقام پر نہیں آیا ان کے دلوں کی صفائی اور ایثار و قربانی نے انہیں اس نعمت بے بہا سے مالا مال کیا ہے امام سیوطی حضرت انسؓ سے مرفوعاً نقل کرتے ہیں:

ان بدلاء معي لم يدخلوا الجنة بكثرة صلوتهم ولا صيامهم ولكن دخلوها بسلامة صدورهم وسخاوة انفسهم. اخرجه ابن عدي والخلال و زادفي آخره والنصح للمسلمين (الحاوی ج ۲ ص ۲۴۵)

یہ شان صرف ابدال کی نہیں اوتاد بھی اسی نوع کے افراد ہیں حضرت ابو الدرداءؓ کہتے ہیں:

ان الانبياء كانوا اوتاد الارض فلما انقطعت النبوة ابدل الله مكانهم قوما من امة محمد ﷺ يقال لهم الابدال لم يفضلوا الناس بكثرة صوم ولا صلاة ولا تسبيح ولكن بحسن الخلق وبصدق الورع و حسن النية وسلامة قلوبهم لجميع المسلمين والنصيحة لله (ایضاً ص ۲۳۹)

(ترجمہ) بے شک انبیاء کرام زمین کے اوتاد رہے جب نبوت کا سلسلہ منقطع ہوا اللہ تعالیٰ نے ان کی جگہ حضور کی امت میں سے ایک قوم کو پیدا کیا جنہیں ابدال کہا جاتا ہے وہ لوگوں پر کثرت روزہ، نماز اور تسبیح سے آگے نہیں بڑھے لیکن حسن خلق سے، صدق ورع سے، حسن نیت اور سلامتی

قلوب سے جوانہیں تمام مسلمانوں کے لئے تھی اور اللہ کی خاطران کی خیرخواہی تھی۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ نبوت منقطع ہو چکی ہے اگر نبوت باقی رہتی تو اس امت میں اہل ولایت کے یہ طبقات نہ ہوتے ولایت کے ان طبقات کا پایا جانا ہی بتاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد کسی قسم کی نبوت باقی نہیں اب اس کے قائم مقام یہ اہل ولایت ہیں۔

پھر اس سے پتہ چلتا ہے کہ غیر تشریعی نبوت بھی باقی نہیں اگر غیر تشریعی نبوت کا دروازہ کھلا ہوتا تو یہ غیر تشریعی انبیاء پہلے انبیاء کے قائم مقام ہوتے۔ یہ ابدال ان کے قائم مقام نہ ٹھہرائے جاتے، معلوم ہوا کہ اس امت میں غیر تشریعی نبوت کی بھی جگہ باقی نہیں رکھی گئی۔ اسلام کی پہلی تیرہ صدیوں میں کسی کو سچے خوابوں کی وجہ سے کبھی نبی نہیں کہا گیا اور نہ کبھی غیر تشریعی نبوت کو گوارا کیا گیا ہے۔

نامناسب نہ ہوگا کہ ہم اہل ولایت کے مختلف درجات کا ایک اجمالی نقشہ بھی آپ کے سامنے کر دیں۔

(۱) ابدال۔ صالحین کی جماعت جس سے دنیا کبھی خالی نہیں رہی ایک کے انتقال پر دوسرا اس کی جگہ آجاتا ہے یہ بیشتر شام میں پائے جاتے ہیں۔

(۲) اوتاد۔ (وتد کی جمع یعنی میخ) انبیاء کرام بھی اس زمین کے اوتاد رہے۔ انبیاء کے بعد اب اس امت کے بعض افراد اس مقام پر پاتے ہیں (ان کا مرکز عراق میں ہے)۔

(۳) اقطاب۔ قطب کی جمع۔ جس طرح چکی کی کیل ہوتی ہے۔ جس پر چکی گھومتی ہے اسی طرح اولیاء کرام میں سے کچھ لوگ ہوتے ہیں جو ولایت کا مدار سمجھے جاتے ہیں۔ پھر ان کی دو قسمیں ہیں قطب التکوین اور قطب الارشاد۔

چودھویں صدی کے مجدد حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں کہ:

قطب الاقطاب ایک ہی ہوتا ہے اور اس کے ماتحت چھوٹے قطب بہت ہوتے ہیں جو صاحب

خدمت کہلاتے ہیں اور قطب دو قسم کے ہوتے ہیں ایک قطب التکوین دوسرے قطب الارشاد۔ قطب التکوین وہ ہے جس کے سپرد انتظام عالم ہوتا ہے اور قطب الارشاد وہ ہے جس کے متعلق مخلوق کی ہدایت ہوتی ہے قطب التکوین کو اپنے قطب ہونے کی خبر ہوتی ہے جیسے حضرت خضرؑ کہ یہ قطب التکوین ہیں۔ قطب الارشاد کو اپنے قطب ہونے کی خبر ہونا ضروری نہیں کیونکہ ارشاد و ہدایت کا حق ہر مسلمان کو حاصل ہے۔ ان ہی میں سے یہ بھی ہے کہ اس لئے خبر ہونا ضروری نہیں کہ ارشاد خبر ہونے پر موقوف نہیں ہے۔ اور انتظام عالم حق ہر مسلمان کو نہیں وہ صاحب منصب کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس لئے اس کو اپنے قطب ہونے کی خبر ہونا ضروری ہے اور قطب الاقطاب تکوینی کی حالت ملائکہ کی سی ہے۔

ملائکہ کی شان یہ ہے کہ ان کو جیسے حکم ہوتا ہے ویسے ہی کرتے ہیں کسی کا نفع ہو یا نقصان جیسے کلام اللہ میں حضرت موسیٰ اور حضرت خضرؑ کا قصہ مذکور ہے۔ کارخانہ عالم میں اس کو دخل ہوتا ہے اور یہ وہ دخل نہیں جس کا اعتقاد شرک ہو کیا ملائکہ کو دخل نہیں۔ اسی طرح ان کو بھی دخل ہوتا ہے۔ بعضے ان کا انکار کرتے ہیں کہ قرآن و حدیث سے کہیں ثابت نہیں مگر جب اہل کشف کہتے ہیں کہ ایسے لوگ دنیا میں موجود ہیں پھر کیوں تکذیب کی جائے اور اس کے خلاف پر کوئی دلیل بھی نہیں پھر تکذیب کی کوئی وجہ نہیں۔ اس قرآن شریف کو ٹٹولنے کی ضرورت نہیں قرآن میں یہ کہاں ہے کہ زید آیا جب اہل کشف کو اپنے کشف سے ایسے لوگ معلوم ہوئے ہیں اور خلاف پر کوئی دلیل نہیں۔ (حسن العزیز جلد ۳ ص ۸۱)

(۴) نجباء۔ نجیب کی جمع۔ اولیاء کا وہ طبقہ جن کی شرافت پر امت کو ناز رہا ہے۔ یہ زیادہ تر مصر اور کوفہ میں پائے جاتے ہیں۔

(۵) اخیار۔ خیر کی جمع۔ بہت ہی اچھے لوگ۔ یہ حضرات زیادہ تر اہل عراق میں سے ہیں۔

(۶) نقباء۔ نقیب کی جمع جس طرح کسی قوم کا کوئی سردار ہوتا ہے گروہ اولیاء کے سردار نقیب کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں۔

(۷) عصائب۔ عصابہ کی جمع ۔ لوگوں کی ایک جماعت کا نام جس میں دس سے چالیس افراد تک ہوتے ہیں کہا گیا ہے کہ یہ زھاد کی ایک جماعت ہوتی ہے جو زیادہ تر یمن کے علاقہ میں ہوتے ہیں۔ (النہایہ لابن اثیر)

امام یافعی کہتے ہیں کہ ان طبقات میں جس قدر اونچا طبقہ ہے اسی قدر یہ افراد کم ہوتے ہیں آپ لکھتے ہیں کہ :

قال بعض العارفين الصالحون كثير مخالطون للعوام لصلاح الناس في دينهم و دنياهم والنجباء في العدد اقل منهم والنقباء في العدد اقل منهم وهم مخالطون للخواص والا بدال نازلون في الامصار العظام لايكون في العصر منهم الاواحد بعد الواحد فطوبى لاهل بلدة كان فيهم اثنان منهم والاوتاد واحد باليمن و واحد بالشام وواحد في المشرق وواحد في المغرب والله سبحانه يدير القطب في الآفاق الا ربعة من اركان الدنيا كدوران الفلك في افق السماء وقد سترت احوال القطب وهو الغوث عن العامة والخاصة غيره من الحق عليه غير انه يرى عالما كجاهل ابله كفطن تاركا آخذا قريبا بعيدا سهلا عسرا آمنا حذرا و كشف احوال الاوتاد للخاصه و كشف بعضهم لبعض و كشف حال الصالحين للعموم و الخصوص ليقضى الله امرا كان مفعولا .

(ترجمہ) بعض عارفین کہتے ہیں کہ وہ بہت ہوئے جو عوام میں ان کے دین اور دنیا کی خیرخواہی کے لئے ان سے عام ملتے رہے البتہ نجباء ان سے تعداد میں کم ہیں اور نقباء ان سے بھی کم یہ لوگ صرف خواص سے ملتے ہیں اور ابدال کی تعداد ان سے کم ہے جو مختلف شہروں میں اترتے ہیں ایک شہر میں ایک ہی یکے بعد دیگرے ہوتا ہے اس کے شہر والوں کے لئے خوشخبری ہے جس میں ان میں سے دو ہوں اور اوتاد میں سے ایک یمن میں ہوتا ہے۔ ایک شام میں اور ایک مغرب میں ۔ اور اللہ تعالیٰ قطب کو چاروں طرف گھماتا ہے۔ جیسا کہ فلک کا افق آسمان میں گھومتا اور قطب حضرات کے احوال اور غوث حضرات کے عامہ و خاصہ ہر طرح کے لوگوں سے پردے میں رکھے گئے۔ سوائے اس کے کہ وہ عالم کو بھی ایک نادان اور جاہل کی طرح دیکھے جیسے کوئی دانا قریب و بعید کو چھوڑتا اور لیتا ہے اور آسان اور مشکل سے ملتا رہے احتیاط کے ساتھ۔ اور اوتاد کے حالات کھلے

خاص لوگوں کے سامنے اور ان میں سے بعض کا بعض کے لئے کشف ہو اور صالحین کے حالات عموم وخصوص میں کھلیں تا کہ اللہ فیصلہ کرے اس کا جو ہو کر رہنے والی ہے۔

ہماری ان گذارشات کا حاصل یہ ہے کہ اہل ولایت کے مختلف طبقے ہیں اور ان طبقات کا بڑے بڑے محدثین نے نہ صرف اعتراف کیا ہے بلکہ ان کی عظمت وعقیدت کا کھلے الفاظ میں اقرار کیا ہے اور انہیں ہر طرح لائق احترام واکرام جانا ہے۔

یہ صحیح ہے کہ اہل ولایت کے ان مختلف طبقات کے ذکر میں جو احادیث وآثار دستیاب ہیں بیشتر سنداً ضعیف ہیں لیکن یہ بھی صحیح نہیں کہ ان ابواب کی کسی روایت سے چونکہ ان کا کوئی ثبوت نہیں ملا اس لئے دوسری صحیح روایت سے بھی صرف نظر کر لی جائے اور پوری ڈھٹائی کے ساتھ انہیں بے اصل اور باطل قرار دیا جائے۔ اگر اہل ولایت کے ان مختلف طبقات کا اسلام میں کوئی سلسلہ نہ ہوتا تو امت کے عظیم محدثین کبھی ان اہل ولایت کا ذکر نہ کرتے اور پھر امام ملا علی قاری (۱۰۱۴ھ) تو صرف محدث نہیں آپ دسویں صدی کے مجدد تسلیم کئے گئے ہیں اور پھر گیارھویں اور بارھویں صدی کے مجددین حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی اور حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے بھی ان کے وجود با مسعود کی خبر دی ہے۔ پھر تیرھویں اور چودھویں صدی کے مجدد بھی حضرت سید احمد شہید اور حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے ہاں اس طبقے کا ذکر عام ملتا ہے۔

ان اساطین امت کا بلا اختلاف ان اہل ولایت کا اقرار کرنا پتہ دیتا ہے کہ اولیاء کرام میں واقعی اہل ولایت کا یہ ایک طبقہ بھی ہے جو اپنی خدمت میں برابر لگا ہوا ہے۔ اور ہم مکلف نہیں کئے گئے کہ ان کا پتہ لگائیں یا اس کی تلاش میں مارے پھریں۔ ہاں اس میں شک نہیں کہ اگر کوئی شخص انہیں پالے تو وہ ان کے فیوض وبرکات سے بہت حصہ لیتا ہے اور یہ اس پر رب العزت کی ہی عنایت اور مہربانی ہے۔

اس امت کے مجددین اہل ریاضت اہل ولایت میں سے ہیں اور اہل خدمت میں سے بھی۔

حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (۱۱۷۶ھ) مجدد کے بیان میں لکھتے ہیں کہ وہ اپنے کام سے

پہچانا جاتا ہے۔ جو لوگ اسے پہچان پائیں تو اس سے بہت فائدہ اٹھا لیتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک کے لئے اس کا جاننا اور اسے پہچاننا ضروری نہیں ہے۔

اہل خدمت میں خدمت بھی دو طرح کی ہوتی ہے۔ امت کے احاد افراد کی یا خود دین کی کہ اسے ہر طرح کی نئی آلائشوں سے بچایا جائے مجددین اس دوسرے پہلو سے تو اہل خدمت میں ہیں۔ ہاں اس کے ساتھ وہ علماء شریعت کی صفوں میں بیٹھنے کے باعث وہ پہلی خدمت کی بھی سعادت لے گئے وہ اہل ریاضت ارباب ولایت میں سے ہیں۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال. (آثار الاحسان ص ۲۱۵ تا ۲۲۳)

حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اس پر فیوض الحرمین میں ص ۳۰۱ سے ۳۲۹ تک عمدہ تحقیق نقل فرمائی ہے جو کہ اصحاب ذوق کیلئے سرمہ بصیرت ہے۔ لکھتے ہیں۔

پینتالیسواں مشاہدہ:

اس امر میں کوئی کسی قسم کا کوئی شبہ نہیں کہ حقیقت الحقائق ایک وحدت ہے جس میں کہ کثرت کا گزر نہیں۔ اس وحدت کے لئے تنزلات ضروری ہیں تا کہ یہ تنزلات واسطہ بنیں اس وحدت سے کثرت کے ظہور کا۔ اور اسطرح وجود کے مراتب کے احکام اور ان کی خصوصیات کا تعین ہو سکے۔ حقیقت الحقائق کی اپنی وحدت خالص سے تنزلات کی طرف اور تنزلات سے وجود کے مراتب کی طرف حرکت تدریجی ہوتی ہے اور اس حرکت سے سوائے اس سے اور کچھ مقصود نہیں ہوتا کہ اس وحدت خالص کا جو ذاتی کمال ہے، اس کا ظہور ہو سکے وحدت کی یہ حرکت جو وجود کی کثرت میں منتج ہوتی ہے، اسکا باعث پاک اور مقدس محبت ہے اور یہ پاک اور مقدس محبت وحدت کے اس "ارادہ اختیاری" سے جس کو بعض لوگ اس حرکت کے سبب قرار دیتے ہیں۔ اعلیٰ اور برتر چیز ہے۔ اور اسی طرح یہ پاک اور مقدس محبت وحدت کی ایجاب طبعی کی صفت سے بھی جو بعض دوسروں کے نزدیک وحدت کی اس حرکت کا باعث ہے، برتر و اعلیٰ ہے۔ ایجاب طبعی سے مراد یہ ہے کہ خود اس وحدت کی طبیعت میں بطور ایک امر واجب کے یہ بات داخل ہے کہ وہ کثرت میں ظاہر ہو۔

یہ محبت ابتدا میں بالکل بسیط ہوتی ہے لیکن بعد میں جیسے جیسے کثرت کا ظہور ہوتا ہے۔ اس محبت کا دائرہ بھی وسیع ہوتا جاتا ہے۔ بات یہ ہے کہ مراتب وجود میں سے ہر ہر مرتبہ کی اپنی اپنی مخصوص محبت ہوتی ہے اور ہر مرتبے کی یہی مخصوص محبت ہی سبب بنتی ہے اس مرتبہ وجود کے ظہور کا۔ یعنی یہ محبت ابتدا سے بسیط ہوتی ہے اور پھر وجود کی کثرت کے ساتھ ساتھ اس سے بہت سی محبتیں ہوتی جاتی ہیں۔ لیکن اس سلسلہ میں یاد رہے کہ گو یہ محبت ابتدائے امر میں بسیط ہوتی ہے اور بعد میں اس سے بہت سی محبتیں ہوتی جاتی ہیں۔ لیکن یہ محبت اس بسیط ہونے کی حالت میں بھی ان تمام محبتوں سے جو بعد میں اس سے ظاہر ہوتی ہیں خالی نہیں ہوتی۔ بلکہ یہ تمام محبتیں اس بسیط محبت میں جو ابتدائے امر میں تھی، داخل ہوتی ہیں اور بعد میں مراتب وجود کے ساتھ ساتھ ان کا ظہور ہوتا ہے۔ وحدت سے مراتب وجود کا اس طرح صادر ہونا اور پھر وجود کے ہر مرتبہ کی اپنی مخصوص محبت اور ان مخصوص محبتوں کا ایک بسیط محبت سے ظاہر ہونا، یہ ایسے اصول ہیں کہ جس شخص کو ذرا سی بھی سمجھ ہو وہ ان میں شک نہیں کرے گا۔

اس ضمن میں ہمارا اور بھی مشاہدہ ہے۔ ہم نے دیکھا کہ بسیط محبت کے اندر ان جزوی محبتوں کے تمام کے تمام مراتب کا مندرج ہونا ایک طرح پر نہیں ہوتا۔ بلکہ ان جزوی محبتوں میں سے ایک خاص محبت ظاہر وواضح اور موجود بالفعل کے درجہ کی ہوتی ہے۔ اور اس کے علاوہ ایک جزوی محبت اور ہے، جو بسیط محبت میں اس طرح موجود ہوتی ہے، جیسے کوئی چیز کسی دوسری چیز میں بالقوۃ موجود ہو۔ خواہ اس کا اس چیز میں بالقوۃ ہونا قریبی ہو یا دور کا معاملہ ہو۔ اس ظاہر وواضح محبت میں سے ایک محبت وہ ہے جس کا تعلق اولاً تو مظہر کلی کے ظہور سے ہے اور پھر ذات سے۔ وجود کلی سے آگے چل کر جو افراد نکلتے ہیں یہاں ان افراد کا ذکر نہیں۔ البتہ بعد میں جب وجود کلی سے افراد کے ظاہر ہونے کا وقت آتا ہے تو پھر ان افراد کے ظہور سے متعلق جو جزوی محبتیں ہوتی ہیں۔ وہ بیشک ظاہر ہو جاتی ہیں۔

الغرض ایک محبت تو یہ ہوئی جس کا تعلق وجود کلی کے ظہور سے ہے۔ اور دوسری محبت وہ ہے جو وجود

کلی سے فرد کے ظہور سے متعلق ہوتی ہے۔اب ایک فرد تو وہ ہے جس کی شبیہ عالم مثال میں قائم ہے۔اور ایک فرد وہ ہے جو اس عالم میں پھیل جاتا ہے۔چنانچہ عالم ناسوت کے بہت سے افراد پر اس فرد کا علی سبیل البدل مصداق ہوتا ہے۔اور وہ اس طرح کہ ایک مرکز ہے جس میں کہ ایک شخص کا وجود قائم ہے۔اب وہ شخص نہیں رہتا تو اس کی جگہ دوسرا شخص لے لیتا ہے اور اسی طرح یہ سلسلہ برابر جاری رہتا ہے۔

یہ محبت جو ان معنوں میں فرد کے ظہور سے متعلق ہوتی ہے۔اس کا مقصد اولاً یا تو اس تدبیر الٰہی کا ظہور ہے۔جس تدبیر کا تعلق کلی وجود کے ظاہر ہونے سے ہوتا ہے۔چنانچہ جب اس محبت کا تعلق کلی وجود کے ظہور سے ہوا تو پھر جس وقت اس کلی وجود سے افراد اور اشخاص ظاہر ہوئے تو ان کے ظہور کے ساتھ ساتھ ان افراد کے متعلق جو محبتیں تھیں، وہ بھی اس محبت سے ظاہر ہوئیں۔یا اس محبت کا مقصد جو ان معنوں میں فرد کے ظہور سے متعلق ہوتی ہے۔محض تدبیر الٰہی کا ظہور ہے۔یا اس سے مقصود صرف اس نوع کے کمال کا اثبات ہے۔الغرض ہم نے ان امور کا خود مشاہدہ کیا ہے اور نیز اس ضمن میں ہمیں اس کا بھی مشاہدہ ہوا ہے کہ انسانیت کے ظہور کا جو اساس اصلی ہے وہ محض حیوانیت کے تابع نہیں بلکہ حیوانیت سے زائد انسانیت میں وہ محبت بھی ہے جو ذات واحد سے ابتدا میں ظاہر ہوئی تھی۔اور اسی طرح حیوانیت کے ظہور کا جو اساس ہے، وہ بھی تمام تر ناسوت یعنی دنیا تیب کے تابع نہیں ہے۔

ہم نے اس امر کا بھی مشاہدہ کیا ہے کہ وہ محبت جو فرد کے ظہور سے متعلق ہوتی ہے جب اس محبت کے پیش نظر ایسا فرد ہوتا ہے جو کہ جامع ہو الٰہیات اور کونیات کے دونوں عالموں کا، اور نیز اگر اس فعل سے مقصود کل عوالم کے ظہور کی تدبیر ہو، تو ایسا فرد نبی ہوتا ہے۔اس فرد نبی سے مراد حقیقت نبوت ہے جو کہ عالم مثال میں اپنی مثالی صورت کے ساتھ قائم ہے۔یہی فرد جس کا کہ اوپر ذکر ہوا، اصالتہً نبی ہوتا ہے۔عالم مثال میں اس فرد نبی کے اس طرح ظہور پذیر ہونے کے بعد یہ ہوا کہ اس کی اس مثالی صورت سے عالم ناسوت میں بھی ایک نمونہ وجود میں آیا۔پھر ایک اور نمونہ ظاہر

ہوا۔ اور یہ سلسلہ برابر چلتا رہا۔ یہاں تک کہ سیدنا و مولانا محمد ﷺ اس عالم میں آئے۔ اور ان کی ذاتِ اقدس سے مرتبہ نبوت کے احکام مکمل ہو گئے۔ بہر حال اوپر کی یہ کیفیت اس وقت ہوتی ہے جب اس فرد سے کل عوالم کے ظہور کی تدبیر ہو، لیکن اگر یہ نہ ہو تو ایسا فرد نبی نہیں ہوتا۔

اب اگر محبت وہ ہے جو وجودِ کلی کے ظہور سے متعلق ہے اور اس ضمن میں وجودِ کلی سے افراد کے ظہور کا وقت آتا ہے تو یہ محبت دوسری بار فرد کے ظہور سے متعلق ہو جاتی ہے۔ اب اگر اس فرد کے ظہور سے مقصود وجودِ کلی کے ظہور کی تدبیر ہے تو یہ فرد انبیاء میں سے ایک نبی تو ہوگا، لیکن وہ فرد جامع نہیں ہوگا لیکن اگر اس فرد کے ظہور سے مقصود صرف ایسے کمالات کا اثبات ہے کہ ان کی وجہ سے الٰہی قوتیں کونیاتی قوتوں پر غالب آ جائیں تو یہ فرد ولی ہوگا۔ ایسا ولی جو فنا و بقا کے مقامات کا حامل ہو۔ بسا اوقات نہ تو شروع میں اور نہ جب کہ نشأۃ کلیہ یا وجودِ کلی سے افراد ظاہر ہوتے ہیں، فرد کے ظہور سے محبت متعلق ہوتی ہے۔ بلکہ عالم ناسوت میں افراد کے ظہور کے وقت فرد سے محبت کا تعلق ہو جاتا ہے۔ اب اگر اس فرد سے ملت کی تدبیر مقصود ہو تو یہ فرد انبیاء کا وارث ہوگا اور اگر یہ مقصود نہیں تو وہ فرد ملاءِ اعلیٰ کا وارث ہوگا۔ اور اگر اس فرد سے مقصد صرف اتنا ہے کہ وہ صرف راشد یعنی بذات خود ہدایت یافتہ ہو تو یہ اولیاء کا وارث ہوگا۔ یہ باتیں جو میں نے یہاں بیان کی ہیں، بڑی معرفت کی ہیں، تمہیں چاہیے کہ ان کو خوب مضبوط پکڑو۔

اس کے بعد تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ فرد کے لئے ایسے احکام ہیں کہ فرد کے سوا اور کسی کے یہ احکام نہیں ہوتے، اور ان احکام میں سے ایک حکم یہ ہے کہ فرد کا کہیں مستقر نہیں ہوتا۔ جب تک کہ نقطہ غیبیہ جہاں سے کہ اس کا اپنا سفر شروع کیا تھا وہاں واپس نہیں پہنچ جاتا۔ ہاں اس ضمن میں فرد کے لئے ہر مظہر اور نشأۃ ایک مستقر ضرور بن جاتا ہے۔ لیکن اس مستقر میں فرد کی رفتار تیر سے بھی جب کہ وہ کمان سے نکلتا ہے، زیادہ تیز ہوتی ہے اور اس کی یہ رفتار اس وقت تک رہتی ہے جب تک کہ وہ اپنے آخری مقام تک نہ پہنچ جائے۔ فرد کو اپنے اس سفر میں جن جن نشأتوں اور مظاہر سے گزرنا پڑتا ہے ان نشأتوں کی آلائش میں سے کوئی چیز بھی اس کے دامن کو ملوث نہیں کرتی، جیسے کہ فرد کے

علاوہ جو اور لوگ ہوتے تھے، ان کو یہ آلائش طوث کرتی ہے۔ البتہ اللہ کی حکمت میں یہ بات مقدر ہو چکی ہے کہ اس سلسلہ میں فرد کو جن نشأ توں میں سے سفر کرنا پڑتا ہے، ان میں سے ایک نشأۃ سے جو اس سے پہلے تھی، ضرورۃً استفادہ کرے۔

اس فرد کے احکام میں سے ایک یہ ہے کہ فرد کو محبت ذاتی عطا ہوتی ہے۔ محبت ذاتی عبادت ہے نقطہ حبیہ سے جو اپنے علم، حال اور نشأۃ میں اس مقام کی طرف لوٹتا ہے، جہاں سے کہ اس کی حرکت کی ابتدا ہوئی تھی۔ باقی رہے فرد کے علاوہ اور لوگ، تو ان کو یہ نعمت نصیب نہیں ہوتی۔ اور فرد کے ان حکام میں سے ایک حکم یہ بھی ہے کہ فرد کا ایک نشأۃ سے دوسری نشأۃ میں منتقل ہونے کا حقیقی سبب صرف محبت ذاتی ہوتا ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ فرد کا جب ایک نشأۃ کے مستقر میں ورود ہوتا ہے، تو اس حالت میں اس کے لئے ضروری ہے کہ اس خاص نشأۃ کے جو احکام ہیں، ان کی طرف وہ کچھ دیر التفات کرے۔ اور اس نشأۃ کی جو آخری بلندی ہے اس سے فرد کا اتصال ہو اور اس پر وہ پوری طرح قابو پالے۔ چنانچہ اس مقام پر فرد سے وہ وہ باتیں ظاہر ہوتی ہیں، جو فرد کے سوا دوسرے سے ظاہر نہیں ہوتی۔ الغرض جب فرد اس نشأۃ کی آخری حد تک کو طے کر لے تو اس کے لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو اس نشأۃ سے اس طرح نکال لے جیسے ایک بچہ ماں کے پیٹ سے نکل آتا ہے اور وہ اپنے آپ کو بطنِ مادر کی حالت یعنی "نشأۃ جنینہ" سے الگ کر لیتا ہے۔ اس ضمن میں فرد کی ایک نشأۃ سے باہر آنے کی ایک صورت یہ ہوتی ہے کہ جب وہ وقت آتا ہے کہ فرد ایک نشأۃ کی منزل کو ختم کر کے باہر نکلے تو وہ نقطہ حبیہ جو اس کے اندر ہوتا ہے، وہ اپنے اصلی مقام شرف اور اپنی پہلی بسیط حالت کو یاد کرتا ہے اور اس کی طرف اس نقطہ حبیہ کا اشتیاق بڑھ جاتا ہے۔ چنانچہ اس نقطہ حبیہ کا خود اپنے اصلی مقام اور اپنی حالت کے لئے سرگشتہ و شیفتہ ہونا محبت ذاتی ہے اور اس محبت ذاتی کی خصوصیت یہ ہے کہ جب فرد سے اس نشأۃ کے علائق کٹ جاتے ہیں۔ جس میں کہ وہ ہو اور وہ مر جاتا ہے اور اس کا نسمہ اس کے کثیف ارضی جسم سے الگ ہو جاتا ہے اور اس کے بعد جب وہ وقت آتا ہے کہ اس کے نسمے سے اس کی روح بھی الگ ہو تو پھر

نقطہ حبیہ کی محبت وشیفتگی اور اس کی نشاۃ سے بے تعلقی واپس آ جاتی ہے۔ اور اسی طرح جب روح کے الگ ہونیکا وقت قریب ہوتا ہے تو پھر نقطہ حبیہ کی محبت وشیفتگی اور نشاۃ سے اس کی بے تعلقی اس کی طرف لوٹتی ہے اور یہ سلسلہ برابر جاری رہتا ہے۔ یہاں تک کہ یہ نقطہ حبیہ اپنے اصلی مقام شروع سے جہاں کہ وہ پہلے پہلے حالت میں تھا، جا کر مل جاتا ہے۔

باقی رہا نقطہ حبیہ کا بدن کے نشاۃ پر سواری کرنا یعنی اس پر پوری طرح قابو پالینا، تو یہ چیز انبیاء میں تو بالکل ظاہر ہے۔ البتہ انبیاء کے علاوہ جو اور لوگ ہیں وہ انبیاء کی وراثت کے جو مناصب ہیں جیسے کہ مجددیت اور قطبیت اور ان کے آثار واحکام کا ظہور۔ یہ ان کے حامل ہوتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ ہر علم اور ہر حال کی حقیقت تک پہنچنا اور ہر مقام کی اچھائیوں کو جمع کرنا، یہ چیزیں جب سے کہ خلقت پیدا ہوئی ہے اور نیز جب سے کہ ہر انسان میں رقائق یعنی لطافتوں کا ظہور ہوا ہے۔ اور ہر رقیقہ کے مناسب جو احکام ہیں، ان کا تعین ہوا ہے اور ہر رقیقہ کے آثار فراوانی سے ظاہر ہوئے ہیں، لیکن اس کے باوجود ایک حالت دوسری حالت میں حارج نہیں ہوئی، یہ چیزیں حاصل ہیں۔

اب رہا نقطہ حبیہ کا نشاۃ نسمہ کی پیٹھ پر سواری کرنا، یعنی اس پر قابو پانا، تو کبھی یہ چیز نسمے کے ان علوم کے لئے جو اپنے ابدان میں مقید ہیں، اس تدلی اعظم تک جس سے کہ طبیعت کلیہ بھری ہوئی ہے، پہنچنے کا ذریعہ بنتی ہے اور کبھی یہ خارج سے آنی والی صورتوں اور کون ومکان میں وقوع پذیر ہونے والے واقعات کے فیضان کا واسطہ ہوتی ہے۔ اس بارے میں اگر تم مجھ سے اصل حقیقت معلوم کرنا چاہتے ہو تو وہ یہ ہے کہ فرد کا جو بھی حال، یا مقام یا منصب ہوتا ہے وہ اسی کے اندر جو رقیقہ ہے اس کے اور اس کی تدلی کے حال کے مطابق ہوتا ہے۔ اب چونکہ صورت یہ ہے کہ فرد کا حال اور منصب تو تمام کے تمام عالم کو ڈھانپ سکتا ہے۔ اس لئے یہ احوال اور مناصب خود اس کے اندر ہی ہوتے ہیں، جب یہ بات واضح ہوگئی تو تمہیں چاہیے کہ فرد سے جو اس طرح کی باتیں صادر ہوتی ہیں، جن میں اس کی بڑی بڑی مہموں کے سر کرنے اور بلند مرتبہ مناصب پر فائز ہونے کی طرف اشارہ ہوتا ہے، تم اس کی ان باتوں کو ان معنوں پر محمول کرو۔ اور اگر تم سمجھ دار ہو تو جان لو کہ اس مسئلہ کا جو

خلاصہ مطلب اور اس کی جو حقیقت ہے، وہ ہم پہلے ہی بیان کر آئے ہیں۔

انسان میں دس ظاہر و نمایاں رقیقے ہیں۔ اور ان میں سے ہر رقیقہ کا اپنا خاص حکم اور اثر ہوتا ہے اور اس رقیقہ سے اس کے مخصوص آثار کا ظاہر ہونا ایک لازمی امر ہے۔ چنانچہ ممکن نہیں کہ ایک شخص جس میں کوئی رقیقہ ہو اور وہ چاہے کہ اس رقیقے سے اس کے مخصوص آثار ظاہر نہ ہوں، کیوں یہ رقیقہ پیدائش ہی سے اس شخص کی اصل جبلت میں داخل ہوتا ہے۔ ان رقائق میں سے ایک رقیقہ قمریہ ہے اور وہ مقابل ہے ایسے اکتسابی علوم سے جیسے کہ علم حدیث ہے اور نیز یہ رقیقہ مقابل ہے ان طرائق تصوف کی برکات کے جو طرائق کہ مشائخ صوفیاء کی طرف منسوب ہیں اور ایک رقیقہ عطاردیہ ہے جو تصنیف و تالیف جیسے اکتسابی علوم کے مقابل ہوتا ہے اور اس رقیقے والے کی ہر علم میں جس پر کہ اس کی نظر ہو، اپنی خاص رائے ہوتی ہے۔ خواہ وہ علم از قسم معقولات ہو، یا از قسم منقولات، اور انسان کے اندر ایک رقیقہ زُہریہ ہے جو کہ جمال اور محبت کا رقیقہ ہے۔ اس رقیقے والا ہر ایک سے محبت کرتا ہے اور ہر ایک اس سے اس طرح محبت کرتا ہے کہ طرفین کو اس کی خبر بھی نہیں ہوتی۔ اور ان میں سے ایک رقیقہ شمسیہ ہے جو تمام پر غالب آنے کے مقابل اور اس رقیقے والے کا یہ غلبہ محض استحقاقاً اور حفظاً ہوتا ہے تا کہ اس کی وجہ سے اللہ کی ساری مخلوق ایک حکم کے تحت آ جائے۔ اور انسان کے اندر ایک رقیقہ مریخیہ ہے جو ہر کمال کے اثبات، اس کی مضبوطی اور اس کے راسخ ہونے کے مقابل ہوتا ہے۔ اگر یہ رقیقہ نہ ہوتا تو ہر چیز بودی اور بے بنیاد تھی۔ اور ایک رقیقہ مشتریہ ہے اور یہ قطبیت، امامت اور ہدایت کا رقیقہ ہے اور اس رقیقہ والا لوگوں کے لئے مرکز بنتا ہے تا کہ وہ اس کے ذریعہ اپنے رب کا قرب حاصل کریں۔ اور ایک رقیقہ زُحلیہ ہے۔ اور یہ مقابل ہوتا ہے ہر رقیقہ کے بقاء اس کے اثبات اور ایک زمانہ دراز تک اس کے اثر انداز ہونے کے۔ اور نیز سب سے مجرد ہو کر طبیعت کلیہ تک پہنچنے کے۔ اور انسان کے اندر ایک رقیقہ ملاء اعلیٰ کا ہے جو اس سمت کے مقابل ہوتا ہے، جو ہر اس چیز کو جس سے وہ ملحق ہوتی ہے، پوری طرح گھیر لیتی ہے۔ اور یہ رقیقہ اللہ تعالیٰ کے نظر عنایت اور اس کی حفاظت کی شمع یعنی اس کے لئے بطور ایک

قالب کے بن جاتا ہے۔ اور ایک رقیقہ ملاء سافل کا ہے اور یہ اس نور کے مقابل ہوتا ہے جو اس رقیقے والے کے ہاتھوں، پیروں، اس کی آنکھوں اور اس کے سارے اعضاء میں داخل ہوتا ہے اور ایک رقیقہ اس تدلی الہی کا ہوتا ہے جو بزرگان خدا کے لئے نازل ہوتی ہے۔ اس تدلی کے دو شعبے ہو جاتے ہیں۔ ان میں سے ایک تو نور نبوت کا شعبہ ہوتا ہے اور دوسرا ولایت کا۔

ان سب رقائق کے بعد اس شخص کا نفس جبلی طور پر قدسی بن جاتا ہے اور اس کی ایک حالت دوسری حالت کے لئے مانع نہیں ہوتی اور نیز جب وہ سب چیزوں سے تجرد اختیار کر کے نقطہ کلیہ سے متصل ہو جاتا ہے اور اس حالت میں نقطہ کلیہ کے احوال میں سے کوئی حال اس پر وارد ہوتا ہے تو وہ فوراً اس حال سے آگاہ ہو جاتا ہے۔ بیشک اس اجمال کی تفصیل بھی آئے گی اور اس نقطہ کی شرح بھی ہوگی۔

مزید برآں اس فرد سے جو کرامات صادر ہوتی ہیں ان کا صادر ہونا فرد کے علاوہ دوسرے سے جو کرامات صادر ہوتی ہیں، ان کی طرح نہیں ہوتا۔ اس ضمن میں بات دراصل یہ ہے کہ دوسرے سے جو کرامات وخوارق ظاہر ہوتی ہیں، ان کی نوعیت یہ ہے کہ ایک کیفیت اس شخص پر غالب آئی اور اس نے اس کے وجود کے تمام حصوں پر قبضہ کر لیا اور اس طرح وہ کیفیت اس پر پوری طرح سے متسلط ہوگئی چنانچہ آثار وکرامات کے سلسلہ میں جو کچھ اس سے صادر ہوتا ہے۔ اس کا دارومدار صرف اسی کیفیت پر ہوتا ہے لیکن اس کے برعکس فرد کا یہ حال ہے کہ اس کے وجود کا ایک ایک جزو اپنی اپنی جگہ مستقل ہوتا ہے۔ اور اس کی وجہ جیسے کہ تم ابھی جان چکے ہو۔ یہ ہے کہ فرد میں ایک تو وہ کلی اور اجمالی رقائق ہوتے ہیں جو افلاک کے نفوس اور ان کی طبیعتوں سے آتے ہیں اور نیز وہ رقائق، جو عناصر سے آتے ہیں اور اسی طرح وہ رقائق بھی ہیں، جو ان مختلف اصناف کے کمالات سے آتے ہیں، جو خود اسے حاصل ہوتے ہیں۔ الغرض ان چیزوں کی وجہ سے فرد کے وجود کا ایک جزء اس کے وجود کے دوسرے جز پر متسلط نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ جب اس پر اس کی ملکی قوت کا غلبہ ہوتا ہے تو اس کی وجہ سے یہ نہیں ہوتا کہ اس کی بہیمی قوت اپنے تقاضہ عمل سے معزول ہو جائے اور

اسی طرح جب اس پر بہیمی قوت کا غلبہ ہو تو اس سے یہ نہیں ہوتا کہ اس کی ملکی قوت اپنے اقتضا سے دستبردار ہو جائے اور نہ یہ ہوتا ہے کہ وہ سب چیزوں سے تجرد اختیار کر کے کسی کمال کا اسی طرح سے ہو جائے کہ اس کمال میں اس کے فنا ہونے کی وجہ سے اس کے دوسرے کمال کا اثر محو ہو جائے۔ مختصراً فرد میں ہر چیز اپنے اندازے سے ہوتی ہے۔ چنانچہ جب کبھی اس سے کوئی خارق عادت واقعہ ظاہر ہوتا ہے تو نیچے کی ان دو وجہوں میں سے اسکی کوئی ایک وجہ ضرور ہوتی ہے۔ یا تو ذات حق جو کہ سب کی مدبر ہے اس کا یہ ارادہ ہوا کہ وہ اپنے بندوں کو کوئی دنیوی یا اخروی نفع پہنچائے یا ان سے کسی مصیبت کو دور کرے۔ یا یہ کہ اس نے بندوں کے اعمال پر ان کو عذاب دینے کا ارادہ کیا۔ اور ذات حق کا یہ ارادہ اس فرد کے ہاتھوں عمل میں آیا اور اس ضمن میں جو خرق عادت واقعہ رونما ہوا وہ اس فرد کی طرف منسوب ہو گیا۔ حالانکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ اس معاملے میں اس فرد کی اصل حیثیت ایسی ہوتی ہے جیسے کوئی میت غسل دینے والے کے ہاتھ میں ہو۔ یعنی اس معاملہ میں اس کا اپنا کوئی اختیار نہیں ہوتا۔

اس ضمن میں فرد سے جو خارق عادت واقعہ ظاہر ہوتا ہے اسکی دوسری وجہ یہ ہوتی ہے کہ اس سلسلہ میں جب فرد نے اپنی عقل حکمت اور فراست کی طرف رجوع کیا اور اس نے دیکھا کہ ایک چیز میں خود اس کے لئے یا دوسروں کے لئے نفع ہے۔ تو اس کے اندر جو رقائق تھے، اور جن کا کہ ذکر اوپر ہو چکا ہے ان میں سے ایک رقیقہ اس چیز کے مناسب جا مور ہوتے ہیں۔ ان کی طرف بسط کرتا ہے اور اس طرح لوگوں کے لئے ایک خارق عادت واقعہ ظہور پذیر ہو جاتا ہے۔ مثال کے طور پر اس فرد نے جب اپنی عقل، حکمت اور فراست کی طرف رجوع کیا تو اس نے سوچا کہ وہ واقعات جو بعد میں رونما ہونے والے ہیں۔ ان سے لوگوں کو آگاہ کرے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں اس کے اندر جو رقیقہ قمریہ تھا۔ اس میں بسط ہوا۔ اور اس سے اس فرد نے ہونے والے واقعات کا علم حاصل کر لیا۔ اور اس علم کو اس نے لوگوں تک پہنچا دیا۔ یا مثلاً اس فرد نے ایک جماعت کو مسخر کرنے کا ارادہ کیا، تو اس سے اس کے رقائق میں سے جو رقیقہ شمسیہ تھا، اس کے اندر بسط پیدا ہوا۔ اور اس کی وجہ سے

اس فرد نے جماعت کو مسخر کر لیا۔ الغرض یہ ہے دوسری وجہ فرد سے ظہور کرامات وخوارق کی۔

علاوہ ازیں اس دنیا کی زندگی میں فرد کے خواص میں سے ایک چیز یہ بھی ہے کہ اس میں یہ صلاحیت ہوتی ہے کہ وہ اپنے رب کی اپنے پورے اخلاق اور اپنی پوری طبائع کے ساتھ عبادت کرے۔ اس میں بات دراصل یہ ہے کہ انسان کی یہ عادت میں داخل ہے کہ جب اس کے اندر کسی دنیوی نفع کے حصول یا دنیوی مضرت کو دور کرنے کی خواہش پیدا ہوتی ہے تو وہ اس کے لئے شجاعت کے کام کرتا ہے۔ اب اگر یہ انسان "فرد" ہو، یعنی جس فرد کے کہ اوصاف اوپر گزر چکے ہیں، تو اس کے لئے احکام حق میں سے ایک حکم ملاء اعلےٰ میں متشکل ہوتا ہے اور پھر اس حکم سے جو ملاء اعلےٰ میں وجود پذیر ہو چکا ہوتا ہے۔ اس فرد کے نفس میں ایک اثر مترشح ہوتا ہے۔ جس سے اس فرد کے اندر ایک خواہش پیدا ہوتی ہے۔ اور اس خواہش کی تکمیل کے لئے اس کے اخلاق سے کوئی خلق پیش قدمی کرتا ہے۔ چنانچہ اس طرح اس فرد سے اعمال وافعال رونما ہوتے ہیں۔ اس حالت میں فرد کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ جہاں تک اس کی اپنی خواہش اور مرضی کا تعلق ہوتا ہے وہ اس معاملہ میں مقام فنا میں ہوتا ہے۔ یعنی وہ اپنی ہر خواہش اور مرضی سے درگزر کرتا ہے۔ اور اس کی اپنی کوئی خواہش اور مرضی باقی نہیں رہتی۔ اور جہاں تک ذاتِ حق کے ساتھ اس کے تعلق کا معاملہ ہے، وہ مقام بقا میں ہوتا ہے، یعنی اگر اس کا کوئی مقصد ہوتا ہے اور اس کے دل میں کوئی خواہش ہوتی ہے تو صرف ذات حق کی۔ الغرض یہ مطلب ہے کہ فرد کا اپنے تمام اخلاق کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کا۔ اخلاق کی طرح انسان کی اپنی طبائع بھی ہوتی ہیں اور ان میں سے ہر طبیعت کے لئے فنا و بقا کا مقام اور کمال ہے، جو اس ضمن میں انسان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوتا ہے۔ چنانچہ جب انسان کے طبائع میں سے کوئی طبیعت ذات حق میں فنا ہو جاتی ہے تو اس طبیعت سے افعال واعمال کا ظہور ہوتا ہے۔ اور فنا و بقا کے علاوہ جو دوسرا کمال خدا تعالیٰ کی طرف سے انسان کی طبائع میں رکھا گیا ہے، جب یہ کمال انسان کی کسی طبیعت سے مرکب ہوتا ہے تو جس ستارے کا یہ کمال ہوتا ہے، اسی کے مطابق اس طبیعت سے معنوی تجلیات کا ظہور ہوتا ہے۔ مثلاً اگر اس کے نسمہ میں زہرہ

ستارہ کا اثر ہے۔ تو اس کا تقاضہ یہ ہے کہ اس کی حس اس جمال سے لذت اندوز ہو جو اللہ نے اپنی کسی حسین چیز میں رکھا ہے۔ اور نیز وہ جمال سے اپنی اس لذت اندوزی ہی کو اپنے حق میں اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اور اس کی بارگاہ میں اپنی نیاز مندی سمجھے۔ چنانچہ اسکی یہ ساری جہتیں اپنی ان جمالی لذت اندوزیوں کے ساتھ اور وہ تمام حسین چیزیں جن کے جمال سے وہ لذت اندوز ہوتا ہے گویا یہ زبانیں ہو جائیں گی جو اللہ کا ذکر کر رہی ہیں۔ اور اس سے اس شخص پر ایک عجیب کیفیت طاری ہو جائے گی۔ جس میں وہ مستغرق ہو جائے گا۔ اور ایک مدت تک وہ اپنی اس کیفیت کے نشہ میں مست رہے گا۔ یہ تو انسانوں پر زہرہ ستارہ کی طبیعت کا اثر ہوا۔ اسی پر تم دوسرے ستاروں کی طبیعتوں کے جو اثرات انسانوں پر مترتب ہوتے ہیں ان کا بھی قیاس کرلو۔

اس مسئلہ میں اگر تم مجھ سے حق بات پوچھتے ہو تو وہ یہ ہے کہ "فرد" کے حق میں جو ان کمالات کا حامل ہوتا ہے، جن کا ذکر اوپر ہو چکا، اپنے رب کی عبادت کرنا ایسا ہی ہے جیسے کہ وہ اپنی طبیعت کے کسی فطری تقاضہ کو بجالا رہا ہو۔ چنانچہ اس تقاضے کو بجالانے میں اللہ تعالیٰ خود اس کی حفاظت کرتا ہے۔ اور اس ضمن میں اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے کسی فعل پر تنبیہ ہوتی ہے تو اس کا سبب یہ ہوتا ہے کہ مثلاً اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی مخصوص نعمت کا ایک لباس پہنایا تھا۔ لیکن اس نے اس لباس کے جو حقوق تھے، ان کو ادا کرنے میں کوتاہی کی۔۔۔ یہ تو اس دنیا کی زندگی میں فرد کے جو خواص ہیں۔ ان کا بیان ہوا اور عالم برزخ میں فرد کے خواص یہ ہیں کہ جب وہ موت کے بعد بدن کی قید سے نکل جاتا ہے تو اس کے اندر اس "طبیعت عامہ" کا اشتیاق پیدا ہوتا ہے جو ہر موجود چیز میں پائی جاتی ہے۔ فرد کا اس طبیعت عامہ کی طرف یہ اشتیاق ایسا ہی ہوتا ہے جیسے کہ انسان کے نفس ناطقہ کا بدن کی طرف اشتیاق ہے۔ لیکن ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ نفس ناطقہ کا اشتیاق بدن کی طرف بسلسلہ تدبیر ہوتا ہے اور طبیعت عامہ کی طرف فرد کا اشتیاق عشق و محبت کا ہوتا ہے۔ الغرض مرنیکے بعد جب اس فرد میں "طبیعت عامہ" کا اشتیاق پیدا ہو جاتا ہے تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ فرد خود اپنی ہمت سے تمام اجزائے عالم میں سرایت کر جاتا چنانچہ وہ پتھر میں پتھر، درخت میں

درخت، فلک میں فلک اور فرشتے میں فرشتہ ہوتا ہے اور اس سلسلہ میں ایک حالت سے دوسری حالت میں جانے سے کوئی چیز اس کو نہیں روک سکتی۔ جیسے کہ خود طبیعت مطلقا کی اپنی کیفیت ہے کہ وہ ہر شے میں موجود اور ہر چیز میں جاری وساری ہوسکتی ہے۔ اس حالت میں فرد سے بیشتر عجیب و غریب آثار واحکام صادر ہوتے ہیں۔ چنانچہ ان آثار واحکام میں سے ایک یہ ہے کہ وہ اس حقیقت کو بطور علم حضوری کے جان جاتا ہے کہ اس مقام طبیعت اولیٰ کے ساتھ ہے۔ اور فرد کا اس حقیقت کو جاننا ایسا ہوتا ہے جیسے کہ انسان کا نفس یہ جانے کہ وہ کھڑا ہے۔ حالانکہ اصل میں اس کا بدن کھڑا ہوتا ہے۔ انسان کا ایک حقیقت کو اس طرح جاننا یہ علم حضوری ہے۔ لیکن انسان کا یہ جاننا کہ فلاں شخص فلاں کا بیٹا ہے۔ یہ جاننا علم حضوری نہیں بلکہ اسے علم حصولی کہتے ہیں۔

وہ عجیب وغریب آثار واحکام جو فرد سے موت کے بعد جب کہ وہ عالم برزخ میں ہوتا ہے، اور اس کے اندر طبیعت عامہ کا اشتیاق پیدا ہو جاتا ہے۔ اور اس کی وجہ سے اسکی ہمت عالم کے تمام اجزاء میں سرایت کر جاتی ہے، ظاہر ہوتے ہیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ فرد کی یہ حالت بعض دفعہ سبب بن جاتی ہے کسی تدبیر کلی کے فیضان کا۔ چنانچہ یہ تدبیر کلی کسی موطن اور مقام میں ظہور پذیر ہوتی ہے۔ اور اس طرح یہ ذریعہ بنتی ہے برکتوں کے نزول کا۔

ومن بعد هذا ما تدق صفاته
وما كتمه احظى لدى و اجمل

اس مقام سے اوپر جو مقام ہے اس کی صفات بڑی دقیق اور نازک ہیں۔ اس لئے میرے نزدیک مناسب اور موزوں یہی ہے کہ ان پر پردہ ہی پڑا رہے۔

اس مشاہدہ میں یہ تحقیق بھی شامل ہے۔۔۔ اس "تحقیق" میں سید عبدالسلام بن بشیش نے صوفیاء کے مشرب کے مطابق جو ارشاد فرمایا ہے، اس کی وضاحت کی گئی ہے۔ اس سلسلہ میں موصوف فرماتے ہیں۔

"اے رب! حجاب اعظم کو میری روح کی زندگی بنا۔ اور یہی وہ حجاب اعظم ہے جس کی روح میری حقیقت کا راز ہے۔ اور اس حجاب اعظم کی حقیقت حق اول کے متحقق ہونے کے ذریعہ سے میرے

تمام عالموں کو جامع ہے۔"

موصوف کے اس قول میں حجاب اعظم سے مراد نبی ﷺ کی ذات اقدس ہے۔ جیسے کہ سید عبد السلام کے اس قول سے جو انہوں نے پہلے فرمایا تھا، واضح ہے۔ اور وہ قول یہ ہے۔

"اے رب! تیرا وہ حجاب اعظم جو تیرے لئے تیرے سامنے قائم ہے۔"

سید عبد السلام نے نبی ﷺ کی ذات اقدس کو اس قوم میں حجاب اعظم سے اس لئے تعبیر کیا ہے کہ حقیقتِ محمدیؐ مبدعات میں، یعنی وہ چیزیں جن کا ذات حق نے ابداع فرمایا، سب سے پہلے وجود میں آئی اور اس لیے یہ سب سے عظیم ترین ہے۔ چنانچہ اس کے ثبوت میں صوفیاء رسول اللہ ﷺ کا یہ قول نقل کرتے ہیں۔ "سب سے پہلی چیز جس کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا وہ میرا نور تھا"۔ الغرض ذات حق نے سب سے پہلے حقیقت محمدی کا ابداع فرمایا اور پھر اس حقیقت محمدی سے اور حقائق نکلے اور اس طرح یہ حقیقت محمدی ذات حق اور دوسرے جو حقائق بعد میں پیدا ہوئے، ان کے درمیان بطور ایک واسطے کے بن گئی۔

مزید برآں رسول اللہ ﷺ کی جو روح ہے، وہ باقی سب انبیاء کے لئے بمنزلہ ایک نبی کے ہے۔ کیونکہ سب انبیاء کی ارواح نے آپؐ ہی کی روح کے واسطے سے علوم و معارف اخذ کئے۔ چنانچہ جس طرح ایک نبی اپنی قوم میں ذات حق کا ترجمان ہوتا ہے۔ اور وہ لوگوں کے اور ذات حق کے درمیان واسطہ بن جاتا ہے۔ اسی طرح نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روح اقدس انبیاء کی ارواح کے لئے ترجمان بنی اور وہ ان کے اور ذات حق کے درمیان واسطہ ہو گئی۔ چنانچہ قرآن مجید کی یہ آیت اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ "(حشر کے دن) ان لوگوں کا کیا حال ہو گا جب کہ ہم ہر امت میں سے اس کے بارے میں ایک گواہی دینے والا حاضر کریں گے۔ اور (اے محمد) ہم تمہیں ان سب "ھولاء" پر بطور گواہی دینے والے کے لائیں گے۔" اگر ہم اس آیت میں لفظ ھولاء جو ہے اس کے معنی گواہی دینے والوں یعنی انبیاء کے لیں۔

نیز رسول اللہ ﷺ کی وہ صورت جس میں آپؐ اس عالم ناسوت میں ظاہر ہوئے اور جس صورت

سے کہ معجزات کا صدور عمل میں آیا اور جس صورت کی زبان سے معارف واحکام بیان کئے گئے۔
آپ ﷺ کی یہی صورت ہے جو ذات حق اور خلقت کے درمیان واسطہ بنی۔ اور لوگوں نے اس کو ذات حق سے قرب حاصل کرنے کا ذریعہ بنایا۔ علاوہ ازیں ہم اس سے پہلے بتا آئے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی تین کلی نشأتیں (ظہور) تھیں اور ان تین نشأتوں کے مطابق آپؐ کے توسط یعنی لوگوں کے لئے واسطہ بننے کی بھی تین قسمیں ہیں۔ آپ کی ان نشأتوں میں سے پہلی نشأۃ عبارت ہے اس مرتبہ سے جس کو صوفیاء نے "حقیقت محمدیہ" کا نام دیا ہے اور حقیقت محمدیہ سے مراد اللہ تعالیٰ کے اسمائے کلیہ کے احکام کا خارج میں کلی لحاظ سے متعین ہونا ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ کی کلی نشأتوں میں سے دوسری نشأۃ عبارت ہے اس مرتبہ سے جس کا نام صوفیاء کے ہاں "روح محمدی" ہے۔ اور اس سے مراد انسان کلی کا اس کے مظاہر اور تقیدات کے ظہور کے وقت حقیقت محمدیہ کے مقابل خود اس کے اپنے آپ کا تعین ہے اور آپ کی نشأتوں میں آخری نشأۃ وہ ہے جو عبارت ہے آپ کے اس مرتبے سے جس میں آپ اس عالم ناسوت میں ظاہر ہوئے۔ اسی نشأۃ سے آپؐ کے ان ظاہری کمالات کا تعلق ہے جو گم کردہ راہ امت کو راہ راست پر لانے کے لئے آپؐ سے اس وقت ظاہر ہوئے جب کہ چالیس سال کی عمر میں آپ کو لوگوں کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا۔ چنانچہ آپ نے اندھی آنکھوں کو روشنی دی، بہرے کانوں کو قوت سماعت بخشی اور تہ بہ تہ پردوں میں جو لپٹے ہوئے تھے ان کو بیدار کیا اور اس طرح وہ لوگ اس قابل ہو گئے کہ انہوں نے اللہ کے ایک ہونے کی شہادت دی۔ اور وہ تہذیب کی نعمت سے فیض یاب ہوئے اور انہوں نے ان احکام الٰہی کو جن کا کہ لوگوں کو پابند بنایا گیا ہے۔ اور نیز ان احکام کے علاوہ دوسرے اعلیٰ معارف کو جان لیا۔

اولیاء میں سے کامل ترین ولی وہ ہوتا ہے جو ان تین نشأتوں میں جن کا کہ ذکر ابھی ہوا ہے، خاتم الانبیاء محمد ﷺ کے نمونے پر ہو۔ لیکن اس ضمن میں یہ بات یاد رہے کہ وہ جزوی حقائق جو محبت، محبوبیت اور ان سے ملتے جلتے دوسرے کمالات ہیں ان کی اپنے اندر استعداد رکھتے ہیں، ان کا

تعین اسی وقت ہی ہوتا ہے جب انسان کلی اپنے حیز (مقام) میں مستقل طور پر ظہور پذیر ہو چکتا ہے۔ چنانچہ ان جزوی حقائق کا خارج میں پہلا تعین حقائق کلیہ کے تعین روحی کے مشابہ اور اس کے مقابل ہوتا ہے اور اسی بنا پر جب تک جزوی حقائق کا اس مرتبہ میں تعین نہیں ہو جاتا۔ اس وقت تک حقیقت محمدیہ سے ان جزوی حقائق تک مدد نہیں پہنچتی واقعہ یہ ہے کہ ایک ولی میں جو جامعیت ہوتی ہے۔ وہ اسی حقیقت محمدیہ کی وراثت ہے۔ اور اس ولی میں جو جو استعدادیں ہوتی ہیں۔ وہ اسے روح محمدی سے ورثہ میں ملتی ہیں۔ الغرض عطایات کا مرتبہ تو ایک ہے لیکن ان عطایات کے وجود میں آنے کے اسرار متعدد ہیں۔

قصہ مختصر، یہ بات تو بطور تمہید کے طے ہوگئی۔ اب ہم سید عبدالسلام بشیش کے اس قول کی طرف پھر رجوع کرتے ہیں۔ موصوف دراصل اللہ تبارک وتعالیٰ سے اپنی فطری استعداد کی زبان سے دعا کرتے ہیں کہ وہ انھیں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ان تین نشأتوں میں بالاجمال، اور نیز ان میں سے ہر ہر نشأۃ کے مخصوص کمالات میں بالتفصیل آپ کا وارث بنائے۔ چنانچہ شیخ موصوف نے رسول اللہ ﷺ کے عالم ثبوت میں جو کمالات تھے، ان کا وارث بننے کے سوال کو ان الفاظ میں پیش کیا ہے۔ اے رب! تو حجاب اعظم کو میری روح کی زندگی بنا۔ اس روح سے ان کی مراد وہ روح ہے جو اس مادی بدن میں پھونکی جاتی ہے اور پھر وہ زندگی میں اس بدن کی مدبر اور منتظم ہوتی ہے اور اسی سے بدن میں حس اور حرکت پائی جاتی ہے۔ اور یہی وہ روح ہے جو جزوی افراد کو جزوی کمالات کا اہل بناتی ہے اور نیز وہ کلی افراد جو مجموعی کمالات کی استعداد کے مالک ہوتے ہیں۔ ان کلی افراد کے اندر جو صورت ناسوتیہ ہے۔ اس کو کہیں بیان کرتے ہوئے ہم اس روح ہی کی طرف اشارہ کر چکے ہیں۔ الغرض شیخ موصوف کا یہ کہنا کہ اے رب! تو حجاب اعظم کو میری روح کی زندگی بنا۔ اس میں شیخ نے رسول اللہ ﷺ کے فیض کو اپنی روح کے لئے زندگی کی تشبیہ دی ہے اور ظاہر ہے زندگی ہی روح کا سب سے پہلا کمال ہے۔ چنانچہ شیخ نے آپ کے فیض کو زندگی سے جو تشبیہ دی ہے، اس تشبیہ میں جو حسن ہے وہ تم سے مخفی نہ رہنا چاہیے۔

آگے چل کر شیخ نے اپنی دعا میں اس سوال کی خود ہی تشریح کر دی ہے۔ چنانچہ اے رب! تو حجاب اعظم کو میری روح کی زندگی بنا۔ کہنے کے بعد وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ "یہی وہ حجاب اعظم ہے جس کی روح میری زندگی کا راز ہے۔" اور یہ اس لئے کہ جہاں ارواح کلی کا تعین ہوتا ہے وہیں سے ان حقائق جزوی کا بھی ظہور ہوتا ہے۔ یعنی حجاب اعظم کا تعلق ارواح کلی سے ہے۔ اور انفرادی زندگی حقائق جزوی سے متعلق ہوتی ہے۔ اور اس سلسلہ میں تم سے یہ بات بھی پوشیدہ نہ رہے کہ شیخ نے رسول اللہ ﷺ کے فیض کو جس کا کہ فیضان موصوف اپنی حقیقت پر چاہتے ہیں، لفظ "سر" یعنی راز سے تعبیر کیا ہے اور اس لفظ "سر" سے اس کا آثار و کمالات کا منبع ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اور اسی طرح اس سر سے یہ مطلب بھی نکلتا ہے کہ اس میں حسن و خوبی کے ایک ہی معیار پر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے استعدادوں کا تعین ہو گیا ہے۔

اس کے بعد شیخ اپنی اس دعا میں فرماتے ہیں۔ "حجاب اعظم کی حقیقت میرے تمام عالموں پر جامع ہے۔" اور یہ تعبیر ہے شیخ کے اس سوال کی کہ وہ کمالات جن کی وارث "حقیقت محمدیہ" ہے اور اگرچہ یہ حقیقت محمدیہ اپنے سے کم مرتبے میں ظاہر ہوئی ہے۔ اے رب! تو مجھے ان کمالات کے مطابق رسول اللہ ﷺ کا وارث بنا۔ اس ضمن میں یہ بات بھی داخل ہے کہ اس جہت سے کسی ولی کے کامل ترین ہونے کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ خارج میں جو نطائف ہیں انکے مقابل اس ولی کے اندر رقائق ہوں اور دراصل واقعہ یہ ہے کہ ان رقائق میں سے ہر رقیقہ ایک نہ ایک نطاقہ کی اجمالی صورت اور اسکے احوال کی معرفت سے عبارت ہوتا ہی چنانچہ اس مرتبہ میں رسول اللہ ﷺ سے استفادہ کرنے والے کی حقیقت پر آپ کی طرف سے جو فیضان بھی ہوگا، وہ تمام عالموں کو جمع کرنے والا ہوگا اور اسی لئے شیخ اس کے بعد ہی اسی دعا میں فرماتے ہیں کہ "اے رب! حق اول کو متحقق کر کے اس کو واسطہ بنا کہ حجاب اعظم میری روح کی زندگی ہو جائے۔

"متحقق کر کے" کے معنی خارج میں کسی چیز کو متحقق کرنا ہے۔ اور یہاں اس سے مراد "فیض مقدس" سے ہے۔ اور اس ضمن میں تم سے یہ بھی مخفی نہ رہے کہ یہاں مضمر کی جگہ مظہر کا ذکر کرنا اس

بات پر دلالت کرتا ہے کہ حق اول جب متحقق ہوگا تو اس کا تحقق اس لحاظ سے ہوگا کہ وہ حق ہے۔ حق ان معنوں میں کہ وہ بذات خود بھی متحقق ہوتا ہے۔ اور اپنے سوا دوسروں کے تحقق کا باعث بھی بنتا ہے۔ اور نیز وہ مبداء ہے تمام اشیاء کا اور اس لئے وہ سب سے اول ہے اور وہی سب وجودوں کا وجود اول اور ماہیات کی پہلی ماہیت ہے۔

اس مشاہدہ میں یہ تحقیق بھی شامل ہے۔۔۔۔۔ معلوم ہونا چاہیے کہ عارف کے لئے خود ذات حق کا وصال اور ذات حق کے اسماء و تجلیات کا وصال برابر ہوتا ہے۔ بے شک ہم کہتے ہیں کہ عارف کو خود ذات حق کا وصال ہوتا ہے۔ ہاں یہ دوسری بات ہے کہ وہ عارف اس ذات کا علم اور ادراک رکھتا ہو یا نہ رکھتا ہو۔ اس ضمن میں جو کچھ ہم نے یہاں کہا ہے، محققین کے کلام سے ہماری اس بات کے خلاف جو وہم ہوتا ہے، تو اس کی اصل حقیقت یہ ہے کہ محققین نے ذات حق سے نفس وصال کا انکار نہیں کیا۔ البتہ اس سلسلہ میں انہوں نے ذات حق کو جاننے اور اس کا احاطہ کر سکنے کی ضرور نفی کی ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ سالک جب اس حقیقت تک پہنچتا ہے جس کو "انا" سے تعبیر کرتے ہیں اور نیز جب وہ اس حقیقت "انا" کو اس کے نیچے جو مراتب ہیں ان سے منزہ اور مجرد کر لیتا ہے تو اس حالت میں سالک کا تحقق، تقرر اور وجود کی طرف التفات ہوتا ہے۔ اور ان سب کی اصل وجود مطلق ہے۔ اس وجود مطلق کے کئی تنزلات اور بہت سے لباس ہیں۔ سالک تحقق، تقرر اور وجود کی طرف التفات کے ضمن میں وجود مطلق کے ہر تنزل اور اس کے ہر لباس کو اس تنزل اور لباس کی حس کے ذریعہ جان جاتا ہے۔ چنانچہ وہ عالم مثال کا عالم مثال کی حس کے ذریعہ اور عالم روح کا عالم روح کی حس کے ذریعہ ادراک کرتا ہے۔ اور اس طرح وہ ذرا آگے بڑھتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اس حقیقت کا جس کے بعد کوئی اور حقیقت نہیں خود اس حقیقت کے ذریعہ ادراک کرتا ہے۔ اور یہ ہے عارف کا ذات حق سے وصال اور اس مقام میں اگر اس کو علم ہوتا ہے تو اسی حقیقت "انا" کا۔ اور عارف ادراک کرتا ہے تو اسی "انا" کی حقیقت کا، عارف باللہ شیخ عفیف الدین تلمسانی نے اسی نکتے کی طرف اپنے ان اشعار میں کس خوبی سے اشارہ فرمایا ہے۔

دعوا منکری فوذی بہا یخطر　　یحق لما تیک القلوب انتظارھا

وما زا علی من صار خالا لخدھا　　اطار ابوھا ام تنبه جادھا

" محبوبہ کو میرے پالینے سے جو انکار کرتا ہے اسکو چھوڑ و اس کو چھوڑو۔ اس کا دل شق ہوا کرے اور سچی بات تو یہ ہے ایسے دل اس قابل ہی ہیں کہ وہ شق ہوا کریں۔ اگر ایک شخص اپنی محبوبہ کے رخسار کا خال بن جائے تو اسے اس کی کیا پرواہ ہوتی ہے کہ اس بنا پر محبوبہ کے باپ کی غیرت مشتعل ہو گئی یا اس محبوبہ کے ہمسایہ کو اس کی خبر لگ گئی۔ "

الغرض جو کاملین ہیں۔ ان کو تو ذات حق کا بالفعل وصال ہوتا ہے۔ اور اسی طرح انہیں ذات حق کے اسماء و تجلیات کے اصول میں بھی فنا و بقا اور تحقق حاصل ہو جاتا ہے۔ لیکن اس ضمن میں ایسا ہو کہ یہ کاملین اس کے متعلق حالت انتظار میں رہیں۔ تو یہ بات جائز نہیں ہے بے شک اس کے بعد یہ ضرور ہوتا ہے کہ وجود کی نشأتوں میں سے ہر ہر نشأۃ کے جو خصوصی احکام ہوتے ہیں عارف کو یکے بعد دیگرے ان میں سے گزرنا پڑے۔ گویا کہ جیسے عارف نے ذات حق اور اس کے اسماء و تجلیات کے وصال کے وقت ان تمام نشأتوں کے خصوصی احکام کا بھی احاطہ کر لیا ہو۔ لیکن عارف کا ان تمام نشأتوں کا یہ احاطہ اجمالی ہوتا ہے۔ اور اس کی تفصیل باقی رہتی ہے۔ چنانچہ اب جو وصال کے بعد اسے ہر ہر نشأۃ کے احکام خصوصی سے گزرنا پڑا تو یہ تفصیل ہوئی اس اجمالی علم کی جو اسے ذات حق اور اس کے اسماء و تجلیات کے وصال کے وقت تمام انساتوں کے احاطہ کے متعلق حاصل ہوا تھا۔ الغرض ان معنوں میں کاملین کی ترقیوں کی کوئی انتہا نہیں ہے۔

اس مشاہدہ میں یہ تحقیق بھی ہے۔۔۔۔ ذات اول یعنی خدا تعالیٰ کا اشیاء کو دو جہت سے علم ہوتا ہے۔ ان میں سے ایک اس کے علم کی اجمالی جہت ہے۔ اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب ذات اول کو اپنی ذات کا علم ہوا تو اس ضمن میں اس نے وجود کے نظام کے سلسلہ میں اس کا اپنا جو اقتضائے ذاتی تھا، اس کو بھی جان لیا۔ بات یہ ہے کہ علت تامہ کا یعنی وہ علت جس کا لازمی نتیجہ اس سے معلول کا صدور ہو اعلم اس امر کی کفایت کرتا ہے کہ علت تامہ کے ساتھ ساتھ معلول کا بھی علم حاصل ہو گیا۔ اب جہاں تک کہ اشیائے عالم کا تعلق ہے وہ سب وجود الٰہی میں موجود تھیں اور ان کا

وجود وہاں بمنزلہ امکان کے نہیں تھا۔ کیونکہ ایک چیز جب متحقق ہوئی تو اس کا متحقق ہونا اس بنا پر تھا کہ ذات واجب نے اسے متحقق کیا۔ اور اسی طرح ایک چیز وجود میں آئی، تو اس کا وجود میں آنا اسی وجہ سے تھا کہ ذات واجب نے اسے ایجاد کیا۔ غرضیکہ ہر چیز کے مقابل ذات واجب کا ایک کمال اور اسکا اقتضائے ذاتی ہے۔ اور ذات واجب کے یہی وہ حالات ہیں جو اشیاء کے ظہور کا منبع اور ان کے حقائق کی اصل کنہ ہیں۔ چنانچہ جس طرح ذات واجب کا ہر کمال خود اپنی خصوصیت کے اعتبارات ایک نہ ایک چیز کو وجود میں لانے کا متقاضی ہوتا ہے۔ اسی طرح ہر چیز بھی وجود میں آنے کے لیے ذات واجب کے ایک نہ ایک کمال کی محتاج ہوتی ہے۔ تو یہ کہ ذات واجب کے یہ کمالات اور یہ اشیاء امر واحد ہیں۔ لیکن یہ کمالات ذات واجب کے لوازم اور اسکے ذاتی اعتبارات میں بمنزلہ اس کے علم، اس کی قدرت اور اس کی حیات کے ہیں۔ یعنی یہ سب کے سب معلولات ہیں۔ اس ذات واجب کی علت تامہ کے اور اسی سے ان سب کا صدور بھی ہوا ہے۔

ذات اول کو اشیاء کا علم جس طرح ہوتا ہے اس کی پہلی جہت یعنی جہت اجمالی تو یہ ہوئی۔ ذات اول کے علم کی دوسری جہت، جہت تفصیلی ہے اور اس کی شرح یہ ہے کہ ہر چیز جو موجود ہے۔ وہ معلول ہے ذات واجب کی۔ یعنی اس کے وجود میں آنے کے لئے ذات واجب علت بنی اور جو چیز معلول نہیں یعنی اس کی کوئی علت نہیں تو اس چیز کا متحقق ہونا بھی ممکن نہیں اور اس سلسلہ میں یہ بات بھی ضرور ملحوظ رہے کہ یہ معلومات ذات حق کی اس طرح محتاج نہیں ہیں۔ جیسے کہ ایک عمارت کا بنا معمار کا محتاج ہوتا ہے یعنی جب عمارت بن گئی تو پھر معمار کی ضرورت نہ رہی بلکہ ان معلولات کو جبتک کہ وہ معلولات موجود ہیں، اپنے تقرر میں اپنے جوہر ہونے، متحقق ہونے اور قیام پذیر ہونے میں برابر ذات واجب کی حاجت رہتی ہے اور ذات واجب کا ان معلولات کو وجود میں لانا اور اس کا انکو متحقق کرنا ہی فی الحقیقت ان معلولات کے وجود اور تحقیق پذیر ہونے کی اصل ہے۔ اور نیز اشیاء کی ماہیات میں آپس میں ایک دوسرے سے جو امتیاز پایا جاتا ہے۔ تو یہ نتیجہ ہے ذات واجب کی طرف سے ایجاد، تحقیق اور تقدیم کی جو حیثیتیں ہیں، ان کے باہمی امتیاز کا۔ اور ذات واجب کا ان معلومات کے ساتھ جو ارتباط پایا جاتا ہے۔ وہ اس ارتباط سے جو ایک صورت اور اسکے محل

صورت میں ہوتا ہے زیادہ قوی ہے۔ اور یہ ارتباط اس امر کا بھی متقاضی ہوتا ہے کہ اشیاء اپنے فاعل کے روبرو موجود ہوں۔ الغرض ذاتِ اول ان اشیاء کو ان اشیاء ہی کے ذریعہ سے جانتی ہے۔ نہ کہ ان صورتوں کے ذریعہ سے جو ذات واجب میں منقوش ہیں اور اشیاء کا بھی وہ علم ہے جو ذات واجب کو ان اشیاء کے وجود امکانی کے واسطہ سے ہوتا ہے۔ خواہ یہ اشیاء از قسم مادیات ہوں یا از قبیل مجردات۔ اور واقعہ یہ ہے کہ وہ جواہر عقلیہ جن کے اندر اشیاء کی صورتوں کو منقوش مانا جاتا ہے، ان کو ذات اول اور اشیاء کے درمیان اس علمی ربط کو قائم کرنے کے لئے واسطہ بنانے کی ضرورت نہیں ہے۔ بیشک ان جواہر عقلیہ کو واسطہ بنانے کی ضرورت مفروضات میں تو ہو سکتی ہے۔ یعنی وہ مفروضات جو محض خیال ہی میں اپنا وجود رکھتے ہیں اور ان دنیا میں ان کا کوئی وجود نہیں ہوتا۔ جیسے کہ فرض کرنے والوں نے غول بیابانی کے لمبے لمبے دانت فرض کر لئے ہیں۔ الغرض مطلب یہ ہے کہ ذات اول کو اشیاء کا علم اشیاء ہی کے ذریعہ ہوتا ہے۔ اور اس کے لئے اسے جواہر عقلیہ کو واسطہ بنانے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ تم اس میں خوب غور و تدبر کرو۔

شیخ ابن عربیؒ لکھتے ہیں:

ج انسانوں سے افراد ہیں وہ ان فرشتوں کی مثل ہیں جو الہ تعالیٰ کی ذات میں مستغرق ہیں پس پہلے افراد تین ہیں اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: تین سوار ہیں یعنی تین سوار ایک قافلہ ہوتے ہیں پس پہلے تین سواروں سے لے کر اوپر تک قافلہ ہوتا ہے اور ان کے لئے حضرت الہیہ سے حضرت فردانیہ ہے اور اس میں وہ تمیز کرتے ہیں اور اسماء الہیہ سے فرد اور مواد اس مقام سے ان کے دلوں پر وارد ہوتے ہیں کہ جہاں سے وہ ان فرشتوں پر وارد ہوتا ہے جو ذات الہیہ میں گم ہیں۔

اس لئے ان کا مقام معروف نہیں ہوتا اور وہ اس کی مثل نہیں کرتے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے باوجود اللہ تبارک وتعالیٰ کی شہادت کے حضرت خضر علیہ السلام پر انکار کیا تھا جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کیلئے ان کی تعریف اور ان کی شراکت اور تزکیہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے مطلع فرمایا تھا اور انہوں نے جب حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ رہنے کا ارادہ کر لیا تھا اور حضرت خضر علیہ السلام نے ان سے عہد لیا تھا۔ حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ کوئی شخص درجہ حقیقت کو نہیں

پہنچا جب تک ایک ہزار صدیق اسے زندیق نہ کہہ دے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس علم کو جانتے ہیں جو ان کے علاوہ نہیں جانتے اور یہ اس علم کو جاننے والے ہیں جس علم کے بارے میں حضرت علی بن ابی طالبؓ اپنے سینے پر ہاتھ مارتے اور آہ بھر کر فرماتے یہاں بہت بڑے علوم ہیں کاش! اگر میں ان کے اٹھانے والے کو پاتا تو اٹھا دیتا۔

کیونکہ آپ افراد میں سے تھے اور یہ آپ کے علاوہ آپ کے زمانہ میں سوائے حضرت ابو ہریرہؓ کے کسی سے نہیں سنا گیا، ان سے اس کی مثل ذکر حدیث بخاری نے اپنی صحیح میں تخریج کی ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے دو تھیلے علم کے اٹھائے ایک وہ ہے جو تم میں پھیلاؤں گا اور دوسرا وہ ہے کہ اگر اسے پھیلاؤں تو میری اس بلعوم کو کاٹ دیا جائے گا اور بلعوم وہ رگ ہے جس سے کھانا گزرتا ہے یعنی میری شہ رگ کو کاٹ دیا جائے گا۔ پس ابو ہریرہؓ نے ذکر کیا ہے کہ میں نے یہ علم رسول اللہ ﷺ سے اٹھایا ہے تو وہ اس میں بغیر ذوق کے نقل کرنے والے تھے لیکن وہ جانتے تھے کہ انہوں نے یہ رسول اللہ ﷺ سے سماعت کیا ہے اور ہم اس میں عین الفہم سے کلام کرتے ہیں جو فی نفسہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے کلام میں عطا ہوا ہے۔ (فتوحات مکیہ ج ۱)

وسعت قلب کیا عرش سے زیادہ ہے؟:

سوال: دوران مراقبہ کشفی نظر میں محسوس ہوتا ہے کہ میرا قلب عرش سے بڑا ہے اور اسکو محیط ہے کیا یہ درست ہے؟ (عزیز ڈیرہ اسماعیل خان)

جواب: حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں۔

شیخ بایزید بسطامیؒ فرماتے ہیں اگر عرش اور جو کچھ عرش میں ہے سب عارف کے دل کے گوشہ میں رکھ دیں تو عارف کو قلب کی فراخی کے باعث کچھ محسوس نہ ہو۔

شیخ جنیدؒ اس بات کی تائید کرتے ہیں اور دلیل کے ساتھ ثابت کرتے اور کہتے ہیں کہ جب حادث قدیم کے ساتھ مل جاتا ہے تو اس کا اپنا اثر کچھ باقی نہیں رہتا یعنی عرش و مافیہا حادث ہے اور عارف

کا قلب جو انوار قدم کے ظہور کا محل ہے جب اس حادث کو اس قدیم کے ساتھ ملنے کا اتفاق ہوتا ہے تو مضمحل اور متلاشی یعنی فانی و ناچیز ہو جاتا ہے پھر کس طرح محسوس ہو سکے۔

بڑے تعجب کی بات ہے کہ جب صوفیہ کے رئیس یعنی سلطان العارفین اور سید الطائفہ اس طرح کہیں اور عرش مجید کا قلب عارف کے مقابلہ میں کچھ اعتبار نہ کریں اور عرش کو انوار قدم کے ظہورات سے خالی جان کر حادث کہ دیں اور قلب کو انوار قدم کے ظہورات کے باعث قدیم بیان کریں تو پھر اوروں کا کیا ذکر ہے۔ اس فقیر کے نزدیک جو جذبات الہٰی سے تربیت یافتہ ہے، یہ ہے کہ جب عارف کا قلب اپنی خاص استعداد کے موافق نہایت النہایت تک پہنچ جاتا ہے اور وہ کمال حاصل کر لیتا ہے جس سے بڑھکر اور کمال متصور نہیں تو اس بات کی قابلیت پیدا کر لیتا ہے کہ انوار عرشی کے ظہور کے بے نہایت لمعات میں سے ایک لمعہ اس پر فائض ہو۔ اس لمعہ کو ان لمعات کے ساتھ وہ نسبت ہوتی ہے جو قطرے کو دریائے محیط کے ساتھ ہوتی ہے بلکہ اس سے بھی کم ہوتی ہے۔ عرش وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ عظیم فرماتا ہے اور جس پر استوا کا سر ثابت کرتا ہے۔ قلب عارف کو جامعیت کے باعث تشبیہ اور تمثیل کے طور پر عرش اللہ کہتے ہیں یعنی جسطرح عرش مجید عالم کبیر میں عالم خلق اور عالم امر کے درمیان برزخ ہے اور خلق و امر کی دونوں طرفوں کا جامع ہے۔ اسی طرح قلب بھی عالم صغیر میں عالم خلق اور عالم امر کے درمیان برزخ ہے اور اس عالم کے خلق و امر دونوں طرفوں کا جامع ہے۔ پس قلب کو بھی تشبیہ کے طور پر عرش کہہ سکتے ہیں۔

جاننا چاہیے اور غور سے سننا چاہیے کہ انوار قدم کے ظہور کی قابلیت جو ظلیت کی ملاوٹ سے منزہ اور مبرا ہے، وہ عرش مجید کے ساتھ مخصوص ہے۔ یہ قابلیت عرش مجید کے سوا نہ عالم خلق رکھتا ہے اور نہ عالم امر نہ عالم کبیر اور نہ عالم صغیر۔

عارف کامل کا قلب بھی جامعیت اور برزخیت کے تعلق کے باعث ان انوار سے نور اقتباس کر لیتا ہے اور دریا سے ایک چلو بھر لیتا ہے۔ عرش اور کامل معرفت والے عارف کے دل کے سوا اور جس قدر ظہور ہیں، سب پر ظلیت کا داغ ہے اور کسی میں اصل کی بو نہیں۔ بایزیدؒ اگر سکر کے باعث اس

طرح کہ دیں تو مناسب ہے لیکن جنید جو صحو کا مدعی ہے اس سے اس قسم کا کلام صادر ہونا نہایت ہی ناخوش اور نامناسب ہے لیکن کیا کریں وہ حقیقت معاملہ سے واقف ہی نہیں ہوئے اور دریائے ظلیت کے بھنور سے کنارہ تک نہیں پہنچے۔ یہ بات اکثر خلق کی نظر میں اگر چہ آج بعید اور عجیب دکھلائی دیتی ہے لیکن آج کے آگے کل نزدیک ہے۔ جلدی نہ کریں۔ (مکتوب ص ۴۸ ج ۲ مکتوب نمبر ۱۰)

دوسرے مقام پر امام ربانی لکھتے ہیں:

انسان نسخہ جامعہ ہے جو کچھ تمام موجودات میں ہے انسان میں تنہا ثابت ہے لیکن عالم امکان سے بطریق حقیقت کے اور مرتبہ وجوب سے بطور صورت کے۔ **ان اللہ خلق آدم علی صورتہ** (اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا) اور قلب انسان بھی اسی جامعیت کی صورت پر پیدا کیا گیا ہے کہ جو کچھ پورے انسان میں ہے وہ سب کچھ تنہا قلب میں ہے اسی واسطے اس کو حقیقت جامعہ کہتے ہیں اور اسی جامعیت کے باعث بعض مشائخ نے قلب کی وسعت سے ایسی خبر دی ہے کہ عرش و ما فیہا عارف کے دل کے گوشہ میں ڈال دیں تو کچھ محسوس نہ ہو۔ کیونکہ قلب عناصر اور افلاک اور عرش و کرسی و عقل و نفس کا جامع ہے اور مکانی اور لامکانی کو شامل ہے۔ پس لامکانیت سے شامل ہونے کے باعث قلب میں عرش و ما فیہا کا کچھ مقدار نہ ہوگا کیونکہ عرش و ما فیہا باوجود وسعت کے دائرہ امکان میں داخل ہے اور مکانی اگر چہ وسیع ہے لیکن لامکانی کے مقابلہ میں بہت تنگ ہے اور کچھ مقدار نہیں رکھتا لیکن مشائخ میں سے اصحاب صحو قدس سرہم جانتے ہیں کہ یہ حکم سکر پر مبنی ہے اور شئی کی حقیقت اور اس کے نمونہ کے درمیان تمیز نہ کرنے پر محمول ہے۔ عرش مجید جو ظہور تام کا محل ہے اس سے بہت بلند ہے کہ تنگ قلب میں سما سکے۔ جو کچھ دل میں عرش کی نسبت ظاہر ہوتا ہے وہ عرش کا نمونہ ہے نہ کہ عرش کی حقیقت اور کچھ شک نہیں کہ وہ نمونہ دل کے مقابلہ میں جو بے شمار نمونوں کا جامع ہے کچھ مقدار نہیں رکھتا۔ وہ آئینہ کہ جس میں اس قدر بڑا آسمان مع دوسری اشیاء کے دکھائی دیتا ہے نہیں کہہ سکتے کہ آسمان سے وسیع ہے ہاں آسمان کا نمونہ جو آئینہ میں ہے آئینہ کے

مقابلہ میں چھوٹا ہے۔ نہ آسمان کی حقیقت۔ (مکتوبات ص ۲۹۳ ج ۱ مکتوب نمبر ۹۵)

حضرت مجددایک اور جگہ لکھتے ہیں:

اور اسی قسم سے ہے وہ بات جو انہوں نے اپنے قلب کی وسعت کے بارے میں کہی ہے کہ اگر عرش وما فیہا کو عارف کے قلب کے گوشہ میں رکھ دیں تو کچھ محسوس نہ ہو۔ یہاں بھی نمونہ کی حقیقت سے اشتباہ ہے ورنہ عرش کے مقابلہ میں جس کو حق تعالیٰ تعظیم فرماتا ہے۔ عارف کے قلب کا کیا اعتبار اور مقدار ہے۔ وہ ظہور جو عرش میں ہے اس کا سوواں حصہ بھی قلب میں نہیں۔ اگر چہ عارف کا قلب ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ رویت اخروی عرش کے ظہور پر متحقق ہوگی۔ یہ بات اگر چہ آج بعض صوفیا کو ناگوار گزرے گی لیکن آخر کار ایک دن ان کی سمجھ میں آجائے گی۔

اس بات کو ہم ایک مثال سے روشن کرتے ہیں کہ انسان چونکہ عناصر وافلاک کا جامع ہے جب اس کی نظر اپنی جامعیت پر پڑتی ہے تو عناصر وافلاک کو اپنے اجزاء دیکھتا ہے اور جب یہ دید غالب آجائے تو کچھ دور نہیں کہ وہ یہ بات کہہ دے کہ میں کرۂ ارض سے بڑا ہوں اور آسمانوں سے فراخ تر ہوں۔ اس وقت عاقل لوگ سمجھتے ہیں کہ اس کی عظمت و بڑائی اس کے اپنے اجزاء سے ہے اور کرۂ زمین اور آسمان حقیقت میں اس کے اجزاء نہیں ہیں بلکہ اس کے ان اجزا کا نمونہ بنے ہوئے ہیں اور اس کی بزرگی ان نمونوں سے ہے جو اس کے اجزاء ہیں نہ کہ کرۂ ارضی وسماوی کی حقیقت سے اور اسی وجہ سے کہ کسی شئی کا نمونہ اس کی حقیقت کے مشابہ ہوتا ہے۔ (مکتوبات ص ۱۲۷۸ ج ۱ مکتوب نمبر ۲۲۰)

حضرت شاہ ولی اللہ کی کیفیت:

حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں۔

اس کے بعد میرے لئے اللہ تعالیٰ کی تدلی اعظم ظاہر ہوئی تو میں نے اسے بے کنار اور غیر متناہی پایا۔ اور اس وقت میں نے اپنے نفس کو بھی غیر متناہی پایا اور میں نے دیکھا کہ گویا میں ایک غیر متناہی ہوں۔ جو دوسرے غیر متناہی کے مقابل ہے اور میں اس غیر متناہی کو اپنے اندر نگل گیا

ہوں۔ اور میں نے اس غیر متناہی میں سے کچھ باقی نہیں چھوڑا۔ اس کے بعد میں نے اپنے نفس کی طرف رجوع کیا تو کچھ دیر تک میں اپنے نفس کی اس عظمت اور وسعت سے حیرت میں رہا لیکن پھر یہ حالت مجھ سے جاتی رہی۔ (فیوض الحرمین ص ۱۵۶)

امام ربانی مجدد الف ثانیؒ لکھتے ہیں:

اگرچہ حدیث قدسی و لکن یسعنی قلب عبدالمؤمن

ترجمہ: لیکن میں اپنے مومن بندے کے دل میں سما جاتا ہوں

کے موافق مومن بندے کا دل بیچونی ظہور کی گنجائش حاصل کر لیتا ہے۔ (مکتوبات ص ۶۶۵ ج ۳ مکتوب نمبر ۱۲۴)

دوسرے مقام پر ارشاد فرماتے ہیں:

ان اللہ خلق آدم علی صورتہ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ بیچوں و بیچگون ہے۔ آدم علیہ السلام کی روح کو جو اس کا خلاصہ ہے۔ بیچونی اور بیچگونی کی صورت پر پیدا کیا ہے۔ پس جسطرح حق سبحانہ لامکانی ہے روح بھی لامکانی ہے اور روح کو بدن کے ساتھ وہی نسبت ہے جو حق جل شانہ کو عالم کے ساتھ ہے۔ نہ داخل ہے نہ خارج نہ متصل ہے نہ منفصل اور قیومیت سے زیادہ اور کوئی نسبت مفہوم نہیں ہوتی اور بدن کے ذرات میں سے ہر ذرہ کا قیوم روح ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ عالم کا قیوم ہے۔ بدن کیلئے حق تعالیٰ کی قیومیت روح کی قیومیت کے سبب سے ہے۔ جو فیض وارد ہوتا ہے۔ اس فیض کے وارد ہونے کا محل پہلے روح ہے اور پھر روح کے ذریعے وہ فیض بدن کو پہنچتا ہے اور چونکہ روح بیچونی اور بیچگونی کی صورت میں پیدا کیا گیا ہے۔ اس لئے حقیقی بیچونی و بیچگونی کی گنجائش اس میں ہوگی۔

لا یسعنی ارضی ولا سمائی ولکن یسعنی قلب عبد مؤمن

ترجمہ: میں اپنی زمین و آسمان میں نہیں سما سکتا لیکن مومن آدمی کے دل میں سما جاتا ہوں۔

کیونکہ آسمان و زمین باوجود وسعت و فراخی کے چونکہ دائرہ امکان میں داخل ہیں اور چونی اور چگونی کے نشان سے داغدار ہیں اس لئے لامکانی کی جو چندی اور چونی سے مقدس و پاک ہے۔ گنجائش نہیں رکھتے، کیونکہ لامکانی مکان میں گنجائش نہیں رکھتا۔ اور بیچون چون میں آرام نہیں لیتا۔ پس ناچار مومن آدمی کے دل میں جو لامکانی ہے اور چندی اور چونی سے مبرا ہے گنجائش ثابت ہو گئی ہے۔ مومن آدمی کے دل کی تخصیص اس لئے ہے کہ غیر مومن آدمی کا دل لامکانی کی بلندی سے نیچے اترا ہوا ہے اور چندی و چونی میں گرفتار ہو کر اسی کا حکم کئے ہوئے ہوتا ہے۔ پس نزول و گرفتاری کے باعث چونکہ دائرہ امکان میں داخل ہو گیا ہے اور چونی کا حکم حاصل کر لیا ہے اس لئے اس نے اس قابلیت کو ضائع کر دیا ہے۔

اولئک کالانعام بل ھم اضل ترجمہ: یہ لوگ چارپاؤں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں۔

اور مشائخ میں سے جس کسی نے بھی اپنے دل کی وسعت کی نسبت خبر دی ہے اس سے مراد قلب کی لامکانیت ہے کیونکہ مکان خواہ کتنا ہی وسیع ہو پھر بھی تنگ ہی ہے۔

عرش اپنی فراخی و عظمت کے باوجود چونکہ مکانی ہے اس لئے لامکانی کے مقابلہ جو روح ہے دانہ رائی کا حکم رکھتا ہے بلکہ اس سے بھی کم معلوم ہوتا ہے۔ بلکہ میں کہتا ہوں کہ جب یہ قلب انوار قدس کی تجلی کا محل ہے اور قدیم کے ساتھ بقا حاصل کر چکا ہے تو عرش و مافیہا کو اگر اس میں ڈال دیں تو محو و متلاشی ہو جائیں اور ان میں سے کچھ باقی نہ رہے جیسا کہ سید الطائفہ نے اس مقام کے بارے میں فرمایا ہے۔

ان المحدث اذا قورن بالقدیم لم تبق له اثر

ترجمہ: کہ جب حادث قدیم کے ساتھ مل جائے تو اس کا کوئی اثر باقی نہیں رہتا۔

یہ ایسا یکتا لباس ہے جو روح کے قد پر سیا ہوا ہے۔ ملائکہ کو بھی یہ خصوصیت حاصل نہیں ہے کیونکہ وہ بھی دائرہ امکان میں داخل ہیں۔ اور چون کے داغ سے موسوم ہیں۔ اسی واسطے انسان خلیفہ رحمٰن

جل شانہ بن گیا۔ہاں شئی کی صورت اس شئی کا خلیفہ ہوتی ہےاور جب تک شئی کی صورت پرمخلوق نہ ہو،شئی کی خلافت کے لائق نہیں ہوتا۔اپنی اصلی امانت کے بوجھ کو نہیں اٹھا سکتا۔

لا یحمل عطایا الملک الا مطایاہ ترجمہ:بادشاہوں کے عطیوں کو اسی کے اونٹ اٹھا سکتے ہیں۔

انا عرضنا الامانة علی السموٰت و الارض والجبال فابین ان یحملنھا و اشفقن منھا و حملھا الانسان انه کان ظلو ما جھولا.

ترجمہ: ہم نے امانت کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا لیکن انہوں نے اس کو اٹھانے سے انکار کیا اور ڈر گئے اور انسان نے اس کو اٹھالیا۔واقعی یہ ظالم اور جاھل ہے۔

اپنے نفس پر ظلم کرنے والا اسی حیثیت سے ہے کہ اس کے وجود اور توابع وجود کا کوئی اثر اور حکم باقی نہیں رہتا اور زیادہ نادان اور جاھل اس لئے ہے کہ اس کا اتنا ادراک نہیں ہوتا کہ مقصود کو پاسکے اور نہ ہی اس قدر علم ہوتا ہے کہ مطلوب کو معلوم کر سکے بلکہ اس مقام پر ادراک سے عاجز ہونا ادراک اور جہالت کا اقرار کرنا معرفت ہے۔اس واسطے بزرگوں نے فرمایا کہ جو اللہ تعالیٰ کا زیادہ عارف ہے وہ سب سے زیادہ حیران پریشان ہے۔(مکتوبات ص ۳۴۲ ج ۱ مکتوب نمبر ۲۸۷)

سوال:

کیا ارواح قدیم ہیں؟ کیا اکابرین صوفیاء میں سے کسی نے اس نظریہ کو اپنایا ہے؟ محمد عامر(امریکہ)

الجواب باسم ملہم الصواب:

اہل سنت والجماعت کا نظریہ روح کے مخلوق اور حادث ہونے کا ہے۔اگر کسی نے قدیم کہا ہے جیسے کہ شاہ ولی اللہ تو اس سے مراد امر الٰہی ہے جس کا تعلق روح سے ہے اس نور پہ بھی روح کا اطلاق کر دیا گیا۔البتہ ابن عربی کا جو قول ہے کہ روح قدیم ہے اس کا جواب آگے آرہا ہے۔

ہم سب سے پہلے روح کے مخلوق ہونے پر دلائل پیش کریں گے پھر ابن عربی کا جواب پھر شاہ ولی اللہؒ کی تفصیلی عبارت نقل کریں گے تا کہ مسئلہ کا ہر پہلو واضح ہو جائے۔

اس بارے میں کئی اقوال ہیں:

(۱) تمام کی تمام ارواح مخلوق ہیں اہل سنت والجماعت کا یہی مسلک ہے اور انہوں نے نبی اقدس ﷺ کی حدیث مبارک "الارواح جنود مجندة فما تعارف منها ائتلف و ما تناکر منها اختلف " (مسلم رقم ۶۶۵۰) کہ عالم ارواح میں روحیں لشکر در لشکر تھیں وہاں جن کا آپس میں تعارف ہو گیا یہاں بھی ملاقات و محبت ہو گی اور جن کا وہاں تعارف نہ ہوا یہاں بھی محبت نہ ہو گی اور لشکر مخلوق ہی ہوتے ہیں

(۲) دوسرا قول یہ ہے کہ روح اللہ کا امر ہے۔ اللہ تعالی نے اس کی حقیقت کو مخفی رکھا ہے۔ اس قوم نے حق تعالی کے قول "قل الروح من امر ربی " (الاسراء: ۸۵) کہ دیجئے کہ روح میرے رب کا امر ہے۔ سے استدلال کیا ہے۔

(۳) بعض نے کہا کہ روح اللہ تعالی کے نوروں میں سے نور اور اسکی حیات میں سے حیات ہے۔ انہوں نے نبی اقدس ﷺ کے قول کہ "ان الله خلق خلقه فی ظلمة، والقی علیهم من نوره" (ترمذی رقم ۲۶۴۲) اللہ نے مخلوق کو اندھیرے میں پیدا کیا پھر ان پر اپنا نور ڈالا۔

جمہور کے دلائل:

نمبر ۱: الله خالق كل شئی (الرعد ۱۶) اللہ تعالی ہر چیز کے خالق ہیں۔ یہ لفظ عام ہے اس میں کسی کی تخصیص نہیں۔ اس میں اللہ تعالی کی ذات وصفات کے علاوہ ہر چیز شامل ہے۔ اللہ تعالی کی ذات اپنی صفات کے ساتھ خالق ہے۔ باقی اس کے علاوہ ہر چیز مخلوق ہے۔ اور یہ بات قطعی طور پر ثابت ہے کہ روح نہ خدا کی ذات میں داخل ہے نہ صفات میں۔ پس وہ اللہ تعالی کی مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہو گی۔ پس یہ اسی طرح مخلوق میں داخل ہے جیسے فرشتے، جن اور انسان داخل ہیں۔

نمبر ۲: ذات حق تعالی زکریا علیہ السلام کو مخاطب کر کے فرما رہی ہے "وقد خلقتک من قبل ولم تک شیئا" (مریم آیت ۹) ہم نے آپ کو پہلے پیدا کیا حالانکہ آپ کچھ بھی نہ تھے۔ یہ خطاب حضرت زکریا علیہ السلام کی روح اور بدن دونوں کو ہے نہ کہ فقط بدن کو۔ اس لئے کہ بدن اکیلا نہ

سنتا ہے نہ کچھ سمجھتا ہے نہ عقل رکھتا ہے۔ یہ تمام صفات روح کی ہیں۔

نمبر۳: ولقد خلقنکم ثم صورنکم ثم قلنا للملئکة اسجدوا لأدم (الاعراف آیت ۱۱) اور البتہ تحقیق ہم نے تم کو پیدا کیا پھر تمہیں صورتیں دیں پھر ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو۔

جمہور کے قول کے مطابق یہ خبر جسم اور روح دونوں کو شامل ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ صرف روح کو شامل ہے، دونوں اقوال کے اعتبار سے خلق روح ثابت ہوتا ہے۔

نمبر۴: اللہ جل شانہ ہمارے اور ہمارے آباء واجداد اور ہر چیز کے رب ہیں۔ اور ذات حق جل شانہ کی ربوبیت ہماری ارواح اور ابدان دونوں کو شامل ہے۔ پس روح کی تربیت دلیل ہے کہ یہ مخلوق ہے۔ اس لئے کہ ذات حق اور اسکی صفات تربیت سے پاک ہیں بلندوبالا ہیں۔

نمبر۵: هل اتى على الانسان حين من الدهر لم يكن شيأ مذكورا (الدھر آیت ۱) انسان پر ایسا وقت بھی گزرا ہے کہ وہ قابل تذکرہ چیز نہیں تھا۔

اگر روح قدیم ہوتی تو انسان کا تذکرہ ہر زمانہ میں رہتا۔ اس لئے کہ انسان روح کے ساتھ ہوتا ہے جیسا کہ عربی شاعر کہتا ہے۔

یا خادم الجسم کم تشقی بخدمته فانت بالروح لا بالجسم انسان

جب روح جسم سے نکل جاتی ہے تو پھر اکیلے جسم کو انسان نہیں کہتے میت کہتے ہیں۔

نمبر۶: نصوص اس پر دلالت کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ ذات تھی مگر اس کے ساتھ اور کوئی چیز بھی نہیں تھی۔ حضرت عمران بن حصینؓ فرماتے ہیں کہ نبی اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: كان الله ولم يكن شئى غيره، وكان عرشه على الماء، وكتب فى الذكر كل شئى (بخاری رقم ۷۴۱۸) اللہ کی ذات تھی اسکے علاوہ کوئی چیز نہیں تھی اور اسکا عرش پانی پر تھا اور اس نے لوح محفوظ میں ہر چیز لکھ دی۔ پس معلوم ہوا کہ نہ کوئی نفس اور نہ ہی کوئی روح قدیم تھی کہ جس کا وجود اللہ کے وجود کے مساوی ہو۔ اللہ کی ذات اس سے پاک ہے۔ وہی قدیم بھی ہے اول بھی اس میں کوئی اسکا

شریک نہیں۔

نمبر۷: نصوص بتاتی ہیں کہ فرشتے مخلوق ہیں۔ حالانکہ فرشتے صرف روحیں ہیں اجسام سے مستغنی ہیں اور پھر فرشتے ہی نے آدم علیہ السلام میں روح کو ڈالا۔ تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ فرشتہ تو مخلوق ہو اور آدم کی روح قدیم ہو اور غیر مخلوق ہو۔

اشکال:

یہ بھی تو ممکن ہے کہ روح قدیم ہو اور جو فرشتے اسے بچے میں رحم مادر میں ڈالنے کیلئے آتا ہے وہ مخلوق ہو حادث ہو۔

جواب:

فرشتہ صرف روح کو ڈالنے نہیں آتا بلکہ اس کا نفخہ روح کی پیدائش کا سبب بنتا ہے جیسا کہ منی کا پانی جسم کی پیدائش کا سبب بنتا ہے۔ پس جس طرح جسم کا مادہ منی ہے روح کا مادہ فرشتے کی پھونک ہے۔

نمبر۸: حضرت ابوھریرہؓ فرماتے ہیں نبی اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ الارواح جنود مجندۃ فما تعارف منھا ائتلف وما تناکر منھا اختلف (البخاری رقم ۳۳۳۶)

گروہ تخلیق کے ہی ہوئے ہیں۔

نمبر۹: قرآن کریم میں روح کو وفات، قبض، امساک اور ارسال سے موصوف کیا گیا ہے اور یہ مخلوق کی صفات ہیں، ذات حق جل شانہ کا قول ہے اللہ یتوفی الانفس حین موتھا والتی لم تمت فی منامھا فیمسک التی قضی علیھا الموت و یرسل الاخریٰ الی اجل مسمی ان فی ذالک لآیات لقوم یتفکرون (الزمر آیت ۴۲)

اللہ کی ذات روحوں کو قبضے میں لیتی ہے انکی موت کے وقت اور جنکی موت کا وقت نہیں آیا ہوتا انکو نیند میں۔ پس روک لیتے ہیں اس روح کو جس پر موت کا فیصلہ کر لیتے ہیں اور دوسری کو وقت مقرر تک چھوڑ دیتے ہیں۔ بے شک اس میں البتہ نشانیاں ہیں اس قوم کیلئے جو غور و فکر کرتی ہے۔

احادیث میں منقول ہے کہ موت کے وقت فرشتہ روح کو قبض کر کے لے جاتا ہے۔ اور اسے جنت کے کفنوں میں سے کسی کفن میں رکھتا ہے اگر وہ نیک ہوتی ہے اور اگر گناہگار تو جہنم کے کفن میں رکھتا ہے پھر آسمانوں پر لے جاتا ہے۔ فرشتے اگر نیک ہوتی ہے تو اس پر رحمتیں بھیجتے ہیں اور اگر گناہ گار تو اس پر لعنتیں کرتے ہیں۔ پھر اگر نیک ہے تو ہر آسمان پر استقبال ہوتا ہے حتی کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے جا کر سجدہ کرتی ہے اور اگر گناہ گار تو واپس پھینک دی جاتی ہے۔ پھر اس روح کو میت اور اسکے کفن کے درمیان رکھ دیا جاتا ہے۔ پس اس سے سوال و جواب عذاب و انعام ہوتا ہے۔ اسی روح کیلئے جنت میں سبز پرندوں کی سواریاں ہوتی ہیں جن میں سوار ہو کر جنت میں کھاتی پیتی ہیں۔ اور گناہ گار کی روح جہنم پر پیش کی جاتی ہے۔ یہی روح مومن بھی ہوتی ہے کافر بھی، فرمانبردار بھی نافرمان بھی۔ امارہ بھی ہوتی ہے لوامہ بھی مطمئنہ بھی۔ عذاب بھی اس پر آتا ہے ثواب بھی اس کو ملتا ہے۔ سعید بھی ہوتی ہے شقی بھی۔ روکی بھی جاتی ہے چھوڑی بھی۔ صحت مند بھی ہوتی ہے بیمار بھی۔ لذت بھی اٹھاتی ہے تکلیف بھی۔ غمزدہ بھی ہوتی ہے خوف زدہ بھی۔ اب یہ تمام صفات مخلوق کی ہیں۔ ایسی مخلوق کی جو خالق کائنات کی تربیت کے ماتحت ہے۔

نمبر ۱۰: نبی اقدس ﷺ نیند کے وقت یہ دعا پڑھتے تھے۔

اللهم خلقت نفسي و انت تتوفاها، لک مماتها و محياها، فان امسكتها فارحمها، و ان ارسلتها فاحفظها بما تحفظ به عبادک الصالحين

ترجمہ: اے اللہ آپ نے ہی میری روح کو پیدا کیا اور آپ ہی اسے موت دیں گے۔ اس کا مرنا اور زندہ رہنا آپکے لئے ہی ہے۔ پس اگر آپ اس کو روکیں تو اس پر رحم فرمائیں اور اگر اس کو چھوڑ دیں تو اس کی حفاظت فرمائیں جس چیز کے ساتھ آپ اپنے نیک بندوں کی حفاظت کرتے ہیں۔

یہ تمام صفات مخلوق کی ہیں۔

نمبر ۱۱: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

ما اصاب من مصيبة في الارض ولا في انفسكم الا في كتب من قبل ان نبراها ان

ذالک علی اللہ یسیر(الحدید آیت ۲۲)

نہیں کوئی مصیبت زمین میں پہنچتی اور نہ تمھاری جانوں میں مگر لوح محفوظ میں ہم نے پہلے اس کو لکھ دیا ہے۔بیشک یہ اللہ پر آسان ہے۔

اس آیت مبارکہ میں روح پر مصیبت پہنچنے کا ذکر ہے اور مصیبت زدہ مخلوق ہوتی ہے۔

نمبر۱۲: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

یا ایہا الناس انتم الفقراء الی اللہ واللہ ھو الغنی الحمید(فاطر آیت ۱۵)

اے انسانوں تم اللہ کی طرف فقیر ہو اور اللہ غنی اور قابل تعریف ہے۔

یہ خطاب صرف جسم کو نہیں بلکہ روح ساتھ شامل ہے۔اور فقیر مخلوق ہی ہو سکتی ہے۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ لکھتے ہیں

اور ہمارے حضرت خواجہ قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ شیخ محی الدین ابن عربیؒ کاملین کے ارواح کے قدیم ہونے کا قائل ہوا ہے۔اس بات کو ظاہر کی طرف سے پھیر کر تاویل پر محمول کرنا چاہیے تا کہ اہل ملت کے اجماع کے مخالف نہ ہو۔(مکتوبات ص۶۱۶ ج۱ مکتوب ۲۶۶)

نیز شیخ ابن عربیؒ کی کتابوں میں خفیہ طور پر اضافے کئے گئے ہیں۔بہت سے ایسے عقائد انکی طرف منسوب کئے گئے ہیں جو کہ شیخ کے وہم و گمان میں بھی نہ تھے۔شیخ ابن عربی کے ترجمان خاص شیخ عبدالوھاب شعرانی نے اس دسیسہ کاری کا متعدد جگہ ذکر کیا ہے۔چند عبارات ملاحظہ فرمائیں۔

وقد اخبرنی العارف باللہ تعالیٰ الشیخ ابو طاھر المزنی الشاذلیؒ ان جمیع مافی کتب الشیخ محی الدین مما یخالف ظاھر الشریعۃ مدسوس علیہ(الیواقیت والجواھر ص۳)

ترجمہ: شیخ ابو طاہر مزنی شاذلی نے مجھے بتایا کہ تمام وہ عبارات جو شیخ محی الدین ابن عربی کی کتابوں میں مخالف شریعت ہیں وہ الحاقی ہیں۔

الیواقیت والجواھر کے صفحے پر مذکورہ بات کا اعادہ کرتے ہوئے مزید لکھتے ہیں۔

ثم اخرج لی نسخة الفتوحات التی قابلها علی نسخة الشیخ التی بخطه فلم ار شیأ مما کنت توقفت فیه و حذفته حین اختصرت الفتوحات

ترجمہ: شیخ ابوطاہر نے میرے لئے فتوحات کا وہ نسخہ نکالا جس کا انہوں نے شیخ ابن عربی کے نسخہ سے تقابل کیا تھا وہ نسخہ شیخ ابن عربی کے اپنے خط میں لکھا ہوا تھا۔ وہ مسائل جنمیں میں متردد تھا اس میں بالکل نہ پائے اور جب میں فتوحات کا اختصار کیا تو وہ مسائل حذف کر دیئے۔

جمع سازوں نے صرف شیخ ابن عربیؒ کی کتابوں میں ہی اضافے نہیں کئے بلکہ امام غزالی امام احمد بن حنبلؒ، قاضی عیاضؒ، شیخ عبدالوہاب شعرانیؒ کی کتابوں پر بھی ہاتھ صاف کئے اور ہر ایک کی بعض کتابوں میں الحاقی عبارتیں داخل کیں۔ (دیکھئے الیواقیت والجواھر کے صفحہ ۷)

علامہ شعرانیؒ کی اس تحقیق سے شیخ ابن عربیؒ کے متعلق ایسے حوالہ جات جو قرآن و حدیث کے یا اجماع امت کے مخالف ہوں نا قابل اعتبار ٹھہرتے ہیں۔

صوفیائے کرام کی شطحیات:

حضرات صوفیا کرام کے نزدیک یہاں ایک خاص باب ہے جسے شطحیات سے تعبیر کرتے ہیں اور خود فتوحات مکیہ میں اس پر ایک باب ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حضرات صوفیاؒ پر کچھ باطنی حالات گزرتے ہیں جو ایک سکر اور بیخودی کی حالت ہوتی ہے۔ اس حالت میں ان سے ایسے کلمات نکل جاتے ہیں جو قواعد شریعت اور کتاب وسنت کی نصوص پر چسپاں نہیں ہوتے۔ جیسے انا الحق اور سبحانی ما اعظم شانی اور جب ہوش میں آتے ہیں تو ایسے کلمات سے توبہ واستغفار کرتے ہیں۔

خود حضرات صوفیاء کی ان شطحیات کے بارے میں تصریحات موجود ہیں کہ کوئی شخص ہماری ان باتوں پر ہرگز عمل پیرا نہ ہو جو ہم سے ان خاص حالات میں بے اختیار صادر ہوئی ہیں۔ بلکہ جس شخص پر یہ حالات نہ گزرے ہوں اس کو ہماری کتابوں کا مطالعہ بھی جائز نہیں۔ اور یہ بھی تصریح کرتے ہیں کہ ہمارا کشف والہام کسی پر حجت نہیں۔ ہمارا کشف صرف ہمارے لئے ہے۔ اور اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ مجھ پر یہ حکم بذریعہ وحی نازل ہوا ہے خواہ وہ حکم شریعت کے موافق ہو یا

مخالف۔ اگر وہ مدعی عاقل بالغ ہے تو قابل گردن زنی ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ:

آپ فرماتے ہیں

اللہ تعالیٰ نے مجھے روح کی حقیقت سے مطلع فرمایا۔ اور بے شک روح عبارت ہے اس شئی سے کہ جب وہ بدن سے جدا ہوتی ہے تو انسان مرجاتا ہے۔ نیز روح ہی سے انسان میں احساس، حرکت اور زندگی ہے۔ اب روح کے کئی طبقے اور لطیفے ہیں۔ اور روح کے ان طبقوں اور لطیفوں میں جو چیز بدن سے سب سے زیادہ قریب ہے وہ "جسم ہوائی" ہے۔ یہ جسم ہوائی قلب میں ترکیب پاتا ہے اور وہاں سے یہ سارے بدن میں پھیل جاتا ہے۔ اور یہی "جسم ہوائی" انسان کی ادراکی اور طبعی قوتوں کا حامل ہے۔

"جسم ہوائی" کے بعد روح کا دوسرا طبقہ "حقیقت مثالی" ہے اور اس سے مراد روح کی وہ حقیقت ہے جو عالم ناسوت میں آنے سے پہلے عالم مثال میں تشکل پذیر تھی۔ چنانچہ قرآن مجید میں ذریت آدم سے جو عہد و پیمان لینے کا ذکر ہے۔۔۔۔ تو یہ عہد و پیمان بنی آدم کی ارواح کی ان مثالی حقیقتوں سے ہی لیا گیا تھا۔ اس کے بعد روح کا تیسرا طبقہ "حقیقت روحیہ" ہے اور یہ صورت انسانیہ کا ایک حصہ ہے۔ اور قوائے افلاک وعناصر کے جو مشخص عوارض ہیں۔ وہ اس کو اپنے اندر لئے ہوئے ہیں اور اس کے۔۔۔۔ اپنے خاص احکام ہیں۔ اس کے بعد روح کا "صورت انسانیہ" کا طبقہ ہے اور روح کا یہ طبقہ افراد اور اشخاص سے جن میں کہ یہ "صورت انسانیہ" مشخص ہوتی ہے۔ ایک الگ چیز ہے۔ اس کے بعد "صورت حیوانیہ" پھر "صورت ناموبہ" اور اسکے بعد صورت جسمیہ ہے اور پھر طبیعت کلیہ کا ایک حصہ، پھر باطن الوجود کا خارج کی لوح پر منبسط ہونا ہے۔ اب جو شخص روح کے ان طبقات اور لطائف کے پیش نظر یہ کہتا ہے کہ روح عبارت ہے ایک جسم لطیف سے جو بدن میں اس طرح حلول کئے ہوئے ہے جیسے کہ کوئلے میں آگ ہوتی ہے۔ تو بے شک یہ شخص اپنے قول میں سچا ہے اور اس طرح جو شخص اس کا قائل ہے کہ روح ایک مجرد

حقیقت ہے تو وہ بھی سچا ہے۔اور جو کہتا ہے کہ روح قدیم ہے تو وہ بھی سچا ہے اور اس طرح جو شخص کہتا ہے کہ روح حادث ہے تو وہ بھی سچا ہے۔الغرض ارشاد خداوندی کے مطابق "لکل وجھہ ھو مولیھا" ہر گروہ کی اپنی ایک سمت ہے۔جس کی طرف وہ رخ کرتے ہیں۔(فیوض الحرمین ص۲۷۲)

عالم مثال:

سوال: عالم مثال کیا ہے؟ نیز لوح محفوظ اور عالم مثال میں کیا فرق ہے؟

جواب: عالم ظاہر اور غیب کے درمیان عالم مثال ہے،لوح محفوظ میں لکھی ہوئی تقدیر کی دو قسمیں ہیں۔تقدیر مبرم (جس میں تبدیلی کی گنجائش نہیں ہے) تقدیر معلق (جس میں تبدیلی ہو سکتی ہے دعا یا صدقہ وغیرہ سے) جب کوئی حکم تقدیر کا نافذ ہونا ہوتا ہے تو اس کا اثر عالم دنیا سے قبل عالم مثال میں ظاہر ہوتا ہے جیسے جسم اور اس کا جو سایہ زمین پر ہوتا ہے تو درمیان میں اس سایہ کا جو اثر دکھائی دیتا ہے اس کی مثال عالم مثال کی ہے۔

بحر العلوم سلطان العلماء حضرت علامہ خالد محمود مدظلھم العالی اپنے بے مثال استدلالی قوت و وسعت مطالعہ کی برکت سے علم تصوف کے سمندروں میں غوطہ زنی کر کے گوہر افشانی فرماتے ہیں۔

عالم مثال: مادیات کو عالم خلق اور مجردات کو عالم امر کہتے ہیں اور عالم مثال انہی دو عالموں کے بین بین ہے یعنی غیر مادی ہونے میں عالم امر کے مشابہ ہے اور مقداری ہونے میں عالم خلق کے مشابہ ہے۔ عالم امر میں مقدرات نہیں اور حدود خواص مقدار سے ہیں عالم امر غیر محدود ہوا۔(الشاھد)

حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک دن حضور ﷺ نے ہمیں نماز پڑھائی اور پھر آپ منبر پر تشریف لے گئے اور اپنے دست مبارک سے قبلہ کی طرف اشارہ فرمایا اور کہا کہ مجھے ابھی جب میں نے تم کو نماز پڑھانی شروع کی اس دیوار کی جانب جنت اور دوزخ مثالی صورت میں دکھائی گئی

ہیں۔ میں نے آج تک خیر و شر کو کبھی اس طرح سامنے نہیں دیکھا۔ حضرت تھانویؒ نے اثبات عالم مثال میں اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔ (التکشف ۳۸۵) (آثار الاحسان ۲۰۹ جلد دوم)

حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں۔

یہ مشاہدہ مشاہدہ عظیم اور تحقیق، تحقیق عالی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی اس عظیم الشان اور جلیل القدر تدلی کی حقیقت سے مطلع فرمایا جو تمام بنی نوع بشر کی طرف متوجہ ہے۔ اس تدلی سے اللہ تعالیٰ کو منظور یہ ہے کہ وہ اس کے ذریعہ سے اپنے تک پہنچنے کی راہ کو لوگوں کیلئے آسان بنائے۔ اس تدلی کا عالم مثال میں ایک مثالی پیکر ہے۔ اور وہاں سے یہ عالم اجساد میں کبھی انبیاء کی صورت میں بالعموم اور محمد ﷺ کی صورت میں بالخصوص اور کبھی کتب الٰہی کی شکل میں بالعموم اور قرآن کی شکل میں بالخصوص اور کبھی نماز کی شکل میں اور کبھی حج کی صورت میں ظہور پذیر ہوتی ہے۔ (فیوض الحرمین ص ۷۵)

دوسرے مقام پر لکھتے ہیں۔

میں مدینہ منورہ میں داخل ہوا اور نبی ﷺ کے روضہ مقدسہ کی زیارت کی تو میں نے آپ کی روح اقدس کو ظاہر اور عیاں دیکھا اور عالم ارواح میں نہیں بلکہ عالم محسوسات سے قریب جو عالم مثال ہے۔ میں نے اس میں آپ کی روح کو دیکھا۔ (فیوض ص ۱۱۶)

تیسرے مقام پر رقمطراز ہیں۔

مدینہ منورہ میں پہنچنے کے تیسرے دن پھر میں روضہ اقدس پر حاضر ہوا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے دونوں ساتھیوں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو سلام کیا اور میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے جو فیضان آپ پر فرمایا تھا اس سے مجھے بھی مستفید فرمایئے۔ میں خیر و برکت کی امید لے کر آپ کے حضور آیا ہوں اور آپ کی ذات رحمۃ للعلمین ہے۔ میں نے اتنا عرض کیا تھا کہ آپؐ حالت انبساط میں میری طرف اس طرح ملتفت ہوئے کہ میں یوں سمجھا کہ گویا آپؐ نے اپنی چادر میں مجھے لے لیا ہے۔ اس کے بعد آپ نے مجھے اپنے ساتھ لگا کر خوب بھینچا اور آپؐ

میرے سامنے رونما ہوئے اور مجھے اسرار و رموز سے آگاہ فرمایا اور نیز خود اپنی ذات اقدس کی حقیقت مجھے بتائی۔ اور اس ضمن میں آپؐ نے اجمالی طور پر مجھے بہت بڑی مدد دی۔ چنانچہ آپؐ نے مجھے بتایا کہ میں کس طرح اپنی ضرورتوں میں آپؐ کی ذات سے استمداد کروں اور آپؐ نے مجھے اس کیفیت سے بھی آگاہ فرمایا کہ آپؐ کس طرح ان لوگوں کو جو آپ پر درود بھیجتے ہیں جواب دیتے ہیں اور جو لوگ آپؐ کی مدح وثناء کرتے اور آپؐ کی جناب میں عجز و نیاز مندی کرتے ہیں ان سے آپ کس طرح خوش ہوتے ہیں۔

اس سلسلہ میں میں نے نبی علیہ الصلوۃ والتسلیمات کو دیکھا کہ آپ ﷺ اپنے جوہر روح، اپنی طبیعت، اپنی فطرت، اپنی جبلت میں سرتا پاؤں مظہر بن گئے ہیں اس عظیم الشان تدلی کا جو کہ تمام بنی نوع بشر پر حاوی ہے۔ اور میں نے دیکھا کہ اس حالت میں پہچاننا مشکل ہو گیا ہے کہ ظاہر اور مظہر یعنی ظاہر ہونے والی چیز اور جس چیز میں کہ اس کا اظہار ہو رہا ہے ان دونوں میں کیا فرق ہے۔ چنانچہ یہی وہ تدلی ہے جسے صوفیاء نے "حقیقت محمدیہ" کا نام دیا ہے۔ اور اس کو وہ "قطب الاقطاب" اور "نبی الانبیاء" کا بھی نام دیتے ہیں۔ غرضیکہ "حقیقت محمدیہ" عبارت ہے اللہ تعالیٰ کی اس تدلی کے مظہر بشری میں ظہور سے۔ چنانچہ جب کبھی عالم مثال میں اس تدلی کی حقیقت متمثل ہوتی ہے تاکہ وہ عالم مثال سے بنی نوع انسان کے لئے عالم اجسام میں ظاہر ہو تو "حقیقت محمدیہ" کے اس بروز کو قطب یا نبی کا نام دیا جاتا ہے۔ (فیوض الحرمین ص ۱۱۹، ۱۲۰)

چوتھے مقام پر لکھتے ہیں۔

میں نے نبی ﷺ سے آپؐ کے اس قول کے کہ "ابھی آدم کا خمیر پانی اور مٹی میں تیار ہو رہا تھا کہ میں نبی تھا" معنی دریافت کئے لیکن میرا یہ سوال زبان مقال سے نہ تھا۔ بلکہ ہوا یہ کہ میری روح اس راز کو جاننے کے شوق اور اس کی محبت میں سرشار ہوگئی۔ اس حالت میں میں نے اپنی روح کو زیادہ سے زیادہ جتنا بھی مجھ سے ممکن تھا، رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ سے قریب کر دیا۔ اس وجہ سے میری روح آپ کی ذات اقدس کی جو مثالی صورت ہے اس سے بھر گئی۔ اس کے بعد آپؐ نے مجھے اپنی

وہ مثالی صورت دکھائی، جو اس عالم اجسام میں تشریف فرما ہونے سے پہلے عالم مثال میں آپ کی تھی۔ پھر آپؐ نے مجھے عالم مثال سے اس عالم اجسام میں اپنے منتقل ہونے کی کیفیت بتائی اور اسی طرح مجھے دوسرے انبیاء کی بھی مثالی صورتیں دکھائی گئیں۔ اور خداوند کارساز کی جناب سے ان انبیاء پر جیسے جیسے نبوت کا فیضان ہوا اور نیز جس طرح آپؐ پر عالم مثال میں خداوند تعالیٰ کی طرف سے اس نعمت کا فیضان ہوا تھا۔ اس کی کیفیت دیکھنے میں آئی بعد ازاں مجھے اولیاء کی مثالی صورتیں اور ان پر جس طرح علوم و معارف کا فیضان ہوتا ہے یہ چیزیں دکھائی گئیں۔ (فیوض الحرمین ص ۱۳۳،۱۳۴)

پانچویں مقام پر رقم فرماتے ہیں۔

قصہ مختصر جب اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا کہ آدم علیہ السلام کو پیدا کرے تاکہ وہ تمام بنی نوع انسان کیلئے بمنزل باپ کے ہوں۔ تو اللہ تعالیٰ کے اس ارادے کا دراصل مقصد یہ تھا کہ وہ آدم کے ساتھ ساتھ تمام بنی نوع انسان کو پیدا کرنے کا ارادہ کر رہا ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں ہوا یہ کہ تخلیق آدم کے وقت تمام بنی نوع انسان کی ارواح نے عالم مثال میں ان کے اجسام کی جو مثالی صورتیں تھیں ان کی طرف حرکت کی۔ اس ضمن میں عالم مثال میں نبی علیہ السلام کا مثالی پیکر بھی متشکل ہو گیا اور اس مثالی پیکر کے مناسب تدلی الٰہی کا جو مظہر تھا وہ اس پر منطبق ہو گیا۔ (فیوض الحرمین ص ۱۳۶)

چھٹے مقام پر لکھتے ہیں۔

لیکن اس کے برعکس جب رسول اللہ ﷺ کا وجود خارج میں ظہور پذیر ہوا۔ تو اس کے ساتھ ساتھ تدلی الٰہی کا بھی ایک مظہر ظاہر ہوا۔ اور چونکہ یہ مظہر قوت مثالی پر مشتمل تھا۔ اس لئے اس نے پوری طرح مثالی لباس اختیار کر لیا اور اس حالت میں تمام آفاق اس سے بھر گئے اور یہ اس لئے کہ اس سے پہلے کوئی تدلی الٰہی مثالی لباس میں ظہور پذیر نہیں ہوئی تھی۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ عالم مثال فی نفسہ اس وقت تک موجود نہیں تھا۔ یعنی عالم مثال تو موجود تھا لیکن کسی تدلی نے اس وقت تک مثالی ہیئت اختیار نہیں کی تھی۔ غرضیکہ اس سے میری مراد یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پہلے اللہ

اوراس کے بندوں کے درمیان تدلی الٰہی کے اس مظہر کی کوئی مثالی صورت نہیں تھی۔ لیکن آپؐ کے بعد تدلی الٰہی کی اس مثالی صورت سے یہ ساری کی ساری فضا اور یہ کل زمینیں اور آسمان بھر گئے۔ چنانچہ اب حالت یہ ہے کہ جو شخص بھی علم، معرفت، روحانی کیفیت یا اس قبیل کا کوئی کمال اخذ کرتا ہے۔ تو اس کے لئے سب سے قریبی ماخذ تدلی الٰہی کا یہی مثالی مظہر ہوتا ہے اب یہ اور بات ہے کہ وہ اس کی حقیقت کو جانتا ہے یا وہ اس سے بے خبر ہے۔ الغرض یہ ہیں وہ وجوہ جن کی بناء پر رسول اللہ ﷺ خاتم النبیین ہیں اور آپؐ کے بعد نبوت کا سلسلہ منقطع ہو گیا کیونکہ آپ کی ذات اقدس کی اصل حقیقت جس کیلئے آپ کا لوگوں کے لئے نبی مبعوث ہونا محض ایک عنوان تھا، تدلی الٰہی کا یہی مثالی مظہر ہے۔ اور یہی وہ مثالی مظہر ہے جس سے یہ فضا اور زمین اور آسمان بھر گئے ہیں۔

اب اگر تم یہ بات سمجھ گئے تو بے شک تم اس حقیقت کو بھی پالو گے کہ رسول اللہ ﷺ واقعی تمام جہاں کیلئے رحمت اور خاتم النبیین تھے اور یہ کہ تمام انبیاء علیہم السلام اس عالم اجسام میں اللہ تعالیٰ کی اسی تدلی سے فیض حاصل کرتے تھے۔ لیکن جہاں تک اولیاء کا تعلق ہے ان کی کیفیت یہ ہے کہ وہ اس تدلی کی مثالی مظہر سے اخذ معرفت کرتے ہیں اور اس مثالی مظہر کا نام رسول اللہ ﷺ کی "حقیقت بعثت" ہے۔ گروہ انبیاء میں سے میں نے اس معاملہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ممتاز پایا ہے کہ بے شک ان کی نبوت بھی عالم ارواح میں یعنی جب تخلیق آدم کے ساتھ تمام بنی نوع انسان کی ارواح اپنے مثالی پیکروں میں ظاہر ہوئی تھیں، متشکل ہوئی۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نبوت کی مثالی صورت رسول اللہ ﷺ کی نبوت کی مثالی صورت سے قدرے کمزور تھی، اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بعثت سے تدلی الٰہی کا ایک روحانی مظہر ظاہر ہوا لیکن یہ بھی اس روحانی مظہر سے ضعیف تھا جو رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے وقت ظہور پذیر ہوا تھا۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد ان کی ملت کے سوا اور کہیں کامل نبی اور محدث پیدا نہیں ہوا۔ لیکن اس کے باوجود نبوت کا سلسلہ منقطع نہیں ہوا۔ لیکن جب ہمارے نبی علیہ السلام

ظاہر ہوئے تو تدلی الٰہی کا مثالی مظہر خوب نمایاں طور پر ظاہر ہو گیا۔ اور اسی بنا پر آپ کی نبوت کے بعد کسی اور نبی کی ضرورت نہ رہی اور نبوت کا سلسلہ سرے سے ختم ہو گیا اور علوم و معارف کا فیضان موسلا دھار بارش کی طرح ہونے لگا۔ کیونکہ جہاں تک ان علوم و معارف کا تعلق ہے ان کا مستقر تو زیادہ تر عالم مثال ہی ہوتا ہے۔ (فیوض الحرمین ص ۱۳۷، ۱۴۰)

ساتویں مقام پر لکھتے ہیں۔

میں نے نبی کریم ﷺ کی ذات اقدس سے کسب فیض کیا تو اس سے میرے نفس میں بڑی وسعت پیدا ہو گئی اور اس کی وجہ سے میں آپ کی وراثت کے ضمن میں تدلی اعظم کے اس مثالی مظہر سے جا ملا جو آپؐ کے ساتھ عالم مثال سے عالم ناسوت میں منتقل ہوا تھا۔ چنانچہ میں اس مظہر سے متصل ہوا اور اس سے گھل مل گیا اور اس سے میں مخلوط ہو گیا۔ اس وقت میں نے اپنے آپ کو دیکھا کہ "تدلی اعظم" کے اس مثالی مظہر کے جو دو قالب ہیں، میں ان میں سے ایک قالب ہوں۔ اس مثالی مظہر کا ایک قالب زیادہ مکمل اور زیادہ عام ہے اور یہ وجود خارجیہ سے زیادہ قریب ہے۔ اور اس قالب سے دوسرے قالب کی نسبت ایسی ہے جیسے کہ فقہ کا ایک صاحب مذہب (مثلاً امام ابو حنیفہؒ) ہو اور دوسرا گو فقہ میں اس صاحب مذہب کا تابع ہو۔ لیکن وہ نئے نئے فقہی مسائل کے استنباط کر سکے۔ تدلی اعظم کے اس مثالی مظہر کا یہ دوسرا قالب وجود علمی سے قریب ہوتا ہے۔ اس موقع پر میرا نام "زکی" اور "نقاط علم کا آخری نقطہ" رکھا گیا۔ اور نیز اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ جو شخص تدلی اعظم کے اس مثالی مظہر سے متصل ہو جاتا ہے اور اس سے اس طرح گھل مل جاتا ہے یعنی یہ مثالی مظہر اس کے جوہر روح میں اسطرح داخل ہو جاتا ہے جیسے راہ سلوک کے سلسلہ میں یاد داشت کی نسبت سالک کے جوہر نفس میں داخل ہو جاتی ہے۔

تا کہ اس طرح بیدار کیا وہ نقطہ جس کو لیکر انسان پیدا ہوتا ہے وہ اس کے اندر بیدار ہو جائے۔ الغرض جو شخص تدلی اعظم کے اس مثالی مظہر کو اس طرح اپنے اندر لے لیتا ہے اس کے مقامات میں سے مجددیت، وصایت، قطبیت اور طریقت کی امامت ہے۔ اور اس شخص کی خصوصیت یہ

ہوتی ہے کہ اس کے بعد بھی اس کا نام باقی رہتا ہے۔ یہ ایک عمیق راز ہے۔ تمہیں چاہیے کہ اس میں خوب غور کرو۔ (فیوض الحرمین ص ۱۵۹، ۱۶۰)

آٹھویں مقام پر لکھتے ہیں۔

اہل اللہ کا دوسرا گروہ "کشف کونی" والوں کا ہے۔ یہ ہونے والے واقعہ کو خواب یا ہاتف کی طرح جان لیتے ہیں اور اس ضمن میں ان کو ملا اعلیٰ کے خزانوں اور سرچشموں کا علم نہیں ہوتا۔ ان میں سے بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ جو کچھ وہ دیکھتے ہیں، اس کی تعبیر کی ان کو ضرورت نہیں پڑتی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جو واقعہ اس عالم میں رونما ہونے والا ہوتا ہے۔ اس کی عالم مثال میں جو مثالی حقیقت ہوتی ہے اس بارے میں ان لوگوں کے خیال کی تصویر اس مثالی حقیقت کی جو طبیعت کلی ہے۔ اس کی تصویر کے بالکل مطابق ہوتی ہے۔ اس لئے یہ لوگ جو کچھ دیکھتے ہیں بجنسہ بغیر کسی فرق کے وہ واقعہ ویسے ہی ظہور پذیر ہوتا ہے۔ (فیوض الحرمین ص ۴۳۶)

نویں مقام پر فرماتے ہیں۔

میں ایک بارگاہ دیکھی جس کی طبیعت کلیہ سے ایسی ہی نسبت ہے جیسے کہ افراد انسانی میں سے ایک فرد کی طبیعت کی اس کے اندر جو ارادہ اور عزم کی قوت ہے، اس کے ساتھ ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر پہلے انسان اپنے خیال میں کسی نفع کے حصول اور کسی مضرت کو دفع کرنے کی لذت کو متمثل کرتا ہے پھر اس کا یہ خیال اس نفع یا لذت کی جو صورت ذہن میں بنتی ہے اس کا خلاصہ اس شخص میں جو ارادہ و عزم کی قوت ہوتی ہے اس کے سپرد کرتا ہے۔ چنانچہ اس سے اس شخص کی قوت ارادہ میں حرکت پیدا ہوتی ہے۔ اور اس کا نتیجہ عزم ہے اور پھر جس چیز کیلئے عزم ہو، اس کو حاصل کرنے کے لئے بدن کے اعضاء متحرک ہوتے ہیں۔ بعینہ یہی کیفیت ایک قوی نفس کی جب کہ وہ سب چیزوں سے تجرد اختیار کر لیتا ہے۔ ہوتی ہے۔ مثلاً عالم ناسوت میں جو واقعہ رونما ہونے والا ہوتا ہے۔ سب سے پہلے اس واقعہ کی ہمت اس نفس میں متمثل ہوتی ہے۔ یہ نفس اس ہمت کی جو صورت کہ اس کے اندر بنتی ہے اس کا خلاصہ نکال کر اس کو اس بارگاہ تک جس کا ذکر ہم نے شروع کیا ہے پہنچاتا ہے۔

اوراس کے ساتھ ساتھ اس نفس کو اپنے رب کی معرفت بھی حاصل ہوتی ہے۔ الغرض ہونے والے واقعہ کی ہمت کی اس صورت کا خلاصہ جب اس بارگاہ میں پہنچتا ہے تو اس سے طبیعت کلیہ میں قضا رو بہ حرکت ہوتی ہے۔ اوراس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہونے والے واقعہ کی صورت عالم مثال میں ظہور پذیر ہو جاتی ہے اوراس کے بعد جب وہ وقت آتا ہے کہ یہ وقعہ عالم ناسوت میں ظاہر ہو تو جسطرح اللہ تعالیٰ نے عالم مثال میں اس کی صورت بنائی تھی اسی طرح وعالم اجسامیں اس کی جسمانی صورت پیدا کر دیتا ہے۔ اس ضمن میں نے یہ بھی معلوم کیا ہے کہ نفس کی ہمت کی اس طرح کی تائید جس کا ذکر ابھی ہوا ہے انسانیت کا کمال ہے اور یہی وہ کمال ہے کہ مرنے کے بعد جب یہ نفس عالم برزخ میں پہنچتا ہے تو یہ جوارح الٰہی میں سے ایک جارحہ بن جاتا ہے۔ (فیوض الحرمین ص ۲۴۳، ۲۴۴)

دسویں مقام پر لکھتے ہیں۔

اس طرح کے واقعات کی دوسری صورت یہ ہے کہ ہوتا یہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ عالم ناسوت میں ایک واقعہ کو جسمانی اجزاء میں مرکب کرنے سے پہلے وہ روحانی قوتوں کے اجزا سے اس واقعہ کو عالم مثال میں ترکیب دیتا ہے اور پھر وہ اس مثالی صورت کو اس دنیا میں نازل فرماتا ہے اور اس طرح اس واقعے کی مثالی صورت اس کی ناسوتی صورت سے متحد ہو جاتی ہے۔ اور یہی مراد "انعام" "میزان" اور "حدید" نازل کرنے سے جس کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے اور نیز یہی مطلب ہے اس کا کہ آسمان سے بلائیں اترتی ہیں۔ اور دعاؤں سے ان کا تدارک ہو جاتا ہے۔

عالم مثال میں اللہ تعالیٰ کسی واقعہ کی جو مثالی صورت پیدا کرتا ہے وہ کبھی کبھی مٹ بھی جاتی ہے۔ چنانچہ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتا ہے "اللہ جس کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے باقی رکھتا ہے اور اللہ کے پاس تو ام الکتاب ہے" کسی چیز کے اس طرح مٹا دینے کا نام رد قضا ہے اوراس کے متعلق رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ "دعا کے سوا قضاء کو کوئی چیز رد نہیں کر سکتی" (فیوض الحرمین ص ۲۴۶، ۲۴۷)

گیارھویں مقام پر فرماتے ہیں۔

"جسم ہوائی" کے بعد روح کا طبقہ حقیقت مثالی ہے۔ اور اس سے مراد روح کی وہ حقیقت ہے جو عالم ناسوت میں آنے سے پہلے عالم مثال میں تشکیل پذیر تھی۔ (فیوض الحرمین ص ۲۷۱)

بارھویں مقام پر فرماتے ہیں۔

شخص اکبر، افلاک اور عناصر کی تخلیق کے بعد "اعیان" کا ظہور ہوا۔ ان اعیان کو "ارباب الانواع" بھی کہا گیا ہے۔ الغرض جب یہ اعیان معرض وجود میں آئے تو ان میں سے ہر ہر نوع کے الگ الگ احکام کا تعین ہوا۔ لیکن یہ اس دنیا کا نہیں بلکہ عالم مثال کا ذکر ہے۔ اب اس نوع میں سے ایک نوع انسان کی ہے۔ اور یہ نوع اس لحاظ سے کہ اس میں معرفت الٰہی کی استعداد رکھی گئی ہے اور یہ اپنے اعمال کی جواب دہ بھی ہے اور نیز اسے بیکار اور مہمل نہیں چھوڑا گیا۔ اور پھر اس بنا پر کہ اس کو خدا کی امانت کا حامل بنایا گیا ہے دوسری انواع سے ممتاز ہے۔ جب عالم مثال میں نوع انسان کا یہ مثالی پیکر بنا تو اس سے تقسیم انحصاری کے قاعدے پر افراد انسانی ظاہر ہو ہو کر عالم اجسام میں آنے لگے۔ (فیوض الحرمین ص ۷۹)

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ:

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ نے مکتوبات میں عالم مثال کے بارے میں جو ذکر کیا ہے وہ بھی اس کے سمجھنے میں کافی مدد دیتا ہے آپ لکھتے ہیں۔

الحمد لله رب العلمين والصلوٰة والسلام على سيد المرسلين واله الطاهرين

آپ کا صحیفہ شریف جو از روئے حسن خلق اور بلندی فطرت کے ارسال فرمایا تھا پہنچا۔ اس کے مطالعہ سے مشرف ہوا۔ خدا تعالیٰ آپ کو سلامت رکھے۔ آپ نے لکھا ہے کہ شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہ نے فتوحات مکیہ میں ایک حدیث نقل کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ان الله تعالیٰ خلق مائة الف آدم (کہ اللہ تعالیٰ نے ایک لاکھ آدم پیدا کیا ہے) اور عالم مثال کے بعض مشاہدات کے بارہ میں ایک حکایت بیان کرتے ہیں کہ کعبہ معظمہ کے طواف کے وقت ایسا ظاہر ہوا

کہ میرے ہمراہ اس قسم کے لوگوں کی ایک جماعت طواف کر رہی ہے جن کو میں نہیں پہچانتا۔ اثنائے طواف میں انہوں نے دو عربی بیت پڑھے جن میں سے ایک یہ ہے۔ بیت

لقد طفنا کما طفتم سنینا بهذا البیت طرّاً اجمعینا

ترجمہ: طواف ہم نے بھی اس گھر کا کیا ویسا بہت سے سالوں تلک تم نے ہے کیا جیسا

میں نے جب یہ بیت سنا، دل پر گزرا کہ یہ سب عالم مثال کے بدن ہیں۔ یہ بات میرے دل میں گزرنے نہ پائی تھی کہ ان میں سے ایک نے میری طرف نگاہ کی اور کہا کہ تیرے اجداد میں سے ہوں۔ میں نے پوچھا کہ تجھے فوت ہوئے کتنے سال ہوئے ہیں۔ تو فرمایا کہ مجھے فوت ہوئے چالیس ہزار سال کا عرصہ گزرا ہے۔ میں نے تعجب سے کہا کہ حضرت ابوالبشر آدم علیہ السلام کی پیدائش سے لیکر آج تک سات ہزار سال سے زیادہ عرصہ نہیں ہوا۔ اس نے فرمایا کہ تو کس آدم کا ذکر کرتا ہے۔ کیا تو اس آدم کا ذکر کرتا ہے جو اس سات ہزار سال کے دورہ کے اول میں پیدا ہوا ہے۔ شیخ نے فرمایا اس وقت وہ حدیث جو اوپر لکھی جا چکی ہے دل پر گزری جو اس قول کی تائید کرتی ہے۔

میرے مخدوم مکرم اس مسئلہ میں اللہ تعالیٰ کی عنایت سے جو کچھ اس فقیر پر ظاہر ہوا ہے وہ یہ ہے کہ یہ سب آدم جو حضرت آدم علیہ السلام کے وجود سے پہلے گزرے ہیں ان کا وجود عالم مثال میں ہوا ہے نہ عالم شہادت میں۔ حضرت آدم علیہ السلام ہی ہیں جو عالم شہادت میں موجود ہیں۔ اور زمین میں خلافت پا کر مسجود ملائک ہوئے ہیں۔

حاصل کلام یہ کہ حضرت آدم علیہ السلام چونکہ جامعیت کی صفت پر مخلوق ہوئے ہیں۔ اپنی حقیقت میں بہت سے لطائف اور اوصاف رکھتے ہیں۔ ان کے وجود سے بے شمار قرن پہلے ہر وقت ان کی صفات میں سے کوئی صفت یا ان کے لطائف میں سے کوئی لطیفہ حق تعالیٰ کی ایجاد سے عالم مثال میں موجود ہوا ہے اور آدم کی صورت میں ظاہر ہوا ہے اور اسی کے نام سے مسمی ہوا ہے اور مختصر آدم کے کاروبار اس سے وقوع میں آئے ہیں حتی کہ توالد و تناسل بھی جو اس عالم مثال کے مناسب ہے

ظاہر ہوا ہے اور اس عالم کے مناسب ظاہری، باطنی کمالات بھی حاصل ہوئے ہیں۔ اور ثواب و عذاب کا مستحق ہو کر بلکہ اس کے حق میں قیامت قائم ہو کر بہشتی بہشت میں اور دوزخی دوزخ میں گئے ہیں۔

بعد ازاں پھر کسی وقت اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے کوئی صفت یا لطیفہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اس عالم میں ظاہر ہوا اور وہ کاروبار جو ظہور اول سے وجود میں آئے تھے ظہور ثانی سے بھی وہی کاروبار ظاہر ہوئے۔ جب یہ دورہ بھی تمام ہو گیا۔ صفات ولطائف کا تیسرا ظہور حاصل ہوا۔ جب اس ظہور نے بھی اپنا دورہ ختم کیا، چوتھا ظہور ثابت ہوا۔ الیٰ ما شاء اللہ جب ان کے مثالی ظہورات کے دورے جو ان کے لطائف وصفات کے ساتھ تعلق رکھتے تھے تمام ہو گئے۔ آخر کار وہ نسخہ جامعہ عالم شہادت میں حق تعالیٰ کی ایجاد سے وجود میں آیا اور فضل خداوندی سے معزز ومکرم ہوا۔ اگر لاکھ آدم بھی ہوں، سب اسی آدم کے اجزاء اور اسی کے ہاتھ پاؤں اور اسی کے وجود کے مبادی ومقدمات ہیں۔

شیخ بزرگوار کا جس جد کو فوت ہوئے چالیس ہزار سال گزرے ہیں، عالم مثال میں شیخ کے اس جد کے لطائف میں سے ایک لطیفہ تھا جو عالم شہادت میں وجود رکھتا تھا اور یہ بیت اللہ کا طواف جو اس نے کیا ہے عالم مثال میں طواف کیا ہے، کیونکہ کعبہ معظمہ کی بھی عالم مثال میں صورت وشبیہ ہے جو اس عالم والوں کا قبلہ ہے۔

اس فقیر نے اس بارہ میں بہت دور تک نظر دوڑائی ہے اور بڑا غور کیا ہے لیکن عالم شہادت میں دوسرا کوئی آدم نظر نہیں آیا اور عالم مثال کے شعبدوں کے سوا کچھ نہ پایا اور یہ جو بدن مثالی نے کہا ہے کہ میں تیرا جد ہوں اور مجھے فوت ہوئے چالیس ہزار سال گزرے ہیں اس بات پر پختہ دلیل ہے کہ پہلے آدم اس آدم کے صفات ولطائف کے ظہورات تھے نہ یہ کہ علیحدہ خلقت رکھتے تھے اور اس آدم کے برخلاف اور الگ تھے کیونکہ مخالفت اور مبائن کو اس آدم سے کیا نسبت اور کیونکر جد ہو سکتے ہیں۔ حالانکہ اس آدم کی پیدائش کو ابھی سات ہزار سال تمام نہیں ہوئے۔ پھر چالیس ہزار کی کہاں گنجائش ہے۔

وہ لوگ جنکے دل بیمار ہیں ان حکایات سے تناسخ سمجھتے ہیں اور عجب نہیں کہ قدم عالم کے قائل ہو جائیں اور قیامت کبریٰ کا انکار کر دیں۔ بعض ملحد لوگ جو باطل کے ساتھ یعنی جھوٹ موٹ شیخی کی مسند پر بیٹھے ہیں تناسخ کے جواز کا حکم دیتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ نفس جب تک حد کمال تک نہ پہنچے بدنوں کے تقلب یعنی بدلنے سے اس کو چارہ نہیں اور کہتے ہیں کہ جب نفس حد کمال کو پہنچ جائے بدنوں کی تبدیلی بلکہ بدنوں کے متعلق سے فارغ ہو جاتا ہے اور اس کی پیدائش سے مقصود بھی اس کا کمال ہے جو میسر ہو گیا۔ یہ بات صریح کفر ہے اور ان تمام باتوں کا انکار ہے۔ جو دین میں تواتر کے ساتھ ثابت ہیں۔ کیونکہ آخرکار جب تمام نفوس حد کمال کو پہنچ جائیں، پھر دوزخ کس کے لئے ہوگی اور عذاب کس کو ہوگا۔ اس میں دوزخ اور آخرت کے عذاب اور جسموں کے ساتھ ان کے اٹھنے کا انکار ہے کیونکہ ان کے خیال میں نفس کو اب جسم کی جو اس کے کمال کا آلہ ہے کوئی حاجت نہیں رہی تا کہ جسم کے ساتھ اٹھایا جائے۔ ان لوگوں کا اعتقاد بعینہ فلاسفہ کے اعتقاد کے مطابق ہے جو حشر اجساد کا انکار کرتے ہیں اور عذاب وثواب ثابت کرتے ہیں اور یہ لوگ تناسخ کو بھی ثابت کرتے ہیں۔ عذاب ان کے نزدیک دنیا ہی کا عذاب ہے جو نفوس کی تہذیب کیلئے ثابت کرتے ہیں۔

سوال: حضرت امیر کرم اللہ وجہہ اور بعض اولیاء اللہ سے بھی منقول ہے کہ ان کے وجود خاکی سے بہت زمانہ پہلے ان سے عجیب غریب اعمال وافعال عالم شہادت میں واقع ہوئے ہیں، تناسخ کے جواز کے بغیر یہ بات کس طرح درست ہو سکتی ہے؟

جواب: وہ اعمال وافعال ان بزرگواروں کی ارواح سے صادر ہوئے ہیں جو حق تعالیٰ کے ارادہ سے خود اجساد کے ساتھ متجسد ہو کر عجیب وغریب افعال کے مرتکب ہوئے ہیں۔ کوئی اور جسد نہیں جس کے ساتھ ان کا تعلق ہو۔ تناسخ کے یہ معنی ہیں کہ روح کا اس جسد سے تعلق سے پہلے کسی اور جسد کے ساتھ جو اس جسد کے مخالف اور مغایر ہے، تعلق ہوا ہو اور جب خود ہی جسد کے ساتھ متجسد ہو جائے پھر تناسخ کہاں ہوگا۔ جن جو مختلف شکلیں بن جاتے ہیں اور مختلف جسدوں میں متجسد ہو

جاتے ہیں اس وقت ان سے اعمال عجیبہ جو ان شکلوں اور جسدوں کے مناسب ہیں ظہور میں آتے ہیں۔ ان میں کوئی تناسخ اور حلول نہیں۔ جب جنوں کو اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے اس قسم کی طاقت حاصل ہے کہ مختلف شکلوں میں ظاہر ہو کر عجیب غریب کام کریں تو اگر کاملین کی ارواح کو یہ طاقت بخش دیں تو کونسی تعجب کی بات ہے اور دوسرے بدن کی ان کو کیا حاجت ہے۔ اسی قسم کی ہیں بعض وہ حکایتیں جو بعض اولیاء اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک ساعت میں مختلف مکانوں میں حاضر ہوتے ہیں اور مختلف کام ان سے وقوع میں آتے ہیں۔ یہاں بھی ان کے لطائف مختلف جسدوں میں متجسد ہو کر اور مختلف شکلوں میں متشکل ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح اسی عزیز کا حال ہے جو ہندوستان میں وطن رکھتا ہے اور کبھی اپنے ملک سے باہر نہیں نکلا بعض لوگ عظیم البرکت مکہ معظمہ سے آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم نے اس عزیز کو حرم کعبہ میں دیکھا ہے اور ہمارے اس عزیز کے درمیان ایسی ایسی باتیں ہوئی ہیں۔ بعض نقل کرتے ہیں کہ ہم نے اس کو روم میں دیکھا ہے اور بعض بغداد میں دیکھ کر آئے ہیں۔ اور اس عزیز کو ان شکلوں کی نسبت اطلاع نہیں ہوتی۔ اسی واسطے لوگوں کو جواب میں کہتا ہے کہ یہ سب مجھ پر تہمت ہے۔ میں اپنے گھر سے باہر نہیں گیا نہ میں نے حرم کعبہ دیکھا ہے اور میں روم اور بغداد کو نہیں جانتا اور نہیں پہچانتا کہ تم کون ہو۔ اسی طرح حاجت مند لوگ زندہ اور مردہ بزرگوں سے خوف و ہلاکت کے وقت مدد طلب کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ ان بزرگوں کی صورتوں نے حاضر ہو کر ان کی بلا کو دفع کیا ہے اور ان بزرگوں کو اس بلیہ کے دفع کرنے کی اطلاع کبھی ہوتی ہے اور کبھی نہیں ہوتی۔

از ما و شما بہانہ ساختہ اند

ترجمہ: ہمارا اور تمہارا ہے بہانہ

یہ بھی ان بزرگوں کے لطائف کی شکلیں ہیں۔ یہ شکلیں کبھی عالم شہادت میں ہوتی ہیں کبھی عالم مثال میں جس طرح ایک ہی رات میں ہزار آدمی رسول اللہ ﷺ کو خواب میں مختلف صورتوں میں دیکھتے ہیں اور استفادہ کرتے ہیں۔ یہ سب رسول اللہ ﷺ کی صفات و لطائف کی مثالی صورتیں

ہیں۔اسی طرح مرید اپنے پیروں کی مثالی صورتوں سے استفادہ کرتے ہیں اور مشکلات کو حل کرتے ہیں۔(مکتوبات ص۲۰۲ تا ۲۰۶ ج ۲)

تکوین وتشریع:

مولانا ڈاکٹر حافظ تنویر احمد خان صاحب فرماتے ہیں کہ:

بندہ ۶۵ء کی جنگ کے دوران پشاور منتقل ہوگیا تھا،اور وہاں سکونت اختیار کرلی تھی اور صدر روڈ پر ایک دکان جو اچھی خاصی وسیع تھی اس کے سامنے اچھا خاصا پکا صحن بنا ہوا تھا۔اس کے آخر میں شہتوت کا درخت تھا پھر اس کے بعد سڑک شروع ہوتی تھی اس زمانے میں جنگ بندی ہوچکی تھی لیکن فوجیں محاذ پر موجود تھیں،ایک مجذوب صاحب باقاعدہ خاکی وردی میں وہاں چکر لگاتے رہتے تھے اور کچھ دیر کے لئے میری دکان کے سامنے بیٹھ جاتے تھے ایک مرتبہ میں نے ان کو کچھ پھل بھجوائے مگر انہوں نے لینے سے انکار کیا میں نے اپنی جگہ سے آواز سے سنا کہا کہ لے لو،انہوں نے لے لیا لیکن بعد میں اسی جگہ پر چھوڑ کر چلے گئے،دوسری مرتبہ میں نے خود ایک رقم دی انہوں نے اس سے انکار کرتے ہوئے کہا میں کچھ نہیں لیتا بس صرف چائے پیتا ہوں،میں نے کہا ٹھیک ہے تم ان پیسوں کی چائے پی لو،میری دوکان کے برابر چائے کی دوکان تھی،دوکان کا مالک نذر محمد تھا میں نے نذر محمد سے کہا:اس کو چائے پلا دو،جواب میں نذر محمد نے کہا کہ صاحب یہ صرف چائے پیتا ہے اور میں دن میں تو کیا رات کو بھی دکان کھولے بیٹھا رہتا ہوں جب بھی یہ میری طرف آتا ہے میں فوراً اس کو چائے پیش کرتا ہوں،میں نے کہا ٹھیک ہے اب یہ چائے میری طرف سے پلا دو،بات ختم ہوگئی یہاں تک کہ یہ اعلان ہوگیا کہ صدر ایوب صاحب اور شاستری صاحب تاشقند میں ملاقات کے لئے جارہے ہیں،اچانک ان مجذوب صاحب کا تبادلہ ہوگیا اور ایک دوسرے مجذوب جو ایک لمبا سا کوٹ پہنے ہوئے کچھ کاغذات لپیٹ کر جیب میں رکھے رہتے تھے،ان کی جگہ وہ گھومتے رہتے تھے،اور ہمیشہ کاغذات جیب میں رکھتے رہتے تھے جس سے میں نے یہ سمجھا کہ اب جنگ تو ختم ہوگئی،کچھ معاہدے جو کاغذ پر تحریر ہوں گے،وہ

ہو جائیں گے۔

یہاں تک کہ تاشقند کا معاہدہ ہو گیا اس کے دو سال بعد کہ حضرت فقیر الامت رحمہ اللہ کی خانقاہ بھی بن گئی تھی حضرت تشریف لائے ہوئے تھے میں حضرت سے ملاقات کے لئے خانقاہ گیا ہوا تھا ،اچانک حضرت فقیر الامت رحمہ اللہ نے اس چائے والے نذر محمد کی طرف اشارہ کر کے فرمانے لگے ان کی آج کل پشاور میں ڈیوٹی لگی ہوئی ہے، میں نے دیکھا تو نذر محمد کی اس وقت داڑھی بھی نہیں تھی میں اس کو اچھی طرح جانتا تھا میں نے تعجب سے پوچھا: یہ نذر محمد کون سی ڈیوٹی دے رہے ہے؟ حضرت نے فرمایا: یہ یہاں کا صاحب خدمت ہے تھوڑی دیر میں سوچ میں پڑ گیا، پھر میں نے حضرت فقیر الامت سے عرض کیا کہ ہاں مجھے یاد آ گیا یہ اس مجذوب کی خدمت کرتا تھا رات کو بھی اس کی چائے کے لئے بیٹھا رہتا تھا وہ جاتے ہوئے اس کو دے گیا، حضرت مسکرانے لگے اور فرمایا: ہاں، پھر میں نے دیکھا کہ تو وہ خانقاہ میں مستقل آتا تھا، پھر بعد میں اس نے داڑھی بھی رکھ لی تھی اور خانقاہ کے مہمانوں کی خدمت کرتا رہتا تھا اور بعد میں اکثر خانقاہ میں ہی رہتا تھا، حضرت کے انتقال کے بعد بھی وہ اسی جگہ کام کرتا رہا، اس تو اس بے چارے کا بھی انتقال ہو گیا ہے۔

حضرت فقیر الامت رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ آپ صاحب حضوری کس وقت ہوتے ہیں، بلکہ حضرت قبلہ نواب قیصر مدظلہ نے وضاحت سے معلوم کیا فرمانے لگے :تقریباً رات دو بجے، اور نواب صاحب مدظلہ نے مجھے فرمایا کہ جب بھی میں نے دو بجے حضرت کو دیکھا تو ذکر کی حالت میں ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت فقیر الامت رحمہ اللہ نے مجھے فرمایا کہ منیٰ میں جب آگ لگی تو میں ان خیموں کے بالمقابل ایک جگہ بیٹھا ہوا تھا سامنے سڑک کی دوسری طرف ایرانی لوگوں کے خیمے تھے اور ایرانی لوگ اپنے خیموں میں گانوں کی ریکارڈنگ لگائے ہوئے تھے، اچانک ان کے خیموں میں آگ لگ گئی، آگ نے ہوا کے رخ کے مطابق دوسرے لوگوں کے خیموں کو بھی لپیٹ میں لینا شروع کر دیا اور لوگوں میں بدحواسی اور بھگدڑ مچ گئی۔ اسی حالت میں

لوگوں نے بتایا کہ حضرت خیموں میں آگ لگ گئی ہے آپ دعا فرمائیں، میں نے ہاتھ اٹھا کر دعا شروع کر دی، میں دعا میں مصروف تھا میری نظر سامنے پڑی تو ایک مجذوب کھڑا ہوا تھا اور میری طرف ان دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں بند کر کے عجیب حرکتیں کر رہا تھا، میں نے اس کو نظر انداز کرتے ہوئے دعا جاری رکھی، اس نے مجبور ہو کر بڑی زوردار آواز میں کہا مولانا فقیر محمد آپ دعا بند کر دیں مجھے منیٰ کو جلانے کا حکم ملا ہے مجھے اپنا کام کرنے دیجئے، میں نے پھر بھی اس کی بات نظر انداز کرتے ہوئے دعا جاری رکھی، اسی دوران حضرت فقیر الامت رحمہ اللہ کو کشف ہوا کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ: "اللہ تعالیٰ نے فقیر محمد کی دعا کو قبول فرمایا، لہٰذا ہوا کا رخ بدل دو اور آگ بجھا دو، چنانچہ ہوا کا رخ پہاڑی کی طرف ہو گیا اور خیمے آگ سے بچ گئے، پھر آگ بجھا دی گئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ دعا ایسی مؤثر چیز ہے، کہ جس کی برکت سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بعض تکوینی اور تقدیری امور بھی تبدیل کر دیے جاتے ہیں، گو وہ غیر مبرم، یعنی معلق تقدیر ہی سے متعلق ہوتے ہوں، رہا مبرم تقدیر کا معاملہ تو وہ تو اٹل ہوتا ہے۔

ان سب واقعات سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت فقیر الامت رحمہ اللہ کا تشریع کے ساتھ ساتھ بعض تکوینی امور سے بھی تعلق تھا۔

اس موقعہ پر یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ صاحب تکوین کو تمام غیب کی باتوں کا علم نہیں ہوتا، بلکہ جتنا اور جس وقت بطور کشف اللہ تعالیٰ جو علم عطا فرماتے ہیں، بس اتنا علم ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اکثر اوقات انہیں چھوٹی رازداری کی باتیں بھی معلوم نہیں ہوتیں، جیسا کہ حضرت فقیر الامت رحمہ اللہ کے واقعات میں گزرا، یہی وجہ ہے کہ جس وقت اور جس بات سے آگاہی کی اللہ تعالیٰ صاحب تکوین کے لئے ضرورت سمجھتے ہیں، اتنی آگاہی عطا فرما دی جاتی ہے، اور بس۔ (تکوین وتشریع مع سوانح تنویر: ص ۱۲۶ تا ۱۲۹)

شیخ اکبر محی الدین ابن العربی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

"صالح بربری چالیس سال تک مصروف سیاحت رہے اور چالیس برس آپ نے اشبیلیہ کی مسجد

الرطبہ میں بحالت تجرد بسر کیے جب کہ سیاحت کا دورانیہ بھی آپ نے اکیلے ہی گزارا۔

ایسے ہی ابو عبداللہ اشرفی نے مسلسل پچاس برس تک سیاحت کی تھی اور ان کے گھر میں دیا تک نہ تھا میں نے ان سے عجائبات کا مشاہدہ کیا۔

ابوالحجاج شبربلی اشبیلیہ کی مشرقی سمت میں بستی شبربل کے رہنے والے تھے۔ وہ پانی پر چلا کرتے تھے اور ان کے ساتھ ارواح کا میل جول رہتا تھا۔

ان حضرات میں سے ایک بھی ایسا نہ تھا جس کا ایک دوسرے کے ساتھ میل ملاپ، دوستی اور محبت نہ ہو ہمیں بھی ان سے لگاؤ اور محبت ہے اور ہم نے ان کا ذکر درۃ الفاخرہ میں اپنے شیوخ کے ساتھ اس مقام پر کیا ہے، جہاں ہم نے دوسرے طریق میں نفع حاصل کرنے کا ذکر کیا ہے۔

یہ چاروں حضرات مدبرین اقطاب کے مقام پر فائز تھے اور اولیاء ملامتیہ کے اکابرین میں سے تھے ان کے سامنے تدبیر و تفصیل کا علم تھا اور ان کا نام مدبر و مفصل مقرر کیا گیا ہے۔" (فتوحات مکیہ: ج۲ص۳۹ تا ۴۰)

شیخ اکبر محی الدین ابن العربی رحمہ اللہ اپنے دور کے ایک قطب کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

"اس کے پاس مردوں کو زندہ کرنے کے عجیب اسرار تھے اور اللہ تعالیٰ نے اسے یہ خصوصیت عطا فرمائی تھی کہ وہ جس خشک مقام پر جاتا اللہ تعالیٰ اس میں شادابی اور برکت پیدا فرما دیتا جیسا کہ حضور رسالت مآب ﷺ نے حضرت خضر علیہ السلام کے بارے میں فرمایا ہے چنانچہ جب آپ ﷺ سے حضرت خضر علیہ السلام کے نام کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: وہ جس خشک گھاس پر بیٹھتے وہ آپ کے نیچے سے سرسبز ہو جاتی۔" (فتوحات مکیہ: ج۱ص۵۴۶ تا ۵۴۷)

ابن عربی رحمہ اللہ ایک اور قطب کی ملاقات کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

میں نے دوسری بار ان سے ملاقات کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے، ایک واقعہ میں میرے لیے انہیں یوں قائم کیا کہ میرے اور ان کے درمیان باریک پردہ تھا جس میں سے میں ان کی طرف دیکھ رہا تھا اور وہ مجھے نہیں دیکھ سکتے تھے اور نہ ہی انہیں میرے مکان کا علم تھا وہ مجھے جانے

بغیر اپنی ذات کے ساتھ مشغول تھے میں نے کہا: وہ اس مراد پر نہیں جس پر ہم ہیں بعد ازاں ہماری ان سے ملاقات نہیں ہو سکی یہاں تک کہ ان کا انتقال ہو گیا ان کی وفات ۵۹۵ھ میں مراکش شہر میں ہوئی جہاں سے انہیں قرطبہ منتقل کیا گیا، جب ان کا تابوت جس میں ان کا جسم تھا سواری پر رکھا گیا تو اس کے وزن کو برابر کرنے کے لئے دوسری طرف ان کی تالیفات کو رکھ دیا گیا میت کی روانگی کے وقت میں کھڑا تھا اور میرے ساتھ ادیب ابو حسین، محمد بن جبیر کاتب سید ابی سعید اور میرے ساتھی ابوالحکم عمر بن سراج ناسخ موجود تھے ابوالحکم ہماری طرف متوجہ ہوا اور کہا کیا آپ نے اس شخص کی طرف دیکھا جو اپنی سواری میں امام ابن رشد کے برابر ہے یہ امام ہے اور اس کی کتابیں اس کے اعمال ہیں۔

ابن جبیر نے اسے کہا: اے بیٹے ! ہاں، نہیں دیکھا تا کہ تجھے خاموش کرتا پس میں نے اس وعظ وتذکیر کو اپنے پاس محفوظ کر لیا اللہ تعالیٰ ان سب پر رحم فرمائے میرے سوائے اس جماعت سے کوئی شخص باقی نہیں اور ہم نے اس میں کہا:

هذا الامام وهذه اعماله

ياليت شعرى هل أنت آماله

یہ امام اور یہ اس کے اعمال تھے کاش مجھے معلوم ہوتا کہ اس کا آمال کیا ہوا۔'' (فتوحات مکیہ: ج۱ص۵۴۸تا۵۴۹)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

انا مدینة العلم

سوال:

حدیث انا مدینة العلم و علی بابها سے کیا مراد ہے؟

جواب:

اس پر بندہ کے دوست برادر مکرم علامہ عبدالغفار ذھبی نے مفصل گفتگو کی ہے بندہ کے ذھن میں اس کی توجیہ یہ ہے کہ اس سے مراد علم تصوف خاص کر آسمانوں کی سیر ہے جو سالکین کو پیش آتی ہے۔ حضرات خلفاء راشدین میں سیدنا علی کرم اللہ وجہہ اس میں ممتاز ہیں۔ پہلے شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور پھر حضرت مجدد الف ثانیؒ کا حوالہ پیش خدمت کروں گا۔

امام الہمام حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی لکھتے ہیں۔

حضرت ابوبکر اور حضرت عمر حضرت علیؓ سے کس اعتبار سے افضل ہیں۔ باوجود اس کے کہ حضرت علیؓ اس امت کے پہلے صوفی، پہلے مجذوب اور پہلے عارف ہیں اور یہ کمالات سوائے آپ کی ذات میں اور کسی میں نہیں۔ (فیوض الحرمین ص ۱۸۳)

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ:

مکتوب نمبر ۷:

جو کہ اپنے بعض عجیب و غریب احوال اور بعض ضروری استفسار کے متعلق یہ بھی اپنے پیر بزرگوار کی خدمت میں لکھا ہے۔

خاکسار غلام احمد کی یہ گزارش ہے کہ اس مقام میں جو عرش کے اوپر تھا اپنی روح کو بطریق عروج وہاں پاتا تھا اور وہ مقام حضرت خواجہ بزرگ یعنی خواجہ نقشبند قدس سرہ سے مخصوص تھا۔ کچھ زمانہ

کے بعد اپنے بدن عنصری کو بھی اسی مقام میں پایا اس وقت ایسا خیال میں گذرا کہ یہ عالم سارے کا سارا عنصریات و فلکیات سے نیچے چلا گیا ہے اور اس کا کچھ نام و نشان نہ رہا اور اس مقام میں اولیائے کبار میں سے بعض کے سوا اور کوئی نہ تھا۔ اس وقت کہ تمام عالم کو ایک ہی جگہ ایک ہی مقام میں شریک پاتا ہے۔ بہت حیرت حاصل ہوتی ہے کہ باوجود تمام بیگانگی کے اپنے آپ کو ان کے ساتھ دیکھتا ہے۔ الغرض وہ حالت کبھی کبھی حاصل ہوتی تھی کہ جس میں نہ خود رہتا تھا اور نہ عالم اور نہ نظر میں کچھ آتا تھا نہ علم میں۔ اب وہ حالت دائمی ہے اور خلقت عالم کا وجود دید و دانش سے نکل گیا ہے۔

بعد ازاں اسی مقام میں ایک بلند محل ظاہر ہوا جس کے ساتھ سیڑھی رکھی تھی میں اس محل پر چڑھ گیا اور وہ مقام بھی عالم کی طرح آہستہ آہستہ نیچے چلا گیا اور میں ہر گھڑی اپنے آپ کو اوپر کی طرف چڑھتا معلوم کرتا تھا۔ اتفاقاً وضو کر کے شکرانہ کی نماز ادا کرتا تھا کہ ایک بہت بلند مقام ظاہر ہوا اور مشائخ نقشبندیہ قدس سرہم سے چار بزرگ مشائخ کو اس مقام میں دیکھا اور دوسرے مشائخ مثل سید الطائفہ وغیرہ بھی وہاں تھے اور بعض دوسرے مشائخ اس مقام کے اوپر ہیں لیکن اس کے پائیوں کو پکڑے ہوئے بیٹھے ہیں اور بعض اپنے اپنے درجے کے موافق اس کے نیچے تھے اور میں نے اپنے آپ کو اس مقام سے بہت دور پایا۔ بلکہ کچھ مناسبت نہ دیکھی۔ اس واقعہ سے میں نہایت بے قرار ہوا۔ قریب تھا کہ دیوانہ ہو کر نکل جاؤں اور غم و غصہ کی زیادتی کے باعث جسم و جان سے خالی ہو جاؤں۔ کچھ مدت تو اسی طرح حال رہا۔ آخر حضور کی توجہ عالی سے اپنے آپ کو اس مقام کے مناسب دیکھا۔ اول اپنے سر کو اس مقام کے مقابل پایا اور آہستہ آہستہ جا کر اس مقام کے اوپر بیٹھ گیا۔ توجہ کے بعد ایسا دل میں گزرا کہ یہی مقام تکمیل تام کا مقام ہے کہ سلوک کے تمام کرنے کے بعد اس مقام پر پہنچتے ہیں۔ سلوک کو تمام نہ کئے ہوئے مجذوب کو اس مقام سے کچھ حصہ نہیں ہے اور نیز اس وقت ایسا خیال پیدا ہوا کہ اس مقام پر پہنچنا اس واقعہ کا ثمرہ اور نتیجہ ہے جو حضور کی خدمت و ملازمت میں دیکھا تھا اور عرض کیا تھا کہ حضرت امیر کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ میں اس

واسطے آیا ہوں کہ تجھ کو آسمانوں کا علم سکھاؤں۔۔۔۔۔الخ اور جب میں اچھی طرح متوجہ ہوا تو تمام خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے درمیان اس مقام کو حضرت امیر کرم اللہ وجہہ کے ساتھ مخصوص پایا۔ واللہ سبحانہ اعلم۔ (مکتوبات ص ۱۲۳ ج ۱)

نوٹ: روح کے ساتھ بدن عنصری کا اسی مقام میں محسوس ہونا غلبہ حال کی وجہ سے تھا جیسے خواب میں آدمی اپنے آپ کو وہیں محسوس کر رہا ہوتا ہے۔ جہاں روح ہوتی ہے۔ نیز اس سے کوئی یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ حضرت علی کی کلی فضیلت حضرات شیخین پر ثابت ہوتی ہے۔ بلکہ حضرت شاہ ولی اللہ اور حضرت مجدد دونوں تفضیل شیخین کے قائل ہیں۔ چند عبارات دونوں بزرگواروں کی نقل کی جاتی ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ:

حضرت شاہ ولی اللہ تو اسی عبارت سے آگے فرماتے ہیں۔

میں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے یہ سوال پیش کیا تو مجھے بتایا گیا کہ آپ کے نزدیک فضیلت کلی کا مدار امور نبوت پر ہے۔ جیسے کہ علم کی اشاعت لوگوں کو دین کا مطیع وفرمانبردار بنانا اور اسی طرح کے اور امور جو نبوت سے تعلق رکھتے ہیں اور وہ فضیلت جس کا مرجع ولایت یعنی "جذب" اور "فنا" ہے یہ تو ایک جز کی فضیلت ہوئی اور ایک اعتبار سے یہ فضیلت کم درجہ کی بھی ہے۔

اس ضمن میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کا تو یہ حال تھا کہ وہ سرتاپا امور نبوت کیلئے وقف ہو گئے تھے اور میں نے ان دونوں بزرگوں کو اپنے مشاہدہ باطنی میں یوں دیکھا کہ فوارہ کی طرح ان سے پانی ابل رہا ہے۔ الغرض خدائے تعالیٰ کی وہ عنایت جس کا مرکز وموضوع رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس تھی وہ بعینہ ان دونوں بزرگوں کے وجود گرامی میں صورت پذیر ہوئی۔۔۔۔۔۔ اور گو حضرت علی نسبت کے اعتبار سے اور نیز اپنی جبلت اور محبوب فطرت کے لحاظ سے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر سے زیادہ آپکے قریب تھے اور "جذب" میں بھی قوی تر اور "معرفت" میں بھی بلند تر تھے۔ لیکن اس کے باوجود نبی ﷺ اپنے منصب نبوت کے کمال کے پیش نظر حضرت علی سے زیادہ

حضرت ابوبکر حضرت عمرؓ کی طرف مائل تھے اور اسی بنا پر ہم دیکھتے ہیں کہ وہ علماء جو معارف نبوت کے حامل ہیں وہ شروع سے حضرت علی پر حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمر کی فضیلت دیتے ہیں۔ (فیوض الحرمین ص ۱۸۴)

دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

آپ نے مسئلہ تفضیل شیخین کے متعلق بھی استفسار کیا ہے کہ (ثبوت کے لحاظ سے) قطعی ہے یا ظنی؟ فقیر کے نزدیک جوبات صحیح و محقق ہے۔ وہ یہ ہے کہ یہ مسئلہ قطعی ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی اس حدیث سیدا کھول اھل الجنۃ (یعنی ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ ادھیڑ عمر والے اہل جنت کے سردار ہیں) اور حدیث عبداللہ بن عمرؓ کنا نخیر اصحاب رسول اللہ ﷺ سے اور حضرت علی کے اس قول خیر ھذہ الامۃ (الخ) سے بھی۔ اس کے علاوہ بھی بہت دلائل ہیں جن کا مجموعہ قطعیت کا فائدہ دیتا ہے۔ (مکتوبات شاہ ولی اللہ ص ۵۵۵)

حضرت امام ربانیؒ فرماتے ہیں۔

سمجھنا چاہیے کہ حضرات شیخین کی افضلیت صحابہ اور تابعین کے اجماع سے ثابت ہے۔ چنانچہ اس کو بزرگ اماموں کی ایک جماعت نے نقل کیا ہے۔ جن میں سے ایک امام شافعیؒ ہیں، شیخ امام ابوالحسن اشعریؒ نے کہا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ پھر حضرت عمرؓ کی فضیلت باقی امت پر قطعی اور یقینی ہے۔ امام ذھبی فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ سے اپنی خلافت اور مملکت کے زمانہ میں ان کے تابعداروں کے جم غفیر کے تواتر سے ثابت ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ تمام امت سے افضل ہیں۔

پھر امام ذھبی نے کہا ہے کہ اس حدیث کو حضرت علیؓ سے اسی (۸۰) آدمیوں سے زیادہ نے روایت کیا ہے اور ایک جماعت کو گن کر بتلایا ہے۔

پھر فرمایا کہ خدا رافضیوں کا برا کرے۔ یہ کیسے جاھل ہیں اور امام بخاری نے اپنی کتاب میں جو کتاب اللہ کے بعد تمام کتابوں سے صحیح ہے حضرت علی سے اس طرح روایت کی ہے کہ حضرت علی

نے فرمایا کہ نبیؐ کے بعد تمام لوگوں سے بہتر حضرت ابو بکر صدیقؓ ہیں پھر حضرت عمرؓ ہیں پھر فرمایا کہ ایک اور شخص تو ان کے بیٹے محمد بن حنفیہ نے عرض کیا کہ پھر آپ۔ تو حضرت علی نے فرمایا کہ میں تو ایک مسلمان آدمی ہوں۔ (مکتوبات ص ۶۲ ج ۲)

دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

حضرت امیر ولایت محمدی ﷺ کے حامل ہیں۔ اس لئے مشائخ و اولیاء کے اکثر سلسلے ان سے منتسب ہوئے ہیں اور حضرت امیر کے کمالات حضرات شیخین کے کمالات کی نسبت اکثر اولیائے عظام پر جو کمالات ولایت سے مخصوص ہیں۔ زیادہ تر ظاہر ہیں۔ اگر شیخین کی فضیلت پر اہل سنت کا اجماع نہ ہوتا تو اکثر اولیائے عظام کا کشف حضرت امیر کی افضلیت کا حکم دیتا کیونکہ حضرات شیخین کے کمالات انبیاء علیھم الصلوٰۃ والسلام کے کمالات کے مشابہ ہیں اور صاحبان ولایت کا ہاتھ ان کے کمالات کے دامن سے کوتاہ ہے اور اہل کشف کا کشف ان کے کمالات کے درجوں کی بلندی کے باعث نصف راہ میں ہے۔ ولایت کے کمالات ان کے کمالات کے مقابلہ میں مطروح فی الطریق (راہ پھینکے ہوئے) کی طرح ہیں۔ کمالات ولایت کمالات نبوت پر چڑھنے کے لئے بمنزلہ زینہ کے ہیں۔ پس مقدمات کو مقاصد کی کیا خبر اور مطالب کا مبادی کو کیا شعور۔ آج یہ بات عہد نبوت کے بعد کے باعث اکثر لوگوں کو ناگوار اور قبول سے دور معلوم ہوتی ہے۔ لیکن کیا کیا جائے۔

در پس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند
ہر چہ استاد ازل گفت ہماں میگویم

ترجمہ: مثل طوطی آئینے کے پیچھے مجھ کو ہے رکھا
کہتا ہوں میں جو کہ استاد ازل نے ہے کہا

لیکن اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا احسان ہے کہ اس گفتگو میں علمائے اہلسنت شکر اللہ سعیھم کے ساتھ موافق ہوں اور ان کے اجماع سے متفق ہوں۔ ان کے استدلالی علم کو مجھ پر کشفی اور اجمالی کو تفصیل

کیا ہے۔

اس فقیر کو جب تک کہ مقام نبوت کے کمالات تک نہ پہنچایا تھا اور ان کے کمالات سے کامل حصہ نہ دیا تھا۔ تب تک شیخین کے فضائل پر کشف کے طور پر اطلاع نہ بخشی تھی اور تقلید کے سوا کوئی راہ نہ دکھایا تھا۔

الحمد لله الذی هدانا لهذا و ما کنا لنهتدی لو لا ان هدانا الله لقد جاء ت رسل ربنا بالحق.

اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے ہم کو اس کی ہدایت دی اگر اللہ تعالیٰ ہم کو اس کی ہدایت نہ دیتا تو ہم کبھی ہدایت نہ پاتے۔ بے شک ہمارے رب کے رسول حق کے ساتھ آئے ہیں۔ ایک دن کسی شخص نے بیان کیا کہ لکھا ہے کہ حضرت امیر کا نام بہشت کے دروازے پر لکھا ہوا ہے۔ دل میں گزرا کہ حضرات شیخین کے لئے اس مقام کی کیا خصوصیتیں ہونگی۔ توجہ تام کے بعد ظاہر ہوا کہ بہشت میں اس امت کا داخل ہونا ان دو بزرگواروں کی رائے اور تجویز سے ہوگا۔ گویا حضرت صدیق بہشت کے دوروازے پر کھڑے ہیں اور لوگوں کے داخل ہونے کی تجویز فرماتے ہیں اور حضرت فاروق ہاتھ پکڑ کر اندر لے جاتے ہیں اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گویا تمام بہشت حضرت صدیق کے نور سے بھرا ہوا ہے۔

اس حقیر کی نظر میں حضرات شیخین کیلئے تمام صحابہ کے درمیان علیحدہ شان اور الگ درجہ ہے۔ گویا یہ دونوں کسی کے ساتھ مشارکت نہیں رکھتے۔ حضرت صدیق پیغمبر کے ساتھ گویا ہم خانہ ہیں۔ اگر فرق ہے تو صرف علو و سفل یعنی بلندی اور پستی کا اور حضرت فاروق بھی حضرت صدیق کے طفیل اس دولت سے مشرف ہیں اور تمام صحابہ کرام آنحضرت ﷺ کے ساتھ ہمسرائی یا ہم شہر ہونے کی نسبت رکھتے ہیں۔ پھر اولیائے امت کا وہاں کیا دخل ہے۔

ایں بس کہ رسد ز دور بانگ جرسم

ترجمہ ہے یہی کافی کہ آئے دور سے بانگ جرس

یہ لوگ کمالات شیخین سے کیا حاصل کریں۔ یہ دونوں بزرگوار اپنی بزرگی و کلانی کی وجہ سے انبیاء

علیہم السلام میں معدود اور ان کے فضائل کے ساتھ مخصوص ہیں۔

حضرت نبی ﷺ نے فرمایا لو کان بعدی نبی لکان عمر (اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو البتہ عمر ہوتا)

امام غزالی نے لکھا ہے کہ حضرت فاروق کی ماتم پرسی کے دنوں میں حضرت عبداللہ بن عمر نے صحابہ کی مجلس میں کہا کہ مات تسعۃ اعشار العلم آج نو حصے علم فوت ہو گیا۔ جب بعض نے اس معنی کے سمجھنے میں توقف دیکھا تو کہا کہ میری مراد علم سے علم باللہ نہیں علم حیض ونفاس ہے۔

حضرت صدیقؓ کی نسبت کیا بیان کیا جائے جبکہ حضرت عمرؓ کی تمام نیکیاں ان کی ایک نیکی کے برابر ہیں جیسا کہ مخبر صادق ﷺ نے اس کی نسبت خبر دی ہے اور وہ انحطاط یعنی کمی جو حضرت فاروق کو حضرت صدیق سے ہے۔ اس انحطاط وکمی سے زیادہ ہے جو حضرت صدیقؓ کو حضرت پیغمبر ﷺ سے ہے۔ پھر قیاس کرنا چاہیے کہ دوسروں کا حضرت صدیقؓ سے انحطاط کس قدر ہوگا اور حضرات شیخین موت کے بعد بھی پیغمبر خدا ﷺ سے جدا نہ ہوئے اور ان کا حشر بھی یکجا ہوگا۔ جیسا کہ فرمایا ہے پس ان کی فضیلت قربیت کا باعث ہوگا۔

یہ قلیل البضاعت یعنی بے سروسامان ان کے کمالات کو کیا بیان کرے اور ان کے فضائل کو کیا ظاہر کرے۔ ذرہ کی کیا طاقت کہ آسمان کی نسبت گفتگو کرے اور قطرہ کو کیا مجال کہ بحر عمان کی بات زبان پر لائے۔ ان اولیاء نے جو دعوت خلق کی طرف راجع ہیں اور ولایت و دعوت کی دونوں طرفوں سے حصہ رکھتے ہیں اور تابعین اور تبع تابعین میں سے علمائے مجتہدین نے کشف صحیح کے نور اور اخبار صادقہ اور آثار متابعہ سے شیخین کے کمالات کو دریافت کیا ہے اور ان کے فضائل کو پہچان کر ان کے افضل ہونے کا حکم دیا ہے اور اس پر اجماع کیا ہے۔ (مکتوبات ص ۵۴۸ ج۱)

حضرت امام ربانی ایک مقام پر لکھتے ہیں۔

اور فضیلت کی ترتیب خلفائے راشدین کے درمیان خلافت کی ترتیب کے موافق ہے لیکن شیخین کی افضلیت صحابہ اور تابعین کے اجماع سے ثابت ہوئی ہے چنانچہ بڑے بڑے ائمہ کی ایک جماعت

نے جن میں سے ایک امام شافعیؒ ہیں اس بات کو نقل کیا ہے۔

قال الشیخ الامام ابو الحسن الاشعری ان تفضیل ابی بکر ثم عمر علی بقیة الامة قطعی شیخ امام ابوالحسن اشعری فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر کی فضیلت پھر حضرت عمر کی فضیلت باقی امت پر قطعی ہے۔

قال الذهبی قد تواتر عن علی فی خلافته و کرسی مملکته وبین الجم الغفیر من شیعته ان ابی بکر و عمر افضل الامة قال ورروا عن علی کرم الله وجهه نیف و ثمانون نفسا و عد جماعة ثم قال قبح الله الرافضة ما اجهلهم.

امام ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ان کی خلافت و مملکت کے زمانہ میں اور آپ کے تابعداروں میں سے ایک جم غفیر کے درمیان یہ بات بطریق تواتر ثابت ہو چکی ہے کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر تمام امت سے افضل ہیں۔ پھر فرماتے ہیں کہ اس بات کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اسی (۸۰) سے کچھ زائد آدمیوں نے روایت کیا ہے اور ان میں سے ایک جماعت کا نام بھی لیا ہے، پھر فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ رافضیوں کا برا کرے اور یہ کیسے جاہل ہیں۔

روی البخاری عنه انه قال خیر الناس بعد النبی علیه و علی اله الصلوة والسلام ابو بکر ثم عمر ثم رجل اخر فقال ابنه محمد بن الحنفیة ثم انت فقال انما انا رجل من المسلمین

اور بخاری نے ان سے روایت کی ہے فرمایا کہ نبی ﷺ کے بعد سب لوگوں میں سے بہتر ابوبکر ہیں پھر عمر ہیں پھر ایک اور شخص پس ان کے بیٹے محمد بن حنفیہ نے کہا کہ پھر آپ۔ پس فرمایا میں تو ایک مسلمان شخص ہوں۔

وصح الذهبی وغیره عن علی انه قال الاوانه بلغنی ان رجالا یفضلونی علیهما ومن وجد له فضلنی علیهما فهو مفتر علیه ما علی المفتری

ذہبی نے حضرت علی سے صحیح سند سے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ لوگ مجھے

ان دونوں پر فضیلت دیتے ہیں اور جس کو میں نے پایا کہ وہ مجھے ان پر فضیلت دیتا ہے وہ مفتری ہے اور اس کی سزا بھی وہی ہوگی جو مفتری کی ہوتی ہے۔ اس قسم کی اور بہت سی مثالیں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اور ان کے سوا اور بہت سے صحابہ سے متواتر آئی ہیں اور جن میں کسی کو انکار کی مجال نہیں حتیٰ کہ عبدالرزاق جو اکابر شیعہ میں سے ہے کہتا ہے افضل الشیخین بتفضیل علی ایاھما علی نفسہ والا لما فضلتھما کفی بی وزرا ان احبہ ثم اخالفہ میں شیخین کو اس لئے فضیلت دیتا ہوں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے خود ان کو اپنے اوپر فضیلت دی ہے ورنہ میں ان کو کبھی فضیلت نہ دیتا۔ مجھے یہی گناہ کافی ہے کہ میں ان کو دوست رکھوں اور پھر ان کی مخالفت کروں۔ کل ذلک مستفاد من الصواعق یہ سب کچھ صواعق (الصواعق المحرقہ لابن حجر المکی) سے لیا گیا ہے۔ (مکتوبات ص ۴۳۹ مکتوب نمبر ۲۶۶ ج ۱)

اسی مکتوب میں آگے لکھتے ہیں۔

الغرض شیخین کی افضلیت یقینی ہے اور حضرت عثمانؓ کی افضلیت اس سے کم تر ہے۔ لیکن احوط یہی ہے کہ حضرت عثمان کی افضلیت کے منکر بلکہ شیخین کی افضلیت کے منکر کو بھی کافر نہ کہیں اور مبتدع اور ضال جانیں کیونکہ اس کی تکفیر میں علماء کا اختلاف ہے اور اس اجماع کے قطعی ہونے میں بہت قیل و قال ہے ایسا منکر یزید بدبخت کا ساتھی اور بھائی ہے کہ اسی احتیاط کے باعث علماء نے اس کے لعن میں توقف کیا ہے۔ وہ ایذا جو پیغمبر ﷺ کو خلفائے راشدین کی جہت سے پہنچی ہے وہ بعینہ اس ایذا کی طرح ہے جو اہامین کی جہت سے پہنچی ہے۔ علیہ و علیہم الصلوت و التسلیمات.

کچھ آگے جا کر لکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ان الذین یؤذون اللہ و رسولہ لعنھم اللہ فی الدنیا و الاخرۃ وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں اللہ کی لعنت ہے۔

افضلیت سے مراد:

حضرت مجدد فرماتے ہیں۔ علماء کے نزدیک یہ بات مقرر ہے کہ اس جگہ افضلیت سے وہ مراد ہے

جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک بکثرت ثواب کے اعتبار سے ہے نہ کہ وہ افضلیت جو فضائل ومناقب کے بکثرت ظاہر ہونے کے اعتبار سے ہے۔ کیونکہ ایسی افضلیت عقلمندوں کے نزدیک کچھ اعتبار نہیں رکھتی۔ کیونکہ سلف صحابہ وتابعین نے جس قدر فضائل ومناقب حضرت امیر کی بنسبت نقل کئے ہیں اور کسی صحابی کی نسبت منقول نہیں ہیں۔ حتی کہ امام احمدؒ نے فرمایا ہے کہ ماجاء لاحد من الصحابة من الفضائل ماجاء لعلیؓ (اور جو فضائل حضرت علی کے بارے میں آئے ہیں وہ کسی اور صحابی کی نسبت نہیں آئے۔ اور باوجود اس امر کے امام مذکور نے خلفائے ثلاثہ کی افضلیت کا حکم کیا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ افضلیت کی وجہ ان فضائل ومناقب کے سوا کچھ اور ہے اور اس افضلیت پر اطلاع پانا دولت وحی کے ان مشاہدہ کرنے والوں کو میسر ہے جنہوں نے صحیح طور پر قرآن سے معلوم کی ہے اور وہ صحابہ پیغمبر علیہ وعلیہم الصلوٰت والتسلیمات ہیں۔ (مکتوبات ص ۶۴۲ ج ۱)

حضرت مجدد ایک مکتوب میں فرماتے ہیں۔

وہ شخص جو حضرت امیرؓ کو حضرت صدیقؓ سے افضل جانے اہل سنت والجماعت کے گروہ سے نکل جاتا ہے۔ (مکتوبات ص ۴۳۸ ج ۱)

ایک اور مکتوب میں لکھتے ہیں۔

اے برادر اس بلند طریق کے سر حلقہ حضرت صدیق اکبرؓ ہیں جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد تحقیقی طور پر تمام بنی آدم سے افضل ہیں۔ (مکتوبات ص ۴۸۲ ج ۱)

ایک اور مقام پر جن لوگوں نے پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کو ان کی کرامات کی کثرت کی وجہ سے افضل سمجھا اس کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ "خوارق کے بکثرت ظاہر ہونے کو افضلیت کی دلیل بنانا ایسا ہے جیسا کہ حضرت امیر کرم اللہ وجہہ کے بکثرت فضائل ومناقب کو حضرت صدیقؓ پر ان کو افضل ہونے کی دلیل بنائیں۔ (مکتوبات ص ۸۰۷ ج ۱)

کے امام مذکور نے خلفائے ثلاثہ کی افضلیت کا حکم کیا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ افضلیت کی وجہ ان

فضائل ومناقب کے سوا کچھ اور ہے۔ (مکتوبات ص ۱۴۴ ج ۱)

مثال: حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں۔

غزوہ بدر میں آنحضرت ﷺ نے سوال فتح کے اندر پوری طرح الحاح وزاری کی اور حضرت ابوبکر صدیقؓ نے پیچھے سے آ کر آنحضرت ﷺ کو اپنی بغل میں لے لیا اور کہا یا رسول اللہ ﷺ آپکے لئے اتنی ہی دعا کافی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے جوں ہی صدیق اکبرؓ سے یہ کلمہ سنا خیمہ سے کود کر جلد باہر نکل آئے اور یہ آیت پڑھی سیھزم الجمع و یولون الدبر (یعنی عنقریب کفار کی جماعت شکست پا جائے گی اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے۔)

اس حدیث کی تاویل یہ ہے کہ صدیق اکبر نے غیب سے اس نکتہ کو حاصل کیا کہ دعا قبول ہو گئی اور تولیت الہیہ ظاہر ہو گئی اور قلب صدیق نے اس تلقی وتحصیل میں آنحضرت ﷺ کی قوت علمیہ پر پیش قدمی کی۔ آنحضرت ﷺ نے جب استغراق دعا سے افاقہ پایا تو پیشانی صدیق سے قبولیت دعا کا قصہ اور تولیت الہیہ کا ظہور مطالعہ کر لیا اور سوال کو ترک فرما دیا۔ (مکتوبات ص ۲۶۷)

جسطرح سیدنا صدیق اکبرؓ کا قبولیت دعا کے مشاہدہ میں سبقت کر جانا فضیلت جزوی ہے اور آنحضرت ﷺ سے افضلیت ثابت نہیں ہوتی اسی طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا باب مدینۃ العلم ہونا فضیلت جزوی ہے۔ حضرات اصحاب ثلثہ پر کلی فضیلت ثابت نہیں ہوتی۔

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں۔

وہ راہ جو جناب قدس جل شانہ کی طرف لے جانے والے ہیں دو ہیں ایک وہ راستہ ہے جو قرب نبوت سے تعلق رکھتا ہے اور اصل الاصل تک پہنچانے والا ہے۔ اس راہ کے پہنچنے والے بالاصالت انبیاء علیہم السلام اور ان کے اصحاب ہیں اور امتوں میں سے بھی جس کسی کو چاہیں اس دولت سے سرفراز کرتے ہیں۔ مگر یہ لوگ قلیل بلکہ اقل ہیں۔ اس راستہ میں واسطہ اور حیلولہ نہیں۔ ان واصلوں میں سے جو کوئی فیض حاصل کرتا ہے کسی کے واسطہ کے بغیر اصل سے حاصل کرتا ہے۔ اور کوئی ایک دوسرے کا حائل نہیں ہوتا دوسرا وہ راستہ یہ جو قرب ولایت سے تعلق رکھتا ہے۔ تمام قطب اور اوتاد

اور ابدال اور نجیب عام اولیاء اللہ سب اسی راستہ سے واصل ہوئے ہیں۔ راہ سلوک اسی راہ سے مراد ہے۔ بلکہ جذبہ متعارفہ بھی اسی میں داخل ہے۔ اس راستہ میں واسطہ اور حیلولہ ثابت ہے۔ اس راہ کے واصلوں کے پیشوا اور ان کے سرگروہ اور ان بزرگواروں کے فیض کا سرچشمہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم ہیں اور یہ عظیم الشان مرتبہ انہی کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ اس مقام میں گویا آنحضرت ﷺ کے دونوں مبارک قدم حضرت علی المرتضیٰؓ کے سر مبارک پر ہیں اور حضرت فاطمہ اور حضرات حسنین رضی اللہ عنہم بھی اس مقام میں ان کے ساتھ شریک ہیں۔ میرے خیال میں حضرت امیرؓ وجود عنصری یعنی پیدائش سے پہلے بھی اسی مقام کی پناہ میں رہے ہیں جیسے کہ وجود عنصری کے بعد ہیں اور اس راہ سے جس کسی کو فیض و ہدایت پہنچتا ہے انہی کے وسیلہ سے پہنچتا ہے کیونکہ اس راہ کا اخیری نقطہ یہی ہیں۔ اور اس مقام کا مرکز انہی سے تعلق رکھتا ہے۔ جب حضرت امیر معاویہؓ کا دور تمام ہوا تو یہ عظیم الشان مرتبہ ترتیب وار حضرات حسنینؓ کے سپرد ہوا اور ان کے بعد بارہ اماموں میں سے ہر ایک کے ساتھ ترتیب و تفصیل وار قرار پایا۔ ان بزرگواروں کے زمانہ میں اور ایسے ہی انکے انتقال فرما چکنے کے بعد جس کسی کو فیض و ہدایت پہنچتا رہا انہی بزرگواروں کے واسطہ اور حیلولہ سے ہی پہنچتا رہا۔ گو اپنے زمانہ کے اقطاب و نجباہی ہوئے ہوں لیکن سب کا ملجاو ماوٗی یہی بزرگوار ہوئے ہیں۔ کیونکہ اطراف کو مرکز کے ساتھ ملحق ہونے سے چارہ نہیں حتیٰ کہ شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ کی نوبت آپہنچی اور منصب مذکور اس بزرگ قدس سرہ کے سپرد ہوا۔ مذکورہ بالا اماموں اور حضرت شیخ قدس سرہ کے سوا کوئی شخص اس مرکز پر مشہود نہیں ہوتا۔ اس راستہ میں اقطاب و نجباء کو فیوض و برکات کا پہنچنا شیخ قدس سرہ ہی کے وسیلہ شریف سے مفہوم ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ مرکز شیخ قدس سرہ کے سوا کسی اور کو میسر نہیں ہوا اسی واسطے شیخ قدس سرہ نے فرمایا ہے۔

شعر: ؎

افلت شموس الاولین وشمسنا ابدا علی افق العلی لا تغرب

ہوا سورج غروب پہلوں کا پر نہ سورج ہمارا ماند ہوا

(مکتوبات ص ۶۶۱ ج ۳ مکتوب ۱۲۳)

ایک اور مقام پر رقمطراز ہیں۔

جب مجھے راہِ سلوک کی ہوس پیدا ہوئی تو اللہ تعالیٰ جل شانہ کی عنایت سے مجھے خانوادہ نقشبندیہ کے ایک خلیفہ کی خدمت میں پہنچایا جن کی توجہ کی برکت سے خواجگان کا جذبہ جو بلحاظ فنا صفت قیومیت میں جاملتا ہے حاصل ہوا اور السدواج النهاية فى البداية کے طریق سے بھی ایک گھونٹ حاصل ہوا۔ اس جذبہ کے حاصل ہو جانے کے بعد سلوک شروع ہوا اور یہ راہ میں نے اسد اللہ الغالب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی روحانیت کی تربیت سے اس انجام تک طے کی۔ یعنی اس اسم سے جو میرا پرورش کنندہ۔ بعد ازاں اس اسم سے حضرت خواجہ نقشبند قدس اللہ تعالیٰ سرہ کی روحانیت کی مدد سے قابلیت اولیٰ تک جس کو حقیقت محمدیہ سے تعبیر کرتے ہیں ترقی کی۔ وہاں سے اوپر حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کی روحانیت کی مدد سے عروج حاصل ہوا وہاں سے آگے حضرت خاتم المرسلین کی روحانیت کی مدد سے مقام اقطاب محمدیہ تک ترقی کی۔ (مکتوبات ص ۶۶۶ ج ۳ مکتوب نمبر ۱۲۴)

حضرت امام ربانی ایک اور مقام پر تحریر فرماتے ہیں۔

اے برادر خدا تجھے ہدایت دے۔ جان لے کہ ان عزیزوں کا جذبہ دو قسم پر ہے۔

پہلا وہ جذبہ ہے جو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے پہنچا ہے اور اسی اعتبار سے ان کا طریقہ آنحضرت ﷺ کی طرف منسوب ہے اور یہ جذبہ ایک خاص قسم توجہ کے ساتھ جو تمام موجودات کی قیوم ہے اور اس میں استہلاک واضمحلال یعنی فنا و استغراق کے ساتھ حاصل ہوتا ہے۔

دوسری قسم جذبہ کی وہ ہے جس کے ظہور کا مبدا اس طریق میں حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ ہیں اور یہ جذبہ معیت ذاتیہ کی راہ سے پیدا ہوتا ہے۔ یہ جذبہ حضرت خواجہ قدس سرہ سے ان کے پہلے خلیفہ خواجہ علاء الدین قدس سرہ کو پہنچا اور چونکہ یہ اپنے وقت کے قطب ارشاد تھے اس لئے انہوں نے اپنے اس جذبہ کے حاصل ہونے کیلئے ایک خاص طریقہ وضع کیا۔ وہ طریقہ ان کے خاندان کے خلفاء میں طریقہ علائیہ کے نام سے مشہور ہے اور ان کی عبارت میں اس طرح واقع ہے کہ سب

طریقوں سے اقرب طریقہ علیہ علائیہ ہے۔ اس جذبہ کی اصل اگرچہ حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ سے ہے لیکن اس کے حاصل ہونے کیلئے طریق کا وضع کرنا خواجہ علاء الدین قدس سرہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ یہ طریقہ بہت کثیر البرکت ہے۔ اس طریق پر تھوڑا سا چلنا دوسرے طریقوں پر بہت زیادہ چلنے سے زیادہ فائدہ مند ہے۔ اب تک خانوادہ علائیہ و احراریہ کے مشائخ کے خلفاء اس دولت عظمٰی سے بہرہ مند ہیں اور اسی راہ سے طالبوں کی تربیت فرماتے ہیں۔ حضرت خواجہ حرار قدس سرہ کو یہ دولت عظمٰی حضرت مولانا یعقوب چرخی قدس سرہ سے جو حضرت خواجہ علاء الدین قدس سرہ کے خلفاء میں سے ہیں پہنچی ہے۔

اول قسم کا جذبہ جو حضرت صدیقؓ کی طرف منسوب ہے۔ اس کے حاصل ہونے کیلئے جدا طریقہ موضوع ہے اور وہ طریقہ وقوف عددی ہے اور وہ سلوک بھی جو اس جذبہ کے حاصل ہونے کے بعد متحقق ہوتا ہے۔ دو قسم پر ہے بلکہ اس کی کئی قسمیں ہیں۔ ایک وہ قسم ہے جس کے طریق سے حضرت صدیقؓ مقصود تک پہنچے ہیں اور حضرت رسالت خاتمیت علی صاحبها الصلوٰة والسلام و التحیة بھی اسی جذبہ اور اسی طریق سے مطلب تک پہنچے ہیں اور حضرت صدیقؓ کمال اخلاص کے باعث جو آنحضرت ﷺ کے ساتھ رکھتے تھے اور ان میں فانی تھے۔ باقی تمام اصحاب رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں سے اسی خاص طریق کے ساتھ مخصوص ہوئے ہیں۔ اور جذبہ سلوک کی بھی نسبت اسی خصوصیت کے ساتھ حضرت امام جعفر صادقؓ تک پہنچی ہے۔ اور چونکہ حضرت امام جعفر صادقؓ کی والدہ ماجدہ حضرت صدیقؓ کی اولاد کرام سے تھیں اس لئے ان دونوں اعتباروں کے لحاظ سے حضرت امامؓ نے فرمایا کہ ولدنی ابوبکر مرتین (مجھے ابوبکر نے دو بارہ جنا) اور چونکہ حضرت امامؓ کو اپنے بزرگ آباء و اجداد کی طرف سے جدا نسبت حاصل تھی۔ اس لئے ان دونوں طریقوں کے جامع ہوتے ہیں۔ اور اس جذبہ کو ان کے سلوک کے ساتھ جمع کیا اور اس سلوک سے مقصود تک پہنچے۔

ان دونوں سلوک کے درمیان فرق یہ ہے کہ حضرت امیرؓ کا سلوک سیر آفاقی سے قطع ہو جاتا ہے اور

حضرت صدیقؓ کا سلوک سیر آفاقی سے کچھ تعلق نہیں رکھتا۔ ان کے سلوک کی مثال اس طرح ہے کہ جیسے خانہ جذبہ سے نقب کھود کر مطلوب تک پہنچا دیں۔ سلوک اول میں معارف کی تحصیل ہے اور سلوک ثانی میں غلبہ محبت۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت امیر شہر علم کا دروازہ بن گئے اور حضرت صدیقؓ نے آنحضرت ﷺ کی خلت یعنی دوستی کی قابلیت حاصل کی۔ (مکتوبات ص ۷۵۹ تا ۷۶۱ ج ا مکتوب ۲۹۰)

ائمہ اہل بیت قطب تھے:

بندہ کے پیرو مرشد مظہر شریعت وطریقت قائد اہلسنت وکیل صحابہ حضرت مولانا قاضی مظہر حسین نور اللہ مرقدہ (خلیفہ مجاز شیخ الاسلام امیر المومنین فی الحدیث حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ) لکھتے ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں۔

چونکہ در حق اصحاب اعتقاد نیک باید داشت ہمچناں در حق اہل بیت معتقد باید بود وصالحین ایشاں را مزید تعظیم تخصیص باید کرد ـــــ ایں فقیر را معلوم شدہ است کہ ائمہ اثنا عشرؓ اقطاب نسبی بودند از مستمعا قطبیت ایشاں امریست باطنی الخ۔ (تفہیمات الہیہ ص ۲۴۴، ۲۴۵ ج ۲)

اور جس طرح رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کے بارے میں اچھا اعتقاد رکھنا چاہیے اسی طرح اہل بیت کے حق میں بھی عقیدت رکھنی چاہیے اور انکے صالحین افراد کی زیادہ تعظیم کے ساتھ تخصیص کرنی چاہیے۔ اس فقیر کو معلوم ہوا ہے کہ بارہ ائمہؒ اقطاب نسبتی ہوئے ہیں۔ باطنی نسبت کے اعتبار سے اور ان کا قطب ہونا ایک باطنی امر ہے۔ علاوہ ازیں فرماتے ہیں۔

انی رأیت ائمة اهل البیت فی حظیرة القدس باتم وجه و اجمل وجه و علمت ان منکرهم و المشاجن لهم فی خطر عظیم. (تفہیمات الہیہ ج اص ۱۰۷)

یعنی میں نے ائمہ اہل بیت کو بہت کامل اور بہت اچھی حالت میں حظیرۃ القدس میں دیکھا ہے اور مجھے معلوم ہوا ہے کہ ان کا منکر اور ان سے عداوت رکھنے والا بڑے خطرے میں ہے۔ (کشف

خارجیت ص ۵۴۰)

نوٹ: حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی عبادت میں حظیرۃ القدس کا ذکر آیا ہے۔ حظیرۃ القدس کیا ہے اسکی وضاحت کیلئے ہم حضرت امام دہلویؒ کی ہی دیگر عبارات پیش کرنے کی سعادت حاصل کریں گے تاکہ معلوم ہو کہ ائمہ اہل بیت کس مقام کے حامل ہیں اور ان کا حظیرۃ القدس میں ہونا کوئی معمولی سعادت نہیں۔

حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں۔

یہ مشاہدہ، مشاہدہ عظیم اور تحقیق، تحقیق عالی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی اس عظیم الشان اور جلیل القدر تدلی کی حقیقت سے مطلع فرمایا جو تمام بنی نوع بشر کی طرف متوجہ ہے۔ اس تدلی سے اللہ تعالیٰ کو منظور یہ ہے کہ وہ اس کے ذریعہ اپنے تک پہنچنے کی راہ کو لوگوں کے لئے آسان بنائے۔ اس تدلی کا عالم مثال میں ایک مثالی پیکر ہے اور وہاں سے یہ عالم جساد میں کبھی انبیاء کی صورت میں بالعموم اور محمد ﷺ کی شکل میں بالخصوص اور کبھی کتب الٰہی کی شکل میں بالعموم اور قرآن کی شکل میں بالخصوص اور کبھی نماز کی صورت میں اور کبھی حج کی شکل میں ظہور پذیر ہوتی ہے۔ میں نے اس تدلی کو جو اپنی ذات میں ایک ہے دیکھا اور یہ پایا کہ جیسے جیسے خارجی حالات واسباب ہوتے ہیں، اسی مناسبت سے وہ طرح طرح کے مظاہر میں صورت پذیر ہوتی ہے۔ خارجی حالات واطوار اسباب سے میری مراد لوگوں کی عادات واطوار اور ان کے ذہنوں میں جو علوم مذکور ہوتے ہیں۔ ان سے ہے۔ اور یہ چیزیں ایسی ہیں کہ اس زندگی کے بعد بھی جب یہ لوگ عالم برزخ میں پہنچتے ہیں تو ان کی یہ عادات واطوار اور یہ علوم ان کے ساتھ ہی رہتے ہیں۔ چنانچہ یہ لوگ اور ان کی یہ عادتیں اور ان کے یہ اطوار اور ان کے یہ مرکزی علوم ذریعہ بنتے ہیں۔ حظیرۃ القدس میں اس عظیم الشان تدلی کے خاص مثالی پیکر میں بروئے کار آنے کا۔

الغرض اس طرح ایک خاص زمانے میں اس تدلی کا ایک مثالی پیکر حظیرۃ القدس میں بنتا ہے اور وہاں سے جب کہ ارادہ الٰہی اس کا متقاضی ہوتا ہے اور جس وقت دنیا کے علوی اور سفلی حالات اس

کے لئے سازگار ہوتے ہیں۔ یہ مثالی پیکر عالم جسمانی میں نازل ہوتا ہے۔ (فیوض الحرمین ص ۷۵،۷۶)

دوسرے مقام پر لکھتے ہیں۔

قصہ مختصر، نوع انسانی کے اس مثالی پیکر سے جو عالم مثال میں قائم ہے، اس طرح افراد انسانی ظاہر ہوئے اور اسطرح وہ الگ الگ استعدادوں اور قوتوں کے مالک بنے۔ چنانچہ ان افراد انسانی میں سے بعض ذہین ہیں اور بعض کند ذہن اور بعض ان میں سے پاک نفوس رکھتے ہیں۔ اس کے بعد یہ ہوا کہ حظیرۃ القدس میں ان افراد کی ہستیں، ان کے نفوس اور انکی انسانیت کا جوہر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوا۔ چنانچہ وہاں یہ سب کے سب افراد اسی طرح ہو گئے جیسے کہ یہ ایک چیز ہیں اور ان پر ایک ہی نام صادق آتا ہے اور ان تمام کے تمام کا ایک ہی طرف انتساب ہے۔ حظیرۃ القدس میں ان سب کے ایک ہونے کا نام "انسان الٰہی" رکھا گیا ہے۔ اور حظیرۃ القدس میں ان کے اس طرح ایک ہونے کا نتیجہ ہے کہ ہم مختلف افراد انسانی کو باوجود ان کے باہمی اختلافات کے ان معاملات میں اور ادراکات میں ایک دوسرے کے قریب پاتے ہیں۔ چنانچہ یہی وہ مقام ہے جہاں اللہ تعالیٰ کی تدلی اعظم کا نزول ہوتا ہے اور یہی چیز ہے جو عالم مثال میں ان کے لئے "قدم صدق[1]" اور ان کے پروردگار کی طرف سے "مقام معلوم[2]" کی حیثیت اختیار کر لیتی ہے۔

اب ہوتا یہ ہے کہ نفوس انسانی جب کبھی اپنی حیوانی عادات کی آلودگیوں اور جسم کی شہوانی کیفیات سے تجرد اختیار کرتے ہیں تو وہ فوراً ہی حظیرۃ القدس کی طرف جھپک لئے جاتے ہیں اور وہاں خدا تعالیٰ کے جلال کی بجلی چمکتی ہے۔ جس سے ان لوگوں کے ہوش گم ہو جاتے ہیں۔ اور یہ حیرت میں پڑ جاتے ہیں۔ چنانچہ ان کی یہ حالت ہو جاتی ہے کہ انہیں اس بات کی سدھ بدھ نہیں رہتی کہ وہ کہاں سے آئے ہیں اور کہاں جائینگے۔ اور جہاں سے وہ آئے تھے ان کے وہاں واپس لوٹنے کی کوئی تدبیر ممکن بھی ہے یا نہیں۔ اس مقام پر ان لوگوں کی یہ حالت دیکھکر تدبیر الٰہی اس بات کی متقاضی ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی وہ تدلی جو بندوں کو اس تک پہنچانے کا ذریعہ بنتی ہے ان کی طرف

حرکت کرے۔ چنانچہ یہ تدلی نیچے اترتی ہے اور مشخص اور متعین ہوتی ہے اور اس تشخص اور تعین کی وجہ سے ان لوگوں کیلئے اس تدلی کا قرب اور اس کے رنگ میں رنگا جانا ممکن ہوتا ہے۔

ظاہر ہے اس تدلی کا مختلف صورتیں اختیار کرنا ان خارجی حالات و مقتضیات کا نتیجہ ہوتا ہے جس میں یہ تدلی مشخص اور معین ہوتی ہے۔ تدلی کی ان صورتوں میں سے ایک نبوت ہے۔ (فیوض الحرمین ص۸۰تا۸۲)

نیز لکھتے ہیں۔

تدلی الٰہی کی ایک صورت آسمانی کتابیں ہیں اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ انسانوں کو پہلے پہل جب یہ ضرورت پیش آئی کہ ان کے ہاں جو علوم، اخبار مروج ہیں وہ زمانہ دراز تک محفوظ رہ سکیں اور دور دور ملکوں والے بھی ان سے استفادہ کر سکیں تو الہام کے ذریعہ ان کو کتابوں کو لکھنے اور رسالوں کو مدون کرنے کی تعلیم دی گئی۔ اس میں مصلحت یہ بھی تھی کہ مصنف کی اصل تحریر بجنسہ محفوظ رہ سکے۔ اور اس میں نہ تو کوئی بھول واقع ہو اور نہ اس کے معنی کی غلط روایت ہو سکے۔ الغرض آگے چل کر کتابوں کے لکھنے اور رسالوں کو جمع کرنے کا رواج لوگوں میں خوب پھیل گیا، اور ان حالات میں جب اللہ تعالیٰ کی تدلی حرکت میں آئی تو لامحالہ اس وقت لوگوں کو جو دستور بن چکا تھا، اس کے مطابق اسی تدلی نے صورت اختیار کی۔ چنانچہ ہوا یہ کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ اس امر کا مقتضی ہوا کہ رسول ایسی تجلیات سے بہرہ یاب ہو جو اسے عالم بشریت سے اچک کر حظیرۃ القدس میں پہنچا دیں اور اس طرح ملأ اعلیٰ کے علوم، ملأ اعلیٰ کی طرف سے انسانوں کو ان کے ناپاک شبہات کے جوابات، رحمت الٰہی کے ارادے اور وہ الہامات خیر جو لوگوں کے دلوں میں ہیں۔ یہ سب رسول کے ادراک میں تلاوت کی جانے والی وحی کی شکل میں قرار پذیر ہو جائیں۔ الغرض یہ ہے شان نزول الہامی کتابوں کے وجود میں آنے کا۔ (فیوض الحرمین ص۸۶)

ایک اور جگہ رقمطراز ہیں۔

عارف جب اس مقام میں ہوتا ہے جو اس کی طبیعت کے قریب ہے تو اس حالت میں وہ فضل حق کا

اس طرح مشاہدہ نہیں کر سکتا جیسے کہ اسے کرنا چاہیے۔ چنانچہ ایسے موقعہ پر اکثر عارف کو الہامات اور دل کے وسوسوں میں اور الہی کیفیت میں اور طبیعت کے اقتضاء میں اشتباہ سا پیدا ہو جاتا ہے۔ نیز اس ضمن میں ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک معاملہ ہے اور اس کے متعلق عارف نہیں جانتا کہ اس کے بارے میں اللہ کا کیا حکم ہے۔ چنانچہ وہ اس میں متردد ہوتا ہے اور کچھ دیر وہ اسی تردد کی حالت میں رہتا ہے۔ لیکن اس کے بعد وہ مقام حق (حظیرۃ القدس) کی طرف کھنچ جاتا ہے اور وہ اللہ کا ہو جاتا ہے۔ اس حالت میں اس کے سامنے ہر ایک چیز متجلی ہو جاتی ہے۔ اب وہ امور جن کے متعلق پہلے اسے شبہ تھا وہ ان امور پر اور نیز اپنے شکوک پر دوسری بار نظر ڈالتا ہے تو ان کے متعلق اللہ کا جو ارادہ اور فیصلہ ہوتا ہے وہ منکشف ہو جاتا ہے اور اس حالت میں وہ گویا اللہ کے ارادے اور فیصلے کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے لگتا ہے۔ اب اگر وہ عارف مکلم ہوتا ہے۔۔۔۔ یعنی اللہ تعالی اس سے کلام کرتا ہے تو اس حالت میں اس سے کلام کی جاتی ہے۔۔۔۔۔۔۔۔ اب اگر تم مجھ سے پوچھو کہ آخر یہ کون سا مقام ہے جسے تم مقام حق کہتے ہو تو اس کے جواب میں میں کہوں گا کہ ملأ اعلی اور جلیل القدر مومنوں کی ہستیں اور ان کے نصب العین اللہ تعالی کی تجلیات میں سے کسی ایک تجلی میں جمع ہو جاتے ہیں اور اس تجلی ہی کا نام حظیرۃ القدس ہے۔ اور یہی وہ مقام ہے جہاں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کی مشہور حدیث میں آیا ہے کہ حضرت آدم نے حضرت موسیٰ سے باتیں کی تھیں اور یہی حظیرۃ القدس قرآن مجید کی اس آیت "قدم صدق عند ربهم" کا یعنی نیکوکاروں کیلئے اللہ تعالی کے پاس مستقل ٹھکانا ہے، مصداق ہے۔ اب جو شخص حظیرۃ القدس کو پالیتا ہے، وہ قرآن مجید کی اس بشارت کا جس کا "على بينة من ربه" اور "يتلوه شاهد منه" کی آیات میں ذکر ہے، اہل بن جاتا ہے۔ غرضیکہ اس شخص کے نفس میں اس بارگاہ کی طرف سے ایک رنگ آ کر مکمل ل جاتا ہے۔ (فیوض الحرمین ص ۲۱۳ تا ۲۱۶)

ضرورت شیخ:

خواجہ خواجگاہ حضرت خواجہ باقی باللہ فرماتے ہیں۔

پس اگر تم ہزار سال پرواز کرتے رہو اور ہزاروں مرتبہ چلہ میں بیٹھو مگر جب تک کہ جذ جات الوہیت کا جذبہ تم پر ظاہر نہ ہو جائے اور عالم اجسام اور ارواح کی صورتیں تمھاری نظر سے نہ مٹ جائیں اور محبت ذاتی جو ایک مخفی راز ہے جلوہ گر نہ ہو اور نسبت مجہول الکیفیت جو ادراک کی مقوم اور محبت ذاتی کو قوت دینے والی چیز ہے جس کو ادراک بسیط کے سوا اور کسی لفظ میں ادا نہیں کر سکتے ہیں، پیدا نہ ہو جائے اس وقت تک تم ذات حق کے جویندہ نہیں ہو سکتے پھر اس کا شہود کہاں ہو سکتا ہے۔ اس لئے تم پر لازم ہے کہ ایسے درویش کی صحبت اختیار کرو جو اپنے سے گزر کر محبت ذات حق میں باقی ہو گیا ہو اور اس کے عرصہ وجود میں سوائے محبوب اور محبت اور مشاہدہ محبوب کے کچھ نہ رہا ہو اور حقیقت فنا فی اللہ تک پہنچ گیا ہو اور اس کا دیدار بموجب حدیث اذا راؤذ کراللہ ذکر کا فائدہ بخشتا ہے اور اس کی صحبت بموجب حدیث ھم جلساء اللہ تعالی محبت حق کا نتیجہ دیتی ہے اور ایسا درویش الحکیم کا مظہر ہے جو کچھ وہ فرمائے حکمت سے خالی نہ ہو گا اگر چہ اس کی وجہ تم پر ظاہر نہ ہو اگر اس کے ارشاد کی متابعت میں جان سے کوشش کرو ممکن ہے کہ قبول الٰہی اس کے دریچہ باطن سے ظاہر ہو اور تم سعادت ابدیہ حاصل کرو۔

اگر اسم الرحیم بالکریم اسم القدیم کا مقدمہ ہو گا اور بادشاہ تمھارے کام میں تصرف کرے گا اور تیری ہستی کے خانہ میں خلل اور غیبت دل شعوری ڈالے گا تو اس غیبت میں تم نور ہدایت سے روشن ہو جاؤ گے اور ممکن ہے کہ استعداد کے مطابق اللہ نور السموات و الارض اسی غیبت میں تمھاری چشم دل کو کھول دے۔

اگر اتفاق سے تمھاری استعداد کم ہو تو طریقہ وقوف عددی اس برزخ دانا یعنی مرشد کامل سے حاصل کرو اور اسی نور ہدایت کی تقویت کرو اور متابعت شریعت اور آداب طریقت اور اکل حلال اور صدق مقال اور نا اہلوں کی صحبت سے پرہیز کر کے اپنی بنیاد مضبوط کرو اور اس غیبت کو مضبوط رکھو اور اس کو آگاہی اور تجلی ذاتی کی صفت کے ساتھ اس طرح متصف سمجھو کہ تم یکا یک قرص آفتاب سے متصل ہو گئے ہو اور اس کی شعاعوں میں تمھارا نور بصیرت گم ہو گیا اور مٹ گیا۔ الحاصل

تمھارے باطن کو اس حالت کے تکرار ظہور سے ایک قوت پیدا ہو گی اس سے اگرچہ نور بصر ناپید ہو جائے گا مگر نور بصیرت بحال رہے گا۔ اس وقت پہچان لو گے کہ یہ حالت غلبہ نور خورشید کی ہے۔ مگر یہ نہ جانو گے کہ یہ نور کس طرف سے نکلا اور تم کو اس سے نسبت قریبیہ ہے یا کیا۔ مگر جب رطوبات عنصریہ خشک ہو جائیں اور طبیعت کی حرارت ٹوٹ جائے۔ اس وقت اس کی قوت پیدا کر لو گے کہ جسم سے چشم بصیرت کو اچھی طرح کھول سکو گے اور قرص خورشید سے اپنا قرب پاسکو گے۔ لیکن اس نور کی سطوت میں اپنے آپ کو مدہوش کر دو گے۔ اگر اس مقام میں رہ گئے تو تم محبؔ ہو اور اگر تم کو عارف یا موحد بنانا چاہیں گے تو جس وقت تم اس نور کے غلبہ میں مدہوش ہو گے۔ ایک خورشید کا نور تمھارے دریچہ بصیرت سے ظاہر ہو کر تم پر غلبہ کرے گا تو ایسی بینائی پاؤ گے کہ اس خورشید کو پہچان سکو گے جو بلا آسمان کے ہے اور تم قطعاً درمیان میں نہ ہو گے ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء و اللہ ذو الفضل العظیم (یہ خدا کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے)۔

اور اگر تم لطیف الاستعداد ہو مگر بحکم وقت یا حجاب لطیف کے سبب سے نسبت اول میں تم پر راستہ روشن نہ ہو تو لازم ہے کہ ایسی توجہ حاصل کریں کہ بے تکلف نسبت ذات پر نظر رہے اور جب تک ہو سکے اس توجہ کو محفوظ رکھیں اور فراغ خاطر اور جمعیت دل اور طہارت کامل کے ساتھ شب و روز اس توجہ کی تقویت اور تربیت کرتے رہیں جس طریقہ سے کہ اکابر سلسلہ عالیہ قدس اللہ اسرارھم نے اپنی تصنیفات میں بیان فرمایا ہے اور اگر تمھیں اس درویش سے ایسی محبت پیدا ہو گئی ہو کہ اس کی عدم موجودگی میں بھی اس کی صورت کا تصور قائم رہے تو طریقہ رابطہ حاصل ہو گیا نور علیٰ نور ہے۔ پس طریقہ رابطہ کی مشق اختیار کرو لیکن باہوش رہو کہ تم سے کوئی ایسا امر سرزد نہ ہو کہ تمھاری طرف سے اس کی خاطر مبارک میں نفرت پیدا ہو جائے۔

نیز تم کو چاہیے کہ سوائے اس کی ذات کے اور کوئی مراد تمھارے دل میں نہ رہے تاکہ مقصد کی انتہا کو پہنچ سکو۔ الحاصل اس طریقہ کے سلوک کا مدار جانبین کے ارتباط پر ہے۔ دل صورت کو نی کو لیتا ہے

جس طرح کہ روئی آئینۂ آفتاب نما سے تقابل کے وقت حرارت کسب کرتا ہے اور نقوش کے حجاب اور صورتیں جل جاتی ہیں اور برزخیت کے راستہ سے تمہاری آنکھ اس کو جہت علو میں پالیتی ہے۔ محبت کی آگ شعلہ مارتی ہے اور خرمن ہستی جلنا شروع ہو جاتا ہے۔ اب تمہاری اور اس درویش کی مثال روئی اور آفتاب آئینہ نما کی سی ہے۔ یہ طریقہ درحقیقت حضرت صدیق اکبرؓ کا طریقہ ہے کیونکہ آپکا کمال نسبت حبی حضرت رسول خدا ﷺ کے ساتھ ثابت ہو چکا ہے اور آپ اسی راستہ سے فیض حاصل کرتے تھے۔ (حضرات القدس ص ۲۸۸ تا ۲۹۰)

حضرت شاہ ولی اللہؒ:

مسند الہند حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں۔

چنانچہ انبیائے کرام پر وحی کے ذریعے جو شریعتیں نازل ہوتی ہیں۔اور اولیائے کرام پر کشف و الہام کے ذریعہ جن طرق تصوف کا نزول ہوتا ہے۔ان سب کی حقیقت دراصل یہ ہے۔

الغرض وہ شخص جو بالمشافہ بارگاہ رحمت سے مستفید نہیں ہو سکتا اور وہ اس سلسلہ میں واسطہ کا محتاج ہوتا ہے۔تو یہ کامل جس کے کچھ اوصاف اوپر گزر چکے ہیں،اس شخص کیلئے بارگاہ رحمت سے استفادہ کا واسطہ بن جاتا ہے۔چنانچہ یہ شخص اس کامل کی بات سنتا ہے اور اس کے لئے اس کامل کے ارشادات دلیل راہ بنتے ہیں نظام صالح تک پہنچنے کے اور اس ضمن میں یہ ہوتا ہے کہ اس شخص کی فطرت اس کامل کی طرف بڑھتی ہے اور وہ جہاں تک اسے توفیق میسر ہوتی ہے اور جس حد تک کہ اس کی فطری استعداد اس کی سازگاری کرتی ہے وہ سمت صالح کے خلق اور حکمت اور دانائی کے خلق کو اخذ کر لیتا ہے۔اور عوام کے اطوار و اعمال سے کنارہ کش ہو جاتا ہے۔اور اس سے اس شخص میں یہ صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ صالح نظام جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔اس نظام کو شخص مذکور اپنی آنکھوں کے سامنے متمثل پاتا ہے۔اور یہ نظام اس کیلئے بطور ایک کسوٹی کے بن جاتا ہے کہ وہ شخص اپنے تمام حالات کو اس پر پرکھتا ہے۔قصہ مختصر اس طرح وہ شخص یہ سعادت حاصل کر لیتا ہے اور ان لوگوں میں سے ہو جاتا ہے جن کو صراط مستقیم کی ہدایت عطا کی گئی۔(فیوض الحرمین ص ۲۶۶)

وقت کے مایہ ناز لکھاری اسلامی ادب کے چمکتے دمکتے کردار اشتیاق احمد کے حادثہ انتقال نے دل کو زخموں سے چور چور کر دیا مگر جب باطن کی آنکھ کھولی اور دیکھا کہ ذات حق نے اسلام کا درد رکھنے والے امت کے بچوں کے عظیم محسن کو ابدالوں میں شامل فرما لیا۔ یا اللہ وہ تو کسی خانقاہ کے گدی نشین نہ تھے نہ صوفیانہ چلہ کشی کے ذریعے سادہ دل لوگوں کو مرعوب کرنے والے پھر ان کو یہ مقام کیوں ملا؟ تو جواب ملا ہماری رحمت وسیع ہے وہ کسی کو پہنچنے میں اسکے ظاہری ٹیپ ٹاپ کی محتاج نہیں۔ وہ صورتوں کی بجائے دلوں پر فیصلہ کرتی ہے چونکہ انہوں نے جس درد دل سے امت کے ایک طبقہ خاص کر نونہال سپوتوں کے معصوم قلوب واذہان کو اسلامی تعلیمات و تاریخ اسلام سے روشناس کروانے کی مہم جوئی کی وہ ذات حق کے ہاں انکو بہت بڑا مقام دلگئی۔ ابھی اشتیاق کا مقام بھولا نہ تھا کہ اور بہت بڑا شاعر جو کہ صحابہ کرام پر تقریباً اٹھارہ کتابیں نظم میں تصنیف کر چکے انکا مقام بھی یہی نظر آیا کہ آقائے دوجہاں کی مجلس میں شریک ہیں۔ یا الٰہی یہ کیا ماجرا ہے۔ جواب میں یہی فرمایا ہم نیتوں پر فیصلے کرتے ہیں۔ اس شاعر کی حضرات صحابہ کرام سے محبت نے اس کو اس مقام تک پہنچا دیا، اسی شاعر کے پاس ایک کتاب ہاتھ لگی "مولانا ابوالکلام آزاد کے یادگار افسانے" اس کو لیا مطالعہ شروع کیا تو آزاد کی تحریر "حقیقت کہاں ہے" نظر سے گزری۔ مولانا نے جس انداز سے حقیقت کے متلاشی کی جستجو قلم بند کی وہ بہت کچھ سبق دے کر جاتی ہے۔ دل میں خیال آیا کہ درحقیقت حقیقت کو نہ فلسفی پا سکے نہ منطقی نہ تاجر نہ کسان نہ حکمران نہ عوام۔ حقیقت کو صرف وہی پا سکا جس نے حقیقت کو پانے کا درست راستہ اختیار کیا۔ وہ راستہ صراط مستقیم کا راستہ ہے جسکی خبر ذات حق نے ام الکتاب سورۃ فاتحہ میں مختصر الفاظ میں دی اور پھر پورا قرآن کریم اس کی تشریح وتفسیر بن کر سامنے آتا ہے اور انعام یافتہ لوگوں کا راستہ ہے اور انعام یافتہ طبقات چار ہیں

۱: انبیاء علیہم السلام۔ ۲: صدیقین۔ ۳: شہداء۔ ۴: صالحینؒ

انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ حضرت خاتم النبیین ﷺ پر آخر تمام ہوا اب یہ دولت انکی محبت اور انکے

متبعین صدیقین شہداء اور صالحین کی اتباع وتقلید میں ہی منحصر ہے۔ حضرت خاتم النبیین ﷺ نے اپنی امت سے اپنی محبت چاہی تو یہ اپنے لئے نہ تھا بلکہ اس لئے کہ امتی پر آپکی پیروی کی منزلیں آسان ہو جائیں اور وہ آپکی پیروی میں کوئی بوجھ محسوس نہ کرے۔ مرشدان طریقت بھی جو اپنے مریدین سے اپنی عقیدت چاہتے ہیں تو یہ اس لئے کہ ان پر آداب شیخ کا بجالانا بوجھ نہ رہے۔ یہ ان کی طبیعت کا اقتضا بن جائے، یہ دولت ہمیشہ زندہ انسانوں سے انسانوں کو ملی اس راہ کے مسافر کبھی لٹریچر یا قبور پر مراقبات کر کے ارواح سے فیض حاصل کر کے اس راہ کو عبور نہیں کر پاتے، دوسری چیزیں معاون تو ہو سکتی ہیں مگر ان پر انحصار نہیں کیا جا سکتا۔ اس راہ کے جو مسافر بھی کامیاب ہوئے ان کو خدا کی حضوری زندہ انسانوں سے ہی ملی ہے۔

ملنے والوں سے راہ پیدا کر — ان سے ملنے کی ایک ہی راہ ہے

اس نعمت عظمیٰ کو پانے کیلئے انسان بحر و بر میں دوڑا، اس کا گیان اور دھیان پانے کیلئے کہاں تک نہیں پہنچا۔ تاہم اس راہ کا کوئی مسافر منزل آشنا ہو پایا نہ وہ خدا کی حضوری کہیں پا سکا، جب تک وہ خود اس راہ میں نہ آئے جو رب العزت نے اس راہ کے مسافروں کیلئے خود تجویز کی ہے۔ اس امت کے پہلے طبقہ (صحابہ کرام) کو تزکیہ کی دولت اور دلوں کے پاک ہونے کی نعمت دنیا کے کامل ترین انسان سے ہی ملی خدا نے آپکے ذمہ لگایا کہ آپ اپنے فیض سے ان کے دلوں کو وہ جلا بخشیں کہ ان میں حسن مطلق کا جلوہ اتر آئے۔ یہ صرف راہ نبوت ہے جو خدا کا پتہ دیتی ہے۔ جس نے بھی اس راہ کے بغیر محض عقل و دانش سے خدا کی معرفت چاہی وہ کبھی اس منزل پر پہنچ نہیں پایا۔ افلاطون اپنی عقل و دانش میں اتنا اونچا تھا کہ عقیدہ توحید پا گیا مگر اس کیلئے بھی راہ یہی تھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قدموں پر حاضری دے اور رسالت کے ذریعے اللہ رب العزت کی معرفت پائے۔ جن سے خدا ملا وہ انبیاء ورسل ہیں۔ طریقت و ولایت دونوں وہبی ہیں اور خدا کی اپنی عطا اور عنایت ہیں۔ اپنی محنت سے جو چیز حاصل ہو سکتی ہے وہ ان حضرات سے تعلق پیدا کرنا ہے۔ نبوت کا ملنا ختم ہو چکا ہے اللہ تعالیٰ نے ولایت کی کھڑکی کھلی رکھی ہے۔ جس کا شریعت پر چلنا خدا کو

پسند آ جائے وہ اسے اس کٹڑی میں داخلہ دے دیتا ہے۔ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی (۶۳۸ھ) لکھتے ہیں۔ اعلم ان اللہ تعالیٰ قصم ظهور الاولياء بانقطاع النبوة والرسالة بعد محمد ﷺ و ذلک لفقدهم الوحی الربانی الذی هو قوت ارواحهم (فتوحات مکیہ باب ۱۴، الیواقیت للشعرانی ص ۴۲ ج ۲)

ترجمہ: جان لو کہ اللہ تعالیٰ نے ختم نبوت سے اولیاء کرام کی (مقام ولایت سے آگے بڑھنے کی) کمریں توڑ دیں۔ حضرت محمد ﷺ کے بعد نبوت کا دروازہ بند ہو چکا اب وہ اس وحی کو جو ان کی روح کی غذا تھی کھو بیٹھے۔ اب اولیاء کیلئے وحی خداوندی کی راہ کبھی نہ کھلے گی۔ وہ کتنا ہی قرب الٰہی میں پہنچیں نبوت کی راہ کو کسی طرف سے کھلا نہ پائیں گے۔ یہ کڑوا گھونٹ انہیں پینا ہی پڑے گا کہ اب ان کے لئے ولایت سے آگے بڑھنے کی کوئی راہ نہیں۔

لما اغلق الله باب الرسالة بعد محمد تجرعت الاولياء مرارته لانقطاع الوحی. (الیواقیت ص ۳۹ ج ۲)

ترجمہ: جب اللہ تعالیٰ حضرت محمد ﷺ کے بعد رسالت (کہ وہ کسی کو اپنا نمائندہ بنا کر بھیجے) کا دروازہ بالکل بند کر دیا تو اولیاء کرام نے اس پر کڑوے گھونٹ پئے (اپنی بے بسی محسوس کی) کہ اب خدا سے براہ راست بات کر لینے کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہے۔

نبوت کا سلسلہ اس طرح ختم ہوا کہ اب کوئی شخص خدا سے بات کرنے والا پیدا نہ ہوگا۔ ایسی وحی بھی جس میں کوئی نئے احکام نہ ہوں اب کسی کو نہ ملے گی نہ کوئی خدا سے باب نبوت سے باتیں کر پائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے انبیاء و رسل کو کوئی اپنا نام نہ دیا تھا اس کے علم میں تھا کہ ایک دن سلسلہ نبوت و رسالت کسی پر ختم ہوگا اس کے بعد کسی کو یہ نام نہ ملے گا اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کا کوئی نام ختم ہو۔ نبی اور رسول کا لفظ کبھی کسی تاویل سے بھی اللہ رب العزت کیلئے وارد نہیں ہوا تاہم اولیاء پر اس کا یہ کرم خاص ہوا کہ اس نے انہیں اپنا لافانی نام عطا کیا۔ اللہ کی کوئی صفت اور اس کا کوئی نام کبھی ختم ہونے

والا نہیں۔ان کے ناموں میں سے ایک نام ولی بھی ہے۔اس نے اسے ہمیشہ کیلئے باقی رکھا ہے اور انہیں جو ختم نبوت کی وجہ سے آگے بڑھنے کے کڑوے گھونٹ پی رہے تھے۔ اپنا یہ نام دیا۔ شیخ اکبر کہتے ہیں۔

فرحمهم الحق بان ابقی علیهم اسم الولی .(ایضاً ص ۸۶)

ترجمہ: حق تعالیٰ نے ان پر رحم فرمایا اوران پر اپنے نام ولی کو باقی رکھا۔ یہ نام نہ ختم ہونے والا ہے باب ولایت سے اونچی پرواز گوان کے لئے نہ رہی۔ وحی کا سلسلہ اب ان کیلئے بند ہو چکا ہے۔ ایسی وحی اب کسی پر نہ آئے گی۔ جس کا ماننا لوگوں کیلئے لازم ٹھہرے۔ اور وہ دین کا جزو ہو۔ تاہم اللہ رب العزت نے انہیں اپنے ایک نام سے نوازا اور اس نام کا کبھی اختتام نہیں اور یہ ایک بڑی دولت ہے جو انہوں نے پالی۔

نبی اور رسول کے نام اللہ کی شان کے لائق نہیں لیکن اسم ولی، اسماء حسنیٰ میں سے ہے۔ یہ مقام ولایت کے راہ نوردوں کے لئے ایک بڑی خوشخبری ہے۔ **فابقی علینا اسم الولی وهو من اسمائه سبحانه و کان هذا الاسم قد نزعه من رسله و خلع علیه اسماء العبد والرسول و لایلیق بالله ان یسمی نفسه بالرسول (ایضاً)**

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے اسم ولی باقی رکھا اور یہ اسکے اپنے اسماء میں سے ہے اور یہ نام گویا اس نے اپنے رسول سے لے لیا اور یہ عبدہ ورسولہ کے اسماء اتار دیئے اور یہ اللہ کی شان کے لائق نہ تھا کہ وہ اپنے آپ کو کسی پیرائے میں رسول کا نام دے۔ اس جہت سے مقام ولایت نے ایک اور رفعت پائی یہ فضیلت جزوی ہے اللہ تعالیٰ نے اب انہیں (اولیاء کو) اپنی دوستی براہ راست دیدی، تاہم یہ درست ہے کہ ان پر نبوت کا دروازہ بند ہو چکا ہے۔ پہلے اس دروازے سے انبیاء پر شرائع اترتی تھیں اور اب یہ دروازہ ہمیشہ کیلئے بند ہو چکا۔ شیخ اکبر اپنے ایک مکاشفہ کو اسطرح بیان کرتے ہیں۔

میں اپنے دور کے واصلین کے ساتھ باب الہی پر آیا تو میں نے اسے کھلا پایا اس پر کوئی دربان اور

پہرے دار نہ تھا وہاں ٹھہرا کہ وراثت نبوت کی خلعت پاؤں۔ وہیں میں نے ایک چبوترہ دیکھا میں نے اس پر دستک دینے کا ارادہ کیا۔ مجھے آواز آئی دستک نہ دے اب یہ دروازہ کبھی کھلنے کا نہیں۔ مجھے بتایا گیا۔

هذه خوخة اختص بها الانبياء والرسل عليهم السلام و لما كمل الدين اغلقت ومن هذالباب كانت تخلع على الانبياء عليهم السلام خلع الشرائع۔(الفتوحات المكيہ ص۵۳ج۳)

ترجمہ: یہ بارگاہ عالی نبوت ورسالت سے خاص ہے جب دین مکمل ہو گیا اسے بند کر دیا گیا اس دروازے سے انبیاء پر شرائع کی خلعتیں اترتی رہیں۔

شیخ اکبر کی ان عبارات سے یہ بات واضح طور پر نظر آرہی ہے کہ حضرات صوفیاء کرام سرور کائنات خاتم النبیین ﷺ کی متابعت کی برکت سے حقیقت تک پہنچے ہیں اور ذات حق سے واصل ہوئے ہیں۔ میرا دل چاہتا ہے کہ آزاد کی اس تحریر کو من وعن سپرد قلم کروں پھر اس پر اپنی گذارشات قارئین کی خدمت میں پیش کروں۔ مولانا آزاد لکھتے ہیں۔

حقیقت کہاں ہے:

قدیم یونان کے مرکز اتھنس، فلسفہ کے گہوارے اور حکمت کے سرچشمے پر، رات کی خاموشی چھا گئی۔

رات نے اپنی سیاہ قناتیں تان دیں۔ محو خواب شہر کی لمبی سانسوں کے سوا کوئی آواز سنائی نہیں دیتی۔ اتنے میں چاند نکل آیا۔ روپہلی چاندنی کوہ ودشت پر پھیل گئی مندروں کی سنہری برجیاں چمک اٹھیں۔ زیتون اور خرمے کے درخت بے ساختہ کھلکھلا اٹھے۔

شہروں کی ملکہ اتھنس سو رہی ہے۔ دروازوں پر چوکیدار اونگھ رہے ہیں۔ لیکن صرف ایک نوجوان ہے، جو اب تک جاگ رہا ہے۔

ویوکلس! حسن، ذہانت، دولت کے خزانوں کا مالک ہے۔ اکیڈمی میں حکمت کا طالب علم ہے۔ اپنا

پورا دن اور رات کے بھی بہت سے گھنٹے، علم و حکمت کے پہلو میں گزارتا ہے، صحبت و معاشرت سے بیزار ہے، ایک پورے حکیم کی طرح پورا خلوت پسند ہے، تفکرات کے سمندر میں شب و روز غواصی، بس یہی اس کا مشغلہ ہے۔

اتھنس، یعنی حکمت کی دیوی کا مرمری خوبصورت بت اکیڈمی کے صحن میں نصب تھا۔ دیوکلس سب طالب علموں سے زیادہ، حکمت کے اس خاموش مجسمہ کے پاس جاتا اور ہمیشہ اس کے تصور میں غرق رہتا۔ اس کے دل کی مناجاتوں کا قبلہ یہی تھا۔ اس کے دماغ کے استغراق کا مرکز اسی میں تھا۔ وہ اس کی دلفریب صورت پر غور کرتا۔ وہ اس کے جمال معنی و حقیقت کی جستجو میں محو ہو جاتا ہے۔ وہ اس سے حکمت کی وحی اور علم کا پیام زبانی طلب کرتا۔ وہ حکمت کی جستجو میں حکمت کے مجسمہ کا عاشق تھا۔

آج رات دیوکلس پھر دیوی کے سامنے دست بستہ کھڑا ہے۔

رات ڈھل گئی مگر وہ بے حس و حرکت کھڑا ہے، اچانک اس نے اپنا سر اٹھایا اور بت کے قدموں پر گر پڑا۔ بوسوں پر بوسے لئے، آنسوؤں سے اس کے پاؤں دھونے لگا۔

"اے علم و حکمت کے مظہر محبوب! رحم، رحم، مجھے ایک نظر دیکھ لے! ایک مرتبہ کے لئے میری التجا سن لے!"

وہ دیر تک آنکھوں کے آنسوؤں اور زبان کی دعاؤں سے مناجات کرتا رہا۔ پھر اس نے نظر اٹھائی۔ چاند نے اپنی شعاعیں جمع کر کے دیوی کے چہرے کی رعنائی بے حساب کر دی تھی۔

ہوا چلتے چلتے رک گئی۔ پتوں کا شور ختم گیا۔ پہلے سے زیادہ سکون طاری ہو گیا۔ نوجوان کا دل تنگ ہوا۔ اس نے لمبی آہ بھری اور آہ کے ساتھ ہی آنسوؤں کی لڑیاں رخساروں پر پھیل گئیں۔

"مقدس دیوی!" دیوکلس نے جوش سے چلا کر کہا "تیرے ہی قدموں پر میرا سر دھرا ہے۔ تیری ہی عبادت پر میری روح جھکی ہے۔ تو نے میرے دل کو حکمت کے عشق سے معمور کر دیا۔ تو نے کمال کا لازوال شوق پیدا کر دیا۔ تو نے حقیقت کی جستجو کی آگ سلگا دی۔ یہ آگ اب جلائے ڈالتی ہے یا

تو ہمیشہ کے لئے اسے ٹھنڈا کر دے، یا حقیقت کا جمال پنہاں ایک مرتبہ دکھا دے۔ ہاں حقیقت! مقدس، عظیم حقیقت، اس مہیب کائنات کی حقیقت، اس ہولناک ازلیت وابدیت کی حقیقت، ہر وجود کی روح، مجرد حقیقت، عریاں حقیقت ــــــــــ وہ حقیقت جس کی جستجو میں تمام فلاسفر سرگرداں رہے اور حکیموں کو بستر خواب پر کبھی نیند نہ آئی۔ حکمت کی پاک دیوی! حقیقت کا چہرہ میری آنکھوں کے سامنے بے نقاب کر دے۔ میں اسے جاننا اور دیکھنا چاہتا ہوں۔ میں اسے سارے پردوں اور نقابوں کے اندر سے دیکھنا چاہتا ہوں۔ میں اس کی پرستش پر دل بد چکا ہوں میں اس کی راہ میں اپنی زندگی اور زندگی کی تمام مسرتیں، اپنی دولت، عزت، حسن، شباب، محبت، سب کچھ قربان کر دوں گا"

دیوکلس نے یہ کہا اور گردن اٹھا کر دیوی کا منہ دیکھا۔ وہ بدستور خاموش اور بے حس وحرکت تھی۔ نوجوان نے اپنی پیشانی پھر اس کے مرمری قدموں پر رکھ دی اور گڑگڑانے لگا۔ اس کی روح، اس کی آنکھیں، اس کی زبان، تینوں دیوی کے قدموں پر تھے، روح آتش شوق سے جل رہی تھی۔ آنکھیں جوش عشق میں بہ رہی تھیں۔ زبان ولولہ مناجات سے وارفتہ تھی۔

اچانک درختوں کے پتے ہلے، ڈالیوں میں جنبش ہوئی۔ نسیم کے جھونکے چلے ہوا میں ایک آواز گونجی "دیوکلس!" ــــــ "دیوکلس!"

نوجوان چونک اٹھا۔ ادھر ادھر گھبراہٹ سے دیکھنے لگا۔ سمجھا، اس کے ہم مدرسہ پکار رہے ہیں۔ مگر وہاں کوئی انسان بھی نظر نہ آیا۔

"دیوکلس!" ــــــ "دیوکلس!"

نوجوان تمنائی نے نگاہ اٹھا کر بت کو دیکھا۔ کیا دیکھتا ہے کہ سچ مچ کو اس کے ہونٹ ہل رہے ہیں ــــــ اچانک سنگ مرمر کے ہاتھ میں جنبش ہوئی ــــــ دیوی نے اپنا ہاتھ دیوکلس کے کندھے پر رکھ دیا ــــــ بجلی کی ایک طاقتور لہر اس کے بدن میں دوڑ گئی بید کی طرح تھرانے لگا۔ خوف کی شدت سے اس کے حواس معطل ہو گئے ــــــ لیکن آواز اب تک آ رہی تھی"

دیوکلس!"۔۔۔۔"دیوکلس!"

"دیوکلس! تو نے مجھے پکارا۔ لے، میں آ گئی۔ تیری مناجات میں نے سن لی۔ بول، کیا مانگتا ہے؟"

وحشت سے نوجوان کی سانس رک گئی۔ بے اختیار زمین پر گر پڑا۔ قریب تھا۔ بے ہوش ہو جائے۔ جب کچھ عرصہ کے بعد اس کے ہوش وحواس واپس آنے لگے تو اس نے خوفزدہ نظروں سے دیوی کو دیکھا۔

"ہاں، مقدس دیوی!" اس نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔

"میں ہی تیرے حضور زار نالی کر رہا تھا۔ مجھے "حقیقت" کی جستجو ہے۔ میں حقیقت کو دیکھنا چاہتا ہوں۔ میں اسے بے نقاب دیکھنا چاہتا ہوں۔۔۔۔۔۔"

"تو، حقیقت کی کھوج میں ہے!" دیوی نے اپنی پر رعب آواز میں کہا۔ حقیقت خود یہی "وجود" ہے۔ حقیقت کہاں نہیں ہے؟ لیکن ہاں! بے پردہ، بے نقاب، حقیقت کو کبھی کوئی کائناتی نگاہ نہ دیکھ سکی۔ کسی نے اس کے دیکھنے کی جرات بھی نہیں کی۔ بے نقاب حقیقت انسان کی حد نگاہ سے باہر ہے۔ تاہم اگر تیری یہی ضد ہے تو سمجھ لے۔ تجھے بڑی قیمت ادا کرنی پڑے گی۔ ایسی بڑی، جس کی شاید تجھے قدرت نہیں، تجھے دولت، عظمت، حسن۔۔۔۔۔ سب سے دستبردار ہو جانا پڑے گا۔ تجھے زندگی کا بھی آرزومند نہ ہونا چاہیے دیوتاؤں نے "حقیقت" سے بڑھ کر کوئی دولت کائنات کی اولاد کو نہیں دی ہے"

میں ان سب سے ہمیشہ کے لئے بخوشی دستبردار ہوتا ہوں۔ دیوکلس نے خوش ہو کر کہا۔ میں سورج بھی چھوڑنے پر تیار ہوں۔

دیوی نے اپنا سر جھکا لیا۔ ہر طرف خاموشی پھیل گئی۔ درخت "زفس" کی اس باعظمت لڑکی کی تعظیم کے لئے جھک گئے۔

دیوی نے پھر سر اٹھایا "بہتر" اس نے آدمیوں کی طرح لفظوں میں کہا۔ تجھے حقیقت دکھا دی جائے گی لیکن ایک ہی مرتبہ میں تو اسے نہیں دیکھ سکتا۔ میں ہر سال ایک دفعہ تجھے وہاں لیجایا کروں گی۔

تو اس کے چھپانے والے پردوں میں سے ہر مرتبہ ایک پردہ چاک کر سکے گا۔۔۔۔۔۔۔ تو زندگی کے لباس میں رہے گا۔ یہاں تک کہ حقیقت عریاں اپنی آنکھوں سے دیکھ لے۔

نوجوان کا چہرہ مسرت امید سے دمکنے لگا۔ وہ خاموش رہا کہ دیکھئے اب دیوی کیا کرتی ہے۔

اچانک وہ حیرت سے دم بخود ہو گیا۔ دیوی نے اپنی سنگ مرمر کی چادر اتار دی۔ دیوکلس کی آنکھیں دختر نرگس کے حسن و جلال سے چکا چوند ہو گئیں۔ چشم زدن میں بت نور کا پتلہ بن گیا۔۔۔۔۔۔

اب اس میں حرکت ہوئی۔۔۔۔۔۔ اس نے نوجوان کو گود میں اٹھا لیا۔ لامتناہی فضا میں پرواز شروع کر دی۔ ایک نامعلوم خلا میں جا پہنچی۔

دیوکلس نے دیکھا ایک سر بفلک پہاڑ پر وہ کھڑا ہے۔۔۔۔ یہاں پہار پر نوجوان نے کالی بدلیوں کے اندر ایک پرچھائیں سی دیکھی جو شناخت میں اسکی روح کے حلقہ ہائے چشم میں سمٹ آئی، مگر وہ اس کے خال و خط نہ دیکھ سکا۔

"یہی حقیقت ہے" دیوی نے اپنی انگلی سے اشارہ کر کے کہا۔ یہی اپنی دھندلی شعاعیں زمین پر ڈالتی ہے اور فلسفی اور حکیم ان میں نورِ حق کا سایہ ڈھونڈتے ہیں اگر یہ شعاعیں نہ ہوتی تو دنیا تاریک رات کی طرح اندھیری ہو جاتی۔ انسان کی نگاہ حقیقت کو انہی شعاعوں میں دیکھ سکتی ہے۔ تم دیکھ رہے ہو وہ کس قدر ہلکی، کیسی دھندلی شعاعیں ہیں؟ حقیقت بے حد روشن ہے اتنی روشن کہ سورج کی روشنی سے بھی تم اس کا قیاس نہیں کر سکتے۔ مگر وہ ان پردوں کے اندر چھپی ہوئی ہے۔ صرف اس کا سایہ ہی نظر آ سکتا ہے۔ آگے بڑھ اور اس کا ایک پردہ چاک کر ڈال۔

دیوکلس نے دیوی کے حکم کی تعمیل کی۔

ہاتھ لگتے ہی پردہ سفید پرندہ بن گیا۔ تھوڑی دیر نوجوان کے سر پر منڈلایا پھر سیدھا آسمان کی طرف اڑ گیا۔ دیوکلس نے اب دیکھا، حقیقت کی شعاعیں پہلے سے زیادہ صاف اور روشن ہیں۔

دیوی اسے پھر زمین پر اتار لائی۔ وہ اپنی اکیڈمی میں گیا اور دیوی اپنا مرمری جامہ پہن کر پھر بت بن گئی۔

دیوکلس نے دیوی سے اپنا وعدہ پورا کیا۔ آرام و راحت سے منہ موڑ لیا۔ خلوت میں بیٹھا اور غور و فکر میں یک قلم مستغرق ہو گیا۔

اب وہ انسانوں کے کسی مجمع میں نظر نہیں آتا تھا ایتھنس کے تمام میلے اس سے خالی ہو گئے تھے۔

دوسرے سال اپنے مقررہ وقت پر وہ پھر سنگ مرمر کے بت کے سامنے سربسجود تھا۔ دیوی نے حرکت کی اور پہلی مرتبہ کی طرح اسے غیر معلوم پہاڑ پر اڑا لے گئی۔ اب اس نے حقیقت کا دوسرا پردہ چاک کر دیا۔ اس مرتبہ روشنی اور بھی زیادہ تیز ہو گئی۔

پھر وہ زمین پر واپس آ گیا۔ اس کی زہد و خلوت پسندی اب اور زیادہ گہری ہو گئی تھی۔

اس کے رفیق اس تبدیلی پر متعجب تھے۔ انہوں نے اسے بہت بہت پھسلایا مگر وہ اپنے گوشہ انزوا سے باہر نہ نکلا۔

ایتھنس کی بعض حسین دوشیزہ لڑکیوں سے اس کی ملاقات تھی۔ ایک فتنہ گر حسین اس سے محبت بھی کرتی تھی۔ اس کی یہ حالت دیکھ کر ایک دن اس کے پاس گئی۔

"دیوکلس! کیا بات ہے؟" دوشیزہ نے مسکرا کر کہا۔ تم مجھ سے بیزار کیوں ہو گئے؟ میری آنکھیں ستاروں کی طرح چمکتی ہیں۔ میرے بال شعاعوں سے بھی زیادہ چمکیلے ہیں۔ میرا جسم کیسا دلفریب ہے؟ میں نے تمہارے سوال محبت کا جواب دیا تھا مگر اب میں خود تم سے جواب محبت کی سائل ہوں۔ مجھے دیکھو، میری محبت کی تحقیر نہ کرو۔ خود دیوتا بھی محبت سے انکار نہیں کرتے۔

دیوکلس نے دوشیزہ پر ایک سرد نظر ڈالی اور کہا۔

محبت میرے دل سے اسی طرح اڑ گئی ہے۔ جس طرح دوسرا پرندہ اڑ گیا تھا۔

اس نے یہ کہا اور ایک طرف کو چل دیا۔

دوشیزہ حیرت سے اسے دیکھتی رہی۔ بھلا یہ رمز وہ کیوں کر سمجھ سکتی تھی؟ اس نے خیال کیا، دیوکلس دیوانہ ہو گیا ہے۔

ایک سال بعد دیوکلس نے تیسرا پردہ چاک کیا۔ اس کی نظر اور بھی زیادہ تیز ہو گئی اس کا نفس ناطقہ

زیادہ شائستہ اور بلند مرتبت ہو گیا۔

اب فلسفہ کے حلقوں سے بھی وہ الگ ہو گیا۔ اگر کبھی اتفاق سے وہ عوام کے سامنے بولتا تو لوگوں کے کان اس کے لئے وقف ہو جاتے۔ انسانی دلوں کے لئے اس کی آواز میں ایک ایسی تاثیر تھی کہ یونان صہبائے حکمت میں کسی بڑے بڑے حکیم کی آواز کو بھی نہ ملی ہوگی۔ پورے ایتھنس نے جمع ہو کر فیصلہ کر دیا کہ دیوکلس، استاد عظیم افلاطون اور دوسرے تمام حکیموں سے بازی لے گیا۔ اس سے منتیں کی گئیں کہ فلسفہ کی امامت قبول کر لے مگر اس نے بے پروائی سے انکار کر دیا۔

اسی زمانہ میں ایسا ہوا کہ ایتھنس پر دشمنوں نے حملہ کر دیا۔ دیوکلس وطن کی مدافعت میں پیش پیش تھا۔ بے نظیر شجاعت سے لڑا۔ آخر زخموں سے چور چور لوٹا ایتھنس کو فتح ہوئی۔ بہادروں کو فورم میں پھولوں کے تاج تقسیم کئے گئے۔ سب سے بڑا تاج دیوکلس کے واسطے تیار ہوا تھا۔ مگر عین وقت پر جب اسے پکارا گیا تو وہ موجود نہ تھا۔

برسوں پر برس گزرتے چلے گئے ہر برس دیوکلس حقیقت کا ایک پردہ چاک کرتا تھا۔ ابھی وہ جوان تھا۔ مگر اس کا سر سفید ہو گیا۔ کمر جھک گئی۔ آنکھیں دھنس گئیں۔ قویٰ کمزور پڑ گئے۔ اس پر بھی وہ خوش تھا کیونکہ وہ عنقریب "حقیقت" کا مشاہدہ کرنے والا تھا۔ اس حقیقت کا بے پردہ، بے نقاب مشاہدہ جسے کبھی کسی بشر نے نہیں دیکھا۔

آخر فیصلہ کی رات آ گئی۔ آج "حقیقت" پر سے آخری پردہ بھی اٹھ جائے گا۔ آج بے نقاب حقیقت اس کے سامنے ہوگی۔

دیوی، دیوکلس کو حسب عادت اڑا لے گئی اور حسب معمول حقیقت کے سایہ کے سامنے کھڑا کر دیا۔ دیکھو! حقیقت کس قدر تاباں ہے، پچھلے برسوں میں جتنے پردے تو نے چاک کئے وہ اس کے چہرے کے پردے نہ تھے۔ تیری ہی غفلت کے پردے تھے۔ جو تو نے اپنی آنکھوں پر ڈال لئے تھے۔ تو نے ایک ایک کر کے تمام غفلتیں دور کر دیں۔ آج آخری پردے کی باری ہے اس کے بعد تو روبرو حقیقت کا جلوہ دیکھ لے گا۔ اگر تو اپنے کئے پر پشیماں ہے یا تیرے دل میں ذرا بھی خوف

موجود ہے تو اب بھی وقت ہے لوٹ جا!!اور باقی زندگی چین سے گزار۔

دیوکلس جوش طلب سے دیوانہ ہوکر چلایا۔

اسی منزل کی طلب میں تو میں نے ساری عمر گزار دی۔اب میں "حقیقت" سے کس طرح منہ موڑ سکتا ہوں؟ میں آخری پردہ بھی چاک کر دوں گا۔میں حقیقت کو ضرور بے نقاب دیکھوں گا۔

اس نے یہ کہا اور آگے بڑھا۔اس کا دل دھڑکنے لگا۔ہاتھ کانپنے لگے وہ اپنی بزدلی پر شرمندہ ہو رہا تھا۔مگر عمل کی ہیبت و دہشت سے بے بس تھا۔اس نے دانت بھینچے، آنکھیں بند کیں، دل کڑا کر کے آگے بڑھا، ہاتھ بڑھایا اور آخری پردہ بھی کھینچ لیا۔۔۔۔۔

اف!ہولناکی!!

پردہ ہٹتے ہی روشنی غائب ہوگئی۔۔۔۔گھٹا ٹوپ اندھیری چھا گئی۔۔۔۔کچھ بھی دکھائی نہیں دیتا تھا۔

دیوکلس نے اتنے زور سے چیخ ماری کہ قریب تھا اس کا سینہ شق ہو جائے۔"حقیقت کہاں ہے؟ حقیقت کہاں ہے؟"

اے دیوی!حقیقت کہاں ہے؟ مجھے تو کچھ سوجھائی نہیں دیتا وہ اسی آخری پردے کے پیچھے تھی۔کہاں چلی گئی؟ ساری دنیا تاریک ہورہی ہے۔۔۔۔

تیری آنکھیں پھوٹ گئیں!۔حکمت کی دیوی نے وقار سے کہا۔اے کائنات کے بیٹے!تیری آخری غفلت بھی اڑ گئی۔۔بے نقاب حقیقت کوئی بھی نہیں دیکھ سکتا۔اگر دیکھ سکتا ہے تو اسے پردوں ہی میں لپٹا دیکھ سکتا ہے۔کوئی دس پردوں کے اندر سے دیکھتا ہے۔کوئی اس سے کم میں دیکھتا ہے۔کوئی اس سے بھی زیادہ میں۔مگر حقیقت عریاں کا مشاہدہ ناممکن ہے۔۔۔۔تو نے دیکھنا چاہا،تو تو نے دیکھ لیا کہ تو کیا دیکھ سکتا ہے۔۔۔۔۔

دیوکلس نے یہ سنا اور منہ کے بل زمین پر گر پڑا۔اب اس کے جسم میں روح موجود نہ تھی۔۔۔شاید "حقیقت" کی جستجو میں اس نے دوسری دنیا کی راہ لی تھی۔

یہ افسانہ حکمت یونانی دیو مالا سے تعلق رکھتا ہے۔ جس میں حقیقت کے ایک متلاشی کی کہانی اور حقیقت کی حقیقت بتائی گئی ہے۔ یہ تحریہ ہفت روزہ "الہلال" کے شمارہ ۱۲ اگست ۱۹۲۷ء میں شائع ہوئی تھی۔ (مرتب)

امت محمدیہ علی صاحبہا الف الف تحیۃ وسلام کے جن اولیاء نے ذات حق کی معرفت تک رسائی حاصل کی انہوں نے اپنے اپنے تجربات بیان کئے کچھ اصول وضع کئے تاکہ دوسرے لوگ بھی اس راستہ کو اپنا کر اس نعمت عظمیٰ کو پاسکیں۔ انہیں اصولوں کا نام "تصوف" ہے۔ جس طرح ابوالکلام آزاد کا فلسفی حقیقت کو پانے کیلئے پردے ہٹاتا ہے اسی طرح سالک بھی ذات حق کے ستر ہزار پردوں کو قطع کرتا ہے۔ حضرات صوفیاء فرماتے ہیں کہ انسان کے سات لطائف ہیں ہر لطیفہ کے صاف ہونے پر دس ہزار پردے اٹھ جاتے ہیں جب ساتوں لطائف صاف ہوجاتے ہیں تو ذات حق جلوہ گر ہوجاتی ہے۔ جسے مقام مشاہدہ کہتے ہیں۔ آزاد کا فلسفی تو دیوی کے بت کے قدموں پر سر رگڑ رہا ہے جبکہ صوفیاء کا سالک و مرید ذات حق کے سامنے طویل طویل سجدے کرتا ہے اور پردے ہٹتے جاتے ہیں۔ آزاد کے فلسفی کیلئے دیوی کی روح آتی ہے صوفیاء کے مرید کیلئے انکی ذات جو کہ بقاوفنا کی صفات سے متصف ہوچکی ہوتی ہے وہی آوازہ غیب ثابت ہوتی ہے۔ آزاد کے فلسفی کو اسکی روح اوپر لیکر گئی۔ صوفیا کے سالک کے جب لطائف صاف ہوگئے تو انکی روح کی توجہ سالک کی روحانی سیر شروع کرادیتی ہے جن کے روحانی پروں کا مولانا روم نے نقشہ کھینچا

پر ابدالاں چوں پر جبرئیل　　　می پرد تا ظلِ سدرہ میل میل

ترجمہ: ابدالوں کے حضرت جبرئیلؑ کے پروں کی طرح نظر نہ آنے والے پر ہوتے ہیں جن سے وہ سدرۃ المنتہیٰ تک ایک جست میں میلوں کا سفر طے کرتے ہوئے پہنچتے ہیں۔

آزاد کے فلسفی نے خلوت اختیار کی۔ صوفیاء کا یہی نعرہ ہے۔

آہ را جز آسماں ہمدم نبود　　　راز را غیر خدا محرم نبود

ترجمہ: ان کی صحبت اور درد بھری آہ کا سوائے آسماں کے کوئی ہمدم نہ تھا۔ یعنی خلق سے انقطاع

تام کے سبب اس آہ میں کوئی شریک نہ تھا۔ یعنی عاشق صادق ذات حق کو صحرا کے سناٹے میں کمال صدق واخلاص سے یاد کرتا ہے اور عاشقوں کیلئے تمام کائنات میں سب سے بہتر وہ مقام ہوتا ہے جہاں انکو اپنے محبوب کے ساتھ مناجات وسرگوشی کا شرف حاصل ہو۔

خواجہ مجذوبؒ نے خوب فرمایا:

تمنا ہے کہ اب ایسی جگہ کوئی کہیں ہوتی
اکیلے بیٹھے رہتے یاد ان کی دلنشیں ہوتی

وہاں رہتے جہاں دود فغاں کا آسماں ہوتا
وہاں بستے جہاں خاکستر دل کی زمیں ہوتی

جس طرح آزاد کا فلسفی دیوی کا مرھون منت تھا جب اس نے راہنمائی کردی۔ اسی طرح صوفیائے کرام کا سالک پکار اٹھتا ہے۔

اے سوختہ جاں پھونک دیا کیا مرے دل میں
ہے شعلہ زن اک آگ کا دریا مرے دل میں

(خواجہ مجذوبؒ)

حضرت خواجہ مجذوبؒ نے اپنے پیرومرشد حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی شان میں اسی مضمون کو عجیب انداز میں بیان فرمایا ہے۔

جس قلب کی آہوں نے دل پھونک دیئے لاکھوں
اس قلب میں یااللہ کیا آگ بھری ہوگی

جس طرح آگ ایک گھر سے دوسرے گھر میں لگ جاتی ہے اسی طرح عشق کی آگ بھی ایک دل سے دوسرے دل میں منتقل ہوجاتی ہے۔

جو آگ کی خاصیت وہ عشق کی خاصیت
اک سینہ بہ سینہ اک خانہ بخانہ

جس طرح آزاد کا فلسفی خوبصورت دوشیزہ کا عشق بھول گیا، اسی طرح صوفیاء کا سالک بھی عشق مجازی سے منہ موڑ کر ذات حق کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ ذات حق جل شانہ سے محبت و عشق کا ایک جھونکا عشق مجازی سے آزاد کروا دیتا ہے۔

مارا جو ایک ہاتھ گریباں نہیں رہا

کھینچی جو ایک آہ تو زنداں نہیں رہا

اور اللہ کا عاشق معشوق مجازی کا انجام سوچتا ہوا کہتا ہے

سنبھل کر رکھ قدم اے دل بہار حسن فانی میں

ہزاروں کشتیوں کا خون ہے بحر جوانی میں

ہماری موت روحانی ہے عشق حسن فانی میں

حیات جاوداں مضمر ہے دل کی نگہبانی میں

وہ جان حسن جو تھا حکمراں کل بادشاہوں پر

ہے پیری سے بغاوت آج اس کی حکمرانی میں

ہزاروں حسن کے پیکر لحد میں دفن ہوتے ہیں

مگر عشاق ناداں مبتلا ہیں خوش گمانی میں

اگر ہے عشق تو بس عشق حی لایزل باقی

محبت عارضی ہوتی ہے عشق حسن فانی میں

نہ کھا دھوکا کسی رنگینیٔ عالم سے اے اختر

محبت خالق عالم سے رکھ اس دار فانی میں

سالک کی روحانی سیر جب شروع ہوتی ہے تو وہ آسمانوں کا سفر کرتی ہوئی عرش پھر رب العرش تک واصل ہوتی ہے۔

آزاد کا فلسفی تو حقیقت میں حقیقت تک نہ پہنچ سکا محض افسانہ تھا۔ صوفیاء کرام تو ہزاروں کے حساب

سے اوپر پہنچے شریعت مطہرہ پر عمل کی برکت ہے۔ ان کی کتب روحانی سیر اور مشاھدات سے بھری پڑی ہیں۔ جن کی تفصیل اگلی فصل میں دیکھ لیں۔

اگر کوئی پوچھے کہ کیا آج بھی اولیاء ایسے ہیں جو ذات حق سے واصل ہیں تو جواب میں فقیر یہی کہے گا کہ امت کی کوکھ خالی نہیں ہے۔ پاکستان ہی میں نقشبندی ذوق رکھنے والوں کیلئے حضرت الشیخ ناصر الدین خاکوانی (ملتان)، حضرت الشیخ مولانا محمد شاہ صاحب (مظفر گڑھ)، حضرت مولانا عبدالغفور صاحب (ٹیکسلا)، مفتی سعید الرحمٰن صاحب (کراچی)۔ قادریہ ذوق والوں کیلئے حضرت الشیخ میاں مسعود (دین پور شریف)، حضرت سید جاوید شاہ صاحب (فیصل آباد)۔ چشتیہ میں حضرت سیدی مرشدی مولانا حبیب الرحمٰن سومرو صاحب (آف جہان سومرو ضلع ٹنڈو محمد خان سندھ)، حضرت الشیخ مولانا نعیم الدین صاحب (جامعہ مدنیہ لاہور)، حضرت الشیخ مفتی حسن صاحب (جامعہ محمدیہ چوبرجی لاہور)، حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب (کراچی)، حضرت صوفی سرور صاحب (لاہور)، میاں رضوان نفیس صاحب (لاہور)۔

یہ وہ حضرات ہیں جو کبریت احمر ہیں اور پارس کے پتھر کی طرح کہ جو لوہے سونا بنادے۔ ذات حق ان سب کا سایہ اہل حق کے سروں پر قائم ودائم رکھے۔

چند نام مشتے نمونہ از خروارے ہیں ورنہ اور بھی بہت ہونگے

وہ لوگ جنہوں نے خوں دیکر پھولوں کو رنگت بخشی ہے

دو چار سے دنیا واقف ہے گمنام نہ جانے کتنے ہیں

امام ربانیؒ فرماتے ہیں۔ البتہ اس قدر ضرور ظاہر کرتا ہوں کہ اس راہ کی تجلیات و مشاہدات کو موسیٰ کلیم اللہ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے پہاڑ کی تجلی وشہود کی کسوٹی پر پرکھنا چاہیے۔ اگر درست نہ ہوں تو ناچار ظلال اور شبہ ومثال پر محمول کرنے چاہیں تو پھر شاید درست ہوں کیونکہ تجلی سے مقصود دک دکا یعنی پارہ پارہ ہونا ہے۔ اور اس دنیا میں اس سے چارہ نہیں۔ خواہ باطن میں متجلی ہو خواہ ظاہر پر دک دکا ضرور ہے۔ لیکن خاتم الانبیاء علیہ وعلیہم السلام اس داغ سے پاک ہیں۔ آپ کو

دنیا میں رویت میسر ہوئی اور سرمو اپنی جگہ سے نہ ہلے۔ اور آپ کے کامل تابعداروں کو جو اس مقام سے نصیب رکھتے ہیں۔ وہ رویت ظلال میں سے کسی ظل کے پردہ کے بغیر نہ ہوگی۔ (مکتوبات ص ۴۷۴ ج ۱)

فرماتے ہیں۔ آپ نے پوچھا تھا کہ بعض عارفوں نے فرمایا ہے کہ ہم حق تعالیٰ کے کلام کو سنتے ہیں اور ہم اس کے ساتھ ہم کلام ہوتے ہیں۔ چنانچہ امام جعفر صادقؓ سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں ایک آیت کو بار بار پڑھتا رہا حتیٰ کہ میں نے اس کو اس کے متکلم سے سن لیا اور رسالہ غوثیہ سے بھی جو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ کی طرف منسب ہے۔ اسی طرح مفہوم ہوتا ہے اس کے کیا معنی ہیں اور اس کی کیا تحقیق ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ کو ہدایت دے۔ جاننا چاہیے کہ حق تعالیٰ کا کلام بھی اس کی ذات وصفات کی طرح بیچگون ہے اور اس کلام بیچوں کا سننا بھی بیچوں ہے کیونکہ چوں کو بیچوں کی طرف کوئی راستہ نہیں۔ وہ سننا سمع کی حس پر وابستہ نہیں کیونکہ وہ سراسر چوں ہے۔ وہاں اگر بندہ سے استماع ہے تو تلقی روحانی سے جو بیچونی کا حصہ رکھتا ہے اور حروف وکلمات کے واسطہ کے بغیر بیچونی سماع سے استماع فرماتا ہے اور تقدیم وتاخیر کے بغیر سن لیتا ہے۔ (مکتوبات ص ۵۵۰ ج ۲)

میرے خیال میں کعبہ ربانی کی حقیقت یہی نور ہے جو تمام مسجود اور تعینات کی اصل ہے۔ جب تمام تجلیات ذاتیہ کا ملجاو ماوی یہی نور ہے تو پھر اوروں کے مسجود ہونے سے اس کی کیا تعریف کی جائے جب حق تعالیٰ اپنے کمال فضل وعنایت سے ہزاروں میں سے کسی ایک عارف کو اس دولت کے وصل سے مشرف فرمائے اور اس مقام میں فناء وبقا سے سرفراز کرے تو ہو سکتا ہے کہ اس نور سے بقا حاصل کر کے فوق اور فوق الفوق سے حصہ حاصل کر لے اور اس نور کے ذریعے نور سے گزر کر اصل نور تک پہنچ جائے۔ ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم (مکتوبات ص ۵۰۲ ج ۲).

فرماتے ہیں۔

حق تعالٰی کی ذات سے اسماء وصفات وشیون واعتبارات کے پردوں کا دور ہونا دو قسم پر ہے۔ ایک وہ خرق ہے جو باعتبار شہود کے ہے اور دوسرے وہ خرق ہے جو باعتبار وجود کے ہے۔ خرق وجودی ممتنع اور محال ہے اور خرق شہودی ممکن بلکہ واقع ہے۔ گو اقل قلیل اور اخص الخواص کے نصیب ہو اور یہ جو حدیث میں آیا ہے ان للہ سبعین الف حجاب من نور و ظلمۃ لو کشفت لا حرقت سبحات وجھہ ما انتھی الیہ بصرہ من خلقہ کہ اللہ تعالٰی کے لئے ستر ہزار ظلمت ونور کے پردے ہیں۔ اگر وہ دور ہوں تو اس کی ذات کی تجلیات ہر ایک چیز کو جو اسکی مخلوق میں سے اس تک پہنچے جلا دیں۔ اس کشف وخرق سے مراد خرق وجودی ہے جو ممتنع اور محال ہے اور وہ جو اس فقیر نے اپنے بعض رسالوں میں حق تعالٰی کی ذات سے تمام حجابوں کے خرق کی نسبت لکھا ہے۔ مراد اس سے خرق شہودی ہے۔ جس طرح کہ اللہ تعالٰی کسی شخص کو اس قسم کی بینائی عطا فرما دے کہ حجابوں اور پردوں کے باہر سے پوشیدہ اشیاء کو دیکھ لے تو جسطرح یہاں حجابوں اور پردوں کا دور ہونا باعتبار شہود کے ہے اسی طرح وہاں ہے۔ پس معلوم ہوا کہ یہ جو فقیر نے جواز خرق کی نسبت لکھا ہے خرق کے عدم جواز کے منافی نہیں۔ وہ خرق اور ہے اور یہ خرق اور۔ فلا تکن من الممترین (پس کچھ شک نہ کر) (مکتوبات ص ۱۳۱ ج ۲)

اصل تک وصول کے بعد ایک ہی تجلی ہے جو تجلیات ثلثہ کو شامل ہے۔ مثلاً زید کو جب دیکھتے ہیں تو اس کی ذات کا شہود اس کی صفات کے شہود سے جدا نہیں۔ اس وقت میں کہ جب زید کو دیکھتے ہیں معلوم کرتے ہیں کہ وہ عالم وفاضل ہے۔ علم وفضل جس طرح اس کی رویت کا حجاب نہیں۔ اسی طرح اس سے جدا بھی نہیں۔ ہاں اگر زید کو تصور کریں اور ظلی صورتوں میں اس کا ادراک کریں تو اس صورت میں صفات اس کی ذات سے الگ ہو تگیں۔ اور ذات کا حجاب بن جائینگیں جیسا کہ گذر چکا ہے۔ کیا نہیں جانتے کہ آخرت میں مرئی وہ ذات ہے جو جامع صفات ہے۔ نہ وہ ذات جو اسماء وصفات سے معرا ہے کیونکہ وہ مجرد اعتباری اعتبار ہے۔ اس لئے کہ ذات ہرگز صفات سے مجرد نہیں اور صفات ذات سے ہرگز الگ نہیں ہیں۔ الگ اس اعتبار سے کہتے ہیں کہ عارف پر

جب حق تعالیٰ کی ذات کی گرفتاری غالب آتی ہے تو اس کی نظر سے اسماء وصفات کا ملاحظہ ساقط ہو جاتا ہے اور ذات احدیت کے سوا اس کے مشاہدہ میں کچھ نہیں آتا۔ پس ذات کی صفات سے الگ ہونا عارف کی نظر کے اعتبار سے ہے۔ (مکتوبات ص ۱۵۱ تا ۱۵۲ ج ۲)

حضرت مجدد فرماتے ہیں۔

حدیث قدسی میں وارد ہے۔ الا طال شوق الابرار الی لقائی و انا الیھم لاشد شوقا کہ خبردار ابرار کا شوق میرے دیدار کیلئے حد سے بڑھ گیا اور میں ان سے بھی زیادہ ان کی طرف مشتاق ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے شوق کو ابرار کے لئے ثابت کیا ہے کیونکہ مقربین واصلین کو شوق نہیں رہتا۔ اس لئے کہ شوق مطلوب کے گم ہونے کو چاہتا ہے اور مطلوب کا گم ہونا ان کے حق میں مفقود ہے۔ کیا نہیں دیکھتے کہ انسان اپنے نفس کی طرف اشتیاق نہیں رکھتا۔ حالانکہ اپنے نفس سے اس کو بڑی محبت ہوتی ہے۔ کیونکہ مطلوب یعنی اپنے آپ کو گم کرنا اس کے لئے ثابت نہیں۔ پس مقرب واصل کا حال جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ باقی اور اپنے نفس سے فانی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسا ہے۔ جیسے انسان کا حال اپنے نفس کے ساتھ۔

پس ثابت ہوا کہ ابرار ہی مشتاق ہوتے ہیں کیونکہ وہ محبت فاقد ہیں اور ابرار سے مراد ہماری وہ شخص ہے جو مقرب واصل نہ ہو۔ خواہ ابتدا میں ہو یا توسط میں۔ اگرچہ وصل سے رائی کے دانہ کے برابر باقی رہا ہو۔ کسی نے کیا اچھا کہا ہے۔

فراق دوست اگر اندک است اندک نیست
درون دیدہ اگر نیم موست بسیار است

ترجمہ: فراق دوست تھوڑا بھی بہت ہے حق میں عاشق کے
اگر ہو نیم مو چبھتا بھی تو سخت مشکل ہے

۔۔۔۔۔۔۔۔ اور یہ حال خواص اولیاء کا ہے۔ کیونکہ یہ وہ لوگ ہیں جو صفات کی تنگی سے عروج کر

کے دربارالٰہی تک پہنچ گئے ہیں۔(مکتوبات ص ۱۶۷،۱۶۸ ج ۱)

حضرت امام ربانیؒ لکھتے ہیں۔

اے برادر خدا تجھے ہدایت دے جان لے کہ ان عزیزوں کا جذبہ دو قسم پر ہے۔ پہلا وہ جذبہ ہے جو حضرت صدیق اکبرؓ سے پہنچا ہے اور اسی اعتبار سے انکا طریقہ آنحضرت ﷺ کی طرف منسوب ہے۔ اور یہ جذبہ ایک خاص قسم توجہ کے ساتھ جو تمام موجودات کی قیوم ہے اور اس میں استہلاک و اضمحلال یعنی فنا و استغراق کے ساتھ حاصل ہوتا ہے دوسری قسم جذبہ کی وہ ہے جس کے ظہور کا مبدء اس طریق میں حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ ہے اور یہ جذبہ معیت ذاتیہ کی راہ سے پیدا ہوتا ہے۔ یہ جذبہ حضرت خواجہ قدس سرہ سے ان کے پہلے خلیفہ خواجہ علاء الدین قدس سرہ کو پہنچا اور چونکہ یہ اپنے وقت کے قطب ارشاد تھے اس لئے انہوں نے اپنے اس جذبہ کے حاصل ہونے کیلئے ایک خاص طریقہ وضع کیا وہ طریقہ ان کے خاندان کے خلفاء میں طریقہ علائیہ کے نام سے مشہور ہے اور ان کی عبارت میں اس طرح واقع ہے کہ سب طریقوں سے اقرب طریقہ علیہ علائیہ ہے۔ اس جذبہ کی اصل اگرچہ حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ سے ہے لیکن اس کے حاصل ہونے کیلئے طریق کا وضع کرنا خواجہ علاء الدین کے ساتھ مخصوص ہے یہ طریقہ بہت کثیر البرکت ہے۔ اس طریق پر تھوڑا سا چلنا دوسرے طریقوں پر بہت چلنے سے زیادہ فائدہ مند ہے۔ اب تک خانوادہ علائیہ احراریہ کے مشائخ کے خلفاء اس دولت عظمیٰ سے بہرہ مند ہیں اور اسی راہ سے طالبوں کی تربیت فرماتے ہیں۔ حضرت خواجہ احرار قدس سرہ کو یہ دولت عظیم حضرت مولانا یعقوب چرخی قدس سرہ سے جو حضرت خواجہ علاء الدین قدس سرہ کے خلفاء میں سے ہیں پہنچی ہے۔

اول قسم کا جذبہ جو حضرت صدیقؓ کی طرف منسوب ہے اس کے حاصل ہونے کیلئے جدا طریقہ موضوع ہے اور وہ طریق وقوف عددی ہے اور وہ سلوک بھی جو اس جذبہ کے حاصل ہونے کے بعد متحقق ہوتا ہے دو قسم پر ہے بلکہ اس کی کئی قسمیں ہیں ایک وہ قسم ہے جس کے طریق سے حضرت صدیقؓ مقصود تک پہنچے ہیں۔ اور حضرت رسالت خاتمیت علی صاحبہا السلام والتحیۃ بھی اسی جذبہ

اور اسی طریق سے مطلب تک پہنچے ہیں اور حضرت صدیقؓ کمال اخلاص کے باعث جو آنحضرت ﷺ کے ساتھ رکھتے تھے اور ان میں فانی تھے باقی تمام اصحاب رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں سے اسی خاص طریق کے ساتھ مخصوص ہوئے ہیں۔ اور جذبہ سلوک کی یہی نسبت اسی خصوصیت کے ساتھ حضرت امام جعفر صادقؓ تک پہنچی ہے اور چونکہ حضرت امام جعفر صادقؓ کی والدہ ماجدہ حضرت صدیقؓ کی اولاد کرام سے تھیں اس لئے ان دونوں اعتباروں کے لحاظ سے حضرت امامؓ نے فرمایا کہ ولدنی ابو بکر مرتین مجھے حضرت ابوبکرؓ نے دوبار جنا۔ اور چونکہ حضرت امامؓ کو اپنے بزرگ آباء واجداد کی طرف سے جدا نسبت حاصل تھی۔ اس لئے ان دونوں طریقوں کے جامع ہوئے ہیں اور اس جذبہ کو ان کے سلوک کے ساتھ جمع کیا۔ اور اس سلوک سے مقصود تک پہنچے۔ ان دونوں سلوک کے درمیان فرق یہ ہے کہ حضرت امیرؓ کا سلوک سیر آفاقی سے قطع ہوتا ہے اور حضرت صدیقؓ کا سلوک سیر آفاقی سے کچھ تعلق نہیں رکھتا ان کے سلوک کی مثال اس طرح ہے کہ جیسے خانہ جذبہ سے نقب کھود کر مطلوب تک پہنچا دے۔ سلوک اول میں معارف کی تحصیل ہے اور سلوک ثانی میں غلبہ محبت۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت امیرؓ نے آنحضرت ﷺ کی خلعت یعنی دوستی کی قابلیت حاصل کی۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ لو کنت متخذاً احدا خلیلا لاتخذت ابا بکر خلیلا ۔ (اگر ہم کو کوئی اپنا خلیل بنانا ہوتا تو ابوبکر کو اپنا خلیل بناتا)۔ (مکتوبات ص ۱۶۷ ج ۱)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

(از محمد محمود عالم صفدر اوکاڑوی (یکے از خدام حضرت اوکاڑویؒ))

قائد اہلسنت، وکیل صحابہ، امام المناظرین، فخر المتکلمین، الامام، الحجہ، الثقہ، الثبت، سیف اللہ علی اعداء الصحابہ حضرت علامہ عبدالستار صاحب تونسوی کو جنت میں بسیرا کئے ہوئے تقریباً چار ماہ ہونے کو ہیں۔ مگر اہل حق، ارباب فکر و دانش آج بھی آپکی جدائی پر نوحہ کناں ہیں۔ مجالس وعظ آج آپکی للکار جرات مندانہ اور آواز شیرینی کے حسین اجتماع کو ترس رہی ہیں۔ آپکے انوارات سے مزین رخ انور کے دیدار سے مشرف ہونے والی نگاہیں آج ترساں ہیں اور پیاسی ہیں وہ فضاؤں کو گھورتی ہیں کہ کاش آپ جیسا کوئی پر نور چہرہ نظر آئے مگر کرۃ بعد کرۃ مجروح لوٹتی ہیں۔ فضا سے یہ حسرت بھری آواز سنائی دیتی ہے کہ خدا ایسے انعام صدیوں بعد بھیجتا ہے تو شاعر مشرق کی روح پکارتی نظر آتی ہے کہ میں نے ایسے ہی مواقع کیلئے کہا۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

جن سانچوں میں یہ عظیم المرتبت لوگ ڈھالے تھے وہ ناپید ہو چکے ہیں۔ زمانے کی کوکھ اب خالی ہو چکی۔ شاعر نے شاید ایسی ہی فضا کی عکاسی کی

مضت الدھور و ما اتین بمثلہ　　　اذا الی فعجزن عن نظر اللہ

تونسوی جیسی ہستیوں کا علم و عمل کے سمندروں میں غوطہ خوری کر کے امت مرحومہ کی راہنمائی کرنا یہ شیخ العرب والعجم امیر المومنین فی الحدیث حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے درس حدیث وصحبت کیمیائی کا اثر تھا۔ شیخ العرب والعجم کے شاگردوں نے مملکت خداداد کی وہ مسلکی، نظریاتی، علمی، عملی، تصنیفی خدمت کی کہ تا قیامت شاید اس ملک کی مٹی ان حضرات کی مثل لانے سے قاصر رہے گی۔

امام اہلسنت مولانا سرفراز خان صفدر، محدث اعظم مولانا عبدالحق حقانی (اکوڑہ خٹک)، امام المحدثین حضرت مولانا عبدالحلیم چشتی کی تالیفی وتدریسی، قائد اہلسنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین کی روحانی، تحریکی وتصنیفی، حضرت مولانا قاضی زاہدالحسینی کی تصنیفی خدمات، امین العلماء سید محمد امین شاہ صاحب (مخدوم پور خانیوال) کی روحانی خدمات، کو تاریخ کا کاتب سنہری حروف سے لکھنے پر مجبور ہوگا۔ یہ سب قافلہ مدنی کی سنہری کڑیاں تھے اور ہر ایک اس شعر کا مصداق تھا۔

لیس علی اللہ بمستنکر　　　ان یجمع العالم فی واحد

اب نہ شیخ مدنی جیسا شمس ولایت، بحرالعلوم آئے نہ ایسے رجال کار تیار ہوں جیسے امام ابوحنیفہ گزر گئے دوبارہ نہ آئے اور نہ ہی امام ابویوسف القاضی، امام محمد بن حسن الشیبانی، امام زفر وحسن بن زیاد، ابن مبارک اور وکیع بن جراح پیدا ہو سکے۔ اسی طرح شیخ مدنی گئے اب کسی سرفراز، مظہر حسین، زاہدالحسینی، امین شاہ کی امید رکھنا فضول ہے، البتہ مایوسی کا ایک حل ہے کہ انکے علوم کو سینوں سے لگایا جائے، انکے کردار کو اپنایا جائے کیونکہ آگے قافلہ حریت کی قیادت، احقاق حق و ابطال باطل کی عظیم دولت انہی نفوس کو نصیب ہوگی جو ان نور کے میناروں سے روشنی حاصل کریں گے۔ علامہ تونسوی نے سنیت کی اس وقت خدمت کی جب رافضیت مار آستین کی طرح اہل اسلام کو ڈس رہی تھی۔ سقوط بغداد سے سقوط ڈھاکہ تک رافضیت کے نفاق سے تاریخ بھری پڑی ہے مگر اہل اسلام انسے واقف نہ تھے۔ اگرچہ امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، محدث دہلوی شاہ عبدالعزیز، پھر مولانا عبدالشکور لکھنوی جو امام اہلسنت فی زمانہ تھے نے تحریری طور پر رافضیت کو آشکارا کیا مگر تقریری میدان میں ایک ایک دیہات، ڈیروں پر پہنچ کر رافضیت کو للکارنا، اور عظمت صحابہ کے جھنڈے لہرانا اور فیض کا تونسہ، لیہ، مظفر گڑھ و بھکر کے ریتلے علاقوں سے نکل کر پنجاب پھر پنجاب سے سرحد، سندھ پھر ملک سے نکل کر سعودیہ کی یونیورسٹیوں میں پہنچنا یہ خوبی حضرت تونسوی سے پہلے کسی میں نظر نہیں آتی۔ آپ کو اللہ نے بے پناہ خوبیوں سے نوازا تھا علم ایسا پختہ کہ مدرسین سمجھتے کہ شاید ساری زندگی تدریس میں گزری، مناظرہ میں یدطولی ایسا کہ مناظرین

بالاتفاق اپنا امام مانتے، روحانیت ایسی کہ ارباب تصوف رشک کرتے آپکے انوارات آسمانوں تک پہنچے ہوئے تھے۔ تصنیف ایسی کہ قلم کی جولانیوں پر عقل دنگ، آپ میں ان سب کے باوجود تواضع و بے نفسی کمال کی تھی دوسرے اہل علم کی قدر دانی بے مثل تھی۔ ملتان ایک دفعہ ادارہ خیر المعارف میں جلسہ تھا آپ سے قبل حجۃ اللہ فی الارض حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑویؒ کا خطاب ہوا۔ جب آپکا بیان شروع ہوا تو بعد خطبہ فرمایا" مجھ سے قبل ہمارے امام ومقتدا حضرت اوکاڑوی بیان فرمارہے تھے" ماشاءاللہ کیا خوب دوسروں کا اکرام ہمعصر علماء کی قدر دانی تھی۔ آج کل بعض لوگوں میں یہ مرض پایا جاتا ہے کہ جب اسٹیج پر مشہور ہو جائیں تو کثیر التصانیف بننے کا شوق لے اڑتا ہے پھر وہ اہل تحقیق کی کتب سے مواد چوری کر کے مصنف بننے کا شوق پورا کرتے ہیں، آپ اسٹیج کے بے تاج بادشاہ تھے اور تصانیف بھی بیسیوں لکھی مگر کسی سے علم چرایا نہیں۔ آپکے ہی ہمعصر عظیم محقق عدیم النظیر حضرت مولانا محمد نافع صاحب نے تقریباً انہی موضوعات پر جن کو بیان کرنے میں حضرت تونسوی کی زندگی گزری علم کا وسیع ذخیرہ کتب کی شکل میں پیش کیا اور اسی طرح بحر العلوم علامہ خالد محمود صاحب (پی۔ایچ۔ڈی لندن) نے بھی، مگر آپ نے انکے علم کو انکے نام ہی منسوب رہنے دیا۔ سستی شہرت حاصل کرنے کیلئے انکی ترتیب میں ردو بدل کر کے اپنے نام پر نہ چھپوایا۔ آپ نے تحریک تنظیم اہلسنت کی بنیاد میں اپنا پسینہ شامل کیا پھر تحریک کی قیادت کے مرتبہ تک پہنچے اور بحمد اللہ تحریک کے تمام کارکنان آپکی ذات والاصفات کو جماعت کیلئے باعث رحمت سمجھتے تھے۔ یہ آپکے علم وعمل کے جامع ہونے کی دلیل ہے۔ آپکا ظرف وسیع تھا جن اکابر کا تحریک سے باضابطہ ربط نہ تھا۔ انکو بھی کورسز میں بلاتے حضرت اوکاڑوی تقریباً ہر سال آپکے پاس پڑھانے کیلئے تشریف لے جاتے۔ آپ اہل علم وعوام دونوں میں مقبول تھے۔ اہل علم آپکے انتہائی قدر دان اور آپکی خدمات جلیلہ کے معترف تھے۔ ہمارے استاد رئیس المناظرین حجۃ اللہ فی الارض حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑویؒ دوران سبق فرمانے لگے کہ قیامت کے دن حضرات صحابہ کرام تونسوی صاحب کو آواز دیکر بلائیں گے کہ تونسوی ادھر آؤ تم نے دنیا میں ہمارا دفاع کیا

آج ہماری شفاعت سنی جا رہی ہے۔ آؤ ہم تمھاری شفاعت کریں۔ اور قاضی مظہر حسین کو اہل بیت آواز دیں گے کہ تم نے خوارج کی گالیاں سن کر بھی ہمارا دفاع کیا۔ آؤ! آج ہم تمھاری شفاعت کریں۔ حضرت کا یہ سبق غالبًا توسل پر تھا کہ مسلک کی خدمت پر شفاعت رسول وصحابہ کرام کی امید رکھنی چاہیے۔

وفات سے چند دن قبل بندہ پشاور گیا وہاں میڈیکل کالج کے ایک طالب علم محمد صدیق نے بتایا کہ خواب میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی ساتھ علامہ تونسوی اور دو علماء کو بیٹھے ہوئے دیکھا اور یہ قرب مقام علم کی وجہ سے تھا، اس سے تقریبًا پندرہ دن بعد آپ اپنے رب کے ہاں اجر لینے کیلئے پہنچ گئے۔ آپ مناظرین، محققین، مدرسین، اولیاء، اتقیاء واصفیاء کی صفات کے جامع تھے گویا آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری کا مصداق تھے۔ زمین آپکے جسم کو چھپا بھی لے مگر ہزاروں شاگردوں کے سینوں میں پھیلا علم کا نور تا قیامت ضیاافشانی کرتا رہے گا۔ مشن والے لوگ مرا نہیں کرتے۔ انکے انتقال سے انکا فیض ختم نہیں ہوتا۔ اے خدا ہمیں بھی ان نفوس قدسیہ کے پاک فیوضات سے وافر حصہ نصیب فرما اور ہمیں ان کی برکات سے محروم نہ فرما۔ آمین بجاہ النبی الامی الکریم۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اے روشنی کے طالب

(از ابو محمد جالندھری)

اخبارات میں ان دنوں یہ خبر " کہ مشہور امریکی گلوکارہ "میڈونا" کہتی ہیں کہ میں آج کل دو کام بڑی دلچسپی سے کر رہی ہوں۔ ایک اسلامی ممالک میں اسکول و مساجد بنوانا دوسرا قرآن پاک کا باریک بینی سے مطالعہ کرنا۔" ایک اور خبر یہ بھی سننے میں آ رہی ہے کہ امسال تقریباً بیس لاکھ کے قریب نئے لوگ کلمہ شہادت اپنی زبانوں پر سجا کر محمد عربی نبی آخر الزمان علیہ الف الف تحیۃ وسلام کے دامن رحمت سے وابستہ ہوئے ہیں۔ اور ان نومسلموں میں اکثر سابقہ تثلیث کے پجاری تھے۔ جب انکو تثلیث میں اطمینان قلب کی دولت نہ ملی تو کسی نہ کسی طرح ان کا سفر ظلمت سے نکل کر اسلام کی روشنی تک پہنچنے کا تمام ہوا اور وہ راحت قلبی کی دولت سے مالا مال ہوئے۔ گذشتہ ادیان کی مثال منسوخ نوٹ کی ہے اگر کسی کے پاس سفر میں زاد راہ کے طور پر منسوخ نوٹ ہوں کیا وہ مطمئن ہوسکتا ہے؟ ہرگز نہیں اگر چہ ان کی تعداد لاکھوں میں ہی کیوں نہ ہو۔ آنے والی اسطور میں ہم ان چند حوالہ جات کو پیش کرنے کی سعادت حاصل کریں گے جو پکار پکار کر صدا لگا رہے ہیں کہ رحمت للعالمین ﷺ کی پیشین گوئیاں پہلی کتب میں موجود تھیں۔ نبی اقدس ﷺ کی پیشین گوئی اہل کتاب میں اتنی مشہور و معروف تھیں کہ ابھی رسول اللہ ﷺ نے دعوائے نبوت بھی نہیں فرمایا تھا مگر بحیرہ راہب آپکو پہچان رہا ہے کہ آپ ہی آخری نبی بننے والے ہیں۔ نسطورا راہب ایک ہی نظر میں آپکو پہچان جاتا ہے۔ ورقہ بن نوفل پہلی وحی کی کیفیت سن کر ہی آپکی تصدیق کر رہا ہے۔ نجاشی شاہ حبشہ آپکے حالات سن کر ہی آپ پر ایمان لا رہا ہے اور کہتا ہے کہ واقعی حضرت عیسیٰؑ نے اس نبی کے بارے میں پیشین گوئی فرمائی تھی۔ قرآن کریم کی جب آیت نازل ہوئی کہ تورات میں آپؐ کے بارے میں پیشین گوئی ہے تو مدینہ کے اردگرد جو یہودی قبائل آباد تھے وہ اس بات کی

تکذیب نہ کرسکے۔ بلکہ اوس اور خزرج کا بیان ہے کہ جب کبھی ہماری اور یہود کی لڑائی ہوتی تو یہود اس آخری نبی کے وسیلہ سے فتح ونصرت کی دعا مانگا کرتے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے یہ ڈانٹ نازل فرمائی کہ اگر تم نے اس پیشین گوئی کو واضح نہ بتایا تو تمہاری شکلیں مسخ ہوجائیں گی اسی وقت حضرت عبداللہ بن سلام اور کئی یہودی ایمان لے آئے۔ (دیکھئے سورۃ النساء آیت ۴۷ کی تفسیر) اس لئے یہ ایک واضح حقیقت تھی۔ اگر قرآن پاک کا یہ دعویٰ غلط ہوتا تو کوئی یہودی اور عیسائی اسلام قبول نہ کرتا بلکہ جو اسلام لاچکے تھے وہ بھی اسلام سے نکل جاتے۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص نے فرمایا کہ تورات میں حضور پاک کی پیشین گوئی موجود ہے۔ اس حدیث میں مذکورہ الفاظ یسعاہ نبی کی کتاب باب ۴۲ میں ہے۔ فرماتے ہیں دیکھو میرا خادم (بندہ) جس کو میں سنبھالتا ہوں (التوکل) میرا برگزیدہ (مصطفیٰ۔ چنا ہوا) جس سے میرا دل خوش ہے (مرتضیٰ) میں اپنی روح اس پر ڈالدی ہے (روحا من امرنا) وہ قوموں میں عدالت جاری کریگا (یعنی حدود وتعزیرات میں ایسی عدالت تھی کہ جہاں مجرم خود آتے تھے کہ ہم پر حد نافذ کی جائے) اور نہ وہ چلائے گا نہ بازاروں میں اس کی آواز سنائی دیگی (بخاری میں ہے ولا صخاب فی الاسواق) اور وہ راستی سے عدالت کریگا اور وہ ماندہ نہ ہوگا اور ہمت نہ ہارے گا جب تک کہ عدالت کو زمین پر قائم نہ کرلے (هو الذی ارسل رسوله بالهدی و دین الحق لیظهره علی الدین کله (سورۃ الفتح آیت نمبر ۲۸) وہ ہے جس نے بھیجا اپنا رسول سیدھی راہ پر اور سچے دین پر تاکہ اس کو ہر دین پر غالب کرے۔) جزیرے اس کی شریعت کا انتظار کریں گے (یعنی اس کی شریعت عالمگیر ہوگی۔ اس زمانہ میں جزیرہ عراق پر بولا جاتا تھا لیکن یہاں جمع ہے عموماً جزیرے سمندر کے اندر باہر ہوتے ہیں معلوم ہوا کہ پوری دنیا کا نبی ہوگا کیونکہ اردگرد سارا سمندر ہے۔ جزیرہ سے مراد عراق اور شام ہے اس کی تفصیل بھی اسی کتاب میں موجود ہے) وہ داؤد کے تخت اور اس کی مملکت پر آج سے ابد تک حکمران رہے گا (یسعیاہ باب ۹ فقرہ ۷) پیشین گوئی حضرت عمر فاروقؓ کے ہاتھوں پوری ہوئی۔ اس کتاب میں ہے کہ وہ سلامتی کا شہزادہ ہوگا۔ علماء

فرماتے ہیں کہ فتح مکہ کے موقع پر آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا لا تثریب علیکم الیوم ۔ نیز اسلام نے سلام عام کیا۔ افشو السلام سلام کو پھیلانیکا حکم ہے۔ نیز لکھا ہے جس نے آسمان کو پیدا کیا اور تان دیا۔ جس نے زمین کو اور اس کو جو اس میں نکلتے ہیں پھیلا دیا۔ جو اس کے باشندوں کو سانس اور اس پر چلنے والوں کی روح عنایت کرتا ہے۔ وہ خداوند یوں فرماتا ہے میں خداوند نے تجھے صداقت سے بلایا میں ہی تیرا ہاتھ پکڑوں گا اور تیری حفاظت کروں گا (واللہ یعصمک من الناس (سورۃ المائدہ آیت نمبر ۶۷ اور تجھ کو بچالیگا لوگوں سے) اور لوگوں کے عہد اور قوموں کے نور کیلئے تجھے دونگا۔ (یخرجھم من الظلمت الی النور (سورۃ المائدہ آیت نمبر ۱۶ اور نکالتا ہے وہ ان کو اندھیروں سے روشنی میں) کہ تو اندھوں کی آنکھیں کھولے (اسی لئے جنہوں نے تسلیم نہیں کیا ان کو عمی اندھے کہا گیا ہے) اور اسیروں کو قید سے نکالے) یعنی غلاموں کے حقوق متعین کرے) اور ان کو جو اندھیرے میں بیٹھے ہیں قید خانہ سے چھڑائے۔ یہوداہ (عبرانی میں اللہ کا نام ہے) میں ہوں یہی میرا نام ہے میں اپنا جلال کسی دوسرے کیلئے اور اپنی حمد کھودی ہوئی مورتیوں کیلئے روا نہ رکھوں گا (آقا خاتم النبیین کے ہاتھوں بیت اللہ کے ۳۶۰ بتوں کا صفایا ہوا۔ ایاک نعبد و ایاک نستعین ہر نماز میں ہر رکعت میں پڑھا جاتا ہے) دیکھو پرانی باتیں پوری ہوگئیں اور میں نئی باتیں بتاتا ہوں اس سے پیشتر کہ واقعہ ہوں میں تم سے بیان کرتا ہوں۔ اے سمندر پر گزرنے والو اور اس میں بسنے والو۔ اے جزیروں اور اس کے باشندو خداوند کیلئے نیا گیت گاؤ (یعنی قرآن پڑھو) زمین پر سرتاسر اسی کی ستائش کرو (نماز کی ہر رکعت الحمد سے شروع ہوتی ہے) بیابان (عرب) اور اسکی بستیاں قیدار کے آباد گاؤں (مکہ مکرمہ) اپنی آواز بلند کریں (نماز میں قرات کرنا بلند آواز سے اور تلبیہ بھی مراد ہے) قیدار حضرت اسماعیل کے بڑے بیٹے کا نام تھا جو مکہ ہی میں آباد رہا (تورات ص ۲۵) سلع (مدینہ منورہ) کے بسنے والے گیت گائیں پہاڑوں کی چوٹیوں پر سے للکاریں۔ (بخاری شریف میں ہے کہ غزوہ خندق کے موقع پر نبی ﷺ نے صحابہ کرام کو سلع مقام پر کھڑا کیا یہ وہ پہاڑی ہے جہاں مدینہ آباد ہے۔ گیت گائیں جب نبی اقدس

ﷺ مدینہ پہنچے بچیاں اشعار پڑھ رہی تھیں) وہ خداوند کا جلال ظاہر کریں اور جزیروں میں اس کی ثنا خوانی کریں (ہر جگہ درود پاک پڑھا جارہا ہے)۔ خداوند بہادر کی مانند نکلے گا۔ وہ جنگی مرد کی مانند اپنی غیرت دکھائے گا۔ وہ نعرہ ماریگا۔ہاں وہ للکارے گا وہ اپنے دشمنوں پر غالب آئیگا۔(یسعیا صفحہ ۶۸۴) یسعیا کے بعد وہ کون سے پیغمبر ہوتے ہیں جن پر خدائی کتاب جس میں احکام شریعہ ہوں اور تھوڑی تھوڑی نازل ہوئی ہو۔ بعض سورتیں قیدار کے گاؤں مکہ مکرمہ میں اور کچھ صورتیں سلع پہاڑوں کے شہر مدینہ منورہ میں نازل ہوئی ہوں۔اور عدالت اور حکومت بھی اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا فرمائی ہو۔ یقیناً پیغمبر علیہ السلام کے علاوہ کوئی بھی اس پیشین گوئی کا مصداق نہیں بن سکتا۔ بائبل عہدنامہ جدید کی آخری کتاب مکاشفہ ہے۔ یہ مکاشفہ حضرت عیسیٰ کے آسمان پر تشریف لے جانے سے ساٹھ سال بعد ہوا۔ سعیاہ کے اس نئے گیت والے پیشین گوئی کا پھر انہوں نے اعادہ کیا ہے۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس وقت تک کوئی نبی نہیں ہوا۔ جو اس پیشین گوئی کا مصداق ہو۔ چنانچہ یوحنا (یحییٰ) عارف کہتا ہے۔ پھر میں نے نگاہ کی تو کیا دیکھتا ہوں وہ برہ (نیک آدمی) صیون کے پہاڑ پر کھڑا ہے اور اس کے ساتھ ایک لاکھ چوالیس ہزار شخص ہیں۔ (حجۃ الوداع کے موقع پر صحابہ اکرام کی تعداد اتنی تھی) جن کے ماتھے پر اس کا اور اس کے باپ کا نام لکھا ہوا ہے۔ (سیما ھم فی وجوھھم من اثر السجود) سورہ فتح آیت نمبر ۲۹۔ نشانی ان کی ان کے منہ پر سجدے کے اثر سے) اور مجھے آسمان پر سے ایسی آواز سنائی دی جو زور کے پانی اور بڑی گرج کی سی آواز تھی اور جو آواز میں نے سنی وہ ایسی تھی جیسے بربط نواز بربط بجاتے ہیں (بربط گانا بجانے کا آلہ یعنی صحابہ کرام کا تکبیر اونچی آواز سے پڑھنا) وہ تخت کے سامنے اور چاروں جانداروں اور بزرگوں کے آگے (شاید خلفائے راشدین مراد ہوں) گویا ایک نیا گیت (قرآن پاک) گا رہے تھے اور ان ایک لاکھ چوالیس ہزار شخصوں کے سوا جو دنیا میں خرید لئے گئے تھے (ان اللہ اشتری من المؤمنین انفسھم و اموالھم بان لھم الجنۃ (سورۃ توبہ آیت نمبر ۱۱۱۔ اللہ نے خرید لئے مسلمانوں سے ان کی جان اور ان کا مال اس قیمت پر کہ ان کیلئے جنت ہے) کوئی اس گیت کو نہ

سیکھ سکا (تمام ولی غوث قطب ملکر بھی ایک صحابی کا مقابلہ نہیں کرسکتے) یہ وہ ہیں کہ جو عورتوں کے ساتھ آلودہ نہیں ہوئے (یعنی حرام طریقے سے بدکاری تو کجا آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے قل للمؤمنین یغضوا من ابصارهم ویحفظوا فروجهم اور لا تقربوا الزنا کی عملی تصویر ہیں)(بلکہ آج چودہ صدیاں گزرنے کے بعد انکے متبعین طالبان کا یہ حال ہے دیکھئے ایون ریڈلی کی کتاب اور ۲۶ ذی الحجہ ۱۴۳۲ کا شمارہ ضرب مومن میں مضمون "امن کی دنیا") بلکہ کنوارے ہیں یہ وہ ہیں جو برہ کے پیچھے پیچھے چلتے ہیں جہاں کہیں وہ جاتا ہے۔(آپ ہجرت کررہے ہیں حج کررہے ہیں جہاد کررہے ہیں صحابہ کرام ساتھ ساتھ ہیں)۔یہ خدا اور برہ کے لئے پہلے پھل ہونے کے واسطے آدمیوں میں سے خرید لئے گئے ہیں۔(والسابقون الاولون من المهاجرين و الانصار اور جو مہاجرین وانصار میں سے پہلے پھل ایمان لانے والے ہیں التوبہ آیت نمبر ۱۰۰)

اوران کے منہ سے کبھی جھوٹ نہ نکلا تھا وہ بے عیب ہیں(اولئک هم الصدقون ویزکیهم سورۃ الجمعۃ آیت نمبر ۲)اورانکو سنوارتا ہے(وکره اليكم الكفر و الفسوق و العصيان سورۃ الحجرات آیت نمبر ۷ اورنفرت ڈالدی تمہارے دل میں کفراور گناہ اورنافرمانی کی) پھر میں نے ایک اورفرشتہ کو آسمان کی بیچ اڑتے ہوئے دیکھا جس کے پاس زمین پر رہنے والی ہرقوم اور قبیلہ اوراہل زبان اورامت کو سنانے کیلئے ابدی خوشخبری تھی (پہلے سارے نبی ایک ایک علاقہ کے نبی تھےاور یہ نبی دنیا کی ہرقوم جو بھی زبان بولتی ہو ہرایک کیلئے ہونگے اس میں عالمگیریت کا ذکر آیا اور دوسرا ابدیت کا مطلب ہے کہ کتاب منسوخ نہیں ہوگی)اوراس نے بڑی آواز سے کہا کہ خدا سے ڈرو اور اسکی تمجید کرو کیونکہ اس کی عدالت کا وقت آپہنچا ہے اوراس کی عبادت کرو جس نے آسمان اورزمین اور سمندر اور پانی کے چشمے پیدا کئے (مکاشفہ ۱۴:۷) یہاں جو صیون پہاڑ کا ذکر آیا یہ وہی مقدس پہاڑ ہے جہاں خداوند کیلئے قربان گاہ بھی ہے یعنی منی اوروہ پہاڑ وادی بکہ میں ہے یعنی مکہ میں)۔یسعیاہ کی دوسری پیشین گوئی۔وہ کس کو دانش سکھائے گا۔کس کو وعظ کرکے سمجھائے

گا۔ کیا ان کو جن کا دودھ چھڑایا گیا جو چھاتیوں سے جدا کیے گئے۔ (حدیث پاک میں دینی علوم کو دودھ سے تشبیہ دی گئی ہے کیونکہ بنی اسماعیل میں حضرت اسماعیل کے بعد کوئی نبی نہیں آیا اس لیے انہیں اس سے تشبیہ دی گئی جن کا دودھ چھڑایا گیا ہو) کیونکہ حکم پر حکم، حکم پر حکم، قانون پر قانون، قانون پر قانون تھوڑا یہاں تھوڑا وہاں ہوگا۔ (یسعیاہ صفحہ ۶۸۱) اس پیشین گوئی میں یہ بتایا گیا کہ خدا کا کلام نازل ہوگا۔ اور عربی زبان میں نازل ہوگا۔ جو لوگ زمانہ نبوت سے محروم ہیں۔ اس میں اللہ کا قانون اور احکام ہوں گے۔ قانون سے مراد دنیوی قوانین اور احکام سے مراد اخروی احکام جیسے فرض، واجب، سنت وغیرہ وہ کلام تھوڑا تھوڑا کر کے نازل ہوگا اور کچھ اس شہر میں سلع پہاڑی کے دامن میں ہے۔ یعنی مدینہ منورہ۔ یسعیاہ کے بعد آج تک سوائے قرآن پاک کے اور کوئی کتاب نہیں۔ جو ان علامات پر پوری اترتی ہوئی قوانین صرف قرآن پاک میں آئے ہیں۔

دوسری جگہ یسعیاہ اپنی کتاب میں یوں عنوان باندھتے ہیں۔ عرب کی بابت بار نبوت اے ددانیوں کے قافلو (مراد اوس وخزرج) تم عرب کے جنگل میں رات کاٹو گے (یہ نسل ارم کے بعد یثرب میں آباد ہو گئے جو بعد میں مدینۃ النبی کہلایا) وہ پیاسے کے پاس پانی لائے۔ تیما کی سرزمین کے باشندے روٹی لے کر بھاگنے والے سے ملنے کو نکلے کیونکہ وہ تلواروں کے سامنے سے ننگی تلوار سے اور کھینچی ہوئی کمان سے اور جنگ کی شدت سے بھاگے ہیں۔ (تیما حضرت اسماعیلؑ کا بیٹا تھا۔ جو یثرب یعنی مدینہ میں آباد تھا۔ بھاگنے والے مہاجرین کا ترجمہ ان مہاجرین کو روٹی اور پانی دینے والے وہی اوس وخزرج تھے۔ جو بعد میں انصار کہلائے۔ گویا اس میں ہجرت کا واقعہ مذکور ہے) کیونکہ خداوند نے مجھ سے یوں فرمایا کہ مزدور کے برسوں کیمطابق ایک برس کے اندر اندر قیدار کی ساری حشمت جاتی رہے گی۔ اور تیر اندازوں کی تعداد کا بقیہ یعنی بنی قیدار کے بہادر تھوڑے سے ہوں گے کیوں کہ خداوند بنی اسرائیل کے خدا نے یوں فرمایا (یسعیاہ صفحہ ۶۷۶) چنانچہ ہجرت کر کے پورے ایک سال بعد جنگ بدر ہوئی۔ جس میں قیدار یعنی قریش کی حشمت کا خاتمہ ہوا۔ ۷۰ بڑے بڑے بہادر قتل ہوئے اور ۷۰ گرفتار ہوئے۔ اب قریش دوسروں کی مدد کے محتاج ہو گئے۔

اسی واقعہ کا ذکر اس پیشین گوئی میں ہے۔

امید ہے پاکستان میں رہنے والے بھی ان پیشین گوئیوں کو پڑھ کر روشنی کی طرف سفر کریں گے۔ اور قابل تعریف لائق صد تعریف ہوں گے وہ مسیحی حضرات جو محمد عربی ﷺ کے دامن سے وابستہ ہو کر ہمیشہ کی روشنی راحت وسرور اور قلوب کی روشنی پالیں گے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مبادا کوئی بھٹک نہ جائے

از۔۔۔۔ابوالحسن جالندھری

پاکستان کے معروف کالم نگار واینکر پرسن جناب جاوید چودھری قلم میں بلا کی روانی رکھنے والے انسان ہیں۔میں تقریباً دس سال سے انکے قلم کا شیدائی ہوں اخبارات میں جب موقع ملے اور کچھ دیکھوں نہ دیکھوں جاوید چودھری کو ضرور پڑھتا ہوں۔ان کے کالموں میں تسلسل بھی ہوتا ہے،ربط بھی،اسلوب بھی اور سب سے بڑھکر سچائی بھی۔ ان سعادتوں کے باوجود گذشتہ دنوں روزنامہ ایکسپریس بروز جمعہ ۱۹اکتوبر ۲۰۱۵ء بمطابق ۲۴ ذوالحجہ ۱۴۳۶ھ میں جو مضمون چھپا اس میں یہ الفاظ "اگر آواگون سچ ہے اگر انسانی روح بار بار زمین پر آتی ہے۔اگر ہم سب بدن کی طبعی موت کے بعد جسم بدل لیتے ہیں۔اگر ہمارا یہ جنم آخری اور پہلا نہیں تو پھر میں نے یقیناً پچھلے جنم پہاڑوں میں گزارے ہونگے "[زیرو پوائنٹ]۔محترم جاوید کی یہ عبارت کم از کم مجھ جیسے کند ذہن کیلئے تشویش کا سامان پیدا کر رہی ہے کہ عام مسلمان جس کو عقائد اسلام کا تفصیلی علم نہیں جو ایمان مجمل رکھتا ہے اسکے ماں باپ نے اسکو دنیا کمانے کی مشین بنانا تو ضروری سمجھا مگر اسکی آخرت نہ سنواری وہ ان الفاظ سے غلط نتیجہ اخذ کرتے ہوئے ایمان ہی سے نہ ہاتھ دھو بیٹھے۔ہم مسلمان ہیں ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ یہ ہمارا پہلا اور آخری جنم ہے۔جب موت کا ذائقہ چکھ کر ہم یہاں سے عالم برزخ (قبر) میں جائیں گے پھر دوبارہ یہاں نہ لوٹ سکیں گے پھر قیامت کے دن اٹھنا ہوگا اور حساب و کتاب ہوگا اور بحسب اعلان قرآنی ان الابرار لفی نعیم وان الفجار لفی جحیم (بے شک نیک لوگ نعمتوں یعنی جنت میں ہونگے اور برے لوگ جہنم میں) نیک جنت میں بدکار جہنم میں چلے جائیں گے۔اس عقیدہ کے دلائل سے کتب لبریز ہیں۔یہاں صرف میں امام ربانی مجدد

الف ثانی جن کے مداح شاعر مشرق بھی تھے اور تمام اسکے بعد کے مسلمان انکو اپنا پیشوا اور مقتدا تسلیم کرتے ہیں۔

شاعر مشرق جب انکی قبر پر گئے تو یہ اشعار کہے:

حاضر ہوا میں شیخ مجدد کی لحد پر
وہ خاک کہ ہے زیر فلک مطلع انوار
اس خاک کے ذروں سے ہیں شرمندہ ستارے
اس خاک میں پوشیدہ ہے وہ صاحب اسرار
گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جس کے نفس گرم سے ہے گرمی احرار
وہ ہند میں سرمایہ ملت کا نگہبان
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبر دار

(بال جبریل)

سر دست مجدد الف ثانی کا ایک مکتوب کا اقتباس پیش کیا جاتا ہے حضرت فرماتے ہیں اور وہ لوگ جن کے دل بیمار ہیں ان حکایات سے تناسخ سمجھتے ہیں اور عجب نہیں کہ قدم عالم کے قائل ہو جائیں اور قیامت کبری کا انکار کر دیں۔ بعض ملحد لوگ جو باطل کے ساتھ یعنی جھوٹ موٹ شیخی کی مسند پر بیٹھے ہیں۔ تناسخ کے جواز کا حکم دیتے ہیں۔ اور خیال کرتے ہیں کہ نفس جب تک حد کمال کو نہ پہنچے بدنوں کے تقلب یعنی بدلنے سے اس کو چارہ نہیں اور کہتے ہیں کہ جب نفس حد کمال تک پہنچ جائے بدنوں کی تبدیلی بلکہ بدنوں کے متعلق سے فارغ ہو جاتا ہے اور اسکی پیدائش سے مقصود یہی اس کا کمال ہے جو میسر ہو گیا۔ یہ بات صریح کفر ہے اور ان تمام باتوں کا انکار ہے جو دین میں تواتر کے ساتھ ثابت ہیں۔ کیونکہ آخرکار جب تمام نفوس حد کمال کو پہنچ جائیں پھر دوزخ کس کیلئے ہوگی اور عذاب کس کو ہوگا۔ اس میں دوزخ اور آخرت کے عذاب اور جسموں کے ساتھ

اٹھنے کا انکار ہے۔ (مکتوبات ص ۲۰۵ ج ۲)

امید ہے ہمارے کالم نگار آئندہ احتیاط فرمائیں گے کہ ایسے الفاظ جو کمزور ذہنوں کو تشویش میں مبتلا کریں ان سے احتراز فرمائیں۔ ذات حق سے دعا ہے کہ ہم سب کا خاتمہ ایمان پر ہو اور قیامت کے روز شفاعت خاتم الانبیاء علیہ السلام نصیب ہو۔ آمین۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

صدیقیت کبریٰ کے حامل

از۔۔۔۔۔محمد محمود عالم صفدر اوکاڑوی

جس انسان سے تعلق جتنا قوی ہوتا ہے اس پر مضمون لکھنا اتنا ہی مشکل ہوتا ہے اور میری زندگی میں اب تک سب سے مشکل حضرت استاذ مکرم پر مضمون لکھنے کا مرحلہ ہے۔ حضرت کی وفات کو آج تقریباً سات ماہ ہونے کو ہیں مگر بارہا قلم کو اٹھا کر رکھ دیا کہ شدت حزن وملال قلم وقرطاس کا رشتہ جوڑنے سے انکاری تھا۔ نیز اپنی بے بضاعتی بھی مدنظر تھی کہ جس انسان کی پوری زندگی قال اللہ و قال الرسول پڑھتے پڑھاتے گزری جسکے درس تدریس کی بہاریں ہی تقریباً ۶۶ سال پر محیط ہیں۔ اس پر انکا ذلیل وخوار نکما شاگرد کیا خامہ فرسائی کرے۔ حتی کہ استاذ مکرم کی زیارت نصیب ہوئی تو کچھ حوصلہ کر کے چند اسطور سپرد قلم ہورہی ہیں۔ واللہ المستعان

تین دور: جس طرح مسلم شریف میں حضرت عمرو بن العاصؓ کی روایت ہے کہ ہماری زندگی کے تین دور گزرے ہیں اسی طرح استاذ مکرم کے ساتھ میرا معاملہ ہے۔

پہلا دور: جب بندہ درجہ متوسطہ اولی ثالثہ کا طالب علم تھا تو حضرت استاذ مکرم سے سخت دور رہتا تھا اس لئے کہ انکی طبیعت انتظامی معاملہ میں اصول پسند اور طلبہ کی طرح ہماری طبیعت آزاد۔ بعض اوقات حضرت اوکاڑویؒ کے ساتھ اسفار پر بھی جانا پڑ جاتا اگرچہ ایسا جمعرات جمعہ کو ہوتا تھا مگر شب ہفتہ تکرار کی غیر حاضری کیوجہ سے زیر عتاب آنا پڑتا۔ چونکہ تمام قوانین حضرت صدر المدرسین کی طرف سے تھے اس لئے طبیعت ان سے وحشت زدہ ہوتی گئی۔

دوسرا دور: جب رئیس المناظرین حضرت اوکاڑویؒ کا سفر آخرت ہوا اور بندہ درجہ موقوف علیہ میں پہنچا تو حضرت اوکاڑویؒ کی پانچ سالہ خدمت سے جو روحانی سکون حاصل ہوتا اب ختم ہو چکا تھا۔

اس تسکین کو حاصل کرنے کیلئے جس شخصیت کی خدمت کی سعادت حاصل ہوئی وہ حضرت شیخ الحدیثؒ کی ذات بابرکات تھی۔ جب قرب نصیب ہوا تو راز کھلا کہ آپ تو شفقت ومحبت کا سمندر ہیں۔ یہ تعلق ایسا بڑھا کہ بعد ازاں دورہ حدیث بھی اور ایک سال خدمت کی سعادت حاصل کرلی۔ کیونکہ بندہ استاذ مکرم حضرت مولانا شہنشاہ صاحب زید مجدہ کے حکم پر مسجد خدا بخش والی معصوم شاہ روڈ پر امامت کرواتا باقی وقت اسی مسجد میں مطالعہ اور تصنیف وتالیف (ان دنوں فتوحات صفدر جلد دوم و سوم اور تسکین الاذکیاء فی حیات الانبیاء علیہم السلام پر کام چل رہا تھا) میں مشغول رہتا اور روزانہ دو گھنٹے استاذ مکرم کی خدمت میں حاضری۔ اسی دوران حضرت نے تقریباً پانچ یا چھ بار اپنی عمدہ ترین تصنیف بخاری شریف کی شرح "الخیر الساری" پر کام کے حوالہ سے فرمایا مگر بندہ نے اپنی تصانیف میں مشغولی کا عذر کرکے معذرت کرلی اصل میں ذہن میں یہ خوف سوار تھا کہ وہ نہ ہو حق خدمت ادا نہ کرسکنے کی وجہ سے راندہ درگاہ ہو جاؤں۔

پیش مقربین را حیرانی بود

اسی دوران آپکی دعائیں شامل حال رہیں اور ایک سال بعد بندہ کو شیر اسلام علامہ علی شیر حیدری نور اللہ مرقدہ نے اپنے ادارہ جامعہ حیدریہ (سندھ) میں "التخصص فی الدعوۃ والتحقیق" کے اسباق کیلئے بغرض تدریس طلب فرمالیا اور وہاں جانا پڑا اور استاذ مکرم کی خدمت سے محروم ہونا پڑا۔ خدمت کے دوران بارہا آپکے رحم وکرم عفو ودرگزر کے واقعات سامنے آتے رہے۔ ایک بار عید الاضحیٰ کی چھٹیوں کے باعث آپکے باقی خدام (چونکہ طلبہ کرام تھے) گھروں کو چلے گئے استاذ مکرم نے بندہ کو تاکیداً خدمت اقدس میں حاضری کا فرمادیا۔ بندہ حاضر خدمت ہوتا رہا۔ اچانک ایک رات بندہ کو اپنی نانی صاحبہ مرحومہ کی طبیعت کے بہت زیادہ ناساز ہونے کی اطلاع پر رحیم یار خان جانا پڑا۔ یوں بغیر اطلاع دیئے بندہ کئی دن تک غائب رہا۔ واپسی پر شدید شرمندگی کہ حضرت الشیخ کو کیا منہ دکھاؤں اور میری اس غلطی پر استاذ جی کو کتنی پریشانی ہوئی ہوگی۔ اس شدید پریشانی کی کیفیت میں خیر المدارس پہنچا تو استاذ مکرم نے دور سے ہی بندہ کو دیکھ کر فرمایا گذشتہ را صلوٰۃ آئندہ

احتیاط بندہ کی تو عید بن گئی کہ اتنا بڑا جرم اور اس قدر لطف وکرم۔ دوران خدمت آپکے ارشادات سے بھی استفادہ ہوتا رہتا ایک بار فرمایا ہم تو ناقل ہیں کہ ابن حجر نے یہ کہا بخاری نے یہ۔ علم تو اللہ کی تجلی ہے وہ یا حضرت نانوتوی پر پڑی تھی یا حضرت اوکاڑوی پر۔

تیسرا دور: جب بندہ جامعہ حیدریہ بغرض تدریس چلا گیا تو استاذ مکرم سے بظاہر دوری ہوئی مگر قلبا مزید قرب نصیب ہوتا گیا۔ ایک بار بندہ نے عرض کیا کہ بعد مکانی کی وجہ سے اب روزانہ زیارت وخدمت کا موقع میسر نہ رہا۔ فرمایا۔

نہ دوری دلیل صبوری بود کہ بسیار دوری ضروری بود

بندہ بحمد اللہ جب بھی سندھ سے ملتان آتا تو ضرور قدم بوسی کی سعادت حاصل کرتا۔ آپ کو بندہ کی فکر رہتی تھی۔ خاص کر جن دنوں سرگودھا کو چھوڑ کر لیہ کام شروع کیا تو بار ہا یاد فرماتے۔ جب بندہ کو علم ہوا تو حاضر خدمت ہوا کافی نصائح فرمائیں۔ فرمایا اکابر نے فرمایا ہے کہ منصور حلاج بچہ تھا کہ معرفت کا ایک گھونٹ ہضم نہ کر سکا۔ بندہ نے جب کچھ تفصیل بتلائی کہ اصل معاملات کچھ اور ہیں تو تسلی ہوئی اور دعا فرمائی۔ ایک بار بندہ نے تقریبا چار ماہ بعد ٹیلی فون کیا تو فرمایا" کل کے اخبار میں الیاس گھمن کا اشتہار آیا ہوا تھا۔ میں نے کہا وہ وقت بھی آئے گا جب ہمارے محمود کا فیض پھیلے گا۔ ایک بار ارشاد فرمایا تجھے اور کیا چاہیے تو ان کتابوں کی تدریس کر رہا ہے جو دوسرا پڑھی نہیں ہیں۔ ایک بار شیر اسلام علامہ علی شیر حیدری جامعہ خیر المدارس تشریف لائے ہوئے تھے بندہ بھی ملتان آیا ہوا تھا۔ بندہ کے شاگرد مفتی مظہر اقبال صاحب جو حضرت حیدری کے بھی شاگرد ہیں وہ ساتھ تھے انہوں نے بندہ کو ٹیلی فون پر اطلاع کر دی۔ بندہ جب بغرض زیارت خیر المدارس پہنچا۔ حضرت حیدری اس وقت فقیہ العصر حضرت مفتی عبد الستار صاحب نور اللہ مرقدہ کے ساتھ ملاقات میں مصروف تھے اور استاذ مکرم اپنے گھر کے سامنے چار پائی پر جلوہ افروز تھے۔ بعد مغرب کا وقت تھا بندہ استاذ مکرم کے پاؤں کی طرف چار پائی پر بیٹھ گیا۔ اتنے میں علامہ حیدریؒ بھی تشریف لے آئے اور آتے ہی بعد از مصافحہ از روئے ادب جو کہ حضرت شیر اسلام کا خاص وصف تھا زمین پر ہی

بیٹھ گئے بندہ جلدی سے کھڑا ہو گیا تا کہ حضرت کیلئے جگہ خالی ہو جائے۔ حضرت استاذ مکرم نے حضرت حیدری کو چار پائی پر بٹھالیا۔ حضرت حیدریؒ کے اندر بہت بڑا وصف چھوٹوں کی حوصلہ افزائی کرنا بھی تھا آپ نے بندہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ مولانا ہمارے ہاں بہت کام کر رہے ہیں۔ اس پر استاذ مکرم نے فرمایا خیر المدارس کی ترقی کا راز یہ ہے کہ اس نے آج تک از خود کسی استاد کو جواب نہیں دیا۔ بندہ یہ بات سن کر اور استاذ مکرم کی محبت دیکھ کر سکتے میں آ گیا۔ ایک بار والد محترم قاری محمد اشرف صاحب بندہ کو ملنے ملتان تشریف لائے بندہ استاذ مکرم کی ملاقات کیلئے لے گیا فرمانے لگے خوش قسمت ہو اللہ نے عالم بیٹا دیا ہے۔

اعزازات الہامات و کرامات: استاذ مکرم کو آپکے بعض شاگردوں کے واسطہ سے ذات حق جل شانہ کا ایک بار اور حضرت خاتم الرسل اور دیگر انبیاء علیہم السلام کے بار ہا سلام آئے۔ آپ کو جب بھی آپکا کوئی شاگرد ایسا پیغام سناتا تو از روئے اخفاء و تواضع فرماتے بھائی رائی کا کمال ہے نہ کہ مرئی کا (یعنی جس نے خواب یا کشف میں یہ دیکھا اس کا کمال ہے نہ کہ میرا) سبحان اللہ کیا تواضع تھی۔

ایک بار جب بندہ درجہ ثالثہ یا رابعہ میں تھا حضرت اوکاڑویؒ کو فرمانے لگے محمود کو دو دو سال اکٹھے کروا دو اور پھر مناظرہ پڑھا دو۔ شاید آپ کو معلوم ہو چکا تھا کہ حضرت اوکاڑویؒ کا سفر آخرت قریب ہے۔ جب بندہ کو جامعہ حیدریہ چھوڑنا تھا اس سے قبل جامعہ مدنیہ بہاولپور میں اتحاد اہلسنت والجماعت نے اجلاس میں یہ بات طے کی کہ جماعت کی طرف سے سالانہ تخصص سرگودھا میں شروع کروانا ہے اور اس کیلئے محمود کو جامعہ حیدریہ اور علامہ عبدالغفار ذھبی کو مخزن العلوم خانپور چھوڑنا ہوگا۔ اجلاس انتہائی مخفی تھا مگر جب اگلے دن ملتان استاذ مکرم کی خدمت میں حاضر ہوا تو فرمایا جامعہ حیدریہ نہ چھوڑو بندہ یہ سن کر حیرت زدہ رہ گیا کہ آپ کو کیسے معلوم ہوا۔ بندہ نے عرض کیا آپ کے کشف کا قائل ہو گیا ہوں۔ البتہ سرگودھا جانے میں مسلکی فائدہ زیادہ محسوس ہوتا ہے۔

بعد میں احساس ہوا کہ قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید والا معاملہ تھا

گر بگویم شرح این بیحد شود

اگر شرح اس کی لکھو بجد ہو

وفات سے تقریباً دو ماہ قبل بندہ کو شدید محبت نے مجبور کیا اور ملتان قدم بوسی کیلئے حاضر ہوا تو بعد از عصر ملاقات ہوئی اور عشاء تک جاری رہی۔ آپ بہت ہی انبساط کی حالت میں تھے۔ بہت سے موضوعات پر کھل کر بات ہوئی۔ آہ کسے معلوم تھا کہ قضاء وقدر عنقریب محبتوں کے اس سمندر کو منوں مٹی تلے چھپانے والی ہے۔ اور جامعہ خیر المدارس اپنے چھیاسٹھ (۶۶) سالہ رفیق کی جدائی پر نوحہ کناں ہونے والا ہے۔

مجنوں جو مر گیا تو جنگل اداس ہے۔

چنانچہ یہ ملاقات آخری ثابت ہوئی اور پھر جنازہ پڑھنا ہی نصیب ہوا۔

صدیقیت کبریٰ کا مقام: مقام صدیقیت کی علماء ومفسرین صوفیاء ومحققین نے بہت سی تعریفات کی ہیں۔ فقیر کے نزدیک سب سے محقق جو کشفی تائید سے مزین ہے وہ یہ ہے کہ سالک جب مقام فناء وبقا کو پا کر روحانی عروج پاتا ہے تو اس کی سیر الی اللہ تمام ہو کر سیر فی اللہ شروع ہوتی ہے تو سیر فی اللہ میں پہلے ولایت صغریٰ کی حد ہے۔ اگر کسی سالک کی روحانی سیر کی انتہا اسی حد میں رہی تو وہ ولایت صغریٰ پا گیا اور اگر سیر آگے بڑھی اور ولایت کبریٰ میں پہنچ گئی تو ولایت کبریٰ پا گیا اور اگر اس سے آگے بڑھی اور صدیقیت صغریٰ کی حد میں داخل ہو گئی تو یہ شخص صدیقیت کے مقام سے سعادت مند ہو گیا اور اگر اس سے بھی آگے سیر بڑھے اور مقام صدیقیت کبریٰ میں سیر پہنچ جائے تو ایسا شخص صدیقیت کبریٰ سے متصف ہو جاتا ہے۔ اولیاء کرام کی آخری معراج یہی ہے۔ آگے حدود نبوت ہے جہاں جلیل القدر اولیاء کرام کی سیر تو ممکن ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام میں سے کوئی اپنے مقام کی سیر کروا دے۔ مگر ایسے ولی کا بھی مقام حدود ولایت میں ہی بنے گا۔ اس لئے کہ نبوت کا دروازہ ختم نبوت کی برکت سے بند ہے حضرت خاتم الانبیاء ﷺ کے بعد کسی انسان کا مقام نبوت کو پانا محال ہے۔

شیخ اکبر محی الدین ابن عربی (۶۳۸ھ) لکھتے ہیں۔

اعلم ان اللہ تعالیٰ قصم ظهور الاولیاء بانقطاع النبوۃ والرسالة بعد محمدؐ و ذلک لفقدهم الوحی الربانی الذی هو قوت ارواحهم

(فتوحات مکیہ باب ۳۱۴ الیواقیت للشعرانی ج ۲ ص ۲۷ بحوالہ آثار الاحسان ج ۲ ص ۲۰)

(ترجمہ) جان لو کہ اللہ تعالیٰ نے ختم نبوت سے اولیاء کرام کی (مقام ولایت سے آگے بڑھنے کی) کمریں توڑ دیں۔ حضرت محمدؐ کے بعد نبوت کا دروازہ بند ہو چکا۔ اب وہ اس وحی کو جو ان کی روح کی غذا تھی کھو بیٹھے۔ اب اولیاء کیلئے وحی خداوندی کی راہ کبھی نہ کھلے گی وہ کتنا ہی قرب الٰہی میں پہنچیں نبوت کی راہ کو کسی طرف سے کھلا نہ پائیں گے یہ کڑوا گھونٹ انہیں پینا ہی پڑے گا کہ اب ان کیلئے ولایت سے آگے بڑھنے کی کوئی راہ نہیں ہے۔

کما اغلق اللہ باب الرسالة بعد محمد تجرعت الاولیاء مرارته لانقطاع الوحی. (الیواقیت ج ۲ ص ۳۹)

(ترجمہ) جب اللہ تعالیٰ نے حضرت محمدؐ کے بعد رسالت (کہ وہ کسی کو اپنا نمائندہ بنا کر بھیجے) کا دروازہ بالکل بند کر دیا تو اولیاء کرام نے اس پر کڑوے گھونٹ پیے (اپنی بے بسی محسوس کی) کہ اب خدا سے براہ راست بات کرنے کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہے۔

شیخ اکبر اپنے ایک مکاشفہ کو اسطرح بیان کرتے ہیں۔

میں اپنے دور کے واصلین کے ساتھ جب باب الٰہی پر آیا تو میں نے اسے کھلا پایا اس پر کوئی دربان اور پہرے دار نہ تھا۔ وہاں ٹھہرا کہ وراثت نبوت کی خلعت پاؤں۔ وہیں میں نے ایک چبوترہ دیکھا میں نے اس پر دستک دینے کا ارادہ کیا۔ مجھے آواز آئی دستک نہ دے اب یہ دروازہ کبھی کھلنے کا نہیں۔ مجھے بتایا گیا۔

هذا خو خلا ختص بها الانبیاء والرسل علیهم السلام و لما کمل الدین اغلقت و من هذا الباب کانت تخلع علی الانبیاء علیهم السلام خلع الشرائع. (الفتوحات المکیہ ج ۳ ص ۵۳)

(ترجمہ) یہ بارگاہ نبوت و رسالت سے خاص ہے جب دین مکمل ہو گیا اسے بند کر دیا گیا اس دروازے سے انبیاء پر شرائع کی خلعتیں اترتی ہیں۔

ولایت کبریٰ کا مقام بھی بہت کم اولیاء کو نصیب ہوتا ہے اس کا انداز و حضرت اقدس قائد اہلسنت وکیل صحابہ قاضی مظہر حسینؒ (خلیفہ مجاز شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ) کے اس کشف سے ہوتا ہے۔ لکھتے ہیں۔۲۶ ذیقعدہ ۱۳۹۹ھ قبل از مغرب اپنی قیام گاہ پر لیٹے ہوئے بین النوم والیقظہ جس میں یقظہ کی حالت غالب تھی۔ یہ ادراک ہوا کہ حضرت الشیخ المدنی قدس سرہ ایک گول پائپ فیض کا حضور ﷺ کے سینہ مبارک سے بندہ کے سینے سے جوڑ رہے ہیں۔ یہ بھی ادراک ہوا کہ اس طرح کے دس پائپ دس اشخاص کے سینوں سے جوڑے گئے ہیں۔ یہ ولایت کبریٰ ہے۔ گذشتہ سال یہ پانچ اشخاص کو نصیب ہوئے اور آئندہ سال بیس حضرات کو دیے جائیں گے۔ یہ معلوم نہیں کہ یہ پائپ صرف حضرت مدنیؒ کے متوسلین کے لئے ہیں یا دوسرے سلسلوں کے حضرات بھی شامل ہیں۔ (روئیداد سفر حج ۱۳۹۹ھ ماہنامہ حق چار یار اشاعت خاص ص ۳۲۰)

پھر ان مقامات کو پانے والے دو طرح کے حضرات ہیں ایک تو وہ جو مجاہدات و ریاضات کثیرہ اور حضرت سید الابرار علیہ السلام کی مکمل اتباع کی برکت سے اس دنیا کی زندگی میں ہی عنایت الٰہی سے کشف و شہود اور سیر روحانی کی نعمت سے بہرہ ور ہو گئے اور اس نعمت عظیمہ کو پا گئے جیسے پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانی، سراج الفقہاء سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ، شیخ اکبر محی الدین ابن عربی، امام ربانی مجدد الف ثانی، امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی، قائد اہلسنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین، امین الاولیاء حضرت سید محمد امین شاہ صاحب نور اللہ مراقدھم۔ دیگر بہت سے جلیل القدر محدثین ومفسرین یا مجاہدین ایسے ہیں جنکو علمی مشاغل نے اس قدر عبادت و ریاضت کی طرف متوجہ نہ ہونے دیا کہ وہ تصوف وسلوک کی گھاٹیوں کو عبور کر کے کشف و شہود اور سیر روحانی کی لذتوں کو پا سکتے۔ وہ ہمہ تن وراثت نبوت کو بانٹنے میں مصروف

رہے تو ذات حق ایسے نفوس قدسیہ پر بھی اپنی کرم نوازی فرماتی ہے اور بعد از وفات ان کو سیر روحانی اور ولایت صغری یا کبریٰ یا صدیقیت صغری یا کبریٰ کے مقامات مل جاتے ہیں۔ جیسے حافظ الدنیا حافظ ابن حجر امام شمس الدین سخاوی اور ہمارے زمانے میں رئیس المناظرین حجۃ اللہ فی الارض حضرت اوکاڑوی تھے۔ حضرت استاذ مکرم اپنی ذات بابرکات کو اشاعت علم اور انوارات حدیث میں فنا کر چکے تھے۔ رضا بالقضا کی مجسم تصویر تھے۔ لطائف مکمل صاف تھے تواضع واخلاص کے بحر بیکراں تھے کیفیات جذب والہام کے سمندر تھے۔ تجلیات غیب کے مورد اتم تھے مگران سب کے باوجود اخفاء کامل رکھتے تھے۔ البتہ آپ کی سیر روحانی باقی تھی۔ ذات حق جل شانہ نے آپکے بعض تلامذہ کو بار بار بارگاہ نبوت میں آپکی حاضری اور عصر حاضر کے محدثین کی امامت کا مقام دکھایا تھا اور اس کی اطلاع بھی آپ کو سفر آخرت سے قبل مل چکی تھی۔ مگر بعد از وفات آپ سیر روحانی سے فیض یاب ہو کر صدیقیت کبریٰ کے مقام تک پہنچ گئے اور اس امت مرحومہ کے قلیل من الاخرین (الواقعہ) کے روؤساء میں شمار ہو گئے۔

فللہ الحمد والشکر علی ھذا الامر العظیم.

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

برکۃ الحدیث کا روحانی مقام

یکے از تلامذہ شیخ

ذات حق جل شانہ کی ذات لامحدود ہے اسی طرح اس کے اپنے بندوں پر انعامات بھی بڑھتے رہتے ہیں۔ اسی پر تصوف وسلوک کی برکت سے سالکین کو مشاہدات وواردات پیش آتے ہیں اور ان میں نئے نئے مقامات واحوال کے سامنے آنے کو قیاس کیا جاسکتا ہے۔ حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہما اللہ کے مکتوبات وتصانیف جس شخص کی نظر سے گذری ہونگی اس کو اس پر تعجب نہ ہوگا۔ بلکہ ایک مقام پر حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ امام ربانی مجدد الف ثانیؒ پر کیئے گئے اعتراضات کے جوابات کے ضمن میں لکھتے ہیں۔

پس خلاصہ کلام یہ ہے کہ ہزار سال کے بعد ایک نئے دور کا آغاز ہوا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔اور یہ دورہ دیگر بعض اعتبارات سے گذشتہ فیوض کی تفصیل ہے۔ مثلاً حجر بہت اور انانیت کبریٰ کے مسائل اس دور میں گذشتہ زمانوں کے مقابلہ میں زیادہ تفصیلی ہیں اور اس دور کے حقائق کی تفصیل ایک ایسی تشریح کا مطالبہ کرتی ہے کہ یہ ورق (کاغذ) اس کی گنجائش نہیں رکھتا۔ (مکتوبات ص ۲۵۷ طبع ادارہ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ لاہور)

بندہ کو سیر وسلوک کے دوران بھی بہت سے ایسے واقعات سامنے آئے کہ گذشتہ کتب میں نظر سے نہیں گزرے۔ مثلاً امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں۔ اس موقعہ پر میرا نام "ذکی" اور "نقاط علم کا آخری نقطہ" رکھا گیا۔ (فیوض الحرمین ص ۲۰)

بندہ کو ذات حق جل شانہ نے نقاط علم کی مجلس ومقام کا تفصیلی مشاہدہ کروایا بارہا اس مجلس کا مشاہدہ کروایا گیا بہت سے علماء کا مقام نظر آیا جو زندہ ہیں ان کا تو تذکرہ مناسب نہیں وفات شدہ میں

سے چند ایک کے نام بطور تبرک کے ذکر کر دیتا ہوں۔ حکیم الامت مجدد ملت حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ، شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی، قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، حافظ العصر علامہ انور شاہ کشمیری، مفتی اعظم مفتی کفایت اللہ دہلوی، حضرت قائد اہلسنت وکیل صحابہ قاضی مظہر حسین، رئیس المناظرین سید محمد امین شاہ صاحب، حضرت مولانا اللہ یار خان صاحب چکڑالوی، رئیس المناظرین حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی نور اللہ مراقدھم نظر آئے۔ اسی طرح یہ بھی ظاہر ہوا کہ کچھ خوش قسمت اکابرین روزانہ نبی اقدس علیہ الف الف تحیۃ وسلام کی زیارت سے مشرف ہوتے ہیں۔ جن میں گذشتہ علماء کے علاوہ علامہ علی شیر حیدری، فقیہ العصر مفتی عبدالستار صاحب، محدث العصر مولانا فیض احمد صاحب، استاذ العلماء مولانا غلام یسین شاکر (استاذ جامعہ خیر المدارس)، استاذ المناظرین علامہ عبدالستار صاحب، امام المحدثین ڈاکٹر شیر علی شاہ صاحب، حضرت مولانا نور احمد قادری تونسوی (ترنڈہ محمد پناہ) امام اہلسنت مولانا سرفراز خان صاحب صفدر، محقق اہلسنت حضرت مولانا مہر محمد میانوالی، امام المحققین حضرت مولانا محمد نافع صاحب شامل ہیں۔

اس دوسرے اجلاس میں صرف دار الفنا سے دار البقا کی طرف رخت سفر باندھنے والے اکابرین شامل ہیں۔ چونکہ استاذ مکرم حضرت مولانا محمد صدیق صاحب اس وقت حیات تھے اس لئے شامل نہ تھے۔ اب شامل ہو چکے ہیں۔

تیسرا اجلاس محدثین کا ہے اس کی سرداری حضرت الشیخ استاذ مکرم کو عطا کر دی گئی تھی اسی سال نومبر کے کسی جمعہ کو بندہ کے دل میں تڑپ تھی کہ حضرت استاذ کو خود حاضر ہو کر یہ بشارت سنا دوں۔ چنانچہ ذات حق کے فضل وکرم سے ۱۵ ربیع الاول ۱۴۲۷ھ کو بندہ بعد عصر حاضر خدمت ہوا جوں ہی باتیں شروع ہوئیں خود ہی فرمایا کہ بھائی ہم تو محاسبہ والے ہیں آپ مراقبہ والے۔ محاسبہ کہتے ہیں اپنے اعمال پر نظر کرنا اور مراقبہ کہتے ہیں اوپر عالم بالا کے احوال کو دیکھنا بتاؤ بھائی آپ کیا کیا دیکھتے ہو، حالانکہ اس سے قبل کئی ملاقاتیں استاذ مکرم سے ہو چکی تھیں مگر کبھی اس طرح انبساط سے سوال نہ

فرمایا تھا۔ بندہ نے پھر بہت کچھ بتایا اور اس عظیم مقام کی خبر بھی دی۔ آپ پر انکساری وتواضع کا غلبہ تھا فرمانے لگے بھائی رائی (دیکھنے والے) کا کمال ہوتا ہے نہ کہ مرئی (جس کو دیکھا جائے) کا کمال۔ بعد عصر تا عشاء حضرت سے مجلس رہی۔ آہ کیا معلوم تھا کہ رئیس المحدثین کی یہ آخری ملاقات ہے۔ حالانکہ بندہ آج سے تقریباً پونے پانچ سال قبل آپ نبی اقدس علیہ الف الف تحیۃ وسلام کا پیغام دے چکا تھا کہ آپ نے سلام دیا کہ صدیق کو میرا سلام دینا اور کہنا کہ پانچ سال تک آپکو ہم اپنے پاس بلالیں گے۔

بندہ کا ربیع الاول میں زیارت کیلئے حاضر ہونا اس خطرہ کے پیش نظر تھا مگر تعیین وقت ذات حق ہی کو معلوم تھا۔ ورنہ شاید اور بہت کچھ عرض کر دیتا اور دعا لے لیتا واحسرتاواحسرتا۔

ایک دفعہ آج سے پانچ سال قبل بندہ کو استاذ محترم فرمانے لگے کہ خیر المدارس کے ایک استاذ کا ذھن ہے کہ وہ مجدد ہے کیا آپ نے ایسا کچھ دیکھا۔ فقیر نے عرض کیا ایسا کچھ نظر نہیں آیا، ذات حق جل شانہ وفات سے کچھ روز قبل اور نبی اقدس نے کئی بار سلام بھیجا۔

آپکے جنازہ پر بھی عجیب وغریب کیفیات نظر آئیں۔ آپکا جنازہ آسمانوں میں بھی پڑھا گیا جسمیں تمام محدثین، اولیاء وحضرات انبیاء علیھم السلام کی ارواح مبارکہ نے شرکت فرمائی۔ اور خود نبی اقدس ودیگر انبیاء علیھم الف الف تحیۃ وسلام نے آپکی روح مبارکہ کو جنت الفردوس میں پہنچایا۔

بندہ یہی کہنے پر مجبور ہے کہ آپ خیر المدارس کے خیر الاساتذہ ہی نہیں بلکہ خیر المحدثین بھی تھے۔

۴ جمادی الثانی ۱۴۲۹ھ کو رات بوقت فجر خواب میں دیکھا کہ استاذ مکرم شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد صدیق صاحب بندہ کو فرماتے ہیں کہ میں تجھے اپنی واسکٹ فروخت کرنا چاہتا ہوں۔ بندہ بہت خوش ہے کہ استاذ محترم کی واسکٹ مل رہی ہے۔ پھر بندہ کے دل میں خیال آتا ہے کہ کوئی اور اس کی زیادہ قیمت دیکر نہ خرید لے۔ پھر دل میں خیال آتا ہے کہ حضرت پیسوں کی لالچ میں تھوڑا ہی اسے فروخت کر رہے ہیں وہ تو مجھے اس لئے دے رہے ہیں کہ میں ان کا خادم ہوں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سفر سندھ اور صحابی رسول حضرت عمرو بن عبسہؓ

(از۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔مولانا محمود عالم صفدر اوکاڑوی)

مجھے سندھ جانے کا اتفاق گذشتہ سال صفر کے مہینے میں ہوا۔ سندھ کے شہر خیر پور میرس میں شیر اسلام حضرت مولانا علامہ علی شیر حیدری کا مدرسہ جامعہ حیدریہ کافی عرصہ سے قائم شدہ ہے۔ جس میں گذشتہ سال اپریل میں ایک سانحہ پیش آیا جس کے نتیجے میں مولانا حیدری کے والد صاحب جام شہادت نوش فرما گئے تھے۔ ماہنامہ الہدیٰ اس پر مفصل رپورٹ شائع کر چکا ہے۔ جامعہ حیدریہ میں گذشتہ سال سے ان علماء کیلئے جو درس نظامی کا کورس مکمل کر لیتے ہیں ان کیلئے "تخصص فی الدعوۃ والتحقیق" (اسے "پی ایچ ڈی ان حدیث" کہہ لیں) کے عنوان سے ایک سالہ کورس کا آغاز ہوا ہے۔ جس میں حدیث، اصول حدیث، اصول مناظرہ، وغیرہ کی تعلیم دی جاتی ہے۔ وقت کے لحاظ سے یہ کورس نہایت اہمیت کا حامل ہے لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اس قسم کا تخصص بندہ کی ناقص معلومات کے مطابق پاکستان میں صرف دو جگہ پر ہو رہا ہے۔ (۱) جامعہ خیر المدارس ملتان (۲) جامعہ حیدریہ خیر پور میرس سندھ۔ جامعہ خیر المدارس میں تخصص کا یہ کورس تقریباً ۱۹۹۳ء سے شروع ہے۔ اس شعبہ کے پہلے رئیس اور سرپرست سلطان المتکلمین، رئیس المناظرین حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی نور اللہ مرقدہ تھے۔ وہ ۲۰۰۰ء تک زندگی کی آخری سانس تک اس تخصص کے رئیس رہے، ان کی وفات کے بعد ان کے برادر اصغر مناظر اسلام حضرت اقدس مولانا مفتی محمد انور صاحب اوکاڑوی اس کے رئیس اور سربراہ ہیں۔ حضرت اوکاڑویؒ کے تلامذہ افریقہ، برطانیہ، سعودیہ، بنگلہ دیش، پاکستان میں احقاق حق اور ابطال باطل کا فریضہ احسن انجام دے رہے ہیں۔ جامعہ حیدریہ کے سرپرست اور مہتمم علامہ حیدری مدظلہ بھی حضرت اوکاڑویؒ کے خصوصی اور محبوب

ترین تلامذہ میں سے ہیں۔انہوں نے گزشتہ سال اپنے جامعہ میں اس تخصص کی بنیاد رکھی۔

جب آدمی سندھ کا نام سنتا ہے تو مختلف خیالات بادل بن کر انسانی ذہن پر چھا جاتے ہیں۔کئی تاریخی واقعات دل کی تاروں کو حرکت دیتے نظر آتے ہیں۔تاریخ کے سفینے میں لکھے سینکڑوں واقعات سنہری لباس سے آراستہ و پیراستہ گردش کرتے نظر آتے ہیں۔آدمی یک دم تحیر و تفکر کی وادیوں میں کھو جاتا ہے کہ کسے چھیڑے اور کسے چھوڑے۔ہر واقعہ سامنے کھڑا یہ صدا لگاتا نظر آتا ہے کہ مجھے زینت قرطاس بنایا جائے میں مضمون میں لکھنے کے زیادہ لائق ہوں۔بندہ جب پہلی مرتبہ خیر پور گیا تو احباب نے بتایا کہ سکھر سے شکار پور جاتے ہوئے سڑک کے کنارے محبوب گوٹھ واقع ہے۔اس میں صحابی رسول حضرت عمرو بن عبسہؓ کی قبر کی زیارت کے شوق میں سکھر سے ہوتے ہوئے محبوب گوٹھ جا پہنچے۔یہ بندہ کا کسی صحابی کی قبر کی زیارت کیلئے دوسرا سفر تھا۔اس سے قبل کابل میں صحابہ کرامؓ کی قبور کی زیارت سے لطف اندوز ہو چکا تھا۔قبل اس کے کہ ہم آگے چلیں یہاں رک کر کیوں نہ ان صحابہ اور تابعین کے اسمائے گرامی سے اپنی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچا لیں جو آج سے تیرہ چودہ صدیاں قبل ایمان کی شمعیں اپنے قلوب میں فیروزاں کئے ہوئے کوہساروں، لالہ زاروں، آبشاروں، پہاڑوں، ریگستانوں کوانتوں، خچروں اور گھوڑوں پر کراس کرتے ہوئے کابل کی اس وادی میں پہنچے اور اس اہم علاقے کو آمنہ کے در یتیم کی غلامی میں دے کر وہیں ہمیشہ کے لئے سو گئے۔آئے کہاں سے تھے۔۔۔۔پیدا کہاں ہوئے تھے۔۔۔۔مگر ان صحابہ کی قبریں کہاں ہیں! افغانستان کو محمد ﷺ کی غلامی میں ایسا دیا اب وہ کسی کی غلامی ہی برداشت نہیں کرتے۔۔۔۔یہ محمد ﷺ کے کوہستانی غلام ایک صدی سے دو سپر پاوروں کو شکست دے چکے ہیں۔اب اکیسویں صدی میں ایک اور سپر پاور اپنی ٹانگ یہاں پھنسا چکا ہے۔یہ کوہسار اس کے لئے بھی انشاء اللہ ریچھ کا کمبل ثابت ہوں گے۔یہاں مدفون صحابہ اور تابعین کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

(۱) حضرت عبداللہ بن احنف بن قیسؓ (۲) ابن عباد عم رسول ﷺ (۳) قاسم بن عبداللہ بن ابی بکرؓ (خلیفہ اول صدیق اکبرؓ کے پوتے) (۴) عبداللہ بن عقیل

(۵) عبدالرحمن بن عمرو بن عاصؓ (۶) زبیر بن خدریؓ (۷) جعفر بن سعیدؓ (۸) سعد بن عمر (۹) حارثہ بن ابن تیاح (۱۰) ابوبکر بن معاذ انصاریؓ (۱۱) ابن مالک (۱۲) فضیل (۱۳) قمس بن صمیرہ (۱۴) ولید بن عقبہ (۱۵) خالد بن عبادہ (۱۶) مسلم (۱۷) ابن غزال (۱۸) ہاشم (۱۹) سعید (۲۰) ابن معاذ (۲۱) سعید انصاری (۲۲) بلال (۲۳) اسد (۲۴) ابن سفیہ (۳۱) اسد (۳۲) ابوسعید (۳۳) ابن معاذ (۳۴) عبداللہ (۳۵) خامی (۳۶) عبداللہ بن عقیل (۳۷) ہاشم بن کرز (۳۸) مالک انصاری (۳۹) محمد بن خدری (۴۰) احمد بن حامد (۴۱) عبداللہ بن جرار (۴۲) خطبہ (۴۳) عبدالرحمن (۴۴) عمر انصاری (۴۵) عبداللہ بن خثیم (۴۶) تمیم (۴۷) جنید انصاری

کابل میں ایک مجاہد نے یہ نام لکھے ہوئے اسی طرح ۱۹۹۷ء میں دیئے تھے۔ بندہ نے کاپی میں نقل کر لئے تھے۔ معلوم ایسے ہوتا ہے انہیں سے بعض صحابہ ہیں اور بعض تابعین۔ غالب گمان یہی ہے کہ جن کے آگے رضی اللہ عنہ لکھا ہوا ہے وہ صحابی ہوں گے، باقی اس کی تحقیق کہ کون صحابی، کون تابعی یہ ایک جان جوکھوں کا کام ہے۔ عدم فرصت اس کیلئے مانع ہے۔ خیر بات چل رہی تھی خیر پور کی، وہاں محبوب گوٹھ پہنچے تو قبرستان کے قریب مدرسہ ہے "مدرسہ عمرو بن عبسہؓ"۔ وہاں گئے، کچھ قراء حضرات بیٹھے تھے، جب احباب نے تعارف کروایا تو وہ عدم علم کی بنا پر اکرام نہ کرنے پر معذرت کرنے لگے۔ بندہ کی نظر مقصود کی طرف تھی۔ چنانچہ وہ ہمیں لے کر ایک قدیمی قبرستان میں داخل ہو گئے۔ ایک قبر پر لے جا کر راہبر نے بتایا کہ یہ ہے حضرت عمرو بن عبسہؓ کی قبر۔ راہبر مولانا عبدالہادی صاحب مدرسہ عمرو بن عبسہؓ کے مہتمم تھے۔ انہوں نے بتایا کہ حضرت لاہوریؒ، حضرت حاجی عبدالوہاب صاحب اور بھی بڑے بڑے اللہ والے یہاں مراقبہ کرتے رہے ہیں، ان کے کشوف سے اس کی تائید ہوتی ہے کہ یہ قبر واقعی حضرت عمرو بن عبسہؓ کی ہے۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ شیخ ہاشم سندھیؒ نے بھی کسی اپنے قلمی نسخے میں یہ لکھا ہے کہ سندھ میں صحابی کی قبر ہے۔ البتہ انہوں نے نہ جگہ لکھی نہ نام۔ علاقہ میں متوارث یہی ہے کہ یہ صحابی کی قبر ہے۔ انہوں نے یہ

بھی بتایا کہ یہاں الحمدللہ کبھی شرک نہیں ہوا، نہ کسی بدعتی کو یہاں ڈیرہ جمانے دیا گیا ہے۔ انہوں نے یہ بھی بتلایا کہ کچھ عرصہ قبل یہاں اس قبر کے مشرقی جانب ایک اور قبر کی کھدائی کی جارہی تھی تو ایک صحیح سالم لاش برآمد ہوئی، کفن بھی صاف تھا اور لاش صدیوں پرانی معلوم ہوتی تھی۔ اس کی پیشانی پر پسینہ تھا جس کی خوشبو اردگرد پھیل چکی تھی۔ محمد احمد نامی آدمی نے اپنے ہاتھ سے اس پسینہ کو صاف کیا تو چھ ماہ تک اس کے ہاتھ سے خوشبو آتی رہی۔ ممکن ہو یہ بھی صحابی ہوں یا تابعی۔ اہلسنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے اجسام محفوظ ہیں، وہ قبروں میں زندہ ہیں، نمازیں پڑھتے ہیں جیسا کہ خود رسول اقدس ﷺ نے فرمایا "الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون" ایک روایت میں ہے "ان اللہ حرم علی الارض ان یاکل اجساد الانبیاء" (اللہ نے زمین پر حرام کردیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے اجسام کو کھائے) علمائے کرام نے اس میں شہداء و مؤذنین کو بھی داخل کیا ہے کہ ان کے اجسام بھی محفوظ رہتے ہیں۔

خیر ہم وہاں سے واپس لوٹے تو ذہن میں یہ داعیہ پیدا ہوا کہ حضرت عمرو بن عبسہؓ کے حالات پر تحقیق کرکے اوران کی مرویات جمع کرکے عوام الناس کیلئے ترجمہ کرکے ایک مضمون شائع کردیا جائے چنانچہ احادیث کی تلاش شروع ہوئی۔ بندہ کے عم زادہ محمد مسلم فاروقی صاحب نے احادیث تلاش کردیں، تخصص کے طلباء نے حالات تلاش کئے، جب تہذیب التہذیب کو دیکھا تو یہ جان کر حیرت ہوئی کہ وہاں لکھا تھا "وقال الحاکم ابو احمد نزل الشام و قال غیرہ مات بحمص" (اور حاکم ابواحمد کہتے ہیں یہ یعنی عمرو بن عبسہؓ شام چلے گئے تھے اوران کے علاوہ کسی نے کہا وہ حمص میں فوت ہوئے) الاصابہ میں بھی یہی لکھا ہے "یقال انہ مات بحمص" (کہا گیا ہے کہ وہ حمص میں فوت ہوئے) اگرچہ قال غیرہ، یہ غیر معلوم نہیں اور یقال بھی مجہول کا صیغہ ہے۔ اگران دونوں کو وزن نہ دیں پھر تو شاید یہ بات درست ہو کہ محبوب گوٹھ والی قبر حضرت عمرو بن عبسہؓ کی ہی ہے۔ اگر دیکھا جائے تو حضرت لاہوریؒ جیسے اہل کشف حضرات کے کشوف بھی اسکی تائید کرتے ہیں۔ بہرحال کسی پر یہ لازم نہیں کہ وہ ضرور مانے کہ یہ قبر حضرت عمرو بن عبسہؓ کی ہی

ہے، البتہ یہ بات یقینی ہے کہ قبر صحابی کی ہی ہے اور اس علاقہ والے نبی اقدس ﷺ کی اس حدیث کی بشارت کے مستحق ہیں کہ جو پیران پیر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ غنیۃ الطالبین میں نقل ہے۔ شیخ لکھتے ہیں۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال :من مات من اصحابی بارض جعل شفیعا لاھل تلک الارض

"نبی اقدس ﷺ نے فرمایا: میرے صحابہ میں سے جو بھی جس زمین میں فوت ہوگا اس زمین والوں کیلئے اسے سفارشی بنایا جائے گا۔" (ص ۱۶۴،ج ۱،مطبوعہ دارالکتاب العلمیہ بیروت)

ہم نے جو محنت کی کر چکے ہیں، اس لئے آئندہ صفحات میں حضرت عمرو بن عبسہؓ کا تذکرہ اور ان کی روایات کا ترجمہ پیش کریں گے۔ لیکن اس سے قبل کچھ اور باتیں بھی کرنی ہیں۔

سندھ کو باب السلام کہا جاتا ہے۔ اس لئے کہ ہندوستان میں اسلام سندھ کے راستہ سے داخل ہوا۔ حق تعالیٰ جل شانہ نے انسانوں کی ہدایت کیلئے حضرات انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ جاری فرمایا، سب سے پہلے نبی ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام تھے اور سب سے آخری نبی سید الرسل خاتم الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ ﷺ تھے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر سیدنا عیسیٰ بن مریم علیہما السلام تک جتنے صاحب شریعت نبی آئے ان کی شریعتوں کی مثال موسمی پھولوں کی سی تھی۔ جیسے گرمی کے موسم کا پھول گرمی میں تو خوب بہار دکھلاتا ہے لیکن سردی میں کملا جاتا ہے اور ختم ہو کر سردی کے موسم کے پھول کیلئے جگہ خالی کر دیا ہے۔ ہاں رسول اقدس ﷺ کی شریعت سدا بہار پھول کی حیثیت رکھتی ہے۔ ہر موسم ہر ملک اور ہر دور میں اس کی حیثیت بڑھتی ہی رہی ہے۔ اس کی چمک دمک باغ و بہار میں اضافہ ہی ہوتا رہا ہے۔ اس شریعت کا نور نئے نئے علاقوں میں پوری آب و تاب کے ساتھ پھیلتا ہی چلا جائے گا۔ یہاں تک کہ یہ ہر کچے اور پکے گھر میں داخل ہو جائے۔ جب بھی اسے بجھانے کی کوشش ہوئی تو یہ شعر حرف بحرف صادق آیا

نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن

پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

شریعت محمدی یہ ہی وہ پھول ہے جس کی قسمت میں کملانا اور مرجھانا نہیں

ندانم آں گل خنداں چہ رنگ و بو دارد

کہ مرغ ہر چمنے گفتگوئے او دارد

اسی طرح پہلے انبیاء علیہم السلام ایک ایک قوم یا ایک ایک علاقے کے نبی تھے مگر آنحضرت ﷺ کو عالم گیر نبوت سے نواز کر رحمۃ اللعالمین بنا کر بھیجا گیا۔ گویا پہلے انبیاء علیہم السلام کی مثال چراغ کی سی تھی جو ایک گلی یا ایک محلے کو تو روشن کر سکتے ہیں لیکن ساری دنیا کو آفتاب عالمتاب ہی روشن کر سکتا ہے۔ چنانچہ اس آفتاب کے طلوع کے بعد نہ تو رات کے چراغ کی ضرورت باقی رہی نہ زبور کی لالٹین کی اور نہ ہی انجیل کی روشنی کی۔

رات محفل میں ہر اک ماہ پارہ گرم لاف تھا

صبح دم خورشید جو نکلا تو مطلع صاف تھا

چونکہ آپ ﷺ کا دین عالمگیر تھا اس لئے آپ نے قیصر و کسریٰ کو خطوط لکھے۔ روم، شام اور یمن وغیرہ کی فتح کی پیشین گوئیاں فرمائیں اور وہ پوری ہوئیں اسی طرح آپ ﷺ نے یہ پیشین گوئی بھی فرمائی "یکون ھذہ الامۃ بعث الی السند و الھند" (مسند احمد ص ۳۶۹ ج ۲)

یہ امت سندھ اور ہند پر حملہ کرے گی۔ چنانچہ ۹۲ھ میں محمد بن قاسم ثقفیؒ کی سرکردگی میں اسلامی فوج سندھ پر حملہ آور ہوئی اور ۹۵ھ تک یعنی نبی اقدس ﷺ کے اس دنیا سے پردہ فرما جانے کے تقریباً ۸۴ سال بعد سندھ فتح ہو چکا تھا، اس زمانہ میں صحابہ کرام کثرت سے موجود تھے اس لئے کہ صحابہ کرام کا زمانہ ۱۲۰ھ تک ہے جبکہ تابعین کا زمانہ ۱۷۰ھ تک اور تبع تابعین کا زمانہ ۲۲۰ھ تک ہے۔ یہ تینوں زمانے وہ ہیں جن کے بارے میں لسان نبوت خیریت کی شہادت دے چکی ہے۔ سب سے آخری صحابہ جو آخر میں فوت ہوئے ابو الطفیل عامر بن واثلہ ہیں سب سے آخری تابعی خلف بن خلیفہ ہیں۔

سبحان اللہ! کیا ہی فرزندان اسلام کی تحقیق تھی۔ آفرین ہے محدثین وائمہ فن اسماء الرجال کی تلاش و جستجو پر، یہ فقط اسلام کا معجزہ ہے ورنہ اگر مطالعہ کیا جائے تو دوسرے مذاہب عالم میں اس کا کروڑواں حصہ بھی نہیں ملتا۔

رسول اقدس ﷺ نے فرمایا:

عصابتان من امتی احرزھما اللہ من النار عصابۃ تغزو الھند و عصابۃ تکون مع عیسیٰ بن مریم۔ مسند احمد ص ۲۲۹ ج ۲، نسائی ص ۶۳ ج ۲)

"میری امت کے دو گروہوں کو اللہ تعالیٰ نے آگ سے محفوظ فرمایا، ایک گروہ جو ہند پر جہاد کرے گا دوسرا جو عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہوگا۔"

چنانچہ اس پیشین گوئی کے مطابق ۳۹۲ھ میں سلطان محمود غزنویؒ نے ہندوستان کو فتح کیا اور یہاں اسلامی سلطنت قائم فرمائی۔ جس طرح ان علاقوں کو فاتحین اسلام نے فتح کیا لوگوں کے قلوب کو مسخر کرنے کیلئے اولیاء اللہ کی ایک بہت بڑی جماعت سندھ اور ہند کی طرف متوجہ ہوئی۔

محمد بن قاسمؒ نے ملتان تک کا علاقہ فتح کیا۔ آج بھی ملتان میں ایک جگہ قاسم بیلہ کے نام سے مشہور ہے، شنید یہی ہے کہ محمد بن قاسم کی افواج نے پڑاؤ اس جگہ۔۔۔۔۔۔ جبکہ یہاں جنگل ڈالا تھا۔۔۔۔۔۔ یہاں آج بھی حضرت شیخ بہاء الدین زکریا آرام فرما ہیں۔

لاہور کی طرف سید حسین زنجانیؒ اور سید علی ہجویری المعروف داتا گنج بخشؒ متوجہ ہوئے۔ سید علی ہجویریؒ (۴۲۵ھ) اس دن لاہور پہنچے جس دن حضرت سید حسین زنجانیؒ کا جنازہ تیار تھا۔ وہ اپنے لاہور تشریف لانے کی وجہ خود تحریر فرماتے ہیں کہ "میں کہ علی بن عثمان جلابی ہوں اللہ تعالیٰ مجھے توفیق خیر دے، شام کے شہر دمشق میں حضور اکرم ﷺ کے مؤذن حضرت بلالؓ کی قبر کے سرہانے سو رہا تھا، خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ میں مکہ معظمہ میں ہوں اور پیغمبر ﷺ باب بنی شیبہ سے ایک پیر مرد (بوڑھے) کو اپنی گود میں لئے اس حال میں اندر تشریف لا رہے ہیں کہ جس طرح بچوں کو پیار سے گود میں اٹھاتے ہیں۔ میں دوڑ کر حاضر ہوا اور آپ ﷺ کے ہاتھ پاؤں کو بوسہ دینے لگا

اور تعجب میں تھا کہ یہ کون صاحب ہیں اور یہ کیا حالت ہے۔ آنحضرت ﷺ پر میرا اندرونی اندیشہ منکشف ہو گیا اور فرمایا یہ ابوحنیفہ ہیں جو تمہارے بھی امام ہیں اور تمہارے اہل مسلک کے بھی امام ہیں۔ مجھے اس خواب سے اپنے بارے میں بھی بڑی امید ہے اور اپنے اہل ملک کے بارے میں بھی (چنانچہ یہ امید پوری ہوئی اور یہ ملک حنفیت کا گہوارہ بن گیا) سندھ میں بھی اہل اللہ کا تسلسل جاری رہا ہے۔ سلسلہ قادریہ کی مشہور گدیاں وہاں ہیں، وہاں سید العارفین حضرت حافظ محمد صدیق صاحبؒ (بھرچونڈی والے) مولانا نا تاج محمود امروٹیؒ، مولانا رشد اللہ صاحبؒ جیسے باکمال لوگ گزرے ہیں۔ مولانا تاج محمود امروٹیؒ حضرت لاہوریؒ کے بھی شیخ و مرشد تھے۔ حضرت لاہوریؒ مولانا تاج محمود امروٹیؒ اور خلیفہ غلام محمد صاحب دین پوریؒ کے متعلق فرمایا کرتے تھے۔ "یہ دونوں حضرات قطب وقت تھے"۔

یہاں رک کر چند سطور سندھ کے علماء اولیاء کے بارے میں لکھنے کو دل چاہتا ہے۔

ایک قدیم سندھی عالم کا کلمہ حکمت:

امام ابونصر فتح بن عبداللہ سندھیؒ دوسری صدی ہجری کے ان علماء میں سے ہیں جو سندھی نژزاد تھے اور سندھ میں مسلمانوں کے داخلے کے بعد مشرف بہ اسلام ہوئے تھے اور مسلمان ہونے کے بعد تفسیر، حدیث، فقہ اور کلام کے مسلّم عالم مانے گئے۔ علامہ صمعانیؒ نے ان کا یہ واقعہ سند کے ساتھ نقل کیا ہے۔

عبداللہ بن حسین کہتے ہیں کہ ایک روز ہم ابونصر سندھی کے ساتھ ڈھول اور کیچڑ میں اٹی ہوئی زمین پر چلے جارہے تھے، ان کے بہت سے معتقدین بھی ساتھ تھے۔ ہم نے دیکھا کہ ایک عرب شہزادہ مدہوشی کی حالت میں زمین پر خاک اور کیچڑ میں لت پت پڑا ہے، اس نے ہماری طرف نظر اٹھا کر دیکھا تو ابونصرؒ نے منہ قریب کر کے اس کو سونگھا، اسکے منہ سے شراب کی بدبو آرہی تھی۔ شہزادے نے ابونصرؒ سے کہا:

"او غلام! میں جس حالت میں پڑا ہوں تم دیکھ رہے ہو لیکن تم ہو کہ اطمینان سے چلے جارہے ہو اور

اتنے سارے لوگ تمہارے پیچھے پیچھے ہیں؟"

ابونصرؒ نے بے باکی سے جواب دیا:

"شہزادے! جانتے ہو اس کی کیا وجہ ہے؟ بات یہ ہے کہ میں نے تمہارے آباؤ اجداد (صحابہؓ و تابعینؒ) کی پیروی شروع کر دی ہے اور تم میرے آباؤ اجداد (کافروں) کے نقش قدم پر چل پڑے ہو۔" (الانساب للسمعانی ورق ۳۱۳ ومعجم البلدان ص ۲۶۷ ج ۳ ماخوذ از فقہائے ہند مرتبہ محمد اسحاق بھٹی ص ۸۱،۸۰ ج ۱)

مولائے اسلام دیبلیؒ راجہ داہر کے دربار میں:

محمد بن قاسمؒ ۹۳ھ میں سندھ آئے اور ان سے ملاقات کرتے ہی بعض لوگ حلقہ اسلام میں داخل ہو گئے ان میں سے ایک صاحب مولائے اسلام تھے جن کو تاریخ میں "مولائے اسلامی" مولائے دیبلی اور مولائے اسلام دیبلی کے مختلف ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ محمد بن قاسمؒ کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے، نہایت ذہین اور سمجھدار تھے، معلوم ہوتا ہے کہ یہ پہلے سے پڑھے لکھے تھے اور راجہ داہر کے سرکاری حلقوں میں معروف۔ انہوں نے اسلامی تعلیم بہت جلد حاصل کر لی جس کی وجہ سے محمد بن قاسمؒ کے نزدیک بھی قابل اعتماد سمجھے جانے لگے۔ عربی زبان پر بھی انہوں نے بہت تھوڑے عرصے میں عبور حاصل کر لیا تھا۔ چچ نامہ کی روایت کے مطابق جب محمد بن قاسمؒ نے وادی سندھ میں قدم رکھا اور حالات کا جائزہ لیا تو اپنے ایک شامی مشیر کو قاصد کی حیثیت سے داہر کے پاس بھیجا اور ترجمان کے طور پر "مولائے اسلام" کو ان کے ساتھ روانہ کیا۔ یہ راجہ داہر کے پاس پہنچے تو مروجہ درباری آداب بجالائے بغیر اور راجہ کو سر جھکا کر سلام کئے بغیر بیٹھ گئے۔

راجہ داہر مولائے اسلام کو جانتا تھا، لیکن اسے یہ معلوم نہ تھا کہ وہ مسلمان ہو چکے ہیں چنانچہ اس نے سلام و کورنش کے تقاضے پورے نہ کرنے کی وضاحت طلب کرتے ہوئے پوچھا:

"تم نے درباری قواعد و آداب کیوں پورے نہیں کئے؟ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمہیں کسی نے اس سے زبردستی روک دیا ہے؟"

مولائے اسلام نے جواب دیا: "میں اس وقت تمہارے مذہب میں داخل تھا، لہذا ۔۔۔۔۔
درباری نوعیت کے آداب نیز و بندگی پر عمل کرنا مجھ پر واجب تھا لیکن اب میں اسلام کی عزت
حاصل کر چکا ہوں اور میرا تعلق بادشاہ اسلام سے قائم ہو چکا ہے۔ اب کسی کافر کے آگے سر جھکانا
میرے لئے ضروری نہیں۔"

راجہ داہر کو اس جواب کی توقع نہ تھی، وہ غضب ناک ہو کر بولا:

اگر تو قاصد نہ ہوتا میں تجھے اتنی سزا دیتا کہ لوگ تجھے موت کے گھاٹ اتار دیتے۔

مولائے اسلام نے اطمینان سے جواب دیا: "اگر تو مجھے قتل بھی کرا دے تو اس سے عربوں کو کوئی
نقصان نہ پہنچے گا۔ میرے خون کا انتقام لینے والے موجود ہیں جن کا ہاتھ تیرے دامن تک ہر حال
میں پہنچ کر رہے گا۔" (چچ نامہ ص ۱۳۶، ۱۳۷ ماخوذ از فقہائے ہند ص ۶۳ تا ۶۵ ج ۱)

ہندوستان آنے والے صحابہ:

باب تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان میں رسول اکرم ﷺ کے پچیس صحابہ کرام تشریف
لائے ہیں۔ بارہ حضرت عمرؓ کے عہد میں، پانچ حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں، تین حضرت علیؓ
کے زمانے میں، چار حضرت معاویہؓ کے دور حکومت میں اور ایک یزید بن معاویہؓ کے زمانہ میں۔
ان میں مخضرمین بھی ہیں اور مدرکین بھی، مخضرمین سے مراد وہ حضرات ہیں جنہوں نے زمانہ
جاہلیت بھی پایا اور زمانہ اسلام بھی لیکن آپ ﷺ کی زیارت نہ کر سکے اور مدرکین وہ ہیں جنہوں
نے صرف حضور ﷺ کا زمانہ پایا ہو لیکن زیارت نہ کی ہو۔ (ماخوذ از فقہائے ہند ص ۱۰، ۱۱ ج ۱)

سندھ کے ایک گمنام عالم اور مفسر:

ابو محمد حسن بن عمرو بن حمویہ بن حرام بن حمویہ نجیدی کہتے ہیں کہ میں ۲۸۸ھ میں سندھ کے مشہور شہر
منصورہ میں مقیم تھا کہ وہاں کے بعض ثقہ لوگوں نے مجھے بتایا کہ ۲۷۰ھ میں عبداللہ بن عمر ھباری
سندھ کا والی مقرر ہوا، اس کا دارالسلطنت منصورہ تھا۔ ۲۷۰ھ ہی میں سندھ کے ایک شہر اَرور
(غالباً یہ روہڑی کا قدیم نام ہے) کے ہندو راجہ نے (جس کا نام مہروک ابن رائک تھا) منصورہ

کے حاکم عبداللہ بن عمر ہباری سے درخواست کی کہ اس کو سندھی زبان میں مذہب اسلام کی بنیادی تعلیم سے متعلق معلومات قلم بند کر کے بھیجی جائیں۔ عبداللہ بن عمر ہباری نے ایک شخص کو بلایا جو اصلاً عراق کا باشندہ تھا، مگر اس کی پرورش اور تعلیم و تربیت منصورہ میں ہوئی تھی۔ وہ نہایت ذہین اور سمجھدار آدمی تھا، اور اس ملک کی متعدد زبانوں سے واقفیت رکھتا تھا۔ عبداللہ نے اسکے سامنے راجہ کی خواہش بیان کی۔ چنانچہ اس عالم نے ایک قصیدہ تیار کیا اور اس میں تمام اسلامی تعلیمات بیان کیں۔ عبداللہ نے یہ قصیدہ راجہ مہروک کے پاس بھیج دیا۔ راجہ نے یہ قصیدہ سنا تو بہت خوش ہوا اور عبداللہ سے اس شاعر اور عالم کو اپنے دربار میں بھیجنے کی درخواست کی۔ عبداللہ نے اس کو بھیج دیا۔ وہ تین سال وہاں مقیم رہا اور اس اثناء میں راجہ اس سے بہت خوش رہا۔

۲۷۳ھ میں وہ عالم والی سندھ عبداللہ سے ملا۔ عبداللہ نے اس سے راجہ کے متعلق کچھ سوالات کئے تو اس نے بتایا کہ جس وقت میں وہاں سے چلا ہوں، اس وقت وہ صدق دل سے اسلام قبول کر چکا تھا لیکن حکومت چھن جانے کے خوف سے اس کا اظہار نہیں کرتا تھا۔

اس عالم نے راجہ سے متعلق بہت سے واقعات بیان کئے اور بتایا کہ راجہ نے اس سے سندھی زبان میں قرآن مجید کی تفسیر لکھنے کی فرمائش کی۔ وہ روزانہ چند آیات کی تفسیر کر کے اس کو سناتا جاتا، جب وہ سورۃ یٰسین کی اس آیت پر پہنچا "من یحی العظام وھی رمیم" (یعنی وہ کافر کہتا ہے کہ گلی سڑی ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا؟) اور اس کا ترجمہ سنایا اور تفسیر بیان کی تو راجہ اس وقت جواہرات سے مرصع سونے کے تخت پر بیٹھا تھا۔ اس نے کہا "ایک دفعہ پھر اس کی تفسیر بیان کرو" ایک دفعہ پھر اس کی تفسیر بیان کرو"۔ چنانچہ دوبارہ تفسیر بیان کی گئی تو وہ فوراً تخت سے نیچے اترا اور چند قدم چل کر پیشانی زمین پر رکھ دی۔ حالانکہ زمین پر پانی چھڑکا ہوا تھا اور وہ بہت تر ہو چکی تھی۔ راجہ اس قدر رویا کہ اس کے رخساروں پر مٹی جم گئی۔ پھر اس نے سر اٹھایا اور کہا: "بے شک یہی رب ہے جو ازلی اور ابدی ہے"۔ اس کے بعد اس نے ایک مکان تیار کرایا جہاں وہ تنہائی میں روزانہ خدا کی عبادت کرتا اور وقت پر نماز پڑھتا تھا، مگر لوگوں پر یہ ظاہر کرتا کہ وہ تنہائی میں سلطنت کے اہم معاملات پر غور کرتا

ہے۔ (عجائب الہند، بزرگ بن شہریار (مع فرانسیسی ترجمہ) ص ۲ تا ۴، طبع ۱۸۸۶ء، منقول از فقہائے ہند، محمد اسحاق بھٹی ص ۸۹ تا ۹۱)

چھوٹے میاں! سبحان اللہ

(از ـــــ مولانا محمود عالم صفدر اوکاڑوی)

حق جل شانہ نے ہر دور میں اہل باطل کی تلبیسات و اکاذیب کا بھانڈا راستے میں پھوڑنے کے لئے مسلک حقہ کو رجال کار عطا فرمائے ہیں، انہی رجال امت میں سے رئیس المناظرین، فاتح غیر مقلدین، حجۃ اللہ فی الارض حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑویؒ کی ذات قدسیہ والاصفات بھی تھی۔ آپ نے باطل کے تمام گروہوں اور فرقوں کو پے در پے شکستیں دے کر حق کے جھنڈے کو بلند کیا۔ آپ کا روئے سخن اگرچہ ہر قسم کے باطل کی طرف ہوتا تھا مگر خاص کر آپ جب تک عالم دنیا میں رونق افروز رہے اس وقت تک تو کسی باطل کی جرات آپ کے سامنے آنے کی نہ ہوتی تھی جب آپ مسلک حقہ اہل السنت والجماعت کی وکالت اور دفاع کی ذمہ داری پوری کر کے عالم آخرت کے سفر پر روانہ ہو گئے تو کچھ اہل بدعت نے سر اٹھانا شروع کیا۔ فتنہ غیر مقلدیت کے ایک "کذاب" قسم کا نام نہاد "محقق" نے حضرتؒ پر کیچڑ اچھالنا شروع کیا اور دجل وتلبیس، قطع و برید سے کام لے کر آپ کو متہم بالکذب کرنے کی ناکام جسارت کی، برادر مکرم محقق وقت امام فن اسماء الرجال علامہ عبدالغفار ذہبی زید مجدہ العالی نے سہ ماہی مجلہ "قافلہ حق" میں اس کے سو (۱۰۰) جھوٹ لکھ کر اس کا علمی پندار خاک میں ملا دیا اور آج تک سکوت مرگ طاری ہے، انشاء اللہ تا قیامت طاری رہے گا۔ زبیر علی زئی کے بعد اس کے ایک شاگرد یا ہم ذہن زبیر صادق آبادی نے سستی شہرت حاصل کرنے کیلئے امام المحدثین حضرت اوکاڑویؒ کے بارے میں یہ باور کرانے کے لیے کہ آپ معاذ اللہ دو رخ رکھتے تھے ایک مضمون لکھا "ماسٹر امین کی دو رخی" ہمیں پہلے سے جو یقین

تھا کہ غیر مقلدین میں انصاف نام کی کوئی چیز نہیں ہے اور ان کا اوڑھنا، بچھونا جھوٹ، کذب وفراڈ ہے۔ اس مضمون کو دیکھ کر اس کا یقین مزید پختہ ہو گیا۔

زبیر صادق آبادی نے اپنے علامہ کے نام کا پاس بھی نہ کیا۔ رئیس المناظرین غیر مقلدین کے معروف مصنف جس کی نماز پر ان کے چھوٹوں اور بڑوں کو ناز ہے اس میں ان کے جھوٹ ثابت کرنے کے بعد فرمایا کرتے تھے جن کے "صادق" کا یہ حال ہے ان کے "کاذب آبادی" کا کیا حال ہوگا؟؟؟

بندہ کہتا ہے جن کے "صادق آبادی" کا یہ حال ہے ان کے "کاذب آبادی" کا کیا حال ہوگا؟؟؟

قیاس کن از بہار مراخزاں مرا

زبیر نے بندہ کے بارے میں لکھا ہے۔ "ماسٹر امین نے اپنے ایک بھتیجے محمد محمود عالم صفدر کی تربیت کی وہ بھی ماسٹر امین کی بولی بولنے لگا ہے اور اس نے بھی اہل حدیث کے خلاف ایسی گندی زبان استعمال کی ہے جس کو یہاں نقل تو نہیں کیا جاسکتا البتہ تفصیل کے لیے دیکھئے۔ (فتوحات صفدر ج ۳ ص ۱۵۲ حاشیہ الحدیث شمارہ ۶۴ ص ۱۹)

بندہ بحمد اللہ رئیس المناظرین کی خدمت عالی میں تقریباً پانچ سال رہا ہے چونکہ اس وقت چھوٹی کتابیں پڑھتا تھا اس وجہ سے حضرتؒ سے تخصص کے اسباق تو نہ پڑھ سکا البتہ بعد عصر وعشاء وغیرہ آپ سے استفادہ کا موقع ملتا رہا۔ آج جو دین کی خدمت ہو رہی ہے، یہ اسی کا فیض ہے۔

چھوٹے میاں نے "فتوحات صفدر" کا حوالہ نقل نہیں کیا اس لئے کہ وہ بخوبی جانتا تھا اگر میں نے ساری عبارت نقل کر دی تو تمام ارباب عقل ودانش کا بیک زبان یہی فیصلہ ہوگا کہ اس میں تو کوئی گندی زبان نہیں ہے نیز وہ عبارت میری بھی نہیں ہے بلکہ معروف عالم دین شیخ الحدیث حضرت مولانا فضل الرحمن دھرم کوٹی مازالت شموس فیوضه بازغة علینا کی ہے۔ محقق اور مدقق عالم دین ہیں صاحب کشف وکرامات بزرگ ہیں آپ نے ایک رسالہ اہل حدیث یا شیعہ لکھا اس وقت خطرہ تھا کہ رسالہ نایاب نہ ہو جائے بندہ نے آپکی اجازت سے اسے فتوحات صفدر کی جلد سوم

کے حاشیہ میں نقل کر دیا۔ اب الحمد اللہ "اتحاد اہل السنۃ" کی طرف سے چھپ کر تقریباً چار ایڈیشن اس کے ختم ہو چکے ہیں۔

قارئین سے التماس ہے کہ اس رسالہ کا ضرور مطالعہ فرمائیں۔ حضرت نے اس میں فرمایا۔ "قاضی شوکانی زیدی شیعہ تھا اور اس کی پارٹی نیم شیعہ۔" محدث پانی پتی لکھتے ہیں "اور اقوال شوکانی قاضی زیدیہ کے نقل کرتے ہیں۔" (کشف الحجاب ص ۱۱)

"ویجب اکفار الزیدیۃ کلھم فی قولھم بانتظار نبی من العجم ینسخ دین نبینا سیدنا محمد ﷺ" (فتاویٰ عالمگیر ص ۲۲۸۳)

یعنی تمام زیدی شیعوں کو کافر قرار دینا واجب ہے ان کے اس قول کی وجہ سے کہ عجم میں سے ایک نبی اٹھے جو ہمارے نبی سیدنا حضرت محمد ﷺ کے دین کو منسوخ کر دے گا۔ جماعت غیر مقلدین کا بانی زیدی شیعہ کا شاگرد تھا اور خود بھی شیعہ ہو گیا تھا اور زیدی شیعہ کو کافر کہنا واجب ہے لہذا جماعت غیر مقلدین کو اہل حق میں سے کیسے کہا جا سکتا ہے؟؟؟؟ نہ ہی ان کو اہل السنۃ سمجھا جا سکتا ہے کیونکہ یہ خود اہل السنۃ کہلوانا ناپسند نہیں کرتے، ورنہ یہ اپنا نام اہل حدیث نہ رکھتے اس لیے ان کو نرم سے نرم الفاظ میں شیعہ یا چھوٹے رافضی کہہ سکتے ہیں ورنہ بقول قاری عبدالرحمن محدث ان کا کفر شیعوں سے کہیں بڑھا ہوا ہے۔

چھوٹے میاں نے یہ بھی نہ بتایا کہ یہ عبارت فتاویٰ عالمگیری کی ہے اس کی عبارت پر پانچ صد (۵۰۰) جید علماء کا اجماع ہے۔ چھوٹے میاں نے قاری عبدالرحمن پانی پتی جو کہ ثقہ، صدوق، متقن اور محدث تھے ان پر جھوٹا ہونے کی جرح نقل کر دی اور نقل بھی بڑے میاں سے کی۔

کھڑک سنگھ کے کھڑکنے سے کھڑکتی ہیں کھڑکیاں
کھڑکیوں کے کھڑکنے سے کھڑکتا ہے کھڑک سنگھ

حالانکہ بڑے میاں خود کذاب و دجال ہونے کے ساتھ ساتھ بدعتی اور اہل سنت سے خارج ہو کر فرقوں والی حدیث کی رو سے فرقہ اہل نار میں داخل ہیں۔ بڑے میاں اور چھوٹے میں سے ہم پوچھتے ہیں کہ

آپ کے ہاں کذاب ہونے کا معیار کیا ہے؟ ایک صد جھوٹ کا باوجود اگر بڑے میاں کذاب نہیں بنے بلکہ صدوق رہتے ہیں تو پھر شاید دنیا میں کذاب کی جرح کسی پر نہ ہو سکے چھوٹے میاں اگر بڑے میاں کے سو جھوٹوں کو محقق العصر علامہ ذھبی نے بیان کیا ہے۔ ان کا جواب دے لیتے تو بہتر تھا کیوں کہ بڑے میاں پر تو عاجز ہونے کی وجہ سے سکوت مرگ طاری ہے، چھوٹے میاں نے یہ بھی لکھا کہ " محمود صفدر نے ماسٹر امین کے مناظروں کو قطع و برید کے ساتھ شائع کیا۔"

اس میں چھوٹے میں کا قصور نہیں ہے عربی کا مشہور مقولہ ہے" المرء یقیس علی نفسہ."
(آدمی اپنے اوپر دوسروں کو قیاس کرتا ہے) بندہ کے پاس ان تمام شائع شدہ مناظروں کی کیسٹیں موجود ہیں اور ان سے بعینہ نقل کیے ہیں، چھوٹے میاں سرگودھا آ کر تسلی فرما سکتے ہیں۔

جناب نے اعتراض کیا ہے کہ شمشاد سلفی سے مناظروں میں حضرت اوکاڑوی نے کہا کہ سب سے پہلے دلیل قرآن سے ہو پھر حدیث سے اور چتروڑی سے مناظرہ کرتے وقت کہا کہ سب سے پہلے حدیث پیش کرنی چاہیے۔

استاذ العلماء رئیس الاولیاء مناظر اہلسنت حضرت مولانا خیر محمد جالندھری فرمایا کرتے تھے کہ پاکستان بننے کے بعد سکھوں کو تو عقل آ گئی ہے مگر غیر مقلدین کو نہیں آئی چھوٹے میاں اس تحریر کو پڑھ کر یہ بات بندہ کے لیے حق الیقین ہی نہیں بلکہ عین الیقین کی درجہ تک پہنچ گئی ہے" قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید" مولانا نے درست فرمایا تھا اگر قرآن پاک کی تفسیر واضح احادیث صحیحہ فرما رہی ہوں تو قرآن سے استدلال فہم سامع کے لیے مفید ہوگا اور اگر قرآن پاک کی تفسیر، واضح احادیث سے نہ ثابت ہو تو بجائے اس کے کہ تفسیر بالرائے کر کے خوارج کی طرح گمراہی ہی کا راستہ ہموار کرے اور "ضلوا فاضلوا" کا مصداق بنے، تو استدلال احادیث سے شروع کرنا چاہیے اور مجتہد کے لیے ترتیب یہ ہے کہ وہ جب بھی کسی مسئلہ میں تحقیق شروع کرے تو سب سے پہلے یہ دیکھے کہ کیا اس مسئلہ پر اجماع منعقد ہو چکا اگر اجماع نہ ہو تو پھر کتاب اللہ اور پھر سنت رسول اللہ ﷺ کی طرف نظر کرے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے بندہ کی کتاب " تسکین الاذکیاء فی حیات

الانبیاء" ص ۲۳۳ رئیس المناظرین حضرت اوکاڑوی نے پروفیسر عبداللہ بہاولپوری غیر مقلد سے کہا تھا کہ دلائل پہلے قرآن سے پیش کرو اس لیے کہ اس مسئلہ میں بحمد اللہ احناف کی ساتھ قرآن ہے حضرت نے آیت مبارکہ " وذا قری القرآن باسعمعوا له وانصتو العلكم ترحمون" پیش فرما کر تقریباً ۴ صحابہ اور ۱۸ تابعین سے اس کی تفسیر پیش فرمائی تھی۔

احمد سعید ملتانی غیر مقلد مماتی نے خوارج کے طریق پر چل کر قرآن سے اپنی ناقص فہم سے ناقص استدلال پیش کرنے تھے رئیس المناظرین نے اس کے غلط استدلال کا ناطقہ بند کرنے کے لیے احادیث واضحہ سے گفتگو شروع فرمائی خلیفہ راشد سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے فرمان کو پیش فرمایا کہ وہ خوارج کا ناطقہ بند کرنے کے لیے ایک اہم حیثیت کا حامل ہے۔ قصور اس میں رئیس المناظرین کا ہے یا چھوٹے میاں کی عقل کا؟

حدیث معاذ بن جبلؓ چھوٹے میاں نے حدیث معاذ بن جبلؓ کو بھی ضعیف اور مردود کہا ہے حالانکہ اس حدیث کو تلقی بالقبول کا شرف حاصل ہے۔

چھوٹے میاں نے دوسرے اعتراض میں کہا ہے کہ شمشاد سلفی غیر مقلد کو اوکاڑوی نے یہ کہا کہ کتاب القراۃ کی آخری پناہ گاہ ہے اور یہ چھوٹی سی کتاب ہے اور حیات انبیاء کے مناظرے میں امام بیہقی کی چھوٹی سی کتاب "جز حیاب انبیاء" سے استدلال کیا تو چتروڑی نے اعتراض کیا تو جواب دیا کہ امام بیہقی نے اپنی اسناد سے احادیث نقل کی ہیں کتاب کے چھوٹے بڑے ہونا کا سوال نہیں۔

چھوٹے میاں کا یہ اعتراض بھی اس کی کم فہمی کی دلیل ہے چھوٹے میاں کی جماعت دن رات لوگوں کے سامنے بخاری بخاری کا نعرہ لگاتی ہے اور بخاری کا لعرہ لگا کر احادیث کی دوسری کتب کی عظمت کم کرتی ہے زیادہ سے زیادہ صحاح ستہ کی شرط لگا دیتی ہے لیکن جب قرات خلف الامام کا مسئلے پہ گفتگو کی باری آتی ہے تو غیر مقلدین کا ساتھ جب صحاح ستہ چھوڑ جاتی ہے تو ان کی آخری پناہ گاہ کتاب القرات بیہقی ہوتی ہے اس پہ بھی ان کو ویار پڑتی ہے کہ "خدا کی پناہ"

عبداللہ بہالوپوری غیر مقلد اور شمشاد غیر مقلد سے مناظرے کی کیسٹیں شاہد جین بندو کے پاس

موجود ہیں۔ منگوا کر سنی جا سکتی ہیں یہ تو ان کا دعوے پر پکڑ کے لیے حضرت نے فرمایا تھا ہمارا دعویٰ نہ بخاری کا ہے نہ صحاح ستہ کا جیسا کہ ہماری کتب اصول میں موجود ہیں۔

چھوٹے میاں کا تیسرا اعتراض انتہائی دجل وتلبیس پر مبنی ہے کہتے ہیں کہ اوکاڑوی نے کہا کہ امام شافعی کی تقلید نہیں کرتا پھر یہ کہا کہ ہم اہلحدیث بھی امام شافعی کی تقلید نہیں کرتے۔ یہ کہ کر چھوٹے میاں خوشی سے پھولے نہیں سماتے کہ امام شافعی کی تقلید نہ کرنے میں ہم غیر مقلدین اور اوکاڑوی برابر ہیں۔ چھوٹے میاں کے علم میں یہ موٹی سی بات بھی نہ آئی کہ حضرت اوکاڑوی کے برابر چھوٹے میاں اور اس کی پارٹی تب ہوتی جب اوکاڑوی بھی چھوٹے میاں اینڈ کمپنی غیر مقلدین کی طرح کسی کی تقلید نہ کرتے جبکہ حضرت اوکاڑویؒ تو سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ جیسے امام الفقہاء کے مقلد ہیں چھوٹے میاں کو حضرت اوکاڑوی کی برابری کا شوق تو ہے مگر۔۔۔۔

چھوٹے میاں نے یہ بھی طعنہ دیا کہ اوکاڑوی کے نزدیک اگر کوئی کسی کی تقلید نہ کرے اور پھر اس کی کتاب کا حوالہ دے تو گویا وہ اس کی چوکھٹ پر چلا گیا۔ اب چھوٹے میاں یہ بات کہ کر کہ اوکاڑوی نے بیہقی کا حوالہ پیش کیا گویا اس کی چوکھٹ پر گیا۔ آپے سے باہر ہو رہے ہیں کہ میں نے بہت بڑا تیر مار لیا ہے چھوٹے میاں کا یہ تیر مار کر اپنے آپ کو تیر انداز سمجھنا انتہائی کج فہمی کا شاخسانہ ہے اور اس اندھے کی مثال سے بھی بدتر ہے کہ جس کا تیر نشانہ پر جا لگا تو وہ چھوٹے میاں کی طرح اپنے آپ کو تیر انداز سمجھنے لگا اس لیے کہ اس کا ایک تیر نشانہ پر لگا تو تھا اگرچہ تکے سے اور چھوٹو میں کا تو تیر لگا بھی نہیں ہے۔

چھوٹو میاں کو معلوم نہیں یہ بات کیوں سمجھ میں نہ آئی کہ اجماعی مسائل سب کے ہاں متفق ہوتے ہیں اور وہاں سب ایک دوسرے کے حوالے لیتے ہیں رئیس المناظرین حضرت اوکاڑوی نے مسئلہ حیات انبیاء میں بیہقی کا حوالہ لیا یہ اہلسنت کا اجماعی متفق علی مسئلہ ہے۔ اس کا منکر اہل السنت والجماعت سے خارج ہو کر بدعتی اور گمراہ ہے۔ اسی کا حوالہ بیہقی سے لینا اسی کو چوکھٹ پر جانا نہیں۔ خود چھوٹے میں کے بڑے میاں نے امام اہل السنۃ ابوالحسن الاشعری کے حوالہ سے حیات عیسیٰ علیہ وعلی نبینا الف

الف تحیہ وسلام پر استدلال کیا ہے۔ (دیکھئے الحدیث شمارہ ۶۵ ص ۴۰)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

لمحوں نے خطا کی

از ابو محمد

آج سے تقریباً چھ سو دس سال قبل 20 جولائی 1402ء بمطابق ۱۶ ذی الحجہ ۸۰۵ھ کو انگورہ کے میدان میں تاریخ کا المناک ترین حادثہ پیش آیا۔ وہ کیا تھا؟ کہ اس دن یہاں دو مسلمان تاجدار جن میں سے ہر ایک اپنی اپنی جگہ پر عظیم فاتح اور سپہ سالار تھا۔ مسلمانوں کی شامت اعمال کے سبب آپس میں ٹکرا گئے تھے۔ ان میں سے ایک مشرق کا فاتح تھا دوسرا مغرب کا۔ ایک کی عظیم الشان سلطنت مشرق میں قائم تھی اور دوسرے نے مغرب میں اپنی فتوحات کے پرچم گاڑ رکھے تھے۔ اگر یہ دونوں آپس میں اتحاد کر لیتے تو بآسانی ساری دنیا پر اسلامی پرچم لہرایا جا سکتا تھا۔ ان دونوں مسلمانوں کو یہ سنہری موقع میسر تھا کہ وہ پورے کرہ ارض پر دین اسلام کو غالب کر سکتے تھے۔ انمیں سے ایک یورپ میں شاندار فتوحات کی یلغار کرتا ہوا آسٹریا، ہنگری، سوئزرلینڈ، جرمنی اور فرانس کو روندکر انگلستان پہنچنا چاہتا تھا۔ جنگ کسووہ میں فتح کے بعد اسکے غازیوں کیلئے ہنگری راستے میں پڑے پتھر کی مانند ہو گیا تھا جسے وہ جب چاہتے ایک ٹھوکر سے اپنی سلطنت میں شامل کر لیتے۔ یورپ میں ہنگری کے بعد روند ہی کیا جاتا ہے۔ سوئزرلینڈ، فرانس اور پھر آگے اسپین جہاں پہلے ہی سے مسلمانوں کی حکومت تھی۔ اس طرح یورپ کے مشرق و مغرب سے مسلمان اسے روندکر فتح کر لیتے اور بعد کی صدیوں میں یورپی استعمار کے ہاتھوں محکومیت کی اس ذلت سے مسلمان محفوظ رہ سکتے تھے جس کے اثرات آج تک باقی ہیں۔ یہ عظیم فاتح سلطان بایزید یلدرم تھا، اسے یلدرم (آسمانی بجلی) کا خطاب خود اسکے جہاندیدہ والد نے دیا تھا۔ یورپ کے حکمران اس کی

بہادری، بے خوفی، عسکری مہارت اور تدبیر منصوبہ بندی سے اس قدر سہمے رہتے تھے کہ انہیں اپنا مستقبل اس کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے وابستہ دکھائی دیتا۔ دوسری طرف مشرق کا نامور سپہ سالار تھا جس کے تلوار کے سامنے اپنے پرائے کی مجال نہ تھی۔ وہ وسطی ایشیا کو اپنی سلطنت میں شامل کر کے ہندوستان پر حملہ آور ہو چکا تھا۔ اس کی آزمودہ کار فوج کے سامنے سارا ہندوستان تھالی میں رکھی ککڑی کا جر سے زیادہ اہمیت نہ رکھتا تھا۔ وہ چاہتا تو مشرق کی طرف بڑھ نکلتا اور پورے چین کو اسلامی مملکت میں شامل کر کے بحیرہ جاپان تک جا پہنچتا اور آج کے صنعتی ترقی کے مراکز کوریا، جاپان، تائیوان، فلپائن اور سارا مشرق بعید اس کی تلوار تلے ہوتا۔ اس وقت کی معلوم دنیا بس اتنی ہی تھی۔ مشرق اور مغرب کی ان آخری حدوں پر اسلام کا پرچم بلند ہونے کے بعد ان براعظموں کو بھی اسلام کی روشنی نصیب ہوتی جو بعد میں دریافت ہوئے مثلاً امریکا اور آسٹریلیا۔ یہ فاتح امیر تیمور لنگ تھا۔ جو جفاکشی سفاکی اور خون ریزی میں اپنے جدِ اعلیٰ چنگیز خان سے مشابہ تھا۔ چنگیز خان اسلام کا دشمن یہ اسلام کا مدعی تھا مگر عملاً دونوں اس اعتبار سے یکساں رہے کہ دونوں کی تلوار عمر بھر مسلمانوں کا خون بہاتی رہی۔ چنگیز کے ہاتھوں سلطنت بغداد کا چراغ گل ہوا اور تیمور نے یورپ میں وہ شمع روشن نہ ہونے دی جس کی کرنیں آج امریکا اور آسٹریلیا کو منور کر رہی ہوتیں۔ ہوا یوں کہ بایزید یلدرم یورپ کو فتح کر کے اسلام کا جھنڈا بلند کرنا چاہتا تھا۔ جب قیصر قسطنطنیہ نے بھانپ لیا کہ اب بایزید کی تلوار سے یورپ نہیں بچ سکتا اس نے امیر تیمور کو دعوت دی کہ اگر دنیا کا فاتح کہلوانا ہے تو پہلے بایزید پر فتح حاصل کرو۔ امیر تیمور نفس کو قابو نہ رکھ سکا حب جاہ غالب آ گئی۔ نتیجتاً امیر تیمور پانچ لاکھ کا لشکر لیکر انگورہ کے میدان میں بایزید سے ٹکرا گیا بایزید کے پاس ایک لاکھ بیس ہزار کی فوج تھی۔ قصہ مختصر جب 20 جولائی 1402ء کا سورج غروب ہوا تو امیر تیمور فتح پا چکا تھا مگر حقیقت میں دونوں ہار گئے تھے اور نفس کا شکار ہو گئے تھے۔ اگر نہ ہوتے تو آج دنیا کا نقشہ کچھ اور ہوتا۔ "لمحوں نے خطا کی صدیوں نے سزا پائی" والا مقولہ اس موقع پر صادق آتا ہے۔ ایسا موقع سیدنا علیؓ و معاویہؓ پر بھی آیا تھا جب روم کے بادشاہ نے حضرت معاویہ کو علی کے خلاف حملہ کی

دعوت دی تو حضرت معاویہ نے فرمایا اگر تو نے علی پر حملہ کیا تو سب سے پہلے جو سردار تجھ پر حملہ آور ہوگا معاویہ ہوگا۔ یہ آقائے دو جہاں کی صحبت کی برکت تھی۔ مگر تیمور کو علماء اور مشائخ کی صحبت نصیب نہ تھی وہ اپنے نفس کے سفلی تقاضوں پر قابو نہ رکھ سکا۔ ورنہ آج اسلام دنیا پر غالب ہوتا۔ ہمیں بھی چاہیے کہ مشائخ کی صحبت کو غنیمت سمجھیں اور نفوس کا تزکیہ کر لیں وہ نہ ہو کہ کوئی نقصان کر بیٹھیں اور خبر بھی نہ ہو۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سلطان ٹیپو شہیدؒ

سولہویں صدی عیسوی کے اواخر میں ایک خاندان مکہ مکرمہ سے تلاش معاش کے سلسلہ میں چلتا ہے بغداد ایران افغانستان سے ہوتا ہوا پنجاب پہنچا۔ وہاں قیام کیا۔ جس کی وجہ سے ان پر پنجابی اثرات غالب آ گئے۔ پھر چلتا چلاتا یہ خاندان میسور کے قریب آ کر آباد ہو گیا۔ اس وقت خدائے لایزل کے علاوہ کس کو خبر تھی کہ اسی خاندان سے ٹیپو سلطان جیسا امت مسلمہ کا عظیم سپوت قابل فخر مجاہد عظیم المرتبت بادشاہ پیدا ہونے والا ہے۔ اس خاندان سے حیدر علی کی ولادت ۱۱۳۴ھ بمطابق 1722ء کو ہوئی۔ حیدر علی کا محبوب ترین مشغلہ شکار کھیلنا اور گھوڑ سواری و سپاہ گری تھی۔ اس مشغلہ نے آگے چل کر اسے سرینگا پٹنم کی فوج کی کمان تک پہنچا دیا۔ اسی حیدر علی کے ہاں ۲۰ ذوالحجہ ۱۱۶۳ھ بمطابق ۲۰ نومبر ۱۷۵۰ء کو ایک بچہ کی ولادت ہوئی جو بعد میں سلطان ٹیپو کے نام سے آسمان شہرت پر پہنچا۔ بچے کی ولادت کیا مبارک تھی کہ حیدر علی کی قسمت کا ستارہ چمک اٹھا۔ چنانچہ دو سال کی مدت میں ہی حیدر علی سپہ سالار کے عہدے تک پہنچ گیا۔ پھر گیارہ سال کے محدود عرصے میں وہ سلطنت کا بادشاہ بن گیا۔ حیدر علی خود تو ناخواندہ تھا مگر اپنے بیٹے کی تعلیم کا خوب بندوبست کیا۔ چنانچہ ماہرین اساتذہ سے علم دنیا ہی نہیں علم دین بھی سلطان کا مقدر بن گیا۔ حیدر علی نے بچپن سے ہی ٹیپو کو جنگوں میں ساتھ رکھا۔ اور پندرہ سال کی عمر میں ٹیپو کو تین ہزار سپاہیوں کے ایک دستہ کی کمان دیکر بھیجا۔ ٹیپو اس مہم میں کامیاب رہا جس سے باپ کا اعتماد اور بڑھ گیا۔ جب ٹیپو تعلیم

سے فارغ ہو گیا تو حیدر علی اس کی شادی کرنا چاہتا تھا۔ مگر جنگی مصروفیات کے سبب تاخیر ہو گئی۔ جب شادی کا وقت قریب آیا تو حیدر علی جس لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ان کی گھر والی دوسری کے حق میں تھی۔ نتیجتاً ٹیپو اپنے والدین میں سے ہر ایک کی ناراضگی و دل شکنی سے بچنے کے لیے ان کی منتخب دونوں لڑکیوں سے بیک وقت شادی پر راضی ہو گیا اور ۱۷۷۴ء میں ایک ہی رات میں ایک گھنٹہ کے وقفہ سے دونوں سے ٹیپو کا نکاح عمل میں آیا۔ ۱۷۸۱ء کے لگ بھگ حیدر علی کچھ دن بیمار رہ کر داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔ اور جس عظیم سلطنت کی بنیاد اس نے رکھی تھی اس کی ذمہ داری سلطان ٹیپو پر آ گئی۔ چنانچہ ۲ محرم ۱۱۹۶ھ بمطابق ۲۷ دسمبر ۱۷۸۲ء کو سلطان نے باضابطہ اقتدار سنبھالا۔ سلطان کو جو سلطنت باپ سے ملی وہ رقبہ کے لحاظ سے ۸۰ ہزار مربع میل پر مشتمل تھی۔ حیدر علی کی وفات کے وقت سرکاری خزانہ میں باوجود مسلسل جنگوں کے تین کروڑ روپے نقدی کے علاوہ سونے چاندی کے ڈھیر مختلف ہیرے جواہرات وغیرہ بھی تھے۔ ۲ لاکھ ۸۰ ہزار فوج و پولیس، ۶۰ ہزار گھوڑے جن میں نصف عربی نسل کے تھے۔ ۶ ہزار اونٹ نو سو ہاتھی، ۲ لاکھ سے زائد تلواریں، ۲۲ ہزار توپیں، ۶ لاکھ بندوقیں اور بے شمار چھوٹے بڑے ہتھیار اور گولہ بارود تھا۔ آبادی ستر لاکھ نفوس پر مشتمل تھی۔

سلطان ٹیپو دو رکعت نفل پڑھ کر اللہ کے دربار سے سلطنت کو سنبھالنے کی دعا مانگی۔ اللہ نے سلطان کو جہاد ہی کیلئے پیدا فرمایا تھا۔ اس لیے آپ کی طبیعت انتہائی غیور واقع ہوئی تھی۔

آپ ہندوستان پر بڑھتی ہوئی انگریز کی ریشہ دوانیوں سے پریشان تھے۔ آپ کی حساس و غیور طبیعت سمجھتی تھی کہ انگریز اسلام اور ہندوستان دونوں کے دشمن ہیں۔ اگر ان کا راستہ نہ روکا گیا تو اسلام اور ہندوستان کا ایسا نقصان ہو سکتا ہے جس کا خمیازہ صدیوں تک آنے والی نسلوں کو بھگتنا پڑے گا۔ چنانچہ سلطان نے انگریزوں کیخلاف مرہٹوں اور نظام حیدر آباد کو بھی ساتھ ملانے کی کوشش کی۔ مگر انہوں نے ساتھ نہ دیا۔ سلطان نے ترکی خلافت کو بھی مدد کے لیے پکارا کہ آ ؤ مل کر اسلام کے اس دشمن کا راستہ روکیں۔ مگر افسوس کہ وہاں سے بھی سوائے دعاؤں کے کچھ نہ ملا۔ اس

لیے کہ خلافت عثمانیہ اپنی پوری تاریخ کے نازک ترین دور پر کھڑی تھی۔ عالمی سطح پر دو حریف اقوام فرانسیسوں اور انگریزوں میں سے ہر ایک کی یہ کوشش چل رہی تھی کہ وہ سیاسی میدان میں ترکی کو اپنا حلیف بنائیں۔ انگریزوں کے ساتھ ترکی اتحاد کرنا چاہتا تھا۔ تا کہ روس کے خطرات سے بچا جا سکے۔ لیکن اس قومی اتحاد کی آڑ میں برطانیہ کے ترکی کے خلاف اپنے دل میں کیا خطرناک عزائم پوشیدہ رکھتے ہیں اس کو ترکی خلیفہ سلطان سلیم نہیں سمجھ رہا تھا۔ لیکن ہزاروں میل دور اس کا ایک ہم مذہب حکمران بھائی سلطان ٹیپو کو سیاسی بصیرت والی آنکھیں اس کو دیکھ رہی تھیں۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ روس اور آسٹریلیا سے ترکی کو لاحق خطرات ٹلنے کے بعد خود برطانیہ اس کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے سے نہیں ہچکچائے گا۔ ہندوستان پر تو اس کا قبضہ آہستہ آہستہ ہو ہی رہا تھا۔ ترکی پر تسلط کے بعد اس کے قدم دیگر عرب و مسلم ممالک کی طرف بڑھیں گے۔ اس لیے برطانیہ پر فوراً روک لگانا اور مسلم ممالک کا متحد ہو کر ان کا مقابلہ کرنا ٹیپو کے نزدیک از حد ضروری تھا لیکن افسوس کہ اس میں کسی نے سلطان کا ساتھ نہ دیا۔ ادھر انگریزوں نے خفیہ جنگی تیاری شروع کر دی کیونکہ اس سے قبل سلطان تقریباً اکیس جنگیں خود لڑ چکے تھے۔ جن میں سے بعض انگریزوں کے خلاف بھی تھیں۔ انگریز سمجھتا تھا کہ ٹیپو سے مقابلہ مشکل ہے۔ اس لیے اس نے ایک تو یہ کیا کہ جنگ کی تیاری مخفی رکھی دوسرے نمبر پر مرہٹوں اور نظام کو ساتھ ملانے کی کوشش شروع کر دی تیسرے نمبر پر انگریزوں نے غداروں کی تلاش شروع کر دی۔ غداروں کی تلاش کے مشن پر انگریز نے ایک تو ان راجاؤں وغیرہ کو جن کو سلطان نے ان کی سرکشیوں کی وجہ سے بے دخل کر دیا تھا۔ خریدا کہ فتح کی صورت میں تمہارے علاقے واپس کر دیے جائیں گے۔ پھر سلطانی افواج کے بعض افسران کو بھی خرید لیا۔ چنانچہ انگریز ضمیر فروشوں کی خریداری کی مہم سے فارغ ہو کر اپنے اتحادیوں کو ساتھ لے کر جن میں ۷ ہزار کا لشکر ایک، ۲۲ ہزار کا ایک، نو ہزار کا ایک، ۱۰ ہزار ۱۲ ہزار ۲۰ ہزار کے لشکر شامل تھے۔ چنانچہ یہ ایک لاکھ سے زائد لشکر سلطنت خداداد کی اینٹ سے اینٹ بجانے کے لیے چل پڑا۔ چنانچہ انگریزوں نے صلح کے لیے مسودہ پیش کیا۔ ٹیپو ایک باغیرت مجاہد اسلام تھا۔ اس کو کیسے قبول کر سکتا

تھا مگر کچھ مجبوریوں سے قبول کیا۔ اس میں حکمتیں تھیں۔ سلطان نے فوری طور پر اپنے آپ کو مضبوط کیا۔ تقریباً ایک سال کم وبیش دو لاکھ کی متحدہ افواج کا صرف ۴۵/۴۰ ہزار سلطانی افواج کی طرف سے مدافعت کرنا ٹیپو کی کرامت سے کچھ کم نہ تھا۔ اور ایک سال کی جنگوں کے باوجود وہ دارالسلطنت پر قبضہ کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکے۔ سلطان نے فوری طور پر معاہدہ کے بعد اپنے آپ کو مضبوط کرنے کے لیے دوسرے سربراہان مملکت سے رابطے کیے مگر سوائے افغانستان کے تمام اطراف سے مایوسی ہوئی۔ افغانستان میں احمد شاہ ابدالی کے پوتے زمان شاہ نے بھرپور جواب دیا اور فرمایا کہ ہم بہت بڑا لشکر لے کر آپ کی مدد کے لیے آرہے ہیں۔ چنانچہ زمان شاہ ۳۳ ہزار کا لشکر لیکر ٹیپو کی مدد کے روانہ ہوگیا۔ انگریز نے ایران کو افغانستان پر حملہ کے لیے اکسایا نتیجتاً ایران و افغانستان میں جنگ چھڑ گئی اور احمد شاہ ابدالی کا غیور پوتا زمان شاہ سلطان کی امداد کو نہ پہنچ سکا۔ چنانچہ مارچ ۱۷۹۹ء کے آغاز میں انگریز اپنے منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کے لیے دارالسلطنت کے محاصرہ کے لیے چل پڑے۔ چنانچہ مختلف چھوٹی چھوٹی جھڑپوں کے بعد آخری معرکہ کا دن آ پہنچا جس کا نقشہ سلطان کی شہادت تک دل دہلا دینے والی دستان ہے۔ جو ہم مولانا الیاس ندویؒ کے قلم سے پیش کرتے ہیں۔

مولانا فرماتے ہیں۔ ٹیپو کو اسی دوران اطلاع ملی کہ جنرل ہارس کی فوج نظام کے سپاہیوں کے ساتھ مل کر رائے کوٹ اور آنیکل پر قبضہ کرتے ہوئے چنن پٹن کیطرف بڑھ رہی ہے وہ ان کے مقابلہ کے لیے طولی پہنچا۔ جہاں متحدہ افراد کے ساتھ اس کا ایک سخت مقابلہ ہوا۔ آن کی آن میں سلطانی افواج نے دشمنوں پر غلبہ پا لیا انگریزوں کے سینکڑوں سپاہی مارے گئے۔ دشمن مورچہ چھوڑ کر بھاگنے ہی والے تھے کہ سلطانی دستہ میں شامل ملت فروش میر معین الدین نے اپنے سپاہیوں کو دشمن کے توپ خانہ کے سامنے پہنچا دیا اور خود اس نے آڑ میں ہٹ کر پناہ لی۔ نتیجہ ظاہر تھا کہ فاتح فوج بھی دیکھتے ہی دیکھتے خود اپنوں ہی کی سازش سے ڈھیر ہوگئی۔ پھر بھی بچ جانے والے سلطانی سپاہیوں نے جم کر ان کا مقابلہ کیا۔ جب اس معرکہ کی آڑ میں سلطانی فوج کے ایک قابل بہادر اور

مخلص فوجی افسر نواب محمد رضا خان کی دشمن کی گولی لگنے سے شہادت ہوگئی تو ان کی ہمتیں پست ہو گئیں۔نواب محمد رضا خان کے جسد خاکی کو بعد میں پالکی میں ڈال کر دارالسلطنت بھیج دیا گیا۔

دارالسلطنت کا محاصرہ:

ملولی میں جنرل ہارس کی فوج کے ساتھ ایک کامیاب مقابلہ کے بعد ٹیپو واپس سری رنگا پٹنم آ گیا اس لیے کہ اس کو اس کی اطلاع مل چکی تھی کہ متحدہ افواج دارالسلطنت کے قریب پہنچ رہی ہیں اور جنرل فلائڈ کا دستہ بھی جنرل اسٹورٹ کی فوج سے مل کر حملہ کے لیے مغرب کی سمت بڑھ رہا ہے۔ٹیپو نے میر قمر الدین کو ایک دستہ دے کر کورگ روانہ کیا کہ وہ جنرل اسٹورٹ و جنرل فلائڈ کی افواج کو آگے بڑھنے سے روکیں۔لیکن میر قمر الدین اپنے ضمیر کا سودا انگریزوں کے ساتھ پہلے کر چکا تھا اس نے حسب وعدہ ان کی کوئی مزاحمت نہیں کی۔اس طرح یہ دونوں فوجیں بآسانی سری رنگا پٹنم پہنچ گئیں۔اور قلعہ کے سامنے حفاظت کے لیے تعمیر کیے ہوئے مورچوں پر قابض ہو گئیں۔جس کے بعد انہوں نے قلعہ شکن توپیں بھی نصب کیں۔اور محاصرہ مکمل کر لیا۔۳ مئی کو دشمن مغربی جانب سے قلعہ میں شگاف ڈالنے میں کامیاب ہو گئے۔ویلزلی نے میر صادق کے مشورہ سے ۴ مئی کی دوپہر کو قلعہ پر باقاعدہ حملہ کا منصوبہ بنایا۔ٹیپو کو جب اس کی اطلاع ملی کہ دشمن قلعہ میں شگاف ڈالنے میں کامیاب ہو گئے ہیں تو اس نے اس جگہ اپنا ایک مضبوط دستہ اس کی حفاظت و نگرانی کے لیے متعین کر دیا۔اور شگاف کی مرمت اور اصلاح کا فوری حکم بھی دے دیا۔

مصیبت کی گھڑی میں فرانسیسیوں کی احسان شناسی:

دشمن کے دارالسلطنت کے محاصرہ کے بعد ٹیپو کو جب اس بات کا یقین ہو گیا کہ اس کے وزراء و افسران کی ایک بڑی تعداد انگریزوں سے مل گئی ہے اور شہر کا محاصرہ ان کی ملی بھگت ہی سے ممکن ہو سکا ہے تو اس نے اپنے حلیف فرانسیسی افسران سے اس سلسلہ میں مشورہ کیا۔جو اس وقت اس کی فوج میں شامل تھے۔اور ان کے سامنے پوری صورت حال رکھی۔فرانسیسی دستہ کے کمانڈر جنرل موسی سیپو نے ٹیپو سے کہا کہ ان حالات میں آپ کی یہاں موجودگی بالکل مناسب نہیں۔میری رائے ہے کہ

آپ نقدی و جواہرات سمیٹ کر مع اہل و عیال راتوں رات یہاں سے نکل کر چتل دوگ کا رخ کریں۔اور قلعہ کی حفاظت ہم پر چھوڑ دیں۔ہم آپ کی طرف سے انگریزوں سے نمٹ لیں گے اور اگر ہم پر آپ کا اعتماد نہ ہو تو ہمیں انگریزوں کے حوالہ کریں۔اس لیے کہ ہمارے آپ کے ساتھ فوجی تعاون کی وجہ سے ہی وہ آپ کے دشمن ہیں۔ہم جب ان کی گرفت میں ہوں گے تو ان کا جوش ٹھنڈا پڑ جائے گا اور وہ آپ سے صلح کے لیے گفتگو پر آمادہ ہوں گے۔ٹیپو فرانسیسیوں کی وفاداری اور احسان شناسی اور مصیبت کی گھڑی میں ان کے ایثار و جذبہ قربانی سے متاثر ہوا۔اور کہا کہ تم جیسے وفاداروں کو میں دشمن کے حوالہ کیسے کر سکتا ہوں۔مجھے یہ گوارہ ہے کہ میری سلطنت چلی جائے لیکن میں تم کو دشمن کے حوالہ کرنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا۔

ملت فروشوں نے پھر دھوکہ دیا:

راتوں رات شہر سے رائچور کی طرف نکل جانے کے کی فرانسیسیوں کی تجویز کے بارے میں اس نے اپنے وزرا سے مشورہ کیا۔میر صادق کو کب یہ گوارا تھا کہ اس کا منصوبہ دھرا کا دھرا رہ جائے اور سلطان اتنی آسانی سے بچ کر نکل جائے۔اس نے ہمدردانہ لہجے میں عرض کیا کہ اہل فرانس کبھی وفا نہیں کر سکتے۔یہ انگریزوں کی طرح ہی بے وفا ہیں۔جیسے ہی آپ قلعہ کی حفاظت کی ذمہ داری ان کو سونپ کر نکل جائیں گے۔یہ قلعہ بغیر کسی مزاحمت کے انگریزوں کے حوالہ کر دیں گے۔سلطان چونکہ میر صادق کے بارے میں اس غداری سے متعلق سن چکا تھا اس لیے اس کی رائے کو نا قابل اعتبار سمجھ کر اس نے فرانسیسیوں کی تجویز ہی کو ترجیح دی اور اپنے گھر والوں کو چتل روگ بھیجنے کی تیاری شروع کر دی۔اس کے لیے تیز رفتار جانوروں کا دستہ لایا گیا اور ان کے ساتھ جانے کیلئے ایک فوجی دستہ کو بھی تیار رہنے کا حکم دیا گیا۔

بدرالزمان خان کی خیرخواہی یا بدخواہی:

عین اس وقت جب یہ پورا قافلہ رات میں چتل درگ روانہ ہونے والا تھا۔بدرالزمان خان نے ٹیپو کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اگر آپ خود ہی قلعہ سے باہر تشریف لے گئے تو ہماری

پوری جمعیت کا شیرازہ بکھر جائے گا۔ سپاہیوں کی ہمتیں آپ کی میدان جنگ میں غیر موجودگی سے پست ہو جائیں گی اور دشمن قلعہ و شہر پر آسانی کے ساتھ قابض ہو جائیں گے۔ یہ تجویز اس نے کس نیت سے دی تھی۔ یہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ لیکن بات سلطان کی سمجھ میں بھی آ رہی تھی کہ اس کے فرار سے سلطانی افواج پر نفسیاتی اثر پڑے گا کہ سلطان اپنے سپاہیوں کو موت کے منہ میں دے کر خود اپنی جان بچا کر بھاگ گیا۔ حالانکہ وہ تو اپنے سپاہیوں کے ساتھ ہمیشہ شانہ بشانہ لڑتا آیا تھا۔ اس کی بزدلی کے بارے میں کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ بدرالزمان خان کی تجویز کو قبول نہ کرنے کی اس کو کوئی خاص وجہ بھی نظر نہیں آ رہی تھی۔ اس لیے ٹیپو نے اس کو قبول کیا اور آسمان کی طرف دیکھ کر کہا کہ رضا مولیٰ بر ہمہ اولیٰ کہ خدا کی خوشنودی ہر چیز پر مقدم ہے۔ اس کے بعد قافلہ کی روانگی کا ارادہ منسوخ کر دیا گیا۔ البتہ شہزادہ فتح حیدر ایک فوجی دستہ لے کر شہر سے باہر کاری گھاٹ کی پہاڑی پر چلا گیا۔ محل کے زنان خانہ میں شاہی خواتین کو واپس بھیج کر اس کے اردگرد فوراً خندقیں کھود کر اس میں بارود بھر دی گئیں کہ اگر شاہی بیگمات تک پہنچ کر ان کی عصمتوں پر ڈاکہ ڈالنا چاہیں تو حفظ عصمت کے لیے اس زنان خانہ کو پہلے ہی اڑا دیا جائے۔

معرکہ حق و باطل کا فیصلہ کن دن:

۱۷۹۹ء مئی کی چوتھی تاریخ سلطان نے آج بھی حسب معمول نماز فجر مسجد اعلیٰ ہی میں ادا کی نماز کے بعد سلطان پرائیویٹ سیکرٹری میر حبیب اللہ نے عرض کیا کہ وقت کا تقاضا ہے کہ حضور جان عزیز پر رحم فرمائیں اور اپنے شہزادوں کی یتیمی و اسیری کا تصور کریں۔ دوسرے الفاظ میں وہ یہ کہنا چاہتا تھا کہ دشمنوں سے صلح کر لیں۔ سلطان نے جواب دیا کہ ہم سالوں سے اس سلطنت خداداد کو جو ہماری رعایا بالخصوص مسلمانوں کی ملکیت ہے بچانے کی فکر کر رہے ہیں لیکن وزراء و افسران سلطنت ہی در پردہ اس کی تباہی کے درپے ہیں۔ انسان کو صرف ایک دفعہ موت آتی ہے اس سے ڈرنا لاحاصل ہے۔ اس کی کوئی اہمیت نہیں کہ وہ کب آئے اور کہاں آئے۔ میں اپنی ذات کو مع اپنی اولاد کے دین محمدی علی صاحبہا الصلاۃ والسلام پر نثار کرنے کا فیصلہ کر چکا ہوں۔ یہ سن کر میر

حبیب اللہ خاموش ہو گیا۔ ادھر آفتاب معمول کے مطابق طلوع ہو رہا تھا لیکن ادھر سلطان کا نیر اقبال ڈوب رہا تھا آج تاریخ انسانی خودداری و آزادی کا ایک باب ختم کر کے غلامی کا ایک نیا باب شروع کرنے والی تھی۔ سرزمین سری رنگا پٹنم بھی اپنے مالک حقیقی سے گریہ کناں تھی کہ آج سے اس کی پشت پر پاک روحوں کی جگہ ناپاک روحوں کی حکمرانی کا آغاز ہونے والا ہے۔ انگریز اپنے منصوبے کے مطابق اپنی تمام تیاریوں کو پایہ تکمیل تک پہنچا چکے تھے۔ ابلیس لعین اپنے چیلوں کے ذریعے اپنے ناپاک عزائم کو عملی جامہ پہناتے دیکھ کر خوشی سے پھولے نہیں سما رہا تھا۔ قلعہ کے اندر باہر ہر جگہ سازشیں مکمل ہو چکی تھیں۔ ضمیر فروشی و ملت فروشی کا سودا مکمل ہو چکا تھا اور غداران ملک و ملت کی طرف سے سلطان کی تیاریوں کی تمام خبریں بھی پوری تفصیل کے ساتھ ویلزلی کو مل رہی تھی۔ میر صادق اپنے اخوان الشیاطین کے ساتھ مل کر انگریزوں کو قلعہ پر حملہ کا پورا منصوبہ سمجھا چکا تھا۔ اس خبیث ننگ دین و ننگ وطن کی باتوں و وعدوں پر انگریز کے بھروسہ نہ کرنے کی سابقہ تجربات کی روشنی میں کوئی وجہ بھی نہیں تھی۔ انگریزوں کو اس سلسلہ میں خود اپنے سپاہیوں سے زیادہ سلطانی افواج کے ان ضمیر فروشوں پر بھروسہ تھا۔ جو سلطان کی پیٹھ میں پہلے ہی چھرا گھونپ چکے تھے۔ ان ناامیدی و مایوسی کے اس گھٹا ٹوپ اندھیرے میں بھی امید کی ایک شمع ابھی بھی روشن تھی۔ یہ سلطان کے وفادار و جانثار سپاہیوں کا وہ دستہ تھا جس نے اپنے وطن و مذہب کی حفاظت کے لئے آخری دم تک اس کے شانہ بشانہ لڑنے کا اپنے خدا سے عہد کیا تھا۔ ان کے رب نے بھی انکے ارادوں کو ان کی منشا و دعا کے مطابق اب تک غیر متزلزل ہی رکھا تھا۔ وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ ان میں اپنے رب سے ملنے اور جنت میں پہنچنے کا اشتیاق بڑھ ہی رہا تھا۔ یہ سید عبدالغفار کی کمان والی وہ جمعیت تھی جس کے بعض سپاہیوں کے ناموں سے خود سلطان بھی ناواقف تھا۔ لیکن ان کے چہروں کی نورانیت و بشاشت یہ گواہی دے رہی تھی کہ یہ اپنے خون کے آخری قطروں سے ملت و وطن کی ایک سنہری تاریخ لکھنے جا رہے ہیں۔ آج نہ صرف تاریخ اسلامی بلکہ تاریخ انسانی کا ایک اہم حادثہ وقوع پذیر ہونے والا تھا اور وہ وطن کی مکمل صبح آزادی کا خواب دیکھنے والے اس

کے فرزند جلیل کی زندگی کا تقدیر الہیٰ کے مطابق آخری دن بھی تھا۔

نجومی کی پیشنگوئی:

سلطان اپنے معمول کے مطابق نماز فجر اور تلاوت قرآن کے بعد حق و باطل کے اس معرکہ کے لیے اپنی حقیر تیاریوں کا جائزہ لے ہی رہا تھا کہ کچھ نجومی اس کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آج کا دن حضور کے لیے کچھ اچھا معلوم نہیں ہوتا۔ سلطان کو یقین تھا کہ بذات خود دن اور رات میں اللہ نے کوئی خرابی نہیں رکھی ہے۔ جو کچھ اچھا یا برا ہوتا ہے صرف اور صرف اسی کی مرضی سے ہوتا ہے۔ پھر بھی حدیث میں آتا ہے کہ صدقات و خیرات آنے والے مصائب و مشکلات کو ٹالتے ہیں۔ اس لیے اس نے اسی وقت قیمتی ہیرے و جواہرات سے آراستہ ایک خوبصورت ہاتھی مع دو سو روپے نقد خیرات میں دے دیے اس کے علاوہ کچھ بیل، بھینسیں، بکرے اور کپڑے بھی مختلف فقراء و مساکین میں تقسیم کیے گئے۔

قلعہ پر یلغار:

انگریزوں نے ۴ مئی کی صبح کو جنرل بیرڈ کی قیادت میں اپنے منصوبہ کے مطابق مغربی محاذ سے جنوب میں قلعہ کے اس حصہ پر حملہ کر دیا۔ جہاں پہلے ہی شگاف پڑ چکا تھا۔ سلطان کو مصروف رکھنے کے لیے شمال سے بھی یلغار کی گئی۔ جہاں سلطانی محل موجود تھا۔ پہلے سے طے شدہ منصوبہ اور سازش کے مطابق شگاف کی حفاظت پر متعین سلطانی افواج کو میر صادق نے پورنیا سے ملکر تنخواہ کی تقسیم کے بہانے مسجد اعلیٰ کے پاس بھیج دیا تھا۔ جس کے بعد میر معین الدین نے سمجھوتے کے مطابق سفید رومال ہلا کر شگاف کے خالی ہونے کی انگریزوں کو اطلاع دی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس طرف متعین پانچ ہزار انگریز سپاہیوں میں سے صرف ۱۲/۱۳ دشمن کے سپاہی دو دستوں میں بغیر کسی مزاحمت کے فصیل پر چڑھ کر قلعہ میں بآسانی داخل ہو گئے جس کے بعد پوری افواج آرام سے قلعہ میں داخل ہو گئیں۔ خود بعض انگریزوں کا بیان تھا کہ قلعہ پر اس چڑھائی میں ہماری مدد و راہنمائی سلطانی فوج کے ایک سپاہی میر قاسم علی نے کی۔

خوش قسمت سید عبدالغفار:

جنوب میں گنجام باغ سے متصل قلعہ کے شگاف والے حصہ میں انگریزوں کی طرف سے سخت گولہ باری ہو رہی تھی اور تنخواہ کی تقسیم کے بہانے اس کی حفاظت پر متعین سلطانی دستہ کو وہاں سے ہٹا دیا گیا تھا۔ تو سلطان کے وفادار فوجی افسر سید عبدالغفار سے یہ نہ دیکھا گیا۔ وہ دشمن کی پوری چال کو سمجھ گیا۔ پہلے میر صادق نے اس کو یہ کہہ کر وہاں سے ہٹانے کی کوشش کی کہ وہ جا کر سلطان کو دشمن کے حملہ کی اطلاع دے۔ لیکن وہ کچھ ہی دیر میں کچھ دوسرے سپاہیوں کے ہمراہ دوبارہ مزاحمت کے لیے وہاں پہنچ گیا۔ غدار ملت میر معین الدین نے اس سے کہا کہ اب مدافعت فضول ہے۔ ہم لوگ دور ہٹ جائیں قلعہ نہ سہی ہماری جان تو بچ جائے گی۔ یہ سننا تھا کہ سید عبدالغفار کی رگ حمیت پھڑک اٹھی۔ اس نے تو آخری دم تک اپنے وطن کی ایک ایک انچ زمین کی حفاظت کی اپنے رب سے قسم کھائی تھی۔ وہ پسپائی کو کیسے برداشت کر سکتا تھا۔ چنانچہ وہ وہیں جما رہا۔ انگریزوں سے سمجھوتہ کے مطابق گرمی کے بہانے میر معین الدین نے سید عبدالغفار پر ہری چھتری سے سایہ کر دیا۔ جو دراصل انگریزوں کے لیے اس پر حملہ کا اشارہ تھا۔ پھر کیا تھا۔ انگریزی توپ خانہ کا رخ اب قلعہ کے بجائے سید عبدالغفار کی طرف ہو گیا پے در پے کئی گولے اس کو لگے اور دیکھتے ہی دیکھتے اس وفادار سلطان نے جام شہادت نوش کر لیا اس کے بعد ہی کہیں جا کر انگریزی فوج باقاعدہ قلعہ میں داخل ہو سکی۔

سلطان کا شوقِ شہادت و بے قراری:

دوپہر کا وقت تھا۔ سلطان قلعہ کی مختلف فصیلوں کا معائنہ کر کے ایک سایہ دار درخت کے نیچے بیٹھا ہوا تھا کھانا لایا گیا۔ بسم اللہ کہہ کر اس نے اس میں سے پہلا لقمہ لیا ہی تھا کہ ایک سپاہی نے آ کر اطلاع دی کہ سید عبدالغفار شہید ہو گئے ہیں اور انگریزی افواج قلعہ کے اندر داخل ہو گئی۔ سلطان تو قلعہ میں دشمن کی افواج کے داخلہ کا انتظار کر ہی رہا تھا اور اپنی شہادت کے یقین کے ساتھ صبح ہی سے اس کا منتظر تھا۔ اس نے اپنے رفقاء سے کہا کہ لگتا ہے ہم بھی کچھ دیر کے مہمان ہیں۔ یہ کہہ کر

ہاتھ دھوئے بغیر اٹھا۔اپنے طاؤس نامی گھوڑے کو منگوایا۔تلوار سنبھالی دو نالی بندوق تھامی جسم پر قبا تھی۔بغیر کسی توقف کے گھوڑے پر سوار ہوا اور دشمن کی طرف چل پڑا راستہ میں نمک حرام وضمیر فروش وزراء ملے۔اس میں میر صادق بھی تھا۔اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا سلطان نے کہا کہ ایسی بات نہیں کہ ہم تمہاری غداری سے واقف نہیں۔تم اپنی اس بے وفائی کا جلد ہی مزہ چکھو گے۔ تمہاری آئندہ آنے والی نسلیں تمہارے ان سیاہ کارناموں کی نحوست ایک ایک دانہ کی محتاج ہو گی۔میر صادق نے فوراً دشمنوں کو اطلاع بھیجی کہ سلطان محل سے نکل کر فلاں دروازہ کے قریب پہنچ رہا ہے۔ایک روایت کے مطابق سلطان نے اس صبح کو غداروں کی ایک فہرست تیار کر لی تھی جن کو دوسرے دن پھانسی دینی تھی۔اس میں سرفہرست میر صادق کا نام تھا۔اس کی اطلاع میر صادق کو بھی مل چکی تھی۔

خس کم جہاں پاک میر صادق موت کے گھاٹ:

سلطان ٹیپو تیزی سے ڈوڈی دروازہ سے باہر نکلا اور دہلی دروازہ کے پاس پہنچا اور بڑی دیر تک انگریزی افواج کا مقابلہ کرتا رہا۔جب دشمنوں کا ہجوم بڑھتا گیا تو ڈوڈی دروازہ سے واپس شہر میں سلطان نے داخل ہونے کی کوشش کی لیکن میر صادق اس طرف سلطان کو واپس آتا دیکھ کر اس دروازہ کو بند کر کے خود کمک لینے کے بہانے باہر نکل چکا تھا۔سلطان کے کڑپہ کے ایک وفادار سپاہی احمد خان سے اس کی یہ کمینہ حرکت دیکھی نہیں گئی۔اس نے فوراً میر صادق پر یہ کہتے ہوئے وار کیا کہ سلطان کو دشمنوں کے منہ میں دے کر خود کہاں بچ کر جا رہا ہے۔ایک ہی وار میں اس کا سر تن سے جدا ہو گیا۔چار دن تک اسکی لاش اسی جگہ پر سڑتی رہی پورا حلیہ بگڑ گیا تھا بعد میں چند لوگوں نے بدبو سے پریشان ہو کر اس کی لاش کو زمین میں دفن کر دیا۔اس کی قبر کے پاس سے جب بھی کوئی گذرتا تو اس پر ضرور تھوکتا۔غدار میر معین الدین بھی اسی دن ایک خندق میں گر کر مر گیا۔

سلطان کی شہادت کے آخری لمحات:

شہر میں دوبارہ داخل ہونے کے لئے جب سلطان نے ڈوڈی دروازہ کو بند پایا تو شمالی دروازہ

کیطرف بڑھا لیکن معلوم ہوا کہ میر معین الدین کی غداری سے دشمن اس دروازہ کے علاوہ مشرقی و جنوبی فصیل پر بھی قبضہ کر چکے ہیں۔ قلعہ دار سے اس نے دروازہ کھولنے کی درخواست کی لیکن اس بدبخت نے بھی سنی ان سنی کر دی۔ اس طرح اب سلطان تینوں طرف سے محصور ہو گیا تھا۔ پھر بھی اس نے دشمنوں پر فائر کیئے۔ جس سے پانچ سپاہی اسی وقت مارے گئے۔ ہر طرف سے اس پر بھی گولیوں کی مسلسل بوچھاڑ ہو رہی تھی۔ جس سے سلطان کو کئی زخم آ چکے تھے لیکن وہ اب تک دشمنوں کے سامنے ڈٹا ہوا تھا۔

شیر کا ایک دن گیدڑ کے سو سال سے بہتر ہے:

مغرب کا وقت قریب گھمسان کی لڑائی جاری تھی۔ مرد تو مرد ہندو و مسلم خواتین تک بڑھ بڑھ کر دشمنوں پر حملہ کر رہی تھیں۔ ایک ایک کر کے اکثر جانثار شہید ہو کر اپنی وفاداری کا ثبوت دے چکے تھے اور ان کی لاشیں ہر جگہ بکھری پڑی تھیں۔ اسی دوران سلطان کے ایک نومسلم راجہ خان نے سلطان کو آواز دی کہ حضور اگر اب بھی اپنی جان کسی حفاظت کیلئے خود کو دشمن کے حوالہ کریں تو وہ آپ کے منصب کا پاس رکھ کر آپ کی جان بخش دیں گے۔ سلطان یہ الفاظ سن کر جلال میں آ گیا۔ غصہ سے کانپتے ہوئے پلٹ کر بلند آواز سے کہنے لگا کہ میرے نزدیک شیر کی ایک دن کی زندگی گیدڑ کی سو سالہ زندگی سے بہتر ہے۔ کچھ ہی دیر میں سلطان کے گھوڑے طاؤس کی پیٹھ میں گولی لگی جس سے وہ گر گیا اور سلطان بھی زمین پر آ گیا اور اس کی دستار بھی سر سے الگ ہو گئی۔ اب سلطان پیدل ہی لڑ رہا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے کئی انگریز افسر سلطانی تلوار کی زد میں آ کر جہنم رسید ہو گئے۔ گولیوں کے دو شدید زخموں سے اب ٹیپو کی طاقت جواب دے رہی تھی۔ نقاہت و کمزوری کا اثر لمحہ بہ لمحہ ظاہر ہو رہا تھا۔ پھر بھی شیر دل سلطان تھک کر بیٹھنے کی بجائے لڑ ہی رہا تھا۔ اس کے سپاہی جو گولے دشمن پر پھینک رہے تھے اس میں بارود کی بجائے میر صادق کی سازش سے مٹی بھری ہوئی تھی۔ نتیجہ یہ تھا کہ اس سے ان کو کوئی نقصان نہیں ہو رہا تھا۔ غداروں کی اس اطلاع پر دشمنوں کی پوری طاقت اس جگہ سمٹ کر آ گئی تھی جہاں سلطان ان سے لڑ رہا تھا۔

سنت حسینی پر غیر اختیاری عمل:

۴ مئی اس پورے علاقہ میں گرمی کے شباب کا زمانہ تھا۔ اس پر چلچلاتی دھوپ خونیں معرکہ میں مسلسل مصروفیت اور دشمن سے دست بدست جنگ نے ظہر سے مغرب تک سلطان کو پیاس سے بیقرار کر دیا تھا۔ اس دوران اس کو اپنی تشنگی کا فور کرنے کے لیے ایک لمحہ کی فرصت بھی نہیں ملی تھی کہ وہ کہیں رک کر کسی سے پانی طلب کرے اور اپنی بڑھتی ہوئی پیاس بجھائے۔ سید عبدالغفار کی شہادت کے بعد جب سلطان ظہر کے وقت میدان جنگ کی طرف نکلا تو اس کے ساتھ اس کا خادم خاص اور نومسلم غلام رلبہ خان بھی تھا۔ جن نے سلطان کے حکم سے اپنے ساتھ پانی سے بھرا ایک چھاگل یعنی چھوٹی سی مشک بھی رکھ لی تھی لیکن سلطان کو کیا پتا تھا کہ اس کا تربیت یافتہ یہ غلام بھی اس کے خاتمہ کے لیے انگریزوں کے ساتھ ان کی ملی بھگت میں شامل ہو گیا ہے۔ دوران جنگ پیاس سے بیقرار ہو کر سلطان بار بار اپنے اس غلام سے پانی طلب کرتا رہا۔ لیکن اس شقی القلب ضمیر فروش نے ایک قطرہ پانی بھی سلطان کو نہیں دیا۔ پیاس سے لمحہ بہ لمحہ اس کا حال بے حال ہو رہا تھا اور وہ بار بار وقفہ وقفہ سے پلٹ پلٹ کر اس سے عاجزانہ درخواست کرتا کہ خدا کے واسطہ ایک گھونٹ ہی سہی پانی دے دو لیکن چھاگل میں پانی ہونے کے باوجود اس بدبخت نے اپنے آقا کو ایک قطرہ پانی تک دینا گوارہ نہیں کیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے مرتے وقت اپنے محبوب ٹیپو کو بھی سبط رسول ﷺ کی اس غیر اختیاری سنت پر عمل کی سعادت نصیب فرمائی۔ جوان کو عین اسی طرح کے معرکہ میں کوفہ کے میدان میں پیش آئی تھی۔ اور وہاں دشمنان اسلام نے حضرت حسینؓ کو بھی اپنی پیاس بجھانے کے لیے ایک قطرہ پانی بھی دینا گوارہ نہیں کیا تھا۔ یوں بھی سلطان ٹیپو کو حضرت حسینؓ سے بڑی عقیدت تھی۔ قسطنطنیہ میں جب خلیفہ روم کی خدمت میں سلطنت خداداد کا وفد گیا۔ تو سلطان نے اس کو ہدایت کی تھی کہ وہ کوفہ میں حضرت حسینؓ کے مزار پر بھی حاضری دے۔ حسن اتفاق سے ان دونوں کے والدین علی و فاطمہ بھی ہم نام ہی تھے۔ دونوں کی شہادت خود مسلمانوں کی غداری سے ہوئی اور ان دونوں کو دشمنوں نے عین شہادت کے وقت پیاس کی شدت کے

باوجود پانی سے بھی محروم رکھا۔

اور آفتاب حریت شہید ہو گیا:

صبح سے چلی لڑائی کا یہ سلسلہ عصر کے بعد بھی برابر جاری تھا۔ دست بدست دشمنوں سے مقابلہ کی وجہ سے سلطان کے جسم پر اب تک کئی گولیاں پیوست ہو چکی تھیں اور وہ بری طرح زخمی ہو چکا تھا۔ مغرب کا وقت قریب تھا۔ آسمان پر جس طرح سورج دن بھر کی مصروفیت کے بعد ڈوب کر دنیا کو ظلمت میں پہنچانے والا تھا۔ اسی طرح وطن کی حریت کا یہ آفتاب بھی اپنی پچاس سال کی زندگی کی مسلسل جدوجہد اور سعی پیہم کے بعد تھک کر مائل بغروب ہی تھا۔ دنیا بھی اپنی پشت پر بسنے والے انسانوں کو بیوفائی سے تنگ آکر تاریکی کو دعوت دے رہی تھی۔ ادھر پیاس اور گولیوں کی مسلسل بوچھاڑ نے سلطان کو بری طرح نڈھال کر دیا تھا لیکن وہ تو اپنی آخری سانس تک اسلام دشمنوں سے لڑنے کی اپنے رب سے قسم کھا چکا تھا۔ آسمان حمیت وغیرت کا یہ روشن ستارہ اب اپنے مالک حقیقی سے ملنے کے لیے بیقرار تھا۔ ہزاروں رحمت کے فرشتے اس کے استقبال کے لیے اپنی آنکھیں بچھائے اس کی زیارت کے لیے بے تاب تھے۔ زمین اپنی پشت پر اب تک رہنے والے اس نیک بخت فرزند کی جدائی پر بے قابو ہو رہی تھی۔ قدرت نے آسمان سے زمین تک پوری فضا کو اس کی آمد کے اعزاز میں خوشبوؤں سے معطر کر دیا تھا۔ آسمان اپنی طرف آنے والی اس پاک روح کے تصور ہی سے جھوم رہا تھا اور اپنی قسمت پر نازاں ہو کر زمین کو چڑا رہا تھا۔ سلطان تک پہنچنے کے لیے خالق کائنات کیطرف سے فرشتہ اجل اپنی منزل سے روانہ ہو چکا تھا اور ابھی تھوڑی ہی دیر میں پہنچنے والا تھا۔ قدرت کی طرف سے جب اپنے محبوب بندہ کے استقبال کے لیے انتظام مکمل ہو گیا تو پیچھے سے کسی غدار نے انگریزوں کو اشارہ کیا کہ میں جس کے سامنے کھڑا ہوں وہی سلطان یعنی تمہارا حقیقی نشانہ ہے۔ پھر کیا تھا یکا یک پھر ایک بار قلعہ کی فصیل سے گولوں کی بارش ہونے لگی۔ جس میں ایک گولی سلطان کے سینے میں لگی جس سے وہ نیم جان ہو کر زمین پر گر پڑا۔ جسم سے خون تیزی سے بہنے لگا۔ ایک گورا سپاہی قریب ہی کھڑے یہ تماشا دیکھ رہا تھا۔ وہ سمجھا کہ سلطان کا

کام تمام ہو گیا ہے۔ قریب پہنچ کر اس نے سلطان کی کمر سے ہیروں سے جڑے قیمتی شمشیر بند کو
اتارنے کی کوشش کی۔ سلطان کی آنکھ کھلی تھی اور سانس چل رہی تھی وہ اس طرح کی توہین کیسے
برداشت کر سکتا تھا۔ کہ دشمن کے ناپاک ہاتھ جیتے جی اس کے جسم کو چھوئیں۔ فوراً اٹھ کر اپنی تلوار
سنبھالی اور اس گورے سپاہی پر وار کر دیا لیکن وہ اپنی بندوق کو بطور ڈھال استعمال کر کے بچ گیا۔
جس سے اس کی بندوق ٹوٹ گئی۔ سلطان نے دوسرا وار کیا۔ جس سے قریب ہی موجود ایک
دوسرے انگریز سپاہی کا کام تمام ہو گیا۔ حسین علی کرمانی کا بیان ہے کہ جس جگہ سلطان گرا تھا وہ جگہ
تنگ تھی لیکن اس نے اسی حالت میں کچھ اور گوروں کو بھی جہنم رسید کر دیا۔ اسی دوران دور سے دشمن
کے ایک سپاہی نے سلطان کی کنپٹی کو ایک فائر سے نشانہ بنایا۔ گولی دائیں کان کے ذرہ اوپر لگی
اور دیکھتے ہی دیکھتے سلطان زمین پر گر گیا اور اسی وقت اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔
یہ مغرب کا وقت تھا۔ تاریکی پھیل رہی تھی۔ ہر طرف لاشوں کا انبار تھا۔ بارہ ہزار سلطانی سپاہی
صرف اس دن وطن کی آزادی کے لیے اپنی جان نثار کر چکے تھے۔

روح تو ٹھنڈی ہوئی مگر جسم ابھی گرم ہے:

بعض انگریزوں کو اب بھی یقین نہیں آ رہا تھا کہ سلطان شہید ہو گیا ہے وہ سمجھ رہے تھے کہ سلطان
فرانسیسیوں کی ہدایت پر چتل درگ پہنچ کر وہاں سے دوبارہ لڑائی جاری رکھنے کی تیاری کر رہا ہے۔
قلعہ اور محل میں ہر جگہ تلاشی لی گئی لیکن سلطان کی نعش کہیں نظر نہیں آئی۔ بالآخر میجر بائرڈ خود
اندھیرے میں مشعل لے کر ایک ایک لاش کی شناخت کرنے لگا۔ سلطان کے غدار خادم راجہ خان
کی نشاندہی پر اس کو سلطان کی لاش ملی۔ آنکھیں اب بھی کھلی ہوئی تھیں۔ جسم بھی گرم تھا۔ اس لیے
نبض پر ہاتھ لگا کر یقین کر لیا کہ اس میں اب روح باقی نہیں ہے۔ چہرے پر رعب و جلال میں
مرنے کے باوجود کوئی فرق نہیں تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اب بھی دشمن کو آنکھیں دکھا رہا ہے۔
سیدھے ہاتھ پر ایک تعویذ بندھی ہوئی تھی۔ کمر پر سرخ ریشمی پٹکا تھا۔ جسم میں ڈھیلا پاجامہ اور سفید
قمیض تھی۔ جو خون سے سرخ ہو گئی تھی۔ دائیں ہاتھ میں ٹوٹی ہوئی تلوار کا نچلا حصہ بھی تھا۔ کرنل

ویلزلی سے جب بعض انگریز سپاہیوں نے دریافت کیا کہ سلطان کا جسم مرنے کے باوجود اب بھی گرم کیوں ہے تو اس نے یہ کہہ کرتاویل کی کہ باقی تو سب لوگ پہلے ہی مر گئے تھے سلطان کا کام ابھی تمام ہوا ہے۔اس لیے اس کا جسم گرم ہے۔اس کافر کو کیا پتہ تھا کہ سلطان کی ایمانی حرارت صرف اس کی روح میں نہیں تھی بلکہ اس کا جسم بھی اس کی حرارت کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے تھا۔اس پورے واقعہ کی منظر کشی اس جنگ میں شریک ایک عینی شاہد انگریز میجر ایلین نے اس طرح کی تھی۔ ٹیپو کو پھاٹک سے نکال کر باہر لایا گیا اس کی آنکھ کھلی تھی اور جسم گرم تھا۔ چند لمحوں کے لیے کرنل ویلزلی اور مجھے شبہ ہوا کہ وہ شاید زندہ ہے۔لیکن نبض اور قلب کی حرکت دیکھنے کے بعد شبہ رفع ہو گیا۔اس نے چار زخم کھائے تھے۔ تین جسم پر اور ایک کنپٹی پر۔اس کے جسم پر نفیس کپڑے کی آستین دار صدری پھولدار ڈھیلا ڈھالا پاجامہ اور کمر کے گرد اوغوانی رنگ کا ریشمی وسوتی کپڑے کا پٹکا تھا۔سر ننگا تھا۔شاید اس کی پگڑی کشمکش میں گر گئی تھی۔ایک خوبصورت تھیلا بھی اس کے جسم پر لٹک رہا تھا۔جس پر سرخ اور سبز پٹی لگی ہوئی تھی۔اس کے بازو پر ایک تعویذ تو بندھا تھا لیکن کوئی زیور نہیں تھا۔اس کے چہرہ سے ایک وقار ٹپک رہا تھا۔جو اسے عام لوگوں سے ممتاز کر رہا تھا۔

ایک اور انگریز شاہد یوں لکھتا ہے۔اس کے چہرے پر غیر معمولی خلوص و وقار سایہ فگن تھا اور اس کے چہرے سے وہ طمانیت وخوش خلقی ٹپک رہی تھی جس کے لیے وہ زندگی میں بھی ممتاز تھا۔

اس پورے معرکہ میں انگریزوں کے صرف ڈیڑھ ہزار سپاہی کام آئے۔جو سلطانی افواج کے شہید ہونے والے سپاہیوں کے مقابلہ میں بہت کم تھے۔انگریزوں کو میسور کے خلاف اپنی چار جنگوں میں سب سے کم جانی نقصان بھی اسی جنگ میں ہوا تھا۔اس کی وجہ ظاہر تھی کہ یہ پوری جنگ شروع سے آخر تک طاقت وقوت سے زیادہ غداروں اور سازشوں کے بل بوتہ پر لڑی گئی تھی۔ملت اسلامیہ کا یہ عظیم حادثہ ۲۸ ذوالقعدہ ۱۲۱۳ھ بمطابق ۴ مئی ۱۷۹۹ء کو پیش آیا۔اس وقت کی عمر کا سن عیسوی حساب سے ۴۹ سال تھا۔ ۲۰ نومبر ۱۷۵۰ء کے حساب سے وہ اب تک اس دنیا میں ۴۸ سال ۵ ماہ اور ۱۴ دن گزار چکا تھا۔مؤرخین نے حروف ابجد کے حساب سے ۱۲۱۳ھ کی تاریخ وفات

اس جملہ سے نکالی۔

ٹیپو بوجہ دین محمد شہید شد:

مولانا ظفر علی خان نے پوری ملت اسلامیہ کی طرف سے سلطان کو اس کی وفات وشہادت پر مندرجہ ذیل اشعار ذریعہ خراج عقیدت پیش کیے ہیں۔

کہیں سوتے میں نہ کروٹ یہ مجاہد بدلے	ابھی اس خوف سے ہیں لرزہ براندام حسود
اس کے اٹھتے ہی مسلمان کا گھر بیٹھ گیا	تھا قیامت کا قیام اور قیامت کا قعود
قوت بازوئے اسلام تھی اسلام کی صولت	اس کی دولت کے دعا گو نہیں شامل تھے ہنود

سقوط سری رنگا پٹنم:

سلطان کی شہادت اور بارہ ہزار وفاداروں کی وفاداری کے ساتھ ہی جس میں سینکڑوں ہندو مسلم عورتیں اور بعض شاہی خواتین بھی شامل تھیں میسور کی یہ چوتھی اور فیصلہ کن جنگ ختم ہوگئی۔فرانسیسی فوجیوں نے بھی جواب تک سلطان کی طرف سے لڑ رہے تھے۔اس کی شہادت کے ساتھ ہی اپنے ہتھیار ڈال دیے اور اپنی شکست تسلیم کر لی جس کے بعد دارالسلطنت پر دشمنوں کا مکمل قبضہ ہوگیا۔ جنرل ہارس سلطان کی لاش کے قریب پہنچ کر فرط مسرت سے چیخ اٹھا کہ آج سے ہندوستان ہمارا ہے۔سلطان کیا شہید ہوا کہ ملک کی آزادی کا ایک سنہرا اور آخری باب ختم ہوا۔تاریخ نے پھر ایک بار کروٹ لی ہندوستان کی سیاسی موت ہوگئی۔ ملک میں آزادی کا پرچم سرنگوں ہو گیا۔ وطن کا تابناک ماضی اور روشن حال اور پرامید مستقبل ان شہداء حریت کی لاشوں میں دب گیا۔

انسانیت کی روح بھی کانپ اٹھی:

سقوط سری رنگا پٹنم کے ساتھ ہی نظام حیدر آباد کی فوج بھی میر عالم کی قیادت میں شہر میں داخل ہوئی۔فتح کی خوشی میں گورے سپاہیوں نے بربریت ودرندگی کی تمام حدود کو پار کر لیا۔شراب پی کر خوب عیاشی کی گئی۔گھروں میں چھپی ہوئی خواتین کی اجتماعی عصمت دری کی گئی اور وہ سب کچھ ہوا

جس سے خود انسانیت کی روح بھی کانپ اٹھی۔ ان انگریز سپاہیوں نے خود اپنے محسنوں میر صادق، میر قمرالدین اور پورنیا وغیرہ کے گھروں کو بھی لوٹنے سے گریز نہیں کیا۔ ان کی عورتوں کی عزتیں بھی محفوظ نہیں رہیں۔ گویا غداروں سے قدرت نے اسی وقت انتقام لیا۔ جو لوگ سقوط دارالسلطنت کے بعد حواس باختہ ہو کر اپنی جان بچا کر بھاگنے کی کوشش کر رہے تھے۔ ان سب کو پکڑ پکڑ کر قتل کر دیا گیا۔ قلعہ کے پھاٹک کو آگ لگا دی گئی۔ مسجد اعلیٰ میں پناہ لینے والے لوگوں کو بے دریغ قتل کیا گیا۔ جس سے پوری مسجد خون سے رنگ گئی۔ وحشت و بربریت کے اس ننگے ناچ میں کم و بیش دس ہزار میسوری ہندو اور مسلم عوام مارے گئے۔ رات بھر زخمیوں کی آہ و بکا سے شہر کی پوری فضا گونجتی رہی۔ ہر جگہ خوف و ہراس چھایا رہا۔ بالآخر کرنل ویلزلی کو یہ اعلان کرنا پڑا کہ جب تک ہم لوٹ مار کرنے والے چند لوگوں کو پھانسی نہیں دیں گے۔ اس صورتحال پر قابو پانا ممکن نہیں ہے۔

جواہرات سلطانی

سلطان ٹیپو شہیدؒ کے اقوال زریں

۱: گیدڑ کی سو سالہ زندگی سے شیر کی ایک دن کی زندگی بہتر ہے۔

(شہادت سے کچھ دیر پہلے جب اس کے ایک غلام نے خود کو سپردگی کی رائے دی)

۲: غلط بیانی اخلاق و مذہب دونوں کے نقطہ نظر سے بہت بڑا جرم ہے۔

۳: مردوں کی بہترین تصویر ان کی جوانمردی ہے۔

(جب حیدر آباد سے چند لوگ دارالسلطنت اس کی تصویر لینے آئے)

۴: ہندوستان صرف ہندوستانیوں کیلئے ہے۔

۵: لوگ بدی تو ہنس ہنس کر کرتے ہیں مگر اس کے نتائج رو رو کر بھگتتے ہیں۔

۶: انگریز ہندوستان اور مسلمانوں دونوں کیلئے خطرہ ہیں اس کے وجود سے وطن کی سرزمین کو پاک

کرنا اسلام اور ملک دونوں کی سب سے بڑی خدمت ہے۔

۷: اسلام کی سرخروئی کیلئے ضروری ہے کہ تمام مسلمان متحد ہو جائیں۔

۸: اور ملحدوں و خدا کے دشمنوں کی سرکوبی کو اپنی زندگی کا آخری مقصد سمجھیں۔

۹: میں زخم پر مرہم رکھنے کیلئے پیدا ہوا ہوں۔ قتل و غارت گری سے مجھے وحشت ہوتی ہے۔

۱۰: قیامت کے دن خدا مجھ سے یہ نہیں پوچھے گا کہ کس نے کیا کیا مجھے صرف اپنے فرض کی ادائیگی کا جواب دینا پڑیگا۔

۱۱: اگر میری سلطنت ختم ہو جائے تو میں اس پر راضی ہوں لیکن میں اپنے باوفا دوستوں کو دشمن کے حوالے نہیں کر سکتا۔

سلطان کا ذاتی کتب خانہ:

سلطان کی شہادت کے بعد اس کے شاہی محل میں مال غنیمت میں ایک قیمتی کتب خانہ بھی انگریزوں کے ہاتھ لگا جس میں بیش قیمت مخطوطات کے علاوہ مختلف فنون کی ۱۸۸۹ نادر کتابیں موجود تھیں۔ انمیں سے اکثر کتابوں پر سونے کا کام کیا گیا تھا اور بعض کتابوں کی جلدیں ہیرے جواہرات سے بھی مزین تھیں۔ یہ کتابیں اس کو مختلف حکومتوں، علماء اور اہل علم سے تحفہ میں ملی تھیں۔ انمیں اورنگ زیب عالمگیر کے پاس کا ایک نادر قرآن مجید کا نسخہ بھی موجود تھا جو خط نسخ میں لکھا ہوا تھا۔ چونکہ انگریز علمی و مالی اعتبار سے اس کتب خانہ کی اہمیت کو سمجھتے تھے اسلئے انہوں نے یہ کتابیں فورٹ ولیم کالج کلکتہ اور ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ روانہ کیں لیکن ۱۸۰۳ جب فورٹ ولیم کالج کلکتہ بند ہوا تو نادر مخطوطات انگلستان میں کیمبرج اور آکسفورڈ یونیورسٹیوں کے کتب خانوں میں بھیجے گئے۔

اسلحہ خانہ:

سلطان کے اسلحہ کے چار بڑے کارخانے تھے جہاں تلوار، تیر، بندوق ہلکی توپیں تک تیار ہوتی تھیں۔ توپ خانہ کو کھینچنے کیلئے چالیس ہزار بیل مقرر تھے۔ بدنور کے کارخانہ میں سالانہ بیس ہزار بندوقیں تیار ہوتی تھیں۔ سقوط کے بعد جو مال غنیمت انگریزوں کے ہاتھ لگا اس میں ساٹھ ہزار

بندوقیں، بارہ ہزار گولے، پانچ لاکھ گولیاں اور ۹۴۰ دور مار توپیں تھیں، نیز بے شمار گولہ و بارود۔ سب سے پہلے راکٹ سلطان نے ہی ایجاد کیا۔

بحری بیڑہ:

سلطان نے بحری جہاز کیلئے بحری بیڑہ بھی تیار کیا جس کیلئے بیس بڑے اور بتیس چھوٹے جہاز تیار کئے گئے۔ بڑے جہازوں پر بیک وقت ۷۲ توپیں تک رکھی جا سکتی تھیں۔ انکی حفاظت کیلئے ۷۲ چھوٹے جہاز اور تھے جن پر ۴۶ توپیں تک رکھیں جا سکتی تھیں اور انکی حفاظت کیلئے ۶۶ جہاز اور بھی تھے۔ جہازوں کی کل تعداد ۷۰۰ تھی۔

افواج کی تعداد:

سوار فوجیوں کی تعداد ــــــ ۱۸۰۰۰

پیدل فوجیوں کی تعداد ــــــ ۵۰۰۰۰

بے ضابطہ فوجیوں کی تعداد ــــــ ۱۰۰۰۰۰۰

حیاء و تقویٰ:

حیاء ایمان کے شعبوں میں سے ایک شعبہ ہے نبی اقدس ﷺ میں حیاء سب سے زیادہ تھا۔ ایک کنواری لڑکی سے بھی زیادہ حیاء فرماتے۔ نبی اقدس کا جو جتنا زیادہ مطیع ہوگا اتنا ہی اسمیں حیاء کا غلبہ ہوگا۔ سلطان شہید میں بھی حیاء کا بہت غلبہ تھا۔ اس کی زندگی میں اس کے جسم کے کسی بھی حصہ کو سوائے ہاتھ پیر اور چہرہ کے کسی نے کھلا نہیں دیکھا۔ خود ان کے اہل خانہ کا کہنا تھا کہ حمام کے اندر بھی وہ اپنے جسم کو ڈھانپ کر غسل کرتا تھا۔ ملیبار میں گرمی کی وجہ سے ہندو عورتیں اپنا سینہ کھلا رکھکر گھر سے باہر نکلتی تھی۔ سلطان نے اس پر پابندی لگادی تھی۔ حیاء کی طرح سلطان میں تقویٰ بھی اعلیٰ پیمانہ پر تھا۔ ذاتی طور پر تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ جنگوں میں مسلسل معروف رہنے کے باوجود کوئی نماز قضا نہیں ہوئی۔ جنگ کے ایام ہوں یا امن کے فجر کے بعد کی تلاوت کا کبھی ناغہ نہیں کیا۔ عام

حالات میں ایک گھنٹہ تلاوت فرماتے۔ ہمیشہ باوضو رہتے۔ اس کی زبان سے کبھی کسی نے فحش کلمہ نہیں سنا۔ دشمنوں نے گواہی دی کہ اس نے کبھی ناحق خون نہیں کیا۔ اس کے حرم میں کبھی غیر شادی شدہ عورت نہیں رہی۔ کرمانی نے ان کے زہد وتقویٰ کا ایک عجیب وغریب واقعہ لکھا ہے کہ ایک دفعہ اس کے محل میں کام کرنے والی دو نوجوان وحسین ملازماؤں کی نیت بگڑ گئی اور وہ رات کے وقت حجرہ میں داخل ہو کر اس کے پیر دابنے لگیں۔ جب سلطان کی آنکھ کھلی تو وہ غصہ سے لال پیلا ہو گیا اور اس نے ان دونوں کو اس نازیبا حرکت پر سخت سزائیں دینے کا حکم دے کر ملازمت سے بھی برطرف کر دیا۔ اس کے حکم سے ہر گاؤں میں ایک مسجد اور شہروں میں بقدر ضرورت مساجد تعمیر کی گئیں۔ ہر مسجد کے ساتھ مدرسہ بھی ہوتا تھا۔ مؤذن، امام اور استاد کی تنخواہیں سرکاری خزانہ سے دی جاتی تھیں۔

ولایت:

سلطان کی پوری زندگی نے قدم قدم پر اس کی بزرگی کا ثبوت پیش کیا۔ اس کی ولایت کیلئے یہی کافی تھا کہ ایک بااختیار بادشاہ ہونے اور عیش وعشرت کے تمام اسباب بآسانی مہیا ہونے کے باوجود اس نے زندگی میں کبھی ناجائز غلط اور خلاف شرع کام کا ارتکاب نہیں کیا۔ سری رنگا پٹنم میں مسجد اعلیٰ کے افتتاح کے موقع پر اندرون و بیرون سلطنت سے سینکڑوں علماء اور مشائخ کو دعوت دیکر بلایا گیا تھا اور یہ طے پایا تھا کہ کوئی صاحب ترتیب بزرگ پہلی امامت کریں گے لیکن جب موقع آیا تو کوئی ایک عالم یا بزرگ بھی اپنے بارے میں یقین سے نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ صاحب ترتیب ہیں۔ جب پورے مجمع میں ایک شخص بھی آگے نہیں بڑھا تو سلطان خود آگے بڑھا اور کہا الحمدللہ میں صاحب ترتیب ہوں۔ مسلسل جنگوں میں مشغولیت کے باوجود صاحب ترتیب ہونا کیا کم کرامت ہے۔ شہادت کے دن بھی محاصرہ کے باوجود فجر کی نماز مسجد اعلیٰ میں ادا کی۔ ۱۷۸۷ء میں جب دھاروار کے قلعہ پر سلطانی افواج کے قبضہ کیلئے دریائے تنگبھدرا کی طغیانی حائل ہو گئی تو سلطان ہی کے حکم سے دریائے نیل میں حضرت عمرو بن العاصؓ کی سنت پر عمل کرتے ہوئے ایکس گولے

دا نے گئے تو دیکھتے ہی دیکھتے طغیانی کم ہوگئی سلطان نے اپنا گھوڑا دریا میں ڈالدیا اور پوری فوج سمیت دریا پار کر کے دشمن پر حملہ آور ہو گئے۔ یہ کرامت دیکھکر دشمن بھی آپکی ولایت کے قائل ہو گئے۔ شہادت کے بعد جب اس کی تدفین عمل میں آئی تو آسمان نے بے موسمی بارش و گرج دھاکر اپنے رونے کا ثبوت دے دیا۔ ۱۷۹۴ء میں سلطان کو خواب میں سرورکائنات ﷺ کا دیدار نصیب ہوا اور آپؐ نے انکو شہادت کی بشارت دی۔ آپ نے صبح انکر شکرانہ کے نوافل ادا کئے وعمامہ کی سنت پر نہ صرف خود پابند تھے بلکہ فوجیوں کے لباس میں بھی شامل کر دیا تھا۔ اپنے والد حیدر علی کی وفات کے بعد جب اس نے پہلا دربار لگایا تو اس کا آغاز تلاوت قرآن پاک سے کیا قاری نے سورہ حشر کی آخری آیات **لا یستوی اصحاب النار و اصحب الجنة اصحب الجنة هم الفائزون** پڑھی تو اس کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو نکل پڑے۔ اس کے بعد سلطنت کا تاج بھی اس نے اپنے سر پر ایک بڑے عالم کے ذریعے ہی رکھوایا اس کے بعد فقراء و مساکین میں صدقات و خیرات کی بارش بھی ہوئی۔ غرض یہ کہ سلطان تقویٰ و زہد میں نہ صرف اپنے دور کے مسلم حکمرانوں بلکہ ماضی کے اکثر بادشاہوں میں بھی ممتاز و نمایاں تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

دار العلم قبۃ الاسلام کوفہ اور فرزندان کوفہ کا علمی مقام

(از ـــ مولانا محمود عالم صفدر اوکاڑوی)

ذات علیم وخبیر اس بات پر اگرچہ قادر ہے کہ اپنے علم اور وحی کو جہاں چاہے نازل فرمادے جسے چاہے اس سے نوازدے خود ہی کلام پاک میں فرمایا ہے ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء اللہ کا فضل ہے کہ جسے چاہے عطا فرمائے کوئی اس کو روکنے والا نہیں وہ یخرج الحی من المیت و یخرج المیت من الحی کی تصویر لوگوں کو اپنی قدرت کو نہ ماننے والے لو لا نزل ھذا القرآن علی رجل من القریتین عظیم کہہ کر اعتراض کرتے رہتے ہیں وہ ذات اگر نہ چاہے تو امام الانبیاء علیہم السلام کے عم محترم کو باوجود آپ کے چاہتے ہوئے ہدایت نہ دے اور ان کا خاتمہ کفر پر کروا کر سرور کائنات کے مغموم دل کی کے لئے فرمادے انک لاتھدی من احببت ولکن اللہ یھدی من یشاء اگر وہ چاہے تو آسیہ فرعون کو ہدایت نصیب فرما کر اس کی مثال قران مین بیان فرمادے ضرب اللہ مثل للذین آمنوا امراۃ فرعون اگر وہ چاہے تو حضرت نوح اور حضرت لوط کی بیویوں کے مقدر میں ہدایت نہ لکھے اور اپنی مبارک کلام میں انکے قصے کو بطور عبرت بیان فرمادے ضرب اللہ مثلا للذین کفروا امراۃ نوح وامراۃ لوط کانتا تحت عبدین من عبادنا صالحین اور اگر وہ چاہے تو حضرت سمیہ کو یہ ایمان دے

دے کہ دو ٹکڑے ہو کر بھی دولت ایمان نہ چھوڑے وہ ذات چاہے تو شہروں میں انبیاء کو بھیج دے یا دیہاتوں میں وہ چاہے تو علماء اور انبیاء کے گھروں میں کافر پیدا فرمادے وہ چاہے تو کافروں کے گھروں میں انبیاء پیدا فرمادے۔ یہ اس کی قدرت کاملہ کے کرشمے ہیں وہ جہاں چاہتا ہے علم کو رکھ دیتا ہے جہاں چاہتا ہے جہالت کو جہاں چاہتا ہے عزت کو رکھ دیتا ہے ذلت کو وتعز من تشاء و تذل من تشاء وہ مہبط وحی بنانے کے لیئے اس کو نہیں دیکھتا کہ شہر اور بستیوں کو بھی وحی اتار کر منور کر دیتا ہے اس لئے یہ نہیں دیکھنا چاہیے کہ فلاں فقیہ یا محدث کا علاقہ کیسا ہے کیسا نہیں مگر پھر بھی اگر اس کے گرد و پیش کا ضرور جائزہ لیا جاتا ہے تاکہ اس کی زندگی کی نشو نما اس کے ذہنی خدوخال اس کے اخلاق و اطوار اس کے علمی معیار اس کی جود و سخا اس کے فقر و استغناء اس کی شجاعت و بہادری اس کی عبادت و ریاضت مجاہدہ جفاکشی کے سمجھنے میں آسانی ہو اس لحاظ سے ہم کوفہ اور عراق کے علمی مقام کو آنے والی سطور میں جائزہ لیں گے تاکہ یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جائے کہ جب یہ شہر اتنا عظیم تھا تو اس میں علم و عمل فقاہت وذکاوہ کا مہر تاباں بن کر چمکا اور نصف صدی تک چایا رہا اور اس نے نصف صدی میں ایسی عظیم فقہ کی بنیاد رکھی کہ جس کی روشنی میں تا قیامت کروڑوں اربوں انسان راہ ہدایت حاصل کرتے رہیں گے۔ وہ کوئی معمولی آدمی نہیں تھا بلکہ وہ یقیناً قدرت خداوندی کا مظہر نبی آخر الزمان کا معجزہ تھا کہ اس کی گوئی کو سچا کرتے ہوئے ظہور میں آیا۔ کوفہ وہ مشہور شہر ہے جسے سیدنا فاروق اعظمؓ نے بسایا جب امیر المومنین سیدنا عمر فاروقؓ کے زمانہ خلافت میں عراق فتح ہوا تو سیدنا عمر بن خطابؓ نے کوفہ شہر کو بطور چھاؤنی کے بسانے کا حکم دیا پس ۱۷ھ میں کوفہ شہر کی بنیاد رکھی گئی جب یہ شہر بسایا گیا تو تمام قبائل عرب سے فصحاء یہاں جمع ہونا شروع ہو گئے سیدنا عمر بن خطابؓ کے ہاں اور دوسرے اصحابؓ کے ہاں کوفہ کا مقام کیا تھا اگر اس کو بسط و تفصیل سے بیان کیا جائے تو دفتر کے دفتر درکار ہیں مگر اختصار کے پیش نظر چند حوالہ جات نقل کیے جانے پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔

حضرت عمر بن خطابؓ فرماتے ہیں بالکوفة وجوه الناس کوفہ میں لوگوں کے سرداروں کی طرف

امام شعبیؒ فرماتے ہیں حضرت عمرؓ نے کوفہ والوں کو خط لکھا اور اس میں لکھا الی اهل الكوفة الى راسه الاسلام اہل کوفہ اسلام کے سرداروں کی طرف شمر بن عطیہ بنو عامر کے ایک بوڑھے سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے ایک دفعہ کوفہ کا تذکرہ فرمایا اور فرمایا رمح الله و كنز الايمان و جمجمة العرب يجزون ثغورهم و يمدون الامصار اللہ کا نیزہ ایمان کا خزانہ اور عرب کا سرا اپنی سرحدوں کی حفاظت کرنے والے اور شہروں کو تہذیب وتمدن سے آراستہ کرنے والے شمر بن عطیہ حضرت عمر بن خطابؓ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا العراق بها كنز الايمان وهم رمح الله يجزون ثغورهم و يمدون الامصار عراق میں ایمان کا خزانہ ہے کہ اللہ کی تلوار ہے اور اسکا نیزہ ہے یعنی سرحدوں کی حفاظت کرتے ہیں اور شہروں کو آراستہ کرتے ہیں اصبغ بن نباتہ حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا الكوفة جمجمه الاسلام و كنز الاسلام و سيف الله ورمحه يضعه حيث يشاء ايم الله لينصرن الله باهلها فى مشارق الارض و مغاربها كما انتصر بالحجارة کوفہ اسلام کا سردار ہے ایمان کا خزانہ ہے اللہ کی تلوار اور اسکا نیزہ ہے اللہ جہاں چاہتا ہے اسے رکھ دیتا ہے خدا کی قسم اللہ ضرور ضرور کوفہ والوں کی مدد کرے گا زمین کے مشارق ومغارب میں جیسا کہ اس نے کنکریوں سے مدد کی تھی سالم سلیمان سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا الكوفة قبة الاسلام و اهل الاسلام کوفہ اسلام اور مسلمانوں کا قبہ ہے۔ سلمہ بن کہیل سلیمان سے نقل کرتے ہیں ما يدفع عن ارض بعد اخبية مع محمد ﷺ ما يدفع عن الكوفة و لا يريدها جبار الا اهلكه الله جس خوشی وجذبے کے ساتھ محمد ﷺ کے زمانے میں مدینہ کی حفاظت کی جاتی تھی اس جوش وجذبے کے ساتھ کوفہ کی حفاظت کی جاتی ہے جو شخص بھی اسے خراب وویران کرنا چاہے گا اللہ اسے ہلاک وبرباد کردے گا۔ قال حذيفة ما من اخبية بعد اخبية كانت مع النبى ﷺ ببدر يدفع عنها ما يدفع عن هذه يعنى الكوفة کوئی بستی اور شہر والا اپنے شہر کی حفاظت اس طرح نہیں کرتا جس طرح کوفہ والے کرتے ہیں مگر اصحاب محمد ﷺ جو

کہ آپ ﷺ کے ساتھ بدر میں تھے (صحابہ مستثنیٰ ہیں) قرظہ بن کعب الانصاری فرماتے ہیں۔

اردنا الکوفۃ فشیعنا عمر الی صرار فتوضاء فغسل مرتین و قال تدرون لم شیعتکم فقلنا نعم نحن اصحاب رسول اللہ فقال انکم تاتون اھل قریۃ لھم دوی بالقرآن کدوی النحل فلا تصدوھم بالاحادیث فتشغلوھم جردو القرآن و اقلو الروایۃ عن رسول اللہ ﷺ امضوا و انا شریککم۔

ہم نے کوفہ جانے کا ارادہ کیا تو حضرت عمرؓ باصرار ہمیں رخصت کرنے کے لئے ہمارے ساتھ آپ نے وضو کی اور اعضاء کو دو دو دفعہ دھویا اور فرمایا تم جانتے ہو میں تمہیں رخصت کرنے تمہارے ساتھ کیوں آ رہا ہوں ہم نے کہا ہاں ہم جانتے ہیں اس لئے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے صحابی ہیں اس لئے آپ ہمارے ہمراہ چل رہے ہیں آپ نے فرمایا (ہاں یہ بات تو ہے ہی ایک اور بھی اہم بات ہے) تم ایسے لوگوں کی طرف جا رہے ہو کہ وہ تلاوت قرآن کرتے رہتے ہیں اور تلاوت قرآن سے اس طرح گنگناتے رہتے ہیں جیسے شہد کی مکھیاں بھنبھناتی رہتی ہیں۔ تم احادیث کے ذریعہ ان کو اس چیز سے روک نہ دینا کہ وہ احادیث کے ذکر و شغل میں مشغول ہو کر قرآن سے لاپرواہی برتنے لگیں لہذا رسول اللہ ﷺ کی روایات بہت کم بیان کرنا جاؤ دین کی حفاظت اور اشاعت کا کام سر انجام دینا میں اس کام میں تمہارا شریک ہوں۔ شعبہ سلمہ بن کہیل سے وہ حبہ عرنی سے کہ وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے اہل کوفہ کو خط لکھا

یا اھل الکوفۃ انتم راس العرب و جمجمتھا و سھمی الذی ارمی بہ ان اتانی شئی من ھاھنا و ھاھنا قد بعث الیکم بعبداللہ و خرت لکم و آثرت کم بہ علی نفسی۔ اے اہل کوفہ تم عرب کے سردار اور اس کا تاج ہو اور تم میرے تیر ہو جن کو میں ادھر ادھر سے جب کوئی چیز آتی ہے تو میں پھینکتا ہوں (یعنی تم مدافعت اشاعت اور جہاد کا کام خوب کر رہے ہو) میں نے تم پر عبداللہ ابن مسعودؓ کو عامل بنا کر بھیجا ہے اور تمہیں اپنے نفس پر ترجیح دے کر تمہارے پاس بھیج رہا ہوں اور خود ان سے استفادے سے محروم ہو رہا ہوں لہذا اقدر کرنا۔ یہ تمام حوالہ جات الطبقات

الکبریٰ لابن سعد سے نقل کیے گئے ہیں۔ علامہ شبلی نعمانی الفاروق میں لکھتے ہیں عثمان بن مغیرہ کہتے ہیں ہم سالم کے ہمراہ بیٹھے ہوئے تھے کہ ان کے پاس ایک عورت فتویٰ پوچھنے آئی اس نے ہمیں بتایا کہ حضرت عائشہ کا سر مبارک میری گود میں تھا اور میں آپ کے سر کو کھجلا رہی تھی کہ انہوں نے فرمایا مجھے اس سے زیادہ کوئی چیز محبوب نہیں کہ میں کوفہ کی مسجد میں چار رکعت ادا کرلوں۔ سیدنا عمر بن خطابؓ نے کوفہ کو بسانے کے بعد اہل کوفہ کی تعلیم کے لئے نبی اقدس ﷺ کے خادم خاص فقیہ الامت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو بھیجا اور اہل کوفہ کو ایک خط لکھا حافظ ذہبیؒ تذکرۃ الحفاظ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے حالات میں لکھتے ہیں۔ حارثہ بن مضطرب کہتے ہیں حضرت عمرؓ کا ایک مکتوب پڑھ کر سنایا گیا جس میں تحریر تھا میں نے عمار بن یاسر کو تم پر گورنر اور عبداللہ بن مسعود کو تم پر معلم اور وزیر بنا کر بھیجا ہے یہ دونوں آنحضرت ﷺ کے بدری صحابی ہیں ان سے علم سیکھو اور ان کی اقتدا کرو اور میں نے عبداللہ بن مسعودؓ کو بھیج کر تمہیں اپنے آپ پر ترجیح دی ہے۔ (تذکرۃ الحفاظ ص ۳۶)

ایک روایت میں یہ بھی ہے "یہ دونوں (ابن مسعودؓ اور عمار بن یاسرؓ) گرامی قدر صحابہ اور اصحاب بدر میں سے ہیں سو ان دونوں کی اطاعت و پیروی کرو اور ان کا ہر حکم سنو۔ (طبقات ابن سعد حصہ ششم)

ایک رویت میں ہے کہ لکھا میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کے سوا کے کوئی معبود نہیں میں نے اہل کوفہ کو عبداللہ بن مسعودؓ کے لئے اپنے نفس پر ترجیح دی ہے۔ (طبقات)

ابو خا کہتے ہیں کہ ہم ایک وفد کی صورت میں حضرت عمرؓ کے پاس آئے اور ہم نے اپنی خدمات کا حضرت عمرؓ سے صلہ چاہا اور کہا کہ آپ نے اہل شام کو ہم پر ترجیح دی ہے ان کو انعام زیادہ دیا ہے تو آپؓ نے فرمایا اس میں تمہارے لیے شکایت کی کونسی بات ہے کہ میں نے اہل شام کو ان کے دور ہونے کی وجہ سے فضیلت دی ہے اور میں نے تمہیں عبداللہ بن مسعودؓ کے بارے میں اپنے اوپر ترجیح دی ہے۔ (کیا تمہاری فضیلت کے لئے یہ بات کافی نہیں)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ امام الانبیاء ﷺ کی نظر میں:

حدیث نمبر۱:

استقرئوا القرآن من اربعة من عبداللہ بن مسعود و سالم مولیٰ ابی حذیفه و ابی بن کعب و معاذ بن جبل . (بخاری ص۵۳۱ ج۱)

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم (صحابہ کرام) قرآن چار حضرات سے سیکھو عبداللہ بن مسعودؓ سے سالم مولی ابی حذیفہؓ سے، ابی بن کعبؓ اور معاذ بن جبلؓ سے۔

حافظ ابن حجرؒ اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں وان البداية بالرجل فی الذکر علی غیره فی امر يشترک فيه مع غيره يدل علی تقدمه فیه یعنی جو خوبی چند آدمیوں میں پائی جائے اس سلسلہ میں جس کا نام سب سے پہلے لیا جائے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ خوبی اس میں سب سے زیادہ پائی جاتی ہے اس حدیث کے راوی حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص فرماتے ہیں کہ معلمین قرآن میں چونکہ سب سے پہلا نام حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا ہے اس لئے میں اس سے محبت کرنے والا ہوں اور وہ میرے محبوبوں میں سے ہیں۔

حدیث نمبر۲:

قال رسول اللہ ﷺ لو کنت مستخلفاً احدا بغير مشورة لاستخلفت ابن ام عبد

(ابن ماجہ ص۱۳)

فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ اگر میں بغیر مشورہ کے کسی کو اپنا جانشین بناؤں تو ابن ام عبد (ابن مسعودؓ) کو بناؤں گا۔

حدیث نمبر۳:

ما حدثکم ابن ام عبد فعليكم بالنواجذ او كما قال

جو حدیث تمہیں ابن مسعودؓ بیان کریں اسے دانتوں سے مضبوط پکڑ لو۔

حدیث نمبر۴:

قال النبی تمسکو بعهد ابن ام معبد. (ترمذی ص۹۴ ج۲)

ابن مسعودؓ کی ہدایت اور حکم کو مضبوطی سے پکڑو۔

حدیث نمبر۵:

الی رضیت لا معی مارضی لها ابن ام عبد

میں اپنی امت کے لئے اس چیز کو پسند کرتا ہوں جو اس کے لئے عبداللہ بن مسعودؓ پسند کریں۔

حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں:

رسول اللہ کے سب سے زیادہ قریب سیرت و کردار کے لحاظ سے ابن مسعودؓ تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ ص۳۶ ج۱)

مسروقؒ فرماتے ہیں:

میں اصحاب محمدﷺ کے ساتھ بیٹھا ان کو تالاب کی طرح پایا کہ جن سے پانی حاصل کیا جاتا ہے بعض تالاب ایسے ہوتے ہیں کہ ایک آدمی کو سیراب کرتے ہیں اور بعض ایسے ہوتے ہیں کہ دو کو بعض دس کو بعض سو کو اور بعض ایسے بھی ہوتے ہیں کہ اگر تمام روئے زمین کے لوگ اس پر امنڈ آئیں تو وہ سب کو سیراب کر دیں میں عبداللہ بن مسعودؓ کو اسی تالاب کی مثل پایا۔ (طبقات ابن سعد ج۲ ص۳۴۳)

حضرت عمر بن خطابؓ کا فرمان:

خلیفہ ثانی مراد رسول امیر المومنین حضرت عمر بن خطابؓ کا خط تو آپ پڑھ چکے ہیں جس سے ابن مسعودؓ کی فقاہت اور فضیلت روز روشن کی طرح واضح ہوتی ہے کہ حضرت عمرؓ کو بھی آپ کی ضرورت تھی آپ کے علم سے استفادہ کرتے رہنا چاہتے تھے مگر اہل کوفہ کو اپنی ذات پر ترجیح دے کر ابن مسعودؓ کو ان کے پاس بھیج دیا اور اس بات کو ان پر کئی بار بطور احسان کے جتلایا احسان بڑے اہم معاملات میں جتلایا جاتا ہے جیسے ذات باری تعالیٰ نے اپنے آخری نبی کو بھیج کر احسان جتلایا۔

لقد من الله على المومنین اذ بعث فیھم رسولا

البتہ تحقیق اللہ نے مومنین پر ان میں رسول بھیج کر احسان جتلایا۔ اللہ تعالیٰ کا بعث نبوی کو بطور احسان کے جتلانا نبی اقدس ﷺ کی عظمت و رفعت کا پتہ دیتا ہے اسی طرح مراد رسول ﷺ سیدنا فاروق اعظمؓ کا اہل کوفہ پر احسان جتلانا ابن مسعودؓ کی جلالت شان اور عظیم المرتبت ہونے کا پتہ دیتا ہے نیز حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ کنیف ملاء علماً

برتن ہے جو علم سے بھرا ہوا ہے۔ (طبقات ابن سعد ص ۳۶۹ ج ۲)

علامہ ذہبیؒ تذکرۃ الحفاظ میں آپ کا تذکرہ ان الفاظ میں شروع کرتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کے صحابی اور انتہائی وفادار خادم ہیں۔ سابقین اولین اور بدر میں شریک ہونے والے جلیل القدر صحابہ میں سے ہیں بڑے سمجھدار فقیہ اور اعلیٰ درجے کے معلم قرآن تھے۔۔۔۔۔۔۔۔ حضرت عمر فاروقؓ سے بھی پہلے اسلام لائے آپ کے تلامذہ علم و فضل میں کسی دوسرے صحابی کو آپ پر فضیلت نہ دیتے تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ ص ۳۶)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فقاہت میں نبی اقدس ﷺ کے وارث تھے۔ شاہ ولی اللہؒ نے ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء میں تصریح فرمائی ہے کہ فقہ میں نبی اقدس ﷺ کی خلافت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے حصہ میں آئی تھی چنانچہ لکھتے ہیں۔

چوں لازم خلافت خاصه مبین شد الحال باید شناخت که جمع کثیر از صحابه بفیض صحبت آنحضرت ﷺ قدر معیسر ازیں او صاف حاصل کرده بودند و بعض ایشان بخلافت مقیده فائز گشته مانند عبد الله بن مسعودؓ در قرآت وفقه.

ترجمہ: اور جب خلافت خاصہ کے لوازم بیان کر دیئے گئے تو اب معلوم کرنا چاہیے کہ صحابہ کی ایک کثیر جماعت نے آنحضرت ﷺ کے فیض صحبت سے ان سے ان اوصاف کا معتدبہ حصہ حاصل کیا تھا جیسے کہ قرآت اور فقہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہوئے (ازالۃ الخفاء ص ۱۸)

اور اسی چیز کی مزید تشریح شاہ صاحب نے دوسرے مقام پر اس طرح کی ہے۔

وازم لوازم خلافت خاصہ آنست کہ قول خلیفہ حجت باشد در دین نہ بآں معنی کہ تقلید عوام مسلمین اور اصحیح باشد زیرا کہ ایں معنی از لوازم اجتہاد است و در خلافت عامہ بیان آں گذشت ونہ بآں معنی کہ خلیفہ فی نفسہ بے اعتماد بر تنبیہ آنحضرت ﷺ واجب الاطاعت باشد زیرا کہ ایں معنی غیر نبی را میسر نیست بلکہ مراد اینجا منزلتے ست بین المنزلتین تفصیل ایں صورت آنست کہ آنحضرت ﷺ حوالہ فرمودہ اند بعض امور بشخصے مخصوص اسم او پس لازم شود متابعت او چنانچہ لازم می شود متابعت امراء جیوش آنحضرت ﷺ بمقتضائے امر آنحضرت ﷺ وایں خصلت در خلفائے راشدین ہمچناں می ماند کہ قول زید بن ثابت را در فرائض مقدم باید ساخت بر اقوال مجتہدین دیگر وقول عبداللہ بن مسعودؓ در قرآت وفقہ۔

ترجمہ: اور خلافت خاصہ کے لوازم میں سے ایک یہ بھی ہے کہ خلیفہ کا قول دین میں حجت ہو بایں معنی نہیں کہ عوام مسلمین کے لئے اس کی تقلید صحیح ہے کیونکہ یہ چیز تو لوازم اجتہاد میں سے ہے اور خلافت عامہ کے سلسلے میں اس کا بیان گذر چکا اور بایں معنی بھی نہیں کہ خلیفہ آنحضرت ﷺ کے طرف سے اجازت ہوئے بغیر بھی واجب الاطاعت ہے کیونکہ یہ بات نبی کے علاوہ اور کسی کو میسر نہیں بلکہ اس جگہ ان دونوں کے مابین جو درجہ ہے وہ مراد ہے۔ اس صورت کی تفصیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بعض امور کو خاص طور پر کسی ایک شخص کا نام لے کر اس کے حوالے فرمایا ہے اس لئے اس شخص کی اتباع اسی طرح ضروری ہے جس طرح آپ ﷺ کے لشکر کے امراء کی اتباع خود آپ ﷺ کے حکم کے بموجب لازم ہے اور یہ بات خلفائے راشدین کے بارے میں بالکل اسی طرح سے ہے جس طرح کہ زید بن ثابت کے قول کو فرائض میں اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے قول کو قرآت اور فقہ میں دوسرے مجتہدین کے اقوال پر مقدم رکھنا چاہیے۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے کوفہ تشریف لا کر حدیث وفقہ کی تعلیم کو شروع فرمادیا یہاں تک کہ کوفہ قراء فقہاء و محدثین سے بھر گیا۔ بعض نے حضرت ابن مسعودؓ اور ان کے شاگردوں سے فقاہت حاصل کر کے فقاہت کے مرتبہ تک پہنچ جانے والوں کی تعداد چار سو تک شمار کی ہے پھر یہ کہ حضرت

ابن مسعودؓ اس میں اکیلے نہیں تھے بلکہ اہل کوفہ کو حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت حذیفہؓ، حضرت عمار، سلمانؓ، ابو موسیٰؓ جیسے اصفیاء صحابہ کی معیت اور صحبت حاصل رہی یہاں تک کہ جب خلیفہ راشد باب مدینۃ العلم حضرت علی کرم اللہ وجہہ کوفہ تشریف لائے تو کوفہ میں فقہا کی کثرت دیکھ کر انتہائی مسرور ہوئے اور فرمایا رحم اللہ ابن ام عبد اللہ ابن ام عبد پر رحم کرے کہ اس نے اس بستی کو علم سے بھر دیا ہے اور طبقات ابن سعد میں ہے کہ فرمایا اصحاب عبداللہ سرج هذه القرية حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگرد اس شہر کے چراغ ہیں۔ (ص ۳۶۹ ج ۶)

کان اصدق الناس عند علی اصحاب عبداللہ

حضرت علیؓ کے نزدیک لوگوں میں سے سب سے زیادہ سچے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگرد تھے۔ ابراہیم تیمی کہتے ہیں کان فینا سعون شیخاً من اصحاب عبداللہ۔ ہم میں ستر مشائخ اصحاب عبداللہ میں سے تھے۔

شعبیؒ جن کے بارے میں حافظ ذہبیؒ لکھتے ہیں آپ فقہ حدیث میں امامت کے درجہ تک پہنچے ہوئے تھے حفظ واتقان میں بے نظیر تھے مختلف علوم میں بحر ناپید کنار فرمایا کرتے تھے میں نے سفید کاغذ کبھی سیاہ نہیں کیا۔ یعنی سارا علم سینہ میں محفوظ تھا سفیان بن عینیہ فرماتے ہیں کامل عالم تین ہی ہیں عبداللہ بن عباس اپنے زمانہ میں شعبی اپنے زمانہ میں اور سفیان ثوری اپنے زمانہ میں (دیکھئے ترجمہ شعبیؒ از تذکرۃ الحفاظ) یہ امام شعبیؒ فرماتے ہیں

مارئیت احدا کان اعظم حلما ولا اکثر علما ولا اکف عن الدماء من اصحاب عبداللہ الا ما کان من اصحاب رسول اللہ

ترجمہ: میں نے صحابہ کے بعد سب سے زیادہ حلیم و بردبار عالم وفقیہ اور خونریزی سے بچنے والا اور کوئی نہیں سوائے اصحاب عبداللہ کے (ایضاً ۲۷۱)

علامہ کردریؒ لکھتے ہیں ذکر اصحاب الشافعیؒ ان ابن عباسؓ اسطفی اصحاب ابن مسعود کعلقمہ والاسود و مسروق (مناقب کردری ص ۵۶ ج ۲)

ترجمہ: امام شافعیؒ کے اصحاب بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ بھی حضرت ابن مسعودؓ کے شاگردوں جیسے علقمہ اسود مسروق وغیرہ سے فتوی لیتے تھے۔

حضرت ابن مسعودؓ کے بعد اس کوفہ میں خلیفہ راشد حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ جلوہ افروز ہوئے اور اصحاب ابن مسعودؓ کی فقاہت کو مزید نکھار سرج هذه القرية کو شمس القریہ بنا دیا ان دونوں حضرات کی محنت کی برکت سے ان کے لگائے ہوئے پودے خوب پھلے پھولے حتی کہ ان کی وجہ سے کوفہ ایسے مقام تک پہنچ گیا کہ کثرت فقہاء اور کثرت محدثین میں کوفہ کی کوئی اور مثال دنیا میں نہیں تھی۔ مصر میں جو صحابہ فروکش ہوئے جیزی اور سیوطیؒ نے ان کی تعداد شمار کی تو تین سو کے قریب تک پہنچے ہیں عجلی نے ان صحابہ کو جب شمار کیا جو کوفہ میں پہنچے تو گیارہ سو پچاسی تک پہنچائی ہے۔(فقہ اہل العراق وحدیثہم ص ۴۲)

ابن سعدؒ نے ۱۴۸ صحابہ کے تراجم اپنے طبقات میں لکھے ہیں جو کوفہ میں آباد ہوئے۔ علامہ سخاویؒ جو دو صد کے قریب کتب کے مصنف ہیں لکھتے ہیں۔

والكوفة نزلها مثل ابن سعدؓ و عمار بن ياسرؓ و عليؓ بن ابی طالب و خلق من اصحابه ثم كانا بها ائمة التابعين كعلقمه و مسروق و عبيده السلماني و الاسود ثم الشعبي والنخعي والحكم بن عتيبة و حماد و ابی اسحاق و منصور و اعمش واصحابهم و مازال العلم بها متوافر الى زمان ابن عقدة (الاعلان بالتوبيخ لمن ذم التاريخ ص ۱۳۹)

ترجمہ: اور کوفہ میں عبداللہ بن مسعودؓ، عمار بن یاسرؓ، علیؓ بن ابی طالب جیسے حضرات اور صحابہ کی ایک جماعت فروکش ہوئی پھر علقمہ مسروق عبیدہ سلمانی شعبی نخعی حکم بن عتیبہ، حماد ابو اسحق، منصور اعمش جیسے ائمہ تابعین اور ان کے تلامذہ اصحاب رہائش پذیر رہے اور ابن عقدہ کے زمانہ تک یہاں علم کی بہاریں رہیں۔

امام مالکؒ کے نزدیک کوفہ کا مقام:

حافظ ابن عبدالبر نے جامع بیان العلم میں بہ سند متصل امام وھب کی زبانی جو امام مالک کے مخصوص تلامذہ میں شمار کئے جاتے ہیں نقل کیا ہے کہ ایک بار امام مالکؒ سے کسی نے مسئلہ پوچھا آپ نے اس کا جواب دیا اس پر سائل کی زبان سے یہ نکل گیا کہ اہل شام تو اس مسئلہ میں آپ کی مخالفت کرتے ہیں اور اس کو اس طرح بیان کرتے ہیں آپ نے فرمایامن کان ھذا الشان بالشام انما ھذا لشان وقف علی اھل المدینۃ و الکوفۃ اہل شام کی یہ شان کب سے ہوگئی یہ شان تو صرف اہل مدینہ اور اہل کوفہ کی ہے (جامع بیان العلم ج ۲ ص ۵۸ طبع مصر بحوالہ ابن ماجہ اور علم حدیث لمحدث العصر الشیخ عبدالرشید النعمانیؒ ۲ ف ۱۹۲)

امام نوویؒ لکھتے ہیں والکوفۃ ھی البلدۃ المعروفۃ و دار الفضل و محل الفضلاء بناھا عمر بن خطابؓ

ترجمہ: اور کوفہ یہ معروف شہر ہے اور فضل کی جگہ ہے فضلاء کا ٹھکانہ ہے عمر بن خطابؓ نے اس کی بنیاد رکھی امام ابوبکر بن ابی داؤد۔ علامہ تاج الدین السبکیؒ طبقات الشافعیہ الکبری میں قدوۃ المحدثین حافظ ابوبکر بن ابی داؤد کی زبانی ان کا یہ بیان نقل کرتے ہیں۔ دخلت الکوفۃ و معی درھم واحد فاشتریت بہ ثلاثین مداً باقلا فکنت اکل مداً و اکتب عن الاشج و کتبت عنہ فی الشھر ثلاثین الف حدیث

ترجمہ: میں جب کوفہ آیا تو میرے پاس ایک درھم رہ گیا تھا سو میں نے اسی درھم سے تیس مد باقلا خرید لیا اور ایک مد کھاتا اور اشج سے ایک ہزار احادیث لکھ لیتا اسی طرح مہینہ میں میں نے تیس ہزار احادیث لکھ لیں۔ (طبقات الشافعیہ ص ۲۳ ج ۲ طبع مصر بحوالہ ابن ماجہ اور علم حدیث ص ۴۲)

عمرؓ، زید بن ثابتؓ، ابی درداؓ، ابی بن کعبؓ اور پھر میں نے ان چھ کا علم علیؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ میں منتھی (موجود) پایا یعنی تمام اصحاب کا علم ان چھ میں جمع تھا اور ان چھ کا پھر ان دو میں یعنی تمام صحابہ سے زیادہ علم والے یہ دو حضرات تھے۔ جریرؒ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے علاوہ کسی اور کو ایسے شاگرد نہ مل سکے جنھوں نے ان کے فتاوی کو مرتب کیا ہو اان کے مذہب کو مدون کیا

ہو عبداللہ بن مسعودؓ کے قول کو ایک حضرت عمرؓ کے قول کے مقابلے میں چھوڑا جاتا ہے ورنہ اس کو دوسروں کے اقوال پر ترجیح ہوتی تھی اور فقہاء اور صحابہ آپ کے علم کے معترف تھے اور اپنے شاگردوں کو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے علم و فضل سے خوشہ چینی کی ترغیب دیتے تھے جیسا کہ حضرت معاذ بن جبلؓ نے اپنے شاگرد عمر بن میمون الاءودی کو کوفہ جانے اور حضرت ابن مسعودؓ کے حلقہ درس میں زانوئے تلمذ طے کرنے کی وصیت فرمائی۔ اصحاب ابن مسعود اور اصحاب علیؓ تمام کا ذکر تو ہم طوالت کے خوف سے نہیں کرتے البتہ بعض کا ذکر ضرور کریں گے تاکہ ان شموسان علم و فضل کی اور دورائلم کوفہ کی فضیلت و منقبت لوح قلب پر جاگزیں ہوسکے۔

1۔ عبیدہ بن قیس الاءودی المتوفی ۶۷ھ قاضی شریح کو جب کوئی مشاکل مسئلہ پیش آتا تو ان سے مشورہ کے لئے حاضر ہوتے (المحدث الفاصل)

2۔ عمرو بن میمون الاءودیؒ المتوفی ۷۴ھ۔ ذھبیؒ انکے بارے میں لکھتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانہ خلافت میں حضرت معاذ بن جبلؓ کے ساتھ مدینہ منورہ آئے۔ حضرت ابوبکرؓ، عمرؓ اور ابن مسعودؓ سے علم حدیث حاصل کیا ابواسحق کہتے ہیں آپ نے ایک سو حج و عمرہ کیا۔ آپ کو دیکھ کر اللہ یاد آجاتا تھا۔ ابراہیم کا بیان ہے جب بوڑھے ہوگئے تو ان کی دیوار میں ایک میخ لگادی گئی جب رات کو قیام کرتے تھک جاتے تو اس میخ کا سہارا لیتے۔ آخر میں کوفہ میں آباد ہوگئے تھے۔ ۷۵ھ یا ۷۴ھ میں وفات پائی۔ رحمۃ اللہ علیہ (تذکرۃ الحفاظ ص ۷۱ ج ۱)

3۔ زر بن حبیشؒ المتوفی ۸۶ھ۔ ذہبیؒ انکے بارے میں لکھتے ہیں محدثین کے پیشواء اور کوفہ کے رہنے والے تھے۔ حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت علیؓ اور حذیفہؓ سے علم حدیث حاصل کیا۔ ایک سو بیس سال عمر پائی (تذکرۃ الحفاظ ص ۶۴) یہ لوگوں کو تراویح کی جماعت کروایا کرتے تھے۔ انہی سے قاری عاصم کوفی نے قرآت حاصل کی۔ (فقہ اہل العراق)

4۔ ابو عبدالرحمن عبداللہ بن حبیب السلمیؒ المتوفی ۸۶ھ انہوں نے حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے قرآت کا علم حاصل کیا اور چالیس سال تک کوفہ میں قرآن پڑھاتے رہے۔ سیدنا حسنؓ اور

سیدنا حسینؓ نے حضرت علیؓ کے حکم سے ان سے ہی قرآت کا علم حاصل کیا اور قاری عاصم نے ان سے ہی حضرت علیؓ کی قرات حاصل کی اور ان سے قاری حفص نے روایت کی (فقہ اہل العراق وحدیثہم ص ۶۴) آج اسی قرآن پر ساری دنیا میں تلاوت ہو رہی ہے۔

5۔ سوید بن غفلہ المذحجی:

آپ کوفہ کے رہنے والے معمر تابعی ہیں عام الفیل یا اس سے دو سال بعد پیدا ہوئے۔ یہ بوڑھے ہونے کے بعد اسلام لائے۔ پھر مدینہ کی طرف ہجرت کی لیکن اس وقت مدینہ پہنچے جب صحابہ کرام آنحضرت ﷺ کے دفن فارغ ہو چکے تھے حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ، حضرت ابی بن کعبؓ اور دیگر صحابہ سے علم حاصل کیا۔ ان سے ابراہیم نخعیؒ نے علم حاصل کیا۔ ۸۱ھ میں وفات پائی۔ (تذکرۃ الحفاظ ص ج ۱)

علقمہ بن قیسؒ:

آنحضرت ﷺ کی زندگی میں پیدا ہوئے اور جاہلیت کا کچھ زمانہ پایا۔ ابراہیم نخعیؒ کے ماموں ہیں حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ اور حضرت ابو درداؓ سے علم حاصل کیا۔ فقہ حدیث کا درس انہی سے لیا۔ آپ کا شمار حضرت ابن مسعودؓ کے بڑے زیرک اور عقلمند تلامذہ میں ہوتا القرآن ج ا ص اے پر لکھتے ہیں چار ہزار قراء حجاج کے خلاف جہاد کے لئے نکلے اور یہ بڑے بڑے تابعین اور فقہاء تھے۔

حضرت سعدی بن جبیرؒ اکیلے ہی ایسے ہیں کہ انہوں نے حضرت ابن عباسؓ کے علم وفقہ کو حاصل کر لیا تھا حتی کہ جب ابن عباسؓ سے اہل کوفہ کوئی مسئلہ پوچھنے کے لئے آتے تو فرماتے الیس فیکم ابن ام الدھماء تم میں سید بن جبیر نہیں ہے۔ اور پھر اہل کوفہ کو ابن جبیر کے فضائل بتاتے اور کہتے کہ ان سے جا کر فتوی پوچھو یعنی ان کا علم ابن عباسؓ کے علم سے مستغنی کر دینے والا تھا۔ ابراہیم بن یزید نخعیؒ بھی اسی طبقہ سے ہیں انہوں نے بھی ان دونوں (صحابہ اور کبار تابعین) کے علوم کو جمع کیا۔ ابونعیم اصفہانیؒ کہتے ہیں کہ ابراہیم نخعیؒ نے ابوسعید خدریؓ، حضرت عائشہؓ ودیگر صحابہ کو پایا اگر ذہبیؒ وغیرہ نے ابراہیم نخعیؒ کے حضرت سیدہ اماں عائشہ صدیقہؓ سے سماع کا انکار کیا ہے۔ یہ عجیب

معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ان کو پایا اور سماع نہیں کیا حالانکہ ادھر یہ بھی اصول ہے کہ ہم عصر کا عنعنہ اگر ملاقات ثابت ہو تو بالاتفاق سماع پر محمول ہوتا ہے اسی طرح بعض صحابہ کے سماع کی نفی کی ہے۔ محدث سہارنپوریؒ اپنی شہرہ آفاق تصنیف بذل المجہود فی حل ابی داؤد میں اسی انکار پر تعجب کا اظہار فرماتے ہیں۔ سعید بن جبیر کے بارے میں آپ نے پڑھ ہی لیا کہ ابن عباسؓ کے ان کے بارے میں کیا تاثرات تھے۔ یہی سعید بن جبیرؒ سے جب مسئلہ پوچھا جاتا تو فرماتے ابراھیم تم میں موجود ہیں اور پھر بھی فتوی مجھ سے پوچھتے ہو امام شعبیؒ جن کا ذکر ابھی آ رہا ہے ان کو جب ابراھیم نخعیؒ کی وفات کی خبر ملی تو فرمایا اپنے جیسا کوئی آدمی نہیں چھوڑ ئے۔ ابوعمرو شعبی بھی اسی طریقہ سے ہیں جن کے بارے میں حضرت ابن عمرؓ فرماتے تھے کہ میں اگرچہ مغازی میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شریک رہا ہوں مگر اسے جانتے مجھ سے زیادہ شعبیؒ ہیں۔ (ابو مجلز کا تذکرہ ص ۸۲ ایضا) بیان ہے کہ میں شعبیؒ سے بڑا کوئی فقیہ نہیں دیکھا۔ ابو حصین بھی یہی کہتے ہیں (ایضا) سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کامل عالم تین ہیں۔ عبداللہ بن عباسؓ اپنے زمانے میں شعبیؒ اپنے زمانے میں اور سفیان ثوریؒ اپنے زمانے میں (ایضا) علی بن مدینیؒ جو کہ بخاریؒ کے استاد ہیں کہتے ہیں کسی نے شعبیؒ سے پوچھا اتنا وسیع علم آپ نے کیسے حاصل کیا فرمایا یہ سارا علم اپنے موجودہ علم پر بے اعتمادی مختلف ملکوں میں سفر و سیاحت جمادات کی طرح صبر اور کوے کی طرح گھر سے سویرے سویرے نکلنے کی بدولت حاصل ہوا (ایضا) حضرت سعید بن جبیرؒ کے بارے میں گزر چکا ہے کہ ابن عباسؓ فرماتے تھے کہ تم میں جبیر موجود ہیں پھر بھی فتوی مجھ سے پوچھتے ہو اور سعید بن جبیرؒ سے جب فتوی پوچھا جاتا تو فرماتے کہ تم میں ابراھیم نخعیؒ موجود ہیں پھر بھی فتوی مجھ سے پوچھتے ہو۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کچھ ابن تیمیہؒ کے بارے میں

(از مولانا ـــــ محمود عالم صفدر اوکاڑوی)

حضرت مولانا ابوبکر غازی پوری حفظہ اللہ انڈیا کے چوٹی کے محققین میں سے ایک ہیں۔ اللہ تعالیٰ

مسلک حقہ اہل السنۃ والجماعۃ کے دفاع کا کام جو ان سے اس وقت لے رہے ہیں اس پر اگر یہ کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا کہ ہندو پاک میں ان کا کوئی ثانی نہیں ہے۔ آپ کے قلم میں اللہ تعالیٰ نے برکت رکھی ہے اور وقت میں بھی۔ تھوڑے سے وقت میں آپ کے قلم سے ایسے ایسے قیمتی مضامین نکل آتے ہیں کہ میدان قلم وقرطاس کے بڑے بڑے شہسوار اس کی گرد کو بھی نہیں پا سکتے۔ موجودہ زمانہ میں غیر مقلدین بڑے زور وشور سے ائمہ اربعہ کی اتباع وتقلید سے راہ فرار اختیار کرتے اور ابن تیمیہؒ وابن قیمؒ کی اتباع وتقلید پر فخر کرتے نظر آتے ہیں۔ پھر طرفہ یہ کہ اکابر دیوبند جو کہ پاک وہند میں اہل السنۃ والجماعۃ کے صحیح ترجمان ہیں اس پر کیچڑ اچھالنا ایک معمول بن گیا ہے اور ان اسلام کے سپوتوں کے خلاف جو سامراج کو ناکوں چنے چبوائے ہیں اور یہ کوئی ایک آدھ دن کی بات نہیں ڈیڑھ صدی پر محیط ایک تاریخ ہے، ان سپوتان اسلام کے خلاف خبث باطن کا اظہار ہی سب سے بڑی خدمت دین اور عمل بالحدیث ٹھہرا ہے۔ اس لئے ضروری تھا کہ جس ابن تیمیہؒ کی آڑ میں یہ فرقہ (غیر مقلدین) حق سے نبرد آزما ہے اس کے عقائد ونظریات پر ایک نظر ڈالی جائے اس سلسلہ میں ہم مولانا ابوبکر غازی پوری حفظہ اللہ تعالیٰ کے ایک مضمون "کیا ابن تیمیہؒ علمائے اہل السنۃ میں سے ہے" اپنے رسالہ میں قسط وار شائع کرنے کی سعادت حاصل کریں گے۔ قبل ازیں کہ ہم اس مضمون کو اپنے رسالہ کی زینت بنائیں مولانا غازی پوری مدظلہ کا ایک اور مضمون "کچھ حافظ ابن تیمیہؒ کے بارے میں" شائع کرتے ہیں۔ یاد رہے کہ حضرت کا یہ مضمون مجلہ دو ماہی "زمزم" میں شائع ہو چکا ہے ہم وہیں سے لے کر افادہ عام کے لیے شائع کر رہے ہیں۔ (مولانا محمود عالم صفدر اوکاڑوی مدظلہ العالی)

محترم حضرت مولانا غازی پوری صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا کرے جناب کا مزاج بخیر ہو، اطلاعاً عرض ہے کہ ارمغان حق جلد ثانی بھی بواسطہ مولوی عبدالقیوم مظاہری سلمہ پہنچ گئی۔ ماشاء اللہ یہ جلد بھی پہلی جلد کی طرح غذائے روح جان ہے، ہم

مسائل میں کیسی کیسی گھتیاں آپ نے سلجھائی ہیں، اور انداز بالکل عام فہم کہ کم پڑھے لکھے ہوئے بھی حقیقتِ حال سے آگاہ ہو جائیں، بات سمجھنے میں ذرا بھی دشواری نہ کریں۔ فجزاکم اللہ خیرا عنا و عن اھل السنۃ والجماعۃ.

غرض تحریر یہ ہے کہ غیر مقلدین اور سلفی حضرات ابن تیمیہؒ کے بارے میں حد درجہ غلو کرتے ہیں، اور ان کو حق و باطل کا معیار قرار دیتے ہیں، ابن تیمیہؒ کے بارے میں اپ کا نقطہ نظر کیا ہے، واضح فرمائیں۔ امید ہے کہ زمزم کی کسی قریبی اشاعت میں اس پر روشنی ڈالیں گے۔

والسلام

ناظم الدین رشیدی مظفر نگر، یوپی

زمزم! ارمغان حق کی جلد ثانی کے لئے لوگوں کا تقاضا شدید تھا، اللہ کا شکر ہے کہ وہ طبع ہو گئی اور لوگوں نے اس کے مضامین کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا اور اب وہ ہاتھوں ہاتھ لی جارہی ہے۔

میرے بارے میں جو آپ نے اظہار خیال کیا ہے وہ اپ کی محبت اور قدر روانی کی بات ہے۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ میں بزرگوں اور اکابر کی باتوں کو اپنے انداز میں پیش کر دیتا ہوں، میری اپنی کوئی تحقیق نہیں ہوتی، میں صرف ناقل ہوتا ہوں۔

حافظ ابن تیمیہؒ کے بارے میں دو طرح کے لوگ پائے جاتے ہیں، بعض تو وہ ہیں جو ان کو حق و باطل کا پیمانہ بتائے ہوئے ہیں اور غلو سے کام لیتے ہیں، جیسا کہ آج کل سلفیوں اور غیر مقلدوں کا طبقہ ہے، اس طبقہ کے نزدیک وہی سچا اور پکا مسلمان اور اہل السنۃ ہے جو ابن تیمیہ کے عقائد اور ان کی علمی تحقیقات کو صحیح قرار دے۔ دوسرا طبقہ وہ ہے جو ابن تیمیہؒ کو اہل السنۃ والجماعۃ سے بھی خارج قرار دیتا ہے اور ان کو مجسمہ اور حشویہ قرار دیتا ہے۔

میرے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ حافظ ابن تیمیہ علم و کمالات میں بے نظیر تھے، کتاب و سنت کے بڑے عالم تھے، مگر جس طرح سے ہر عالم کی بات کو جوں کا توں قبول نہیں کیا جاتا اسی طرح ابن تیمیہؒ کی باتوں کو بھی کتاب و سنت اور متقدمین اکابر کے عقائد و اعمال کی میزان پر پرکھ کر قبول کیا

جائیگا۔ نہ ابن تیمیہؒ کی ہر بات قابل رد ہوتی ہے اور نہ ان کی ہر بات قابل قبول ہوتی ہے، ان کا علم و فضل اپنی جگہ پر اور کتاب و سنت پر وسعت نظر اپنی جگہ پر مگر واقعہ یہ ہے کہ ابن تیمیہ بعض جگہ پر بڑی فاش غلطی کرتے ہیں۔

ان کے افکار و معتقدار میں شذوذ پایا جاتا ہے بعض باتیں جو اہل السنۃ والجماعۃ کے ہاں اجماعی ہوتی ہیں ابن تیمیہؒ اس کے خلاف جاتے ہیں اور شدت سے اس کا انکار کرتے ہیں۔ احادیث کے بارے میں بھی ان کا نقطہ نظر عجیب سا ہے کبھی تو وہ ضعیف سے ضعیف حدیث کو قبول کرتے ہیں اور کبھی صحیح حدیث کا رد کرتے ہیں۔ ان کے ہاں تضادات کی بھر مار ہے کبھی صوفیا کی تعظیم میں غلو کرتے ہیں اور کبھی اکابر صوفیہ کی ہتک کر جاتے ہیں اور ان کے بارے میں بڑے سخت الفاظ استعمال کرتے ہیں، کبھی وہ مقلد نظر آتے ہیں اور کبھی غیر مقلد۔ غرض ابن تیمیہؒ بڑے عالم تھے مگر وہ حق و باطل کی میزان نہیں تھے کہ جو ان کے عقیدہ اور مسلک پر ہو وہ تو اہل حق اور اہل السنۃ شمار ہو اور جو ان سے اختلاف کرے وہ اہل باطل میں سے شمار ہو اور اہل السنۃ کی جماعت سے باہر ہو۔ میں نے جو کچھ اوپر عرض کیا ہے اسکی کچھ تفصیل ملاحظہ ہو۔

حافظ ابن تیمیہؒ کے بارے میں بعض اکابر علماء اہل السنۃ کی رائے:

پہلے تو یہ معلوم کیجئے کہ حافظ ابن تیمیہؒ کے بارے میں بعض اکابر اہل السنۃ کی رائے کیا تھی اور وہ ابن تیمیہؒ کو کس نگاہ سے دیکھتے تھے۔

علامہ ذہبیؒ اور ابن تیمیہؒ:

حافظ ذہبیؒ ابن تیمیہؒ کے علم کے معترف تھے مگر ان کی یہ رائے تھی کہ ابن تیمیہؒ میں کبر اور عجب کا مرض تھا اور اکابر اہل السنۃ کے بارے میں وہ گستاخ زبان دراز تھے، بہت سے اجماعی اور اتفاقی مسائل میں ابن تیمیہؒ کا مسلک اہل السنۃ کے مسلک سے الگ تھا، اپنے رسالہ زغل العلم میں ابن تیمیہؒ کو خطاب کر کے کہتے ہیں۔

احذر الکبر و العجب بعلمک ابن تیمیہ کبر اور اپنے علم پر عجب اور فخر سے بچو۔

اسی رسالہ میں یہ کہتے ہیں کہ میری نگاہ نے ابن تیمیہؒ سے وسیع علم والا نہیں دیکھا لیکن اسکے باوجود لوگوں نے جو انکی تکفیر کی اور تکذیب کی تو اسکی وجہ کبر اور عجب اور ریاست حاصل کرنے کی شدید خواہش اور بڑوں کو حقارت سے دیکھنا ہے۔ آگے چل کر حافظ ذھبیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ نے ابن تیمیہ پر ان کے مخالفوں کو ابن تیمیہ کے گناہوں کی وجہ سے مسلط کر دیا تھا۔

ما سلطهم الله بتقوهم و بجلالهم بل بذنوبه یعنی اللہ نے ابن تیمیہؒ پر انکے مخالفوں کو انکے تقوی اور جلالت قدر کی بنا پر تسلط نہیں تھا بلکہ ان پر غلبہ پانے کی وجہ ابن تیمیہ کے گناہ تھے۔(اقتصار از غل الحم ص ۱۷)

حافظ ذہبیؒ جو ابن تیمیہؒ کے مخلص اور قدرداں تھے، جب انہوں نے دیکھا کہ ابن تیمیہؒ اکابر علماء دین کے بارے میں اور صوفیا کے بارے میں حد سے تجاوز کر رہے ہیں اور بہت سے اتفاقی اور اجماعی مسائل میں ان کی ڈگر اہل السنۃ سے الگ ہوتی جارہی ہے تو انہوں نے ابن تیمیہؒ کو ایک خط لکھا جس میں وہ فرماتے ہیں۔

يا خيبة من اتبعک فانه معرض للزندقة و الانحلال لاسيما اذا كان قليل العلم و الدين باطو ليا شهوانيا.... فهل معظم اتباعک الا قعيدم بوط خفيف العقل او عامي كذاب بليد اللهن او غريب واجسم قوى المكر او كاشف صالح عديم الفهم فان لم تصدقني ففتشهم و زنهم بالعدل.

ترجمہ: اس شخص کی نامرادی پر افسوس جو تیری اتباع کرتا ہے اسلیے کہ اندیشہ ہے کہ وہ زندیق ہو جائے اور ملحد ہو جائے، خاص طور پر جب کم علم بھی ہو دین بھی اسکا ناقص ہو شہوت پرست ہو۔۔۔۔ تیرے پیچھے چلنے والے بیشتر وہ ہیں جو اپاہج ہیں اور رسی میں جکڑے ہوئے ہیں، عقل کے کمزور ہیں یا وہ عامی کذاب اور بے وقوف ہیں، یا سوکھی عقل والے ناسمجھ ہیں۔ اگر تم کو میری بات کا یقین نہ ہو تو انکا حال معلوم کرو اور انصاف کے ترازو پر انکو رکھو۔

آگے چل کر حافظ ذہبی لکھتے ہیں اے مسلمان آدمی جس نے اپنی شہوت کے گھوڑے کی لگام کو ڈھیل دی ہے تاکہ تو اپنی تعریف کرے کب تک تو اپنے نفس سے دوستی کرتا رہے گا اور نیک لوگوں

سے دشمنی کرتا رہے گا؟ کب تک تو اپنے نفس سے دوستی کرتا رہے گا اور ابرار و صالحین کو حقیر سمجھے گا؟ کب تک تو اپنے نفس کی بڑائی کرتا رہے گا اور اللہ کے بندوں کو کم تر سمجھے گا؟ کب تک تو اسکو اپنا دوست بنائے گا اور اہل زہد کو مبغوض جانے گا؟ کب تک تو اپنی باتوں کو ناپسندیدہ انداز میں مدح سرائی کرتا رہے گا؟ کاش تجھ سے بخاری مسلم کی احادیث محفوظ رہتیں۔ تو ہر وقت صحیحین کی احادیث پر حملہ آور ہوتا ہے کبھی انکو ضعیف قرار دیتا ہے کبھی تو انکو باطل گردانتا ہے کبھی انکی تاویلیں کرتا ہے کبھی تو انکا انکار کرتا ہے کیا ابھی وقت نہیں آیا ہے کہ تو باز رہے؟ کیا ابھی وقت نہیں پہنچا ہے کہ تو توبہ و انابت کا اظہار کرے؟ تو ستر کی دھائی میں ہے اور موت کا وقت قریب آ چکا ہے خدا کی قسم مجھے امید نہیں کہ تو موت کو یاد کرتا ہے۔ بلکہ جو لوگ موت کو یاد رکھتے ہیں تو انکی تحقیر کرتا ہے۔ مجھے امید نہیں کہ تو میری بات کی طرف توجہ دے گا اور میری نصیحت پر کان دھرے گا۔

حافظ ابن حجرؒ اور ابن تیمیہؒ:

اب سنیے فتح الباری کے مؤلف اور خاتمۃ المحدثین حافظ ابن حجر عسقلانیؒ ابن تیمیہؒ کے بارے میں کیا فرماتے ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ اپنی کتاب درر کامنہ میں ابن تیمیہؒ کا ترجمہ کچھ تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

ابن تیمیہؒ کا کلام مفسرین کے طریقہ پر ہوتا تھا ساتھ میں فقہ اور حدیث کا ذکر بھی ہوتا تھا۔ وہ تھوڑی دیر میں کتاب و سنت اور لغت اور قیاس سے اتنا بیان کر دیتے تھے کہ دوسرا کئی مجلسوں میں بھی اتنا بیان نہیں کر سکتا تھا گویا کہ یہ سارے علوم انکی نگاہوں کے سامنے ہیں۔ ان میں سے جو چاہیں لے لیں اور جو چاہیں چھوڑ دیں اسی وجہ سے انکے ماننے والوں کو انکے بارے میں اتنا غلو پیدا ہوا اور ابن تیمیہؒ میں عجب پسندی پیدا ہوئی اور وہ چھوٹے بڑے، نئے پرانے علماء کا رد کرنے لگے اور اپنے آپ کو مجتہد سمجھ لیا، حتیٰ کہ حضرت عمرؓ تک پہنچ گئے اور انکی کچھ مسائل میں غلطیاں نکالیں اور حضرت علیؓ کے بارے میں فرمایا کہ انہوں نے سترہ مسائل میں غلطیاں کی ہیں اور کتاب اللہ کی نص کے خلاف کیا ہے۔ اشاعرہ کی برائی بیان کرتے تھے امام غزالیؒ کو برا بھلا کہا۔ انہوں نے اپنے رسالہ

الحمویہ والواسطیہ اور دوسرے رسائل میں اللہ تعالیٰ کے لیے ہاتھ، قدم، پنڈلی اور چہرہ ثابت کیا اور کہا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی حقیقی صفات ہیں اور اللہ تعالیٰ عرش پر اپنی ذات کے ساتھ مستوی ہے۔ جب ابن تیمیہؒ سے کہا گیا کہ اس سے تو اللہ تعالیٰ کے لیے چیز ہونا اور اللہ کا منقسم ہونا لازم آتا ہے جو جسم کی صفات ہیں تو انہوں نے اسکا جواب دیا کہ میں اسکو نہیں مانتا کہ تحیز اور انقسام جسم کے خواص میں سے ہیں، بعض بزرگوں نے ابن تیمیہؒ کو زندیق قرار دیا ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ سے توسل کا انکار کیا ہے۔ جو حضور ﷺ کی عظمت کے خلاف ہے اور اسمیں آپ ﷺ کی تنقیص ہے۔ حضرت علیؓ کے بارے میں ابن تیمیہؒ کا کہنا تھا کہ انکا قتال کرنا ریاست کے حصول کے لیے تھا، اسکی بنیاد دین داری پر نہ تھی۔ حضرت عثمانؓ کے بارے میں ابن تیمیہؒ نے کہا کہ وہ مال سے محبت کرتے تھے، حضرت ابو بکرؓ کے بارے میں ابن تیمیہؒ کے تبصرہ تھا اسلم شیخا لا یدری ما یقول یعنی ابو بکرؓ بڑھاپے میں ایمان لائے تھے۔ انکی زبان سے کیا نکلتا تھا اسکا انکو پتہ نہیں تھا۔ حضرت علیؓ کے بارے میں ابن تیمیہؒ کا تبصرہ تھا کہ وہ صغر سنی اور کم عمری میں ایمان لائے تھے اور بعض قول کے مطابق بچے کا ایمان درست نہیں ہے۔ (درر کامنہ لحافظ ابن حجر عسقلانی ص ۱۵۱ ج ۱)

امام تقی الدین سبکیؒ اور ابن تیمیہؒ:

امام اجل حافظ تقی الدین السبکیؒ اپنی کتاب السیف الصقیل ص ۱۷ میں فرماتے ہیں۔

پھر ساتویں صدی کے اواخر میں ایک شخص پیدا ہوا جو صاحب فضل، ذہین اور وسیع معلومات والا تھا۔ اس کا کوئی ایسا شیخ نہیں تھا جو اسکی راہنمائی کرے اسمیں جسارت بہت تھی اپنی جسارت کی وجہ سے شاذ مسائل کو اختیار کرتا اور اسکو ثابت کرے، مثلاً اسکا عقیدہ تھا کہ اللہ کی ذات کے ساتھ حوادث کا قیام ہو سکتا ہے اور عالم قدیم ہے اور گزشتہ زمانے میں زمانہ کی طرح تسلسل محال نہیں ہے اس نے مسلمانوں میں فساد پیدا کیا، اسکی جرات یہاں تک پہونچی کہ اس نے حضور ﷺ کی زیارت کے لئے سفر کرنے کو معصیت قرار دیا اور یہ کہا کہ اکٹھی تین طلاق واقع نہیں ہوتی ہیں اور یہ کہا کہ اگر کسی نے اپنی بیوی کو طلاق دینے کی قسم کھائی اور وہ قسم پوری نہیں کر سکا تو اسکی بیوی کو

طلاق نہیں پڑے گی۔(السیف الصقیل ۱۷)

اختصاراً میں نے صرف اسلام کی تین عظیم القدر اور متفق علیہ شخصیتوں کا ابن تیمیہؒ کے بارے میں تبصرہ نقل کیا ہے۔ یہ تینوں وہ عظیم شخصیات ہیں جن پر تمام اہل السنۃ والجماعۃ کو اعتماد ہے۔ انکے تبصروں سے ابن تیمیہؒ کے بارے میں بہت کچھ جانا جاسکتا ہے۔ آج کل کے سلفیوں کا عقیدہ ہے کہ کہ جو ابن تیمیہؒ کا مخالف ہے وہ شیطان کے گروہ کا آدمی ہے۔(مقدمہ اقتضاء الصراط المستقیم)

ابن تیمیہؒ اور علم حدیث:

ابن تیمیہؒ کہتے ہیں و کل حدیث فیہ ان محمد ارای ربہ بعینہ فی الارض فھو کذب.... و کذالک الحدیث الذی رواہ اھل العلم انہ قال رئیت ربی فی صورۃ کذا و کذا یروی من طریق ابن عباس. (الوصیۃ الکبری ص ۲۳)

ترجمہ: یعنی وہ ساری روایات جن میں ہے کہ محمد ﷺ نے اس دنیا میں اپنے رب کو اپنی آنکھ سے دیکھا وہ جھوٹی ہیں، اسی طرح حضرت ابن عباسؓ والی حدیث بھی جھوٹی ہے جس میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں نے رب کو ایسی شکل میں دیکھا۔

حالانکہ ابن عباسؓ والی روایت کو محدثین نے صحیح قرار دیا ہے۔امام ترمذی فرماتے ہیں۔

ھذا حدیث حسن صحیح سالت محمد بن اسماعیل عن ھذا الحدیث فقال حسن صحیح۔یعنی یہ حدیث حسن صحیح ہے اور میں نے امام بخاری سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے بھی کہا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔امام احمدؒ اور امام ابن خزیمہؒ نے بھی اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

اسی رسالہ میں ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں و ثبت ذالک فی صحیح مسلم عن النواس بن سمعان عن النبی ﷺ انہ ذکر الدجال فقال الخ یعنی صحیح مسلم میں نواس بن سمعان کے طریق سے نبی ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے دجال کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا الخ ۔۔۔۔حالانکہ صحیح مسلم میں نواس بن سمعان کا ذکر اس حدیث کی سند میں نہیں ہے بلکہ حضور ﷺ

سے جس صحابی نے اسکو نقل کیا ہے اسکا ذکر مبہم ہے بعض اصحاب الرسول اللہ کا لفظ ہے، حافظ ابن حجر تقریب میں فرماتے ہیں کہ میرا خیال ہے وہ ابوامامہؓ ہیں۔

ابن تیمیہؒ نے اس رسالہ میں یہ حدیث ذکر کی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ما بین خلق آدم الی قیام الساعۃ فتنۃ اعظم من الدجال یعنی حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے لے کر قیامت تک دجال سے بڑا کوئی فتنہ نہیں ہے اس حدیث کو امام احمدؒ نے ذکر کیا ہے اصل حدیث میں فتنہ کا لفظ نہیں ہے بلکہ یہ الفاظ ہیں امر ا اعظم من الدجال۔

ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں وفی المسانید و السنن ان النبی ﷺ قال للعباس لما شکا الیہ جفوۃ قوم لھم، قال و الذی نفسی بیدہ لا ید خلون الجنۃ حتی یحبو کم من اجلی. یعنی مسانید وسنن میں ہے کہ حضرت عباسؓ نے آپ ﷺ سے ان لوگوں کے غلط برتاؤ کی سکایت کی تو آپ ﷺ نے حضرت عباسؓ سے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے لوگ جنت میں نہیں داخل ہوں گے تا آنکہ تم سے میری وجہ سے محبت نہ کریں۔

حضور ﷺ کی طرف جن الفاظ کی ابن تیمیہؒ نے نسبت کی ہے والذی نفسی بیدہ سے اخیر تک اسکا پتہ احادیث کی کتابوں میں نہیں چلتا یہ حدیث دوسرے الفاظ کے ساتھ حدیث کی کتابوں میں ہے، ان الفاظ کے ساتھ کسی حدیث کی کتاب میں سراغ نہیں لگتا۔ ان چند مثالوں سے معلوم ہوا کہ ابن تیمیہؒ احادیث رسول ﷺ کے بارے میں غیر محتاط تھے۔

ابن تیمیہؒ کا ضعیف احادیث سے استدلال:

ہمارے سامنے ابن تیمیہؒ کا چند صفحات پر مشتمل رسالہ الوصیۃ الکبری ہے اس چھوٹے سے رسالے میں انہوں نے ضعیف احادیث سے استدلال کر رکھا ہے جب کہ اس رسالہ میں ابن تیمیہؒ نے دین کے اصولی اور اساسی واعتقادی مسائل کو بیان کیا ہے۔ ابن تیمیہؒ نے ایک حدیث ذکر کی ہے۔

مر النبی ﷺ بابی موسیٰ رضی اللہ عنہ وھو یقراء فجعل یستمع لقرائتہ فقال یا ابو موسی مررت بک البارحۃ فجعلت استمع قرائتک فقال لو علمت لحبرک لک

تحبيرا.

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰؓ کے پاس سے حضورﷺ نے انکی قرات کو غور سے سنا، پھر صبح کے وقت ان سے فرمایا کہ ابوموسیٰؓ میں گذشتہ شب تمہارے پاس سے گذرا تو میں نے تمہاری قرات کو سنا تو حضرت ابوموسیٰؓ نے فرمایا کہ اگر مجھے اسکا پتہ چلا ہوتا تو آپﷺ کے لئے اور اچھا کر کے پڑھتا۔ اس حدیث کے بارے میں رسالہ کے محقق (محمد بن حمد الحمود) کا کہنا ہے ضعیف یعنی یہ حدیث ضعیف ہے۔ ابن تیمیہؒ نے حضرت عدی بن حاتمؓ کی حدیث ذکر کی ہے "میں نے رسول اللہﷺ سے عرض کیا کہ بنی اسرائیل تو اپنے علماء کی پوجا نہیں کرتے تھے تو آپﷺ نے فرمایا وہاں وہ انکی پوجا نہیں کرتے تھے مگر انکے حرام کو حلال قرار دیتے اور یہ لوگ ان کی بات کو مانتے ہیں اور حلال کو حرام کرتے اور یہ لوگ انکی اطاعت کرتے۔ اس رسالہ کے محقق کا کہنا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔اس چھوٹے سے رسالہ میں دسیوں ضعیف احادیث سے ابن تیمیہؒ نے استدلال کیا ہے۔

احادیث کے بارے میں ابن تیمیہؒ کے اوہام:

ابن تیمیہؒ کو احادیث کے بارے میں وہم بھی بہت لگتا تھا۔ اسی رسالہ میں اسکی کئی مثالیں ہیں نمونہ کے طور پر دو مثالیں ذکر کرتا ہوں۔ سورۃ فاتحہ کے بارے میں ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں اعطیها النبیﷺ من كنز تحت العرش ۔یعنی سورۃ فاتحہ ہمارے نبیﷺ کو عرش کے تحت کے خزانہ سے دی گئی ہے۔اس رسالہ کے محقق کا کہنا ہے وھم رحمه الله فان التی اعطیها من كنز تحت العرش هما الآيتان من آخر سورة البقرة كما جاء فی مسلم یعنی اللہ تعالیٰ ابن تیمیہؒ پر رحم فرمائے انکو وہم ہوا ہے۔ جو آیت حضورﷺ کو تحت العرش کے خزانہ سے دی گئی تھی وہ سورۃ بقرہ کے اخیر کی دو آیتیں ہیں جیسا کہ مسلم شریف میں ہے۔

ایک جگہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں ولقد روى البخاری فی صحیحه عن ابن عمر رضی الله عنه ان النبیﷺ قال اول جیش یغزو القسطنطنية مغفور له. یعنی امام نے صحیح بخاری میں حضرت ابن عمرؓ کی یہ حدیث ذکر کی ہے کہ حضورﷺ نے فرمایا کہ پہلا جو لشکر قسطنطنیہ کو فتح

کرے گا مغفور لہ ہوگا۔ ابن تیمیہؒ نے اس حدیث کو حضرت ابن عمرؓ کی حدیث بتایا ہے یہ انکا شدید وہم ہے، یہ حدیث حضرت ابن عمرؓ کی نہیں بلکہ اسکے راوی حضرت عمیر بن الاسودؓ ہیں۔ اور پھر جن الفاظ کے ساتھ ابن تیمیہؒ نے اس حدیث کو ذکر کیا ہے۔ بخاری شریف میں وہ الفاظ بھی نہیں ہیں۔ بخاری شریف کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔ اول جیش من امتی یغزون البحر قد اوجبوا۔ دیکھیے بخاری کی حدیث کے الفاظ کیا ہیں۔ اور ابن تیمیہؒ نے اس کو کن الفاظ سے ذکر کیا ہے، یہ انکا دوسرا وہم ہے۔ میں یہ مثالیں اس رسالہ سے دے رہا ہوں جو چند صفحات کا ہے میں نے ابن تیمیہؒ کی ضخیم کتابوں کو ہاتھ نہیں لگایا۔ ورنہ صرف انکے فتاویٰ سے اس قسم کے اوہام اور احادیث میں غلطیوں اور ضعیف احادیث سے استدلال اور صحیح احادیث کو مردود قرار دینے کی بہت سی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ وفی ذلک کفایۃ لمن لہ بصیرۃ و ھدایۃ.

ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی لغزشیں:

مولانا ڈاکٹر محمد عبدالحلیم چشتی مدظلہ لکھتے ہیں کہ:

''ابن تیمیہؒ سے اصول وفروع میں بہت سی غلطیاں ہوئی ہیں، مگر علماء امت کا یہ بہت بڑا احسان ہے کہ انہوں نے ہر زمانے میں بڑے سے بڑے عالم کی لغزش سے امت کو آگاہ کیا، تاکہ آنے والے لوگ ان کی ان کی غلطیوں سے آگاہ رہیں، اور امت گمراہی سے محفوظ رہے۔

چنانچہ موصوف کے معاصرین میں سے حافظ صلاح الدین خلیل علائی دمشقی (۷۶۱ھ) نے اپنے ایک مکتوب میں ان کے تفردات کو یکجا کیا ہے، ان کا وہ معلومات افزا مکتوب محدث ناقد شیخ محمد زاہد کوثری رحمہ اللہ نے ''ذخائر القصر'' کے حوالہ سے ''السیف الصقیل'' میں نقل کیا جو پڑھنے کے لائق ہے، موصوف لکھتے ہیں:

''قال الحافظ ابن طولون فی ذخائر القصر فی تراجم نبلاء العصر عند ذکرہ سبب انتقال الشیخ عبد النافع بن عراق من المذھب الحنفی الی المذھب الشافعی بعد أن جعلہ والدہ حنبلیا، قال الحافظ صلاح العلائی: .... المسائل

التي خالف فيها ابن تيمية الناس في الأصول والفروع.

فمنها ماخالف فيها الاجماع ومنها ما خالف فيها الراجح في المذاهب فمن ذلك يمين الطلاق قال: بأنه لا يقع عند وقوع المحلوف عليه بل عليه فيها كفارة يمين ولم يقل قبله بالكفارة فيها واحد من فقهاء المسلمين ألبتة ودام افتاؤه بذلك زمانا طويلا وعظم الخطب.

ووقع في تقليده جم غفير من العوام وعم البلاء وان طلاق الحائض لا يقع وكذلك الطلاق في طهر جامع فيه زوجته وان الطلاق الثلاث يرد الى واحدة،وكان قبل ذلك فقد نقل اجماع المسلمين في هذه المسئلة خلاف ذلك وان من خالفه فقد كفر.

ثم انه افتى بخلافه وأوقع خلقا كثيرا من الناس فيه وان الصلاة اذا تركت عمدا لا يشرع قضاؤها وان الحائض تطوف في البيت من غير كفارة وهو مباح لها وان الكوس حلال لمن أقطعها واذا أخذت من التجار أجزأتهم عن الزكاة وان لم يكن باسم الزكاة ولا على رسمها وان المايعات لا تنجس بموت الفارة ونحوها فيها.

وان الجنب ليصلي تطوعه بالليل بالتيمم ولا يؤخره الى أن يغتسل عند الفجر وان كان بالبلد وقد رأيت من يفعل ذلك ممن قلده فمنعته منه وسمعته حين سئل عن رجل قدم فراشا لأمير فيجنب بالليل في السفر ويخاف ان اغتسل عند الفجر أن يتهمه استاذه فأفتاه بصلاة الصبح بالتيمم وهو قادر على الغسل وسئل عن شرط الواقف؟

فقال غير معتبر بالكلية بل الوقف على الشافعية يصرف الى الحنفية وعلى الفقهاء الى الصوفية وبالعكس وكان يفعل هكذا في مدرسته فيعطي منها الجند

والعوام ولا يحضر درساعلى اصطلاح الفقهاء وشرط الواقف بل يحضر فيها ميعادا يوم الثلاثاء ويحضره ويحضره العوام ويستغنى بذلك عن الدرس وسئل عن جواز بيع أمهات الأولاد فرجحه.

وافتى به ومن المسائل المنفرد بها في الأصول : مسالة الحسن والقبح التى يقول بها المعتزلة ......فقال بها ونصرها وصنف فيها وجعلها دين الله بل ألزم كل مابني عليه كالموازنة في الأعمال (فبالله حينما حكم العقل السليم ولم يحكم عقل نفسه الظاهر اختلاله جدابما فاه به في ذات الله وصفاته تعالى الله عما يقول الجاهلون). ''

"حافظ ابن طولون نے"ذخائر القصر في تراجم نبلاء العصر "میں شیخ عبدالنافع بن عراق کے تبدیلی مسلک کا سبب بیان کرتے ہوئے کہا کہ ان کے والد نے تو ان کو حنبلی بنایا تھا،مگر انہوں نے حنبلی مذہب کو چھوڑ کر شافعی مسلک اختیار کیا،لکھا ہے کہ حافظ صلاح الدین علائی نے ان اصولی وفروعی مسائل کا ذکر کیا ہے،جن میں ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے خلاف کیا ہے۔

چنانچہ بعض ان میں سے وہ ہیں جن کے متعلق موصوف نے اجماع کے خلاف کیا ہے اور بعض وہ ہیں جن میں مذہب راجح کے خلاف کیا ہے،ان ہی میں سے طلاق یمین (یعنی وہ طلاق جو قسم کے ساتھ وابستہ ہوتی ہے)اس کے متعلق انہوں نے کہا ہے کہ جس چیز پر قسم کھائی ہے اس کے واقع ہونے کے بعد وہ واقع نہیں ہوتی ہے بلکہ قسم کھانے والے پر قسم کا کفارہ واجب ہو جاتا ہے،حالانکہ ان سے پہلے اس مسئلہ میں فقہاء امت میں سے کبھی کوئی فقیہ کفارہ کا قائل نہیں ہوا،اور ایک زمانہ دراز تک ان کا ہمیشہ یہی فتویٰ رہا ہے،اور مصائب بڑھتے رہے،عوام کی ایک بڑی بھاری اکثریت نے ان کی تقلید کر لی،اور یہ بلاعام ہو گئی۔

اور یہ بھی کہ طلاق حالت حیض میں واقع نہیں ہوتی،اور اس طرح طلاق اس طہر میں واقع نہیں ہوتی جس میں ہمبستری ہو چکی ہو،اور یہ بھی کہ تین طلاقوں سے ایک ہی طلاق واقع ہوتی ہے،حالانکہ

اس سے پہلے وہ اس مسئلہ میں مسلمانوں کا اجماع اس کے خلاف نقل کر چکے ہیں۔

نیز یہ بھی کہ جس نے اس کی مخالفت کی اس نے کفر کا کام کیا، پھر انہی نے اس کے خلاف فتوی دیا، اور بڑی خلقت کو اس مسئلہ میں پھنسا دیا، اور یہ بھی کہ اگر نماز کو قصداً چھوڑا جائے تو اس کی قضاء جائز نہیں۔

اور یہ بھی کہ حائضہ طواف کعبہ کرے تو اس پر کفارہ واجب نہیں، طواف اس کے لیے مباح اور درست ہے، اور یہ کہ ٹیکس لینا اس کے لیے حلال ہے جس نے زمین کو جاگیر میں دیا ہے، اور اگر تاجروں سے ٹیکس لے لیے جائیں تو زکوۃ کے عوض میں ان کی طرف سے کافی ہیں، اگر چہ وہ زکوۃ کے نام سے نہ لئے ہوں۔

اور یہ بھی کہ بہنے والی چیزیں چوہے جیسے جانوروں کے اس میں مرنے سے ناپاک نہیں ہوتیں، اور یہ کہ جنبی کو نوافل رات میں تیمم سے پڑھنا چاہئیں، اور ان نوافل کو فجر کے غسل تک مؤخر نہیں کرنا چاہیے، اگر چہ وہ شہر میں ہو، میں نے ان لوگوں کو دیکھا جنہوں نے اس مسئلہ میں ان کی اقتداء کی۔

تو میں نے ان کو روکا، اور میں نے ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے سنا جس وقت اس سے ایک ایسے شخص کے بارے میں سوال ہوا کہ جس نے امیر کے لیے بچھونا بچھایا، اور سفر کے اندر رات میں جنبی ہو گیا، اور اس کو یہ ڈر ہے کہ اگر وہ فجر کو غسل کرے گا تو اس کا استاد (افسر) اسے متہم کرے گا، تو انہوں نے اس کو فتوی دیا کہ فجر کی نماز تیمم سے پڑھ لے، حالانکہ وہ غسل پر قادر تھا۔

اور ان سے واقف کی شرط سے متعلق سوال ہوا تو فرمایا کہ شرط کا بالکلیہ اعتبار نہیں ہے، بلکہ شافعیہ پر جو وقف ہو وہ حنفیہ پر صرف کیا جا سکتا ہے، اور فقہاء پر ہو وہ صوفیہ پر، اور اس کے برعکس بھی کیا جا سکتا ہے، اور اسی طرح وہ اپنے مدرسہ میں بھی کرتے تھے۔

چنانچہ وہ مدرسہ کے وقف میں سے عوام اور لشکریوں کو دیتے تھے، اور واقف کی شرط اور فقہاء کی اصطلاح کے مطابق وہ درس میں حاضر نہیں ہوتے تھے، بلکہ اس مدرسہ میں مقررہ دن منگل کو حاضر

ہوتے، اور عوام بھی آتے تھے، اور اس وجہ سے وہ درس سے مستغنی ہوجاتے تھے۔

اوران سے امہات ولد (ام ولد لونڈیوں) کی بیع وشراء کے جواز کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے اس کو ترجیح دی، اور اس کے جواز کا فتویٰ دیا۔ وہ اصولی مسائل جن میں وہ منفرد ہیں حسن وقبح کا مسئلہ ہے، جس کے معتزلہ قائل ہیں تو یہ بھی اس کے قائل ہوگئے۔

اس کی حمایت کی، اور اس موضوع پر کتاب لکھی، اور اس کو اللہ کا دین قرار دیا، اور ہر اس بات کو جو اس پر مبنی ہو اس کو لازم قرار دیا، جیسا کہ اعمال میں موازنہ نہ کرنا ہے (پس کیا اچھا ہوتا کہ جس وقت اس نے عقل کو حکم مانا، عقل سلیم کو حکم مان لیتا، اپنی عقل کو جس کی خرابی ظاہر ہے حکم نہ بناتا، جس سے اس نے ذات الٰہی اور صفات الٰہیہ میں کلام کیا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے بالاتر ہے جو جاہل اس کے متعلق کہتے ہیں۔)

" واما مقالاته في اصول الدين فمنها أن الله سبحانه محل للحوادث ،تعالى الله عما يقول علوا كبيرا. "

اور لیکن اصول دین میں ان کے تفردات میں سے یہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ حوادث کے لیے محل ہے، اللہ تعالیٰ کی ذات جو وہ کہتا ہے اس سے بہت بالا و برتر ہے۔

" وانه مركب مفتقر الى(اليد والعين والوجه والساق ونحوها)افتقار الكل الى الجزء. "

اور یہ کہ اللہ تعالیٰ مرکب ہے، اس کو (ہاتھ، آنکھ، چہرہ، پنڈلی وغیرہ کی) احتیاج ہے، جیسے کل کو جزو کی طرف احتیاج ہوتی ہے۔

"وأن القرآن محدث في ذاته وأن العالم قديم بالنوع ولم يزل مع الله مخلوق دالمالجعله موجبابالذات لا فاعلا بالاختيار سبحانه ماأحلمه. "

اور یہ کہ قرآن فی ذاتہ حادث ہے اور عالم قدیم بالنوع ہے، مخلوق ہو کر اللہ کے ساتھ اس کا تعلق دائمی ہے، چنانچہ اس نے اس کو موجب بالذات مانا ہے فاعل بالاختیار نہیں، جو کچھ اس نے خواب

دیکھا ہے، اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے۔

"ومنها قوله بالجسمية والجهة والانتقال وهو منزه عن ذلک"

اوران ہی میں سے اس کا ذات خداوندی کے لیے جسمیت، جہت اور انتقال مکانی کا قائل ہونا ہے، اور باری تعالیٰ کی ذات اس سے پاک ہے۔

"وصرح في بعض تصانيفه بأن الله بقدر العرش، لا أكبر ولا أصغر تعالى الله عن ذلک"

اوراس نے اپنی بعض تصانیف میں بصراحت لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش کے بقدر ہے، وہ نہ اس سے بڑا ہے، اور نہ اس سے چھوٹا ہے، حالانکہ ذات باری تعالیٰ اس سے بالاتر ہے۔

"وصنف جزء ا في أن علم الله لا يتعلق بما لا يتناهى كنعيم أهل الجنة وأنه لا يحيط بغير المتناهي وهي التي زلق فيها الامام (يعني ابن الجويني في البرهان)"

اورابن تیمیہ نے ایک رسالہ اس مسئلہ میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم غیر متناہی امور سے تعلق نہیں رکھتا، جیسے جنتیوں کی نعمتیں ہیں، اور یہ کہ وہ غیر متناہی کو محیط نہیں ہے، یہ وہ بات جس میں امام (ابن جوینی) کے قدم (کتاب برہان) میں ڈگمگائے ہیں۔

" منها أن الأنبياء غير معصومين وأن نبينا عليه وعليهم الصلوة والسلام ليس له جاه، ولا يتوسل به احد الا وأن يكون مخطئا وصنف في ذلک عدة أوراق."

اوران ہی باتوں میں سے یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام معصوم نہیں ہیں اور ہمارے نبی ﷺ کے لیے جاہ نہیں ہے، جو کوئی آپ کی ذات سے وسیلہ پکڑے گا وہ خطا کار ہے، اوراس موضوع پر کئی ورق کا رسالہ بھی لکھا ہے۔

" وان انشاء السفر لزيارة نبينا ﷺ معصية لا تقصر فيها الصلاة وبالغ في ذلک ولم يقل به أحد من المسلمين قبله."

اور یہ کہ ہمارے نبی ﷺ کی زیارت کے لیے سفر کرنا معصیت ہے، اس میں نماز قصر نہیں کی

جاسکتی، اوراس میں بڑا ہی غلو کیا ہے، حالانکہ مسلمانوں میں ان سے پہلے اس کا کوئی قائل نہیں ہوا۔

"وأن عذاب أهل النار ينقطع ولا يتأبد ،(وجزء التقى السبكي في الرد عليه مطبوع)"

اور یہ کہ دوزخیوں کا عذاب منقطع ہوجائے گا، وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نہیں ہوگا، (تقی الدین سکی رحمہ اللہ نے ایک رسالہ میں اس کی تردید لکھی ہے جو چھپ چکی ہے)۔

"ومن افراده أيضا أن التوراة والانجيل لم تبدل ألفا،بل هي باقية على ماأنزلت وانما وقع التحريف في تأويلهما،وله فيه مصنف آخر ما رايت واستغفرالله من كتابة مثل هذا فضلا عن اعتقاده ،وانتهى مانقله ابن طولون عن الصلاح العلائي."

اور نیز ان کے تفردات میں سے یہ بھی ہے کہ تورات وانجیل کے الفاظ میں تبدیل اور تحریف نہیں ہوئی ہے، بلکہ یہ اس صورت میں موجود ہے جس پر وہ نازل ہوئی تھیں، اور تحریف ان کی تاویل میں ہوئی ہے، اوراس موضوع پر ان کی ایک اور تصنیف بھی ہے جو میں نے نہیں دیکھی ہے، اور میں تو اس قسم کی باتوں کے لکھنے پر اللہ تعالی سے استغفار کرتا ہوں چہ جائے کہ ان کا اعتقاد رکھوں، یہاں وہ مسائل ختم ہوگیے، جن کو ابن طولون نے صلاح الدین علائی سے نقل کیا ہے۔

"ومما ذكره ابن رجب في مفرداته ارتفاع الحدث بالمياه المعتصرة كماء الورد ونحوه."

اور وہ باتیں جن کا ذکر ابن رجب نے ان کے تفردات میں کیا ہے، نچوڑے ہوئے پانیوں سے (جیسے گلاب وغیرہ کا پانی ہے) حدث کا اٹھ جانا ہے (یعنی پاک ہوجانا)۔

"جواز المسح على كل ما يحتاج في نزعه من الرجل الى معالجة باليد أو بالرجل الأخرى وعدم توقيت المسح على الخفين مع الحاجة."

اور ہاتھ اور پاؤں کے معالجہ کے سلسلے میں کوئی چیز پاؤں پر ایسی ہو کہ اس کے اتارنے کی احتیاج

ہوتی ہے، تو اس پر مسح کرنا درست ہے، اور حاجت کی صورت میں موزوں پر مسح کرنے کی کوئی مدت نہیں ہے۔

"وجواز التيمم خشية فوت الوقت لغير المعذور وفوت الجمعة والعيدين."

اور غیر معذور کو وقت کے فوت ہونے، نماز جمعہ کے نکل جانے، اور عیدین کے فوت ہونے کا ڈر ہو تو تیمّم کی اجازت ہے۔

"وأنه لا حد لأقل الحيض ولا اكثره ولا لسن الأياس."

اور یہ کہ کم سے کم حیض کی کوئی مدت ہے اور نہ زیادہ سے زیادہ کی، اور نہ ہی سن ایاس کی کوئی مدت ہے۔

"وأن قصر الصلاة يجوز في قصير السفر وطويله وأن البكر لا تستبرئ ولو كانت كبيرة وأنه لا يشترط الوضوء بسجود التلاوة وأنه يجوز المسابقة بلا محلل."

اور نماز قصر چھوٹے اور بڑے سفر میں جائز ہے، اور باکرہ کے لئے استبراء نہیں ہے اگرچہ وہ بوڑھی ہوگئی ہو، اور وضو سجدہ تلاوت کے لیے شرط نہیں، اور مسابقت (گھوڑ دوڑ) میں شرط بلا محلل کے جائز ہوتی ہے۔

"واستبراء المختلعة بحيضة وكذا الموطوءة والمطلقة آخر ثلاث تطليقات وغيرها."

اور خلع حاصل کی ہوئی عورت کا ایک حیض کے آنے سے استبراء ہو جاتا ہے، اور اسی طرح شبہ میں جس عورت سے ہمبستری ہوئی ہو، اور اسی طرح تین طلاق والی عورت وغیرہ کا استبراء ہو جاتا ہے۔ (ماخوذ از فوائد جامعہ شرح عجالہ نافعہ: ص۳۷۳ تا ۳۷۸)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

امام اعظم در نظر مجدد اعظم

(از۔۔۔۔مولانا محمود عالم صفدر اوکاڑوی)

امام اعظم کوفی فرماتے ہیں:

کہ ایمان کم وبیش نہیں ہوتا کیونکہ تصدیق قلبی قلب کے یقین اور مان لینے سے حاصل ہوتی ہے جس میں کمی وزیادتی کی گنجائش نہیں جس چیز میں تفاوت پایا جائے وائرہ ظن وہم میں داخل ہے ایمان میں کمی بیشی باعتبار طاعات اور حسنات کے ہے جس قدر اطاعت زیادہ ہوگی اسی قدر ایمان زیادہ کامل ہوگا پس عام مومنوں کا ایمان انبیاء کرام کے ایمان جیسا نہ ہوگا کیونکہ وہ اطاعت کے باعث کمال کے بلند درجہ تک پہنچا ہوا ہوتا ہے جہاں تک عام مومنوں کا ایمان نہیں پہنچ سکتا اگرچہ یہ دونوں ایمان نفس ایمان میں مشترک ہیں۔

لیکن اس ایمان نے اطاعت کی قوت کے باعث اور ہی حقیقت پیدا کرلی ہے گویا دوسروں کا ایمان اس ایمان کا فرد نہیں اور ان کے درمیان کوئی مماثلت اور مشارکت نہیں عام انسان اگرچہ نفس انسانیت میں انبیاء علیھم السلام کے ساتھ شریک ہیں لیکن انبیاء علیہم السلام کے اعلیٰ کمال نے ان کو درجہ بلند تک پہنچایا ہے اور ایک الگ حقیقت ثابت کرلی ہے گویا حقیقت مشترکہ سے عالی وبرتر ہیں

بلکہ انسان بھی ہیں۔

امام اعظمؒ فرماتے ہیں کہ "انا مومن حقا" تحقیق میں مومن ہوں۔اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں "انا مومن انشاء اللہ" میں مومن ہوں انشاءاللہ۔ ہر ایک کے لیے الگ الگ وجہ ہے ایمان حال کے اعتبار سے کہہ سکتے ہیں انا مومن حقا اور باعتبار خاتمہ اور انجام کے انا مومن انشاء اللہ لیکن بہرصورت استثناء سے پرہیز کرنا بہتر یعنی انا مومن انشاء اللہ نہ کہنا چاہیے۔

مومن گناہ کرنے سے اگرچہ کبیرہ ہوں ایمان سے خارج نہیں ہوتا اور دائرہ کفر میں داخل نہیں ہوتا منقول ہے کہ ایک دن امام اعظم علماء کی ایک جماعت کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص نے آ کر پوچھا کہ اس مومن فاسق کے لیے کیا حکم ہے جو اپنے باپ کو ناحق مار ڈالے اور اس کے سر تن سے جدا کر کے اس کے سر میں شراب ڈال کر پیے اور شراب پی کر اپنی ماں کے ساتھ زنا کر لے آیا مومن ہے یا کافر ہے؟ ہر ایک عالم اس مسئلہ میں غلطی پر رہا اور دور تک معاملہ کو لے گیا۔

امام اعظمؒ نے اس اثناء میں فرمایا کہ وہ مومن ہے اس قدر گناہ کبیرہ کرنے کے باوجود اس کا ایمان دور نہیں ہوا امام اعظم کی یہ بات علماء کو بہت ناگوار گزری اور ان کے حق میں طعن و تشنیع کی زبان درازی کی آخر جب امام کی بات برحق تھی سب نے مان لی اگر مومن عاصی کو یعنی وقت نزع سے پہلے توبہ کی توفیق حاصل ہو جائے تو نجات کی بڑی امید ہے۔

کیونکہ اس وقت تک توبہ قبول ہونے کا وعدہ ہے اگر توبہ انابت سے مشرف نہ ہوا تو اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالے ہے چاہے معاف کرے اور بہشت میں بھیج دے خواہ گناہ کے موافق عذاب کرے اور دوزخ میں ڈالے لیکن آخرکار اس کے لیے نجات ہے اور اس انجام بہشت ہے کیونکہ آخرت میں رحمت خداوندی سے محروم ہونا کافروں کے ساتھ مخصوص ہے اور جو کوئی ذرہ بھر ایمان رکھتا ہے رحمت کا امیدوار ہے۔ اگر گناہ کے باعث ابتداء میں رحمت نہ پہنچے تو انتہا میں اللہ کی عنایت سے میسر ہو جائے گی۔

"ربنا لاتزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا وھب لنا من لدنک رحمۃ انک انت الوھاب"

(یا اللہ تو ہدایت دے کر ہمارے دلوں کی ٹیڑھا نہ کر اور اپنے پاس سے ہم پر رحمت نازل فرما تو بڑا بخشنے والا ہے)(مکتوبات امام ربانی ج ۲،۳ص ۲۳۰، ۲۳۱)

حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام کی مثال حضرت امام اعظم کوفی کی سی مثال ہے جنہوں نے ورع اورتقویٰ کی برکت اور سنت کی متابعت کی دولت سے اجتہاد اور استنباط میں وہ درجہ بلند حاصل کیا ہے جس کو دوسرے لوگ سمجھ نہیں سکتے اور ان کی مجتہدات کو دقت معانی کے باعث کتاب و سنت کے مخالف جانتے ہیں اور ان کو اور ان کے اصحاب کو رائے رائے خیال کرتے ہیں یہ سب کچھ ان کی حقیقت و روایت تک نہ پہنچنے اور ان کے فہم فرست پر اطلاع نہ پانے کا نتیجہ ہے۔

امام شافعیؒ کہ جس نے ان کی فقاہت کی باریکی سے تھوڑا سا حصہ حاصل کیا ہے فرمایا ہے۔

"الفقہاء کلھم عیال ابی حنیفۃ" فقہاء سب ابوحنیفہؒ کے عیال ہیں۔

ان کی ہمتوں کی جرات پر افسوس ہے کہ اپنا قصور دوسروں کے ذمے لگاتے ہیں۔

قاصرے گر کند ایں طائفہ راطعن و قصور
حاشاللہ کہ برم آرم بزبان ایں گلہ را
ہمہ شیران جہاں بستہ ایں سلسلہ اند
روبہ از حیلہ چساں بگسد ایں سلسلہ را

ترجمہ:

گر کوئی قاصر لگائے طعن ان کے حال پر
توبہ توبہ گر زبان پر لاؤں میں اس کا گلہ
شیر ہیں باندھے ہوئے اس سلسلہ میں سب کے سب
لومڑی حیلہ سے توڑے کس طرح یہ سلسلہ

یہ جو خواجہ محمد پارسا نےفصول ستہ میں لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ نزول کے بعد امام اعظم کے مذہب کے موافق عمل کریں گے ممکن ہے کہ اسی مناسبت کے باعث جو امام ابوحنیفہ حضرت عیسیٰ کے ساتھ ہے

لکھا ہو۔یعنی روح اللہ کا اجتہاد حضرت امام اعظم کے اجتہاد کے موافق ہوگا نہ یہ کہ ان کے مذہب کی تقلید کریں گے کیونکہ حضرت روح اللہ کی شان اس سے برتر ہے کہ علماء امت کی تقلید کریں بلا تکلف و تعصب کہا جاتا ہے کہ اس مذہب حنفی کی نورانیت کشفی نظر میں دریائے عظیم کی طرح دکھائی دیتی ہے اور دوسرے تمام مذاہب حوضوں اور نہروں کی طرح نظر آتے ہیں اور ظاہر میں بھی جب ملاحظہ کیا جاتا ہے تو اہل اسلام کے سواد اعظم یعنی بہت سے لوگ امام ابو حنیفہ کے تابعدار ہیں یہ مذہب باسوجود بہت سے تابعداروں کے اصال وفروع میں تمام مذھوں سے الگ ہے اور استنباط میں ان کا طریق علیحدہ ہے اور یہ معنی اس کی حقیقت یعنی حق ہونے کا پتا دیتے ہیں۔

بڑے تعجب کی بات ہے کہ امام ابو حنیفہؒ سنت کی پیروی میں سب سے آگے ہیں حتی کہ احادیث مرسل کو احادیث مسند کی طرح متابعت کے لائق جانتے اور اپنے طور پر مقدم سمجھتے ہیں اور ایسے ہی صحابہ کے قول کو حضرت خیر البشر کی شرف صحبت کے باعث اپنی رائے پر مقدم جانتے ہیں، دوسروں کا ایسا حال نہیں۔ پھر بھی مخالف ان کو "صاحب رائے" کہتے ہیں اور بہت بے ادبی کے لفظ ان کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

حق تعالیٰ ان لوگوں کو توفیق دے کہ دین کے سردار اور اہل اسلام کے رئیس کو بیزار نہ کریں اور اسلام کے سواد اعظم کو ایذا نہ دیں یریدون ان یطفئوا نور اللہ (یہ لوگ اللہ کے نور کو بجھانا چاہتے ہیں) وہ لوگ جو دین کے اندران بزرگواروں کو "صاحب رائے" جانتے ہوں، اگر یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ یہ بزرگوار صرف اپنی رائے پر ہی حکم کرتے تھے اور یہ کتاب وسنت کے متابعت چھوڑ دیتے تھے تو ان کے فاسد خیال کے مطابق اسلام کا ایک سواد اعظم گمراہ اور بدعتی بلکہ گروہ اسلام سے باہر ہے۔اس قسم کا اعتقاد وہ بے وقوف جاہل کرتا ہے جو اپنی جہالت سے بے خبر ہے یا وہ زندیق جس کا مقصود یہ ہے کہ اسلام کا نصف حصہ باطل ہو جائے۔

ان چند ناقصوں نے چند حدیثوں کو یاد کرلیا ہے اور شریعت کے احکام کو انہی پر موقوف رکھا ہے اور اپنے معلوم کے ماسواء سب کی نفی کرتے ہیں اور جو کچھ ان کے نزدیک ثابت نہیں ہوا اس کا انکار کر

دیتے ہیں۔

ان کے بے ہودہ تعصبوں اور فاسد نظروں پر ہزار ہا افسوس ہے فقہ کے بانی حضرت ابوحنیفہؒ ہیں فقہ میں صاحب خانہ آپ ہی ہیں اور دوسرے سب آپ کے عیال ہیں باوجود اس مذہب کے التزام کے مجھے امام شافعی سے محبت ذاتی ہے اور میں اس کو بزرگ جانتا ہوں اسی واسطے بعض اعمال نافلہ میں اس مذہب کی تقلید کرتا ہوں لیکن کیا کروں کہ دوسرے لوگ باوجود کمال علم تقوی کے امام اعظم ابوحنیفہ کے مقابلہ میں بچوں کی طرح نظر آتے ہیں۔ والامر الی اللہ سبحانہ پوری حقیقت تو اللہ ہی جانتا ہے۔ (مکتوبات امام ربانی ج ۲، ۳ ص ۱۹۴، ۱۹۵)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

عالم اسلام کے مشہور محقق ومصنف مفکر اسلام

حضرت مولانا ابوبکر غازی پوری مدظلہ کا سفرنامہ

(از ـــــ مولانا محمود عالم صفدر اوکاڑوی)

یہ قصہ کراچی کی ایک شام میں سمندر کی پشت پر منعقد ہونے والی محفل کا ہے میزبان اور مہمان چنیدہ لوگ تھے۔ اصحاب علم، اہل فکر ودانش، روشن چہرے، چمکتی آنکھیں، نظریں مہمان کے چہرے پر، کان ان کی دل میں اترتی آواز پر، سننے والوں کی خواہش تھی کہ اس شخصیت کو آنکھوں سے تو دیکھ لیا جس نے ایک لافانی تصنیف لکھ کر راتوں رات شہرت جاوداں حاصل کی اور اہل السنۃ والجماعۃ کی آنکھوں کا تارا بن گئے، اب سماعت کو بھی ان کا عالمانہ گفتگو سے فیضیاب کریں۔

حضرت! آپ کو اس تصنیف کا خیال کیسے آیا؟ گفتگو حسب معمول اسی سوال سے شروع ہوئی جو تقریباً ہر محفل میں ان سے کیا جاتا تھا۔ بحیرہ عرب کی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی بولنے والا صاحب علم بھی تھا صاحب زبان بھی۔ پرکیف فضا، دلکش گفتگو سننے والوں کا اشتیاق اور توجہ کا یہ عالم کہ لانچ کی سیٹیں چھوڑ کر حضرت کے قدموں میں فرش پر آبیٹھے۔

مجھے شروع سے علمائے دیوبند سے بہت زیادہ محبت وعقیدت تھی۔ اس وارفتگی کی وجہ یہ کہ میں اپنے مطالعہ اور مشاہدے کی بنا پر یہ سمجھتا تھا کہ برصغیر میں دین اسلام کا احیاء وتبلیغ اور جہاد وحریت انہی حضرات کے مرہون منت ہے۔ ان کے اہل حق ہونے کی ایک یہی وجہ میرے نزدیک بہت تھی لہذا کوئی ان کے خلاف بولے تو مجھے اس کی حماقت اور جہالت پر نہایت افسوس ہوتا تھا۔

حضرت نے تمہید باندھ لی تھی اور اب انکی گفتگو میں دھیرے دھیرے روانی اور توجہ قلبی کا عکس گہرا ہو رہا تھا۔

ہمارے ہاں یو پی میں ایک جگہ ہے گھوسی۔ وہاں کے ایک نہایت قابل فضل تھے۔ انہوں نے دارالعلوم دیوبند میں دوران تعلیم ہمیشہ امتیازی حیثیت حاصل کی۔ پھر کچھ نوجوانوں کی دیکھا دیکھی وہ بھی مدینہ یونیورسٹی پہنچ گئے۔ وہاں پڑھنا وڑھنا تو کچھ ہوتا نہیں ہے۔ برصغیر کے درس نظامی کی ساخت اور سانچہ ہی کچھ ایسا ہے کہ یہاں کا فارغ التحصیل عالم دینی علوم میں اتنی مہارت اور رسوخ کامل ہوتا ہے کہ اسے کہیں اور کچھ پڑھنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ دنیا بھر میں اس نصاب کی کوئی اور مثال کہیں پیش نہیں کی جا سکتی۔ بس ایک چل چلاؤ اور دنیا دیکھنے کا شوق ہے جو ہمارے طلباء دوسروں کی دیکھا دیکھی عرب ممالک کی یونیورسٹیوں میں پہنچ جاتے ہیں۔ یہ مولوی صاحب بھی وہاں پہنچ گئے۔ کچھ عربی کا شین قاف درست کیا، کچھ پوزیشنیں حاصل کیں اب واپس وطن آنا چاہتے تھے۔ سعودی حکومت نے انکا وظیفہ مقرر کر دیا تھا اور اب یہ خوش وخرم، کامیاب وکامران وطن لوٹ رہے تھے کہ وہ حادثہ پیش آ گیا جس کی بنا پر یہ تالیف وجود میں آئی۔

حضرت گفتگو میں تجسس پیدا کرنے کے ماہر تھے۔ یہاں پہنچ کر دم بھر کے پھر آگے بات بڑھائی۔ ہوا کچھ یوں کہ جب ان کے کاغذات آخری دستخط کے لئے سعودی آفیسر کی میز پر پہنچے اس نے ان کو بلا کر پوچھا کہ تم کون ہو؟ انہوں نے کہا الحمدللہ! دیوبندی ہوں۔ اس کی میز پر اس زمانے میں تازہ تازہ چھپی ہوئی کتاب "الدیوبندیہ" رکھی تھی۔ اس میں علمائے دیوبند کے خلاف ایسا بے سرو پا مواد جمع کیا گیا تھا اور ایسے بے جا رکیک الزامات لگائے گئے تھے کہ اس نے ان سے کہا "تم

مشرک ہو۔قبوری اور وثنی ہو۔(قبوری: قبر پرست، وثنی: بت پرست) تمہارا وظیفہ منسوخ کیا جاتا ہے۔" یہ خاموشی سے اٹھ کر باہر آ گئے۔ باہر آ کر کتاب خریدی جو مجھ سے گفتگو کے وقت ان کے ہاتھ میں تھی اور مجھے بتلایا کہ اس کتاب میں ایسے بے جا الزامات ہیں کہ ان کا جواب دیتے ہوئے انسان بھی شرماتا ہے۔ یہاں سعودیہ میں ایک خاص طبقہ اس پر خوب بغلیں بجا رہا ہے۔ ہمارے ساتھی انکے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے کتراتے ہیں کہ خدا جانے کیا فتنہ بنے؟

یہاں تک پہنچ کر حضرت پھر رک گئے۔ ان کی گفتگو سے سماں بندھ چکا تھا۔ ایک تو لہجہ خوب صورت، دوسرے نستعلیق قسم کی اردو، تیسرے آپ بیتی سنانے کا مخصوص انداز۔ سب پر محویت کا عالم طاری تھا حضرت پھر گویا ہوئے۔

مجھ سے رہا نہ گیا۔ ان سے کتاب لی اور سیدھا گھر چلا گیا۔ مجھے اس وقت وہم وگمان بھی نہیں تھا کہ میں اسکا جواب لکھوں گا۔ وہ جواب اسکے پرخچے اڑائے گا اور سعودی عرب اور خلیجی ممالک سے اس کے پھیلائے ہوئے جراثیم کا نہ صرف صفایا کر ڈالے گا بلکہ تاریخی شہرت پا جائے گا۔ میں نے کتاب دیکھنی شروع کی۔ خدا کی پناہ اعلمی بددیانتی اور تحقیق خیانت کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ میں کتاب پڑھتا گیا ور حیران ہوتا گیا کہ اصحاب توحید، عالمین بالحدیث اس حد تک گر بھی سکتے ہیں؟ ایک عجیب بات یہ ہوئی کہ میں جس کتاب سے حوالے کی مراجعت کرنا چاہتا وہ کمیاب ہونے کے باوجود معمول کے خلاف جلد ہی ہاتھ لگ جاتی۔ اپنے کتب خانے کی الماریوں کے قریب گذرتا تو کتابوں کی قطار میں سے وہ کتابیں گویا جھانک جھانک کر مجھے تکتیں اور اپنی طرف متوجہ کرتیں جن سے کوئی بات ہاتھ لگ سکتی ہے۔ مجھے ایسا محسوس ہوا کوئی مجھے اس کتاب کا جواب لکھنے پر ابھار رہا ہے۔ میں نے قلم ہاتھ میں لیا تو وہ بگٹٹ بھاگتا چلا گیا۔

دماغ میں ابھی پوری طرح سوچ آ بھی نہ پائی ہوتی کہ قلم کھینچ کھینچ کر اسے کاغذ پر منتقل کرتا چلا جاتا۔ تین مہینے بھی نہ گزرے تھے کہ عربی میں کتاب تیار ہو گئی اور ایک ایسے شخص کے ہاتھوں تیار ہوئی جو اس میدان کا شناور ہی نہ تھا۔ نام بھی مجھے خوب سوجھا: "وقفة مع اللا مذهبية"

(کچھ دیر غیر مقلدین کے ساتھ) میں یہ سمجھتا ہوں یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے کہ وہ کمزوروں سے ایسے کام لے لیا ہے جن کا تصور بھی وہ نہیں کر سکتے۔

سب سامعین کو یقین تھا یہ حضرت کی تواضع ہے ورنہ عربی زبان پر گرفت کے ساتھ تحقیق اور تدقیق میں جیسی دسترس ان کو حاصل ہے، معاصرین میں اسکی مثال ملنی مشکل ہے۔ جب علمائے دیوبند پر الزامات کا پلندہ "الدیوبندیہ" کی شکل میں آیا تھا تو کچھ حضرات سعودیہ میں مقیم فضلاء کو کہتے سنے گئے کہ اس کا جواب ان کو ہاں سے لکھنا چاہیے۔ جبکہ سعودیہ میں مقیم حضرات وہاں سے اس کتاب کے نسخے پر نسخہ بھیجتے کہ یہاں سے اس کا جواب لکھا جائے۔ یہ کشمکش زوروں پر تھی کہ میں اپنی کتاب کا مسودہ لیکر شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے صاحبزادے اور جانشین حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ کی خدمت میں پہنچا۔ روداد سنائی اور کتاب پیش کی۔ حضرت کتاب دیکھ کر متعجب ہوئے اور فرمایا کہ ابھی حضرت مہتمم صاحب حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند تشریف لاتے ہیں ان کو دکھا کر مشورہ کرتے ہیں۔ میں نے عرض کی حضرت! میں اپنے حصے کا کام کر چکا۔ اب آگے مشورہ وغیرہ آپ ہی کیجیے اور مجھے دعاؤں کے ساتھ اجازت دیجیے۔ میں مصافحہ کر کے چلا آیا۔ کتاب دیکھی گئی تو پسند کی گئی۔ پہلا ایڈیشن اگرچہ طباعت کے لحاظ سے زیادہ معیاری نہ تھا لیکن ہاتھوں ہاتھ لیا گیا اور اثر پذیری کا یہ عالم تھا کہ "الدیوبندیہ" کی اشاعت پر خوشی سے بغلیں بجانے والے حضرات یہ کہتے سنے گئے "ہم نے الدیوبندیہ" چھاپ کر غلطی کی۔ اس کتاب کی تصنیف و مراجعت کے دوران ایک اور کتاب خود بخود ساتھ ساتھ تیار ہو گئی "مسائل غیر مقلدین" پہلی کتاب دندان شکن جواب تھی تو یہ جارحانہ اقدام کہلائی۔ دونوں کو بہت شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی۔ ملک کے نامور ادیب مولانا ابن الحسن عباسی کی طرف اشارہ کر کے فرمایا "عربی سے اردو ترجمہ آپ کے ابن الحسن عباسی صاحب نے " کچھ دیر غیر مقلدین کے ساتھ " کے نام سے کیا۔ خوب کیا اور خوب چلا (عباسی صاحب محفل میں تشریف فرما تھا۔ سن کر زیر لب مسکراتے رہے۔ کچھ عرصہ بعد اس مخصوص طبقہ نے پینترا بدلا اور یہ پروپیگنڈا شروع کیا کہ

میری کتاب میں دیئے گئے حوالے درست نہیں۔لوگوں نے مجھ سے سوالات شروع کر دیئے۔
میں نے انہیں بہتیرا سمجھایا کہ یہ تو انہی سے پوچھا جائے کہ کس صفحے کا کون سا حوالہ درست نہیں؟
میں کیا پوری کتاب کے ایک ایک حوالے کی وضاحت کرتا رہوں گا۔لوگوں نے مان کے نہ دیا تب
میں نے مجبور ہو کر "صور تحقیق" (بولتی تصویریں یا بولتے عکس) کے نام سے تیسری کتاب لکھی اور
اس میں تمام حوالوں کا عکس چھاپ دیا۔اب گویا پوری لائبریری ہر ایک کے ہاتھ آ گئی جو چاہے تسلی
کرے اور جو چاہے مخالفین کا تعاقب کرے۔اب تو میں جہاں جاتا ہوں لوگ مجھے "مناظر
اسلام" کا خطاب دیتے حالانکہ میں نے ایک بھی مناظرہ نہ کیا تھا۔اس پر میں نے یہ طریقہ شروع
کیا کہ پہلے آدھا گھنٹہ بیان کرتا پھر آدھا گھنٹہ حاضرین کو سوالات کا موقع دیتا۔یہ طریقہ بہت
مقبول ہوا۔بہت سے لوگوں کی اصلاح ہوئی۔بہت سوں کو حنفیت، احناف اور فقہ حنفی کی حقانیت پر
کامل ایمان نصیب ہوا۔جوان شاء اللہ میرے لئے صدقہ جاریہ ہے۔اب پورے خلیج میں میری یہ
کتابیں گھر گھر پڑھی جاتی ہیں اور مخالفین کے پھیلائے ہوئے زہر کے تریاق کا کام دیتی ہیں۔
حضرت کے ٹھہر ٹھہر بولنے کا انداز، ہندوستانی حضرات کے لب ولہجے کا مخصوص رچاؤ، روداد کی
دلچسپی اور افادیت، سمندری ہوا کے خوشگوار جھونکے، سمندر کی اٹھکیلیاں کرتے ہوئے موجوں پر جمی
محفل، سچ پوچھیے تو لطف ہی آ گیا۔اس کے بعد میں نے اسی موضوع کو آگے بڑھاتے ہوئے
مزید کتابیں لکھیں۔میں سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالی نے اکابر سے عقیدت و محبت کے صدقے یہ
موضوع میرے لئے آسان کر دیا ہے۔ان کتابوں کے نام یہ ہیں۔
1۔وقفة مع معارضی شیخ الاسلام۔ (کچھ دیر شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے مخالفین کے ساتھ)
2۔۔۔۔۔۔

قارئین کرام! آپ کو بھی یقینا اشتیاق ہوگا کہ ان شخصیت کا نام جانیں، آپ میں سے بہت سوں
نے تو اس مضمون کے ساتھ لگے سرورق سے ان کا نام پڑھ لیا ہوگا۔جی ہاں!! انکا نام حضرت مولانا
ابوبکر غازی پوری ہے۔جو ایک مخصوص طبقے کی طرف سے علمائے دیوبند اور احناف پر اعتراض کا

ترکی بہ ترکی جواب دینے میں ہندوپاک میں بہت بڑا نام سمجھے جاتے ہیں۔ حضرت گزشتہ ہفتے انڈیا سے پاکستان تشریف لائے تو متعدد محفلوں میں ان سے فیضیاب ہونے کا موقع ملا۔ غازی پور کے تو وہ ہیں ہی، ماشاء اللہ تن وتوش سے بھی وہ غازی معلوم ہوتے ہیں۔ بے تکلفی، برجستہ گوئی اور خوش مزاجی تو آپ پر ختم معلوم ہوتی تھی جس کی بناپر حضرت کی صحبتیں یادگار رہیں گی۔ اللہ تعالیٰ حضرت کی صحت ومعمولات میں برکت نصیب فرمائے اور ان کے فیض کو عام وتام فرمائے۔ آمین

یہ تھا عالم اسلام کے مشہور مصنف ومحقق مناظر اسلام حضرت مولانا ابوبکر غازی پوری صاحب کے متعلق مایہ ناز قلم کار ابولبابہ شاہ کا خراج تحسین جو کہ ہفت روزہ ضرب مؤمن کے رنگین صفحات کی زینت بنا۔ مولانا غازی پوری کے سرپاکستان کی یہ ایک مجلس کا ذکر تھا۔ اس جیسی بیسیوں مجالس ان کے وجود کی برکت سے گزشتہ دنوں ارباب علم ودانش نے دیکھیں اور ان کے سینکڑوں نگاہ علیہ اصحاب علم وفضل نے سنے اور گلستان علوم نبوت کے بلبلوں نے انکی محفلوں کی انوارات کو جذب کیا۔

کچھ انہی محافل اور شہنشاہ علم کے اسی تاریخی سفر کی روئیداد سنانے کیلئے میں بھی قلم وقرطاس سے رشتہ جوڑنا فخر سمجھتا ہوں۔ اور اسی تاریخی سفر اور پرانوار محفلوں کے کچھ انوارات اور خورشید علم کی کچھ ضیاپاشیاں قارئین قافلہ حق کو بھی دکھانا چاہتا ہوں۔ شاید آپ کو معلوم نہ ہو لیکن ایک کثیر متلاشیان محافل علم کی ابھی بھی موجود ہے جنہوں نے سیدالمناظرین حضرت اوکاڑوی کی مجالس علمیہ کی لذت چکھی ہے۔ اور ان کے قلوب اسی لذت سے ابھی بھی آشنا ہیں۔ مولانا اوکاڑوی کی مجالس شاہد اپنے زمانہ کی سب سے بڑی اور انوکھی علمی مجالس ہوا کرتی تھیں۔ وہ جہاں جاتے اپنی محفل سجا لیتے اور ارباب فکر ونظر پروانوں کی طرح دیوانہ وار ان کے ارد گرد سر جھکائے دیکھے جاتے مجدد جہاد امیر المجاہدین مولانا مسعود ازہر حفظہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مضمون میں خوب کہا "ان کی مجلس سدا بہار تھی ہر مجلس میں نیا جوہر کھلا" کراچی کے اکابر کی مجالس میں وہ علمی دولہا ہوا کرتے تھے۔

عارف باللہ محقق بے بدل مولانا فضل الرحمن دھرم کوٹی کے وہ کلمات ابھی بھی میرے کانوں میں

گونج رہے ہیں جو انہوں نے تعزیتی جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمائے تھے۔ "علم کی محفلیں اجڑ چکی ہیں اب کوئی ان کو بسانے والا نہیں رہا"۔

خیر غازی پوری صاحب

ہماری بزم میں ہوئی تھیں رونقیں تم سے کوئی نہ ڈالے گا اس جا قدم تمہارے بعد کچھ تشنگی تو دوری ہوئی اگرچہ معاملہ کچھ یہاں بھی یہ ہی تھا۔

تمہارے در میں ہمیشہ جو سرنگوں ہی رہا نہ ہو سکا کسی در پر خم تمہارے بعد

مولانا غازی پوری لاہور تشریف لائے کچھ دن شہرہ آفاق کتاب "حدیث اور اہلحدیث" کے مصنف مولانا نعیم الدین کے ہاں قیام فرمایا وہاں سے حضرت والا کا سفر شروع ہوا مولانا نعیم الدین کی وساطت سے سرگودھا کے مشہور مدرسہ مفتاح العلوم کو وقت دے چکے تھے۔ جبکہ اگلا شیڈول اتحاد اہل السنۃ والجماعۃ کے ناظم اعلیٰ مناظر اسلام حضرت مولانا محمد الیاس گھمن نے طے کرنا تھا۔ چنانچہ 26 مئی بروز ہفتہ یہ قافلہ مولانا الیاس گھمن کی قیادت میں صبح 7 بجے لاہور سے چل کر دس بجے مفتاح العلوم سرگودھا پہنچا۔ یہاں بہت سے علمی احباب اطراف سے حضرت غازی پوری صاحب کی زیارت وملاقات کے اشتیاق میں آئے ہوئے تھے۔ جن میں معروف مصنف مولانا عبدالقیوم حقانی، مولانا قاری قیام الدین الحسینی، مفتی ابن مفتی حضرت مولانا مفتی سید عبدالقدوس ترمذی کا نام نمایاں ہے۔ وہاں حضرت نے بیان فرمایا اور دوپہر کا کھانا اور آرام کرنے کے بعد چار بجے کے قریب مولانا الیاس مدظلہ کے ساتھ مرکز اہل السنۃ والجماعۃ سرگودھا کے لئے روانہ ہوئے۔ یہاں کچھ مرکز کے حوالے سے چند ضروری معلومات لکھنا چاہتا ہوں۔ مرکز اہل السنۃ کی بنیاد آج سے تقریباً پانچ سال قبل سرگودھا سے لاہور کی طرف جاتے ہوئے چودہ کلومیٹر سرگودھا سے باہر چک نمبر 87 جنوبی میں رکھی گئی۔ یہ مرکز مولانا کے آبائی گاؤں میں واقع ہے۔ مولانا کے والد ماجد حافظ شیر بہادر مرحوم نابینا تھا اور جید قاری قرآن تھے۔ پچیس سال سید عنایت اللہ شاہ گجراتی کے مدرسہ میں پڑھاتے رہے۔ جب انہوں نے امت مسلمہ کے اجماعی

مسئلہ حیات انبیاء علیہم السلام کا انکار کیا تو استعفیٰ دے کر یہیں آ کر قبرستان کے قریب قرآن کریم کی تعلیم دینے لگے۔ آپکی قبر بھی یہی بنی، خدا رحمت کنند ایں عاشقان پاک طینت را۔ والد ماجد کی غیور طبیعت ہی مولانا الیاس کے اندر منتقل ہوئی مشہور قول ہے الولد سر لابیہ، خیر

مرکز اہل السنۃ والجماعت کا طرز عام مدارس سے ہٹ کر ہے۔ مرکز تحقیق وتصنیف کے میدان میں امت مسلمہ کی راہنمائی کی ذمہ داری نبھا رہا ہے۔ چار سال سے مرکز میں مناظر اسلام وکیل احناف شیخ القرآن والحدیث حضرت مولانا منیر احمد منور صاحب دامت برکاتہم امیر اتحاد اہل السنۃ والجماعۃ پاکستان شعبان رمضان میں دورہ تفسیر قرآن کریم کرواتے ہیں۔ ملک کے دور دراز سے آئے ہوئے متلاشیان علم کو قرآنی معارف تفسیری اسرار ورموز سے روشناس کرواتے ہیں۔ چار سال سے ہی مرکز میں جون اور جولائی میں صراط مستقیم کورس ہوتا ہے۔ جس میں چالیس دنوں میں سکول کالج کے طلباء واساتذہ کو دینی تعلیم وتربیت دی جاتی ہے۔ نیز جب سے مولانا الیاس گھمن اتحاد اہل السنۃ والجماعۃ کے ناظم اعلیٰ مقرر ہوئے ہیں تو آپ کے اس مرکز کو اتحاد کے مرکز ہونے کا شرف بھی حاصل ہے، اتحاد اہل السنۃ کے تحت علماء فضلاء کا ایک سالہ تخصص تخصص فی التحقیق والدعوۃ بھی اسی مرکز میں ہو رہا ہے۔ پندرہ فضلاء کرام شریک ہیں۔ اور دو اساتذہ بندہ اور علامہ عبدالغفار ذہبی مستقل اسباق پڑھا رہے ہیں۔

اس کورس میں ایک سال میں اصول حدیث، جرح وتعدیل، اسماء الرجال، اصول مناظرہ، تقابل ادیان پر مشتمل مضامین پڑھائے جاتے ہیں۔ اسباب کے فقدان کے پیش نظر اس سال صرف پندرہ علماء کو ایمیس داخلہ مل سکا۔ اگلے سال انشاء اللہ تعداد بڑھا دی جائے گی۔ بحمداللہ حق تعالیٰ نے اس تخصص کو انتہائی مقبولیت سے نوازا ہے۔ بڑے بڑے ارباب علم میں سے بعض کو تمنا کرتے یہ سنا گیا کہ کاش ہمارے پاس وقت ہوتا اور ہم بھی یہ تخصص کرتے، مرکز ہی میں شعبہ تحقیق وتصنیف قائم ہے۔ جس میں بندہ اور علامہ ذہبی مختلف اوقات میں تصنیفی خدمات میں مشغول رہتے ہیں۔ نیز باہر سے برآمدہ سوالات اور خطوط کے جوابات کا بھی بحمداللہ مرکز انتظام کرتا ہے اور انٹرنیٹ پر

ہفتہ میں دو بیان بھی بروز اتوار اور بدھ رات رات ساڑھے دس بجے ہوتے ہیں۔ جن بیانات سے پاکستان کے علاوہ عرب امارات سعودی عرب، برطانیہ، امریکہ وغیرہ کے مسلمان مستفید ہوتے ہیں۔ حضرت مولانا ابوبکر غازی پوری صاحب نماز عصر کے وقت مرکز پہنچے۔ مرکز کے طلبا نے حضرت کا پرتپاک استقبال کیا عصر کی جماعت تیار تھی۔ حضرت نے آتے ہی باجماعت نماز عصر ادا کی۔ بندہ کے ذہن میں حضرت کا اور نقشہ تھا۔

بندہ نے نام تو حضرت اوکاڑوی کے ہاں رہتے ہوئے کئی بار سنا تھا بلکہ حضرت غازی پوری کے دو خط بھی حضرت اوکاڑوی کو لکھے تھے بندہ کی فائلوں میں اب بھی شاید محفوظ پڑے ہوں۔ آپ حضرت اوکاڑوی سے ملاقات کے لئے 1999 میں تشریف لائے تھے اور ایک ہفتہ لاہور میں ہی قیام رہا۔ ملتان کا ویزہ نہ مل سکنے کی وجہ سے اس ملاقات کا ذکر انہوں نے اپنے اس مضمون میں کیا ہے جو "الخیر" کی خصوصی اشاعت میں شامل ہے۔ اور ہم اس مضمون کے آخر میں نقل کروانے والے ہیں۔ مولانا اوکاڑوی خود دو دن جامعہ مدنیہ میں رہے۔ یوں دونوں احباب کی علمی مجالس لگتی رہی افسوس کہ میں جرم طفلی کی وجہ سے ان مجالس میں شریک نہ ہوسکا۔

خیر واپسی پر حضرت اوکاڑوی نے مجھے ان مجالس کی کچھ باتیں ضرور سنائیں تھی۔

ان میں سے ای یہ بھی تھی کہ آپکی ہر بات اس قابل ہے کہ ریکارڈ کی جائے اور لکھی جائے آپ کے لطائف سے بھی علم ٹپکتا ہے۔ یہ رائے حضرت غازی پوری کی تھی۔

حضرت اوکاڑوی کا معمول تھا کہ اکثر سفر سے واپسی پر بندہ دوبارہ تا رہتا اور حضرت اسی سفر کے چیدہ چیدہ واقعات سناتے رہتے۔ تو یہ بھی اسی معمول کا حصہ تھا۔ خیر حضرت اوکاڑوی داغ مفارقت دے گئے اور جنت میں جا بسے۔

مولانا غازی پوری حضرت اوکاڑوی کی وفات پر تعزیت کے لئے بھی نہ آسکے راہ میں ملکی سرحدیں حائل تھیں نہ جانے اپنے ہم مشن کی وفات پر کس قدر تڑپے ہوں گے اور دل کی دنیا پر کیا گزری ہو گی۔ خیر حضرت کی وفات سے سات سال بعد یہ پہلی تشریف آوری تھی۔ بندہ کے ذہن میں

حضرت کا دبلا پتلا جسم تھا جبکہ دیکھنے پر پتہ چلا کہ بھاری بھرکم بسطۃ فی العلم والجسم کا کامل مصداق ہیں۔ سادہ سا لباس، سادہ سی ٹوپی، عصر کے بعد محفل جم گئی۔ بندہ کا تعارف مولانا محمد الیاس گھمن نے ان الفاظ سے کروایا۔ یہ مولانا محمد محمود عالم صاحب ہیں حضرت اوکاڑویؒ کے بھتیجے اور ہمارے تخصص کے استاذ۔ مولانا کا تعارف گویا حضرت سے روابط پیدا کرنے کا ویزہ تھا۔ بندہ جلدی سے حضرت کے قریب ہو گیا اور پاؤں بھی دبانے لگا اور حضرت اوکاڑویؒ کے پاس گزرے ہوئے لمحات کی یادیں بکھیرنے لگا۔

چند ارماں، چند یادیں، چند صدمے، چند غم
کائنات دل انہی کو آج کل پاتا ہوں میں

بندہ نے اپنی کتب فتوحات صفدر، تسکین الاذکیا فی حیات انبیاء علیہم السلام، قطرات العطر شرح اردو نخبۃ الفکر مختصر تعارف سے پیش کیں۔ اتنے میں ہمارے علامہ ذھبی کا تعارف بھی حضرت کو کروادیا۔ حضرت نے فرمایا بھئی ذھبی تو تم نے پیدا کر دیا کوئی ابن حجر بھی پیدا کرلو۔ خیر یہ محفل بہت اچھی رہی۔ مغرب کے بعد حضرت نے تخصص کے طلبا کو سبق پڑھایا۔ بندہ تفصیل سے تخصص کے اسباق کی ترتیب کے متعلق بتا چکا تھا۔ حضرت بہت خوش تھا فرمایا اس طرح کا تخصص پورے ہندوستان میں ایک بھی نہیں۔ تم نے تو بہت کام کیا ہے۔ مجھے تو علم ہی نہیں تھا کہاس قدر بڑا کام تم لوگ کر رہے ہو۔ حضرت تخصص کی لائبریری سے بھی بہت متاثر ہوئے۔ بندہ نے سبق کے آخر میں حضرت اوکاڑویؒ کی ٹوپی پیش کی کہ یہ برکت کے لئے رکھی ہے اور ہر سال تخصص کرنے والے طلباء کو دو، دو منٹ پہناتا ہوں آپ بھی پہن لیں تاکہ مزید برکت والی ہو جائے۔ حضرت نے فرمایا میں تو خود برکت حاصل کرنے کے لئے پہنوں گا۔ بندہ نے کہا آپ اپنی نیت کرلیں ہم اپنی۔ حضرت نے بڑی خوشی سے اس ٹوپی کو پہن لیا۔ کچھ اور مناظرین ساتھی بھی موجود تھے انہوں نے بھی تمنا کی مگر میں نے کہا یہ صرف تخصص کے طلباء کی خصوصیت ہے کہ انہی کو پہنائی جاتی ہے۔ رات کو بعد نماز عشاء حضرت کا انٹرنیٹ پر بیان ہوا۔ حضرت اس سے بہت خوش ہوئے جب یہ بتایا

گیا کہ یہ بیان پاکستان، برطانیہ، امریکہ، سعودیہ، دوبئی اور بہت سے ملکوں میں سنا جارہا ہے۔ صبح ناشتہ پر چند جید علماء کرام بھی مدعو تھے جن میں نمایاں جامع المعقولات والمنقولات استاذ العلماء حضرت مولانا عبدالجبار صاحب صدر المدرسین چوکیرہ تھے۔ ناشتہ کے بعد حضرت غازی پوری کا قافلہ فیصل آباد کی طرف روانہ ہوا۔ اب حضرت غازی پوری، مولانا الیاس گھمن صاحب، حضرت مولانا عارف صاحب استاذ جامعہ مدنیہ لاہور اور بندہ یہ حضرات اس قافلہ میں شریک تھے۔ مولانا عارف صاحب انتہائی خوش مزاج آدمی ہیں باصلاحیت ہونے کے ساتھ ساتھ تکلف اور بناوٹ سے پاک ہیں۔ یہ وصف بہت کم علماء میں ملتا ہے۔ اس لئے یہ سفر سہ آتشہ بن گیا ایک مولانا غازی پوری دوم مالان الیاس صاحب سوم مولانا عارف صاحب۔ بندہ سہ آتشہ سفر کرنے کے لئے ساتھ تھا۔ یہاں سے فیصل آباد جاتے ہوئے سرگودھا کے مدرسہ جامعہ نعمانیہ کچھ دیر رکے اور طلباء کو بیان فرمایا پھر مولانا عبدالرحمن صاحب للکیاں کے مدرسہ میں گاڑی میں بیٹھے بیٹھے ہی دعا کروائی۔ یوں وقت سے بھی تقریباً آدھ گھنٹہ قبل ہم فیصل آباد پہنچ گئے۔ ہمارے ناظم اعلیٰ صاحب بحمداللہ بہترین ڈرائیور بھی ہیں۔ گاڑی خوب تیز بھگانے کے عادی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جماعتی گاڑی بھی اتنی تیز بھگائی کہ ڈیڑھ سال میں جماعت کو ملک کی نامی گرامی جماعتوں کی صف میں لا کھڑا کیا۔ اہل علم کے حلقوں میں اس جماعت کی مقبولیت اس پر مستزاد ہے۔

مولانا کے ساتھ جو بھی فرنٹ سیٹ پر بیٹھتا ہے اس کا قلب خود بخود جاری ہو جاتا ہے۔ یہ مقولہ جماعتی احباب میں مشہور ہے۔ فیصل آباد میں جامعہ دارالقرآن جو کہ ملک کا مشہور ادارہ ہے۔ قاری رحیم بخش صاحبؒ کے داماد اور مایہ ناز شاگرد حضرت قاری یسین صاحب کی زیر نگرانی خدمت قرآن کا عظیم فریضہ انجام دے رہا ہے۔ تقریباً چار ہزار کے قریب طلباء قرآن وحدیث اور فقہ اسلامی کی تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ پروگرام کے تحت وہاں پہلے اطلاع دی جا چکی تھی۔ مولانا غازی پوری صاحب بندہ سے کافی مانوس ہو چکے تھے۔ دارالقرآن میں بندہ کی طرف اشارہ کرکے فرمایا ان کو جانتے ہو۔ اس پر کچھ احباب بولے جی ہاں ان کی کتابیں ہم پڑھتے رہتے ہیں۔ مولانا

ابوالحسن ندویؒ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی مجلس میں شرکت کی روئیداد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں "سہ دری میں قدم رکھتے ہی میری نظر اس ڈیسک پر پڑی جو مولانا کے سامنے تھی اور جس پر خطوط اور لکھنے پڑھنے کا سامان رکھا ہوا تھا انہی کاغذات اور سامان میں "سیرت سید احمد شہید" جس کو چھپے ہوئے تین سال سے زائد ہو چکے تھے، سامنے رکھی تھی، معلوم نہیں مولانا نے میری دل جوئی اور مجھے مانوس کرنے کے لئے اس کو اسی دن نکالا تھا یا وہ عام طور پر اسی جگہ رکھی رہتی تھی اس کو دیکھ کر مجھے ایسا محسوس ہوا گویا ایک نہایت عزیز اجنبیت کے احساس میں بڑی کمی واقع ہوئی۔ (پرانے چراغ ص ۱۲۸-۱۲۹)

بعض جگہ یہی حال بندہ کے ساتھ ہوتا ہے۔ یہاں بھی یہی ہوا۔ البتہ بعض جگہ جہاں کے احباب نے پہلی دفعہ دیکھا تو کہا کہ ہمارا اندازہ تھا کہ آپ کی عمر ستر اسی سال کے لگ بھگ ہوگی۔ ایسے کلمات سن کر بحمد للہ بندہ تکبر کا شکار ہونے کے بجائے دل بہ نیاز سجدہ گزار ہو جاتا ہے۔ خیر حضرت کا وہاں بیان ہوا چار ہزار کے قریب طلباء کو دیکھ پھر جس حسن سلیقہ سے وہ بیٹھے تھے دل باغ باغ ہو گیا۔ قاری یسین صاحب خود تو عمرہ پر تشریف لے گئے ہوئے تھے۔ ان کے فرزند گرامی میزبانی کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ صاحبزدگان میں صاحبزادوں والا تکبر و غرور بھی نہ تھا اللہ تمام علماء کی اولادوں کو اس سے محفوظ رکھے۔ بیان ہی میں دو شخصیات ایسی شریک ہوئیں جو نمایاں مقام کے حامل معلوم ہوتی تھیں۔ جب بیان کے بعد کمرہ میں پہنچے تو تعارف ہوا کہ ایک شیخ الحدیث مولانا طیب صاحب مہتمم جامعہ امدادیہ فیصل آباد اور دوسرے مولانا زاہد صاحب ان کے چھوٹے بھائی تھے۔ بندہ نے ان کا تعارف اور جامعہ امدادیہ کا تعارف حضرت کو کروایا۔ مولانا طیب صاحب سے کافی علمی باتیں ہوئیں۔ بندہ کی کتاب قطرات العطر پر مولانا زاہد صاحب تقریظ لکھ چکے تھے۔ اس لئے ان سے بھی ملاقات اجنبی نہ تھی۔ دونوں حضرات نے انتہائی پرزور درخواست کی کہ حضرت عازی پوری کو جامعہ امدادیہ میں ضرور لایا جائے تا کہ جامعہ بھی آپ کی برکت سے مستفید ہو سکے۔ چنانچہ ظہر کے فوراً بعد ہم جامعہ امدادیہ پہنچ گئے۔ بندہ زندگی میں پہلی

دفعہ جامعہ امدادیہ گیا تھا۔ شہرت تو بچپن سے سنی تھی پھر اس سال جامعہ کے ایک ذکی فہیم فاضل مولوی عمر دراز صاحب بھی ہمارے تخصص میں ہیں اور وہ وقتاً فوقتاً وہاں کے ذوق کا تعارف کرواتے رہتے ہیں۔ جامعہ کو ماشاء اللہ خوب صورت پایا جامعہ کے ایک ایک چیز سے شیخ الحدیث مولانا نذیر احمدؒ کی نفاست کا ذوق ٹپک رہا تھا۔ جامعہ میں طلباء سے مختصر بیان ہوا۔ البتہ ایک افسوس باقی رہے گا کہ جامعہ کے استاذ ولی کامل حضرت مولانا فضل احمد صاحب کی زیارت سے محروم رہے وقت کی قلت کی بناء پر ان کی تلاش و جستجو نہ کر سکے۔ مولانا قاضی صاحبؒ کے ان چار خوش قسمت خلفاء میں سے ہیں جن کو حضرت کی طرف سے خلعت خلافت نصیب ہوئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

امام المحدثین مولانا عبدالرشید نعمانیؒ

(از ـــــــ مولانا محمود عالم صفدر اوکاڑوی)

تقسیم ہند کے بعد برصغیر کے علمی حلقے دو حصوں میں تقسیم ہو گئے ایک وہ طبقہ تھا جو موجودہ ہندوستان میں ہی رہا دوسرے طبقے نے پاکستان کی طرف ہجرت کر کے اس اسلامی ملک کی درودیوار کو آفتاب نبوت کی کرنوں سے روشن کیا۔ ان حضرات میں محدث العصر علامہ محمد یوسف بنوریؒ خیر العلماء مولانا خیر محمد جالندھریؒ شیخ عبدالحق محدث اکوڑہ خٹک، مفتی اعظم حضرت مولانا شفیع صاحبؒ دیوبندی، مؤرخ العصر حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی، امام المحدثین حضرت مولانا عبدالرشید نعمانیؒ کے اسمائے گرامی نمایاں نظر آتے ہیں جو حضرات بقید حیات ہیں ان میں امام اہل السنۃ حضرت مولانا سرفراز خان صفدر مازالت شموس فیوضہ بازغۃ علینا کا نام اسم گرامی تا قیامت درخشندہ و تابندہ رہے گا ان وارثان نبوت میں سے ہر ایک فرد وحید العصر تھا اور اپنے اندر ایک جماعت کے اوصاف لیے ہوئے تھے اس جماعت میں سے امام المحدثین حضرت مولانا عبدالرشید نعمانیؒ کا تذکرہ اجمالی طور پر سپرد قلم کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں۔

محقق العصر استاذ العلماء شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالرشید نعمانیؒ برصغیر پاک و ہند کی مشہور علمی

شخصیت تھے۔ ۲۹ ربیع الثانی ۱۴۲۰ھ بروز جمعرات صبح ساڑھے دس بجے کے قریب آپ کا انتقال ہوا۔ حضرت مولانا ۱۸ ذیقعدہ ۱۳۳۳ھ ستمبر 1915ء کو ہندوستان کے مشہور شہر جے پور میں پیدا ہوئے۔ مولانا نسبا راجپوت تھے۔ والد ماجد مفتی عبدالرحیم صاحب مشہور خطاط تھے۔ مدرسہ انوار محمدی میں ابتدائی کتب پڑھیں۔ منشی ارشاد علی خان اور منشی عبدالقیوم صاحبان سے فارسی کی بڑی کتابیں پڑھیں اور مدرسہ تعلیم الاسلام میں میزان الصرف سے لے کر مشکوۃ المصابیح تک کی کتابیں علامہ قدیر بخش بدیوانی سے پڑھیں اس کے بعد دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنو تشریف لے گئے اور محدث جلیل فقیہ زمانہ شیخ طریقت حضرت مولانا حیدر حسن خان ٹونکی کی صحبت اختیار فرمائی علوم حدیث میں آپ سے خوب استفادہ حاصل کیا اور بہت سی حدیث کی کتابیں آپ کے یہاں خوب تحقیق سے پڑھیں۔ پھر آپ کے بڑے بھائی اور مشہور زمانہ کتاب معجم المصنفین کے مؤلف حضرت مولانا محمود حسن خان صاحب ٹونکی کے ساتھ کافی عرصہ گزارا اور آپ کو بیک وقت علم کلام، تاریخ، فقہ اور اصول فقہ اور حدیث میں بڑی گہری نظر تھی۔ جس سے حضرت مولانا کو بھی علم تاریخ میں اور علوم مختلفہ کے مصنفین کے بارے میں بصیرت تامہ حاصل ہوگئی۔ ۱۹۴۲ء میں آپ ندوۃ المصنفین کے رکن بنے۔ یہیں پر اپنی بے نظیر کتاب لغات القرآن تصنیف فرمائی۔ ۱۹۴۷ء تک ندوۃ ہی میں رہے پھر پاکستان ہجرت فرمائی۔ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی توجہ سے دارالعلوم ٹنڈو اللہ یار سندھ کی بنیاد پڑی تو آپ وہاں تشریف لے گئے۔ یہاں آپ نے بعض کتب فقہ، اصول فقہ، نحو، منطق، کا درس دیا۔ مقدمہ ابن صلاح بھی پڑھائی۔ اس وقت علامہ ادریس کاندھلوی، حضرت مولانا عبید الرحمن صاحب کامل پوری محدث العصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ اور محدث کبیر حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھیؒ جیسے حضرات بھی وہاں موجود تھے۔

جب حضرت بنوریؒ نے کراچی میں جامعۃ الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کی بنیاد رکھی تو حضرت کی درخواست پر یہاں تشریف لے آئے اور صحیح بخاری کے علاوہ بقیہ کتب خمسہ، موطا، شرح معانی الآثار، کتاب الآثار جیسے تمام کتب حدیث کا درس دیا اور کتب فقہ میں الاختیار اور کنز الدقائق بھی

آپ کے زیر درس رہیں۔ آخر میں جامعہ ہی میں مجلس الدعوۃ والتحقیق فی اللغۃ کے نگران ورئیس منتخب ہوئے۔ طلبہ کے رسائل کے بھی آپ ہی کے اشراف کے تحت لکھے۔ خشیت الٰہی کے اعتبار سے اوران کے اوقات دن رات ذکراور تلاوت وعظ اور ارشاد وتحقیق اور مطالعہ کتب اور تدریس و تعلیم تصنیف وتالیف سے آباد ہیں اوران کا بڑا مشغلہ درس اور فائدہ رسانی، بحث اور مطالعہ اوران کی بلند پایہ، نفع بخش تصانیف ہیں علم حدیث وغیرہ میں اور مختلف فنون میں علمی بحثیں اور مفید مقالہ جات ہیں۔

الغرض مولانا گویا چلتا پھرتا کتب خانہ تھے جو بات پوچھی جاتی جواب میں معلومات کا وسیع ذخیرہ مہیا فرمادیتے تھے۔ حضرت مولانا نے خالص علمی طبیعت پائی تھی یہی وجہ ہے کہ جس میں تشریف لے جاتے وہ علمی مجلس میں بدل جاتی تھی اور ایک علمی اور فضاء قائم ہو جاتی تھی۔ حضرت مولانا کو مذہب حنفی سے بڑے گہرا تعلق تھا اور عشق کے درجہ میں محبت تھی۔ سراج الائمہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے سچے مقلد اور عاشق صادق تھے۔ علماء احناف خصوصاً حضرت امام ابوحنیفہؒ پر محدثین حضرات خصوصاً علماء شوافع کی طرف سے جو بے جا طعن اور جرح کا سلسلہ تقریباً ہر زمانے میں رہا ہے اس سے حضرت مولانا کو بڑا شکوہ تھا اور مختلف مجالس میں بڑے دردمندانہ طور پر اس کا تذکرہ فرماتے رہتے تھے۔ حافظ ابن حجرؒ پر بھی اس سلسلہ میں گرفت فرماتے رہتے تھے لیکن اس سب کے باوجود ادب کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹتا۔ مولانا کو اللہ نے بھرپور ظرافت طبع عطا فرمائی تھی۔ ایک مرتبہ اپنے مخصوص ظریفانہ لہجے میں ارشاد فرمایا اللہ معاف کرے ان شوافع میں سے امام دارقطنی اور امام ابن عدیؒ کو ساری عمر اس میں گزار دی کہ جہاں کوئی حنفی ملے اس کو پکڑ کر مارو اس سے حنفی راوی کی بے جا تضعیف کی طرف اشارہ ہے۔ اور جہاں کوئی شافعی راوی آیا تو کہتے ہیں چلو چلو آگے چلو حضرات امام ابوحنیفہؒ کا تذکرہ آتا یا امام صاحب کے مناقب پڑھے جارہے ہوتے۔ حضرت مولانا پر رقت طاری ہو جاتی اور بسا اوقات آنکھوں میں آنسو آجاتے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ مذہب حنفی کی خدمت میں گزار دیا۔ امام ابوحنیفہؒ کی تابعیت کا بہت سے متعصب شوافع

علماء نے انکار کیا حتی کہ بعض علمائے احناف بھی شوافع سے متاثر ہو کر یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ رویۃً تو تابعی ہیں روایۃً نہیں۔

حضرت مولانا نے امام صاحب کی رویۃ و درایۃ تابعیت کو امام ابو حنیفہؒ اور ان کی تابعیر کے عنوان سے ایک رسالہ میں بڑی تفصیل و تنقیح سے مدلل کر کے ثابت فرمایا۔ اسی طرح کتاب الآثار کے بارے میں اکثر اور بڑے بڑے علماء احناف کو بھی یہ مغالطہ رہا ہے کہ یہ امام ابو حنیفہؒ کی تالیف نہیں بلکہ امام محمدؒ کی تالیف ہے۔ حضرت مولانا وہ پہلی شخصیت ہیں جنہوں نے اس مسئلے کو بھی منقح فرمایا اور متقدمین کی بعض نقول سے ثابت فرمایا کہ امام ابو حنیفہؒ ہی اس کتاب کے اصل مؤلف ہیں اور امام محمدؒ کی طرف اس کی نسبت محض راوی ہونے کی حیثیت سے ہے جیسا کہ موطا مالک کی نسبت امام محمدؒ کی طرف اس کی نسبت بوجہ راوی ہونے کے کی جاتی ہے اور موطا محمد کہہ دیا جاتا ہے۔ آپ کتاب الآثار کو اصح الکتب بعد کتب اللہ فرماتے تھے۔ آپ نے کتاب الآثار کے رواۃ پر بھی عمدہ کام کیا اور ثابت کیا کہ کتاب الآثار اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہے پھر موطا مالک ہے پھر بخاری پھر مسلم کا مرتبہ ہے۔ علماء احناف اور خصوصاً امام ابو حنیفہؒ پر علم حدیث سے ناواقفیت کا اعتراض بھی ہر زمانہ میں لوگوں کی زبان پر رہا ہے۔ حضرت مولانا نے اس موضوع پر سب سے پہلے قلم اٹھایا اور یہ بات واضح فرما دی کہ علم حدیث میں تصنیف علی الابواب کا سلسلہ سب سے پہلے امام ابو حنیفہؒ نے ہی اختیار فرمایا اور "ابو حنیفہؒ اول دون الحدیث" کے عنوان پر ایک مستقل مضمون تحریر فرمایا۔ نیز امام ابو حنیفہؒ کے مناقب اور علم حدیث میں امام صاحب کی جلالت شان پر ایک بے نظیر کتاب "مکانۃ الامام ابی حنیفہ فی الحدیث" کے عنوان سے تحریر فرمائی۔ جس میں علامہ ابن حجر مکیؒ کی "الخیرات الحسان" علامہ دمشقی کی "عقود الجمان" اور دیگر ائمہ کی کتابوں سے امام صاحب کا حقیقی مقام واضح فرمایا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رسالہ علامہ علی شیر حیدری شہیدؒ

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم۔

میرے سامنے انکی یادیں انکی شفقتیں سینتانے کھڑی ہیں میرا دل زخمی ہے سوچتا ہوں کون سا واقعہ تحریر کی قید و بند میں لاؤں کون سا چھوڑوں انکی زندگی کا ایک ایک لمحہ اس قابل ہے کہ اس کو سنہری حروف سے تاریخ کے سینے میں محفوظ کر دیا جائے تاکہ آنے والی نسلیں انکی روشنی میں اپنی زندگی کے خطوط درست کر کے باب جنت تک پہنچ سکیں اور ان خوشبوؤں کا مصداق بن سکیں جو آپکے پاکیزہ خون سے نکل کر اردگرد کی فضاؤں کو معطر کر رہی ہیں انکی زندگی بھی خوشبوؤں والی تھی علم وتقوی کی خوشبو سینہ میں مہکتی تھی منہ سے نکلتی تھی تبھی تو لوگ دیوانہ وار اردگرد رہتے تھے نبی اقدس ﷺ کا فرمان گرامی ہے کہ مجھے دو چیزوں سے پیار ہے عورت اور خوشبو آپ ﷺ جو شریعت لیکر آئے وہ سراپا خوشبو ہے آپ ﷺ کی ذات سراپا خوشبو تھی آپکے پسینے مبارک کی خوشبو کے سامنے دنیا کی کستوریاں شرماتی تھیں جس گلی سے گزرتے وہ خوشبو سے مہک جاتی صحابہؓ کے بچوں کے سر پر نبوت کا ہاتھ لگتا تو وہ خوشبوئیں مہکانے لگ جاتے ہر آدمی کو خوشبو پسند ہے امام الانبیاء نے تمام انسانیت کو ظاہری اور باطنی طور پر خوشبودار بنانے کی سعی مشکور فرمائی۔ بچہ چونکہ گناہوں سے پاک

ہوتا ہے اس لئے اس کے جسم سے ایک قسم کی خوشبو آتی ہے تبھی تو سب اس کے ارد گرد جمع رہتے ہیں اگر انسان اپنے آپ کو گناہوں کی نجاست سے آلودہ نہ کرے اور تقوی وطہارت کے ساتھ زندگی گزارے تو وہ ولی ہوتا ہے اس کے جسم سے بھی خوشبو پیدا ہوتی ہے تبھی تو لوگ اس سے چمٹتے رہتے ہیں یہی حال وقت کے مجاہد اعظم رئیس المتکلمین استاذ المناظرین شیر اسلام شہید ناموس صحابہ علامہ علی شیر حیدری کا تھا زندگی بھی خوشبوؤں سے مزین ومعطر تھی لوگ دیوانوں کی طرح ہر وقت اس پر شہد کی مکھیوں کی طرح جمع رہتے' جس جلسہ میں وہ آتا تو ایک ایک جلسہ میں شرکاء کی تعداد ہزاروں سے نکل کر لاکھوں کو چھونے لگتی مجمع فرط محبت میں بے اختیار ہو جاتا اللہ والوں کو خواب میں بجا فرمایا مجھے صدیق اکبرؓ نے بلایا ہے نبی اقدس ﷺ سے ملاقات کی ہے سیدنا فاروق اعظمؓ سے ملاقات کی ہے اب ایک اور صحابی کی ملاقات کر رہا ہوں شہید زندہ ہوتا ہے آپ زندہ ہیں خدا نے شیر اسلام کا یہ خوبصورت جسم ضائع نہیں کیا اس کو شہادت کا تاج پہنا کر حیات جاودانی عطا فرمادی علامہ حیدریؒ پر کما حقہ کون لکھ سکتا ہے آپکی زندگی ایک کھلی ہوئی کتاب تھی جس میں سینکڑوں ابواب ہیں ہر باب کے تحت ہزاروں اوراق یادوں کی خوشبوئیں مہکا رہے ہیں آپ سیدنا عبداللہ ابن مسعودؓ کا یہ فرمان اپنی تقریروں میں اکثر پڑھا کرتے تھے" من کان منکم مستنا فلیستن بمن قدمات" تم میں سے جو کسی کو آئیڈیل بنانا چاہتا ہے وہ اس کو بنائے جو دنیا سے جا چکا ہوں آپ شہادت کا جام پی کر اس کا مصداق بن گئے آپ اس قابل ہیں کہ آپکی حیات مبارکہ کے ایک ایک لمحہ کو محفوظ کیا جائے اور آپ کو آئیڈیل بنایا جائے اس لئے کہ آپ یقیناً کامیاب ہیں مبارک خون جنتی خوشبو مہکا کر آپکی فلاح وکامرانی کی بشارتیں سنا رہا ہے اے حیدری تیرے نقش پا تا قیامت سعادتمندوں کیلئے نشان نجات ہونگے تیرا علم طالب علموں کیلئے تیرا تقوی اصحاب تقوی کیلئے تیرا تدبر ارباب دانش کیلئے تیری ولایت اولیاء عظام کیلئے اسوہ حسنہ کا کام دیتی رہے گی تیرے آخری خطاب کے تیرے الہامی الفاظ" میرے ہاتھ میں حق کا جھنڈا ہے میرے گلے میں ظلم کا پھندا ہے میں مرنے سے کب ڈرتا ہوں میں تو موت کی خاطر جیتا ہوں جب میرے خون کا سورج

چمکے گا تب بچہ بچہ بولے گا صحابہ کا دشمن کافر ہے کافر ہے" یہ قیامت تک تیرا مشن زندہ رہنے کی بشارت ہیں تیرا نام تیرا کام تیرا حسن تیرا مشن زندہ قیامت تک تابندہ رہے گا اے حیدری تیری جدائی نے ہماری کمر توڑ دی ہے مگر ہم اپنے مولائے کریم کی تقدیر پر راضی ہیں آپ کے لئے اسی وقت صحابہ کی خدمت میں پہنچنا مناسب تھا۔ یقیناً آپ اس مہربان ذات کے پاس گئے جس نے آپ کو علم وتقویٰ طہارت جرات وشجاعت کا حظ عظیم عطا فرما کر اپنی قدرت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی بنایا تھا یقیناً وہ خدا ہم سب انسانوں سے آپ سے زیادہ محبت رکھنے والا آپکا قدر دان ہے اور آپ بھی وہاں یقیناً یہاں کی نسبت زیادہ خوش ہیں اس لئے کہ ہم جیسوں کی رفاقت نبی اقدس اور صحابہ کی رفاقت سے کیا نسبت رکھتی ہے چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔ علامہ حیدری کا یہ تذکرہ نہ کسی صحافی کے قلم سے ہے نہ کسی ادیب کے قلم سے ایک اس طالب علم کے قلم سے ہے جس نے کچھ سال قریب سے اس بطل حریت کو دیکھا اس کے علم کو ٹٹولا اس کے تقوی کی گہرائی میں جھانکا اس کی ولایت کی بلند چوٹی کی طرف بار بار دیکھا اس کے آغوش سے محبتوں کے پھول سمیٹے اس کی دعاؤں کی برکت حاصل کی اور آج یہ کہنے پر مجبور ہے۔

جمال ہمنشیں درمن اثر کرد
ورنہ من ہما خاکم کہ ہستم

آج جو بھی دین کی خدمت ہو رہی ہے عالم اسباب میں امام المناظرین حضرت اوکاڑوی کے بعد چار اشخاص کا سب سے زیادہ دخل ہے قائد اہلسنت وکیل صحابہ حضرت مولانا قاضی مظہر حسین قطب العصر مرشد العلماء حضرت اقدس مولانا سید محمد امین شاہ صاحب نور اللہ مرقدھما کی دعاؤں روحانی توجہات کا استاذ المناظرین حضرت مولانا منیر احمد منور صاحب کی سرپرستی اور شیر اسلام علامہ علی شیر حیدریؒ کی دستگیری کا میں ایک کما طالب علم تھا آپ نے اپنے جامعہ حیدریہ کے تخصص کے اسباق سپرد فرما کر کچھ درس وتدریس، ورق وکتاب سے آشنا کر دیا آنے والے صفحات میں اپنی آپ بیتی نقل کروں گا جس میں انکے علم وعمل تقوی روحانیت کے تذکرے خود بخود آتے جائیں

گے اور پڑھنے والا ان شاء اللہ یہ کہنے پر مجبور ہوگا۔

احد ذکر نعمان فان ذکرہ

مسک لما تکرر یتضوع

پہلی ملاقات:

غالباً ۱۹۴۳ء کے شوال کا مہینہ تھا سردیوں کے دن بندہ قرآن کریم حفظ کر کے گردان مکمل کر چکا تھا کہ لیہ کے اندر تحصیل کروڑ لعل عیسن واقع ہے وہاں بستی محمود شاہ میں شیر اسلام علامہ علی شیر حیدری کی آمد آمد تھی بندہ کی عمر تقریباً چودہ سال کے لگ بھگ تھی ہم بھی جلسہ سننے پہنچ گئے آگے آگے بیٹھنے کی کوشش کی جب اعلان ہوا تو بھاری بھرکم جسم گھنی داڑھی سر پر سیاہ پگڑی با وجاہت وبا وقار شخصیت تقریر کیلئے اسٹیج پر تشریف لائی استقبال میں فائرنگ ہوئی خوب نعرے لگے اس سے قبل نام تو سنا تھا زیارت نہیں کی تھی یہ بات بھی علم میں آ چکی تھی کہ آپ ہمارے تایا جان (رئیس المناظرین حضرت اوکاڑوی ؒ) کے خصوصی شاگرد ہیں آپ نے بیان شروع کیا تقریباً پونے گھنٹہ گزر چکا تھا آپ روافض کے خلاف حوالہ جات پیش فرما رہے تھے ایک حوالہ یہ پیش فرمایا کہ شیعہ کے ہاں محرمات سے بھی حصہ کرنا جائز ہے مگر شرط یہ ہے کہ ذکر پر کپڑا لپیٹ لیا جائے یا چونہ لگا لیا جائے اگر ایسا نہ کیا تو گناہ ہوگا آپ یہ فرما کر خاموش ہو گئے پھر سوالیہ انداز میں گرجدار آواز سے فرمایا "گناہ کس کو ہوگا کس کو کس کو" سارا مجمع خاموش تھا سناٹا طاری تھا بندہ نے جب دیکھا کہ کوئی جواب نہیں دے رہا اور آپ جواب کے طلب گار ہیں تو بندہ نے سکوت محفل توڑ دیا اور زور سے کہا سنیوں کو تقریر آگے شروع فرما دی جب خطاب ختم ہوا تو فوراً بندہ کی طرف لپکے ہاتھ پکڑا اور ساتھ لیکر قیام وطعام والے کمرہ میں لے گئے پوچھا بیٹا کیا کرتے ہو جواب دیا حفظ کیا ہے "اب کیا کرنا ہے" "اسکول میں" "بیٹا جواب کہاں سے دیا" "آپ ہی کی تقریر رحمیاں خان کیسٹ میں سنی تھی وہ یاد تھی" "بیٹا آپ عالم بنو" یہ تھی زندگی کی پہلی گفتگو جو میری اس بطل حریت کے ساتھ ہوئی اور میری زندگی کا رخ موڑنے کا سبب بنی بندہ کے علم میں یہ تو تھا کہ یہ میرے تایا جان کے شاگرد ہیں مگر اس مجلس میں

میں نے اس کی طرف کوئی اشارہ نہ کیا بندہ واپس گھر پہنچا والد صاحب سے خواہش کا اظہار کیا اور بعد نماز عصر حضرت اکاڑوی کی خدمت میں پہنچ کر والد صاحب کا خط پیش کیا اور یوں سلسلہ تعلیم کا آغاز ہو گیا جب بندہ حیدریہ میں تخصص کا استاذ تھا ایک دفعہ بندہ نے یہ واقعہ سنا کر یاد دلانے کی کوشش کی تو آپکو یاد نہ آیا البتہ بہت خوش ہوئے فرمایا کہ مجھے فائدہ ہو گیا کہ اب آپ میرے ہی مدرسہ میں پڑھا رہے ہو نیز تم جو کام بھی کرو گے اس میں میرا دخل ہو گا میں نے عرض کیا کیوں نہیں خیر المدارس ملتان میں حضرت اوکاڑوی کی خدمت میں آپکی آمد کثرت سے رہتی تھی طویل وقت استفادہ کرتے تھے حضرت اکاڑوی کے خاص شاگرد تھے سکھر لاڑکانہ کراچی کے کورسز میں کثرت سے استفادہ کیا تھا سب سے پہلے حضرت سے مناظرہ اس وقت پڑھا جب آپ درجہ ثانیہ کے طالب علم تھے وہ کاپی جو آپ نے قلمبند کی تھی بندہ نے خود دیکھی بلکہ جامعہ حیدریہ میں سال اول کے تخصص کے طالب علم تھے اور اب مدرسہ فاطمہ للبنات حجرہ شاہ مقیم اوکاڑہ کے شیخ الحدیث ہیں مفتی ندیم حیدر انہوں نے بڑی محنت کے ساتھ اس کاپی کو صاف کیا۔ عنقریب ہم اس کو شائع کر دیں گے بندہ نے ایک دفعہ عرض کیا یہ حضرت اوکاڑوی کا وہ علم ہے جس میں ایک واسطہ ہے اور وہ واسطہ بھی احفظ الناس کا ہے فرمایا یہاں تو واسطہ ہے (اور واسطہ بھی مجھ جیسے موٹے تازے کا) اور آپ جو پڑھا رہے ہیں وہاں درمیان میں واسطہ ہی نہیں ہے تمہارا وجود کالعدم ہے لہذا تمہارا فیض زیادہ اعلیٰ ہے اللہ اللہ کیا شان تواضع تھی ایک دفعہ فرمایا کہ حضرت سکھر تشریف لائے میں بھی حاضر تھا آپ اچانک ناراض ہو گئے میں نے سوچا کہ حضرت کیلئے تو میرے جیسے ہزاروں خادم مگر میرے لئے تو صرف حضرت ہی ہیں بعد میں فرمایا کہ مجھے کسی نے تیرے بارے میں بتایا تھا کہ تو مماتی ہے اور میری ذاتی کاپی بھی گم ہو گئی تھی مجھے تجھ پر شک تھا کاپی بھی مل گئی اور تو نے جو یہ کہا کہ میرا فلاں استاد مماتی ہے اس کو آپ سمجھانے کیلئے وقت دیں اس سے میرا ذہن تیرے بارے میں صاف ہو گیا جب حضرت اوکاڑوی بنوری ٹاؤن شعبان میں پڑھانے جاتے مولانا حیدری بھی اس وقت وہاں پہنچ گئے داخلہ نہ ملا صرف اسباق میں بیٹھنے کی اجازت ملی آپ اسباق میں شرکت

فرماتے پھر نہ جانے کس مشقت سے گزر اوقات کرتے اس سے آپ کا علم کے بارے حریص ہونا واضح ہوتا ہے اور ان طلباء کیلئے بھی درس عبرت ہے جو تھوڑی سی بات پر مدرسہ کو تبدیل کرنے کا ارادہ کر لیتے ہیں۔

کمال ادب:

آپ میں اساتذہ کا ادب انتہائی غالب تھا بھاری بھرکم جسم کے باوجود اساتذہ کے سامنے دوزانوں ہو کر بیٹھتے رئیس المناظرین کے سامنے کتنی دیر ہی کیلئے بیٹھتے اکثر دوزانوں بیٹھتے اس میں آپ کو انتہائی مشقت اٹھانا پڑتی مگر ادب کا ساتھ ہاتھ سے نہ جانے دیتے ایک دفعہ حضرت اوکاڑوی ؒ ناراض ہو گئے ناراضگی کی وجہ الیکشن میں کوٹ ادو کے عبداللہ سنی (غیر مقلد) کی حمایت تھی آپ جماعت کی پالیسی کے تحت الیکشن کے دنوں میں کوٹ ادو تشریف لے گئے تھے اور اس غیر مقلد کی حمایت میں تقاریر کی تھیں حضرت کی خدمت میں تشریف لائے تو آپ نے درسگاہ میں داخلہ کی اجازت مرحمت نہ فرمائی تقریبا نصف گھنٹہ سے زائد دھوپ میں دروازے پر کھڑے رہے پھر معافی ملی اور داخلہ کی اجازت سے مشرف ہوئے آج کا کوئی طالب علم ہوتا تو الٹا استاد سے ناراض ہو جاتا مگر صد آفریں ہے آپکے کمال ادب پر نہ ماتھے پر شکن ابھرے نہ دل میں ناراضگی بلکہ اپنا قصور تسلیم کر کے استاد سے معافی کے خواستگار ہوئے۔

جب چیف جسٹس سجاد علی شاہ نے سپاہ صحابہ پاکستان کا موقف عدالت کے کٹہرے میں سننے کیلئے بلایا تو آپ نے سپاہ کی ترجمانی کیلئے جن نفوس قدسیہ کا انتخاب فرمایا ان میں حضرت اوکاڑوی ؒ بھی تھے مجھے خود فرمایا کہ میں حضرت مولانا فضل الرحمن قائد جمعیت کے پاس گیا کہ کس کو ساتھ لے جاؤں انہوں نے عبدالمجید کا نام لے دیا اس پر انہوں نے مسکرا کر فرمایا ان کو کیا علم کہ یہ مناظر نہیں ہے فرمایا پھر مولانا سلیم اللہ خاں صاحب سے پوچھا کہ جب میں نے استادوں کا نام لیا تو فرمایا کہ وہ کافی ہیں فرمایا سلیم اللہ استادوں (حضرت اوکاڑوی ؒ) سے واقف تھے۔ خیر حضرت اوکاڑوی نے فرمایا کہ آپ خود ہی ترجمانی کریں میں تیاری کروا دیا کروں گا چنانچہ آپ پھر بار ہا تیاری کے سلسلہ

میں تشریف لائے ان مجالس کا بھی عجیب سماں ہوتا۔ ایک چارپائی پر حضرت اوکاڑوی ہوتے دوسری پر حضرت حیدری اسی چارپائی پر پاؤں کی جانب مولانا قاری حنیف جالندھری اور دوسرے جلیل القدر علماء ہوتے۔ اور کسی کو اندر آنے کی اجازت نہ ہوتی بندہ کو ان مجالس کو سننے کی سعادت حاصل رہتی۔

بلبل کہاں بہار کہاں باغباں کہاں
وہ دن گزر گئے وہ زمانہ گزر گیا

ایک دفعہ تشریف لائے حضرت موجود نہیں تھے بندہ کے پاس بندہ کی چارپائی پر بیٹھے فرمایا استادوں کی چارپائی پر ادب کی وجہ سے نہیں بیٹھتا بندہ نے ایک کپ چائے پیش کیا خوب خوشی سے نوش فرمایا صرف یہ سمجھ کر کہ یہ حضرت کے کمرے کی بابرکت ضیافت حضرت کے ایک خادم کے ہاتھ سے ہے سبحان اللہ کیا تواضع ومحبت وقدردانی تھی سندھ سے چلتے تو شہد کھجور وغیرہ کے تحفے حضرت کیلئے ساتھ لیکر چلتے' جب سپاہ صحابہ کا آپکو سرپرست اعلیٰ بنایا گیا تو ایک طویل مکتوب لکھ کر حضرت سے کام کے سلسلہ میں راہنمائی حاصل کی حضرت اوکاڑوی کو بھی اپنے اس ہونہار شاگرد سے قلبی تعلق تھا آپنے فرمایا شیعت کے بارے میں سب سے وسیع مطالعہ حیدری کا ہے جب ملتان میں امیر عزیمت حق نواز شہید کانفرنس ہوئی بندہ نے آکر بتایا کہ مولانا اعظم طارق کو کئی ایک بزرگوں نے خلافت دی ہے فرمایا اگر میں وہاں ہوتا تو میں علی شیر حیدری کو خلافت دے دیتا اس وقت بندہ اس کی حقیقت تک نہ پہنچ سکا اس کو وقتی ارادہ پر محمول کرلیا بعد میں ایک دفعہ حضرت حیدری سے اس کا تذکرہ کیا چونکہ آپکی طبیعت میں بھی اخفاء غالب تھا فرمایا استادوں نے ویسے ہی محبت میں فرمادیا ہوگا میں انکو پھنسانے کا گر جانتا تھا کئی ملاقاتوں کے بعد بندہ نے کہا آپکی بیعت کا پہلا تعلق تو حضرت پیر شریف والوں (شیخ المشائخ حضرت مولانا عبدالکریم صاحب پیر شریف سندھ) سے تھا اس کے بعد سید نفیس الحسینی صاحب سے ہوا سلسلہ کی تبدیلی سے روحانی نقصان تو نہیں ہوا فرمایا میرا ظاہری تعلق ان حضرات سے رہا ہے اصل میں تو میرا سب کچھ ظاہری روحانی تعلق استاد جی

(حضرت اوکاڑوی) سے تھا۔ بندہ نے کہا پھر تو معلوم ہو گیا کہ حضرت کا آپکو خلافت دینے کا ارادہ بے موقع و بے محل نہ تھا آپ بری طرح پھنس گئے ۔ ایسے موقعوں پر از راہ مذاق حضرت کا صرف اتنا جواب ہوتا بھئی میں مناظر نہیں ہوں اس علمی اور روحانی تعلق کا اظہار وقتاً فوقتاً فرماتے رہتے فرمایا میں معقولات میں استاد غلام محمد صاحب کا شاگرد ہوں اس لئے کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ معقولی نہیں ہے مناظرہ میں حضرت اوکاڑوی کا شاگرد ہوں اس لئے کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں مناظر نہیں ہوں آپ نے فن مناظرہ صرف حضرت اوکاڑوی ہی سے پڑھا تھا نیاز کا تعلق سب سے تھا تلمیذ صرف حضرت اوکاڑوی ہی کے تھے رافضیت کے بارے میں سندھ کے ایک عالم سائیں عبداللہ شاہ سے استفادہ کیا تھا اور کسی سے بھی آپکا شاگردی کا تعلق فنی مناظرہ میں نہیں ہے۔

ہاں سب کا ادب کرتے قائد اہلسنت علامہ تونسوی مدظلہ اور مفکر اسلام علامہ خالد محمود سے نیاز حاصل تھا علامہ صاحب کا اسقدر ادب فرماتے کہ جب حیدر یہ پڑھانے کیلئے تشریف لاتے تو خود وضو کرواتے پاؤں خود دھوتے علامہ خالد محمود کے علم کے دیوانے تھے آخری ختم بخاری بھی علامہ صاحب نے لندن سے ٹیلی فون پر کروایا حضرت اوکاڑوی سے محبت کا اظہار اس وقت سامنے آیا جب حضرت کی وفات پر آپ پر بے انتہاء غم سوار تھا گریہ طاری تھا کئی گھنٹے گریہ طاری رہا جب خطاب کیلئے دعوت دی گئی تو روتے ہوئے مائیک پر تشریف لائے اور صرف اتنا فرما سکے کہ پہلے کوئی مسئلہ پیش آتا تو استاد جی کی خدمت میں آجاتا تھا اب دنیا میں کوئی نہیں رہا یہ کہہ کر بیٹھ گئے ڈاکٹر خادم حسین ڈھلوں صاحب نے مجھے بتایا کہ ایک دفعہ ایک بہت بڑے اسٹیج پر میں نے حضرت اوکاڑوی کی وفات کے بعد بیان میں کہا کہ دنیا کا سب سے بڑا عالم (حضرت اوکاڑوی) جا چکا ہے بعد میں فرمایا کہ بات آپ نے ٹھیک فرمائی مگر ان مولویوں (جلسہ کے میزبان مولویوں کی طرف اشارہ تھا) کو ہضم نہیں ہوگی ۔ ایک دفعہ فرمایا قیامت تک جس فتنہ کا تعاقب بھی کیا جائے گا حضرت استاد جی کے علم کی روشنی میں کیا جائے گا ایک دفعہ فرمایا کہ آپ تو حضرت کے بھتیجے ہو میں تو ان کے خاندان کے کتے کی خدمت بھی سعادت سمجھتا ہوں ۔ فرمایا کہ ایک دفعہ ایک مولوی تقریر کر

رہا تھا اور حدیث یوں پڑھ رہا تھا قال النبی ﷺ الف بھی حرف لام بھی حرف میم بھی حرف (یعنی اس کی استعداد یہ تھی) جب تقریر ختم کی تو میرے پاس آ بیٹھا اور حضرت اوکاڑویؒ کے بارے میں کہنے لگا ماسٹر امین اگر مولوی ہوندا تاں مزہ آ جاناں سی (ماسٹر امین اگر عالم ہوتا تو مزہ آ جاتا) فرمایا جس کی اپنی یہ استعداد تھی کہ حدیث بھی صحیح نہیں پڑھ سکتا اسے فکر تھی کہ حضرت اوکاڑویؒ عالم نہ تھے۔

ایک مولوی کو سخت ڈانٹ: ایک دفعہ کراچی کے ایک مناظر مولوی نے جوبن میں آتے ہوئے حضرت حیدری کو اپنی علمی صلاحیتیں گنواتے ہوئے کہہ دیا کہ ماسٹر امین کو کیا آتا تھا بس پھر کیا تھا شیر بپھر نہیں گیا فرمایا بکواس کرتا ہے ابھی بھی میں تیرے کمرے میں چلتا ہوں وہاں حضرت اوکاڑویؒ کی کتابیں تو نے استفادہ کیلئے نہ رکھی ہوں تو مجھے پکڑ لینا اگر وہ جاہل تھا تو اس کی کتابیں کس لیے کمرے میں رکھی ہوئی ہیں۔ اس کی کتابوں سے استفادہ بھی کرتا ہے اور جاہل بھی حضرت کو کہتا ہے مولوی بیچارے کو جان چھڑانا مشکل ہوگئی اور اسکی حالت دیدنی تھی نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن والا حال تھا اس سے حضرت کا حضرت اوکاڑویؒ سے والہانہ عشق ظاہر ہوتا ہے فرماتے تھے کہ حضرت مولانا عبدالکریم بیر شریف والے جو کہ اپنے وقت کے کامل اولیا میں سے تھے وہ حضرت اوکاڑویؒ کے بارے میں فرماتے تھے یہ حجۃ اللہ علی العلماء ہیں۔

حضرت اوکاڑویؒ سے حضرت کا تعلق اس مضمون سے بھی واضح ہوتا ہے جو آپ نے حضرتؒ کے خصوصی نمبر کیلئے لکھا اور الخیر میں شائع ہوا۔

برادرم مکرم مولانا فیاض احمد عثمانی صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

گزارش ہے کہ برطانیہ کے دورہ سے بندہ گزشتہ روز ہی واپس ہوا تو آج صبح آپ کا والا نامہ ملا جس میں جناب نے ترجمان احناف حضرت مولانا محمد امین صاحب صفدرؒ کے متعلق کچھ نہ کچھ لکھ بھیجنے پر بندہ سے بجا طور سخت شکوہ فرمایا تھا' حضرت مولانا قاری محمد حنیف جالندھری صاحب نے

بھی بندہ کو حکم فرمایا تھا اور پہلے ہی آپ نے بھی فرمایا تھا لیکن حقیقت یہ ہے کہ بندہ نے ہر چند کوشش کی کہ آپ کی فرمائش پوری ہو سکے اور کئی بار قلم اٹھا کر بہت سوچنے کے بعد پھر رکھنے کی نوبت بھی آئی کیونکہ بندہ کی سمجھ میں نہیں آتا کہ کن الفاظ سے اس ہستی کو خراج تحسین پیش کرے۔ وہ مرد قلندر کہ بظاہر ایک معمولی اور درویش انسان نظر آتا ہو لیکن اپنے دور کے جبال علم بھی اس سے اقتباس اور اکتساب کرتے نظر آئے جن کا نام سن کر ہر باطل گھبرا جاتا تھا اور اہل حق کے ہر دشمن کو جن کا سامنا "سکرۃ الموت" نظر آتا' جس نے کئی مسائل میں احناف کو زبان عطا دی' جس کے دلائل کا سامنا باطل کے کسی نمائندے سے نہ ہو سکا۔۔۔۔ اتنے بڑے مناظر اور متکلم ہونے کے باوجود متانت اور سنجیدگی کا یہ عالم کہ جیسے غصہ' غیظ و غضب سے بالکل آشنائی ہی نہیں' اور غصہ دلانے میں مخالف کا ہر حربہ ناکام رہا بلکہ خود مقابل کو پسپا ہو کر بعد خفت و ذلت "اعتراف شکست" کرنا پڑا' جس شخصیت میں شفقت کوٹ کوٹ کر بھری گئی تھی بلکہ مجسمہ شفقت بنایا گیا تھا بلکہ طلباء اور متعلقین کے علاوہ مخالفین سے بھی شفقت کا یہ برتاؤ کہیں اور جگہ ہم نے نہیں دیکھا۔ محترم بات لمبی ہو گئی اور اس میں بندہ نے کسی تصنع یا تکلف سے کام نہیں لیا' نہ ہی یہ عادت ہے صرف اپنا قصور بتلانا تھا کہ کیوں آج تک آپ کے حکم کی تکمیل نہیں ہو گئی' تو بھائی اس کی اصل وجہ صرف اپنی بے بضاعتی تھی کہ بندہ کے پاس کوئی مضمون ان کی عظمت و حیثیت کو صحیح بیان کرنے کا ذہن میں نہیں آرہا تھا اور نہ ہی کوئی آئندہ کوئی امید کی جا سکتی ہے' بندہ تو بس اتنا جانتا ہے جب بھی بندہ کو کوئی علمی مشکل پیش آتی یا معاندین اور مخالفین نے تنگ کیا تو یاد تو مرشدی و سیدی حضرت مولانا عبدالکریم قریشیؒ کی خدمت میں حاضری دینی پڑی یا پھر حضرت مولانا محمد امین صفدر صاحبؒ سے ملاقات کرنی پڑی اور الحمدللہ ان دونوں بزرگوں کی موجودگی میں کبھی پریشانی کا منہ دیکھنا نہ پڑا اور ہر الجھن قابل حل نظر آتی تھی' اب ان کے بعد اگرچہ یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے دین کا خود محافظ ہے اور خود ہی انتظام فرمائے گا اور اللہ پاک نے اہل حق کو بہت بڑے جبال علم و عمل عطا فرمائے ہیں لیکن بندہ ذاتی طور پر بہت پریشان رہتا ہے اور ہر وقت دعا گو ہے کہ اے خداوند قدوس اپنی خصوصی رحمت

سے پھر کوئی صاحب امانت پیدا فرما اور اہل حق کو پھر کوئی محمد امین عطا فرما جو ہر باطل کے لئے صفدر ہو آمین۔

امید ہے کہ بندہ کا عذر قبول فرمایا جائے گا اور آئندہ لکھنے کے لئے مجبور نہیں کیا جائے گا۔ حضرت مہتمم صاحب مدظلہ' مفتی محمد انور صاحب (اوکاڑوی) مدظلہ اور تمام احباب کو سلام اور مفتی حضرت عبدالستار صاحب اور حضرت مولانا محمد صدیق صاحب دامت برکاتہم کی خدمت میں دعا کی خصوصی درخواست عرض ہو۔ والسلام

حضرت اوکاڑوی کو بھی آپ سے والہانہ تعلق تھا زندگی کی جو آخری رات جامعہ خیر المدارس میں گزاری ہے وہ غالباً شب بدھ تھی آپ نے بندہ سے بہت باتیں کیں کیا معلوم کہ یہ آخری شب وصال ہے شاید آپکو ادراک ہو چکا تھا اس میں یہ بھی فرمایا کہ علی شیر حیدری نے جب جماعت کی سرپرستی قبول کی تو مجھ سے مشورہ طلب کیا کہ کیا میں قبول کروں یا نہ کروں اگر کروں تو کس طریقہ پر کام کروں میں نے کہا سرپرستی قبول کر لو دو باتوں پر عمل کرنا ایک تو الیکشن میں بھی حصہ نہ لینا ہم الیکشن میں حصہ لیکر مفت میں اپنے سنی سیاسی لوگوں کو اپنے مخالف کر لیتے ہیں اور ووٹ بھی تقسیم ہو جاتے ہیں اور نتیجتاً شیعہ یا بدمذہب امیدوار کامیابی سے ہمکنار ہو جاتا ہے فرمایا جماعت اسلامی کو انگریز نے بنایا ہی اس لئے ہے کہ مذہبی طبقہ کے ووٹ کاٹے اور کوئی مذہبی جماعت الیکشن میں کامیاب نہ ہو سکے فرمایا حضرت قاضی مظہر حسینؒ (خلیفہ مجاز شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ) کا طریقہ کار بہت بہتر ہے کہ خود اپنا آدمی کھڑا کرنے کی بجائے کسی سنی کینڈیڈیٹ کی حمایت کرو اس سے کامیابی زیادہ متوقع ہوتی ہے اور بدمذہب آدمی یقیناً ہار جائے گا دوسرا فرمایا کہ حکومت سے براہ راست ٹکر نہ لو ہم دو دشمن بنا لیتے ہیں حضرت کا زندگی کے ان اہم لمحات میں حیدری کو یاد رکھنا یہ کیا محبت کا منہ بولتا ثبوت نہیں۔

ایک خواب اور حضرت کی کرامت:

یکم ذوالحجہ ۱۴۲۲ھ کی شب خواب میں دیکھا کہ جامعہ خیر المدارس کے گراسی گراؤنڈ (جو کہ جامعہ کی

مسجد کے جنوب میں واقع ہے) اس میں شمال مغربی کنارے پر دو قبریں ہیں ان دونوں قبروں کے دونوں طرف گلاب کی قلمیں یا پودے ہیں ایک قلم بڑی ہے دوسری اس کی نصف ہے اور بتایا یہ جاتا ہے کہ یہ دونوں قلمیں چند دن قبل شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ نے مولانا محمد اعظم طارق شہید کو دی ہیں بندہ کچھ دیر ان قبروں کے پاس گزارتا ہے دوسری قبر کے بارے میں معلوم نہ ہوسکا (جس پر لگا ہوا پودا بڑا تھا) کہ یہ کس کی ہے۔ پھر آگے مشرق کی جانب کچھ کمرے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ شیر اسلام علامہ علی شیر حیدری مدظلہ نے یہاں آنا ہے بندہ بغرض زیارت اس کمرہ میں جاتا ہے اور مولانا وہاں تشریف فرما ہوتے ہیں بندہ لپٹ کر معانقہ کرتا ہے کافی دیر کے بعد ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہیں مولانا فرماتے ہیں آپ تشریف تو لے ہی آئے ہیں ہمارے مدرسہ میں درس ہی دے دیں۔ بندہ عرض کرتا ہے میں زیارت کیلئے حاضر ہوا ہوں نہ کہ پڑھانے کیلئے۔ حضرت بار بار فرماتے ہیں۔ بندہ معذرت کرتا ہے یہاں تک کہ بندہ حضرت کے قدموں میں بیٹھ جاتا ہے اتنے میں آنکھ کھل جاتی ہے۔ تہجد کا وقت ختم ہونے میں صرف دس منٹ باقی تھے۔

تعبیر اس خواب کی تعبیر اس وقت تو ذہن میں نہیں آئی مگر جب اسی خواب کے دو رات ہی بعد ۳ ذوالحجہ کی شب کو سیدی و مرشدی و مولائی قائد اہلسنت وکیل صحابہ حضرت اقدس مولانا قاضی مظہر حسین (خلیفہ مجاز شیخ العرب والعجم حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ) نے اس عالم فانی سے عالم باقی کی طرف رخت سفر باندھا۔ تو تعبیر ذہن میں آئی کہ دوسری قبر حضرت قاضی صاحبؒ کی تھی اور اس قبر پر لگے ہوئے پودے کا ڈبل ہونا مقام کے ڈبل ہونے کی طرف اشارہ تھا۔ یعنی مولانا محمد اعظم شہید سے حضرت کا مقام دوگنا ہے۔ خواب کے اگلے حصہ کی تعبیر بھی دو ماہ بعد ظہور پذیر ہوگئی کہ بندہ علامہ حیدری کو ملنے ۷ محرم الحرام ۱۴۲۵ھ کو خیر پور میرس سندھ گیا، تو فرمایا کہ میں آپ سے رابطہ کرنے کا سوچ رہا تھا بندہ نے عرض کیا خیر ہے۔ فرمایا میں چاہتا ہوں تخصص فی الدعوۃ والتحقیق کے اسباق آپ کے سپرد کردیے جائیں (اس بارے میں وہ مشاورت بھی کچھ بڑے علماء سے فرما چکے

تھے ان میں سے سب سے بڑے امام المناظرین فخر المحدثین حضرت اقدس مولانا منیر احمد منور امیر اتحاد اہلسنت والجماعت پاکستان کی ذات گرامی ہے بندہ نے عرض کیا حدیث پاک میں ہے ۔اذا وسد الامر الی غیر اھلہ فانتظر الساعۃ. بندہ کا تخصص کے اسباق پڑھانا علامات قیامت سے ہوگا۔فرمایا علامات قیامت سے تو یہ ہے کہ میں یہ اسباق پڑھا رہا ہوں۔تمہارا پڑھانا علامات قیامت سے نہیں ہوگا۔اللہ اللہ کیا تواضع تھی فرمایا آپ میرے شاگرد نہیں ہیں نہ ہی بے تکلف دوست ہیں اگر ان دو باتوں سے کوئی بات ہوتی تو میں آپ کو یہاں باندھ لیتا اور ملتان سے آپکا سامان اٹھوا لیتا اب ایک صورت ہے کہ آپ بتائیں پاکستان میں وہ کونسا بزرگ ہے جس کی بات آپ مان جاتے ہوں اور میں اس سے سفارش کرواؤں تا کہ تم ردنہ کرسکو بندہ نے عرض کیا آپ خود بھی بہت بڑے ہیں بندہ کا معذرت کرنا اپنی نا اہلی کی وجہ سے ہے جب حضرت نے بہت زیادہ اصرار فرمایا تو بندہ نے دس دن کا وعدہ کر لیا اور یوں صفر ۱۴۲۳ھ میں پہلی دفعہ حیدریہ پڑھانے گیا حضرت بہت متشکر تھے اور بار بار خود بھی مستقل رہنے کیلئے اصرار فرماتے اور طلباء سے بھی کہلواتے رہے۔بندہ اپنی نا اہلی کی وجہ سے تیار نہیں ہو رہا تھا کہ اچانک دوسرے خواب نے کایا پلٹ دی۔

تقریباً ۲۵ یا ۲۶ صفر ۱۴۲۳ھ کو خواب میں دیکھا کہ علامہ حیدری وفات پا جاتے ہیں بندہ ان کے کمرے میں جاتا ہے آپ شرقاً غرباً لیٹے ہوئے ہوتے ہیں بندہ فوت ہونے کے باوجود ان سے باتیں کرتا ہے پھر دوسرے کمرے میں جاتا ہوں تو وہاں بھی حضرت لیٹے ہوئے تھے یہاں سر مبارک زمین کی طرف ہے بندہ ان سے عرض کرتا ہے آپ فکر نہ کریں بندہ آپ کے مدرسہ سے تعلق رکھے گا۔اس خواب کا یہ اثر ہوا بندہ نے نماز فجر حضرت حیدری کے دائیں جانب ادا کی گریہ طاری رہا نماز کے بعد بندہ نے عرض کیا حضرت دفتر چلتے ہیں وہاں جا کر بیٹھ گئے بندہ نے عرض کیا میں ہر ماہ آپ کے مدرسہ کو بیس دن دیتا ہوں آپ اس پر نہایت خوش ہوئے فوراً ڈائری نکالی اور بندہ کے مشورہ سے اپنی ڈائری پر نشانات لگالئے تا کہ ان دنوں کی تاریخ ہی باہر دیں جن دنوں میں

حیدریہ میں بندہ موجود ہوتا کہ تخصص کے اسباق میں حرج نہ ہو یوں آپ نے شعبان تک کا شیڈول طے فرما لیا یہ حضرت کی کرامت ہی تھی کہ روحانی رابطہ پھر بندہ کو حیدریہ دینے کیلئے شرح صدر ہو جانا اسی طرح کی کرامت حضرت شیخ الہند سے بھی ظاہر ہوئی۔

حضرت شیخ الہند کی کرامت:

شیخ العرب والعجم شیخ الاسلام والمسلمین امیر المومنین فی الحدیث حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ لکھتے ہیں غالباً ۱۳۲۵ھ یا ۱۳۲۶ھ میں ایک ایسے مجمع میں جس میں دارالعلوم کی علمی ترقی پر غور وخوض ہو رہا تھا حضرت حافظ احمد صاحب مرحوم نے شیخ الہندؒ سے کہا کہ اگر مولوی انور شاہ کشمیری، مولوی عبید اللہ سندھی، مولوی مرتضیٰ حسن چاند پوری، مولوی سہول بھاگل پوری، مولوی عبد الصمد اور حسین احمد یہاں آ کر جمع ہو جاتے تو دارالعلوم کی علمی ترقی بڑے اعلیٰ پیمانے پر پہنچ جاتی اس زمانہ میں حضرت مولانا انور شاہ کشمیری مرحوم دہلی چھوڑ کر کشمیر میں اقامت پذیر ہو گئے تھے مولانا عبید اللہ سندھی عرصہ سے سندھ میں مقیم تھے دیوبند کی آمدورفت بھی عرصہ سے منقطع تھی مولانا مرتضیٰ حسن دربھنگہ میں مدرس اول اور بہت بڑے صاحب نفوذ تھے مولانا محمد سہول صاحب مدرسہ عالیہ کلکتہ میں بڑی تنخواہ پر ملازم تھے حضرت شیخ الہند کو یہ بات پسند آئی اور اگرچہ بظاہر سکوت کیا مگر خدا جانے کیا باطنی تصرف کیا کہ یہ سب اشخاص بغیر کسی ظاہری جدوجہد اور خط وکتابت کے یکے بعد دیگرے دیوبند پہنچ گئے ممکن ہے کہ بعض اشخاص سے کچھ ظاہری جدوجہد اور خط وکتابت اور طلب فہمائش کی نوبت آئی ہو مگر اکثر سے نہیں آئی جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اجتماع حضرت شیخ الہند کے باطنی تصرف سے واقع ہوا تھا۔ (نقش حیات ص ۱۴۳)

عجیب کرم نوازی:

بندہ چونکہ آزاد طبیعت کا تھا یعنی اپنی مرضی سے مطالعہ کرنا اپنے اختیار سے اسفار کا نظم کرنا یہی وجہ تھی فراغت کے بعد بعض اچھے مدارس سے پیش کش بھی ہوئی مگر بندہ نے معذرت کر لی۔ اب حیدریہ میں تدریس کرنا مزاج کے خلاف تھا بندہ نے شرائط لگائیں جن میں سے ایک شرط یہ بھی تھی

کہ اسفار اور چھٹی کے معاملہ میں آزاد ہوں گا جب چاہوں جتنی چاہوں۔ اللہ آپ کو اپنی شان کے مطابق اجر عظیم عطا فرمائے آپ نے محض مجھے کارآمد بنانے کیلئے اس شرط کو منظور فرمالیا۔

بہت بڑی فتح:

ایک دفعہ بندہ اور حضرت بیٹھے تھے پاکستان کی ایک بڑی شخصیت کا تذکرہ ہوا تو فرمایا انہیں آپ سے بہت پیار ہے میں نے کہا مگر آپ سے کم' خوب ہنسے فرمایا کہ محبوب اگر محب کی محبت کا اقرار کرلے تو اس سے بڑی فتح اور کیا ہوگی۔

کمال نہیں مگر فضل:

ایک دفعہ مناظر اہلسنت فاتح بریلویت مولانا منیر اختر صاحب شعبان ۱۴۲۳ھ کو جامعہ حیدریہ میں کورس پڑھانے کے لئے تشریف لائے ہوئے تھے بندہ اور حضرت انکے ساتھ بیٹھے تھے حضرت لیٹے ہوئے تھے بندہ ان کے سینہ مبارک کے قریب اسی چارپائی پر بیٹھا تھا مولانا منیر اختر سامنے دوسری چارپائی پر تھے' حضرت ان کو سمجھا رہے تھے کہ تدریس کا کیا فائدہ ہے آپ مناظرے پڑھایا کرو' مولانا منیر اختر صاحب میں چونکہ طبعی تواضع کا غلبہ ہے اس لئے بڑی مشکل سے علامہ حیدریؒ اور جناب ڈاکٹر خادم حسین صاحب ڈھلوں کی محنت اور کاوشوں کے بعد حیدریہ پڑھانے گئے تھے اس لئے حیدری صاحب ان کی حوصلہ افزائی کیلئے تدریس کے فوائد پر روشنی ڈال رہے تھے بندہ نے کہا کہ ایک آدمی اخلاص کے ساتھ ۳۰۔۲۵ سال مطالعہ کرتا ہے اسے کوئی نہیں جانتا ہوتا پھر اللہ تعالیٰ اس کے اخلاص کی برکت سے اس کو منظر عام پر لاکر اس کا فیض پھیلانا شروع کردیتے ہیں۔ بندہ کا اشارہ مولانا منیر اختر صاحب کی طرف تھا۔ حضرت نکتہ رس تو تھے ہی فوراً بولے ہاں کوئی ۳۰۔۲۵ سال محنت کرتا ہے پھر اس کا فیض پھیلنا شروع ہوتا ہے اور کسی کا شروع ہی سے پھیلنا شروع ہوجاتا ہے۔ اشارہ تھا بندہ کی طرف میں نے کہا پھر کمال تو نہ ہوا فوراً ہاتھ بلند کیا اور فرمایا کمال نہیں مگر اللہ کی عطا تو ہے' حضرت کی اس نکتہ آفرینی سے مجلس کشت زعفران بن گئی۔

چھوٹوں کی حوصلہ افزائی:

حضرت میں چھوٹوں کی حوصلہ افزائی کا مادہ بہت زیادہ تھا اس کا تعلق اخلاص سے ہوتا ہے کہ حوصلہ افزائی سے کتنے لوگ کام کے بن جاتے ہیں اس لئے مخلص حضرات ہمیشہ اپنے چھوٹوں کی حوصلہ افزائی کرتے رہتے ہیں رئیس المناظرین فخر المحدثین سرتاج احناف حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی میں یہ چیز کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی بلا مبالغہ ہزاروں افراد آپکی حوصلہ افزائی کی وجہ سے کام کے بن گئے حضرت کبھی فرماتے محمود مجھ سے زیادہ پڑھا ہوا ہے اس نے فلاں فلاں کتاب پڑھی ہے میں نے وہ نہیں پڑھی اس طرح کے کلمات اکثر حضرت متعلقین کی حوصلہ افزائی کیلئے ارشاد فرماتے رہتے تھے استاذ المناظرین سراج العلماء حضرت اقدس مولانا منیر احمد منور مدظلہم میں بھی یہ خصلت حمیدہ کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے اسی طرح شیر اسلام علامہ علی شیر حیدری میں بھی یہ بات بطریق اتم موجود تھی اس پر سینکڑوں واقعات شاہد ہیں۔

چند سپرد قلم ہیں!

(۱) بندہ جب پہلی دفعہ حیدر یہ پڑھانے گیا تو لڑکے میرے پاس بھی پڑھتے اور حضرت کے پاس بھی' فرمایا ہندوستان میں ایک ہندو جوگی تھا اس نے مناظرے کا چیلنج دیا ہوا تھا کہ کوئی آئے مجھ سے مناظرہ کرے مناظرہ کرتا کس طرح جو مسلمان عالم اس کے سامنے آتا وہ کہتا تو دل میں کوئی بات سوچ اگر میں نے تیرے دل کی بات بتادی تو ہندو مذہب سچا ورنہ اسلام اس خبیث نے اشراقی قوت حاصل کی ہوئی تھی جو مسلمان سامنے جاتا اس کو ہی ہرا دیتا ایک دیہاتی کو جب پتہ چلا تو اس نے کہا کہ میں اس کا مقابلہ کروں گا لیکن ایک شرط ہے وہ یہ کہ دوسو گز کی پگڑی کا کپڑا منگوا دو لوگوں نے منگوا دیا کپڑے کا کچھ حصہ سر پر باندھ کر بقیہ لوگوں کو تھما دیا یوں ایک لمبی لائن تھی انسانوں کی جس نے اس کا شملہ پکڑا ہوا تھا اس کے ساتھ چل پڑی اور اس نے موٹا ڈنڈا ہاتھ میں لے لیا اور اس ہندو پنڈت سے مناظرہ کیلئے چلا گیا سارا جلوس اس کے پیچھے اتنی لمبی پگڑی دیکھ کر جنہوں نے ساتھ نہیں چلنا تھا وہ بھی چل پڑے جب وہ وہاں پہنچا تو اس نے کہا کر تو یہ بتا کہ میں یہ ڈنڈا تیرے سر پر ماروں گا یا نہیں اب وہ ہندو پنڈت بڑا بری طرح پھنس گیا اگر کہتا ہے مارے گا تو یہ

نہیں مارتا اور اگر کہتا ہے نہیں مارے گا تو یہ مارے گا خیر اس نے اپنی شکست کا اعلان کر دیا مسلمان فتح کے شادیانے بجاتے واپس لوٹ پڑے کسی نے اس دیہاتی مناظر سے اتنی بڑی پگڑی باندھنے کی وجہ پوچھی تو اس نے کہا پگڑی علم کے اعتبار سے ہوتی ہے میرا علم چونکہ سب سے زیادہ ہے اس لئے میری پگڑی بھی سب سے بڑی اور لمبی ہے یہ واقعہ سنا کر حضرت نے جو فٹ کیا اس کو بیان کرتے ہوئے پسینے چھوٹ رہے ہیں لیکن کیا کروں اگر نہ لکھوں تو اس پیکر تواضع کی صحیح تصویر کشی نہیں ہو سکے گی فرمایا میری پگڑی تو اس جاہل مناظر والی پگڑی ہے پگڑی میری بڑی ہے علم مولانا محمود کے پاس زیادہ ہے میری پگڑی سے دھوکہ نہ کھانا کہ شاید اس کے پاس علم بھی زیادہ ہے اللہ اللہ کیا اشنا تھا کیا تواضع تھی۔

(۲)۔ایک دفعہ پریشانی کے عالم میں فرمایا کہ جب تقریر کرنے بیٹھتا ہوں تو دماغ یکا یک خالی ہو جاتا ہے کچھ ذہن میں نہیں ہوتا کہ کیا بیان کرنا ہے بندہ نے عرض کیا یہ الہامی علوم کا پیش خیمہ ہے حق تعالیٰ دماغ خالی کر کے اپنی طرف رجوع کرواتے ہیں پھر آگے الہامی علوم کا فیضان فرماتے ہیں فرمایا آپ اپنے اوپر قیاس نہ کریں مجھے حقیقت میں علم نہیں ہے کیسی تواضع تھی کہ سب کچھ چھپا گئے اور خوبی کو تسلیم نہ کیا۔

(۳)۔بندہ نے جب قطرات العطر شرح شرح نخبۃ الفکر لکھی آپ جیل میں تھے بندہ نے نظر ثانی کیلئے خدمت اقدس میں بھیج دی کچھ دنوں کے بعد جب طلباء زیارت کیلئے گئے فرمانے لگے مولوی محمود کا علم بہت اونچا ہے۔

(۴)۔ایک دفعہ سال کے شروع میں جبکہ آپ جیل میں تھے بندہ ملاقات کیلئے گیا ہوا تھا بندہ نے بتایا کہ تخصص میں اتنے طلباء آ چکے ہیں فرمایا اگر ایک اور مولوی محمود ہمارا تخصص پیدا کر لیتا ہے تو ہم کامیاب ہیں کہ جس کو پنجاب والے بھی کھینچ رہے ہیں اور سندھ والے بھی۔

(۵)۔اکثر اوقات آپ تجاہل عارفانہ کرتے ہوئے بندہ سے حوالہ جات پوچھتے صرف حوصلہ افزائی کیلئے مثال میں فصاحت و بلاغت کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ سب سے زیادہ مبالغہ والی مثال پیش

کی جائے اس لئے بندہ نے اپنے متعلقہ چند واقعات نقل کیے کہ جب میرے جیسے اجہل کے ساتھ اس قدر شفقت اور حوصلہ افزائی کا معاملہ تو دوسروں کے ساتھ کیا ہوگا۔

بڑوں کا ادب:

آپ میں بڑوں کا ادب کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا اسی ادب نے اساطین علم میں آپ کا شمار کروا دیا اساتذہ کے سامنے بچھے چلے جاتے تھے بڑے اکابرین کی ملاقات آپکی روح کی غذا تھی رئیس المناظرین کی خدمت عالی مقام میں تو کثرت سے آنا جانا تھا آپ کے علاوہ وکیل صحابہ قائد اہلسنت مناظر اعظم علامہ عبدالستار صاحب تونسوی قائد اہلسنت وکیل صحابہ مظہر شریعت وطریقت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر نور اللہ مرقدہ کی زیارت کیلئے اکثر حاضر ہوتے تھے فرمایا کہ بسا اوقات حضرت قاضی صاحب کی زیارت کیلئے مجھے پانچ پانچ گھنٹے بھی انتظا کرنا پڑا مگر میں نے کہا میں مسجد میں پڑا ہوں زیارت کر کے ہی جاؤں گا اسی طرح مجھے فرمایا کہ جب بھی میں گوجرانوالہ کے پاس سے گزرتا ہوں امام اہلسنت کی زیارت ضرور کرتا ہوں حضرت تونسوی مدظلہم سے جب ملتے تو آپکی حالت دیدنی ہوتی گھٹنوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے زمین پر بیٹھ جاتے تھے جتنی آپ نے اپنے اکابر کے سامنے تواضع اختیار کی اتنا ہی حق تعالیٰ نے آپ کو بلند کیا۔ ایک دفعہ سندھ کے بہت بڑے قاری ایک جنازہ پڑھانے کیلئے تشریف لائے آپ نے جلدی سے اپنا رومال ان کے قدموں کے نیچے بچھا دیا۔

عجیب جواب:

ایک دفعہ آپ چکوال کے علاقہ میں بیان کیلئے تشریف لے گئے تھے ایک نوجوان کہنے لگا اے قاضی مظہر دے بارے چہ توسی کی کہندے او۔ فرمایا قائد اہلسنت وکیل صحابہ حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب کے بارے میں پوچھ رہے ہو امید ہے جواب مل گیا ہوگا سبحان اللہ کیا حکیمانہ منہ توڑ جواب ارشاد فرمایا کہ گستاخ اپنا منہ لے کر رہ گیا۔

حضرت قاضی صاحب کا مقام!

آپکی نظر میں حضرت کا مقام بہت تھا اکثر حضرت فرماتے آپکے جانے کے بعد اب مشورہ کرنے کیلئے کوئی نہیں رہا فرمایا حضرت کے جانے کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ علماء کو ڈانٹنے والا اب کوئی نہیں رہا آپ واحد ذات تھے جس کی ڈانٹ کو پاکستان کے سب اہل حق ایک بڑے کی ڈانٹ سمجھ کر برداشت کر لیتے تھے اب علماء جو کریں کوئی پوچھنے والا نہ رہا آخری جلسہ میں بھی ختم بخاری کے موقع پر حضرت قاضی صاحبؒ کے خلیفہ اعظم ولی کامل حضرت اقدس مولانا حبیب الرحمٰن سومرو مدظلہم کو بڑی تاکید کے ساتھ بلوایا مجھ سے پہلی ملاقات میں فرمانے لگے کہ کیا حضرت قاضی صاحب کے بعد کوئی آدمی ایسا ہے جو شیعت پر لکھ سکے بندہ نے عرض کیا کہ یہ آپکا میدان آپکو اس بارے میں زیادہ علم ہوگا فرمایا اگر مجھے علم ہوتا تو کیا میں آپ سے پوچھتا فرمایا اب شیعت کی تردید میں لکھنے والا کوئی نہیں پھر فرمایا آپ اس طرف بھی توجہ فرمائیں بندہ نے عرض کیا میں نے کون سا تیر مار لینا ہے میری توجہ سے کیا ہوگا یہ آپ کی محبت تھی ورنہ بندہ کی لیاقت تو عیاں ہے اس سے بھی معلوم ہوا کہ حضرت کے جانے کے بعد آپکے نزدیک کس قدر خلا ہو چکا تھا۔

کتب کا شوق:

شاید ہی شاذ و نادر کوئی علمی شخصیت ہوگی جسے کتب کا شوق نہ ہو اس لئے کہ کتاب عالم کا ہتھیار ہے جس طرح مجاہد اسلحہ کے بغیر کسی کام کا نہیں اسی طرح مولوی کتاب کے بغیر کسی کام کا نہیں حق تعالیٰ نے کتب کے بارے میں بھی آپکو امتیازی ذوق عطا فرمایا تھا آپکو ملنے والے ہدایا کا بہترین مصرف آپکے نزدیک کتب کی خریداری تھی اور کتب بھی اہم اہم جمع فرماتے بسا اوقات حج یا عمرہ پر جاتے تو کتب خانوں میں خوب گھومتے ساتھ بندہ سے فون پر رابطہ رکھتے جن کتب کے بارے میں مشورہ دیتا فوراً خرید لیتے یوں ہر سفر میں لاکھوں کی کتب خرید کر لاتے ایک دفعہ فرمایا جس کتاب کی ضرورت ہو بتا دیا کرو اگر لاکھ کی بھی ہوگی تو خرید دوں گا ۱۴۲۹ھ میں جب حج سے واپس

تشریف لائے بندہ حیدریہ پڑھانے گیا ہوا تھا واپسی پر کافی تفصیلی نشستیں ہوئیں آپ نے تازہ خریدی ہوئی کتب کی فہرست مرحمت کرتے ہوئے فرمایا جو کتابیں میرے پاس ہیں تمہیں وہ سرگودھا مرکز کیلئے خریدنے کی ضرورت نہیں علماء میں عموماً کتب کے معاملہ میں بخل ہوتا ہے آپ میں بخل نہ تھا سخاوت تھی تاہم قدردانوں اور اہل ذوق کی قدردانی کرتے تھے آپکے ذوق کی برکت سے ایک بہترین کتب خانہ تیار ہو چکا ہے اللہ اسکی حفاظت فرمائے اور آپکے خلفاء کو اس کی قدردانی کی توفیق عطا فرمائے۔

طبیعت میں سادگی:

اتنا بلند مقام پانے کے باوجود آپکی طبیعت میں سادگی حد درجہ تھی کھانے میں عیب نہیں نکالتے تھے اگر کھانا آپکی صحت کو نقصان نہ دینے والا ہوتا تو کھا لیتے تھے خواہ کتنا ہی سادہ کیوں نہ ہوتا بسا اوقات جلسوں میں آپکو بھوکا رکھا جاتا مگر حرف شکایت زبان پر نہ آتا نہ ہی ناراض ہوتے رضا بالقضاء کی تصویر بنے رہے مل گیا شکر نہ ملا صبر آج کا کوئی مولوی خطیب واعظ شیریں بیان نعت خوان شاید ہی اتنا صابر ہوگا۔

بے مثال محبت:

بندہ جب سندھ میں تھا ایک دفعہ جب پنجاب سے ایک اڑتی ہوئی خبر پہنچی کہ پنجاب آ جاؤ تو بڑی تاکید کے ساتھ فرمایا کہ کل وقتی تو آپ کو بالکل اجازت نہ دوں گا اگر مجبوری بھی ہوئی تو ہر ماہ پندرہ دن مجھے ضرور دینے ہوں گے بندہ جب سرگودھا آ گیا تو ارادہ یہی تھا کہ ہر ماہ یا ہر دو ماہ بعد دس دن جامعہ حیدریہ جایا کروں گا خدا کی شان ایسی سستی ہوئی کہ پورے سال میں صرف ایک رات کیلئے جامعہ حیدریہ جانا نصیب ہوا' رجب کے اندر سرگودھا میں کانفرنس تھی حضرت والا نے تشریف لانا تھا بندہ کی عادت جلسوں میں شرکت کی ویسے ہی نہیں ہے پھر یہ کہ انوارات صفدر کی جلد اول لکھنے میں مصروفیت کی وجہ سے نہ ہی رابطہ کیا نہ جلسہ پر گیا اور نہ ملاقات پر گیا اگلے دن جب آرام کر کے دن دس بجے کے قریب بیدار ہوئے تو اپنے گھر والوں سے بندہ کے گھر والوں کو فون کروا دیا کہ

میں انتظار میں بیٹھا ہوں' بندہ جلدی سے شہر قیام گاہ پر پہنچ گیا "تسکین الاذکیا" کا دوسرا ایڈیشن پیش خدمت کیا تو فرمایا کہ پہلی تسکین کا نام میں نے رکھا ہوا ہے مولوی محمود کا قرآن' یعنی حجم کی بڑائی میں تشبیہ تھی بندہ نے عرض کیا آپ کی بیٹی (یعنی بندہ کی گھر والی) سلام کہہ رہی تھی فرمایا تو بھی تو بیٹیوں کی طرح ہے' پھر آپ مرکز اہلسنت تشریف لائے بغیر دعوت خود انتظار فرمانا پھر بندہ کی خاطر وہاں تشریف لانا اور نسبت کی پاسداری کرنا آج ایسی مثال کون پیش کر سکتا ہے' آج تو مصروفیت کا بہانا تراشنا فیشن بن گیا ہے' کیسے عظیم لوگ تھے سب سے بڑے ہو کر سب سے چھوٹوں سے ایسے ایسے معاملات کرتے کہ عقل دنگ رہ جاتی۔

اولئک ابائی فجئنی بمثلھم

اذا جمعتنا یا جریر المجامع

مسلکی پختگی:

آپ بحمد اللہ اکابر دیوبند کے سو فیصد متبع تھے کبھی کسی مسئلہ میں اکابر کی تحقیقات کے خلاف نہیں کیا پختہ ہونے کے ساتھ ساتھ برملا اعلان بھی فرماتے رہتے تھے آج بہت سارے نام نہاد دیوبندی مماتیت کی مخالفت سے گریز کرتے ہیں آپ ہر فتنہ کو فتنہ سمجھتے تھے بندہ جب جامعہ حیدریہ میں پڑھاتا تھا تو شعبان ۱۴۲۳ھ کے کورس میں کچھ مماتی طلباء بھی آگئے بندہ نے جب مسئلہ حیات پڑھانا شروع کیا تو ان کو برداشت نہ ہوا اور حضرت کے پاس چلے گئے کہ ہم سپاہ کے ہیں یہاں شیعت کے خلاف پڑھنے آئے ہیں مگر یہاں ان مسائل کو چھیڑا جارہا ہے اس اسٹیج کو مشترکہ رہنا چاہیے' یہ موقع ایسا ہوتا ہے کہ بڑے بڑے تنظیمی لیڈروں کے حوصلے پست ہو جاتے ہیں اور جماعتی شورش سے ڈر کر ان فتنوں کے خلاف نہ خود بولتے ہیں نہ کسی دوسرے باغیرت فرد کو بولنے دیتے ہیں حضرت حیدری نے صرف یہ الفاظ فرمائے "دفع ہو جاؤ تمہیں کس نے بلایا تھا" بندہ کو اس واقعہ کی خبر ہوگئی دل میں سوچا شاید استاد کی عزت رکھنے کیلئے ایسا کیا ہو اور مجھے علیحدگی میں روک دیں کہ یہاں اس مسئلہ کو نہ چھیڑوں بندہ بھی دل میں تہیہ کر چکا تھا کہ اگر ایسا ہوا تو آج ہی استعفیٰ دے

دیا جائے گا عصر کا وضو فرمانے کیلئے جب باہر تشریف لائے تو بندہ بھی قریب حاضر ہوا دیکھ کر فرمایا مولانا وہ مماتی آئے تھے کہ یہ مسئلہ نہ پڑھایا جائے میں نے کہا تمہیں کس نے بلایا تھا پھر فرمایا مولانا عجیب بات ہے کہ ہم اپنے مدرسہ میں بھی اپنا مسلک نہیں پڑھا سکتے پھر خود بھی فدک کے مسئلہ میں حیات النبی ﷺ پر بحث فرمائی فرمایا جب نبی زندہ ہے تو میراث کیسی بعد میں مجھے فرمانے لگے کہ یہ بات کس نے لکھی ہے بندہ نے عرض کیا حضرت تھانویؒ حضرت نانوتویؒ نے لکھی ہے آپ کا یہ سوال صرف بندہ کی حوصلہ افزائی کیلئے تھا آپ ہم جیسے طلباء کی حوصلہ افزائی کیلئے تجاہل عارفانہ ظاہر فرما کر استفادہ کر کے حوصلہ افزائی کی صورتیں پیدا فرماتے رہتے تھے آہ کس قدر خلوص کا پتلا تھا وہ انسان آج تو کسی کو کوئی اگر ایسی بات بھی بتاؤ جو اس کے علم میں نہ ہو تب بھی شکریہ کا لفظ زبان پر نہیں آتا اسی لئے تو علم میں برکت نہیں ہوتی۔ اس وقت بندہ کے ذہن میں آیا کہ جس کو بھی حضرت اوکاڑویؒ کے ہاتھ لگے ہیں وہ ایسا پختہ ہوا کہ کسی منزل پر نہ پھسلا الحمد للہ علی ذالک آپ کے بیانات غیر مقلدیت مماتیت بریلویت کی تردید سے لبریز ہوتے تھے آپ مماتیوں کو اہلسنت سے خارج سمجھتے تھے مختلف بیانات میں حیات کا مسئلہ مکمل کے بیان فرماتے۔ تارووال کا بیان اس پر شاہد ہے مرکز اہل سنت سرگودھا سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔

تلقین میت:

حضرتؒ کی عادت مبارکہ تھی کہ جو مسائل عملاً متروک ہو گئے ہوں انکو جاری کر دیا جائے جب آپکے والد ماجد شہید کئے گئے کچھ دن بعد بندہ اور حضرت مسجد میں بیٹھے تھے فرمانے لگے والد صاحب کے دفن کے وقت مجھ سے ایک بہت بڑی غلطی ہو گئی میں نے عرض کیا کیا فرمانے لگے میں نے تلقین میت کرنی تھی میں بھول گیا اگر کر دیتا تو بہت سے اہل سنت کا عقیدہ درست ہو جاتا چیدہ سالہ اس مسئلہ کو بیان کرنے کا متحمل نہیں ہے اگر اس مسئلہ کی تفصیل مطلوب ہو تو بندہ کی کتاب "تسکین الاتقیاء فی زیارۃ خاتم الانبیاء علیہ الاسلام"۔ دیکھیں

استدلالات ونکات عجیبہ:

آپ کو حق تعالیٰ نے غیر معمولی ذہانت سے نوازا تھا پھر آپکے تقویٰ رسوخ فی العلم نے اس کو چار چاند لگا دیئے تھے آپ اکثر کئے ہوئے مطالعہ سے استخراج واستنباطات اور نکات عجیبہ نکالنے میں مستغرق رہتے تھے اکثر اوقات جب بھی بندہ اسباق سے فارغ ہو کر خدمت عالیہ میں قدم بوسی کیلئے حاضر ہوتا آپ فرماتے مولانا یہ نکتہ سوجھا ہے مشورہ دو اسے بیان کیا جائے یا نہ فرمایا مجھے نکات سوجھتے ہیں ممکن ہے کہ متقدمین یعنی مجھ سے قبل بھی کسی نے وہ بیان کیا ہو مگر چونکہ میرے مطالعہ میں نہیں آئے ہوتے اس لئے مشورہ کر لیتا ہوں فرمایا شیخ الحدیث مولانا محمد موسیٰ الروحانی البازی جب کوئی نکتہ بیان فرماتے تو اکثر فرماتے الھمنی ربی بعد استعارات کثیرۃ ما وجدت فی کتب المتقدمین مگر بعد میں ہمیں وہ کہیں نہ کہیں مل جاتا تھا حضرت کے علم میں مطالعہ سے نہیں آتا تھا اس لئے الہام پر تفکر فرماتے۔

روحانی مقام:

حضرت حیدری نے اپنے روحانی مقام کو انتہائی پردہ اخفاء میں رکھنے کی کوشش کی اس لئے اکثر لوگوں کو آپکے مقام کا علم نہیں ہو سکا آج روحانی مقام کیلئے خلافتوں کو ضروری سمجھا جانے لگا ہے حیدری صاحب کے پاس اگرچہ بظاہر کسی شیخ کی خلافت نہیں تھی مگر ہزاروں گدی نشینوں پر آپکی روحانیت بھاری تھی آپ یقینا مقام صدیقیت پر فائز تھے اس بارے میں بندہ پر اللہ نے احسان یہ فرمایا اور حضرت کے بارے میں اچھے مبشرات دیکھے۔

(۱) ۱۵ یا ۱۶ ربیع الاول ۱۴۲۶ھ کو نماز فجر سے قبل آپکے بارے میں منکشف ہوا کہ آپکا رابطہ بیت اللہ اور روضہ اقدس سے قوی ہے غالباً نور کی دو لائنیں بھی نظر آئیں ایک بیت اللہ سے ایک روضہ اقدس سے حضرت کے سینے پر آ رہی تھیں۔

(۲) ۲ ربیع الثانی ۱۴۲۶ھ خواب میں دیکھا کہ حضرت حیدری مدرسہ حیدریہ میں تقریر فرما رہے ہیں قرآن پاک کی بہت ہی عمدہ تفسیر بیان فرما رہے ہیں جب آپ فارغ ہوتے ہیں تو اپنی قمیص اتار لیتے ہیں آپکا چہرہ حضرت اوکاڑوی کا چہرہ بن جاتا ہے پھر سینہ پھر پشت اور پھر داڑھی گردن

حضرت اوکاڑوی کے سو فیصد مشابہ ہو جاتی ہے بلکہ گویا اوپر کا حصہ حضرت اوکاڑوی کا ہو جاتا ہے بندہ حضرت حیدری صاحب کو عرض کرتا ہے کہ آپ کو حضرت اوکاڑوی سے نسبت اتحادی حاصل ہے حیدری صاحب خاموش رہتے ہیں اس کے بعد بندہ کی آنکھ کھل جاتی ہے۔

(۳) آپ اکثر اوقات اپنے تلامذہ کی خوابوں میں آ کر ان سے ملاقات فرما لیتے تھے ایک دفعہ مفتی مظہر صاحب نے فون کیا کہا کہ حضرت خواب میں آپکی زیارت ہوئی فرمایا بھئی بڑے لوگ ہو جب چاہو بلا لو۔

سندھ کے مشہور شیخ طریقت امام الاولیاء حضرت مولانا عبدالکریم صاحب قریشی بیر شریف سندھ نور اللہ مرقدہ کا جب انتقال پر ملال ہوا حضرت حیدری اس وقت جیل میں تھے اچانک محسوس فرمایا کہ انوارات کم ہو گئے ہیں سمجھ گئے کہ حضرت بیر شریف والوں کا انتقال ہو گیا ہوگا بعد میں علم ہوا کہ وہی وقت تھا حضرت کے اس دار فانی سے دار البقاء کی طرف رحلت فرما جانے کا' ابوالحسنات مولانا عبدالحئی لکھنوی کے انتقال کا احساس اس وقت کے جلیل القدر ولی مولانا فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی کو بھی اسی طرح ہوئی فرمایا کہ انوارات اٹھ گئے فرمایا لگتا ہے مولانا عبدالحئی لکھنوی کا انتقال ہو گیا وقت نوٹ کر لیا گیا بعد میں علم ہوا کہ واقعی اسی وقت مولانا نے اس دار فانی سے دار البقاء کی طرف رحلت فرمائی تھی۔

حیدری گھٹی:

چھوٹے بھائی محمد محبوب عالم کی خواہش تھی کہ میں اپنے بچے کو حضرت حیدری کی گھٹی دلواؤں بندہ کو کہا بندہ نے عرض کیا کہ مجھ میں تو ہمت نہیں آپ خود ہی فون پر گزارش کر دیں جب اس نے کہا کہ حضرت گھٹی تیار کر دیں فرمانے لگے ہم تو خود مولانا (بندہ کی طرف اشارہ تھا) سے گھٹی لیتے ہیں بھائی نے کہا حضرت آپنے وہ کہاوت سنی ہو گی فرمایا گھر کی مرغی دال برابر والی بھائی نے کہا نہیں گھر دا پیر چوہل دا دتا (گھر کا پیر چولہے کا روڑا) حضرت اس پر خوب ہنسے خیر آپ نے فرمایا آج تک ایسے کیا تو نہیں مگر کیا کروں آپ کا حکم ہے تو بنا دیتا ہوں اپنے کھجور اور شہد میں لعاب مبارک ڈال

دیا بھائی کے ہاں بچی پیدا ہوئی اس کو گھٹی دے دی گئی گھٹی نے اپنے اثرات خوب دکھائے جب بچی ڈیڑھ سال کی ہوئی تو ہر وقت کتاب کی طرف بھاگتی اس کے سامنے کھلونے رکھ دو اس کو ان سے کوئی غرض نہیں تھی کتاب سے غرض اور کتاب کا ایک بھی ورق نہ پھاڑتی پھر کتاب کے ارد گرد گھومتی جسطرح پہلے زمانے کے علماء حواشی کا مطالعہ کرتے ہوئے کتاب کی نشست تبدیل کرنے کی بجائے اپنی نشست تبدیل کر دیتے تھے اس کو سیر کیلئے لیکر جاتے جب بھی اس کی نظر التفات اس کاغذ کی طرف ہی ہوتی جو اس نے ہاتھ میں لیا ہوا ہوتا غرض اس کی کیفیت اس شعر کا مصداق تھی۔

ہمیں دنیا سے کیا مطلب مدرسہ ہے وطن اپنا
کتابوں میں دفن ہو نگے ورق ہوگا کفن اپنا

حیدری گھٹی کا یہ حیرت انگیز اثر باعث حیرت بھی ہے باعث برکت بھی۔

آخری ملاقات:

رجب ۱۴۳۰ھ کو سرگودھا میں جلسہ تھا جامعہ حیدریہ کے تخصص فی الدعوۃ والتحقیق کے سال اول کے ہمارے شاگرد مفتی مظہر اقبال حضرت سے گزارش کر چکے تھے کہ سرگودھا جاتے ہوئے میرے گھر ضرور تشریف لائیں ان کا گھر لاہور سرگودھا روڈ پر چک نمبر ۸۲ میں واقع ہے ہمارے ذہنوں میں یہ تھا کہ شام کے وقت تشریف لائیں گے مفتی صاحب نے بعد نماز فجر اطلاع بھجائی کہ حضرت کا فون آیا ہے کہ ساڑھے ۶ بجے پہنچ رہے ہیں پہلے تو نیند کے غلبہ نے آمادہ کیا کہ ملاقات کیلئے نہ جاؤں اور پھر ہمت کی اور چلا گیا جب وہاں پہنچا تو حضرت تشریف لا چکے تھے بندہ کو دیکھ کر بہت ہی خوش ہوئے اس لئے کہ ان کیلئے یہ کسی عجوبے سے کم نہیں تھا کہ میں ان کی ملاقات کیلئے پہنچ جاؤں وہ میری طبیعت سے واقف تھے ڈھیروں دعائیں دیں اور باتیں شروع ہو گئیں' بندہ نے القواعد الحنفیہ فی الاحادیث النبویۃ" کے بارے میں بتایا جو کہ حنفی اصول حدیث پر بندہ کی لکھی ہوئی تازہ کتاب ہے اس کا مشورہ بھی حضرت حیدریؒ اور پروفیسر ڈاکٹر علامہ خالد محمود

مدظلہم اور مولانا محمد نافع دامت برکاتہم العالیہ دے چکے تھے بندہ نے عرض کیا کہ آپ کے حکم کی تعمیل کردی گئی ہے فوراً فرمایا مجھ سے قبل علامہ صاحب بھی تو آپ کو حکم دے چکے تھے نہایت خوشی کا اظہار فرمایا پھر فرمایا کہ جو تمہاری کتابیں "تسکین" اور "انوارات" کے بعد چھپی ہیں وہ سب مجھے دو پھر فہرست طلب کی اور اتحاد اہل سنت کی جس قدر مطبوعات آپ کے پاس نہیں تھی ان پر نشانات لگا دیئے اور فرمایا کسی لڑکے کو فون کرو کہ یہ کتب لے کر سڑک پر کھڑا ہو جائے۔ بندہ نے فوراً لڑکا روانہ کر دیا اور باتیں شروع ہو گئیں فرمایا میرے اساتذہ کہاں ہیں مراد حضرت کی بندہ کے دو بیٹے محمد امین صفدر اوکاڑوی اور حسین احمد مدنی تھے بندہ نے عرض کیا تیسرا استاد بھی محمد سرفراز صفدر آ چکا ہے اس پر بہت خوشی کا اظہار فرمایا افسوس کے محمد سرفراز کو بندہ حضرت کی خدمت میں پیش کر کے دعا نہ حاصل کر سکا۔ ارادہ یہی تھا کہ جب سندھ پڑھانے جاؤں گا تو سرفراز اپنے دونوں بھائیوں کی طرح آپ کی خوب مٹھیں لوٹے گا مگر آہ کسے معلوم تھا کہ یہ مٹھوں کا پیکر اپنا چاند سا چہرہ سمندر سا علم لے کر عنقریب زیر زمین چھپ جائے گا۔ مفتی مظہر صاحب نے عرض کیا حضرت اولاد کیلئے کوئی تعویذ عطا فرما دیں مسکراتے ہوئے فرمایا اولاد کا تعویذ اولاد والوں سے لو اشارہ میری طرف تھا میری تو اپنی اولاد نہیں ہے۔ پھر ہم اکٹھے گاڑی میں بیٹھ گئے مزید باتیں ہوتی رہیں بندہ نے بتایا کہ لاہور میں دورہ تفسیر پڑھانا ہے اور تقابل ادیان کو خاص طور پر مدنظر رکھنا ہے اس پر بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ ایسے دورہ کی ہی ضرورت تھی اتنے میں مرکز اہلسنت آ گیا بندہ نے پوچھا اگر محسوس نہ فرمائیں تو تخصص کے طلباء مصافحہ کے لئے بلوالوں فرمایا بلوا لو طلباء نے مصافحہ کیا بندہ نے ہاتھ چوم کر رخصت کیا۔

آہ کیا خبر تھی کہ یہ آپ کی آخری زیارت ہوگی دوبارہ زندگی میں ملنا نصیب نہ ہوگا مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت نے مرکز کا بورڈ دیکھتے ہوئے فرمایا کہ مولانا الیاس صاحب ہر جگہ اپنے پیر کو ساتھ رکھتے ہیں یعنی نام کے ساتھ لکھتے ہیں" خلیفہ مجاز حضرت حکیم اختر صاحب" فرمایا استاذ محمود صاحب کو بھی تو حضرت شاہ صاحب (قطب العصر امین العلماء سراج السالکین حضرت اقدس

مولانا سید محمد امین شاہ صاحب) سے خلافت حاصل ہے مگر استاذ اپنے نام کے ساتھ نہیں لکھتے ۔واقعہ کو نقل کرنے سے صرف یہ بتلانا مقصود ہے کہ حضرت کو کیا شفقت اور محبت تھی ناچیز سے کہ دل و دماغ پر بندہ کی محبت چھائی رہتی تھی موجود ہوں یا نہ ہوں تذکرہ خیر فرماتے رہتے باقی رہا نام کے ساتھ خلافت کا لکھنا مولانا الیاس صاحب چونکہ اہل ہیں اس لئے ان کیلئے لکھنا مناسب ہے بندہ نا اہل ہے اس لئے اپنے شیخ کی بدنامی کا باعث نہیں بننا چاہتا۔ مفتی صاحب فرماتے ہیں ہم جا رہے تھے آگے سرگودھا کے احباب جس گاڑی پر وصول کرنے آئے اس کے پیچھے لکھا ہوا تھا "میں نوکر صحابہ دا" حضرت اس کو دیکھ کر وجد میں آگئے اور اس جملہ کو بار بار بلند آواز سے پڑھا "میں نوکر صحابہ دا" بندہ تمام اپنے متعلقین سے گزارش کرتا ہے کہ اس جملہ کو عام کریں ان شاء اللہ حضرت کی روح خوش ہوگی۔

لطیفہ:

بندہ کا چھوٹا بیٹا محمد سرفراز جو کہ اب 4 ماہ کا ہے جب تقریباً ایک ماہ کا بھی نہیں تھا مدرسہ میں بچے لے گئے تو تخصص کے لڑکوں میں سے کسی نے اس کی پیشانی پر سیاہی سے لکھ "میں نوکر صحابہ دا" جب بندہ نے دیکھا تو انتہائی طبعی مسرت ہوئی اور اسے نیک فال سمجھا۔ دعا کریں اللہ ہم کو اور ہماری تمام نسل کو صحابہ کرامؓ کا نوکر بنا دے۔ صحابہ کے ادنیٰ غلام کی جوتی پر لگی ہوئی مٹی کا ایک ذرہ ساری دنیا کے بادشاہوں کے تاج اس کے سامنے مقابلے پر آئیں تو بھکاری معلوم ہوں۔

چند خوفناک خواب ایک تعبیر:

بسا اوقات ایسے ہوتا ہے جو واقعہ عالم دنیا میں وقوع پذیر ہونا ہوتا ہے ارواح عالم مثال یا لوح محفوظ سے اس کو دیکھ کر مناسب شکل میں دماغ کو منتقل کر دیتی ہیں اور کبھی بعینہٖ بندہ کو چند دن قبل عجیب و غریب خواب آئے۔

۱۔ دیکھا کہ چوکیرہ کے مدرسہ کے سب سے بڑے استاد استاذ العلماء حضرت مولانا عبدالجبار

صاحب انتقال فرما گئے ہیں۔

۲۔ دوسری دفعہ بھی یہی دیکھا کہ استاد عبدالجبار انتقال فرما گئے ہیں ہم نے جب قبر میں اتارا تو وہ اچانک نذیراں نامی ایک عورت بن جاتے ہیں۔

۳۔ 27 جولائی کو دیکھا کہ ایک چھوٹا سا کتا بندہ کے پاس آتا ہے بندہ پاؤں کی ایڑھی اس کو مارتا ہے تاکہ وہ دور ہٹ جائے وہ جلدی سے اس سے گوشت کا ٹکڑا کاٹ لیتا ہے۔

بندہ ان تینوں خوابوں سے سخت پریشان تھا کوئی تعبیر سمجھ میں نہیں آ رہی تھی نہ دورہ تفسیر کی مصروفیت کی وجہ سے کسی بڑے عالم سے رابطہ کر سکا رہا تھا کہ اچانک اس حادثہ فاجعہ نے دنیا کی یہ عارضی زندگی اندھیر کر دی اور ان دیکھے ہوئے خوابوں کی تعبیر ایک ایک کر کے دماغ میں گھومنے لگی۔ چکیرہ چونکہ کسی زمانے میں تردید روافض کا مرکز رہا ہے۔ امام پاکستان سید احمد شاہ صاحب چکیروی جیسے نابغہ روزگار محقق نے وہاں بیٹھ کر دشمنان اصحاب رسول کا تعاقب کیا ہے اور بڑے بڑے جبال علم تیار کئے۔ ہندو پاک کے بے مثال محقق و مصنف حضرت اقدس مولانا محمد نافع صاحب انہی کے فیض یافتہ ہیں اور اب چکیرہ کے سب سے بڑے استاذ استاد عبدالجبار صاحب ہیں ان کی وفات پانا اشارہ تھا کہ رافضیت پر کام کرنے والا سب سے بڑا انسان دنیا سے جانے والا ہے۔ پھر استادوں کا قبر میں نذیراں نامی عورت کا بن جانا اشارہ تھا کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم صفت نذیر میں جو وارث ہے وہ عنقریب قبر میں اترے گا پھر بندہ کا تعلق ان دو حضرات سے ہی زیادہ تھا ایک مولانا محمد الیاس گھمن دوسرے حضرت حیدریؒ۔ اب حیدری صاحب ثانوی درجہ میں تھے بائیں پاؤں سے کتے نے گوشت کاٹ لیا یہ اشارہ تھا کہ دوسرے نمبر پر بندہ کے سہارا کو نقصان پہنچنے والا ہے۔ خدا کی ذات نے علم غیب اپنے پاس ہی رکھا ہے کسی کے علم میں نہیں ہوتا کہ کس وقت کس نے دنیا سے جانا ہے۔ خواب واضح نہ ہونے کی وجہ سے تعبیر ذہن میں نہ آئی۔ اگر آ جاتی تو شاید مزید قدم بوسی کی سعادتیں حاصل ہو جاتیں۔ وہ ذات علیم و خبیر ہے اس کی حکمتوں پر ہم قربان ہیں۔ موت کا وقت چھپا لینے میں اس کی بہت ساری حکمتیں ہیں وہ ذات جو کرتی ہے بہتر

کرتی ہے۔ حضرت کے لئے اب اللہ کے پاس جانا ہی بہتر تھا۔ آپ بہت تھک چکے تھے ناقدروں کی کمی نہ تھی جس قدر آپ کو ذات ذوالجلال نے علم وتقویٰ سے نوازا تھا ہم نے قدر نہ کی سا بتوں نے حسد میں کسر نہ چھوڑی۔ البتہ پھر بھی بہت سے قدردان تھے ان کے قدردان مبارکباد کے مستحق ہیں۔ طویل اسفار جہد مسلسل کثرت ہموم نے ان کو چھوٹی سی عمر میں ہی سفید ریش والا بنا دیا تھا۔ اب اس جسم کو آرام کی ضرورت تھی آپ یقیناً اس خدا کے پاس پہنچ چکے ہیں جو محسنین اور مخلصین کے اجر کو ضائع نہیں کرتا ہے صحابہ کی مہمانیاں اڑا رہے ہیں وہ اس کے مستحق تھے۔ خون خوشبوئیں بکھیر کر ان کی شان حق وصداقت کے ترانے پڑھ رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائیں۔

کرامات: حق تعالیٰ شانہ اپنے مقبول بندوں کی عزت وعظمت اپنے بندوں پر اجاگر کرنے کیلئے ان سے کرامات کا ظہور کرواتے رہتے ہیں اگرچہ ولایت ونسبت اور تعلق مع اللہ کا مدار کشف و کرامات نہیں ہیں۔ شیخ العرب والعجم امیر المومنین فی الحدیث حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اپنے ایک والا نامہ میں جو کہ قائد اہلسنت مظہر شریعت وطریقت وکیل صحابہ سیدی ومرشدی ومولائی حضرت اقدس مولانا قاضی مظہر حسین صاحب نور اللہ مرقدہ کی طرف ارسال فرمایا تھا اس میں تحریر فرماتے ہیں۔ میرے محترم یہ سب لطائف وسائل وزرائع ہیں انوار وغیرہ بھی مقاصد اصلیہ نہیں ہیں۔ وصل وفراق بھی مقصد اصلی نہیں ہے ....

وصال وقرب چہ خواہی رضاء دوست طلب
کہ حیف باشد ازو غیر ازیں تمنائے

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین جن کے درجہ پر کوئی ولی نہیں پہنچ سکتا ان کی شان میں فرمایا جاتا ہے۔ یبتغون فضلاً من اللّٰہ ورضواناً۔ معیت ودوام حضور بڑی چیزیں اور انعام ہیں۔ مگر مقصود اصلی رضائے خداوندی ہے۔ (ماہنامہ حق چاریار اشاعت خاص ص ۱۳۵۲)

قطب الارشاد امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے ہیں۔

"پھر طریقہ صحابہ کہ عبدیت کا مقام ہے" (مکتوبات رشیدیہ ص۳۶)

پھر فرماتے ہیں "ستوسلوک صحابہ وتابعین وتبع تابعین میں تحصیل احسان اور اپنا بندہ ناچیز بے اختیار ہونا اور "مین کل الوجوہ" محتاج ذات غنی کا ہونا اور حضور اس کردگار بے نیاز محسن عباد کا ہونا تھا۔ بندگی در بندگی عجز در عجز توکل در توکل ہمت اطاعت وجان ومال بازی فی رضاء المولیٰ اس کا ثمرہ تھا نہ استغراق تھا نہ فنا تھی"۔ (ایضاً ۴۵)

تیسرے مقام پر فرماتے ہیں "اصل الاصول اور اصل مقصود وماسور سلوک صحابہ رضوان اللہ علیھم اجمعین ہیں۔ اس میں بحث بندگی سے اور ایمان بالغیب کے کالمشاہدہ ہو جانے سے اور حسن اخلاق سے ہے۔ جس کا مال غیریت اور عبدیت اور معبودیت پر ہے۔ نہ وہاں کشف حقائق تھا الخ" (ایضاً ۵۸)

ا۔ اصل مدار ولایت استقامت ہے الاستقامۃ فوق الکرامت مقولہ بزرگان دین برحق ہے۔ آپ کی سب سے بڑی کرامت یہ تھی کہ ساری زندگی عظمت صحابہ کے دفاع کیلئے مصائب پر مصائب تکالیف پر تکالیف جھیلیں۔ نہ جیلیں نہ ہتھکڑیاں آپ کو مشن سے ہٹا سکیں آخر اسی مشن پر لبوں سے باوضو ہو کر ذات باری کے دربار میں حاضر ہو گئے کیا یہ کم کرامت ہے لاکھوں کرامتیں اس استقامت پر قربان ہیں۔

۲۔ آپ کی دوسری سب سے بڑی کرامت یہ تھی کہ اپنے تعلق مع اللہ کو اخفاء میں رکھا بندہ اتنا قریب تھا کہ شاید اساتذہ مدرسہ میں سے کوئی نہ ہو لیکن اپنے روحانی مراتب کو اخفاء کے دبیز پردوں میں ایسا چھپایا ہوا تھا کہ اگر حق تعالیٰ یاوری نہ فرماتے اور مبشرات صادقہ کے ذریعے آپ کے مقام کی اطلاع نہ دیتے تو بندہ آپ کے مقام و مرتبہ کی عدم شناسی کی وجہ سے محروم القسمۃ اور تہی دست ہی رہ جاتا۔ اگرچہ اب بھی معاملہ یہی ہے۔ آپ نے جو انوارات علم و عمل امام الاولیاء حضرت مولانا عبدالکریم قریشیؒ رئیس المناظرین امام المحدثین حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑویؒ مفتی اعظم فقیہ النفس استاذ العلماء مفتی غلام قادر صاحبؒ جامع المعقول والمنقول حضرت مولانا غلام محمد

صاحبؒ کے سینوں سے جذب کیے تھے ان کو چھپایا نسبت کو چھپا کر رکھنا اور محبت سے بھرا جام کبھی لبریز ہوتے نہیں دیکھا گیا۔ آخر ذات حق سے تعلق اور کمال محبت کو ضبط کرنا اور اس راز کو سینہ میں چھپائے رکھنا کوئی معمولی چیز ہے۔

۳۔ آپ کی تیسری بڑی کرامت آپ کی مقبولیت عامہ تھی حق گوئی و حق جوئی دفاع صحابہؓ کے کارنے آپ کو اہل حق کے دلوں کی دھڑکن بنا دیا تھا۔ جس جلسہ میں آپ نے جلوہ افروز ہونا ہوتا اس کے شرکاء کی بڑی تعداد کئی گنا بڑھ جاتی ہے بسا اوقات ہزاروں سے نکل کر لاکھ کی سرحدوں کو چھونے لگتی ہے عوام تو عوام جلیل القدر علماء بھی آپ کے سینے سے نکلنے والے انوارات و علمی جواہر پاروں پر سر دھنتے تھے۔

۴۔ دعاؤں کی مقبولیت آپ کی ایک کرامت یہ بھی تھی کہ کسی پریشانی میں آپ سے دعا کی درخواست کی گئی تو آپ کی دعا کی برکت سے پوری ہو جاتی۔

۵۔ آپ کی ایک کرامت آپ کی وفات کی وقت ظاہر ہوئی۔ سندھ کے مشہور نعت خوان حاجی امداد اللہ بھلپوٹو عمرہ پر گئے ہوئے تھے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں طواف کر رہا تھا کہ دیکھا حضرت سائیں حیدری صاحب اور امتیاز بھلپوٹو بھی طواف کر رہے ہیں۔ میں بڑا حیران بھی ہوا کہ اگر آنا تھا تو بتا کر آتے اچانک کیسے آنا ہوا۔ میں نے سوچا کہ طواف ختم کر کے ملاقات کرتا ہوں۔ جب طواف ختم کیا تو بہت تلاش کیا مگر دونوں حضرات کا نام و نشان نہ ملا۔ پندرہ منٹ بعد پاکستان سے فون آیا کہ حضرت کو شہید کر دیا گیا ہے۔ یعنی عین وقت شہادت آپ کی روح مبارکہ منتقل ہو کر بیت اللہ کا طواف کرنے پہنچ چکی تھی۔

۶۔ جب شہادت کے بعد جسد مبارک کو گھر لایا گیا تو آپ کی والدہ ماجدہ نے سرخ چادر اوڑھا دی اور سر پر سرخ رومال؛ پھر فرمایا بیٹا شہادت مبارک ہو۔ جب والدہ نے یہ کلمات فرمائے تو آپ کی بائیں آنکھ معمولی سی کھل گئی صاف محسوس ہو رہا تھا کہ دیکھ رہے ہیں۔

۷۔ خون اور جائے شہادت سے خوشبوؤں کا مہک اٹھنا۔ جب باہر نکلنے والی خوشبو کا یہ حال ہے تو

قبر اطہر میں مہکنے والی خوشبوؤں کا کیا حال ہوگا۔

۸۔ مولانا خالد محمود صاحب نے بتایا کہ استاد علی شیر منگی صاحب نے بتایا کہ حضرت نے ۱۹۹۰ء کی ایک تقریر میں لاڑکانہ میں بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر مجھ پر حملہ کیا تو میرا قاتل اپنے گھر والوں کو اپنا منہ نہیں دیکھا سکے گا قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید حق تعالیٰ نے آپکے الفاظ کو پورا کیا کہ قاتل موقع پر قتل ہوا اور اس کا چہرہ بھی رسوا ہوا اور زندہ گھر جا کر منہ نہ دکھا سکا۔

۹۔ حضرت کے قریبی علاقے میں ایک مولوی صاحب ہر وقت آپکی مخالفت پر کمربستہ رہتے اہل علاقہ نے حاضر ہو کر ان کی شکایت لگائی آپ نے فرمایا کہ تم اس کے ساتھ ادب واحترام کا ہی معاملہ رکھو اس کو تو اس کا بیٹا ہی کافی ہو جائے گا اس کا بیٹا بھی حضرت کی مخالفت میں باپ کا رفیق مشن تھا چنانچہ چند دن ہی گزرے کہ اس کا بیٹا ایک قتل میں ملوث ہو گیا اور فرار ہو گیا اس مولوی صاحب کو جیل کی قید ہو گئی جیل میں اس کی خبر گیری کرنے والوں میں سب سے آگے حیدری صاحب ہی تھے۔

۱۰۔ ایک دفعہ حضرت روپوش تھے اسد اور سرور وغیرہ ساتھی ساتھ تھے موٹر سائیکلوں پر کہیں جا رہے تھے حضرت کا موٹر سائیکل سب سے آگے تھا کہ اچانک اس کا پٹرول ختم ہو گیا ساتھی پریشان ہو گیا جوں ہی سڑک کے ایک کنارے موٹر سائیکل روکا تو کیا دیکھا کہ ایک لیٹر کی پٹرول کی بوتل بھری ہوئی پڑی ہے حضرت نے فرمایا اس کو اٹھا کر ڈال دو راستے میں پچھلے ساتھی بھی آملے آپ نے فرمایا اب اس کو رہنے دو اور ان ساتھیوں سے پٹرول لے لو چنانچہ ایسا ہی کیا جب منزل پر پہنچ گئے تو سرور صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے سوچا کہ واپسی پر یہ بوتل اٹھالوں گا جب واپس آیا تو نہ بوتل تھی نہ اس کا نشان۔

۱۱۔ محمد شریف قبر پر حاضر ہوا قبر پر پتے وغیرہ ہٹانے کیلئے رومال اتار کر قبر پر پھیرا صفائی کر کے گھر گیا گھر والی نے کہا حضرت شہید ہو گئے ہیں اور تم خوشبو لگا کر پھر رہے ہو اس نے کہا میں نے تو نہیں لگائی بیوی نے کہا رومال سے آرہی ہے دیکھا تو واقعی رومال خوشبو دے رہا تھا یہ قبر کی مٹی کی

خوشبو تھی۔

۱۲۔ شہادت سے ایک دن قبل ظہر کی سے کچھ احباب حاضر خدمت ہوئے انہوں نے سوال کیا کہ قبر میں میت کو کسطرح لٹایا جاتا ہے فرمایا کل آجانا لیٹ کر دکھا دوں گا چنانچہ ایسے ہی ہوا کہ اگلے دن شہید ہو کر قبر کے اندر ہمیشہ کیلئے لیٹ گئے۔

۱۳۔ دفاع صحابہ کانفرنس جمعہ کو تھی اس سے قبل رات کو جماعت کا اجلاس تھا آپ نے اجلاس شروع کروایا اور خود لیٹ کر سو گئے اشارہ کر دیا کہ میں تمہیں ہوں گا تم نے کام چلانا ہے۔

۱۴۔ آپ نے فرمایا کہ مولانا عبدالکریم قریشیؒ کی وفات کی خبر مجھے اس طرح ملی کہ مراقبہ میں تھا کہ اچانک دیکھا کہ ایک نور ختم ہو گیا میں سمجھ گیا کہ حضرت بیر شریف والوں کا انتقال ہو گیا ہے۔

حضرت حیدریؒ اکابرین امت کی نظر میں:

۱۔ قائد اہلسنت مظہر شریعت و طریقت وکیل صحابہ حضرت اقدس مولانا قاضی مظہر حسین صاحبؒ کے سامنے ایک دفعہ بندہ نے حضرت کا تذکرہ کیا تو فرمایا "ہاں وہ علمی آدمی ہے" حضرت کا یہ فرمان آپ کی علمیت پر بہت بڑی سند ہے۔

۲۔ رئیس المناظرین امام المحدثین وکیل احناف مناظر اسلام حضرت اقدس مولانا محمد امین صفدر اوکاڑویؒ آپ کے علم وسعت مطالعہ کے معترف تھے۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ رافضیت کا بارے میں ان کا مطالعہ بہت وسیع ہے پوچھا گیا کہ حضرت تونسوی سے بھی۔ فرمایا ہاں، مناظر اعظم قاطع رافضیت استاذ المناظرین حضرت علامہ عبدالستار صاحب تونسوی دامت شموس فیوضہ بازغۃ علینا کا جس قدر فیض علمی اس زمانہ میں پھیلا وہ مخفی نہیں ہے۔ رافضیت کے خلاف کام کرنے والے اکثر مناظرین آپ کے بلاواسطہ یا بالواسطہ شاگرد ہیں۔ حضرت اوکاڑویؒ کے اس قول سے علامہ حیدریؒ کی جزوی فضیلت معلوم ہو رہی ہے نہ کہ کلی۔ نیز حضرت اوکاڑویؒ آپ کو سلسلہ قادریہ میں خلافت بھی عطا فرمانا چاہتے تھے جیسا کہ گذشتہ اوراق میں گزر چکا ہے۔

۳۔ شہید ناموس صحابہ بحر العلوم استاذ المحدثین مولانا محمد امین اورکزئیؒ بہت کم کسی عالم کے علم سے

متاثر ہوتے تھے۔ ہمارے سرحد کے محقق و مناظر اور اتحاد اہلسنت سرحد کے امیر مولانا مفتی محمد مجاہد صاحب نے بتایا کہ حضرت فرماتے تھے کہ ایسے علم والے پاکستان میں بہت کم ہیں۔

۴۔ شیخ الحدیث والتفسیر مولانا شریف اللہ صاحب مدظلہم العالی کو جب آپ کی شہادت کی خبر ملی تو کئی دنوں تک ہوش وحواس ساتھ دینے سے انکار کر گئے۔ حضرت حیدریؒ کی آپ سے صرف ایک دفعہ ہی ملاقات ہوئی تھی۔ بعد ملاقات شیخ نے ارشاد فرمایا کہ سینہ علم کے نور سے منور تھا۔ حضرت حیدری نے دعا کی درخواست کی تو فرمایا کہ میں ہر دعا میں تم کو یاد رکھتا ہوں اور تمہارا نام لے کر دعا کرتا ہوں۔

۵۔ عصر حاضر کے مایہ ناز محقق ومصنف مولانا محمد نافع صاحب دامت برکاتہم العالیہ کی خدمت میں جب مولانا خالد صاحب حاضر ہوئے تو آپ کی ایک ایک بات سے رنج والم ٹپک رہا تھا اور فرمایا کہ طبیعت کی ناسازی کی وجہ سے ہمت نہیں تھی ورنہ جنازہ میں شرکت کرتا اور فرمایا شیعوں نے ہمارے پانچ جید علماء کو شہید کر دیا ہے۔

فقیہ العصر حضرت مفتی عبدالستار صاحبؒ!

افقہ الفقہاء فی عصرہ حضرت اقدس مولانا مفتی عبدالستار صاحب نوراللہ مرقدہ کا معمول مبارک تھا کہ ہر سال رمضان جامع مسجد خیر المدارس ملتان میں اعتکاف فرماتے۔ بندہ مستقبل کی ترتیب کے اعتبار سے پریشان سا تھا اس فکر میں تھا کہ حق تعالیٰ کام کی بہتر نوعیت نکال دیں کہ پڑھا ہوا یاد رہے۔ حضرت سے دعا کی درخواست کی آپ نے دعا فرمادی اس سے ۵ ماہ بعد ہی جامعہ حیدریہ پڑھانے کا سلسلہ بن گیا جیسا کہ گذشتہ صفحات میں گزر چکا ہے۔ اس کے بعد بندہ نے ایک دفعہ حضرت سے عرض کیا کہ دعا فرمائیں۔ فرمایا ابھی بھی کچھ چاہتے ہو کیا یہ کم ہے کہ علامہ حیدری صاحب جیسے انسان نے تم پر اعتماد کیا ہے: حضرت کے ان الفاظ سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ حضرت کے ہاں آپ کا علمی مقام کیا تھا۔

ایک اچانک واقعہ اور بندہ کی پریشانی:

ایک دفعہ بندہ ملتان آیا ہوا تھا اچانک خبر ملی کہ حضرت حیدریؒ خیر المدارس تشریف لائے ہوئے ہیں۔ بندہ خیر المدارس پہنچا تو آپ فقیہ العصر حضرت مفتی صاحبؒ سے علیحدہ ملاقات میں مصروف تھے۔ باہر شیخ الحدیث استاذی المکرم حضرت مولانا محمد صدیق صاحب دامت برکاتہم العالیہ اپنے گھر کے سامنے چارپائی پر تشریف فرما تھے بعد از مغرب کا وقت تھا۔ بندہ حضرت شیخ کی خدمت میں چارپائی پر بیٹھ گیا۔ حضرت حیدری جب مفتی صاحب کی ملاقات سے فارغ ہو کر باہر تشریف لائے اور حضرت شیخ سے مصافحہ فرما کر از راہ ادب زمین پر ہی بیٹھ گئے بندہ حضرت شیخ کی چارپائی پر سے اٹھ کر سرہانے کی جانب کھڑا ہو گیا تاکہ آپ تشریف فرما ہوں آپ جوں ہی بیٹھے بندہ کی طرف اشارہ کر کے فرمانے لگے مولانا ماشاءاللہ بہت کام کر رہے ہیں۔ حضرت شیخ کو ویسے ہی بندہ سے بہت محبت و شفقت کا معاملہ رہتا ہے فرمانے لگے ہمارے خیر المدارس کی ترقی کا راز بھی ہے کہ ہم اساتذہ کو جواب نہیں دیتے۔ گویا حضرت شیخ حیدری صاحب کو اشارتاً فرمارہے تھے کہ محمود کو جواب نہ دینا بندہ کو سن کر پسینے چھوٹ گئے کہ کہیں حیدری صاحب یہ نہ سوچیں کہ اس نے اپنے استاذ کو یہ کہا ہے کہ یہ بات کریں بندہ کے تو حاشیہ خیال میں بھی نہیں تھا کہ بات کا رخ اس طرف مڑ جائے گا آج بھی یہ واقعہ سوچ کر طبیعت میں پریشانی ہوتی ہے حق تعالیٰ شانہ حضرت حیدریؒ کو جزائے خیر عطا فرمائیں کہ جب بندہ امیر محترم مناظر اہلسنت مولانا منیر احمد صاحب مدظلہم اور متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن صاحب زید مجدہٗ کے فرمان پر حیدریہ چھوڑ رہا تھا تو آپ نے یہی فرمایا میں پوری زندگی کے لئے لایا تھا۔ مولانا گھمن نے فرمایا بیٹی قریب بھی بیاہ ہو کر جائے تو ماں باپ کو پریشانی تو ہوتی ہے فوراً فرمایا بیٹی کو بیاہا جاتا ہے نہ کہ بیٹوں کو بیٹوں کی جدائی تو ذہن میں بھی نہیں ہوتی۔ حق تعالیٰ آپ کو اپنی شایان شان اجر عظیم عطا فرمائے۔ اسباب کے درجہ میں اگر آپ اپنی جوتیوں میں بیٹھنے کی سعادت بندہ کو نہ دیتے تو شاید کیا ہوتا اور کہاں ہوتا۔

☆ حضرت کے استاذ محترم تھے مولانا فضل محمد صاحبؒ ایک بار فرمانے لگے کہ یہ اس (حیدری) کی وسعت ظرفی ہے کہ مجھے استاذ مانتا ہے حقیقت میں یہ میرا استاد ہے۔

☆سندھ کے مشہور نعت خواں حاجی امداد اللہ صاحب پھلپوٹو فرماتے ہیں کہ میں سندھ کے مشہور مناظر فاتح رافضیت سائیں عبداللہ شاہ صاحب کے پاس ہوتا تھا حضرت حیدری ابھی بالکل بچے تھے کم عمر تھے اور کتب خانے میں آ کر کتابوں کو خوب کھنگالتے رہتے اور ہر وقت مطالعہ میں مگن رہتے مجھے بہت غصہ آتا ایک دن میں نے سائیں عبداللہ شاہ صاحب سے شکایت لگادی آپ نے فرمایا یہ تو شکر کرو کہ یہ موحد ہے اگر شیعہ یا بدعتی ہوتا تو ہمارے پاس اس کی باتوں کا جواب ہی نہ ہوتا۔

☆شیخ الحدیث استاذ العلماء مولانا نذیر احمد صاحبؒ سے ایک مرتبہ ملاقات ہوئی کفر روافض پر جب حضرت نے دلائل دیئے تو مجلس کے اختتام پر شیخ نے فرمایا کہ دل کرتا ہے تمہارے جوتے سیدھے کروں۔

مفتی اعظم سندھ:

شیخ المحدثین استاذ العلماء مفتی اعظم سندھ حضرت مولانا مفتی غلام قادر صاحب ٹھیری والے آپ کے جلیل القدر اساتذہ میں سے ہیں۔ حضرت نے بخاری وغیرہ کتب حدیث کے اسباق حضرت مفتی صاحب سے ہی پڑھے ہیں۔ کبھی کبھار وہ آپ کو شیخ الاسلام کے لقب سے یاد فرماتے۔ ایک مرتبہ فرمایا ابھی لوگ ان کی قدر نہیں کرتے جب نہیں ہوں گے تو قدر ہوگی۔ ایک مرتبہ فراغت کے بعد آپ ان کی خدمت میں مشورہ کیلئے حاضر ہوئے آپ نے عرض کیا کہ تبلیغ وخطابت کی طرف زیادہ ضرورت ورجحان طبیعت ہے۔ فرمایا تدریس بھی کرو اس میں بھی تمہارا نام ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ایک مرتبہ حیدریہ میں تشریف لائے۔ تو طلباء سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ سائیں حیدری جیسا علم حاصل کرو۔

فخر الاولیاء حضرت قریشی:

فخر اولیاء مرشد علماء حضرت مولانا عبدالکریم قریشی نور اللہ مرقدہ اپنے دور کے جلیل القدر عالم ربانی اور صاحب نسبت بزرگ تھے۔ سندھ واطراف سندھ میں ان کی روحانیت تعلق مع اللہ کا طوطی بولتا

تھا۔ آپ نے دو مرتبہ اپنے منبر پر بٹھا کر آپ سے بیان کروایا جبکہ وہاں اور کسی کا بیان نہ ہوا تھا۔ لوگوں نے مخالفت کی مگر آپ نے پرواہ نہ کی اور حضرت حیدری کے ساتھ شفقت کا معاملہ فرماتے رہے۔ جب قرآن کریم کی تفسیر لکھنی شروع کی تو آپ سے فرمایا ہمیں بھی اپنے علم سے فائدہ دو۔

قاری محمد علی صاحبؒ:

قاری محمد علی صاحب بہت بڑے قاری تھے سندھ میں ان کا فیض عام و تام تھا۔ آپ حضرت کی دعوت پر جلسہ پر تشریف لاتے۔ حاسدین نے ان کو روکنا چاہا تو انہوں نے جواب عنایت فرمایا کہ اگر عام آدمی بلائے تو میں جب بھی جاؤں گا یہ تو حیدری صاحب بلا رہے ہیں۔

متکلم اسلام مولانا گھمن مدظلہم:

متکلم اسلام حضرت مولانا محمد الیاس گھمن صاحب مدظلہم العالی نے ان الفاظ میں حضرت کو خراج تحسین پیش کیا ہے۔ حضرت حیدری شہید رحمۃ اللہ علیہ حضرت اوکاڑوی کے فیض یافتہ سراپا علم و عمل تھے اور زمین پر اللہ تعالیٰ کی چلتی ہوئی دلیل تھے۔

مفتی عبدالقادر صاحب کلاب جیل:

مفتی عبدالقادر صاحب کلاب جیل والے فرماتے ہیں کہ آپ نو میر پڑھتے تھے اس وقت مطالعہ اتنا وسیع تھا کہ جمعہ کی تقریر جب فرماتے تو سننے والے دنگ رہ جاتے۔ عام علماء بھی ایسا بیان نہیں کر سکتے۔ نو میر والے سال جس کے مطالعہ کا یہ حال ہو بعد میں کیا حال ہوگا۔

امام فن اسماء الرجال علامہ عبدالغفار ذھبی مدظلہم:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمده ونصلي ونسلم على رسوله الكريم وعلى ازواجه واله واصحابه واتباعه اجمعين اما بعد.

علمی شخصیت:

حضرت مولانا شیخ علی شیر حیدری شہید رحمۃ اللہ علیہ اپنے عہد کے ان نامور علمی شخصیات میں سے ایک تھے جن کی علمیت ایک مسلمہ حقیقت تھی۔ آپ رحمہ اللہ ثقہ حافظ صدوق وحجۃ تھے اور میرے استاد مکرم محقق العصر رئیس المناظرین حضرت شیخ محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ (جو ثقہ حجۃ متقن ثبت واحفظ الناس تھے) کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ اللہ تعالیٰ حضرت شیخ مولانا علامہ علی شیر حیدری شہید رحمہ اللہ کو جنت الفردوس میں ٹھکانہ عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

قطب العصر حضرت شاہ صاحبؒ:

قطب العصر امین العلماء امام المتکلمین حضرت اقدس مولانا سید محمد امین شاہ صاحب نور اللہ مرقدہ کا معیار قبولیت بہت بلند تھا کشف قلوب کی وجہ سے حضرت عموماً بہت سے علماء سے جلد متاثر نہ ہوتے تھے۔ آپ حضرت حیدریؒ سے بے انتہا محبت فرماتے اکثر آپ کو بندہ کے ہاتھوں سلام بھیجتے بلکہ ایک دفعہ فون پر بات بھی فرمائی۔ جب بندہ جامعہ حیدریہ کو چھوڑ کر پنجاب آ رہا تھا تو فرمایا کہ حیدری صاحب کو نہ چھوڑو انہیں تم سے بہت نفع ہو رہا ہے حضرت کی یہ بات سنی کہ بندہ ندامت سے پانی پانی ہو گیا۔ حضرت کے اس طرز انداز سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ حضرت حیدریؒ کا آپ کے ہاں کیا مقام تھا۔

محقق اہلسنت مولانا مہر محمد مدظلہم:

محقق اہلسنت مصنف کتب کثیرہ حضرت مولانا مہر محمد میانوالوی مدظلہم نے ان الفاظ میں حضرت حیدری کو خراج تحسین پیش کیا۔ مولانا علی شیر حیدریؒ اسم با مسمیٰ تھے دفاع صحابہ میں ملت اسلامیہ کے لئے آفتاب عظمت' پیکر شجاعت' کامیاب مناظر لاجواب مقرر تھے۔ انداز خطابت صرف پر جوش ہی نہیں بلکہ دلائل فریقین سے لبریز ہوتا تھا۔ فریق مخالف بھی دلائل کا لوہا مانتا تھا۔ میدان میں ایوان حکومت میں بارہا شیعہ مجتہدوں کا للکارا مگر کوئی سامنے نہ آیا آپ کی رحلت سے جماعت یتیم ہو گئی۔

فاتح بریلویت مولانا منیر اختر مدظلہم:

فاتح بریلویت ترجمان اہلسنت حضرت مولانا منیر اختر صاحب مدظلہم نے ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا۔ شیر اہلسنت علامہ حیدریؒ میں تمام چیزیں بطریق اتم موجود تھیں۔ فقاہت بہت بڑھی ہوئی تھی۔ جس طرح مولانا حسین علی صاحبؒ ہر آیت سے توحید ثابت فرماتے تھے مولانا حیدریؒ قرآن پاک کی ہر آیت سے عظمت صحابہ ثابت فرمالیا کرتے تھے۔ حافظہ حضرت کشمیری والا مشن حضرت لکھنوی والا تھا۔ مفتی محمودؒ فرمایا کرتے تھے کہ شاگرد دو آدمیوں کے دیکھے۔ ایک سیدنا امام اعظم ابو حنیفہؒ دوسرے شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ۔ میں کہتا ہوں جیسے شیخ الہند کا جواب نہیں تھا اسی طرح آپ کے شاگردوں کا بھی جواب نہیں ہے۔

آپ علم کے شیدائی تھے آپ کی محنت سے اہل علم کی ایک جماعت ساتھیوں اور تلامذہ کی پاس ہی رہتی جن میں مندرجہ ذیل حضرات خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

ا۔ حضرت مولانا علامہ خالد محمود صاحب زید مجدہ۔ آپ نے جامعہ حیدریہ میں ہی حضرت حیدری اور بندہ کے پاس سال اول ہی میں تخصص کیا۔ مطالعہ کا شغف' استحضار' اساتذہ کا ادب' دنیا سے استغناء حق تعالیٰ نے بچپن ہی سے طبیعت میں ودیعت فرمائے ہیں' تخصص کے سال ہی تمام طلباء سے فائق رہتے تھے۔ تدریبی مناظروں میں عموماً اہل باطل کی طرف سے مناظر یا مناظر کے معاون مقرر ہوتے ساتھی ان کو امام المحتر لہ کہتے' لیکن ان کو اسی محنت نے بہت فائدہ پہنچایا۔ حضرت حیدری کی نگاہ انتخاب میں کامیاب ہوئے اس سے اگلے سال وہیں مدرس مقرر ہوئے علم کی پیاس تسکین نہ لینے دیتی تدریس کے ساتھ ساتھ حضرت حیدری اور بندہ کے اسباق میں بھی شرکت کی کوشش جاری رہتی۔ آپ کا ایک خاص وصف یہ بھی تھا کہ بڑے بڑے اکابرین کی زیارت کے لئے طویل طویل سفر کرتے' قائد اہلسنت وکیل صحابہ مظہر شریعت و طریقت حضرت اقدس مولانا قاضی مظہر حسین نور اللہ مرقدہ (خلیفہ اجل شیخ العرب والعجم امیر المومنین فی الحدیث حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ) کی حیات دنیوی میں آخری زیارت جن باہر کے دو حضرات

نے کی وہ مولانا خالد اور ان کے ساتھی مولوی محمد یم حیدر صاحب تھے' کہتے ہیں کہ ہمارے پاس کرایہ نہیں تھا کہ چکوال جاسکیں شوق و تڑپ بہت تھی کہ حضرت اقدس قاضی صاحبؒ کی زیارت کریں جامعہ حیدریہ میں تخصص کر رہا تھا عیدالاضحیٰ کی چھٹیوں میں مدرسہ والوں نے ہزار روپے وظیفہ دیا ہم نے غنیمت سمجھا اور چکوال کی طرف عازم سفر ہوئے۔ بعد از مغرب حضرت کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ حضرت نے پوچھا کیا کرتے ہو ہم نے بتلایا کہ حضرت حیدری صاحب کے ہاں تخصص کر رہے ہیں بہت خوش ہوئے دعائیں دیں۔ ہم واپس دفتر پہنچے تو دفتر کے ناظم صاحب نے رات قیام کرنے کو کہا ہم نے کہا کہ مقصد حاصل ہو گیا۔ واپس چلتے ہیں ہم واپس روانہ ہوئے اسی شب ۴:۴۰ اور ۴:۴۵ کے درمیان علم و عمل کا سورج راہی دار البقاء ہوا۔

خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے ملفوظات میں ہے کہ میں قاضی حمید الدین ناگوریؒ کے ساتھ ایک شہر میں پہنچا تو وہاں بارہ بارہ آدمیوں کی ایک جماعت دیکھی جن میں سے ہر ایک عالم تحیر میں تھا صرف نماز کے وقت ان کو ہوش آ جاتا تھا۔ یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد حضرت خواجہ قطب الدین نے حضرت فرید الدین کو مخاطب کر کے فرمایا۔ اے فرید انبیاء علیہم السلام معصوم اور اولیائے کرام محفوظ اس لیے ہیں کہ ان سے عالم سکر میں کوئی فعل خلاف شریعت صادر نہیں ہوتا۔ سلسلہ گفتگو جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ میں اپنے مرشد خواجہ بزرگ کے ساتھ حج کو گیا۔ واپسی پر ہم ایک شہر میں ٹھہرے جس کا نام اب یاد نہیں۔ وہاں ایک بزرگ کی زیارت کی جو ایک غار میں تھے ہیبت الٰہی سے ان کے جسم پر گوشت باقی نہ رہا تھا' گویا ایک خشک لکڑی تھے' خواجہ بزرگ علیہ الرحمۃ نے مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ اگر تمہاری مرضی ہو تو چند روز یہاں قیام کریں' میں نے ادب سے عرض کیا کہ جیسی مرضی ہو۔ غرض ہم ان کی صحبت میں ایک ماہ تک رہے۔ اس عرصہ میں وہ ایک روز صرف تھوڑی دیر کے لئے عالم صحو میں آئے ہم نے سلام عرض کیا' جواب دے کر فرمایا عزیزو! تمہیں یہاں تکلیف ہوئی لیکن اس کا نیک بدلہ پاؤ گے' کیونکہ جو شخص درویشوں کی خدمت کرتا ہے' منزل مقصود تک ضرور پہنچ جاتا ہے۔ (مجالس صوفیہ ص ۸۵) بندہ کے نزدیک یہ فرمان زیارت

اولیاء علماء کو بھی شامل ہے حضرت اقدس قاضی صاحبؒ کی باہر کے مہمانوں میں سے آخری زیارت کرنے والا شخص آج شیر اسلام علامہ علی شیر حیدری کا جانشین علمی بن کر بیٹھا ہے مولانا خالد کی انہی خصوصیات نے انہی اس مقام تک پہنچا دیا۔

بشارت عظمیٰ:

بندہ کے ایک شاگرد مفتی مظہر اقبال صاحب جو کہ مولانا خالد صاحب کے ہی ہم درس رہے ہیں اور تخصص بھی دونوں نے ایک سال ہی جامعہ حیدریہ میں کیا ہے (انہوں نے گذشتہ دنوں ۲۳ اکتوبر شب جمعہ خواب دیکھا کہ شیر اسلام حضرت حیدریؒ تشریف فرما ہیں ساتھ ہی مفتی محمد انور صاحب نور اللہ مرقدہ سابق مہتمم دارالعلوم کبیر والا بھی تشریف فرما ہیں اور مولانا خالد صاحب بھی حضرت کے سامنے بیٹھے ہیں مفتی صاحب حیدریؒ سے شفعت کے بارے میں کوئی سوال پوچھتے ہیں تو آپ خالد کی طرف اشارہ کر کے فرماتے ہیں کہ اس کو میں نے پڑھا جو دیا ہے اس سے پوچھیں۔ یہ خواب بہت بڑی بشارت ہے کہ حضرت کو اپنے تلامذہ میں سے سب سے زیادہ اعتماد انہی پر تھا اور حضرت اپنے بعد انہی کی طرف رجوع کا فرما رہے ہیں مفتی انور صاحبؒ مولانا خالد کے بخاری کے استاذ بھی ہیں دو استاذوں کا اجتماع عظیم بشارت ہے دعا ہے حق تعالیٰ حضرت کے اس عظیم علمی فرزند کو دن دگنی رات چوگنی ترقی عطا فرما کر مرجع الخلائق بنائے۔

حضرت اقدس مفتی محمد اسد اللہ مدظلہم العالی:

تواضع مروت اخلاص و ہمت اگر مجسم بنے تو مفتی اسد اللہ کی شکل میں بنے گی آپ حضرت کے تلمیذ ہونے کے ساتھ ساتھ حضرت حیدریؒ کے ہم عصر شمار ہو سکتے اس لئے کہ حضرت کے اور آپ کے اساتذہ تقریباً ایک ہی ہیں مگر آپ نے ہر حکم حیدری پر لبیک کہا اور حضرت کے علمی تحقیقی بہت بڑے معاون بنے رہے مورخ اسلام علامہ ضیاء الرحمٰن فاروقی شہیدؒ نے جب تاریخی دستاویز لکھی تو حضرت حیدری کو نظر ثانی کیلئے دی مگر آپ کی مصروفیات کی وجہ سے کام تاخیر در تاخیر کا شکار ہو رہا تھا آخر مفتی صاحب نے اس اہم کام کی ذمہ داری کا بیڑہ اٹھایا اور حضرت حیدری کو کچھ کچھ حصہ مختلف

اوقات میں سنا یا دکھلا کر کتاب کی صحت وثقاہت کو چار چاند لگا دیتے آپ خود بھی کئی تصانیف کے مصنف ہیں آپ حقیقت میں اس شعر کا مصداق ہیں۔

وہ لوگ جنہوں نے خوں دیکر پھولوں کو رنگت بخشی ہے
دوچار سے دنیا واقف ہے گمنام نہ جانے کتنے ہیں

مناظر اہلسنت مولانا علی شیر رحمانی مدظلہم:

آپ بھی حضرت کے شاگرد ہیں آپ نے رافضیت بریلویت کی تردید میں بہترین مہارت حاصل کی ہوئی ہے آپ کا شمار بہترین مناظرین میں ہوتا ہے ظاہری وضع وقطع سے معلوم نہیں ہوتا کہ عالم بھی ہیں۔

مفتی مولانا محمد عمر فاروق صاحب زید مجدہ:

آپ جامعہ کے شیخ الحدیث ہیں حضرت کے ارشد تلامذہ سے ہیں حضرت انکی تدریس کی بہت تعریف فرماتے تھے یہ بھی حضرت کی عدم موجودگی میں جامعہ کی مکمل نگہبانی فرما کر حضرت کی راحت واطمینان قلبی کا باعث بنتے۔

حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب مدظلہ:

آپ بھی حضرت کے محبوب ترین تلامذہ میں سے ہیں اور فتنہ عثمانیت کے خلاف بہترین مناظر ہیں ان کے علاوہ اور علماء قراء حضرات جو حضرت کے مدرسہ جامعہ حیدریہ میں خدمات انجام دے رہے ہیں سب کے سب لائق صد تحسین واکرام ہیں جو حضرت کے فرحت وسرور کا باعث رہے ان کے علاوہ ۷۵ علماء ایسے ہیں جنہوں سال بھر کا تخصص حضرت سے کیا اور تقریبا 5500 ہیں جنہوں نے وقتاً فوقتاً جامعہ حیدریہ میں حضرت سے کورسز میں پڑھا اور ایسے طلباء تو تقریبا ۱۸ ہزار ہیں جنہوں نے مختلف مقامات پر آپ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا اور وہ لوگ جنہوں نے آپ کے سحر انگیز علمی نکاتی بیانات وخطابات سے استفادہ کیا انکی تعداد لاکھوں سے متجاوز ہے اگر یہ بات کہی جائے تو شاید مبالغہ نہ ہوگا کہ سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاریؒ کے بعد آپ قبولیت خطابت اور شکل وصورت

کے اعتبار سے امیر شریعت کی تصویر تھے تو بے جا نہ ہوگا۔

مفتی ندیم حیدر زید مجدہ:

آپ انتہائی متحرک فعال ومجاہد قسم کے آپکے تلمیذ رشید ہیں مدرسہ فاطمہ للبنات حجرہ شاہ مقیم میں بخاری وغیرہ کے اہم اسباق زیر درس ہیں پورے علاقہ میں مسلک حق کی حفاظت کیلئے آپکی اور آپ کے مہتمم مولانا محمد موسیٰ صاحب کی کوششیں لائق صد تحسین ہیں حضرت حیدریؒ انکی صلاحیتوں کو دیکھ کر جامعہ حیدریہ میں انکو مدرس رکھنا چاہتے تھے مگر جب ان کی بات یہاں ہوگئی تو فرمایا اہل مدرسہ کو تکلیف نہیں دینا چاہتا۔

خاندان:

آپ چھ بھائی ہیں سب سے بڑے آپ تھے باقیوں کے نام علی رضا بلال علی حیدر الیاس ثناء اللہ ہے ان میں موخر الذکر تینوں حافظ قرآن ہیں اور ثناء اللہ تو عالم بھی ہیں اور حضرت کے بعد جامعہ کے باقاعدہ مہتمم ہیں آپ بیان بھی کر لیتے ہیں اگر محنت کریں تو کافی حد تک مقبولیت نصیب ہوسکتی ہے۔

گستاخ کا انجام:

انسان جب عالم دنیا سے انتقال کرتا ہے تو عالم برزخ میں تا قیامت اس کا قیام ہوتا ہے برزخ کا معنی ہے غیر محسوس پردہ قرآن پاک میں یہ لفظ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے مرج البحرین یلتقین بینھما برزخ لا یبغیان اب دو سمندروں کے درمیان امر الٰہی کا ہی تو پردہ ہے علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں البرزخ علی اللغۃ السلم برزخ کی تین قسمیں ہیں برزخ زمان مکان حالت انسان کی یہ برزخی زندگی یا جنت کا پرتو ہوتی ہے یا جہنم کا پیش خیمہ ہوکر بد بو اور آگ سے بھری ہوئی ہوتی ہے اگر چہ عادت اللہ یہی ہے کہ یہ عذاب وثواب عالم دنیا کے باسیوں سے مخفی رکھا جاتا ہے تاکہ ایمان بالغیب ختم نہ ہو مگر کبھی حق تعالیٰ اپنے مقرب بندوں کی عزت بڑھانے

کیلئے برزخ کا پردہ اٹھا دیتے ہیں جس کے نتیجے میں کبھی تو کسی شہید کا خون خوشبو مہکاتا نظر آتا ہے
کبھی کسی ولی کی قبر خوشبوئیں پھیلاتی ہوئی نظر آتی ہے محدثین میں سے سیدنا امام بخاریؒ کی عظمت
کو چار چاند لگانے کیلئے ذات علیم وخبیر نے ان کی قبر سے خوشبو مہکائی پھر امام الاولیا فخر المفسرین
المجاہد فی سبیل اللہ جلیل حریت حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کی قبر نے ہزاروں مسلمانوں کو خوشبو
سے معطر کیا پھر محدث جلیل امام المفسرین حضرت مولانا محمد موسیٰ الروحانی البازیؒ کا اعزاز ذات
حق نے ظاہر فرمایا ان کی قبر سے بھی ہزاروں افراد نے خوشبو سونگھی پھر عالم ربانی استاذ العلماء
محدث جلیل حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ کی وفات کے تقریباً ۲۵ سال بعد آپ کی قبر سے خوشبو
پھوٹی اور ملتان اور پنجاب سے ہزاروں افراد نے اس کو سونگھا بدنام زمانہ دجال وکذاب زبیر علی زئی
غیر مقلد نے اپنے ایک رسالہ میں لکھا تھا کہ دیوبندی اپنے بیروں کو اڑاتے ہیں بندہ نے کہا کہ ہم
اپنے بیروں کو نہیں اڑاتے ہمارا خدا اڑاتا ہے اس کی پاک ذات ہمارے مشائخ پر فضل فرماتی ہے
پھر قطب العصر امام المتوکلین امین العلماء سیدی ومرشدی حضرت مولانا سید محمد امین شاہ صاحبؒ
جو کہ اپنے وقت کے سلسلہ چشتیہ صابریہ امدادیہ رشیدیہ کے جلیل القدر شیخ تھے اور شیخ العرب امیر
المومنین فی الحدیث حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے تلمیذ رشید مسترشد خاص اور ایک واسطہ
سے آپکے خلیفہ مجاز تھے آپکی قبر مبارک سے ایک ماہ تک خوشبو نکلتی رہی پھر امام اہلسنت محدث
اعظم پاکستان حضرت مولانا سرفراز خان صفدرؒ کی قبر اطہر سے خوشبو نکلی پھر انہی دنوں مولانا الطاف
منہاس شہیدؒ جو کہ ایک نوجوان پیکر صدق ووفا مجاہد نڈر بے باک عالم دین تھے اور امام اہلسنت
کے جنازہ میں شرکت کیلئے آرہے تھے راستہ میں ٹریفک حادثہ میں شہید ہو گئے ان کی قبر سے خوشبو
نکلی آپ ہی اتحاد اہلسنت کی لاہور میں ہونے والی بے مثال کانفرنس تحفظ سنت کانفرنس کے نقیب
اور اسٹیج سیکرٹری تھے پھر شیر اسلام امام المتکلمین رحمۃ اللہ فی الارض علامہ علی شیر حیدریؒ کا مقدس ومطہر
خون خوشبوئیں بکھیر کر اکابر علمائے دیوبند کے نظریات وافکار کی صداقت کی گواہی دیتا رہا
جہاں حق تعالیٰ ایک جماعت کو ان انعامات سے نواز کر حق کی صداقت سورج سے زیادہ روشن

کر رہے ہیں وہیں ایک گروہ ان اظہر من الشمس واقعات کا انکار کر رہا ہے چونکہ یہ تمام کراتمین نہ کسی ملحد سے ظاہر ہوئیں نہ کسی بدعت کے خوگر سے یہ تمام اصحاب کرامت اہلسنت والجماعت سے تعلق رکھتے ہیں اس لیے کہ جس کی زندگی مخالف سنت ہو اگر اس سے خرق عادت کام کا صدور ہو تو استدراج ہوتا ہے اور استدراج شیطان کی طرف سے ہوتا ہے نہ کہ رحمٰن کی طرف سے۔ حضرت سے اب تک کے تمام واقعات فرزندان دیوبند کی قسمت میں لکھے نظر آتے ہیں اس لئے اہل الحاد واہل بدعت اس کا انکار کر رہے ہیں اسماعیل سلفی غیر مقلد نے دلی سلفیہ میں حضرت لاہوریؒ کی خوشبو کا انکار کر کے غیر مقلدیت کی بدنامی کا سبب بنا اب دجال وکذاب زبیر غیر مقلد امام بخاریؒ کی اس کرامت کا انکار کر کے اپنی رسوائی کا سامان کر رہا ہے اس پر یہی کہا جا سکتا ہے۔

نور خدا ہے کفر کی پیشانی پہ خندہ زن
پھونکو سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

اسی موقع پر بندہ کو مولانا رومؒ کا یہ شعر یاد آ رہا ہے

گر خفا شے رفت در کورو کبود
باز سلطا ں دیدہ راہا رے چہ بود

مولانا رومیؒ کی قبر کو اللہ نور سے بھر دے فرماتے ہیں کہ چمگادڑ جو اندھیروں میں لٹکا رہتا ہے اگر وہ اندھیرے میں جا کر پیشاب چوس رہا ہے اور پاخانہ چاٹ رہا ہے تو ہم کو کوئی تعجب نہیں چونکہ اس کی خصلت ہی خراب ہے یہ سورج کا دشمن ہے آفتاب دشمنی کی اس کو یہ سزا دی گئی ہے کہ اندھیروں میں الٹا لٹک رہا ہے جس منہ سے کھاتا ہے اسی منہ سے ہگتا ہے اگر اس سے یہ کمینی حرکت ہوتی ہے تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔(درس مثنوی مولانا روم ص ۸۱ ط کتب خانہ مظہری کراچی)

چند مبشرات:

حدیۃ اللہ حاجی کا خواب!

سندھ کی مشہور روحانی گدی حالیجی شریف کے ہی ایک چشم و چراغ سائیں صدیق اللہ حالیجوی خواب میں حضرت حیدری صاحب کی زیارت ہوئی انہوں نے کہا آپ تو شہید ہو گئے تھے فرمایا میں زندہ ہوں مجھے سیدنا صدیق اکبر نے بلایا ہے۔ نبی اقدس ﷺ سے ملاقات کر چکا ہوں اب سیدنا فاروق اعظم سے ملاقات کیلئے جا رہا ہوں۔

ایک اور عالم کا خواب:

اتحاد اہلسنت والجماعت لاہور ڈویژن کے امیر مولانا عبدالشکور صاحب حقانی زید مجدہ رمضان میں لاہور شیرانوالہ کے علاقہ میں بیان کیلئے تشریف لے گئے وہاں ایک عالم صاحب نے خواب سنایا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت حیدری صاحب بیان فرما رہے ہیں اور سامنے سامعین نورانی مخلوق فرشتے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ہے۔

علامہ حیدریؒ کی شہادت

(مولانا نوید مسعود ہاشمی)

پہلے حافظ احمد بخش ایڈووکیٹ کو شہید کر دیا گیا اور اب ضیغم اسلام علامہ علی شیر حیدریؒ بھی شہادت کا جام نوش فرما کر خلد بریں کے وارث بن گئے ..... جس وقت احمد بخش ایڈووکیٹ کو شہید کیا گیا اس سے چند گھنٹے قبل ہی وفاقی وزیر داخلہ رحمٰن ملک نے کراچی میں کہا تھا کہ "اب کوئی ٹارگٹ کلنگ کا واقعہ ہوا تو میں پھر دیکھ لوں گا" ..... لیکن تادم تحریر اصحاب نبوت کے سچے پیروکار حافظ احمد بخش ایڈووکیٹ کے نہ تو قاتل گرفتار کیے جا سکے اور نہ ہی ان کے قتل کی وجہ معلوم ہو سکی ..... وفاقی وزیر داخلہ رحمٰن ملک نے اسلام آباد میں ایک ریلی کے شرکاء سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ "حکومت نے دہشت گردوں کو پسپا کر کے ملک میں امن قائم کر دیا ہے"۔ وزیر داخلہ کے اس دعوے کے چند گھنٹوں بعد ہی پاکستان میں بسنے والے مسلک اہلسنت سے وابستہ لاکھوں مسلمانوں کے دلوں کی دھڑکن نامور عالم دین عظیم خطیب حضرت علامہ علی شیر حیدریؒ کو گولیاں مار کر شہید کر دیا گیا ..... علامہ علی شیر حیدری کے نام سے پاکستان ہی نہیں بلکہ پوری ملت اسلامیہ کا

ہر باشعور شخص بخوبی واقف ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ خیر پور کا جو DPO علامہ علی شیر حیدریؒ کی شہادت کے بعد یہ بیان داغ رہا ہے کہ علامہ کی شہادت ان کی ذاتی دشمنی کا شاخسانہ ہے .....اس نے علامہ علی شیر حیدریؒ کیلئے مستقل سیکورٹی کا بندوبست کیوں نہ کیا؟ آج پاکستان میں کوئی وفاقی وزیر ہو یا صوبائی وزیر حتیٰ کہ صوبائی مشیر تک کئی کئی پولیس موبائلوں کے جلوس میں گھومنا اپنا حق سمجھتے ہیں .... لیکن علامہ علی شیر حیدریؒ جیسی نابغہ روزگار شخصیت کو پولیس پروٹیکشن فراہم کرنا کس کی ذمہ داری تھی؟ کیا یہ پولیس' رینجرز' کمانڈوز اور خفیہ ایجنسیاں صرف وزیروں' مشیروں کی حفاظت اور چاکری کے لئے قائم کی گئی ہیں ....؟ غالباً یہ آج سے اٹھارہ انیس سال پہلے کی بات ہے میں اس وقت کراچی میں اپنے شیخ حضرت اقدس مولانا مسعود ازہر صاحب کی خدمت میں رہتا تھا کہ مجھے جامعہ بنوری ٹاؤن کے ایک طالب علم کی وساطت سے جرنیل اہلسنت مولانا ایثار القاسمیؒ شہید کا ملاقات کیلئے پیغام موصول ہوا۔ مولانا قاسمیؒ اس وقت جھنگ کی سیٹ سے ایم این اے منتخب ہو کر قومی اسمبلی حق و صداقت کا ڈنکا بجا رہے تھے ..... کراچی اسکاؤٹس کالونی میں اس رات انہوں نے کانفرنس سے خطاب کیلئے پہنچنا تھا .... میں جب اسکاؤٹس کالونی میں منعقدہ جلسے کے اسٹیج پر پہنچا تو مولانا قاسمی شہید سے ملاقات ہوئی ..... مولانا قاسمیؒ شہید نے اپنے قریب بیٹھے ہوئے ایک عالم دین کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ ہاشمی صاحب' یہ علامہ علی شیر ہیں .... میں نے اس جانب دیکھا تو سامنے ایک وجیہہ شخصیت کہ جس کے سر پر سیاہ عمامہ' آنکھوں پر سیاہ چشمہ اور سفید براق لباس زیب تن کر رکھا تھا تشریف فرما تھی ..... ہم دونوں ایک دوسرے کی طرف بڑھے اور نہایت گرم جوشی سے بغل گیر ہو گئے ..... یہ میری علامہ علی شیر حیدریؒ سے پہلی ملاقات تھی ..... گزرے اٹھارہ برسوں میں میری علامہ حیدری شہیدؒ سے لاتعداد ملاقاتیں ہوئیں ..... میں نے انہیں کبھی خوفزدہ اور مایوس نہیں دیکھا ..... جس وقت وہ گوجرانوالہ جیل میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کر رہے تھے تبھی اس دوران انہوں نے جیل کے اندر چند مہینوں میں قرآن پاک حفظ کر کے دنیا کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا تھا ..... علامہ حیدریؒ اصحاب رسول صلی

اللہ علیہ وسلم سے والہانہ عشق اور محبت رکھتے تھے خطاب کرنے کیلئے جب سٹیج پر تشریف لاتے تو آپ کے ہزاروں چاہنے والے دیوانہ وار نعرہ لگاتے "تجھ شیر مجھ شیر اعلی شیر علی شیر" آپ جب اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق میں ڈوب کر خطاب شروع کرتے تو مجمع جھوم جھوم اٹھتا ..... نوجوان بے قابو ہو کر تکبیر رسالت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کی عظمتوں کے نعرے بلند کرتے' بلا مبالغہ آپ کے دلپذیر خطابات سے متاثر ہو کر ہزاروں گمراہ نوجوانوں نے تائب ہو کر سیدھی راہ کو اختیار کیا' تقریباً چار سال قبل لال مسجد کے مؤذن قاری ایوب کے گھر پر میری علامہ علی شیر حیدریؒ سے تفصیلی ملاقات ہوئی ..... اس ملاقات میں علامہ عبدالرشید غازی شہیدؒ بھی موجود تھے۔ اس ملاقات کے بعد علامہ علی شیر حیدریؒ کا احترام میرے دل میں مزید بڑھ گیا ..... علامہ شہیدؒ کے قریب رہنے والے جانتے ہیں کہ علامہ علی شیر حیدریؒ اتحاد بین المسلمین کے بہت بڑے داعی تھے ..... بلکہ بریلوی' دیوبندی' اہلحدیث علماء کے ساتھ ان کے بیانات چلتے ہی رہتے تھے ..... گستاخان رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہوں یا گستاخان اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم مولانا حیدریؒ ان سب کے خلاف برہنہ شمشیر تھے ..... یہ بات بڑی باعث تعجب ہے کہ مولانا حیدری کی شہادت کو اتنا عرصہ بیت چکا ہے ..... لیکن پاکستان کے صدر ہوں' وزیراعظم ہوں یا لندن والے پاکستانی وفاقی وزیر داخلہ' کسی حکومتی شخصیت کی طرف سے مذمتی بیان تو در کنار یہاں تک بھی نہیں کہا گیا کہ ہم قاتلوں کو آہنی ہاتھوں سے نمٹیں گے ..... سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب ملک کے حکمران خود فرقہ واریت کو ہوا دینے کی کوشش کر رہے ہوں تو پھر شکوہ کیا؟ پیر کی صبح سکھر سے میرے دوست مولانا عطاء اللہ کا فون آیا تو ان کا لہجہ بڑا دل گرفتہ تھا' وہ کہہ رہے تھے کہ ہاشمی صاحب علامہ حیدریؒ کی شہادت سے علم وعمل کا ایک آفتاب ہم سے جدا ہو گیا ..... نفرت کے سوداگروں نے ملک وملت کی عظیم ترین متاع چھین کر یہود ونصاریٰ کے ایجنڈے کی تکمیل کرنے کی کوشش کی ..... راقم نے ان سے عرض کیا کہ مولانا حق نواز جھنگویؒ شہید ہوں' مولانا ایثار القاسمیؒ مولانا ضیاء الرحمٰن ہوں' مولانا اعظم طارق شہیدؒ ہوں' شہدائے افغانستان ہوں' شہدائے کشمیر ہوں' شہدائے

لال مسجد ہوں یا شہید علامہ علی شیر حیدریؒ یہ سب آسمان علم وولایت کے وہ درخشندہ ستارے ہیں کہ جن کے علم وعمل، کردار اور اخلاص وقربانی کو قیامت تک یاد رکھا جائے گا کہ "میرے رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے ایسے سچے پیروکار اور عشاق تھے کہ جنہوں نے دنیا کو پاؤں کی ٹھوکر سے اڑا کر ..... ہتھکڑیوں کو چوم کر ہاتھوں میں اور بیڑیوں کو فخر جان کر پاؤں میں پہنا ..... انہوں نے تھانوں، جیلوں اور زندان خانوں کی کوٹھڑیوں میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کر کے بھی صحابہؓ کی عظمتوں کے ترانے بلند کئے ..... اگر کسی کو یقین نہ ہو تو اسے چاہیے کہ وہ لاہور کے بدنام زمانہ چوہنگ سینٹر کی تنگ وتاریک کوٹھریوں اور بیرکوں کی چار دیواروں کو آج بھی جا کر دیکھ سکتا ہے کہ جہاں صحابہؓ کے دیوانوں نے گلی گلی، نگر نگر، عمرؓ عمرؓ کے نعرے درج کئے ہوئے ہیں ..... کوئی صاحب دل ان دیواروں سے سوال کرے کہ تم نے 63 سالوں میں بڑے بڑے شیروں کو اپنی پناہ میں لئے رکھا بتاؤ بہادری، جرات، حق گوئی اور اپنے موقف پر کٹ مرنے کا جذبہ سب سے زیادہ کس میں موجود تھا ..... ؟ تو یہ دیواریں صاحب حال بزرگ کے کانوں میں سرگوشیاں کرنے پر مجبور ہو جائیں گی ..... کہیں سے مولانا حق نوازؒ کی عزیمت کا نغمہ اٹھے گا، کہیں سے فاروقیؒ اور اعظم شہیدؒ کا نام گونجے گا اور کہیں سے مولانا محمد مسعود اظہر اور علامہ علی شیر حیدریؒ کی صدائیں بلند ہوں گی ..... علامہ حیدریؒ کی شہادت نے بہت مدت بعد مجھے ایک دفعہ پھر بری طرح رلا دیا، اللہ علی شیر حیدریؒ کی قبر کو بقعہ نور بنادے ..... آمین

مولانا محمد مسعود اظہر

اللہ تعالیٰ درجات بلند فرمائے ..... شہادت قبول فرمائے اور اعلیٰ علیین میں مقام نصیب فرمائے ..... حضرت مولانا علامہ علی شیر حیدری گزشتہ رات شہید کر دیئے گئے ..... انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ان للہ ما اخذ ولہ ما اعطی وکل شئی عندہ باجل مسمی۔

ابھی تھوڑی دیر بعد چار بجے ان کی نماز جنازہ ادا کی جائے گی ..... اور پھر وہ خاک کی چادر اوڑھ لیں گے ..... اللہ تعالیٰ ان پر رحمت فرمائے وہ بڑے عالم اور بلند پایہ خطیب تھے ..... ان کے

جانے سے امت کا بڑا نقصان ہوا ..... ملک میں کئی جگہوں پر ہنگاموں کی خبر ہے ..... بہت سے مسلمان غم سے نڈھال اور جذبات سے بے قابو ہیں ..... سب سے اداس اہل حق کا وہ "اسٹیج" ہے جو آہستہ آہستہ گھپ ویرانی کی طرف جارہا ہے ..... علامہ حیدری دلیل سے بات کرتے تھے اور علم کے زور پر بولتے تھے ..... انہوں نے حضرت تونسوی مدظلہ اور حضرت مولانا محمد امین صفدرؒ سے علم مناظرہ کی تکمیل کی تھی اور خود بھی صف شکن مناظر تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بلند آہنگ اور اچھی آواز سے نوازا تھا اور جسمانی طور پر بھی خوب باوجاہت تھے کچھ عرصہ پہلے ان کے "والد محترم" کو شہید کیا گیا تھا اور آج ان کا خود اپنا جنازہ بھی مسلمانوں کے کندھوں پر ہے۔ اہل علم تیزی سے اٹھتے جارہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ امت مسلمہ پر رحمت اور رحم فرمائے۔

شیر کی زندگی!

(مولانا محمد اسلم شیخوپوری مدظلہ)

نزول قرآن کا مبارک مہینہ' ہزاروں نفوس پر مشتمل پنڈال گوش برآواز' عقیدت و محبت کا ماحول' صاحب دردو اور باکردار خطیب کی بارعب مگر پراثر آواز' فصاحت و بلاغت کا بہتا ہوا چشمہ' عقل و نقل اور جوش اور ہوش کا امتزاج' نصیحت اور خیر خواہی پر مبنی لہجہ' دلائل سے مزین خطاب' نہ گالی نہ استہزاء خطیب پروقار انداز میں کہہ رہا تھا۔

"رمضان کا تعلق قرآن سے ہے اور قرآن جس کے پاس آیا اس کو رنگ لگ گیا۔ قرآن جس نبی کے پاس آیا وہ تمام انبیاء کے سردار ہیں۔ قرآن جس امت کے پاس ہے وہ امت ساری امتوں کی سردار ہے۔ قرآن پاک جس رات نازل ہوا اور وہ رات ساری راتوں کی سردار ہے۔ قرآن جس مہینے میں نازل ہوا وہ مہینہ سارے مہینوں کا سردار ہے۔ پھر میں کیوں نہ کہوں کہ جس طبقے کو سب سے اول قرآن نصیب ہوا وہ طبقہ سارے طبقوں کا سردار ہے"۔

مجمع پر وجد کی کیفیت طاری ہے۔ ایک ایک جملہ دل میں اترتا جاتا ہے۔ خطیب اپنی بات آگے بڑھاتے ہوئے کہتا ہے۔ "ہمیں سب کچھ قرآن نے سکھایا۔ توحید قرآن نے سکھائی۔ رسالت

قرآن نے سمجھائی۔ ختم نبوت کا مسئلہ قرآن کے ذریعے ملا۔ روزے کی فرضیت قرآن سے ثابت ہوئی۔ حج قرآن نے سکھایا۔ مختصر یہ کہ سارے کا سارا دین قرآن نے سکھایا اور خود قرآن ہمیں اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھایا"۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ والہانہ محبت کا یہ وہ انداز تھا جس کی خوشبو علامہ علی شیر حیدری رحمہ اللہ کی خطابت میں پوری رچ بس گئی تھی۔ جیسے گلاب کی پنکھڑیوں میں خوشبو! اپنے موقف کی صداقت پر ایمان' کردار کی پاکیزگی' نفسیات شناسی' کتاب وسنت کا مطالعہ' حالات کا مشاہدہ' خیالات کی سچائی' حرص وطمع سے اجتناب' للہیت اور اخلاص جیسے محاسن کی وجہ سے علامہ حیدری اپنے ہم عصر خطباء میں نمایاں نظر آتے تھے۔ ظاہر بھی اجلا' باطن بھی روشن۔ وہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے وکیل ہی نہ تھے' عملی زندگی میں ان کے متبع اور پیروکار بھی تھے۔ سادہ زندگی جس میں تکلف اور تعیش نام کو نہ تھا۔ عمل اور جہد مسلسل جس میں فضولیات کی قطعاً گنجائش نہ تھی۔ دن کو کراچی میں ہوتے تو رات لاہور میں گزرتی۔ ایک ایک دن میں کئی کئی جگہ خطاب' سرکاری اور غیر سرکاری اجلاسوں میں شرکت' کارکنوں کے مسائل' تنظیم کی شیرازہ بندی' مدرسے کے معاملات' درس وتدریس کی ذمہ داری۔ حالات نے انہیں ایک ایسی تنظیم کا سرپرست بنا دیا جس کے چار قائد اور بیسیوں کارکن شہید کیے جا چکے ہیں۔ ہزاروں جیلوں میں بند تھے۔ ان کی جماعت پر شدت پسندی کا لیبل لگ چکا تھا۔ عام لوگ اسے جوشیلے نوجوانوں کا ایک ایسا گروہ سمجھتے تھے جو اینٹ کا جواب پتھر سے دینا فرض سمجھتے تھے۔ قتل وغارت کی حقیقی یا فرضی وارداتیں ان سے منسوب تھیں۔ جیسے دنیا بھر میں ہونے والی کسی بھی پرتشدد کارروائی کو "القاعدہ" کے کھاتے میں ڈال دیا جاتا ہے' یونہی پاکستان میں ایک وقت ایسا بھی آیا جب پاکستان کے کسی بھی گوشے میں ہونے والی دہشت گردی حضرت جھنگوی رحمہ اللہ کی طرف نسبت رکھنے والوں کے نامہ اعمال میں درج کر دی جاتی تھی۔

یہ صورت حال از حد پریشان کن تھی۔ ایک طرف وہ جوشیلے کارکن تھے' جو اپنے ساتھیوں کے جنازے اٹھا اٹھا کر تھک چکے تھے اور جن کے سینے اپنے قائدین کی شہادت سے چھلنی تھے۔ ان کا

پیمانہ صبر لبریز ہو چکا تھا اور انہیں کنٹرول کرنا کارے دارد تھا۔ دوسری جانب وہ جہاندیدہ مشائخ اور علماء تھے دیانتداری سے سمجھتے تھے کہ تشدد کا جواب تشدد سے دینے میں نہ صرف تشدد کو فروغ ملتا ہے بلکہ افہام و تفہیم کا دروازہ بھی بند ہو جاتا ہے۔ دعوت و تبلیغ کی بنیاد حکمت و بصیرت' موعظہ حسنہ اور نصیحت و خیر خواہی پر ہوتا ہے' مار دھاڑ پر نہیں۔ گالی سے سوال اور گالی سے جواب ابوجہل اور اس کی ذریت کا شیوہ تھا۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے غلاموں کا طریقہ نہیں۔ گالی گلوچ پر وہ بھی وست اتر تا ہے جس کے ترکش میں کوئی دلیل نہیں ہوتی۔ جس کے پاس مسکت دلائل کا انبار ہو وہ گالی دیتا ہے۔ نہ ہی بلاوجہ ہتھیار اٹھاتا ہے۔

یہ وہ حالات تھے جن میں مولانا حیدریؒ کے کندھوں پر قیادت کا بار گراں رکھا گیا۔ اگر وہ محض حالات کے رخ پر بہنے اور سوز و ساز کی جینا کاری سے عوامی میدان سر کرنے والے خطیب ہوتے تو وہ کبھی بھی اس امتحان میں کامیاب نہ ہوتے۔ یا تو مسلسل دکھ اٹھاتے ہوئے کارکن ان سے بدظن ہو جاتے یا پھر اپنے اساتذہ اور مشائخ کی نظروں سے وہ گر جاتے' مگر مولانا نے اپنے علم و تقویٰ اور اعلیٰ اخلاق و اوصاف کی بدولت بڑی خوبی اور کامیابی سے اپنے دور قیادت کو نبھایا۔ ان کی خطابت و قیادت میں کارکنوں کو مولانا حق نواز جھنگویؒ کی شعلہ نوائی' مولانا ایثار القاسمی کے جذبہ ایثار' مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقی کا ذوق تحقیق اور مولانا اعظم طارق کی جرات و شجاعت کا عکس دکھائی دیا تو دوسری طرف ان کی وسعت ظرفی' تواضع و انکساری' طالب علمانہ مزاج اور اساتذہ کے ادب و احترام کی عادت نے انہیں مشائخ کے قرب اور اعتماد سے محروم نہ ہونے دیا۔ اس اعتماد کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ آپ روایتی عوامی خطیب نہ تھے بلکہ ٹھوس استعداد کے حامل مدرس' مفتی اور مناظر بھی تھے۔

خیر پور میں جامعہ حیدریہ کے نام سے 1987ء میں ایک دینی ادارے کی بنیاد رکھی جسے بہت تھوڑے وقت میں پاکستان بلکہ بیرون پاکستان بھی شہرت حاصل ہو گئی۔ یہاں مکمل درس نظامی کے علاوہ فرق باطلہ کی تردید کے لئے سالانہ تعطیلات میں مناظرہ بھی پڑھایا جاتا تھا۔ جس میں

دور دراز سے طلبہ بڑے ذوق وشوق سے شرکت کرتے تھے۔ مولانا بجا طور پر سمجھتے تھے کہ فتنوں کی کثرت کے اس دور میں طلبہ کو خطرناک فتنوں کی ماہیت وحقیقت اور علمی انداز میں ان کی تردید کے اسلوب سے آگاہ کرنا ضروری ہے تاکہ جب یہ طلبہ عملی میدان میں قدم رکھیں تو عوام کے ایمان اور نظریات کی حفاظت کا فریضہ بہتر انداز میں سرانجام دے سکیں۔ یہی فرق باطلہ جن کی تردید مولانا کی زندگی کا مشن تھا وہ عرصے سے ان کے تعاقب میں تھے۔

مولانا ان کے تعاقب سے ہرگز بے خبر نہ تھے۔ عرصہ ہوا کہ انہوں نے اپنی شہادت کے بعد سر اٹھانے والے مسائل اپنی بساط کے مطابق حل کر دیئے تھے۔ وہ کتنی ہی بار جامعہ حیدریہ کے در و دیوار پر الوداعی نظر ڈال کر رخصت ہوئے۔ انہیں زندہ واپس آنے کا یقین نہ ہوتا تھا۔ بالخصوص جب سے ان کے والد گرامی شہید ہوئے تھے وہ شہادت کی خلعت زیب تن کرنے کے یونہی منتظر تھے جیسے دینی مدارس کے طلبہ دستار بندی کے منتظر ہوتے ہیں۔ مخالفین کی دھمکیوں، دشمنوں کے تعاقب، گولیوں کی سنسناہٹ اور شہادت کے یقین کے باوجود وہ اپنے مشن سے ایک انچ پیچھے ہٹنے کے لئے تیار نہ ہوئے۔ کیونکہ وہ ٹیپو سلطان شہید رحمہ اللہ کے اس قول پر یقین رکھتے تھے: "شیر کی ایک دن کی زندگی گیدڑ کی ہزار سالہ زندگی سے بہتر ہے"۔ اللہ رحمت نازل کرے صحابہ کے دفاع میں گرجنے والے اس شیر کی قبر پر جس نے علی اور حیدری کی نسبت کی لاج رکھتے ہوئے گردن کٹوا تو دی مگر جھکائی نہیں۔

علامہ علی شیر حیدری کی المناک شہادت!

مولانا محمد ازہر صاحب

23 شعبان المعظم 1430ھ (18 اگست 2009ء) کو ملک کے ممتاز ومجاہد عالم دین جامعہ حیدریہ انوار الہدیٰ کے مہتمم اور تنظیم اہل السنۃ والجماعۃ کے سرپرست اعلیٰ حضرت مولانا علی شیر حیدری نامعلوم دہشت گردوں کی فائرنگ سے خلعت شہادت پہن کر اس قافلہ شہداء سے جا ملے جس کے قائدین وکارکنان نے وطن عزیز میں طاغوتی وشیطانی طاقتوں، ملحدین ومنکرین ختم نبوۃ اور

ناقدین و گستاخان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا دلائل و براہین کے ساتھ تعاقب کیا اور اعلائے کلمۃ الحق کی راہ میں کسی جابر و ظالم اور سخت گیر حاکم سے ڈرنے یا دبنے کی بجائے ڈنکے کی چوٹ پر حق و صداقت کا اظہار کیا۔ علامہ علی شیر حیدری کی اندوہناک شہادت کا گہرا صدمہ ہر اس مسلمان اور پاکستانی نے محسوس کیا ہے جو توحید ربانی کے ساتھ تعظیم و تکریم رسالت عظمت صحابہؓ و اہل بیتؓ اصلاح و بیداری ملت بیضاء اور احترام آدمیت پر یقین رکھتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ علی شیر حیدریؒ ایک شعلہ نوا خطیب تھے اور جب وہ اپنے مخصوص اور پرسوز انداز میں عظمت اصحابؓ و اہل بیتؓ کو بیان کرتے اور بڑی بے خوفی اور جرات کے ساتھ قرآن وحدیث سے دلائل و براہین کے انبار لگاتے چلے جاتے تو وہ ہزاروں نوجوانان اہل سنت و الجماعت کے قلوب کو محبت و احترام اصحابؓ و اہل بیت کے جذبات سے معمور کر دیتے' لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ علامہ علی شیر حیدری محض الفاظ کی رنگینی و روانی سے اپنے خطاب کو مرصع نہیں کرتے تھے بلکہ وہ اپنا موقف ہمیشہ علمی انداز میں پیش کیا کرتے تھے' وہ محض مقرر و خطیب نہ تھے' وہ اپنے قائم کردہ مدرسہ حیدریہ میں علوم و فنون کی بلند پایہ کتب بالخصوص علم کلام اور مناظرہ کے اسباق خود پڑھاتے تھے۔ یہی رنگ ان کی تقاریر و خطبات میں نمایاں تھا۔ ہماری دانست میں علامہ مرحوم کی شہادت میں ان گروہوں کا ہاتھ نظر انداز نہیں کیا جا سکتا جو ان کے علمی و تحقیقی انداز خطاب سے خائف تھے' آخر کار انہی قوتوں نے دلیل کا جواب دلیل سے دینے کی بجائے گولی سے دینے کا فیصلہ کیا۔

حقیقت یہ ہے کہ علامہ علی شیر حیدری اسی قافلہ کے سالار و حدی خواں تھے جو اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ناموس و عزت کے تحفظ کا پرچم لے کر نکلا' جس نے راہ وفا میں نذرانہ جاں پیش کیا مگر پرچم عشق و وفا کو سرنگوں نہیں ہونے دیا۔ مولانا حیدریؒ کا تعلق جس جماعت سے تھا' حکومت اسے ایک شدت پسند جماعت سمجھتی ہے اور اسی تناظر میں اس پر پابندی بھی تھی مگر حقیقت یہ ہے کہ مذہبی دہشت گردی اور فرقہ وارانہ کشیدگی کے خاتمہ کے لیے اس نوع کے اقدامات اس لیے لاحاصل

اور بے سود رہے کہ اصل اسباب کی تعیین اور علاج کی طرف توجہ نہیں دی گئی۔ ظالم ومظلوم اور شدت پسند و امن پسند کی تعیین کرتے وقت اس حقیقت کو بھی پیش نظر رکھا جانا چاہیے کہ علامہ علی شیر حیدری کا لعدم سپاہ صحابہؓ پاکستان کے وہ پانچویں سربراہ ہیں جنہیں خون شہادت میں لت پت کیا گیا۔ اس سے قبل 22 فروری 1990ء میں جماعت کے بانی سربراہ مولانا حق نواز جھنگوی، 10 فروری 1991ء کو مولانا ایثار القاسمی، 18 جنوری 1997ء کو مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقی اور 6 اکتوبر 2003ء کو مولانا اعظم طارق کو شہید کیا گیا' ان علمائے کرام کے قتل کے پیچھے کون سی قوتیں متحرک ہیں یہ کوئی سربستہ راز نہیں تھا لیکن کسی حکمران کو یہ جرات نہ ہوئی کہ وہ ملک میں امن وامان قائم رکھنے کے لئے ان عناصر کو منظر عام پر لا کر قانونی تقاضے پورے کرتا جو ایک ہی مسلک کے علماء کرام کو بطور خاص نشانہ بنا رہے تھے۔

اہل وطن اس حقیقت سے اچھی طرح باخبر ہیں کہ پاکستان میں مختلف خیالات ونظریات کے حامل مسالک موجود ہیں مگر ان میں کبھی ایسی سنگین صورت حال پیدا نہیں ہوئی تھی کہ مذہبی اختلاف رکھنے والوں کو گولیوں سے بھون دیا جائے اور مساجد اور عبادت گاہوں کو میدان جنگ بنا دیا جائے۔ پاکستان میں فرقہ وارانہ کشیدگی نے ہمارے پڑوسی ملک ایران میں مذہبی انقلاب کے بعد شدت اختیار کی۔ ایک خاص ذہنیت کے تحت ایرانی انقلاب کو پاکستان میں "درآمد" کرنے کی کوشش کی گئی اور انتہائی غیر معقول طریقے سے پاکستان جیسے ملک میں "تحریک نفاذ فقہ جعفریہ" جذباتی نعروں اور پورے شدومد کے ساتھ شروع کر دی گئی جس کی نوے فیصد آبادی اہل سنت والجماعت پر مشتمل ہے۔

جب حب جاہ کے مرض میں مبتلا مذہبی لیڈروں نے اشتعال انگیز نعروں کی گونج میں اقلیتی فقہ کے نفاذ کی تحریک شروع کی تو مفاہمت ورواداری اور محبت وبرداشت کی فضاء کو دھچکہ لگا جس کے نتیجہ میں فرقہ وارانہ کشمکش کا دائرہ پھیلتا چلا گیا۔ اگر اس حقیقت کو خوش دلی سے قبول کر لیا جائے کہ پاکستان میں غالب اکثریت اہل السنۃ والجماعۃ کی ہے اور اکثریت کے عقائد واعمال اور جذبات

اور احساسات کی رعایت نہ کرنا عقل و بصیرت کے

خلاف ہے تو فرقہ وارانہ کشیدگی میں بہت حد تک کمی آ سکتی ہے۔ جس طرح اہل السنۃ والجماعۃ کا کوئی فرد اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی معاذ اللہ بے ادبی یا توہین کا خیال بھی دل میں نہیں لا سکتا۔ اسی طرح وہ دوسرے مسالک کے دوستوں سے بھی یہ توقع رکھتے ہیں کہ وہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کے وقت جادۂ اعتدال سے نہیں ہٹیں گے۔ حضرات صحابہ کرامؓ، اہل بیت عظامؒ اور ائمہ کرامؒ تمام امت کا مشترکہ سرمایہ اور واجب الاحترام طبقہ ہیں۔ ان کے کمال ایمان اور رشد و تقویٰ کی شہادت قرآن کریم نے دی ہے ان کے وقار و تقدس کو موضوع بنا کر دوسروں کے جذبات کو مجروح کرنا حکمت و دانش کے خلاف ہے۔ فکر و نظر کے اختلاف کے باوجود ایک دوسرے کے اکابر کا احترام ایسا نقطۂ اتفاق ہے جو فرقہ واریت کے تناؤ کو کم کر سکتا ہے' دینی شخصیات کے ساتھ محبت و ارادت کا آبگینہ معمولی ٹھیس بھی برداشت نہیں کر سکتا' لہٰذا اس باب میں انتہائی احتیاط کی ضرورت ہے۔

آج علامہ علی شیر حیدری کی المناک شہادت پر تمام دینی حلقے اس لیے افسردہ اور غمزدہ ہیں کہ وہ ناموس رسالت صلی اللہ علیہ وسلم اور عظمت صحابہؓ کے لئے ایک توانا آواز تھی جب حکمرانوں کے ظلم و جبر نے بڑے بڑے قادر الکلام خطیبوں کی زبانوں پر مصلحت وقت کے پہرے لگا دیئے۔ علی شیر حیدری کی زبان صحابہ کی عظمت و منقبت بیان کرتی رہی۔ اس آواز حق کو دبایا جا سکا نہ خریدا جا سکا۔ مولانا علی شیر حیدری نے صحابہ کی عظمت کے ترانے کو آخری وقت تک وِردِ زبان رکھا' مولانا کا شہادت کا واضح پیغام یہ ہے کہ عوام الناس کے ایمان و تحفظ کے لیے حق و باطل کے درمیان جو لکیر قائم ہے اس کی نشاندہی پر مفاہمت یا سودے بازی نہ کی جائے۔ اہل حق کو چاہیے کہ ان کی شہادت کے بعد پاکستان میں فرقہ وارانہ کشمکش کے خاتمہ کے لئے حضرات صحابہ کرامؓ اور اہل بیت عظامؓ کی عزت و ناموس کے تحفظ کی تحریک کمزور نہ ہونے دیں۔ حق تعالیٰ شانہ علامہ علی شیر حیدریؒ کو جنت الفردوس میں اپنا قرب خاص نصیب فرمائیں اور ان کی دینی و علمی خدمات قبول

فرمائیں۔ آمین

اشعار

مخلصین نے میسجوں میں بہت اشعار بھیجے، چند حاضر خدمت ہیں:

حق کے راہی تھکا نہیں کرتے
سوئے منزل رُکا نہیں کرتے
جو دیے خون حق سے روشن ہوئے
وہ گولیوں سے بجھا نہیں کرتے

☆☆☆☆☆

منتظر تھی جنت علی شیر کی
تھی صحابہ سے نسبت علی شیر کی
تادم مرگ اپنے مشن پہ رہا
دیکھئے استقامت علی شیر کی
راہِ مولا میں مرنا ہے رشک حیات
ہے شہادت سعادت علی شیر کی

بندہ کے برادر صغیر حافظ محمد محبوب عالم نے شہادت کے کچھ دیر بعد یہ شعر بھیجا.....

روتی ہوئی آنکھوں کا منظر نہ ملے گا
دوست پھر تم کو ہم جیسا نہ ملے گا
یاد آئے گی ہماری بچھڑ جانے کے بعد
جب دنیا کی محفلوں میں ہم سا نہ ملے

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مصنف اکابرین کی نظر میں

۱۔ مولانا (محمد محمود عالم صفدر صاحب) بیعت کیا کرو آپ میرے سردار ہو۔

(قطب العصر مولانا سید امین شاہ)

۲۔ مولانا (محمد محمود عالم صفدر صاحب) لکھتے رہا کریں، دو سو سال گزرنے کے بعد مولانا عبد العزیز پڑھاوریؒ کی طرح آپ کے اقوال بھی حجت ہوں گے۔

(علامہ علی شیر حیدری شہیدؒ)

۳۔ مولانا محمود کتنے پتلے ہیں مگر علم کتنا پختہ ہے۔ (مفتی غلام قادر آف سندھ)

۴۔ مولانا محمود صاحب اکابر کی روحانیت کا مکھن ہیں۔ (مولانا منیر احمد منور مدظلہ)

۵۔ مولانا محمود صاحب دنیا کے نادر علما میں سے ہیں۔ (ڈاکٹر سعید احمد عنایت اللہ)
شیخ الحدیث جامعہ صولتیہ مکہ مکرمہ

۶۔ مولانا محمود صاحب علم کے سمندر ہیں۔ (مولانا اسامہ رضوان مدظلہ)

۷۔ مولانا محمود صاحب کا دماغ سمندر ہے۔ (مفتی سعید الرحمٰن نقشبندی مجددی مہاجر مدنی مدظلہ)

۸۔ دنیا میں مولانا محمود جیسے علما کم ملتے ہیں۔ (مولانا ابو بکر غازی پوریؒ)

اسٹاکسٹ

الاعتدال اکیڈمی

0331-9144212